ردِّ قادیانیت

رسائل

- رئیس المحدثین حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ
- حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
- شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ
- محدثِ کبیر حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

احتسابِ قادیانیت

جلد چہارم

عالمی مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوۃ
حضوری باغ روڈ ۔ ملتان - فون: 514122

ردِّ قادیانیت

رسائل

- رئیس المحدثین حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ
- حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
- شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ
- محدثِ کبیر حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھیؒ

احتسابِ قادیانیت

جلد چہارم

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوة
حضوری باغ روڈ، ملتان - فون: 514122

297.87
20731
9۴119
جلد ۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب : احتساب قادیانیت جلد چہارم

مصنفین : حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ
حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ
حضرت مولانا محمد بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ

طبع اول : ستمبر ۲۰۰۱ء
قیمت : ۲۰۰ روپے
ناشر : عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ ملتان
فون نمبر : ۵۱۴۱۲۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

دیباچہ

الحمدللہ وکفی وسلام علیٰ خاتم الانبیاء، اما بعد!

اللہ رب العزت کے فضل وکرم سے ’’احتساب قادیانیت‘‘ کی چوتھی جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ۱۹۸۸ء میں مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسین اخترؒ کے رد قادیانیت پر مجموعہ رسائل کو ’’احتساب قادیانیت‘‘ جلد اول کے نام سے شائع کیا تھا۔ اس وقت خیال بھی نہ تھا کہ یہ سلسلہ آگے جاری رکھا جائے گا۔ قدرت کے کرم اور کریم کے احسانات کو دیکھئے کہ اس نام سے جلد دوم میں حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے رسائل اور جلد سوم میں حضرت مولانا حبیب اللہ امرتسریؒ کے رسائل کے مجموعہ جات شائع ہوگئے۔ دوسری جلد کی اشاعت پر جامعہ خیر المدارس ملتان کے استاذ التفسیر حضرت مولانا محمد عابد صاحب مدظلہ کا اصرار کی حد تک حکم تھا کہ حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ کے رسائل کو بھی یکجا شائع کریں۔ ان کی تجویز پر فقیر نے ارادہ کر لیا تھا لیکن تیسری جلد پر کام شروع ہو چکا تھا۔ چنانچہ تیسری جلد کی تکمیل پر فقیر نے شہید ختم نبوت حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ سے عرض کیا کہ آپ اجازت بخشیں تو احتساب قادیانیت کی چوتھی جلد میں شیخ الاسلام سید محمد انور شاہ کشمیریؒ، حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، محدث کبیر حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ کے رد قادیانیت کے مجموعہ رسائل کو یکجا کر دیا جائے۔ آپ اس تجویز پر بلا مبالغہ خوشی سے اچھل گئے۔ فرمایا! ضرور۔ ان کی متبسم شیریں بیانی کا منظر اس وقت بھی آنکھوں کے سامنے ہے۔ فقیر نے عرض کیا کہ آپ دعا بھی فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ آسانی پیدا فرمادیں اور یہ چھپ جائے۔ آپ نے وجد بھری کیفیت میں فرمایا! ’’چھپ گئی‘‘ آج جب اس کتاب کے دیباچہ کے لئے قلم اٹھایا ہے تو یہ حسرت ومحرومی دل کو گھائل کر رہی ہے کہ کتاب چھپ گئی اور اس کی اشاعت کی منظوری دینے والے منوں مٹی کے نیچے چھپ گئے۔ یہاں پہنچ کر دل کی تار نے سازوہ چھیڑ دیا ہے کہ اس سے آگے لکھنے کا یارہ نہیں رہا۔ ہر کتاب کا تعارف اس کتاب کے ابتداء میں دے دیا گیا ہے۔ چند ماہ ہوئے حضرت علامہ خالد محمود صاحب دامت برکاتہم سے ملتان دفتر مرکزیہ میں مقدمہ لکھوا لیا تھا۔ اب اسے پڑھئے۔ اللہ تعالیٰ مزید توفیق عنایت فرمائیں اور خدا کرے کہ یہ سلسلہ چلتا رہے۔ آمین!

فقیر اللہ وسایا!

۷/۶/۱۴۲۲ھ

۲۷/۸/۲۰۰۱ء

۱۴-۸-۲۰۱۱

[illegible]

۲۰۰/-

مقدمہ

از حضرت ڈاکٹر علامہ خالد محمود مانچسٹر

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفی ۔ اما بعد!

مرزا غلام احمد قادیانی کے بارے میں عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ انگریزوں نے ہندوستان میں اپنی حکومت کو استحکام دینے اور جہاد کو احکام اسلام سے خارج کرنے کے لئے مسلمانوں میں ایک مذہبی گروہ پیدا کیا۔ جس نے انگریزوں کے سیاسی مفادات کو پورا کرنے کے لئے قادیان (پنجاب) میں ایک نئی وحی اتاری اور اسلام کے مرکزی عقیدہ ختم نبوت کو بری طرح مجروح کیا۔ بات اس سے بہت آگے بھی نکلی۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی یہ تحریک صرف ہندوستان کے لئے نہیں پوری دنیائے اسلام کے خلاف ایک زبردست دجالی کاروائی تھی جس نے پورے اسلام کو استعارات کی زد میں لاکر ایک ایک بنیاد اسلام کو تاویل باطل مہیا کی، اور دیکھتے دیکھتے پرانے اسلام کے خلاف ایک نیا اسلام لا کھڑا کیا اور مندرجہ ذیل اصولوں پر اپنے اس نئے اسلام کی بنیاد رکھی۔

۱.......... قرآن سمجھنے میں اب تک امت مسلمہ نے جو ذرائع اختیار کئے تھے اور تفسیر پر تیرہ صدیوں میں جو عظیم ذخیرہ تیار کیا تھا یکسر ناقابل اعتبار ٹھہرایا اور کھل کر کہا کہ پچھلی تیرہ صد سالہ تفاسیر میں ہم کسی کا اعتبار نہیں کرتے۔

۲.......... مسلمانوں کے حدیثی لٹریچر پر اپنے آپ کو حکم ٹھہرایا کہ جو حدیث ہم کہیں، وہی لائق قبول سمجھی جائے اور جو حدیث ہماری وحی کے مطابق نہ چلے اسے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جائے۔

۳.......... صحابہ کرامؓ کی قرآن فہمی اور حدیث دانی میں غلطیاں نکالی جائیں اور انہیں پرانے اسلام کے لئے معیار حق نہ مانا جائے تاکہ اس نئے اسلام کا پرانے اسلام سے کوئی تسلسل باقی نہ رہے۔

۴.........اسلام کا مرکز عقیدت مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ نہ رہیں۔ یہ بات کھل کر کہی جائے کہ اب مکہ و مدینہ کی چھاتیوں سے دودھ خشک ہو چکا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے پرانے اسلام پر ان چار ایٹمی ہتھیاروں سے حملہ کیا۔ اکابر علماء اسلام میں سے امام العصر حجتہ الاسلام حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے قادیانیت کو پوری امت مسلمہ پر ایک ”عالمگیر دجالی حملہ“ سمجھا۔ یہ صحیح ہے کہ اس سے پہلے علماء اسلام ختم نبوت اور حیات مسیح کے عنوانات پر قادیانیوں کے خلاف اعتقادی جنگ کا آغاز کر چکے تھے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ احتیاط کی تمام منزلوں سے گزر کر مرزا غلام احمد قادیانی پر حتمی کفر کا فتویٰ دے چکے تھے۔ لیکن ابھی تک بطور جماعت قادیانیت کو ایک غیر مسلم اقلیت نہ کہا گیا تھا اور نہ قادیانیت کو ہندوستان سے آگے گزر کر پوری امت کے خلاف ایک عالمگیر دجالی فتنہ قرار دیا گیا تھا۔ حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ نے مرزا غلام احمد قادیانی کی اس دجالی تحریک کے خلاف ”**دعوت حفظ ایمان**“ کی آواز لگادی۔ بابائے صحافت مولانا ظفر علی خانؒ نے انجمن دعوت وارشاد قائم کی اور حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے تمام شاگردوں کو اس میں شرکت کی دعوت دی اور حکومتی سطح پر قادیانیوں کے مسلمانوں کے ساتھ رہنے کے نقصانات بیان کئے۔ آپ پہلے بزرگ ہیں جن کی عقابی نگاہ نے قادیانیت کو پورے اسلام کے خلاف ایک خطرناک یلغار سمجھا۔ آپ نے دیوبند میں اپنی قیام گاہ واقع محلہ خانقاہ دیوبند سے ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ کو دعوت حفظ ایمان کے نام سے ایک عظیم فکری دعوت پیش کی۔

آپ نے اپنی اس دعوت میں مرزا غلام احمد قادیانی کے صرف بڑوں کو ہی نہیں اس کے لاہوری فرقہ کے پیروؤں کو بھی برابر ساتھ رکھا اور پھر ۲۲ ذیقعدہ کو ”**دعوت حفظ ایمان**“ کی ایک اور صدا لگادی۔ آپ کی یہ دونوں تحریریں عرصہ سے نایاب تھیں اور ضرورت تھی کہ ہندوستان میں قادیانیت کے خلاف جو اردو میں کام ہوا۔ اس میں کف واسلام کے جو اصولی فاصلے سامنے آئے ان میں حضرت شاہ صاحبؒ کی ان تحریروں کو سنگ بنیاد سمجھا جائے۔

آپ کے شاگردوں نے پنجاب میں مجلس مستشار العلماء قائم کی اور پنجاب کے مختلف شہروں میں اس کی برانچیں قائم کیں۔ آپ نے پورے عالم اسلام کی طرف سے قادیانیوں کے غیر مسلم ہونے کی صدا بلند کی تو قادیانیوں کے غیر مسلم ہونے کی بات پورے ہندوستان میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ انگریزی دستور حکومت میں قادیانی گو مسلمانوں میں سے ہی سمجھے جاتے تھے لیکن نکاح اور فسخ نکاح اور شمولیت نماز جنازہ جیسے مسائل میں قادیانی پورے ہندوستان میں غیر مسلم اقلیت سمجھے جانے لگے اور مقبوضہ ہندوستان کی انگریزی عدالتوں میں بھی خاوند کے قادیانی ہونے پر مسلم خواتین کے نکاح فسخ ہوئے۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے بھی حضرت شاہ صاحبؒ سے یہ سبق لیا اور انجمن حمایت اسلام لاہور میں یہ تحریک پیش کی کہ کوئی قادیانی اس کا ممبر نہ ہو سکے اور جو پہلے سے اس میں شامل ہیں وہ یکسر خارج کر دیئے جائیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا عالم عرب کو انتباہ

آپ نے قادیانیت کو صرف ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے ہی خطرہ نہ جانا بلکہ آپ نے حفظ ایمان کی یہ دعوت پورے عالم اسلام میں پھیلا دی۔ عرب دنیا کو اس پر مطلع کرنے کے لئے عقیدۃ الاسلام اور اکفار الملحدین فی انکار شی من ضروریات الدین جیسی مؤثر کتابیں عربی میں لکھیں۔ حضرت شاہ صاحب کی یہ عربی کتابیں تو بار بار چھپتی رہیں اور علماء نے ان کی روشنی میں اردو میں بھی اس پر بہت وقیع لٹریچر مہیا کیا لیکن حضرت شاہ صاحب کی حفظ ایمان کی یہ اردو تحریریں عرصہ سے نایاب تھیں جن کو اس مجموعہ میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اس طرح سرکاری و عدالتی سطح پر قادیانیت کے کفریہ فیصلہ کے لئے بنیادی کردار حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے اس بیان کا ہے جو آپ نے بہاولپور کی عدالت میں قادیانیوں کے خلاف دیا۔ وہ بھی اس کتاب میں شامل ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے "**الخطاب الملیح فی تحقیق المہدی والمسیح**" لکھی۔ یہ کتاب مطبع ہلالی سٹیم پریس ساڈھورہ ضلع انبالہ سے

چھپی۔ پھر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ۱۳۳۸ھ میں "**قائد قادیان**" کے نام سے ایک رسالہ لکھا جو ۱۳۴۰ھ میں شائع ہوا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے دونوں متذکرہ رسائل اس مجموعہ میں شامل ہیں۔

آپ نے اس کی فصل ثانی میں ان کتابوں کی بھی ایک فہرست دی ہے جو خانقاہ رحمانیہ محلہ مخصوص پورہ مونگیر سے شائع ہوئیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ بھی مرزا غلام احمد قادیانی کی تردید میں بہت سرگرم رہے۔

حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ان تحریروں سے قادیانیت پوری طرح بے نقاب ہوئی۔ انہیں پڑھ کر ان کے غیر مسلم ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ جو لوگ پہلے مسلمان تھے پھر وہ قادیانی ہوئے اب وہ محض غیر مسلم نہیں مرتد سمجھے جائیں گے جن کے لئے عام کافروں کا سا حکم نہیں بلکہ مرتد کا حکم اور زیادہ سخت ہے اور جو قادیانی ان کی ذریت ہیں وہ زندیق شمار ہوں گے کیونکہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہنے سے باز نہیں آتے۔ نام اسلام کا ہو اور عقائد غیر اسلامی ہوں تو یہ وہ زندقہ ہے جسے اسلام میں برداشت نہیں کیا گیا۔ یہ زنادقہ مرتدین کے ساتھ شمار ہوں گے۔ جب قادیانی عام سطح پر غیر مسلم سمجھے گئے تو اب اسلامی دنیا کو ان کے حکم سے مطلع کرنا بھی ضروری بنا۔ اس میں بھی پہل علماء دیوبند نے کی۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے اپنے رسالہ "**الشہاب لرجم الخاطف المرتاب**" میں قادیانیت کا شرعی حکم تحریر فرمایا۔ اس میں آپ نے نہایت سلیس، معقول اور منصفانہ طریقہ سے مرزائیوں کے ارتداد کا ثبوت، قتل مرتد کے شرعی دلائل اور اس کا عقلی فلسفہ اور جہاد بالسیف کی حکمت اور حدود افغانستان کے فیصلہ دربارہ تعزیر مرتد کی تحسین و تصویب کی۔ آپ نے یہ رسالہ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۷۳ھ کو شائع کیا پھر ۶ فروری ۱۹۲۵ء کو مرزا غلام احمد قادیانی کے لاہوری جانشین مسٹر محمد علی مرزائی نے اس کے جواب میں ایک رسالہ لکھا۔ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے اس کے دو ماہ بعد اپنے رسالہ الشہاب کی ایک تذنیب جمادی الاخری ۱۳۷۳ھ میں شائع کی۔

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کی اس تحریک پر ان کے جن تلامذہ نے رد قادیانیت میں محنت کی ان میں دار العلوم دیوبند کے مایہ ناز فرزند محدث کبیر حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ کے رد قادیانیت پر تمام رسائل اس مجموعہ میں شامل ہیں۔

ضرورت تھی کہ ان تمام قدیم تالیفات کو جن کے بل بوتے پر ملت اسلامیہ نے پاکستان میں دو دفعہ ختم نبوت کے محاذ کھولے اور بالآخر قادیانیوں کو دستور اور قانون کے تقاضوں میں ایک غیر مسلم اقلیت ٹھہرایا۔ پھر سے بطور تاریخی دستاویزات کے شائع اور محفوظ کیا جائے۔ راقم الحروف اسی سلسلہ میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہے کہ انہوں نے اس وقت کے علمی احتساب کو نمبروار شائع کرنے کا قصد کیا ہے۔ جب سے برصغیر پاک وہند میں قادیانیت کا پودا اگا۔ الحمدللہ! مجلس نے اس سلسلہ میں بہت سا کام کیا ہے۔ حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب بھی عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی طرف سے اتنا عظیم کام کرنے اور کامیابی سے کنارے اترنے پر لائق صد تبریک ہیں۔ اب تک اس سلسلہ میں جن بزرگوں کی تحریریں شائع ہو چکیں ان کے اسماء گرامی‘ سن ولادت‘ سن وفات ہدیۂ قارئین ہیں:

۱...... حکیم الامت حضرت مولانا سید محمد اشرف علی تھانویؒ...(و ۱۸۶۳ء‘ م ۱۹۴۳ء)
۲...... امام العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ.......(و ۱۸۷۵ء‘ م ۱۹۳۳ء)
۳...... شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم.......(و ۱۸۸۹ء‘ م ۱۹۴۹ء)
۴...... شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ....(و ۱۸۹۸ء‘ م ۱۹۷۴ء)
۵...... مناظر اسلام حضرت مولانا حبیب اللہ امرتسریؒ......(و ۱۸۹۸ء‘ م ۱۹۴۸ء)
۶...... مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسین اختر صاحبؒ.....(و...... م ۱۹۷۳ء)
۷...... محدث کبیر حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ مہاجر مدنی. (و ۱۸۹۸ء‘ م ۱۹۶۵ء)

اللہ رب العزت ان تمام حضرات کی مساعی کو قبولیت سے نوازے۔ آمین!

خالد محمود عفاء اللہ
حال مقیم: دفتر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان‘ ملتان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

۱	دعوت حفظ ایمان نمبر ۱	مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ	۱۱
۲	دعوت حفظ ایمان نمبر ۲	″ ″ ″	۱۷
۳	بیان مقدمہ بہاولپور	″ ″ ″	۳۳
۴	الخطاب الملیح فی تحقیق المہدی	مولانا اشرف علی تھانویؒ	۹۵
۵	قائد قادیان	″ ″ ″	۱۳۱
۶	الشہاب لرجم الخاطف المرتاب	مولانا شبیر احمد عثمانیؒ	۱۹۱
۷	صدائے ایمان	″ ″ ″	۲۴۳
۸	نزول عیسیٰ علیہ السلام	مولانا بدر عالم میرٹھیؒ	۲۵۳
۹	ختم نبوت	″ ″ ″	۳۶۵
۱۰	سیدنا مہدی علیہ الرضوان	″ ″ ″	۴۴۵
۱۱	دجال اکبر	″ ″	۴۹۷
۱۲	نور ایمان	″ ″	۵۳۱
۱۳	الجواب الفصیح لمنکر حیات المسیح	″	۵۴۳
	مصباح العلیہ لمحو النبوۃ الظلیہ		۵۴۸
	الجواب الحفی فی آیت التوفی	″ ″	۵۷۶
	انجاز الوفی فی آیت التوفی	″ ″	۵۹۲
۱۴	آواز حق	″ ″	۶۳۹

ہفت روزہ ختم نبوت کراچی

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا ترجمان ہفت روزہ ختم نبوت کراچی گذشتہ بیس سالوں سے تسلسل کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ اندرون وبیرون ملک تمام دینی رسائل میں ایک امتیازی شان کا حامل جریدہ ہے۔ جو شیخ المشائخ خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ و پیر طریقت حضرت مولانا سید نفیس الحسینی دامت برکاتہم کی زیر سرپرستی اور مولانا مفتی محمد جمیل خان کی زیر نگرانی شائع ہوتا ہے۔

زر سالانہ صرف =/350 روپے

رابطہ کے لئے:

منیجر ہفت روزہ ختم نبوت کراچی

دفتر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت جامع مسجد باب الرحمت

پرانی نمائش ایم اے جناح روڈ کراچی نمبر 3

أنا خاتم النبيين لا نبي بعدي

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

دعوت حفظ ایمان

حصہ اول

امام العصر حجۃ الاسلام

مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!

تعارف

الحمدللّٰہ وکفٰی وسلام علیٰ خاتم الانبیاء۔ اما بعد!

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ نے رد قادیانیت پر مندرجہ ذیل کتب تحریر فرمائیں: ۱......اکفار الملحدین۔ ۲......خاتم النبیین۔ ۳......التصریح بما تواترفی نزول المسیح۔ ۴......عقیدۃ الاسلام۔ ۵......تحیتہ الاسلام۔ الحمدللہ! یہ کتابیں بارہا شائع ہوئیں۔ پہلی تین کتابوں کے اردو میں تراجم بھی ہوگئے۔ آخری دو کتابوں کے ترجمے تاحال طبع نہیں ہوئے۔ خدا کرے ہوجائیں تو اسلامیان برصغیر کے لئے گرانقدر علمی اثاثہ ہوں گے۔ معلوم ہوا ہے کہ عقیدۃ الاسلام کا ترجمہ حضرت مرحوم کے صاحبزادے حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیری کر رہے ہیں۔ خدا کرے جلد شائع ہوجائے۔ ان کے علاوہ حضرت مرحوم کی دعوت حفظ ایمان ۱......۲ ہے۔ یہ مختصر چند صفحات کے رسائل ہیں۔ دعوت حفظ ایمان نمبر اول میں حکومت کشمیر کو قادیانی فتنہ کی زہرناکیوں سے باخبر کیا گیا ہے۔ حضرت مولانا ظفر علی خانؒ، استاذ محترم مناظر اسلام مولانا لال حسین اخترؒ، مولانا عبدالحنان ہزارویؒ، احمد یار خانؒ کی گرفتاری پر بے چینی کا اظہار کیا گیا ہے اور اپنے شاگردوں سے ختم نبوت کا کام کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ یہ تحریر ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ کی ہے۔ دعوت حفظ ایمان نمبر دوم میں قادیانی کفریہ عقائد کو طشت ازبام کرکے روزنامہ زمیندار کی اشاعت کی توسیع اور معشار العلماء پنجاب لاہور (جو آپ کے شاگردوں نے رد قادیانیت کے لئے قائم کی تھی) سے تقویت اور اعانت کے لئے متوجہ فرمایا گیا۔ یہ تحریر پہلی تحریر کے دس دن بعد یعنی ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ کی ہے۔ یہ رسالے ایک ایک بار شائع ہوئے۔ اب ان کا ملنا مشکل مسئلہ تھا۔ اس لئے ان کو ان مجموعہ میں شامل کیا گیا ہے۔ (باقی ضخیم کتب ہیں جن کے نام اوپر ذکر کردیئے ہیں) اللہ رب العزت شرف قبولیت سے سرفراز فرمائیں۔ آمین!

فقیر اللہ وسایا

۷/۶/۱۴۲۲ھ

۲۷/۸/۲۰۰۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!

حامدا و مصلیا و مسلما۰ السلام علیکم یا اهل الاسلام و رحمة الله و برکاته۰

محمد انور شاہ کشمیری عفا اللہ عنہ بحیثیت ایمان و اسلام و اخوت دینی اور امت مرحومہ محمدیہ ﷺ کے اعضاء ہونے کے لحاظ سے کافہ اہل اسلام خواص و عوام کی عالی خدمت میں عرض گزار ہے کہ اگرچہ فتنے طرح طرح کے حوادث اور وارداتیں اس دین سماوی پر وقتاً فوقتاً گزرتی رہی ہیں اور باوجود اس کے کہ آخری پیغام خدائے برحق کا یہ ہے کہ :

"اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۰ مائدہ آیت ٣"

﴿آج کے دن میں نے دین تمہارا کمال کو پہنچایا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور اسلام پر ہی تمہارا دین ہونے کے لئے راضی ہوا۔﴾

"مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ۰ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا۰ احراب آیت ٤٠"

﴿نہیں محمد ﷺ کسی کے باپ تمہارے مردوں میں سے، لیکن ہیں رسول، خدا کے اور خاتمہ پیغمبروں کے اور خدا ہر چیز کا اپنے امور میں سے عالم ہے۔﴾

اور اس کے قطعی الدلالت ہونے پر بھی امت محمدیہ ﷺ کا اجماع منعقد ہو گیا اور ختم نبوت کا عقیدہ دین محمدی کا اساسی اصول قرار پایا اور جس امت نے ہم تک یہ آیت پہنچائی اسی امت نے یہ مراد بھی پہنچائی اور اس دعویٰ پر مسیلمہ کذاب اور اسود کاذب کو قتل کیا اور بڑا کفر دونوں کا یہ دعویٰ قرار دے کر کذاب مشتہر کیا اور باقی جرائم کو کذاب کے ماتحت رکھا۔ مگر پھر بھی بحکم حدیث نبوی بہت سے دجالوں نے نبوت کے دعوے کئے اور ان کی حکومتیں بھی

رہیں اور بالآخر واصل بجہنم ہوئے۔ ہمارے اس منحوس دور میں جو یورپ کی افتاد سے ایمان اور خصائل ایمان کی فنا کا زمانہ ہے۔ منشی غلام احمد قادیانی کا فتنہ درپیش ہے اور گزشتہ فتنوں سے مزید اور شدید ہے اور حکومت وقت بھی بمقابلہ مسلمانوں کے قادیانی جماعت کی امداد اور اعانت کر رہی ہے۔ یہ جماعت بہ نسبت یہود اور نصاریٰ و ہنود کے اہل اسلام کے ساتھ زیادہ عداوت رکھتی ہے۔ کوئی چیز ان کے اور اہل اسلام کے درمیان مشترک اور اتحادی باقی نہیں رہی۔ منشی غلام احمد قادیانی جو اس زمانہ کا دجال اکبر ہے بیس جز، وحی قرآن مجید پر اضافہ کرتا ہے۔ جو کوئی اس کی اس بیس جز، وحی کا انکار کرے اور ان کو نبی نہ مانے، وہ ان کے نزدیک کافر ہے اور اولاد زنا ہے اور کوئی اسلامی تعلق مثل جنازہ کی نماز اور نکاح کے اس کے ساتھ جائز نہیں۔ پھر قرآن مجید کی تفسیر اس نے اپنے قبضہ میں رکھی ہے۔ دوسرے کسی کا کوئی حصہ نہیں لگتا۔ جیسے فارسی مثل ہے: "خوردن زمن و لقمہ شمردن از تو"

اس کی تفسیر کے متعلق خواہ کل امت کا اختلاف ہو وہ سب اس کے نزدیک گمراہ ہیں۔ حدیث پیغمبر اسلام ﷺ کی جو اس کی وحی کے موافق نہ ہو۔ اس کی نسبت اس کی تصریح ہے کہ ردی کے ٹوکرے میں پھینک دی جائے۔ ان دو اصول اسلام یعنی کتاب اور سنت کی تو اس کے نزدیک یہ حاصلات ہے اور بحسب تصریح اس کے اس پر شریعت بھی نازل ہوئی ہے اور بمقابلہ اس عقیدہ اسلامیہ کے۔ کہ بعد ختم نبوت کے آئندہ کوئی شریعت نہیں ہوگی۔ صریح ادعاء شریعت کیا ہے اور نیز اس کا اعلان ہے کہ آئندہ حج قادیان ہوا کرے گا۔ نیز جہاد شرعی اس کے آنے سے منسوخ ہو گیا ہے اور پیغمبر اسلام ﷺ کے معجزات تو تین ہزار ہی نقل ہوئے ہیں۔ منشی غلام احمد قادیانی کے تین لاکھ اور دس لاکھ تک ہیں۔ جن میں تحصیل چندہ کی کامیابی بھی شمار ہے اور اس کے اشعار ہیں:

زندہ شد ہر نبی با آمدنم • ہر رسولے نہاں با پیرا ہنم
آنچہ دادست ہر نبی را جام • داد آں جام رامرا باتمام

(نزول المسیح ص ۹۹، ۱۰۰، خزائن ص ۴۷۷، ۴۷۸ ج ۱۸)

نیز اپنی مسیحیت کی تولید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جن پر ایمان، دین محمدی

ہے ایسی توہین کی ہے کہ جس سے دل اور جگر شق ہوتا ہے اور اس کے نزدیک تحقیق توہین ہے۔ الزامی یا بقول نصاریٰ تو در کنار رہی۔ توہین عیسیٰ علیہ السلام میں علاوہ اپنی تحقیقی توہین کے ایک اور طریقہ بھی اختیار کیا ہے کہ نقل نصاریٰ کے سر رکھ کر توہین سے اپنا دل ٹھنڈا کرتا ہے: " گفتہ آید در حدیث دیگراں ۔" یہ معاملہ اسی پیغمبر کے ساتھ کیا ہے تاکہ عظمت ان کی وثوق سے اتار دے اور خود مسیح بن بیٹھے۔ اسی واسطے ہنود کے پیشواؤں کے ساتھ ایسا نہیں کیا بلکہ توقیر کی ہے اور ایسے ہی بزرگان اسلام امام حسینؓ وغیرھم کی تحقیر اور اپنی تعلی میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ غرض یہ کہ اس دجال کی دعوت اس کے نزدیک سب انبیاء اور رسل صلوٰۃ اللہ علیہم سے بڑھ چڑھ کر اور افضل واکمل ہے۔

علماء اسلام نے اس فتنہ کے استیصال میں خاصی خدمتیں کیں مگر وہ خدمتیں انفرادی اور خصوصی تھیں۔ اس وقت کہ ایک لطیفہ غیب نمودار اور نمایاں ہوا ہے کہ مجاہد ملت جناب سامی القاب مولوی ظفر علی خان صاحب دامت برکاتہم اس خدمت کا فرض ادا کر رہے ہیں جس کی وجہ سے اس وقت جناب ممدوح اور ان کے رفقاء جناب مولوی عبدالحنان صاحب ہزاروی، مولوی لال حسین صاحب اختر اور احمد یار خان صاحب سپرد حوالات ہیں۔ ہم کو کچھ حمیت اور حمایت اسلام سے کام لینا چاہئیے۔ اہل خطۂ کشمیر سمجھ اور بوجھ لیں کہ جو کچھ قادیانی جماعت ان کی امداد کر رہی ہے وہ اہل خطہ کے ایمان کی قیمت ہے اور نا ممکن ہے کہ کوئی امداد اور ہمدردی اس فرقہ کی ایمان خریدنے کے سوا ہو:

دانی که چنگ وعود چه تقریر می کنند
پنهاں خورید باده که تکفیر می کنند

جن لوگوں نے اس فرقہ کے ساتھ کسی قسم کی رواداری بھی برتی ہے وہ خطرہ میں ہیں۔ یہ نہ سمجھیں کہ یہ کوئی معمولی بیعت ہے۔ بلکہ (بقول ان کے) ایک چھوٹی پیغمبری سے ایک بڑی پیغمبری "قادیانی" میں تحویل ہونا ہے، اور جن کا جی چاہے ان عقائد ملعونہ قادیانی کا ثبوت ہم سے لے اور اس شدید وقت میں کہ (اہل) وطن کو بے خبر کر کے ایمان پر چھاپہ مارا گیا ہے، کچھ غیرت ایمانی کا ثبوت دے۔

جن حضرات نے اس احقر بیچمیز سے حدیث شریف کے حرف پڑھے ہیں جو تقریباً دو ہزار ہوں گے۔ وہ اس وقت کچھ ہمدردی اسلام کی کر جائیں اور کلمہ حق کہہ جائیں اور انجمن دعوت و رشاد میں شرکت فرمائیں۔

اس فرقہ کی تکفیر میں توقف یا تو اس وجہ سے ہے کہ صحیح علم نصیب نہیں ہوا اور اب تک ایمان اور کفر کا فرق ہی معلوم نہیں اور نہ کوئی حقیقت محصلہ ایمان کی، ان کے ذہن میں ہے اور یا کوئی مصلحت دنیاوی دامن گیر ہے۔ ورنہ اسلام کوئی نسبی اور نسلی لقب نہیں ہے۔ جیسے یہود اور ہنود کہ زائل نہ ہو اور جو کوئی بھی اپنے آپ کو مسلمان کہے بس وہ قوم نسبی لقب یا ملکی و شہری نسبت کی طرح لاینفک رہے بلکہ (اسلام) عقائد اور عمل کا نام ہے اور ضرورت قطعیہ اور متواترات شرعیہ میں کوئی تاویل یا تحریف بھی کفر والحاد ہے۔ جب کوئی ایک حکم قطعی اور متواتر شرعی کا انکار کر دے وہ کافر ہے۔ خواہ اور بہت سے کام اسلام کے کرتا ہو: "ان الله ليؤيد الدين بالرجل الفاجر." اسی میں وارد ہوا ہے حق تعالیٰ صحیح علم اور صحیح سمجھ اور توفیق عمل نصیب کرے۔ آمین!

انتباہ! آخر میں یہ عاجز بحیثیت رعیت ریاست کشمیر ہونے کے حکومت کشمیر کو متنبہ کرنا چاہتا ہے کہ قادیانی عقیدہ کا آدمی عالم اسلام کے نزدیک مسلمان نہیں ہے۔ لہذا حکومت کشمیر و جمیع اہل اسلام اور مذہب قدیمی اہل کشمیر کی رعایت کرتے ہوئے قادیانیوں کی بھرتی اسکولوں اور محکموں میں نہ کرے ورنہ اختلال امن کا اندیشہ ہے۔

محمد انور شاہ کشمیری عفااللہ عنہ

از دیوبند محلہ خانقاہ ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ

منقول از روئیداد مجلس تحفظ ختم نبوت

ملتان: ص ۸ تا ۱۲، ۱۳۸۲ھ

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

دعوت حفظ ایمان

حصہ دوم

امام العصر حجۃ الاسلام

مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلام علیکم یااهل الاسلام و رحمة الله و بركاته

حامدا و مصليا و مسلما.

بندہ درگاہ الٰہی، محمد انور شاہ کشمیری عفا اللہ عنہ پھر بحیثیت ایمان و اسلام و بحیثیت اخوت دینی و بحیثیت اس کے کہ ہم سب امت مرحومہ محمدیہ ﷺ کے اعضاء واجزاء ہیں جملہ اہل اسلام خاص و عام کی عالی خدمت میں عرض گزار ہے کہ:

عالم چو کتابے است پر از دانش و داد
صحاف قضاء و جلد او بدء و معاد

شیرازہ شریعت چو مذاہب اوراق
امت ہمہ شاگرد و پیمبر استاد

عالم بعقیدۂ ادیان سماوی جانبین ماضی و مستقبل سے محدود ہے کیونکہ مستقبل کل قوت سے فعلیت میں نہیں آیا اور میرے نزدیک چونکہ ماضی و مستقبل محض ہمارے اعتبار سے ہیں حق تعالیٰ کے ہاں ایک ہی آن حاضر ہے جیسے طبرانیؒ نے ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ: ”لیس عند ربك صباح و لامساء.“

پھر جب ہم حق تعالیٰ سے زمانہ رفع کر دیں تو حوادث آ رہے ہیں اور جا رہے ہیں آنے کی جانب کو ہم نے مستقبل نام رکھا ہے اور جانے کی جانب کو ماضی۔ اس تقدیر پر یہ دونوں اعتباری اور اضافی ہوئے نہ حقیقی اور حوادث خواہ کیسے ہی غیر محصور ہوں پھر بھی قدم کی وسعت اور امتداد کو پر نہیں کر سکتے۔

وعلیٰ ہذا ماضی کی جانب بھی میرے نزدیک غیر متناہی بالفعل نہیں جیسا کہ خیال کیا

جاتا ہے بلکہ عالم دونوں جانب سے غیر متناہی: "بمعنی لا یقف عند حد." ہے اور دونوں طرف سے منقطع، اور زمانہ کوئی شئے مستقل برأسہ نہیں بلکہ ان ہی حوادث سے منتزع ہے اور مسئلہ تجدد امثال کا بھی ایک صحیح مسئلہ ہے اور چونکہ مادہ سے کثرت ہوتی ہے اور صورت سے اتحاد جیسے سامان عمارت چونکہ مادہ ہے وہ کثیر اور متعدد ہے اور صورت تعمیری چونکہ صورت ہے اس سے عمارت کی وحدت شخصی آئی۔

علی ہذا القیاس کل عالم کو سمجھئے کہ اس میں ایک وحدت انتظامی ہے اور وہ ایک شخص اکبر ہے نہ محض ایک بے انتظام گدام۔ آدم علیہ السلام سے پیشتر عناصر اور موالید ثلاثہ اور ارض و سماء اور بعض انواع پیدا کئے گئے مگر یہ تا چندے بمنزلہ مادہ کے رہے، آدم علیہ السلام کے آنے کے بعد ان متفرقات منتشرہ کو وحدت انتظامی عطا کی گئی کہ بمنزلہ صورت کے ہے۔ اشیاء متفرقہ کے مجموعہ میں اگر وحدت ہو سکتی ہے تو وحدت انتظامی اور ترتیبی ہی فقط۔ یعنی آدم علیہ السلام کو خلیفہ اور افسر بنا کر بھیجا اور عالم کو ان کی ماتحتی میں دے دیا اس سے کل عالم واحد بالشخص اور شخص اکبر ہو گیا۔

اس پیغمبر برحق نے اپنے عمل سے بنی آدم کو یہ تعلیم دی کہ جب کسی ایک پر کسی معاملہ میں فرد جرم لگا کرے وہ بارگاہ خداوندی میں نہ جواب دعویٰ پیش کرے اور نہ صفائی دینے کی کوشش بلکہ اس کا حق صرف ایک ہی راہ ہے وہ یہ کہ مراحم خسروانہ میں درخواست دے کہ:

"رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ. اعراف آیت ۲۳"

عزازیل (ابلیس) نے حق تعالیٰ سے حجت کی وہ ابد الدہر ملعون ہو گیا: "لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ. الانبیا آیت ۲۳" اب اہل سنت کا قدم آدم علیہ السلام کے قدم پر ہے اور اہل اعتزال کا قدم عزازیل کے قدم پر۔ اور اس واقعہ سے حق تعالیٰ نے یہ بھی تعلیم کر دی کہ خلفاء سے جو شخص انحراف کرے وہ اصل سلطنت سے باغی ہے یہاں ہی سے انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا جزء ایمان ہو گیا۔

آدم علیہ السلام کے بعد کچھ دیر تک دنیا میں ایمان ہی رہا نوح علیہ السلام کے قبیل دنیا میں قابیل کی ذریت میں کفر نمودار ہوا اور پہلے وہ پیغمبر کہ کفر کے توڑ کے واسطے بھیجے گئے وہ نوح علیہ السلام ہیں۔ اس کے بعد دنیا میں صابئین ظاہر ہوئے۔ صابئین ان کو کہتے ہیں جن کا خیال ہے کہ ہم اعمال سفلیہ سے علویات کو تابع اور مسخر کریں گے جیسے معشوق یا ہمزاد کو کوئی مسخر کرتا ہے۔ اس خیال میں یہ بھی مندرج ہے کہ اس فرقہ کو خدا کی جانب سے ہدایات کی ضرورت نہیں اور نہ کسی ہادی کا واسطہ وثنیت (بت پرستی بھی صابئیت کا ایک ذلیل تنزل ہے۔ منتر جنتر کے ذریعہ سے خدا کو مسخر کرنا چاہتے ہیں؟۔

انبیاء علیہم السلام کا دین اس کے بالکل بر خلاف ہے ان کا دین یہ ہے کہ خدا کی بارگاہ میں محض بندگی اور عبدیت کی عرض و معروض رہے گی اور ادھر ہی کی ہدایت پر عمل پیرا ہونا ہوگا وبس۔ صابئین کے مقابلہ میں ابراہیم علیہ السلام کو بھیجا گیا اور ان کا لقب حنیف ہوا۔ حنیف اس کو کہتے ہیں کہ سب کو چھوڑ چھاڑ کر ایک خدا کا ہو جائے جیسے شیخ عطار ؒ فرماتے ہیں:

از یکے گو وزہمہ یک سوئے باش
یک دل و یک قبلہ و یک روئے باش

اس کے بعد کچھ تکمیل دین سماوی کی کہ ابتداء سے خاتم الانبیاء تک دین واحد ہے باقی تھی وہ خاتم الانبیاء ﷺ کے ہاتھ پر تمام کر دی اور اعلان کر دیا کہ:

”اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِینَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ مائدہ آیت نمبر ۳“ اور:

”مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآاَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ۔ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا۔ احزاب آیت ۴۰“

پہلی آیت میں یہ بھی آگیا کہ اب کوئی جزء ایمان کا باقی نہیں رہا خاتم الانبیاء ﷺ پر ایمان لانا کل انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا ہے۔ ایسا نہیں کہ من بعد کسی پر ایمان نہ لانے سے کافر رہے جیسے قادیانی دجال سمجھا ہے کہ:

”جو دین نبی ساز نہ ہو وہ دین لعنتی ہے۔“ (براہین پنجم ص ۱۳۸ خزائن ج ۲۱ ص ۳۰۶)

جیسے معلوم ہوا کہ عالم محض متفرقات منتشرہ نہیں بلکہ وہ ایک واحد منظم ہے اسی طرح بتصریح حدیث خاتم الانبیاء ﷺ نبوت بھی عمارت کی مثال ہے کہ اس کی اساس رکھی گئی اور تعمیر کی گئی اور تکمیل کو پہنچا کر آخری لبنہ نبی کریم ﷺ کو رکھ کر عمارت ختم کر دی گئی۔ قرآن مجید نے اعلان تکمیل و ختم سنا دیا اور نبوت کی کوئی جزئی باقی نہیں رہی۔ البتہ کمالات نبوت کہ وہ فیوض اور متعلقات نبوت ہیں عین نبوت نہیں۔ باقی ہیں۔ یہاں اجزاء اور جزئیات کا فرق بھی اہل معقول پر مخفی نہیں جزء پر کل صادق نہیں اور جزئی پر کلی صادق۔

ختم نبوت کا عقیدہ بہ تبلیغ پیغمبر اسلام، خاص و عام کو پہنچ کر ضروریات دین میں سے ہو گیا جس کا انکار یا تحریف کفر ہے۔ صوفیاء کرام نے جو کوئی مقام ولایت کا انبیاء الاولیاء اور نبوت من غیر تشریع ذکر کیا ہے تو ساتھ ہی نہایت مؤکد پیاپے تصریح کی ہے کہ نبوت سے مراد لغوی بمعنے پیشین گوئی ہے نہ نبوت شرعی۔ کیونکہ نبوت شرعی کا جو ایک منصب الٰہی اور وہبی ہے نہ کسبی۔ خواہ شریعت جدیدہ ہو یا نہ ہو اختتام اسلام میں اساسی اصول ہے اور منصوص قرآن و احادیث متواترہ اور مجمع علیہ امت محمدیہ ﷺ ہے۔ اسی دفعہ کے ماتحت مسیلمہ کذاب کو قتل کیا، اور کذاب، فرد جرم لگائی بقیہ شنائع اس کے مادون اور مابعد کے رہے بلکہ جیسے ابن خلدونؒ نے ذکر کیا ہے یہ امور صحابہؓ کو اس کے قتل کے بعد معلوم ہوئے ہیں۔ قتل تو دعویٰ نبوت پر ہوا ہے۔

اس کے بعد دنیا میں بحسب طبیعت دنیا، زندقہ اور الحاد ظاہر ہوا۔ زندقہ اور الحاد اس کو کہتے ہیں کہ سچے دین کو گڑبڑ کر دے اور اسماء سابقہ کو بحال رکھ کر حقیقت ان کی بگاڑ دے کہ فلاں چیز کی حقیقت یہ نہیں بلکہ یہ ہے۔ و علی ہذا القیاس دین کا اسم ہی چھوڑے مسمی فناء کر دے۔ دہلی میں ایک صاحب چارپائی کے پائینتی کے سیروے فقط بغل کے نیچے دبائے ہوئے یہ صدا لگایا کرتے تھے (دو نہیں لمبے تڑنگے، ایک نہیں سرھنے کا، چار نہیں ٹیکن کے، اور لو چارپائی) آٹھ لکڑیوں میں سے سات موجود نہیں اور پھر بھی چارپائی ہے۔

۵

ایسے ہی وقتاً فوقتاً ملحدوں اور زندیقوں نے دین بر حق کی شکست و ریخت کر کے مسمی فناء کیا اور کچھ پردہ باقی رکھنے کی وجہ سے عوام کی نظر میں غیر فرقہ ہونے کی جو کچھ زد پڑتی اس سے بچ گئے۔ اس وقت یورپ کی افتاد جو ایمان اور صفات ایمان پر ہے اس کی پیداوار اور حکومت وقت کی پیداوار منشی غلام احمد قادیانی کی دعوت نبوت ہے۔

یہ شخص معمولی درجہ کی فارسی اور اردو کا مالک ہے نثر و نظم میں کوئی اعلیٰ پایہ نہیں رکھتا۔ عربی میں محض تک بندی یا سرقہ کر سکتا ہے اور صوفیاء کرام جسے فن حقائق کہتے ہیں اس میں سے کسی حقیقت کو صحیح نہیں سمجھ سکا۔ قرآن مجید کی مناسبت سے اس قدر محروم ہے کہ اپنی مطبوعات میں نہایت کثرت سے آیات غلط اور محرف نقل کرتا جاتا ہے۔

تعلیم اس کی باب اور بہاء اللہ کی تعلیم سے مسروق ہے۔ بہاء اللہ کی کتابیں یہاں پیشتر موجود نہیں تھیں۔ جس کی وجہ سے کچھ وقفہ رہا اب کہ کتابیں اس کی آگئیں ناظرین نے اس سرقہ فاضحہ کو ثابت کر دکھایا۔ معہذا اس دجال کی دریدہ دہنی اس درجہ تک ہے کہ کہتا ہے:

زندہ شد ہر نبی بآمدنم
ہر رسولے نہاں یا پیراہنم

(نزول المسیح ص ۱۰۰ خزائن ص ۴۷۸ ج ۱۸)

ہر نبی میرے آنے سے زندہ ہوا ہے۔ (نہیں تو مرے پڑے تھے) اور ہر رسول میرے چولے میں چھپا پڑا ہے۔

پہلوں نے کیا خوب پیشین گوئی کی ہے:

بنمائے بصاحب نظرے گوہر خود را
عیسیٰ نتواں گشت بتصدیق خرے چند

اور:

کجا عیسیٰ کجا دجال ناپاک

بیٹا اس (مرزا غلام احمد قادیانی) کا اس کی بعثت کو خاتم الانبیاء ﷺ کی بعثت سے

9/119

افضل اور اکمل اعلان کرتا ہے اور اسی پر بیعت لیتا ہے۔ اس کافر دجال نے نبوت کا دعویٰ کیا اور جو کوئی کل عالم اسلام اسے نبی نہ مانے اس کو کافر اعلان کیا اور ولد الزنا کہا، اور دعویٰ وحی کیا جو مساوی قرآن اس کے زعم میں ہے اور بمقابلہ ان علماءؒ کے جنہوں نے آئندہ شریعت ناممکن لکھی ہے (اور کلام ان کی شریعت جدیدہ میں ہے) دعویٰ شریعت کیا۔ اس سے ناظرین خود سمجھ لیں کہ یہ دعویٰ بمقابلہ ان علماءؒ کے دعویٰ شریعت جدیدہ کو مستلزم ہے یا یوں ہی بے سوچے سمجھے کلام بے موقع ولایعنی ہے۔ اس کے ساتھ اعلان کیا ہے کہ جہاد اسلامی میرے آنے سے منسوخ ہو گیا اور (ظلی) حج آئندہ قادیان کا ہوگا اور جو چندہ قادیان کا نہ دے گا وہ خارج از بیعت یعنی خارج از اسلام ہے زکوٰۃ یہی رہ گئی۔ اور بہت سے ضروریات دین کا انکار کیا جو تاویل سے ہو یا بغیر تاویل کے کفر ہے۔ عالم کو قدیم کہتا ہے اور قیامت کو ایک تجلی فقط اور تجلی کا جو صوفیاء کرام کی اصطلاح ہے کوئی مفہوم محصل اس کے ذہن میں نہیں اور اگر سو دفعہ جیئے اور سو دفعہ مرے کبھی ان حقائق کو سمجھ نہیں سکتا ناحق صوفیاء کی اصطلاحات میں الجھتا ہے اور منہ کی کھاتا ہے۔ صوفیاء کرام نے اس لفظ کو اور مواضع میں اطلاق کیا ہے کسی نے ان میں سے قیامت کو تجلی نہیں کہا مگر اس دجال نے ان ہی سے اڑایا ہے اور قدم عالم کا مسئلہ ایسا معرکۃ الآراء ہے کہ باپ بیٹا مل کر قیامت کی صبح تک بھی نہیں سمجھ سکتے ناحق ان مشکلات میں ٹانگ اڑائی ہے۔ اپنی کم مائیگی اور تنگ ظرفی سے معمولی سواد کو جو اسے حاصل ہے عدیم المثال سمجھتا ہے اور اسی کم حوصلگی کی بناء پر جب کسی جذبہ کے ماتحت غیب گوئی کرتا ہے اور منہ کی کھاتا ہے تو کمال بے ایمانی سے تاویلات مضحکہ اور مبحیہ کرنے کو آموجود ہوتا ہے۔

بے حیا باش و ہرچہ خواہی کن

تقدیر کا بھی منکر ہے ملائکہ کرام کو قویٰ کہتا ہے اور ان کے نزول کا جو منصوص قرآن ہے منکر ہے۔ حیات عیسیٰ علیہ السلام جو متواتر دین محمدی ہے اور معجزہ احیاء میت جو منصوص قرآن ہے اس کو شرک و کفر کہتا ہے اور جو دین نبی ساز نہ ہو اسے لعنتی دین بتلاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اور بہت سی چیزوں کا جو دین میں متواتر اور اصول ہیں تحریف کی۔ جو زندقہ اور کفر

ہے جیسے کوئی نماز کی تحریف کرے۔ توہین انبیاء علیہ السلام کی گزر گئی کہ کل کے کل کو اپنا چیلا بتلاتا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کو تو العیاذ باللہ اپنی تعلیم کا مستقل موضوع بنایا ہے اور رسالے لکھے ہیں نہ تحقیقی توہین میں کمی ہے اور نہ تعریضی میں یعنی دوسرے کے کندھے پر رکھ کر بندوق چلانا اور غرض اس دجال کی اس سے یہ ہے کہ عظمت ان کی قلوب سے اتارے اور خود مسیح بن بیٹھے۔ ولہذا ہنود کے پیشواؤں کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیا بلکہ توقیر اور استمالہ کیا ہے۔

ہم نے کسی جماعت میں خواہ علماء ہوں یا عقلاء روزگار کلی اتفاق علم نہیں دیکھا۔ الا انبیاء علیہم السلام کہ ان میں اتفاق کلی ہے۔ اسی سے ہم سمجھے تھے کہ یہ کوئی اور علم ہے جو حضرت حق نے دیا۔ اس قادیانی دجال نے اس کو بھی بے وزن کر دیا اور یہی تعلیم اپنے اذناب کو دے گیا۔ یہ بھی معلوم ہو کہ قادیانی پہلے مسیحیت کے دعویٰ کو تناسخ کہتا تھا اور دعویٰ صرف مثیل ہونے کا تھا۔

چنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی کہتا ہے کہ:

”مجھے مسیح ابن مریم ہونے کا دعویٰ نہیں اور نہ میں تناسخ کا قائل ہوں بلکہ مجھے تو فقط مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ ہے۔“

(اشتہار مورخہ ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء مندرجہ مجموعہ اشتہارات ج ا ص ۲۳۱، عسل مصفی ج دوم ص ۵۲۸)

اس کے بعد جب دوسرا جنم لیا تو یوں کہا:

”سو اس نے قدیم وعدے کے موافق اپنے مسیح موعود کو پیدا کیا جو عیسیٰ کا اوتار اور احمدی رنگ میں ہو کر جمالی اخلاق کو ظاہر کرنے والا ہے۔“

(اربعین نمبر ۴ ص ۱۸، خزائن ص ۴۴۶ ج ۱۷)

یہاں ضروریات دینیہ کی تفسیر ضروری ہے۔ ضروریات دینیہ ان متواترات شرعیہ کو کہتے ہیں جو ’بہ تبلیغ پیغمبر اسلام‘ خاص سے متجاوز ہو کر عوام کو بھی پہنچ گئے اور ان کے علم میں عوام بھی شریک ہو گئے اور شریعت کے بدیہی امور ہو گئے۔

اور مراد، ان کی بھی وہی مقرر رہے گی جو امت نے بوقت تبلیغ ...... سمجھی اور پھر

طبقہ بعد طبقہ پہنچاتے اور سمجھاتے آئے۔ اس کی تحریف اور اس سے انحراف کفر و الحاد ہے۔ یہاں ضرورت بمعنی بداہت ہے اور یہ ایک مشہور اصطلاح فنون کی ہے جس کا علم بالا ضطرار ہو۔ متواتر اس کو کہتے ہیں جس کی نقل اس قدر پیہم ہو کہ خطاء کے احتمال کی اس میں گنجائش نہ رہے۔ فنون مدونہ میں بھی کسی فن کے اصحاب کے نزدیک بکثرت متواترات ہوتے ہیں۔ جیسے صرف و نحو میں بکثرت متواترات ہیں جن میں کوئی بھی شبہ نہیں کرتا اور ایسے ہی علماء لغت جو ایک جماعت مخصوصہ ہے ان کے اتفاق کے بعد بھی کوئی متردد نہیں رہتا۔ اسی طرح قرآن مجید تو حرفاً حرفاً متواتر ہے۔ علاوہ اس کے شریعت میں اور بھی بکثرت متواترات موجود ہیں جیسے مضمضہ و استنشاق (ناک میں پانی ڈالنا اور کلی کرنا) وضوء میں اور مسواک وغیرہ صدہا امور، اور یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ضروریات دینیہ اعلیٰ درجہ کے فرائض مؤکدہ کو کہتے ہیں بلکہ مستحب بھی اگر صاحب شریعت سے بتواتر ثابت ہو وہ بھی ضروریات میں سے ہے، بلکہ بعض مباحات کی اباحت مثلاً جو اور گیہوں کی اباحت ضروریات دینیہ سے ہے جو کوئی ان کی اباحت اور حِلّ کا انکار کرے وہ قطعاً کافر ہے کیونکہ پیغمبر اسلام کے عہد سے لے کر اب تک امت کھاتی آئی اور حلال کہتی آئی۔ کسی کو جو، مرغوب طبیعت نہ ہو وہ خوشی ترک کر سکتا ہے لیکن حل کے انکار سے کافر ہو جائے گا۔ ضرورت سے یہاں ضرورت اعتقاد و ثبوت مراد ہے نہ ضرورت عمل جوارح۔ یہ بھی معلوم رہے کہ یہ کل ضروریات دین، ایمان کے دفعات ہیں نہ فقط توحید و رسالت بلکہ رسالت پر ایمان تو اسی واسطے ہے کہ جو کچھ وہ خدا سے لائیں اور تبلیغ کریں اس پر ایمان ہو۔ و علیٰ ہذا کہہ سکتے ہیں کہ مسواک سنت ہے اور اعتقاد اس کی سنیت کا فرض ہے اور اس کی معلومات حاصل کرنا سنت ہے اور دانستہ جحود کفر ہے اور جہل اس سے حرمان نصیبی۔

شریعت محمدیہ ﷺ میں یہ تبلیغ پیغمبر اسلام، بہت کثرت کے ساتھ متواترات ہیں اور بتواتر توارث یعنی نسلاً بعد نسلٍ بتواتر نقل کئے گئے ہیں اور ان میں طبقہ بعد طبقہ تواتر چلا آتا ہے تواتر اسنادی کوئی لازم نہیں۔

حاصل کلام کا یہ کہ کل وہ امور جو دین میں بالبداہت معلوم اور درمیان عام و خاص

کے مشتہر اور مسلم ہوں، وہ کل کے کل ضروریات دینیہ میں سے ہیں اور ان سب پر بدون انحراف و تحریف کے ایمان لانا ایمان کی حقیقت میں داخل ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ ایمان کے دفعات وہی امور ہیں جن کی تبلیغ حضرت رسالت پناہ سے ہو۔ اور ان مسائل و عقائد بدیہیہ کا انکار کفر اور ارتداد ہے۔ ایمان کے دو جزء یعنی شہادتین ان کل متواترات اور ضروریات کی تمام پر حاوی ہیں۔

ورنہ یوں دجال بھی آنحضرت ﷺ کی مجمل تصدیق کرے گا جیسے احادیث میں موجود ہے اور اسی میں قرآن نازل ہوا ہے:

”فَلاَ وَرَبِّكَ لاَيُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْ مَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۔ النساء آیت ٦٥“

﴿قسم تیرے رب کی کہ مومن نہ ہوں گے جب تک کہ تجھے حکم نہ بنالیں ہر اس چیز میں کہ اختلافی ہو گئی ان کے درمیان، پھر نہ پائیں اپنے جیوں میں گھٹن آپ ﷺ کے فیصلہ سے اور مان لیں ماننے کی طرح۔﴾

اس بدیہی مضمون کے بعد قادیانی کی تکفیر بدیہی امر ہے۔

توقف کا سبب کوئی علمی مرحلہ نہیں بلکہ بعض کو تو ایمان کے ساتھ کوئی ہمدردی ہی نہیں اور نہ فرق ایمان و کفر سے کوئی سروکار۔ ان کے نزدیک دعویٰ اسلام ہی اسلام ہے جیسے نسب اور شہر و ملک کی نسبت میں فقط دعویٰ کافی سمجھا جاتا ہے ان لوگوں کو تو مسئلہ تکفیر سے اشتعال اور طیش آجاتا ہے۔

وہ خود بہت سی قیود شریعت سے آزاد ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ کسی کا کیا حق ہے کہ ہم پر حرف گیری کرے کفر ہے کس جانور کا نام؟۔ اور بعض ایسے ہیں کہ سلامت روی میں ان کا دنیوی فائدہ ہے ان کو اس کی کیا پرواہ کہ ایمان پر کیا گزر رہی ہے:

حافظ اگر خیر خواہی صلح کن باخاص و عام
بامسلماں اللہ اللہ بابرہمن رام رام

بعض روشن خیال زمانہ جن کا نصاب تعلیم فقط انگریزی زبان اور انگریزی خط ہے اور

نصاب علم شریعت سے نکلی فارغ، اور ان کو اس کا اقرار بھی ہوتا ہے مگر پھر چنے کے چھلکے کی طرح خالی چٹختے رہتے ہیں۔

"وما مثله الا کفارغ حمص ۰ خلی بلا معنی ولکن یفرقع ۰"

یہ صاحب زبانی دعوت اتفاق و اتحاد دیتے ہیں اور اس میں خلل انداز صرف مولویوں کی تکفیربازی قرار دیتے ہیں۔

اس گمراہ کن مغلطہ میں یہ چند امور یادداشتی ہیں کیا کافر کی تکفیر اگر حق بجانب بھی ہو وہ بھی ترک کرنی چاہیئے ؟۔ اس صورت میں تو کفر و ایمان میں کوئی فرق ہی نہ رہا۔

اگر یہ صحیح نہیں اور عقیدت اسلام کی ہے تو ضرور کوئی معیار درمیان کفر و ایمان کے فارق ہوگا پھر اس معیار کی تحقیق کرنی چاہیئے تاکہ اسی پر عمل رہے۔

پھر دیکھنا یہ ہے کہ کیا تکفیربازی اولاً مرزا غلام احمد قادیانی نے کی۔ جس نے کل عالم اسلام کو جو اس کو نبی نہ مانے کافر اور ولد الزنا کہا اور یہ ہی بیخ کن اسلام ہوا یا علماء اسلام ؟۔

جنہوں نے مرزا قادیانی اور اس کے اذناب کی تکفیر کی جن کی تعداد سنا ہے کہ مردم شماری کی اعداد میں ۷۵ ہزار دونوں (لاہوری، و قادیانی) طائفہ کی ہے اور کیا اتفاق کی جڑ مرزا غلام احمد قادیانی نے کاٹی یا علماء اسلام نے ؟۔

قادیانی کہتا ہے کہ عقیدہ حیات عیسیٰ علیہ السلام اور احیاء میت شرک و کفر ہے اور ساتھ ہی کہتا ہے کہ میں بھی ایک زمانہ دراز سے بتقلید جمہور اہل اسلام اسی عقیدہ پر تھا اب کفر سے اسلام کی طرف آیا ہوں اور علماء اسلام کہتے ہیں نہیں بلکہ قادیانی اسلام سے کفر کی طرف گیا۔

پھر کیا جو انتقال اس نے اپنے اقرار سے کیا، مخول کی طرح ٹال دینے کی چیز ہے یا علماء اسلام کا حق ہے کہ اس کو پرکھیں ؟۔

بات یہ ہے کہ اپنی لینی میں تو کوئی یہ سخاوت اور کرم نہیں کرتا اور جب ایمان کی تقسیم کا وقت ہو سو وہ ہے کیا چیز جس میں سخاء اور جود نہ کریں

بخال ہندوش بخشم سمرقندو بخارا را

گھ سے کیا گیا جو حساب و احتیاط ہو۔

جو صاحب لاہوریوں کی تکفیر میں جو قادیانی کو مسیح موعود وغیرہ سب کچھ مانتے ہیں اور نبوت ظلی بروزی وغیرہ کہتے رہتے ہیں جس کی کوئی اصل دین میں نہیں متأمل ہیں وہ بھی سمجھ سے محروم ہیں۔ کیا اگر کوئی یہ کہے کہ مسیلمہ نے دعویٰ نبوت کیا ہی نہیں بلکہ ایک محدث وہ بھی ہوا ہے تو اس سے وہ شخص کفر سے نجات پائے گا؟۔ حق تعالیٰ صحیح سمجھ نصیب کرے اور سلامت فطرت کی دے۔ آمین!

قادیانی کی تعلیم اور دعوت کو کیوں اٹھا کر نہیں دیکھتے کیا وہ دعویٰ نبوت اسی معنے سے نہیں کرتا جس معنی میں یہ لفظ آسمانی کتابوں میں آیا ہے اور کیا وہ اپنی نبوت نہ ماننے والے کو کافر اور ولد الزنا نہیں کہتا اور کیا وہ اپنی وحی کو قرآن کے برابر نہیں کہتا اور کیا اس نے دعویٰ شریعت اور توہین انبیاء نہیں کی؟۔ اس کے بعد لاہوریوں کا کتمان اور عمداً مغالطہ ان کے منہ پر کیوں نہ مارا جائے اور ان کو فی النار والسقر کیوں نہ کیا جائے؟۔

اصل میں اس فرقہ کی تکفیر میں بھی توقف کے وجوہ وہی ہیں جو اوپر گزر گئے کوئی نئی بات نہیں۔ پنجابی دھوبی کپڑے کو پتھر پر مارنے کے وقت بولا کرتے ہیں: "ساڈا کی جاندے اچھو" اور اگر کسی کو ان مسائل کا جہل ہو تو اپنے جہل ہی کا اعتراف کرتا رہے جہل کو علم نہ بنائے اور جہل خداداد کو نہ چھپائے اور خلق اللہ کو گمراہ نہ کرے۔

تکفیر کا مسئلہ اگر احتیاط کی چیز ہے تو دونوں جانب سے ہے نہ مسلم کو کافر کہے‘ اور نہ کافر کو مسلم۔ جب مرزا غلام احمد قادیانی قطعاً کافر ہے اور بدیہی کافر اور تاریخ اسلام میں بلا فصل مدعی نبوت کو کافر کہتے آئے ہیں اور سزائے قتل دیتے‘ تو اس کے دعاوی کو کتمان کرنے والا اور مصالح سے تحریف کرنے والا جو بداہت کے خلاف ہے کفر سے کیسے بچ سکتا ہے؟۔ بداہت کے خلاف مکابرہ شرعاً و عقلاً قابل التفات نہیں۔ کفار کے ساتھ جہاد کیوں ہوتا ہے۔ کیا ان کے شبہات نہیں؟ یہی تو کہ وضوح حق کے بعد شبہات کی پرواہ نہیں کی گئی اور یہاں تو شبہات بھی نہیں محض بے حیائی اور کتمان ہے اور جنگ زرگری۔

اور سنئے کہ اس جاہلانہ احتیاط میں کیا کچھ مضمر ہے۔ کیا کسی ناپاک ذات کو مسیح

موعود ماننا کفر نہیں ؟۔ شریعت تورات میں کہ نبوت جاری تھی اس میں متنبّی کاذب کا کیا قتل نہیں ؟۔

کیا کسی رجس خبیث کو مسیح موعود اور مہدی مسعود کہنا شریعت متواترہ اسلامیہ کی تحریف اور تمسخر نہیں ؟۔ شریعت متواترہ کی تحریف کیا بجائے خود کفر نہیں۔ کفر کے کوئی سینگ ہیں کہ دروازہ میں نہ سمائیں ؟۔ ہاں ! خوب یاد آیا کہ ممکن ہے کہ کفر کی شکل جیسے سنگھ بہادر ہو یا رودر گوپال، اور ان کے سینگ بھی ہوں۔

اس کے بعد اس جاہل محتاط سے کہنا چاہئے کہ وہ اپنی اس ہمہ دانی میں میاں مٹھو کی طرح اتنے ہی پر اکتفا کرے کہ قادیانی قطعی بدیہی کافر ہے پھر دنیا کو ان کی سمجھ پر چھوڑ دے وہ خود نتیجہ نکال لیں گے کہ بدیہی کافر کو مسیح و مہدی بنانے والا کیا ہے ؟۔

یہ بھی شریعت میں دیکھنے کی چیز ہے کہ کیا کسی کے لئے سوائے اعتقاد نبوت کے اعتقاد وحی مساوی قرآن رکھنا یا اعتقاد شریعت رکھنا یا اس کے اس قول پر :

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے
من بعرفاں نہ کمترم زکسے

(نزول المسیح ص ۹۹ خزائن ۴۷۷ ج ۱۸)

اعتقاد رکھنا کیا یہ کفر نہیں ؟۔

نیز فرض کیجئے کہ کسی شخص نے دعویٰ نبوت بالتصریح کیا اور اس کے اذناب ہو گئے بعض نے نبی مانا اور بعض نے عمداً و مصلحتاً : ”توجیه القائل بمالا یرضی به قائله“ کر کے اس کو نبی نہ کہا لیکن سب خصائص و فضائل انبیاء کے اس کے لئے اعتقاد کر لئے کیا وہ سب کافر نہیں ؟۔ یہ بھی معلوم رہے کہ انبیاء کی نقل اتارنا مثلاً اپنے دو چیلوں کا نام جبریل اور میکائیل رکھے اور کہتا رہے کہ مجھے جبریل نے یہ خبر دی اور میکائیل نے یہ کہا یا یہ کہے کہ مجھ پر میرے حق میں : ”لولاک لما خلقت الافلاک“ نازل ہوئی ہے۔

(تذکرہ ص ۶۱۲)

غرض نقل اتارتا ہو جیسے مسیلمہ نقل اتارتا تھا اور محاکات کرتا تھا :

آنچہ انساں مے کند بوز زینہ ہم

اس کی دو صورتیں ہیں یا یہ کہ انبیاء کے ساتھ استہزاء کرتا ہو' یا ادعاء ہو کہ مجھے بھی یہ خصائص حاصل ہیں اور واقعی یہ دو فرشتے میرے پاس آتے ہیں اگرچہ اس ادعاء سے نقل اتارنا مغائر ہے۔ حکم دونوں صورت کا کفر ہے اور جو کوئی اس کے اس ادعاء کو صداقت باور کرے وہ بھی کافر ہے۔

ان صاحبوں سے یہ بھی دریافت کیا جائے کہ اس فرقہ کے علاوہ اگر آپ سے بایں عنوان مسئلہ پوچھا جائے کہ اگر کوئی اور خبیث مخبث' کھڑا ہو جائے اور دعویٰ مسیحیت کرے اور اس کے پاس مال نہ ہو اور اذناب پیدا نہ ہوں لیکن وہ برابر اسی دعویٰ پر رہے' اس کے حق میں آپ کا کیا حکم ہے یا فقط زور دار اسامی ہی دیکھ کر آپ کا مسئلہ بدلتا ہے ؟۔

دجال اکبر جس کے قتل کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام آسمان سے اتریں گے اس کی کیا وجہ ہے سوائے اس کے کہ اس نے اپنے آپ کو یہود سے مسیح موعود منوایا ہو گا۔ جسے خدا سمجھ نہ دے اسے خدا سمجھے۔ بالجملہ انبیاء علیہم السلام کی نقل اتارنا مستقل کفر ہے اگرچہ ادعاء نبوت بلفظ نبوت نہ کرے اور جو کوئی اس کو صداقت باور کرے بلکہ جملہ مقربین سے بڑھ کر مانے اور اس پر ایمان لائے وہ بھی قطعاً کافر ہے۔

اسی طرح وہ شخص جو انبیاء علیہ السلام کی اسامی قبضائے اور وہ کہ اس پر ایمان لائے۔ خلاصہ کلام کا یہ ہے کہ قادیانی نے علاوہ دعویٰ نبوت کے دعویٰ وحی' مساوی قرآن اور دعویٰ شریعت اور توہین انبیاء اور تکفیر امت حاضرہ اور ادعاء خصائص انبیاء علیہم السلام اور ان کی نقل اتارنا اور انکار ضروریات دینیہ اور تحریف دین متواتر اور تمسخر بعض شریعت متواترہ کا کیا ہے اور یہ سب وجوہ متفق علیہ کفر ہیں اور لاہوری اس پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔

کشتی نوح ص ۱۶' خزائن ص ۱۸ ج ۱۹ پر قادیانی کی عبارت دیکھنی چاہیے کہ اپنی جانب سے اپنی تحقیق سے مریم صدیقہ کی طرف زناء کی نسبت کرتا ہے : "والعیاذ باالله العلی العظیم . والله الهادی لاهادی الاهو ."

یہ کل بحث اس صاحب کے ساتھ ہے جس کے نزدیک دین کی کوئی حقیقت محصلہ

ہے اور اس پر ایمان و کفر کا فرق گراں نہیں۔ ورنہ جس کا دین محض مصلحت وقت اور ہر دلعزیزی ہے اس کے ساتھ ہمارا تخاطب نہیں۔

بالآخر پھر اپنے احباب سے استدعاء ہے کہ وہ اس وقت کو غنیمت سمجھ کر انجمن دعوت و ارشاد میں شرکت فرمائیں اور ہر طرح سے اس کی تقویت و امداد کی سبیل نکالیں تاآنکہ ایک مستقل اور مستقر انجمن ہو جائے اور دین مبین کی خدمت کرتی رہے۔

نیز زمیندار کی توسیع اشاعت میں سعی فرمائیں کیونکہ ان معلومات کا اصل ذخیرہ اور سر چشمہ وہی ہے، اور اسی کی فروع میں سے باقی شعبے ہیں۔ حکومت کشمیر کو پھر بحیثیت رعیت ہونے کے متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ کل عالم اسلام‘ مصر‘ شام‘ عرب‘ عراق‘ ہندوستان‘ کابل وغیرہ قادیانیوں کو مسلمان نہیں سمجھتے ان کی بھرتی سکولوں اور محکموں میں مسلمانوں پر احسان نہیں اور ہمیشہ موجب تصادم و خلل امن رہے گی فقط!!

اہل کشمیر پر واضح رہے کہ جو قادیانی اخبار کشمیر سے جاری ہوا ہے وہ قادیانی عقائد یعنی کفر کی تخم ریزی ہے۔ عنقریب شاخ و برگ دکھائے گا۔ مسلمان اپنی جیبیں خالی کر کے کفر نہ خریدیں۔ والسلام!

العارض

محمد انور شاہ کشمیری عفاء اللہ عنہ

از دیوبند ٢٢ ذی قعدہ ١٣٥١ ہجری

مجلس مستشار العلماء پنجاب لاہور سے بھی بہت سی توقعات وابستہ ہیں۔ کیونکہ اعضاء اس کے مستند علماء ہیں۔ اصحاب و احباب اسے بھی فراموش نہ کریں۔ اگر اس کی تقویت اور اعانت ہو گئی تو انشاء اللہ! بہت سی خدمت مذہب و ملت کی انجام دے گی۔ واللہ الموفق!!!

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ

ملت اسلامیہ کی بین الاقوامی تنظیم ہے

جو حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے قائم فرمائی۔ مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ نے چار چاند لگائے اور شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے اس تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کیا اور اب شیخ المشائخ حضرت مولانا خان محمد دامت برکاتہم کی قیادت میں قادیانیت کے خاتمہ کی مہم پر ہے۔

اغراض و مقاصد

اسلام کی دعوت و تبلیغ، ناموس ختم نبوت کی پاسبانی، قادیانی فرقوں کی سرکوبی باطل قوتوں کا مقابلہ مجلس کا عظیم اور مقدس مقصد ہے۔ قادیانیوں کے سربراہ مرزا طاہر نے جب سے اپنا مستقر لندن منتقل کیا ہے اور پوری دنیا کے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے اربوں کھربوں کے منصوبے شروع کیے ہیں مجلس تحفظ ختم نبوت کی ذمہ داریوں میں کئی گنا اضافہ ہو گیا ہے۔ اندرون و بیرون ملک مجلس کے مبلغ، دفاتر، مدارس، مساجد ان ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کیلیے وقف ہیں۔ مجلس کا سالانہ بیزانیہ کئی لاکھ کا ہے۔ لاکھوں روپے کا مفت لٹریچر اندرون و بیرون ملک تقسیم کیا جاتا ہے۔ جامع مسجد ربوہ، جامع مسجد کراچی اور دیگر شہروں میں مجالس کے تعمیراتی منصوبے تشنۂ تکمیل ہیں جبکہ لندن اور دوسرے ممالک میں بھی دفاتر قائم کیے جا رہے ہیں۔ اندرون و بیرون ملک قادیانیوں کے ساتھ مقدمات کی وجہ سے مجلس کی ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی ہیں۔ ختم نبوت کی خدمت اور مالی اعانت اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا ذریعہ ہے۔ آنجناب سے توقع رکھتے ہیں کہ آپ اس کار خیر میں ضرور شریک ہوں گے۔

واجرکم علی اللہ۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

فقیر خان محمد امیر مرکزیہ، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ، حضوری باغ روڈ ملتان

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

بیان در مقدمہ بہاولپور

۲۵/ ۲۷/ ۲۸/ ۲۹ اگست ۱۹۳۲ء

امام العصر حجۃ الاسلام

مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بہاولپور کا معرکتہ الآراء تاریخی مقدمہ

۱۹۳۲ء کی تیسری سہ ماہی میں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ بوجہ علالت چند ہفتوں کے لئے ڈابھیل سے دیوبند تشریف لائے ہوئے تھے۔ جب طبع مبارک قدرے روبصحت ہوئی تو ڈابھیل مراجعت فرمانے کا عزم فرمایا۔ اور رخت سفر تیار کیا کہ اچانک حضرت شیخ الجامعہ مولانا غلام محمد گھوٹوی صاحبؒ کا صحیفہ گرامی موصول ہوا جس میں اہالیان بہاولپور کی اس آرزو کا اظہار تھا کہ حضرتؒ بہاولپور تشریف لا کر حق وباطل کے اس مقدمہ میں شہادت قلمبند کرائیں۔

حضرتؒ نے معاملہ کی نزاکت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ڈابھیل کا سفر معرض التوا میں ڈال کر بہاول پور کا قصد فرمایا اور باوجود پیرانہ سالی وشدید ضعف وعلالت کے دیوبند سے بہاول پور تک کا صعوبت انگیز سفر اختیار فرمایا۔ اور ۱۹اگست ۱۹۳۲ء بروز جمعۃ المبارک سرزمین بہاولپور کو قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا۔

حضرتؒ کی بہاولپور آمد کے ساتھ ہی تمام ہندوستان کی نظریں اس مقدمہ پر مرکوز ہوگئیں اور اس نے لافانی شہرت اختیار کرلی۔ پنجاب اور سندھ کے اکثر علماء دین بہاولپور پہنچ گئے۔ آپ کی قیام گاہ پر ہمہ وقت زائرین کا اژدھام رہتا تھا۔ ۲۵اگست ۱۹۳۲ء کو جب یہ رأس المحدثین اپنی شہادت قلمبند کرانے عدالت میں پہنچا تو کمرہ عدالت ذی علم علماء دین ومشاہیر ووزراء واکابرین قوم سے مکمل طور پر معمور تھا۔ عدالت کے باہر میدان میں

عوام کا ایک جم غفیر موجود تھا جس میں اہل ایمان کے علاوہ اہل ہنود بھی شامل تھے اور ہر شخص حضرتؒ کے ارشادات گرامی سننے کے لئے مضطرب تھا۔ آپ کا یہ بیان ۲۸ اگست ۱۹۳۲ء تک جاری رہا جبکہ ۲۹ اگست کو جلال الدین شمس قادیانی مختار فریق ثانی نے آپ پر جرح کی۔

حضرتؒ نے مندرجہ ذیل پانچ وجوہ پیش کر کے مرزا قادیانی اور اس کے متبعین کی تکفیر کا ثبوت پیش فرمایا:

(۱)............دعویٰ نبوت

(۲)............دعویٰ شریعت

(۳)............توہین انبیاء علیہم السلام

(۴)............انکار متواترات و ضروریات دین

(۵)............سب (گالی دینا) انبیاء علیہم السلام

حضرتؒ نے اپنے دلائل قاطع و براہین ساطع سے مرزا غلام احمد قادیانی کی باطل نبوت اور فرقہ ضالہ مرزائیہ کا کفر و ارتداد پورے عالم میں ابیض من الطمس کر دیا (حضرتؒ کا یہ بیان علم و عرفان کا ایسا بحر ذخار ہے جس کی گہرائیوں میں گراں قدر اور بے بہا موتی بھرے ہوئے ہیں۔)

مقدمہ بہاولپور کے ساتھ ویسے تو بہت سے تاریخی واقعات وابستہ ہیں۔ قارئین گرامی کی بہرہ اندوزی کے لئے یہاں پر صرف تین کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱)............مورخہ ۲۹ اگست ۱۹۳۲ء کو جب جلال الدین شمس قادیانی مختار مدعا علیہ حضرت شاہ صاحبؒ پر لایعنی جرح کر رہا تھا تو حضرت شاہ صاحبؒ موصوف کی زبان مبارک سے "غلام احمد جہنمی" کا لفظ نکلا جس پر مختار مدعا علیہ نے شدید احتجاج کرتے ہوئے جرح بند کر دی اور عدالت سے درخواست کی کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو حکم فرمایا جائے کہ وہ اپنے الفاظ واپس لیں۔ عدالت کا کمرہ علماء فضلاء و مشاہیر سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا ان حضرات نے مشاہدہ کیا کہ حضرتؒ پر ایک خاص کیفیت وجد طاری ہو گئی۔ چہرہ مبارک نور سے منور ہو گیا۔ آپ نے اپنا دست مبارک جلال الدین شمس قادیانی کے کاندھے پر رکھ کر فرمایا:

”ہاں ہاں! مرزا غلام احمد قادیانی جہنمی ہے۔ دیکھنا چاہتے ہو کہ وہ جہنم میں کیسے جل رہا ہے؟۔“

حضرت شاہ صاحبؒ کے ان الہامی کلمات سے مرزائیوں پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ ان کے چہرے زرد پڑ گئے۔ جلال الدین شمس قادیانی نے فوراً حضرت شاہ صاحبؒ کا دست مبارک اپنے کندھے سے ہٹا دیا اور کہنے لگا کہ اگر آپ مرزا غلام احمد قادیانی کو جہنم میں جلتا ہوا دکھا بھی دیں۔ تو میں اسے شعبدہ بازی کہوں گا۔

بفضل تعالیٰ آج بھی بہاولپور میں بالخصوص اور برصغیر میں بالعموم ہزاروں افراد موجود ہیں جو اس تاریخی واقعہ کے عینی شاہد ہیں۔

(۲)..........۲۶ اگست ۱۹۳۲ء کو یوم جمعتہ المبارک تھا۔ جامع مسجد الصادق بہاولپور میں آپ نے جمعہ کی نماز ادا فرمانا تھی۔ مسجد کے اندر تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ قرب و جوار کے گلی کوچے نمازیوں سے بھرے ہوئے تھے نماز کے بعد آپ نے اپنی تقریر کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا:

”میں بواسیر خونی کے مرض کے غلبہ سے نیم جان تھا اور ساتھ ہی اپنی ملازمت کے سلسلہ میں ڈابھیل کے لئے پابہ رکاب کہ اچانک شیخ الجامعہ صاحب کا مکتوب مجھے ملا جس میں بہاولپور آکر مقدمہ میں شہادت دینے کے لئے لکھا گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ میرے پاس کوئی زاد راہ ہے نہیں۔ شاید یہی چیز ذریعہ نجات بن جائے کہ میں حضرت محمد ﷺ کے دین کا جانبدار بن کر یہاں آیا ہوں۔“

یہ سن کر مجمع بے قرار ہو گیا۔ آپ کے ایک شاگرد مولانا عبد الحنان ہزاروی آہ و بکا کرتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور مجمع سے بولے کہ اگر حضرت کو بھی اپنی نجات کا یقین نہیں تو پھر اس دنیا میں کس کی مغفرت متوقع ہو گی؟۔ اس کے علاوہ کچھ اور بلند کلمات حضرت کی تعریف و توصیف میں عرض کئے جب وہ بیٹھ گئے تو پھر مجمع کو خطاب کر کے فرمایا کہ:

”ان صاحب نے ہماری تعریف میں مبالغہ کیا۔ حالانکہ ہم پر یہ بات کھل گئی کہ گلی کا کتا بھی ہم سے بہتر ہے اگر ہم تحفظ ختم نبوت نہ کر سکیں۔“ (کمالات انوری)

(۳)………… جب بہاولپور سے بیان دیکر واپس دیوبند جانے لگے تو اپنے شاگرد حضرت مولانا محمد صادق بہاولپوریؒ سے فرمایا کہ اگر فیصلہ میری زندگی میں ہوا تو خود سن لوں گا۔ اگر میرے مرنے کے بعد فیصلہ ہو تو میری قبر پر آکر سنا دینا۔ اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی کہ فیصلہ سے پہلے آپ کا وصال ہو گیا۔ چنانچہ آپ کی وصیت کے مطابق مولانا محمد صادق بہاولپوریؒ نے دیوبند جا کر آپ کی مزار انور پر اس فیصلہ میں اہل اسلام کی کامیابی کی نوید عرض کی۔

(فقیر اللہ وسایا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۵ اگست ۱۹۳۲

بیان گواہ مدعیہ باقرار صالح

سید محمد انور شاہ ولد معظم شاہ ذات سید سکنہ کشمیر عمر ۵۵ سال

ایمان اور کفر کی حقیقت

کسی کے قول کو اس کے اعتماد پر باور کرنے، اور غیب کی خبروں کو انبیاء علیہم السلام کے اعتماد پر باور کرنے کو ایمان کہتے ہیں۔ اور کفر کہتے ہیں حق ناشناسی اور منکر ہو جانے کو یا مکر جانے کو۔ ہمارے دین کا ثبوت دو طرح سے ہے۔ یا تواتر سے یا خبر واحد سے۔

اقسام تواتر : تواتر اسے کہتے ہیں کہ کوئی چیز ایسی ثابت ہوئی ہو نبی کریم ﷺ سے اور ہم تک پہنچی ہو علی الاتصال کہ اس میں احتمال خطا کا نہ ہو۔ تواتر ہمارے دین میں چار قسم کا ہے۔ حدیث ہے کہ :

"من کذب علی متعمدًا فلیتبوأ مقعده من النار."

﴿جو شخص جان بوجھ کر میری طرف جھوٹی بات کی نسبت کرے۔ اسے چاہئیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔﴾

پہلی قسم: یہ حدیث متواتر ہے اور تیس صحابہؓ سے بسند صحیح مذکور ہے۔ اس کو تواتر اسنادی کہا جائے گا۔ نزول مسیح میں چالیس حدیثیں صحیح ہمارے پاس موجود ہیں۔ یہ متواتر ہیں۔ (اگر) اس کا کوئی انکار کرے (تو) وہ کافر ہے۔

دوسری قسم: تواتر طبقہ۔ (کہ جب) یہ معلوم نہ ہو کہ کس نے کس سے لیا۔ بلکہ یہی معلوم ہو کہ پچھلی نسل نے اگلی سے سیکھا۔ جیسا کہ قرآن مجید کا تواتر۔ اس تواتر کا منکر اور منحرف بھی کافر ہے۔ مسواک کا ثبوت بھی دونوں طرح سے متواتر ہے۔ اگر کوئی (مسواک) ترک کر دے تو چنداں وبال نہیں اور اگر اس کا کوئی انکار کر دے علم دین سمجھ کر تو وہ کافر صریح ہے۔ اگر کوئی شخص کہہ دے کہ ”جو“ حرام ہیں تو وہ کافر ہے۔ بحسب شریعت محمدیہ (جو کھانا) کوئی بڑی چیز نہ تھی لیکن پیغمبر ﷺ نے ”جو“ کھائے اور امت اب تک ”جو“ کھاتی آئی ہے۔ اس تواتر قطعی کا انکار کفر ہے۔

تیسری قسم: تواتر قدر مشترک ہے۔ حدیثیں کئی ایک خبر واحد آئی ہوں۔ اس میں قدر مشترک متفق علیہ وہ حصہ حاصل ہوا جو تواتر کو پہنچ گیا۔ مثال اس کی کہ معجزات نبی کریم ﷺ کچھ متواتر ہیں۔ اور کوئی (کچھ) اخبار احاد ہیں۔ لیکن ان اخبار احاد میں ایک مضمون مشترک ملتا ہے۔ کہ وہ قطعی ہو جاتا ہے۔ اس کا انکار بھی ویسا ہی کفر ہے۔ جیسے پہلی دو قسم کا۔

چوتھی قسم: تواتر توارث ہے۔ اسے کہتے ہیں کہ نسل نے نسل سے لیا ہو۔ جیسا کہ ساری امت اس علم میں شریک رہی کہ خاتم الانبیاء محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔ یہ تواتر اس طرح سے ہے کہ بیٹے نے باپ سے لیا اور باپ نے (اپنے) باپ سے لیا اس کا انکار بھی صریح کفر ہے۔

اگر متواترات کے انکار کو کفر نہ کہا جائے۔ تو اسلام کی کوئی حقیقت قائم نہیں رہ سکتی اور نہ کسی اور یقینی چیز کی۔ ان متواترات میں تاویل کرنا۔ مطلب بگاڑنا کفر صریح ہے۔ رد ہے اور مسموع نہیں ہے۔

متواترات کو تاویل سے پلٹنا کفر ہے

میں نے اپنی کتاب عقیدۃ الاسلام کے صفحہ اول پر متواترات کے پلٹنے کی مثال دی ہے۔ اس کا نام باطنیت ہے۔ اسی کا نام زندیقیت اور الحاد ہے۔

کفر کے اقسام: کفر کبھی قولی ہوتا ہے۔ اور کبھی فعلی ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص ساری عمر نمازیں پڑھتا رہے اور تیس چالیس سال کے بعد ایک دفعہ بت کے آگے سجدہ کرے تو وہ کافر ہے۔ اور تارک نماز سے بدتر ہے۔ یہ کفر فعلی ہے۔ کفر قولی یہ ہے کہ مثلاً یہ کہہ دے کہ خدا کے ساتھ کوئی شریک ہے۔ صفتوں میں' یا فعل میں یا یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی اور نیا پیغمبر آئے گا یہ کفر قولی ہے۔

اختلاف مراتب: کوئی شخص اگر اپنے مساوی رتبہ سے کہہ دے کہ کلمہ بکا۔ تو وہ کوئی چیز نہیں۔ استاد اور باپ سے (یہی کلمہ) کہہ دے۔ تو اسے عاق کہتے ہیں۔ پیغمبر کے ساتھ یہ معاملہ کرے تو یہ کفر صریح ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ جب منافقین سے کہا جاتا ہے کہ پیغمبر سے آکر مغفرت کی دعا کراؤ تو وہ اپنے سر پھیر لیتے ہیں۔ اس کو بھی پیغمبر کے مقابلے میں قرآن نے کفر قرار دیا ہے۔ کوئی شخص اگر بغیر نیت کے بطور ہنسی کھیل کے کلمہ کفر کہتا ہے۔ تو وہ بھی کافر ہے۔ اگر سبقت لسانی ہوئی تو یہ معاف ہے۔

اس کی تائید میں آیت: "وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ اِسْلاَمِهِمْ وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا ۰ توبہ آیت ٧٤"

﴿بے شک کہا انہوں نے لفظ کفر اور منکر ہو گئے مسلمان ہو کر اور کہا تھا اس چیز کا جو ان کو نہ ملی۔﴾

اور: ”لاَ تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ . توبه آيت ٦٦“
﴿بہانے مت بناؤ تم کفار ہو گئے۔ اظہار ایمان کے بعد۔﴾

ان دفعات (اسلامیہ) سے جو اوپر بیان کئے گئے ہیں (جو) انکار کرے تو وہ خدا کا باغی ہے اور اس کی سزا موت ہے۔

مرزائیوں سے اصولی اختلاف

اہل سنت والجماعت اور مرزائی مذہب والوں میں قانون کا اختلاف ہے۔ علمائے دیوبند اور علمائے بریلی میں واقعات کا اختلاف ہے۔ قانون کا نہیں۔

مرزا قادیانی نے اسلام کے اصول بدلے

مرزائی مذہب والے (مرزا غلام احمد قادیانی) نے مہمات دین کے بہت سے اصولوں کی تبدیلی کر دی ہے اور بہت سے اسمائے کا مسمی بدل دیا ہے۔

نبوت کے ختم ہونے کے بارے میں ہمارے پاس کوئی دو سو حدیثیں ہیں اور قرآن مجید ہے اور اجماع بالفعل ہے اور ہر نسل اگلی نے پچھلی سے اس کو لیا ہے اور کوئی مسلمان جس کو تعلق ہوا اسلام کے ساتھ۔ وہ اس عقیدہ سے غافل نہ رہا۔ اس عقیدہ کی تحریف کرنا اور اس سے انحراف کرنا صریح کفر ہے اگر کوئی آیت قرآنی ہو اور اس کی مراد پر اجماع ہو امت کا' اور صحابہ کرامؓ کا' اس سے انحراف کرنا اور تحریف کرنا کفر صریح ہے۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ امام احمدؒ نے کہا ہے کہ: ”من ادعى الاجماع فهو كاذب“ تو اس کی مراد یہ ہے کہ لوگ کہیں کہیں اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ وہ اجماعی ہوتے نہیں۔ نہ یہ کہ کوئی چیز دین محمدی میں اجماعی ہے ہی نہیں؟

ہم خود زبان امام احمد سے نقل اجماع کو ہم بہت (خوب) ثابت کر دیں گے۔

امت محمدیہ ﷺ میں پہلا اجماع

پہلا اجماع جو اس امت محمدیہ ﷺ میں ہوا ہے وہ اس پر ہوا ہے کہ مدعی نبوت کو

قتل کیا جائے۔ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں مسیلمہ کذاب نے دعویٰ نبوت کیا صدیق اکبرؓ نے خلافت کے زمانہ میں مسیلمہ کے قتل کے واسطے صحابہؓ کو بھیجا۔ کسی نے اس میں تردد نہ کیا۔ یعنی جو خاتم النبیین کے بعد دعویٰ نبوت کرے تو وہ مرتد اور زندیق ہے اور واجب القتل ہے۔

سنن ابی داؤد میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس مسیلمہ کے قاصد آئے کہ تم کہتے ہو کہ وہ نبی ہے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ ہاں۔

فرمایا کہ دنیا کا طریقہ یہ ہے کہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاتا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو میں تمہاری گردن ماردیتا۔ (کتاب الجہاد فی باب الرسل سنن ابو داؤد ص ۳۸۰ مطبوعہ لکھنو)

اس کے بعد معجم طبرانی میں ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کو ان قاصدوں میں سے ایک (ابن نواحہ) کوفہ میں ملا۔ حضرت فاروقؓ یا عثمانؓ کے زمانہ میں۔ وہ مسیلمہ کا نام لیتا تھا۔ فرمانے لگے کہ اب تو یہ قاصد نہیں ہے۔ حکم دیا کہ اس کی گردن ماری جاوے۔

(جامع المسانید والسنن ص ۱۶۳‘ ۱۴۴‘ ۱۴۳‘ ۶۷‘ ۶۸‘ ج ۲۷)

نیز یہ روایت بخاری کی کتاب کفالت میں بھی مختصراً موجود ہے۔ معجم طبرانی کتب خانہ مولوی شمس الدین بہاولپوری۔ ورق ۲۹ جو روایت معجم طبرانی سے نقل کی گئی ہے۔ وہ بھی سنن ابی داؤد ص ۲۷۴ ج ۱ میں موجود ہے۔

اسلام میں عقیدہ ختم نبوت متواتر ہے

ختم نبوت کا عقیدہ دین محمدی ﷺ میں متواتر ہے۔ قرآن‘ حدیث سے اجماع بالفعل سے اور یہ پہلا اجماع ہے۔ ہر وقت (زمانہ) میں حکومت اسلامی نے اس شخص کو جس نے دعویٰ نبوت کیا۔ سزائے موت دی ہے۔ ایک شاعر کو سلطان صلاح الدین ایوبی نے بہ فتویٰ علماء دین ایک شعر کے کہنے پر قتل کرادیا تھا۔

کان مبداء هذا الدین من رجل
سعی فاصبح یدعی سید الامم

(صبح الاعشیٰ ص ۳۰۵ ج ۱۳)

﴿آغاز اس دین کی ایک شخص سے تھی کہ اس نے کوشش کی اور وہ سردار ہو گیا امتوں کا۔﴾

اس شعر سے قرار دیا گیا کہ یہ شخص نبوت کو کسبی کہتا ہے جو کہ ریاضتوں سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اس لئے اسے قتل کر دیا گیا۔

ختم نبوت کی آیت :

"مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآاَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۰ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۰ احزاب آیت ۴۰"

﴿محمد رسول اللہ ﷺ تم بالغوں میں کسی کے باپ نہیں ہیں۔ لیکن رسول ہیں اللہ کے اور ختم کرنے والے ہیں پیغمبروں کے۔﴾

اس آیت میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ نبی کریم کی ابوت (باپ ہونے) کا علاقہ دائماً دنیا سے منقطع ہے۔ اور اس کے عوض رسالت اور نبوت کا علاقہ دائماً ثابت ہے۔ گویا ساری جگہ نبوت اور رسالت کی محمد ﷺ نے گھیر لی۔ کوئی جگہ خالی نہ رہی۔ احادیث تواتر کو پہنچ گئی ہیں کہ یہ عہدہ بھی منقطع ہو گیا ہے۔

نبی کریم ﷺ اشخاص نبوت کے بھی خاتم ہیں اور آپ ﷺ کے تشریف لانے سے نبوت کا عہدہ منقطع ہو گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آنا علامت ہے اس بات کی کہ انبیاء کے عدد میں کوئی باقی نہیں اس لئے پہلے نبی کو لانا پڑا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کہتا ہے کہ :

"چونکہ میں ظلی طور پر محمد ہوں۔ پس اس طور سے خاتم النبیین کی مہر نہیں ٹوٹی کیونکہ محمد ﷺ کی نبوت مہ تک ہی محدود رہی یعنی بہر حال۔ محمد ﷺ ہی نبی ہے نہ اور کوئی۔"

(ایک غلطی کا ازالہ ص ۸ خزائن ۲۱۲ ج ۱۸، ضمیمہ حقیقت النبوت ص ۲۶۶)

مطلب یہ کہ میں آئینہ بن گیا ہوں محمد رسول اللہ کا اور مجھ میں تصویر اتر آئی ہے رسول کریم ﷺ کی۔ اس سے مہر نبوت نہ ٹوٹی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ تمسخر ہے۔ خدا اور خدا کے رسول ﷺ کے ساتھ (یعنی مہر لگی رہی اور مال میں سے مال چرا لیا گیا)

مرزا غلام احمد قادیانی خاتم کے یہ معنی کرتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ مُہر ہیں اور آپ ﷺ کے منظور کرنے سے نبی بنتے ہیں۔ (حقیقت الوحی ص ۹۷ حاشیہ خزائن ص ۱۰۰ ج ۲۲)

چند شبہات کے جوابات

(۱)………… علمائے اسلام حنفیہ نے یہ لکھا ہے کہ اگر کسی کے کلمہ کفر میں ۹۹، احتمال کفر کے ہوں اور ایک (احتمال) اسلام کا ہو تو ننانوے احتمالات کو نظر انداز کر دیا جاوے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ صرف ایک ہی کلمہ کفر کسی کا پایا گیا ہو۔ حالات اس کے معلوم نہیں۔ تو اس وقت یہ صورت ہو گی، ورنہ اگر حالات معلوم ہوں اور وہ ۳۰ سال اگر عبادت کرتا رہے اور ایک کلمہ کفر کا کہے وہ کافر ہے۔

(۲)………… تکفیر اہل قبلہ یہ مسئلہ مشہور ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں۔ بس اس کی مراد میں علماء نے تصریح کی ہے کہ اہل قبلہ سے مراد یہ ہے کہ وہ کل متواترات اور ضروریات دینی پر ایمان لایا ہو۔
(فتاوی عالمگیری کتاب السیر ص ۴۲۰ ردالمختار باب ۷ ۴۴، شرح فقہ اکبر تحریر شیخ ابن ہمام ص ۱۸۹)

(۳)………… میں نے شروع بیان میں جو یہ کہا تھا کہ اجماع کا منکر کافر ہے اور اجماع صحابہؓ حجت قطعی ہے۔ حافظ ابن تیمیہ کی کتاب اقامتہ الدلیل ص ۱۳۰ ج ۳ پر ہے۔ واجب ہے اس اجماع صحابہؓ کا اتباع بلکہ وہ قوی ترجحت ہے اور مقدم ہے اور حجتوں پر۔ اسلام شناخت ہے مسلمانوں کی اور مسلمانوں کے اشخاص شناخت ہیں اسلام کی۔ (اگر اجماع کو درمیان میں سے اٹھا دیا جاوے تو دین ڈھے گیا۔)

صحیح بخاری ص ۱۰۲۴ جلد ۲ میں ایک حدیث ہے: ”فان له اصحاب………… الخ.“ اس کی ذریت سے کہ ایک نسل آئے گی کہ ان کے روزے اور نماز کے سامنے تمہارے (یعنی صحابہؓ کے) نماز اور روزے ہیچ ہوں گے۔ اس جھٹ (تیزی) سے نکل جائیں گے دین سے۔ جس طرح تیر نکل جاتا ہے شکار سے۔ ایک اور حدیث ہے کہ اگر میں نے پایا ان کو۔ تو جیسے عاد اور ثمود قتل کئے گئے میں بھی ان کو قتل کر دوں گا۔

(۴) .... حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ گناہوں سے تکفیر نہ چاہئے۔ ان گناہوں سے مراد وہ ہیں جو کفر کی حد تک نہیں پہنچے اور جو کفر کے کلمے یا فعل ہیں۔ ان سے ہر طرح سے تکفیر کی جائے۔ ایسے گناہ مثلاً زنا، شراب خوری، ڈاکہ زنی، سے تکفیر نہیں کی جائے گی۔ اگر نماز کوئی شخص ترک کرے دانستہ، وہ کافر نہیں فاسق ہے اور شدید عاصی ہے، اور اگر تاویل کر جائے نماز میں کہ نماز سے کچھ اور مراد ہے تو وہ کافر ہے قطعاً، نماز کا اگر کوئی شخص اقرار کرتا ہے اور دانستہ نہ پڑھے تو کافر نہیں بلحہ فاسق ہے۔ اور اگر ایک دفعہ قبلہ سے روگردانی کر کے دوسری طرف دانستہ نماز پڑھ لے تو وہ کافر ہے۔ نماز کا تارک کافر نہیں ہے۔ فاسق ہے اور اگر بے وضو نماز پڑھے تو کافر ہے۔

اصل کافروں سے بدتر وہ کافر ہے جن کا رلاؤ (ملے جلے) ہو اسلام کے ساتھ جنم کے کافروں سے۔ کیونکہ اصل کافروں سے نفع جاتا ہے اور دوسروں سے پونجی جاتی ہے۔

شیطان کا کفر: کبھی کفر ایسا ہوتا ہے کہ نہ خدا کی تکذیب کی نہ پیغمبر کی تکذیب کی۔ پھر بھی کافر جیسے ابلیس نے نہ خدا کی تکذیب کی نہ آدم کی۔

کافر، منافق اور زندیق میں فرق

جو اقرار نہ کرے دین محمدی کا اس کو کافر کہتے ہیں۔ جسے اندر سے اعتقاد نہ ہو اسے منافق کہتے ہیں حکم اس کا بھی وہی ہے۔ بلحہ کافر سے اشد۔ جو زبان سے اقرار کرتا ہو لیکن دین کی حقیقت بدلتا ہو۔ اسے زندیق کہتے ہیں وہ پہلی دو قسموں سے زیادہ شدید کافر ہے۔

امام ابو حنیفہؒ سے بالاسناد احکام القرآن ص ۵۳ (منقول ہے) امام محمد فرماتے ہیں کہ: ” ومن انکر شیئاً من شرائع الاسلام فقد ابطل قول۔ لااله الاالله. السیر الکبیر ص ٢٦٥ ج ١٤“ کہ جس نے انکار کیا کسی چیز کا اسلامی امور میں سے اس نے باطل کر دیا قول لاالہ الا اللہ کا۔

۲۷۔ اگست ۱۹۲۳ء

تتمہ بیان سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ

اسلام کفر اور ارتداد کے معنی

اس وقت تک جو اجمالی طور پر کفر و ایمان کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ ارتداد کے معنی یہ ہیں کہ دین اسلام سے ایک مسلمان کلمہ کفر کہہ کر اور ضروریات و متواترات دین میں سے کسی چیز کا انکار کر کے (اسلام سے) خارج ہو جائے۔ اور ایمان یہ ہے کہ سرور عالم ﷺ جس چیز کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے لائے ہیں اور اس کا ثبوت بدیہیات اسلام سے ہے اور ہر مسلمان عام و خاص اس کو جانتے ہیں اس کی تصدیق کرنا۔ عبارت ذیل سے یہ دونوں مسئلہ ثابت ہیں۔

”هو الراجع عن دين الاسلام وركنها اجراء كلمة الكفر على للسان بعد الايمان و هو تصديق محمد ﷺ فى جميع ما جاء به عن الله تعالىٰ مما علم مجيئه ضرورة ۔“ (در مختار بر تحشیہ شامی ج ۴ ص ۲۲۱ باب المرتد)

مرتد وہ ہے جو پھر جائے دین اسلام سے اور حقیقت اس کی جاری کرنا کلمہ کفر کا زبان پر ایمان کے بعد۔ اور ایمان کیا چیز ہے تصدیق کرنا نبی کریم ﷺ کی سب ان چیزوں میں جو خدا کی طرف سے لائے۔ ثبوت ان کا بدیہی ہو گیا۔

دوسری عبارت بالفاظ ذیل: ”الايمان تصديق سيدنا محمد ﷺ فى جميع ما جاء به من الدين ضرورة ۔ الكفر تكذيب محمد ﷺ مما جاء من الدين ضرورة ولا يكفر احد من اهل القبلة بجحود“

(صفحہ ۲۶۳ شرح الاشباہ والنظائر نول کشور)

﴿ایمان تصدیق ہے۔ نبی کریم ﷺ کی جملہ ان امور میں کہ جو لائے اور ثابت ہوئے تواتر سے۔ کفر تکذیب ہے نبی کریم ﷺ کی کسی ایک چیز میں بھی جو دین میں بداہتاً

ثابت ہو۔ کافر نہیں ہو گا کوئی اہل ایمان (اہل قبلہ) میں سے مگر جب انکار کرے کسی اس چیز کے (سے) جو چیز کہ ضروریات دین سے ہو۔

ضروریات دین

"معنی التصدیق قبول القلب' و اذ عانه لما علم الضرورة انه من دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم بحیث تعلمه العامة من غیر افتقار الی نظر و استدلال کالو حدانیة والنبوة والبعث الجزاء ووجوب الصلوة ."

ضروریات دین وہ ہیں کہ پہچانیں ان کو خواص و عوام کہ یہ دین سے ہیں۔ جیسے اعتقاد توحید کا رسالت کا اور پانچ نمازوں کا اور مثل ان کے اور چیزیں۔

(ردالمحتار ص ۷ ۲۴ ج ۱ باب الامامت)

مرزائی تاویلات کارد

جو لوگ ضروریات دین کا انکار کر کے کافر ہو جاتے ہیں وہ عموماً اپنے کفر کو چھپانے کے لئے مختلف تاویلیں اور تدبیریں اختیار کرتے ہیں :

(۱)............ کبھی کہتے ہیں ہم اہل قبلہ ہیں اور اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں۔

(۲)............ کبھی کہتے ہیں ہم تمام ارکان اسلام، نماز، روزہ، حج، زکوۃ ادا کرتے ہیں تبلیغ اسلام میں سرگرم کوششیں کرتے ہیں۔ ہمیں کیسے اسلام سے خارج کیا جا سکتا ہے ؟۔

(۳)............ کبھی کہتے ہیں کہ بہ تصریح فقہائے (اسلام) اگر ایک شخص کے کلام میں ۹۹ وجوہ کفر کی اور صرف ایک (وجہ) اسلام کی موجود ہو تو مفتی کا فرض ہے کہ اس ایک وجہ کو اختیار کر کے اس کو مسلمان کہے۔ کفر کا حکم نہ لگائے۔ پھر ہمیں کیسے خارج از اسلام کہا جا سکتا ہے ؟۔

(۴)............ اور کبھی کہتے ہیں کہ بتصریح فقہا جو لوگ کوئی کلمہ کفر کسی تاویل کی بنا پر کہیں۔ اس کو کافر کہنا جائز نہیں۔ ان چاروں شبہات کے جواب ترتیب وار یہ ہیں۔

پہلا شبہ :اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں۔ یہ بے علمی اور ناواقفیت پر مبنی ہے۔ چونکہ حسب تصریح واتفاق علماء' اہل قبلہ کے یہ معنی نہیں کہ جو قبلہ کی طرف منہ کرے وہ مسلمان ہے چاہے سارے عقائد اسلام کا انکار کرے۔ قرآن مجید میں منافقین کو عام کفار سے زیادہ بدتر کافر ٹھہرایا گیا ہے۔ حالانکہ وہ فقط قبلہ کی طرف منہ ہی نہیں کرتے تھے بلکہ تمام ظاہری احکام اسلام ادا کرتے تھے۔

قرآن مجید کا ارشاد ہے :"لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۰ البقرہ آیت نمبر ۱۷۷"

﴿نیکی کچھ یہی نہیں ہے کہ منہ کرو اپنا مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف۔ لیکن بڑی نیکی یہ ہے جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب کتابوں پر اور پیغمبروں پر۔﴾

اس مضمون کی تصریح کتب ذیل میں ہے :

"ثم اعلم ان المراد باهل القبلة الذين اتفقوا على ما هو من ضرورات الدين حدوث العالم و حشر الاجساد و علم الله تعالىٰ بالكيات والجزئيات و ما اشبه من المسائل المهمات فمن و ظب طول عمره على الطاعات والعبادات مع اعتقاد قدم العالم اونفى الحشر نفى علمه سبحانه بالجزائيات لايكون من اهل القبله ." (شرح فقہ اکبر بیان موجبات الکفر ص ۱۴۳ مطبع احمدی)

جس کا مطلب یہ ہے کہ جان تو کہ اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اتفاق کیا ضروریات دین پر جیسے حدوث عالم' حشر اجساد' علم اللہ تعالیٰ کا کل خبروں کے ساتھ اور جو اس کی مثالیں ہوں مسائل مہمہ میں سے۔ پس جس شخص نے مداومت کی ساری عمر اطاعت اور عبادت پر باوجود اعتقاد قدم عالم کے اور نفی حشر کے اور جزئیات مادیات کے ساتھ علم الٰہی کی نفی کی۔ وہ اہل قبلہ میں سے نہیں اور یہ جو مسئلہ کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز

نہیں۔ اس کی مراد یہ ہے کہ کافر نہیں ہوگا جب تک کہ نشانی کفر کی اور علامتیں کفر کی اور کوئی چیزیں موجبات کفر میں سے نہ پائی گئی ہو۔

”والمراد .... قطعاً۔“ مراد مبتدع سے وہ ہے جو اپنی بدعت رسوم سے کافر نہیں اور ایسے ہی گنہگار اہل قبلہ میں سے وہ شخص مراد ہے جو موافق ہو ضروریات دین کے جیسے حدوث عالم۔ حشر اجساد۔ سوائے اس کے کہ صادر ہو۔ اس سے کوئی چیز موجبات کفر کی۔

(تقریر شرح تحریر الاصول ص ۳۱۸، ج ۳)

اس کتاب کے اسی صفحہ پر ہے:

”ثم .... الخ“

﴿کافر نہ کہنا کسی اہل قبلہ کو کسی گناہ سے تصریح کی ہے اس کی امام ابی حنیفہ نے فقہ اکبر میں فرمایا کہ ہم کافر نہیں کہتے کسی کو کسی گناہ سے اگرچہ وہ گناہ کبیرہ ہو۔ جب تک اس گناہ کو حلال نہ سمجھے جیسے کہ منتقی حاکم شہید کی کتاب میں ہے۔﴾

دوسرا شبہ: یہ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ تمام ارکان اسلام کے پابند اور تبلیغ اسلام میں کوشش کرنے والے ہیں۔ پھر ان کو کیسے کافر کہا جائے؟۔ اس کا جواب صحیح بخاری کی حدیث میں ہے بکتاب: ”استتابة المعاندين والمرتدين باب قتال الخوارج ۔ ص ۱۰۲٤ ج ۲“ جس کو میں پہلے اپنے بیان میں کہہ چکا ہوں۔

اس حدیث میں تصریح ہے کہ یہ قوم جس کے متعلق آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ دین اسلام سے صاف نکل جائے گی اور ان کے قتل کرنے میں بڑا ثواب ہے۔ یہ لوگ نماز روزے کے پابند ہوں گے بلکہ ظاہری خشوع و خضوع کی کیفیات بھی ایسی ہوں گی کہ ان کے نماز، روزے کے مقابلے میں مسلمان اپنے نماز، روزے کو بھی ہیچ سمجھیں گے۔ لیکن اس کے باوجود جب کہ بعض ضروریات دین کا انکار ان سے ثابت ہوا تو ان کی نماز روزہ ان کو حکم کفر سے نہ بچا سکے۔

تیسرا شبہ: یہ کہا جاتا ہے کہ فقہا نے ایسے شخص کو مسلمان ہی کہا ہے جس کے

کلام میں ۹۹ وجہ کفر کی موجود ہوں اور صرف ایک وجہ اسلام کی ہو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا منشاء بھی یہی ہے کہ فقہاء کے بعض الفاظ دیکھ لئے گئے اور اسکے معنی سمجھنے کی کوشش نہ کی گئی اور نہ ان کے وہ اقوال دیکھے جس میں صراحتاً بیان کیا گیا کہ یہ حکم اپنے عموم پر نہیں ہے بلکہ اس وقت ہے جب کہ قائل کا صرف ایک کلمہ مفتی کے سامنے آوے اور قائل کا کوئی دوسرا حال معلوم نہ ہو اور نہ اس کے کلام میں ایسی تصریح ہو جس کا معنی کفریہ متعین ہو جائے۔ تو ایسی حالت میں مفتی کا فرض ہے کہ معاملہ تکفیر میں احتیاط برتے اور اگر کوئی خفیف سے خفیف احتمال نکل سکے، جس کی بنا پر یہ کلام کلمہ کفر سے بچ جائے تو اس احتمال کو اختیار کرے۔ اور اس شخص کو کافر نہ کہے لیکن ایک شخص کا یہی کلمہ کفر اس کی سینکڑوں تحریرات میں بعنوانات والفاظ مختلفہ موجود ہوں جس کو دیکھ کر یہ یقین ہو جائے کہ یہ شخص بھی یہی معنی کفریہ مراد لیتا ہے۔ یا خود اپنے کلام میں اس معنی کفریہ کی تصریح کر دے تو باجماع فقہاء ہرگز ہرگز اس کو مسلمان نہیں کہہ سکتے بلکہ قطعی طور پر ایسے شخص کے لئے کفر کا حکم لگایا جائے گا۔

”اذا کان فی المسئلة وجوه توجب الکفرو وجه واحد یمنع فعلیٰ المفتی ان یمیل الی ذلك الوجه الا اذا صرح بارادة توجب الکفر۔ فلا ینفعه التاویل حینئذ۔ کذافی البحر الرائق“

(فتاویٰ عالم گیری الباب التاسع باحکام المرتدین قبیل باب البغاة ص ۳۲۰ ج ۲)

❁ جب مسئلہ میں کئی وجہیں ہوں کہ واجب کریں کفر کو۔ اور ایک وجہ ہو کہ منع کرتی ہو کفر کو۔ لازم ہے مفتی کو کہ دیکھے اس ایک وجہ کی طرف۔ مگر جب تصریح کی ایسی مراد کی جو کفر واجب کرے تو کوئی مانع نہ ہو دیگر تاویل اس وقت۔ ایسا ہی ہے البحر الرائق میں۔ ایسا ہی ہے خلاصہ بزازیہ میں۔ ❁

چوتھا شبہ: یہ کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی کلمہ کفر کسی تاویل کے ساتھ کہا جاوے۔ تو کفر کا حکم نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں بھی وہی تصریحات فقہاء سے ناواقفیت کا اظہار ہے۔ حضرات فقہاء اور متکلمین کی تصریحات موجود ہیں کہ تاویل اس کلام اور اس چیز میں مانع تکفیر ہوتی ہے۔ جو ضروریات دین میں سے نہ ہو۔ لیکن ضروریات دین میں اگر کوئی تاویل کرے اور اجماعی عقیدہ کے خلاف کوئی نیا معنی تراشے تو بلاشبہ اس کو کافر کہا جائے گا۔ اسے قرآن مجید الحاد کہتا ہے۔ اور حدیث نے اس کا نام زندیق رکھا ہے۔ زندیق اسے کہتے ہیں جو مذہبی لٹریچر بدلے۔ الفاظ کی حقیقت بدل دے۔

محمد بن ابی بکرؓ حاکم مصر نے حضرت علیؓ کی خدمت میں لکھا کہ دو مسلمان زندیق ہو گئے ہیں۔ ادھر سے جواب دیا گیا اگر توبہ کر لیں تو قتل سے بچ گئے۔ نہیں تو گردن مار دو۔ روایت کیا اس کو امام شافعی اور بیہقی نے زندیق کا لفظ کنز العمال ص ۹۳ جلد ۳ سے لیا ہے۔ زندیق فارسی لفظ ہے جس کو عربی میں لیا گیا ہے۔ علماء کی کتابوں میں اس کا نام باطنیت آتا ہے۔ یہ تینوں چیزیں ایک ہی معنی رکھتی ہیں۔ کفر صریح ہیں۔ معانی آلاثار کتاب الحدود' باب حد الخمر ص ۸۹ ج ۲ میں ہے۔ امام طحاویؒ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت نقل کی ہے اہل شام کی ایک جماعت نے شراب پی اور آیت کریمہ: "لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْا ۔ المائدہ آیت ۹۳" کی تحریف کر کے شراب کو حلال قرار دیا۔ اس وقت یزید ابن ابی سفیان شام کے حاکم تھے۔ انہوں نے حضرت فاروق اعظمؓ کو یہ واقعہ لکھا۔ فاروق اعظمؓ نے جواب میں لکھا کہ ان لوگوں کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیجئے۔ جب یہ لوگ حضرت فاروق اعظمؓ کی خدمت میں پہنچے تو صحابہؓ اور تابعینؒ سے ان کے معاملہ میں مشورہ ہوا۔ سب نے یہ رائے دی کہ یا امیر المومنینؓ:

"تریٰ انهم قد كذبوا على الله و شرعوا فى دينهم ما لم ياذن به الله فاضرب اعناقهم ."

❁یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ پر افتراء کی ہے اور دین میں ایک ایسی بات جاری کی جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔ اس لئے ان کی گردنیں مار دیجئے۔ لوگوں نے یہ رائے دی۔❁

مگر حضرت علیؓ ساکت رہے حضرت فاروق اعظمؓ نے پوچھا کہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ فرمایا:

”اریٰ ان تستیبهم ۰ فان تابوا ضربتهم ثمانین بشربهم الخمر و ان لم یتوبوا ضربت اعناقهم قد کذبوا علی الله و شرعوافی دینهم مالم یاذن به الله فاستتابهم فتابوا ۰ فضربهم ثمانین ثمانین ۰“

﴿میں تو یہ کہتا ہوں کہ آپ ان سے کہیں کہ اس خیال سے توبہ کرو۔ اگر وہ توبہ کریں تو ہر ایک کو ۸۰، ۸۰ کوڑے لگائیں اور اگر توبہ نہ کریں تو ان کی گردنیں ماردی جائیں کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتے ہیں اور دین میں ایسی بات جاری کرتے ہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔﴾

یہ واقعہ حافظ الدنیا ابن حجر عسقلانی نے شرح فتح الباری میں بحوالہ مسند عبدالرزاق مصنف ابن ابی شیبہ نقل فرمایا ہے۔

(فتح الباری کتاب الحدود باب ضرب بالجرید والنعال پارہ ۲۷ ص ۶۰ ج ۱۲)

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شریعت کے کسی لفظ کو بحال رکھے اور اس کی حقیقت کو بدل دے اور مقابلہ ہو متواترات کا تو وہ کفر صریح ہے (ان لوگوں نے قرآن کی تکذیب نہ کی تھی بلکہ بے جا تاویل کی تھی جس پر قتل کا حکم کردیا گیا۔)

وزیر محمد بن ابراہیم یمانی لکھتے ہیں:

”مثل کفرا الزنا دقة والملاحدة ۰ الی ان قال ۰ و تلعبوا بجمیع آیات کتاب الله عزو جل فی تاویلها جمیعا بالبواطن التی لم یدل علی شئی منها دلالة ولا امارة ولالها فی عصر السلف الصالح اشارة ۰ وکذلك من بلغ مبلغهم من غیرهم فی تصفیة آثار الشریعت وردالعلوم الضروریة التی نقلتها الامة خلفها عن سلفها ۰“

(ایثار الحق علی الخلق ص ۴۴۵)

﴿جیسے کفر زندیقوں اور ملحدوں کا کھیل اور تمسخر کیا انہوں نے قرآن مجید کی سب

آیتوں کے ساتھ اور تاویل کی ان آیتوں کی ان باطنی چیزوں کے ساتھ جس پر نہ لفظوں کی دلالت ہے۔ نہ نشان ہے۔ نہ سلف کے زمانہ میں کوئی اشارہ ہے اور اس طرح ان زندیقوں اور ملحدوں جیسے وہ لوگ بھی ہیں۔ جو ان ہی کی صفت کے ہوں اور شریعت کے نشان مٹانے میں اور بدیہی علوم کو رد کرنے میں جس کو پچھلی نسلوں نے اگلی نسلوں سے لیا ہے۔ ۞

یہاں تک میرے بیان سے اصولی طور پر کفر اور ایمان کی شرعی حقیقت اور یہ بات واضح ہو چکی کہ ایک مسلمان کس قسم کے افعال یا اقوال کی وجہ سے کبھی کافر اور خارج از اسلام ہو جاتا ہے۔

کفر مرزا پر علماء کا فتویٰ

اس کے بعد میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ قادیانی مدعی نبوت نے کن ضروریات دین کا انکار کیا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ باجماع امت کافر مرتد قرار دیئے گے اور ہندوستان کے تمام اسلامی فرقے باوجود سخت اختلاف خیال اور اختلاف مشرب کے۔ ان کے کفر اور ارتداد پر نیز ان کے متبعین کے کفر اور ارتداد پر متفق ہو گئے۔

رسالہ القول الصحیح فی مکائد المسیح ص ۱۵ مرتبہ مولوی سہول صاحب سابق مدرس دارالعلوم دیوبند، الحال پرنسپل کالج شمس الہدیٰ پٹنہ عظیم آباد نے ایک فتویٰ مرتب کیا ہے جس پر بہت سے علماء کے دستخط ہیں اور مولانا محمود حسن صاحب شیخ الہندؒ کے بھی اس پر دستخط ہیں۔ شیخ الہندؒ صاحب نے ایک دو سطریں ہی لکھی ہیں جو بالفاظ ذیل ہیں :

”مرزا علیہ مایستحقہ کے عقائد و اقوال کا امور کفریہ ہونا۔ ایسا بدیہی مضمون ہے جس کا انکار کوئی منصف صاحب فہم نہیں کر سکتا۔ جس کی تفصیل جواب میں موجود ہے۔“

مصر کا فتویٰ بھی اس کے متعلق چھپا ہوا موجود ہے۔ شام کا بھی موجود ہے۔

شام کا مشہور رسالہ ”خلاصۃ الرد فی انتقاد مسیح الہند“ از قلم محمد ہاشم الرشید الخطیب الحسینی القادری ۱۳۴۴ھ ہے۔ اس میں سے چند سطور کا مطلوب یہ ہے کہ تیسری

کلام وہ جو کہ میں نے رسالہ کے ص ۲، ۳، ۴ پر نقل کی ہے :

"وہ شہادت دیتی ہے اور حکم کرتی ہے تجھ پر کہ تو کافر ہے۔ نہیں داخل ہوا تو دین اسلام میں اور ایسا ہی تیرا مسیح ہندی اور جو اس کا پیرو ہے۔" آگے لکھتے ہیں :

"اسکندرانی اور دیگر سب جرائد نے تمہارے رد کا اعلان کیا ہے۔ مضامین لکھے ہیں۔ سارے مسلمان اس یقین پر ہیں کہ تم ملحد اور کافر ہو۔"

دوسرا فتویٰ علمائے ہندوستان کا ہے جو شائع شدہ ہے اور جس کا نام استنکاف المسلمین ہے جو سال ۱۳۳۸ھ میں شائع ہوا۔ مصر کے فتویٰ کا ترجمہ جو انجمن تائید الاسلام گوجرانوالہ نے اپنے رسالہ "کفر مرزا" میں شائع کیا ہے کہ :

۞ غلام احمد ہندی کی کتاب سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا محمد ﷺ خاتم الانبیاء ہیں۔ مگر غلام احمد نے کہا کہ میرا مقصد ختم نبوت سے ختم کمالات نبوت ہے۔ جو سب سے افضل رسول اور انبیاء ہمارے نبی پر ختم ہوئے اور میرا عقیدہ ہے کہ بعد آنحضرت ﷺ کے کوئی نبی نہیں۔ بجز اس کے جو آپ کی امت میں ہو اور پوری طرح سے آپ کا پیرو ہو۔ جس نے سارا فیض آپ کی روحانیت سے پایا ہو اور آپ کی روشنی سے روشنی پائی ہو تو وہاں پر مغائرت اور غیریت کا مقام نہیں اور نہ کوئی دوسری نبوت ہے اور یہ کوئی حیرت کا مقام نہیں۔ وہ تو خود احمد ہی ہیں جو دوسرے آئینہ میں ظاہر ہوئے ہیں۔ کوئی شخص اپنی صورت کو جس کو اللہ تعالیٰ آئینہ میں دکھاتا اور ظاہر کرتا ہے۔ غیریت نہیں کرتا۔ پس جو شخص نبی سے ہو اور نبی کے اندر ہو تو وہ ہو بہو وہی ہے۔

یہ کلام اس باب میں بالکل صاف ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی بھی آپ ﷺ کے بعد نبوت کے جواز کا عقیدہ رکھتا ہے۔ یعنی کہ نبی کریم ﷺ کے بعد وہ بھی نبی، آپ ﷺ کے اتباع سے ہے اور وہ صورت نبی ﷺ سے ہے اور ہو بہو محمد ﷺ ہے۔ یہ صریح کفر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے : "مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۰ احزاب آیت ۴۰" کے صریح مخالف ہے۔ یہ ان بہت سے دعووں میں سے ایک قلیل ہے جو کذب غلام احمد ہندی پر دلالت کرتے ہیں اور جن کو اس نے اپنی کتاب

میں (مواہب الرحمٰن ص ۶۹، ۷۰، خزائن ص ۲۸۷ ج ۱۹) تحریر کیا ہے۔ ❁

مغفور مصطفیٰ کامل پاشا رئیس حزب الوطن اور مالک اخبار اللواء نے بھی اس کا رد لکھا ہے۔ غلام احمد کو ضال اور مضل لکھا ہے اور اس کے اقوال کو دیوار پر پھٹکنے اور نجاست کی طرح الاؤ پر ڈال دینے کے لئے کہا ہے۔

کاتب فتویٰ مفتی ملک مصر محمد نجیب اور علامہ طنطاوی جوہری ہیں۔ اصل فتویٰ میں نے دیکھا ہوا ہے۔ اس کا ترجمہ جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔ درست ہے۔ یہ فتویٰ مصر میں علیحدہ شائع ہوا تھا اور میں محمد نجیب اور علامہ طنطاوی دونوں کو جانتا ہوں۔

رسالہ استنکاف الاسلام میں مفتی بھوپال کے بھی دستخط اور مہر ہے۔ انہوں نے اس سوال نکاح کے متعلق بھی ایک فتویٰ دیا ہوا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابوں کا اگر استیعاب کیا جاوے تو بہت سے متواترات شرعیہ کا انکار اور خلاف صریح سے صریح طور پر اس کے کلام میں موجود ہے۔ جن میں سے اس وقت چند چیزیں پیش کی جاتی ہیں جو ہمارے نزدیک اور ساری امت کے نزدیک موجبات کفر سے ہیں:

(۱)..........ختم نبوت کا انکار اور اس کے اجماعی معنی کی تحریف۔

(۲)..........نبوت کا دعویٰ اور اس کی تصریح کہ ایسی ہی نبوت مراد ہے۔ جیسے پہلے انبیاء کی ہوتی رہی ہے۔

(۳)..........وحی کا دعویٰ اور اپنی وحی کو قرآن کی طرح واجب الایمان قرار دینا۔

(۴)..........عیسیٰ علیہ السلام کی توہین۔

(۵)..........آنحضرت ﷺ کی توہین۔

(۶)..........عام امت محمدیہ کی تکفیر کرنا۔ بجز اپنے چند مریدوں کے سب کو دائرہ اسلام سے خارج کرنا۔ پچاس کروڑ مسلمانوں کو اولاد زنا قرار دینا۔ ان سب چیزوں کا دعویٰ کرنا۔ میں اپنے آخر بیان میں خود مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابوں سے پیش کروں گا۔

اس سے پہلے ہر ایک نمبر کے متعلق یہ بتلا دینا چاہتا ہوں کہ یہ (مرزا قادیانی کی)

سب چیزیں متواترات اور ضروریات دین کے خلاف ہیں اور اجماعی کفر ہیں۔

ختم نبوت کا انکار: ختم نبوت کا انکار کفر ہے آیت: ”مَاكَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٍ مِّنْ...... الخ۔“ خداوندی مشیت میں یہ مقدر تھا کہ انبیاء کی عمارت کو نبی کریم ﷺ پر ختم کیا جاوے اور جتنے کمال ہیں وہ آپ ﷺ پر ختم ہو جائیں۔ اس کے بعد سلسلہ پیغمبری کا باقی رکھنا مشیت نہیں ہے۔ اسی مشیت کے ماتحت آپ ﷺ کی اولاد نرینہ باقی نہ رہی۔

اس مقصود سے فرمان ہے قرآن مجید کا کہ نبی کریم ﷺ کی ابوت کا علاقہ تاآخر کسی کے ساتھ نہیں۔ ابوت کا علاقہ کسی بالغ مرد کے ساتھ تا آخر نہیں ہے۔ اس کی جا (جگہ) میں خاتم الانبیاء کی رسالت ہے۔ آپ ﷺ کی رسالت کا علاقہ مستقبل کے لئے اور خاتم النبیین کا علاقہ ماضی کے لئے ہے۔ پہلی کتابوں میں بھی آپ ﷺ پر سلسلہ پیغمبر ختم کیا گیا اور تورات میں بالفاظ عربی یہ آیت ہے:

”فابی مقرنج کا موش۔ یا قیم یخ۔ الا وتسما یمون بنی من قربك نعما انیمك کمثك لملك مقیم لك الهك اليه تسمعون۔“

﴿پیغمبر ایک ’نبی ایک‘ تیرے قرابت داروں میں سے ’تیرے بھائیوں میں سے‘ تجھ میں قائم کرے گا‘ تیرے لئے خدا تیرا۔ اس کی اعانت کرنی ہو گی۔﴾

انجیل میں بلفظ عبرانی یوں ہے:

”یحوه مینائی و زادم مساعیر هو منع تو دباران۔“

﴿خدا سینا سے آیا۔ طلوع اس کا ساعیر پر ہوا اور استوا اس کا فاران پر ہوا۔﴾

نبوت موسوی اور عیسوی اور محمدی ﷺ کی طرف اشارہ ہے۔ اور ان کو کمال پر پہنچا کر چھوڑ دیا ہے۔ یہ عبارتیں کتاب الملل والنحل میں موجود ہیں اور دونوں عبارتیں تورات کی ہیں۔

ختم نبوت کے متعلق یہ آیت ہے کہ ختم نبوت کا عقیدہ بایں معنی کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کے بعد کسی کو عہدہ نبوت نہ دیا جائے گا۔ بغیر کسی تاویل و تخصیص

کے ان اجماعی عقائد میں سے ہے۔ جو اسلام کے اصولی عقائد میں سے سمجھا گیا ہے اور آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک سے لے کر آج تک نسلاً بعد نسلٍ ہر مسلمان جس کو اسلام سے کچھ بھی تعلق رہا ہے۔ اس پر ایمان رکھتا ہے کیونکہ یہ مسئلہ قرآن مجید کی بہت سی آیات سے اور احادیث متواتر المعنی سے جس کا عدد دو سو سے بھی زیادہ ہے اور قطعی اجماع امت سے روز روشن کی طرح ثابت ہے۔ جس کا منکر قطعاً کافر مانا گیا ہے اور کوئی تاویل و تخصیص اس میں قبول نہیں کی گئی۔ منجملہ آیات کے اس وقت صرف ایک آیت پر اکتفاء کرتا ہوں:

”مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآاَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔ احزاب آیت ۴۰“

اس آیت سے ختم کا ثبوت بایں معنی کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کے بعد کسی شخص کو عہدہ نبوت ہرگز نہ دیا جائے گا باجماع صحابہؓ تابعینؒ اور باتفاق مفسرینؒ ثابت ہے اور اس پر اجماع ہے جو شخص اس میں کسی قسم کی تاویل و تخصیص نکالے۔ وہ ضروریات دین میں تاویل کرنے کی وجہ سے منکر ضروریات دین سمجھا جائے گا۔ اس کے ثبوت کے لئے میں ائمہ تفسیر و حدیث کے اقوال بطریق اختصار پیش کرتا ہوں۔

حافظ ابن کثیر اس آیت کے تحت میں تحریر فرماتے ہیں:

”فھذہ الایۃ نص فی انہ لا نبی بعدہ و اذا کان لا نبی بعدہ فلا رسول بالطریق الاولیٰ والاخریٰ لان مقام الرسالۃ اخص من مقام النبوۃ فان کل رسول نبی ولا ینعکس و بذلک وردت احادیث المتواترۃ عن رسول اللہ ﷺ من حدیث جماعۃ من الصحابۃ۔“ (ج۸ ص۹۷ طبع قدیم)

﴿یہ آیت نص (صریح ہے) اس میں کہ کوئی نبی نہیں ہے۔ بعد خاتم الانبیاء محمد ﷺ کے اور جب کوئی نبی نہیں ہے تو کوئی رسول بھی نہیں ہے۔ بطریق اولیٰ کیونکہ مقام رسالت کا۔ خاص ہے مقام نبوت سے۔ ہر رسول نبی ہے اور ہر نبی رسول نہیں اور اس کے موافق وارد ہوئیں متواتر حدیثیں نبی کریم ﷺ سے ایک جماعت صحابہؓ کی روایت سے۔﴾

امام موصوف کے اس کلام سے یہ بھی معلوم ہوا کہ. ختم نبوت کو ثابت کرنے کی

حدیثیں متواتر ہیں جن کا ایک بہت بڑا حصہ امام موصوف نے اس کے بعد نقل فرما کر فرمایا ہے :

”فمن رحمة الله تعالىٰ بالعباد ارسال محمد ﷺ اليهم ثم من تشريفه لهم ختم الانبياء والمرسلين به واكمال الدين الحنيف له قد اخبر الله فى كتابه و رسوله ﷺ فى السنة المتواتره عنه انه لانبى بعده ليعلموا ان كل من ادعى هذا المقام بعده فهو كذاب ۔ افاك ۔ دجال ۔ ضال ۔ مضل ولو تحرق و شعبد و اتى بانواع السحر و الطلا سم والنيرنجيات فكلما محال و ضلال عند اولى الالباب ۔ تفسير ابن كثير ص ۹۱ ج ۸“

﴿خدا کی رحمت ہے اپنے بندوں پر کہ اپنے رسول محمد ﷺ کو بھیجا۔ پھر خدا تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ختم نبوت اور رسالت سے مشرف فرمایا اور آپ ﷺ کا (پر) دین حنیف کامل کیا۔ خبر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں سے اور اس کے رسول نے اس کو اپنی سنت متواترہ میں کہ کوئی نبی نہیں ہے۔ بعد محمد رسول اللہ ﷺ کے تاکہ جانے کہ جس نے دعویٰ کیا ہے۔ اس عہدہ کا بعد خاتم الانبیاء کے وہ جھوٹا ہے ’بہتان تراش ہے‘ دجال ہے ’گمراہ ہے‘ گمراہ کن ہے۔ اگرچہ کتنے حیلے اور شعبدے ایجاد کرے اور کتنے ساحرانہ طلسمات اور نیرنگیاں پیدا (ظاہر) کرے یہ سب محال اور گمراہیاں ہے۔﴾

اس آیت کی تفسیر میں شیخ محمود آلوسی ’مفتی بغداد تحریر فرماتے ہیں روح المعانی میں جوان کی تفسیر ہے اس پر ہے :

”والمراد بكونه عليه الصلوٰة والسلام فاتمهم انقطاع حدوث و صف النبوة فى احد من الثقلين بعد تحية عليه الصلوة والسلام بها فى هذا النشاة ولا يقدح فى ذلك ...... الى قول النبوة ۔“ (ص ۶۰ ج ۷ طبع قدیم)

﴿مراد نبی کریم ﷺ کے خاتم ہونے کی یہ ہے کہ بعد نبی کریم ﷺ کے کوئی اور اس عہدہ سے سرفراز نہ ہوگا۔ یہ نہیں ہے۔ قدح کرنے والا (معارض) اس اجماع میں۔ جس میں امت نے اجماع کیا ہے اور حدیثیں تواتر کو پہنچ چکی ہیں اور قرآن مجید میں بھی یہ ہے بعض تفسیروں کی رو سے اور ایمان اس پر واجب ہے اور منکر اس کا کافر مانا گیا ہے۔﴾

قاضی عیاض اپنی کتاب میں کہتے ہیں کہ :

"باب ما ھومن الکفر اجمعتِ الامۃ علی حمل ھذا الکلام علی ظاھرہ و ان مفھومہ المراد بہ دون تاویل ولا تخصیص فلا شک فی کفر ھولاء الطوائف کلھا قطعاً اجماعیا و سمعا ." (شفاء مطبوعہ بریلی ص ۳۶۲)

❁اجماع کیا امت نے کہ یہ کلام اپنے ظاہر پر ہے اور یہی مفہوم اس کی مراد ہے۔ اس کے سوا کسی تاویل اور تخصیص کے۔ تو کوئی شک نہیں ان سب طائفوں کے کفر اور الحاد میں۔ (جو اوپر بیان ہوئے)❁

ازروئے اجماع کے اور ازروئے نصوص کے۔ حدیث کے ذخیرہ میں سے میں صرف ایک حدیث پر اکتفا کرتا ہوں :

"کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلك نبی خلفہ نبی وانہ لا نبی بعدی و سیکون خلفاء فیکثرون قالوا فماتأ مرنا فوابیعۃ الاول فالاول اعطوھم حقھم ۔ بخاری شریف کتاب احادیث الانبیاء ص ۲۹۱"

❁نبی کریم ﷺ نے فرمایا! بنی اسرائیل کی نگرانی (نگہبانی) انبیاء کرتے تھے۔ جب ایک پیغمبر فوت ہو جاتا تو دوسرا آجاتا تھا۔ میرے بعد میں کوئی نبی نہیں ہے۔ البتہ خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے۔ عرض کی گئی کہ پھر کیا ہدایت (حکم) ہے اس وقت۔ فرمایا کہ وفاداری کرو۔ بیعت اول فی الاول کی (ہر ایک کے بعد کے دوسرے کی بیعت۔ پوری کرو) عطا کرو ان کو حق ان کا' کیونکہ حق داروں سے پوچھ لے گا۔ جو رعیت ان کی حوالگی (سپردگی) میں دی گئی تھی۔❁

یہی حدیث امام مسلم نے کتاب الامارۃ میں دی ہے۔ اس کے بعد اجماع امت اور چند بزرگان ملت کے اقوال پیش کر کے اس بحث کو ختم کرتا ہوں۔

سب سے پہلا اجماع

اسلام میں سب سے پہلا جو اجماع منعقد ہوا وہ اس پر تھا کہ مدعی نبوت کو بغیر اس

تحقیق اور تفتیش کے کہ اس کی تاویل کیا ہے اور کیسی نبوت کا دعویٰ کرتا ہے ؟۔ کفر اور ارتداد ہے اور سزا اس کی قتل ہے۔ صحابہ کرامؓ کے اجماع سے صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں مسیلمہ کذاب مدعی نبوت پر جہاد کیا گیا اور اس کو قتل کیا گیا۔ عبارت اس حدیث کی بالفاظ ذیل ہے جو ایک صفحہ تک چلی جاتی ہے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں :

”مع نبینا ﷺ ای فی زمنہ کمسیلۃ الکذاب والاسود العنسی اوادعی نبوت احد بعدہ فانہ خاتم النبیین بنص القرآن و الحدیث فھذا تکذیب اللہ و رسولہ ﷺ کالعیسویۃ .“ (شرح شفاء ص۵۰۶ تا۵۰۹ ج۴)

﴿جس نے دعویٰ کیا نبی کریم ﷺ ہمارے کے بعد نبوت کا۔ جیسے مسیلمہ کذاب کے اور اسود عنسی کے یا بعد کے عیسوی فرقہ کے یا تجویز (جائز) کیا نبوت کا کسب ریاضت سے ان سب کا حکم کفر ہے۔ (بلاشبہ وہ کافر ہیں)﴾

خفاجی نے شرح شفاء میں اسی قسم کا مضمون لکھا ہے۔ جو کتاب مذکورہ بالا کے حاشیہ پر ہے۔

ابن حزم لکھتے ہیں :

”فکیف یستجیز مسلم ان یثبت بعدہ علیہ السلام نبیا فی الارض حاشا ماستثناہ رسول اللہ ﷺ فی الآثار المسندۃ الثابۃ فی نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام فی آخر الزمان .“

(کتاب الملل والنحل ص ۱۸۰ ج ٤ باب ذکر العزائم الموجبۃ الی الکفر)

﴿کیسے جائز ہے کہ کوئی مسلمان ہو ثابت کرے نبی کریم ﷺ کے کوئی پیغمبر زمین میں سوائے اس کے استثناء کیا خود نبی کریم ﷺ نے متواتر حدیثوں میں۔ وہ کیا ہے۔ نزول حضرت عیسیٰ ابن مریم صاحب۔﴾

وہی مصنف ابن حزم اس کتاب کے ص ۲۴۹ ج ۳ پر لکھتے ہیں :

”او ان بعد محمد ﷺ نبیاً غیر عیسی ابن مریم فانہ لا

اثنان فی تکفیر لصحۃ قیام الحجۃ بکل هذا علی کل احد ۔"

﴿ یا یہ کہ بعد محمد ﷺ کے کوئی نبی ہو۔ سوائے حضرت عیسیٰ ابن مریم کے۔ کیونکہ دو آدمیوں کا بھی اختلاف ایسے شخص کے کفر میں نہیں ہے۔ ﴾

یہاں تک تحقیق کے ساتھ یہ بات ثابت ہوگئی کہ ختم نبوت اپنے مشہور و معروف معنی کے ساتھ قرآن و حدیث کے نصوص قطعیہ سے ثابت ہے اور اسلام کا اجماعی عقیدہ ہے اس کا منکر یا تاویل و تحریف کرنے والا کافر ہے۔

دعویٰ نبوت :(۲)............ امر دوم (ب) کے متعلق کہ ادعاء نبوت کفر ہے۔ میں دلائل بیان کرتا ہوں اس امر کے ثابت کرنے کے لئے وہ تمام آیات و احادیث اور اقوال سلف کافی دلائل ہیں۔ مزید برآں چند عبارات اور پیش کی جاتی ہیں۔ ملا علی قاری کلمات کفر کی بحث میں فرماتے ہیں :

"دعوی النبوۃ بعد نبینا ﷺ کفر بالاجماع ۔"

(کتاب شرح فقہ اکبر مطبوعہ گلزار محمدی لاہور ص ۱۹۱)

﴿ دعویٰ نبوت کرنا ہمارے نبی ﷺ کے بعد اجماعی کفر ہے۔ ﴾

"اذا لم یعرف الرجل ان محمدا ﷺ آخر الانبیاء فلیس بمسلم ۔ کذافی یتیم الدهر ۔"

(فتاوی عالم گیری باب ۹ ص ۲۶۳ کتاب السیر ج ۲)

﴿ جب نہ پہچانے (کوئی) شخص کہ نبی کریم ﷺ آخر انبیاء ہیں تو وہ مسلمان نہیں ہے۔ اسی طرح یتیم الدهر میں ہے۔ ﴾

دعویٰ وحی :(۳)............ ادعاء وحی کفر ہے۔ اس کے تحت حسب ذیل دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔

وحی لازم نبوت ہے جو شخص اس کا دعویٰ کرے اگرچہ (بظاہر) نبوت کا مدعی نہ ہو۔ وہ در حقیقت نبوت ہی کا مدعی ہے اور کافر ہے۔ جیسا کہ بحوالہ شرح شفاء پہلے گزر چکا ہے جس کے بعض الفاظ یہ ہیں :

”وکذالک فمن ادعیٰ منهم انه یوحی الیه و ان لم یدع ان النبوة الی ان قال فهولاء کلهم کفار مکذبون النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔“

جس نے دعویٰ کیا ان لوگوں میں سے کہ اس کی طرف وحی آتی ہے۔ کافر ہے۔ اگرچہ نبوت کا دعویٰ نہ کیا ہو۔ (نسیم الریاض شرح ملا علی قاری ص ۵۰۸ ج ۴)

کشف اسے کہتے ہیں کہ کوئی پیرایہ (واقعہ) آنکھوں سے دکھلایا۔ جس کی مراد کشف والا خود نکالے۔ دل میں کچھ مضمون ڈال دیا اور سمجھا دیا جاوے تو یہ الہام ہے۔

خدا نے پیغام بھیجا۔ اپنے ضابطہ کا۔ وہ وحی ہے۔ وحی قطعی ہے اور کشف والہام ظنی ہیں۔ بنی نوع آدم میں وحی پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہے۔ غیروں کے لئے کشف یا الہام۔ یہ تصوری (معنوی) وحی ہو سکتی ہے شرعی نہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین

موجبات کفر قادیانی میں امر چہارم یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین اور امر پنجم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے۔ توہین دو قسم پر ہے۔ صریح' یا تعریض۔ تعریض اسے کہتے ہیں کہ دوسرے کے حوالہ سے نقل کی اور مقصود اس سے یہ ہو کہ اس شخص کے عیوب اور نقائص لوگوں میں قبول ہو جائیں۔ گویا کہ کام اپنا کرتا ہے کندھے پر دوسرے کے رکھ کر۔ یہ کفر صریح ہے مگر میں توہین کی صریح مثالیں پیش کروں گا۔

بعض توہینوں کو مستند کرتا ہے قرآن سے یعنی قرآن اس کی سند میں پیش کیا کرتا ہے اور تفسیر قرآن کی اس سے کی جاتی ہے اور کسی چیز کو کہتا ہے کہ حق بات یہ ہے کہ یعنی اس پر اپنا فیصلہ دیتا ہے۔ اب میں سندات پیش کرتا ہوں کہ توہین انبیاء علیہم السلام کفر ہے۔

یہ بات اول تو محتاج دلیل نہیں۔ بلحہ ہر مذہب پرست انسان کے نزدیک مسلمات میں ہے۔ تاہم چند مختصر دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔ یہ نص قرآن نبی کا کلام سن کر بطور اعراض سر پھیر دینا بھی کفر قرار دیا گیا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ۔

”وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا یَسْتَغْفِرْلَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُئُوْسَهُمْ وَرَ

اَیُتَھُمْ یَصُدُّوْنَ وَھُمْ مُّسْتَکْبِرُوْنَ. المنافقون آیت ۵"

﴿جب کہا جاتا ہے انہیں کہ آؤ۔ استغفار کریں تمہارے لئے رسول اللہ۔ پھیرتے ہیں اپنے سروں کو اور دیکھے گا۔ تو انہیں اعراض کرتے ہیں اور کبر کرتے ہیں۔﴾

اور بحکم آیت کریمہ :" لانفرق بین احد من رسله ."یہ حکم تمام انبیاء پر شامل ہے۔

اس لئے فتاوٰی کی مشہور کتاب پر ہے :

"الکافر بسب نبی من الانبیاء فانه یقتل حداولا تقبل توبته مطلقاً ."

(در مختار اور شامی (طبع جدید) باب المرتدین ص ۲۳۱ ج ۴)

﴿جو شخص سب کرے یعنی برا بھلا کہے یا ناسزا کہے کسی نبی کو وہ قتل کیا جائے گا حد کے طور پر اس کی توبہ قبول نہیں ہے۔﴾

دنیا میں اور جو کوئی شک کرے اس کے کفر میں اور عذاب (سزا) میں وہ بھی کافر ہے۔ حافظ ابن تیمیہ حافظ حدیث کہتے ہیں :

"فعلم ان سب الرسل والطعن فھم ینبوع جمیع انواع الکفر و جماع جمیع الضلا لات و کل کفر فرع منه ."

(الصارم المسلول ص ۲۴۳)

﴿جانا گیا سب (گالی) اور ناسزا کہنا پیغمبروں کو اور طعن کرنا سرچشمہ ہے۔ جمیع انواع کفر کا اور مجموعہ ہے جملہ گمراہیوں کا اور ہر کفر اس کی شاخ ہے۔﴾

قاضی عیاض کی شفاء ص ۳۲۰ میں اس بحث پر چند فصلیں لکھی گئی ہیں۔ جس میں ثابت کیا ہے کہ کسی نبی کی ادنیٰ توہین کرنا بھی کفر ہے۔ عبارت باب اول سے شروع ہو کر اخیر باب ثانی تک جاتی ہے۔ اسی کتاب پر توہین انبیاء کرنے والے کے قتل کے متعلق لکھا ہے :

"الدلیل السادس. اقاویل الصحابه فانها نصوص فی تعیین قتله مثل قول عمر من سب الله تعالیٰ او سب احداً من الانبیاء فاقتلوا ."

(الصارم المسلول ص ۲۸۲)

﴿چھٹی دلیل اقوال ہیں صحابہؓ کے۔ وہ نص ہیں. تعیین میں قتل کرنے اور ایسے

شخص کے جیسے قول عمر فاروقؓ کا جس نے ناسزا کہا خدا یا کسی پیغمبر کو اس کو قتل کر دو۔﴾

اس کتاب کے ص ۲۷ ۵ پر ہے کہ :

"قال اصحابنا التعریض بسب اللہ وسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ردة وھو موجب للقتل کا لتصریح ."

﴿امام احمد فرماتے ہیں جس نے ناسزا کہا نبی کریم کو یا تنقیص کی، مسلمان ہو یہ شخص یا کافر ہو۔ سزا اس کی قتل ہے۔ کہا ہمارے علماء نے اشارہ کرنا یعنی تعریض کرنا خدا کی سب (گالی) کا اور رسول کی سب (گالی) کا۔ ارتداد ہے اور موجب قتل ہے۔ جیسے صریح۔﴾

تکفیر امت : ساری امت حاضرہ کی تکفیر کرنے والا بھی خود کافر ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی، مدعی نبوت نے اپنے چند مریدوں کے سوا چالیس پچاس کروڑ مسلمانوں کو کافر قرار دیا ہے اور سب کو اولاد زنا کہا۔ یہ بھی مجملہ موجبات کفر کے ہے۔ مرتد کا حکم شرعی یہ ہے قرآن مجید میں ہر قسم کے کافروں کے متعلق یہ فیصلہ صاف مذکور ہے :

"لَاهُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَاهُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ . الممتحنہ آیت ۱۰"

"و یبطل منه اتفاقا ما یعتمد الملة وھی خمس "النکاح . الذبیحة والصید والشهادة . والارث ." (در مختار اور شامی (طبع ثانی) ج ۳ باب المرتدین ص ۲۳۹)

﴿باطل ہے۔ بسبب ارتداد کے ہر وہ شی جس کی بناء ہو ملت پر۔ وہ پانچ چیزیں ہیں جو بناء ہیں ملت پر۔ نکاح، ذبیحہ، شکار، شہادت، اور ارث یعنی ارتداد سے یہ چیزیں منقطع ہو جائیں گی۔﴾

اسی کتاب کے جلد ثانی "باب نکاح الکافر" میں ہے

"و ارتداد احدھما ای الزوجین (فسخ) فلا ینقض عددا (عاجل) بلا قضاء ."

﴿ارتداد، احد الزوجین کا یعنی مرد عورت میں سے ایک، فسخ (نکاح) ہے۔ فوری محتاج نہیں ہے حکم حاکم کا۔

توہین انبیاء: اب توہین انبیاء کے قول مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابوں سے نقل کئے جاتے ہیں:

آنچه داد است ہر نبی را جام
داد آں جام را مرا بتمام
انبیاء گرچه بوده اندبسے
من به عرفان نه کمترم زکسے
کم نیم زاں ہمه بروئے یقین!
ہر که گوید دروغ ہست و لعین!

(نزول المسیح ص ۹۹ خزائن ص ۴۷۷ ج ۱۸)

باہمی فضیلت کا باب انبیاء میں فرق مراتب کا ہے اور جو پیغمبر افضل ہے وہ کسی قرینہ سے ظاہر ہو جائے گا کہ وہ دوسرے سے افضل ہے اور نبی کریم ﷺ نے اپنی امت تک یہ پہنچایا ہے مگر اس احتیاط کے ساتھ کہ اس سے فوق متصور نہیں ایسی فضیلت دینا ایک پیغمبر کو اگرچہ واقعی ہو کہ جس میں دوسرے کی توہین لازم آتی ہو کفر صریح ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے:

اینک منم که حسب بشارات آمدم
عیسیٰ کجا است تا بنهد پا به منبرم!

(ازالہ اوہام ج ۱ ص ۶۹ خزائن ص ۱۸۰ ج ۳)

قرآن مجید نے یہود اور نصاریٰ کے عقائد کی بیخ کنی کی ہے اور ایک حرف بھی موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کی ہتک کا اشارۃً یا کنایۃً ذکر نہیں فرمایا۔

مرزا قادیانی لکھتا ہے کہ یہ باتیں شاعرانہ نہیں۔ بلکہ واقعی ہیں اور یہ کہ:

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمد ہے

(دافع البلاء ص ۲۰ خزائن ص ۲۴۰ ج ۱۸)

پہلی عبارت کے ساتھ آگے یہ الفاظ ہیں کہ :

”اگر تجربہ کی رو سے خدا کی تائید سے مسیح ابن مریم سے بڑھ کر میرے ساتھ نہ ہو تو میں جھوٹا ہوں۔“

”مگر میرے نزدیک آپ کی یہ حرکات جائے افسوس نہیں کیونکہ آپ تو گالیاں دیتے تھے اور یہودی ہاتھ سے کسر نکال لیا کرتے تھے۔“

(حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم ص ۵، خزائن ص ۲۸۹ ج ۱۱)

اس سے تعریض اور تصریح دونوں قسم کی توہین ظاہر ہوتی ہے۔

”عیسائیوں نے آپ کے بہت سے معجزات لکھے ہیں۔ مگر حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا۔“ (حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم ص ۶، خزائن ص ۲۹۰ ج ۱۱)

اس سے صریح عیسیٰ علیہ السلام کی توہین ٹپکتی ہے۔ حق بات کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مرزا غلام احمد قادیانی کے اپنے فیصلہ کے الفاظ ہیں۔

لفظ یسوع دراصل عبرانی میں ہے۔ ایشوع جس کا ترجمہ ہے نجات دہندہ۔ اس سے یسوع بنا اور اس کی تعریب ہو کر یعنی زبان عربی میں آکر لفظ عیسیٰ بنا، اور یہ تعریب قرآن پاک سے شروع نہیں ہوئی۔ نزول قرآن سے پہلے عرب کے نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کو عیسیٰ ہی بولتے تھے۔

مرزا قادیانی کے ہاں بھی یسوع اور عیسیٰ ایک ہی ذات ہیں۔ جیسے لکھتا ہے کہ :

”مسیح ابن مریم جس کو عیسیٰ اور یسوع بھی کہتے ہیں۔“

(توضیح المرام ص ۳، خزائن ص ۵۲ ج ۳)

اس سے ثابت ہوا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی کی ہی توہین کی۔ توہین کی ایک تیسری قسم لزومی ہے۔ جس سے مراد یہ ہے کہ عبارت اس لئے نہیں لائی کہ تنقیص کرے لیکن وہ عبارت صادق نہیں آتی۔ جب تک تنقیص موجود نہ ہو۔

اس قسم کے تحت نبی کریم ﷺ کی تنقیص پائی جاتی ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے :

"جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی تعداد تین ہزار لکھی ہے۔"

(دیکھئے تحفہ گولڑویہ ص ۴۰ 'خزائن ص ۱۵۳ ج ۱۷)

"اور اپنے معجزات کی دس لاکھ لکھی ہے۔"

(دیکھئے براہین احمدیہ ج ۵ ص ۵۶ 'خزائن ص ۷۲ ج ۲۱)

اس ضمن میں ایک شعر بالفاظ ذیل ہے:

له خسف القمر المنير و ان لى
غسا القمران المشرقان اتنكر

(کتاب اعجاز احمدی ص ۷۱ 'خزائن ص ۱۸۳ ج ۱۹)

﴿نبی کریم کے لئے گہن لگا چاند کو اور میرے لئے گہن لگا سورج اور چاند کو۔ کیا تجھے اے مخاطب اس سے کچھ انکار ہے۔﴾ یہ بھی توہین لزومی ہے۔

ادعاء نبوت: صریح وجہ کفر ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے:

(۱)............ "سچا خدا وہی خدا ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔"

(دافع البلاء ص ۱۱ خزائن ص ۲۳۱ ج ۱۸)

(۲)............ "اور مجھے بتلایا گیا تھا کہ تیری خبر قرآن اور حدیث میں موجود ہے اور تو ہی اس آیت کا مصداق ہے کہ: " هو الذى ارسل رسوله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله."

(اعجاز احمدی ص ۷ 'خزائن ص ۱۱۳ ج ۱۹)

(۳)............ "اور اگر کہو صاحب الشریعت افتراء کر کے ہلاک ہوتا ہے نہ ہر ایک مفتری۔ تو اول تو یہ دعویٰ بے دلیل ہے۔ خدا نے افتراء کے ساتھ شریعت کی کوئی قید نہیں لگائی۔ ماسوائے اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے۔ جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر اور نہی بیان کئے اور اپنی امت کے لئے ایک قانون مقرر کیا۔ وہی صاحب شریعت ہو گیا۔ پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہیں اور نہی بھی۔"

(اربعین نمبر ۴ ص ۶ 'خزائن ص ۴۳۵ ج ۱۷)

(۴)............ "ہاں اگر یہی اعتراض ہو کہ اس جگہ وہ معجزات کہاں ہیں تو میں

صرف یہی جواب نہیں دوں گا کہ میں معجزات دکھلا سکتا ہوں۔ بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے میرا جواب یہ ہے کہ اس نے میرا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے اس قدر معجزات دکھلائے ہیں کہ بہت ہی کم نبی ایسے آئے ہیں جنہوں نے اس قدر معجزات دکھلائے ہوں۔“

(تتمہ حقیقت الوحی ص ۱۳۶ 'خزائن ص ۵۷۴ ج ۲۲)

(۵)........ ”اب یہ ظاہر ہے کہ ان الہامات میں میری نسبت بار بار بیان کیا گیا ہے کہ یہ خدا کا فرستادہ 'خدا کا مامور' خدا کا امین اور خدا کی طرف سے آیا ہے جو کچھ کہتا ہے اس پر ایمان لاؤ اور اس کا دشمن جہنمی ہے۔ (دشمن سے مراد یہ ہے کہ جو اسے نہ مانے)“

(انجام آتھم ص ۶۲ 'خزائن ص ۶۲ ج ۱۱)

(۶)........ ”میں صرف پنجاب کے لئے ہی مبعوث نہیں ہوا ہوں بلکہ جہاں تک دنیا کی آبادی ہے۔ ان سب کی اصلاح کے واسطے مامور ہوں۔“

(حاشیہ حقیقت الوحی ص ۱۹۲ 'خزائن ص ۲۰۰ ج ۲۲)

(۷)........ ”تم سمجھو کہ قادیان صرف اس لئے محفوظ رکھی گئی کہ خدا کا رسول اور فرستادہ قادیان میں تھا۔“

(دافع البلاء ص ۵ 'خزائن ص ۲۲۶ ج ۱۸)

(۸)........ ”خدا نے اس امت میں سے مسیح موعود بھیجا جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے اور اس نے اس دوسرے کا نام غلام احمد رکھا۔“

(دافع البلاء ص ۱۳ 'خزائن ص ۲۳۳ ج ۱۸)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کے متعلق ایک اور صریح عبارت ہے کہ :

”اور جب کہ خدا نے اور اس کے رسول نے اور تمام نبیوں نے آخری زمانہ کے مسیح کو اس کے کارناموں کی وجہ سے افضل قرار دیا ہے۔ تو پھر یہ وسوسہ شیطانی ہے کہ کہا جاوے کہ کیوں تم اپنے تئیں مسیح ابن مریم سے افضل قرار دیتے ہو۔“

(حقیقت الوحی ص ۱۵۵ 'خزائن ۱۵۹ ج ۲۲)

تکفیر امت : تکفیر امت حاضرہ کے بارے میں مرزا غلام احمد قادیانی کے حسب ذیل اقوال ہیں :

”ہاں چونکہ شریعت کی بنیاد ظاہر پر ہے اس لئے ہم منکر کو مومن نہیں کہہ سکتے اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ مواخذہ سے بری ہے اور کافر منکر ہی کو کہتے ہیں کیونکہ کافر کا لفظ مومن کے مقابل پر ہے اور کفر دو قسم پر ہے اول یہ کہ ایک شخص اسلام ہی سے انکار کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔ دوسرا یہ کہ مثلاً مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کو باوجود اتمام حجت کے جھوٹا جانتا ہے۔ جس کے ماننے اور سچا جاننے کے بارے میں خدا اور رسول نے تاکید کی ہے اور پہلے نبیوں کی کتابوں میں بھی تاکید پائی جاتی ہے۔ اس لئے کہ وہ خدا اور رسول کے فرمان کا منکر ہے کافر ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں۔“

(حقیقت الوحی ص ۱۷۹، خزائن ص ۱۸۵ ج ۲۲)

مرزا غلام احمد قادیانی نے کہا ہے:

” تلک کتب ینظر الیها کل مسلم بعین المؤدة والمحبة و ینتفع من معارفها و یقبلنی ویصدق دعوتی الاذریة البغایا الذین ختم الله علی قلوبهم وهم لا یقبلون. “

(آئینہ کمالات ص ۵۴۸، خزائن ص ۵۴۸ ج ۵)

﴿ میری کتابیں پھیل چکی ہیں۔ دیکھتا ہے ان کی طرف ہمہ (تمام) مسلمان محبت اور مؤدت کی آنکھ سے۔ نفع پاتا ہے ان کے معارف سے اور مجھے قبول کرتا ہے اور تصدیق کرتا ہے میرے دعویٰ کی۔ مگر نسل زانیہ عورتوں کی جن کے دل پر خدا نے مہر کر دی ہے وہ قبول نہیں کرتے۔ ﴾

وحی کا دعویٰ اور اس کو قرآن کے برابر ٹھہرانا

(۱)......... مرزا قادیانی کہتا ہے کہ: ”میں خدا تعالیٰ کی ۲۳ برس کی متواتر وحی کو کیونکر رد کر سکتا ہوں میں اس پاک وحی پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں جیسا کہ ان تمام خدا کی وحیوں پر ایمان لاتا ہوں جو مجھ سے پہلے ہو چکی ہیں۔“

(حقیقت الوحی ص ۱۵۰، خزائن ص ۱۵۴ ج ۲۲)

(۲)......... ”مگر میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان الہامات پر اس طرح ایمان لاتا ہوں جیسا کہ قرآن شریف پر اور خدا کی دوسری کتابوں پر اور جس طرح میں

قرآن شریف کو یقینی اور قطعی طور پر خدا کا کلام جانتا ہوں۔ اسی طرح اس کلام کو بھی جو میرے پر نازل ہوتا ہے۔ خدا کا کلام یقین کرتا ہوں۔" (حقیقت الوحی ص ۲۲۱، خزائن ص ۲۱۱ ج ۲۱)

(۳)............ "پھر اس کتاب میں اس مکالمہ کے قریب ہی یہ وحی اللہ ہے:

"محمد رسول الله والذين معه اشدآء على الكفار رحمآء بينهم." "اس وحی الٰہی میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی۔" (ایک غلطی کا ازالہ ص ۳، خزائن ص ۲۰۷ ج ۱۸)

(۴)............ "اور میں جیسا کہ قرآن شریف کی آیات پر ایمان رکھتا ہوں۔ ایسا ہی بغیر فرق ایک ذرہ کے خدا کی اس کھلی کھلی وحی پر ایمان لاتا ہوں۔ جو مجھے ہوئی جس کی سچائی اس کے متواتر نشانیوں سے مجھ پر کھل گئی ہے اور میں بیت اللہ میں کھڑے ہو کر یہ قسم کھا سکتا ہوں کہ وہ وحی پاک میرے پر نازل ہوتی ہے۔ وہ اسی خدا کا کلام ہے جس نے حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ و حضرت محمد ﷺ پر اپنا کلام نازل کیا تھا۔ میرے لئے زمین نے بھی گواہی دی اور آسمان نے بھی۔ اسی طرح پر میرے لئے آسمان بھی بولا اور زمین بھی کہ میں خلیفة اللہ ہوں۔ مگر پیش گوئیوں کے مطابق ضرور تھا کہ انکار بھی کیا جاتا۔"

(ایک غلطی کا ازالہ ص ۶، خزائن ص ۲۱۰ ج ۱۸، ضمیمہ حقیقت النبوۃ ص ۲۶۴)

۲۸ اگست ۱۹۳۲ء

تتمہ بیان سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ باقرار صالح

میں آج حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کا قول سب (گالی) نبی کے متعلق پیش کرتا ہوں۔ حرب کی ایک روایت امام ابن تیمیہ حافظ حدیث سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص فاروق اعظمؓ کے سامنے لایا گیا جس نے سب (گالی) کی تھی نبی کریم ﷺ کی۔ فاروق اعظمؓ نے اسے سزائے موت دی۔

(الصارم المسلول حافظ ابن تیمیہ ص ۱۹۵، ص ۱۹۵، ۱۸۴ پر یہ واقعہ کتاب مذکورہ میں درج ہے)

فاروق اعظمؓ کا ارشاد ہے: "ثم قال عمر من سب الله تعالىٰ و سب احدا من الانبياء فاقتلوهم."

﴿جس نے ناسزا (برا بھلا) کہا خدا کو یا کسی پیغمبر کو اسے سزائے موت دی جائے۔﴾

صدیق اکبرؓ کا حکم

کسی عورت نے سب کی ہوئی تھی نبی کریم ﷺ کی، نجران میں۔ وہاں کے حاکم مہاجر ابن امیہ نے اسے کوئی سزا دی ہوئی تھی۔ صدیق اکبرؓ کا حکم پہنچا کہ پہلے مجھے اطلاع ہوتی تو سب نبی کی یہ سزا نہیں۔ بلکہ اس کی سزا قتل ہے۔ لفظ صدیق اکبرؓ کے یہ ہیں:

”فلولا ما قد سبقتنی فیها لا مرتك بقتلها . لان حد الانبیاء لا یشبه الحدود فمن تعاطی ذلك من مسلم فهو مرتد و معاهد فهو محارب غادر .“

﴿اگر تو پہلے کچھ نہ کر چکا ہوتا۔ میں امر کرتا اس عورت کے قتل کا۔ کیونکہ انبیاء کے سب کے حد اور حدوں کے مشابہ نہیں جو کوئی مسلمان ایسا کرے وہ مرتد ہے اور جو کوئی ذمی ایسا کرے وہ جنگ کرنے والا ہے۔ ہم سے اور غدر کرنے والا ہے۔﴾

یہ تین خلیفوں کے احکام ہیں۔ اس مسئلہ پر کل امت محمدیہ ﷺ کا اجماع بلا فصل ہے۔ حافظ ابن تیمیہ نے اس مسئلہ سب نبی پر ایک علیحدہ کتاب لکھی ہے جو ”الصارم المسلول“ کے نام سے موسوم ہے۔ دوسری کتاب السبت المسلول جو شیخ تقی الدین السبکی کی تصنیف شدہ ہے۔ دونوں آٹھویں صدی کے حافظ حدیث ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے کہ:

”لیکن مسیح کی راست بازی اپنے زمانہ میں دوسرے راست بازوں سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ یحیٰی نبی کو اس پر ایک فضیلت ہے کیونکہ وہ شراب نہیں پیتا تھا اور کبھی یہ نہیں سنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے آکر اپنی کمائی کے مال سے اس پر عطر ملا تھا یا اپنے ہاتھوں یا سر کے بالوں سے اس کے بدن کو چھوا تھا یا کوئی بے تعلق جوان عورت اس کی خدمت کرتی تھی۔ اس وجہ سے خدا نے قرآن میں یحیٰی کا نام حصور رکھا مگر مسیح کا یہ نام نہ رکھا کیونکہ ایسے

قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے۔" (دافع البلاء ص ۴، خزائن ص ۲۲۰ ج ۱۸)

ایک شعر مرزا غلام احمد قادیانی کا بالفاظ ذیل ہے:

ہر نبی زندہ شد با آمد نم
ہر رسول نہاں با پیراہنم!

(کتاب نزول مسیح ص ۱۰۰، خزائن ۴۷۸ ج ۱۸)

علماء نے جب تورات اور انجیل محرف سے کوئی چیز محرف نقل کی ہے۔ نتیجہ یہ نکالا ہے کہ یہ کتابیں تحریف شدہ ہیں اور مرزا غلام احمد قادیانی یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نالائق تھے۔ (معاذاللہ) علماء کے طریق میں اور مرزا غلام احمد قادیانی کے طریق میں کفر واسلام کا فرق ہے۔ جو عبارت حقیقت الوحی ص ۱۷۹، خزائن ص ۱۸۵ اج ۲۲ سے پڑھی گئی ہے۔ اس سے ثابت ہوا تھا کہ قادیانی اور مرزا غلام احمد قادیانی اپنے منکرین کو کافر کہتے ہیں۔ یہی مضمون ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے:

"اب دیکھو! خدا نے میری وحی اور میری تعلیم اور میری بیعت کو نوح کی کشتی قرار دیا ہے اور تمام انسانوں کے لئے اس کو مدار نجات ٹھہرایا ہے جس کی آنکھیں ہوں دیکھے اور جس کے کان ہوں سنے۔" (حاشیہ اربعین نمبر ۴ ص ۶، خزائن ص ۴۳۵ ج ۱۷)

"یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اپنے دعویٰ کے انکار کرنے والے کو کافر کہنا۔ یہ صرف ان نبیوں کی شان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں لیکن صاحب شریعت کے ماسوا جس قدر ملہم اور محدث ہیں۔ گو وہ کیسے ہی جناب الٰہی میں شان اعلیٰ رکھتے ہوں اور خلعت مکالمہ الٰہی سے سرفراز ہوں ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن جاتا۔"

(حاشیہ تریاق القلوب ص ۳۲۵، خزائن ۴۳۲ ج ۱۵)

تریاق القلوب کی عبارت مذکورہ کو پہلی عبارتوں کے ساتھ جمع کرنے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرزا غلام احمد قادیانی فقط نبوت ہی کے مدعی نہیں ہیں بلکہ شریعت جدیدہ کے بھی مدعی ہیں۔ جیسا کہ اربعین نمبر ۴ ص ۶، خزائن ۴۳۲ ج ۱۵ کی عبارت سے بھی یہ بات پہلے معلوم ہو چکی ہے۔

اصول یہ باندھا کہ جو صاحب شریعت ہو۔ اس کا انکار کفر ہے۔ پھر ساری امت حاضرہ کو جو منکر ہو۔ اس کو کافر کہا۔ تو گویا دعویٰ شریعت جدیدہ کا کیا۔ پھر اس پر بس نہیں کی۔ تصریح کر دی کہ شریعت امر و نہی کا نام ہے۔ امر جیسا میری وحی میں موجود ہے لیکن محض مسلمانوں کو مغالطہ دینے کے لئے چند الفاظ ظلی، بروزی وغیرہ گھڑے ہوئے ہیں۔ جس کی آڑ میں ذیل کی تحریف کرتے ہیں۔ اس لئے میں ان الفاظ کی حقیقت خود مرزا غلام احمد قادیانی کے کلام سے واضح کر دینا چاہتا ہوں۔

بروزی، ظلی، مجازی نبوت کی اصلیت

خود مرزا غلام احمد قادیانی کا کلام ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

”غرض جیسا کہ صوفیوں کے نزدیک مانا گیا ہے کہ مراتب وجودیہ دوریہ ہیں۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام نے اپنی خو، طبیعت اور دلی مشابہت کے لحاظ سے قریباً اڑھائی ہزار برس اپنی وفات کے بعد پھر عبداللہ پسر عبدالمطلب کے گھر میں جنم لیا اور محمد کے نام سے پکارا گیا۔“

(تریاق القلوب حاشیہ ص ۳۷۷، خزائن ص ۴۷۷ ج ۱۵)

یہ ہے حقیقت مرزا غلام احمد قادیانی کے نزدیک بروزی، ظلی اور مجازی کی۔ دوسرے جنم کا عقیدہ اسلام میں کفر ہے اور یہ ہندوؤں کا عقیدہ ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کا قول اس طرح مذکور ہے:

”کمالات متفرقہ جو تمام دیگر انبیاء میں پائے جاتے ہیں۔ وہ سب حضرت رسول کریم میں ان سب سے بڑھ کر موجود تھے اور اب وہ سارے کمالات حضرت رسول کریم ﷺ سے ظلی طور پر ہم کو عطا کئے گئے …… پہلے تمام انبیاء ظل تھے نبی کریم ﷺ کے خاص خاص صفات میں اور اب ہم ان تمام صفات میں نبی کریم ﷺ کے ظل ہیں۔“

(کتاب قول فیصل ص ۶ بحوالہ اخبار الحکم ۲۴ اپریل ۱۹۰۳ء، ملفوظات احمدیہ ج ۴ ص ۱۴۲ مرتبہ منظور الٰہی)

ان عبارات سے نتائج ذیل برآمد ہوتے ہیں:

(الف)…… ”مرزا غلام احمد قادیانی نے جو اپنے کو ظلی اور بروزی نبی کہہ کر

دنیا کو یہ دھوکا دینا چاہا ہے کہ اس کی نبوت' نبوت محمدیہ" علی صاحبها الصلواة والتحیة ." سے علیحدہ کوئی چیز نہیں اور اس سے مہر نبوت نہیں ٹوٹتی۔ یہ بالکل لغو اور بے ہودہ خیال ہے۔ اگر یہ صحیح ہو تو مرزا غلام احمد قادیانی کے اس قول مذکور سے یہ لازم آتا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ معاذ اللہ کوئی چیز نہیں تھے۔ بلکہ آپ ﷺ کا تشریف لانا بعینہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تشریف لانا ہے۔ گویا کہ ابراہیم علیہ السلام کے یہ دور ہیں۔

گویا اصل ابراہیم علیہ السلام ہوئے اور آئینہ رسول ﷺ ہوئے اور چونکہ ظل اور صاحب ظل میں مرزا غلام احمد قادیانی کے نزدیک عینیت ہے اور اس وجہ سے وہ اپنے کو عین محمد ﷺ کہتے ہیں تو جب محمد ﷺ بروز ابراہیم علیہ السلام ہوئے تو عین ابراہیم علیہ السلام ہوئے۔ اس سے صاف لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی وجود بالاستقلال نہیں اور نہ آپ ﷺ کی نبوت کوئی مستقل شے ہے۔"

(ب)........ "رسول اللہ ﷺ' ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہوئے اور خاتم النبیین آپ ہوئے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ خاتم بروز اور ظل ہوتا ہے۔ صاحب ظل اور اصل نہیں ہوتا۔ اس طرح مرزا غلام احمد قادیانی' آنحضرت ﷺ کے بروز ہوا۔ تو خاتم النبیین مرزا غلام احمد قادیانی ہوا نہ کہ آنحضرت ﷺ۔"

(ج)........ "الحکم کی عبارت مذکورہ سے یہ ثابت ہوا کہ جملہ انبیاء سابقین رسول اللہ ﷺ کے ایک ایک صفت میں ظل ہیں اور تمام کمالات رسالت رسول کریم ﷺ میں پائے جاتے ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہوئے تو جملہ کمالات نبوة اگر مجتمع ہوں گے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام میں نہ کہ آنحضرت ﷺ میں۔ یہ باطل اور بے معنی ہیں۔ یہ صریح توہین ہے سرور عالم ﷺ کی۔ اس کے علاوہ یہ مضمون بھی فی نفسہ کہ آنحضرت ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہیں اور ابراہیم علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے بروز ہوں۔ بے معنی اور فضول ہے۔ (جو کھلا ہوا دور ہے)"

ظل' بروز' تناسخ: اس کے بعد میں ظل اور بروز کی اصطلاح (تحقیق) فلاسفہ

سے ذکر کرتا ہوں فلسفہ یونانی میں بروز اسے کہا ہے کہ ایک روح دوسرے ذی روح میں حلول کرے یعنی ایک بدن میں دو روحیں ہو جائیں تناسخ اسے کہتے ہیں کہ روح ڈھانچے بدلتی رہے۔

نسخ : .... اسے کہتے ہیں کہ ایک نوع دوسری نوع میں تبدیل ہو۔

رسخ : .... اسے کہتے ہیں کہ ایک حیوان نباتات میں تبدیل ہو۔

مسخ : .... اسے کہتے ہیں کہ حیوان جماد بن جائے۔

یہ پانچوں اصطلاحیں ذہنوں میں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔

غلام احمد قادیانی کا اقرار ختم نبوت

"وما کان لی ان ادعی النبوۃ و اخرج من الاسلام والحق بقوم الکافرین۔"

(حمامۃ البشریٰ ص ۷۹، خزائن ص ۲۹۷ ج ۷)

کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں نبوت کا دعویٰ کروں اور اسلام سے نکل جاؤں اور قوم کافرین سے مل جاؤں۔

(منقول از ضمیمہ النبوۃ فی الاسلام ص ۵۹)

"مسیح کیونکر آسکتا ہے۔ وہ رسول تھا اور خاتم النبیین کی دیوار اس کو آنے سے روکتی ہے۔"

(ازالہ اوہام ج ۲ ص ۲۱۶، خزائن ص ۳۸۰ ج ۳)

لکھتا ہے کہ :

"یہ ظاہر ہے کہ یہ بات مستلزم محال ہے کہ خاتم النبیین کے بعد پھر جبریل کی وحی رسالت کے ساتھ زمین پر آمد ورفت شروع ہو جائے۔ ایک نئی کتاب اللہ جو مضمون میں قرآن شریف سے توارد رکھتی ہو۔ پیدا ہو جائے اور جو امر مستلزم محال ہو۔ وہ محال ہوتا ہے۔ فتدبر۔"

(ازالہ اوہام ج ۲ ص ۲۴۱، خزائن ۴۱۴ ج ۳)

لکھتا ہے

"قرآن کریم بعد خاتم النبیین کے کسی رسول کا آنا جائز نہیں رکھتا۔ خواہ وہ نیا رسول ہو یا پرانا کیونکہ رسول کو علم وحی بتوسط جبرائیل ملتا ہے اور باب نزول جبرائیل بہ پیرایہ وحی

رسالت مسدود ہے اور یہ بات خود ممتنع ہے کہ دنیا میں رسول تو آئے مگر سلسلہ وحی رسالت نہ ہو۔"

(ازالہ اوہام ص ۳۱۰ ج ۲' خزائن ص ۵۱۱ ج ۳)

یہ مضمون اختلاف بیان مرزا غلام احمد قادیانی میں پیش کیا گیا ہے۔ جو انہوں نے ابتداء ہی سے زندقہ اور الحاد کا ارادہ کیا ہوا تھا۔

مسلمانوں کا عقیدہ ختم نبوت کے متعلق

آیت کریمہ: "مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآاَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۰ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۰ احزاب آیت ۴۰" یہ آیت اس واسطے آئی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی نسل نرینہ چھوڑنا ہماری مشیت میں مقدر نہیں ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کے بعد میں تا آخر دنیا نبوت کی اسامی آپ ﷺ کے وجود ذی جود سے پر ہے۔ آپ ﷺ مستقبل کے لئے تا آخر دنیا رسول ہیں اور جملہ انبیاء سابقین کے خاتم ہیں۔ نسبی سلسلہ کے بدلہ میں اس نبوی سلسلہ کو عوض میں رکھ لو۔

اس عقیدہ کے موافق کوئی دو سو حدیث نبی کریم ﷺ سے وارد ہوئیں اور رسالہ (ختم نبوت کامل) مفتی حال دیوبند (مولانا) محمد شفیع کی طرف سے شائع ہو چکا ہے اور اس عقیدہ پر اجماع رہا ہے۔ امت محمدیہ ﷺ کا۔ ابتداء سے لے کر آج تک بلا فصل۔

اور جیسے قرآن امت کو پہنچا ہے اسی طرح یہ عقیدہ بھی پہنچا ہے اور جب سے لے کر اب تک اس کا بھی اجماع ہوا ہے کہ اس آیت میں کوئی تاویل نہیں ہے اور اس عقیدہ میں کوئی فرق نہیں۔ خلفاء اور سلاطین اسلام نے جب سے لے کر اب تک مدعیان نبوۃ کو سزائے موت دی اور انہیں کافر و مرتد سمجھا اصلی کافر کے وجود کو برداشت کیا اور ایسے مرتد کے وجود کو برداشت نہیں کیا اور خود مرزا غلام احمد قادیانی کا جب تک مسلم تھے یہی عقیدہ رہا ہے۔

نبوت ایک صفت اصلی قائم ہے۔ نبی کی ذات کے ساتھ نہ وہ کسب سے حاصل ہو اور نہ وہ کبھی سلب ہو یہ عقیدہ یہود کا ہے کہ نبوت سلب بھی ہو سکتی ہے۔

اگر نبوت کسبی ہو تو سلب بھی ہو سکتی ہو گی۔ یہ عقیدہ اسلام کا نہیں۔ ولایت ایسی

چیز ہے کہ کسب سے حاصل ہو اور زائل بھی ہو جائے۔ یہ صفت نبوت جو نبی کی ذات کے ساتھ قائم و دائم باقی ہے۔ احکام شرعیہ کی تبلیغ اس کے وقتی ثمرات میں سے ہے اور توابع میں سے ہے۔

کسی محدود وقت میں اگر نبی نے ضروری احکام نہ پہنچائے تو وہ نبی بذات خود نبی برحق ہے۔ صفت نبوت جو اس کی ذات کے ساتھ قائم تھی کسی طرح زائل نہیں ہوتی۔ تبلیغ ایک کارگزاری تھی۔ پیغمبر کی کہ حاجت پر دائر ہو گی۔ عیسیٰ علیہ السلام کا تشریف لانا بعینہ ایسا ہے کہ جیسا گزشتہ زمانہ میں یعقوب علیہ السلام مصر چلے گئے تھے اور وہاں بطور رعایت کچھ دن گزارے۔

نبوت وولایت : صوفیائے کرام نے نبوت کو بمعنی لغوی لے کر مقسم بتایا اور اس کی تفسیر خدا سے اطلاع پانا دوسرے کو اطلاع دینا کی، اور اس کے نیچے انبیاء اور اولیاء کرام دونوں کو داخل کیا اور نبوت کو دو قسم کر دیا۔ نبوت شرعی اور نبوت غیر شرعی۔

نبوت شرعی کے نیچے انبیاء اور رسل دونوں درج کر دیئے اور اب ان کے لئے نبوت غیر شرعی اولیاء کے کشف اور الہام کے لئے نکھر گئی اور مخصوص ہو گئی۔ صوفیائے کرام کی تصریح ہے کہ کشف کے ذریعے سے مستحب کا درجہ بھی ثابت نہیں ہوتا۔ صرف اسرار و معارف۔ مکاشف اس کا دائرہ ہیں۔ اگر کوئی دعویٰ کرے کہ مجھ پر مستحب کا حکم آیا ہے پس یہ اگر پہلے سے شریعت محمدیہ ﷺ میں موجود ہے تو ثابت اور اگر موجود نہیں ہے اور پھر وہ دعویٰ کرتا ہے اضافہ کا تو گردن زدنی ہے اور یہ تصریح فرماتے ہیں کہ ہمارا کشف دوسرے پر حجت نہیں۔ ہمارا کشف ہمارے لئے ہے۔

کتاب الیواقیت والجواہر کے ص ۱۷۹ پر حسب ذیل الفاظ ہیں:

"فقد بان لك .... الخ ."

"پس روشن ہو گیا تیرے لئے کہ دروازے اوامر الدین کے اور نواہی کے بند کر دیئے گئے۔ جس نے دعویٰ کیا امر و نہی کا بعد محمد ﷺ کے پس وہ مدعی شریعت کا (ہے) جو

اس کی طرف بھیجی گئی۔ برابر ہے کہ وہ موافق ہو امر شریعت کے یا مخالف ہو۔ پس اگر ہے عاقل بالغ یہ مدعی اتاریں گے ہم اس کی گردن' اور اگر عاقل بالغ نہیں ہے اس سے اعراض کریں گے۔"

شطحیات: صوفیاء کے ہاں ایک باب ہے جس کو شطحیات کہتے ہیں اور خود فتوحات میں اس کا باب ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ ان پر حالات گزرتے ہیں اور ان حالات میں کوئی کلمات ان کے منہ سے نکل جاتے ہیں جو ہمارے ظاہر قواعد پر چسپاں نہیں ہوتے اور بسا (اوقات) غلط راستہ لینے کا سبب ہو جاتے ہیں۔ صوفیاء کی تصریح ہے کہ ان پر عمل پیرا نہ ہو اور تصریحیں کرتے ہیں کہ جن پر یہ احوال نہ گزرے ہوں۔ وہ ہماری کتابوں کا مطالعہ نہ کرے۔ مجملاً ہم بھی یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص جو کسی حال کا مالک ہوتا ہے۔ دوسرا خالی آدمی ضرور اس سے الجھ جائے گا لیکن دین میں کسی زیادتی۔ کمی کے صوفیاء میں سے کوئی بھی قائل نہیں اور ایسے مدعی کو کافر بالاتفاق کہتے ہیں۔ ہم نے اولیاء اللہ قدس اللہ اسرارہم کو ان کی طہارت تقویٰ اور تقدس کی خبریں سن کر اور ان کے شواہد افعال' اعمال اور اخلاق سے تائید پا کر ولی مقبول تسلیم کر لیا ہے۔ ان قرائن اور نشانیوں سے جو خارج مجوث عنہ سے ہوں۔ یعنی انہی شطحیات سے ان کی ولایت ثابت نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ ولایت ان کی خارج سے پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے جو طریقہ ثبوت کا ہے۔ اس کے بعد ہم نے کسی کی ولایت تسلیم کی اور ہم اس تسلیم میں صواب پر تھے تو اس کے بعد اگر کوئی کلمہ مغائر یا موہم ہمارے سامنے پڑھتا ہے تو ہم اس کی کوشش کرتے ہیں کہ اس کی توجیہ کریں اور محمل نکالیں کہ ٹھکانہ اس کا کیا ہے۔

شطحیات کو ہی پہلے پیش کرنا اور اس پر ولایت کا جمگھٹا جمانا' نافہم اور جاہل کا کام ہے۔ کسی شخص کی راست بازی اگر جداگانہ تجارب سے اور جو طریقہ راست بازی ثابت کرنے کا ہے۔ ثابت ہوئی ہو تو پھر اگر کہیں' کوئی کلمہ موہم اور مغالطہ میں ڈالنے والا اس کا سامنے آگیا۔ تو منصف طبیعتوں کے ذہن اس کی توضیح کریں گے اور محمل نکالیں گے۔

یہ عاقل کا کام نہیں ہے کہ راست بازی کسی کی ثابت ہونے سے پیشتر وہی کلمات

مغالطہ پیش کر کے مسلم الثبوت مقبولوں پر قیاس کرے اور کہے کہ فلاں نے ایسا کیا فلاں نے ایسا کیا۔ اس کا جواب مختصر یہ ہو گا کہ فلاں کی راست بازی جداگانہ اگر ہمیں کسی طریقہ اور دلیل سے معلوم ہے تو ہم محتاج توجیہ ہوں گے اور اگر زیر بحث یہی کلمات ہیں اور اس سے پیشتر کچھ سامان خیر کا ہے ہی نہیں۔ تو ہم یہ کھوٹی پونجی اس کے منہ پر ماریں گے۔

خلاصہ بیان : میرے کل بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ قادیانی مدعی نبوت حسب تصریحات قرآن و حدیث اور باجماع امت کافر مرتد ہے اور جو شخص ان کے عقائد باطلہ اور دعویٰ نبوت و وحی پر مطلع ہونے کے باوجود ان کو کافر نہ سمجھے ان کی نبوت کو تسلیم کرے یا مسیح موعود کہے۔ وہ بھی اسی کے حکم میں ہے۔

اور حکم یہ ہے کہ ان کا نکاح کسی مسلمان مرد عورت کے ساتھ جائز نہیں۔ اور اگر بعد نکاح کے کوئی شخص ایسا عقیدہ اختیار کرے تو فوراً نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ قضاء قاضی اور عدت کی بھی ضرورت نہیں رہتی اور اس کے بعد اگر زن و شوہر کے تعلقات باقی رکھے گئے تو جو اولاد ہو گی وہ اولاد ثابت النسب نہ ہو گی یعنی وہ حرام کی ہو گی جیسا کہ شامی کے حوالہ سے اوپر بیان کیا جا چکا ہے اور موجبات کفر مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے متبعین کے لئے میرے بیان میں چھ وجوہ آئے ہیں۔

اول : .... ختم نبوت کا انکار اور اس کے اجماعی معنی کی تحریف اور جس مذہب میں سلسلہ نبوت منقطع ہو۔ اس کو لعنتی اور شیطانی مذہب قرار دینا۔

دوم : .... دعویٰ نبوۃ مطلقہ اور تشریعیہ۔

سوم : .... دعویٰ وحی اور ایسی وحی کو قرآن کے برابر قرار دینا۔

چہارم : .... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین۔

پنجم : .... آنحضرت ﷺ کی توہین۔

ششم : .... ساری امت محمدیہ ﷺ کو بجز اپنے متبعین کے کافر کہنا یہ اصول ہیں۔ جن کے تحت میں اور بھی ایسے فروع موجود ہیں جو منشا موجبات کفر ہو سکتے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابوں کو دیکھنے والے پر یہ بات پوری طرح روشن ہو جاتی ہے کہ ان کی ساری تصانیف میں صرف چند ہی مسائل کا تکرار اور دور ہے۔ ایک مسئلہ اور ایک ہی مضمون کو بیسیوں کتابوں میں مختلف عنوانوں سے ذکر کیا ہے اور پھر سب اقوال میں اس قدر تہافت اور تعارض پایا جاتا ہے۔

خود مرزا غلام احمد قادیانی کو ایسی پریشان خیالی ہے اور بالقصد ایسی روش اختیار کی ہے۔ جس سے نتیجہ گڑبڑ رہے اور ان کو بوقت ضرورت کے مخلص اور مفر، باقی رہے۔ یہی ذکر میں آیا ہے کہ زنادقوں نے ہمیشہ یہی راستہ اختیار کیا ہے۔ کہیں ختم نبوت کے عقیدہ کو اپنے مشہور اور اجماعی معنی کے ساتھ قطعی اور اجماعی عقیدہ کہتے ہیں اور کہیں پر ایسا عقیدہ بتلانے والے مذہب کو لعنتی اور شیطانی مذہب قرار دیتے ہیں۔ کہیں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کو تمام امت محمدیہ ﷺ کے عقیدہ کے موافق متواترات دین میں داخل کرتے ہیں اور اس پر اجماع ہونا نقل کرتے ہیں اور کہیں اس عقیدہ کو مشرکانہ عقیدہ بتلاتے ہیں۔ ان کا سبب پورے غور کرنے سے دو چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔

اول یہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی چونکہ مادر زاد کافر نہ تھے۔ ابتداءً ان کی تمام اسلامی عقائد پر نشوونما ہوئی (اس لئے) انہی کے پابند تھے اور وہی لکھے۔ پھر تدریجاً ان سے الگ ہونا شروع ہوا۔ یہاں تک کہ آخری اقوال میں بہت سی ضروریات دین کے قطعاً مخالف ہو گئے۔

دوسرے یہ کہ انہوں نے باطل اور جھوٹے دعوؤں کے رواج دینے کے لئے یہ تدبیر اختیار کی کہ اسلامی عقائد کے الفاظ وہی قائم رکھے۔ جو قرآن اور حدیث میں مذکور ہیں۔ عام و خواص مسلمانوں کی زبانوں پر جاری ہیں لیکن ان کے حقائق کو ایسا بدل دیا جس سے بالکل ان عقائد کا انکار ہو گیا جس کے متعلق پہلے بیان میں آچکا ہے کہ ایسا کرنا کفر صریح ہے۔ اور اس قسم کے کفر کا نام قرآن مجید نے الحاد رکھا ہے۔ اور حدیث نے زندقہ اور عام محققین نے باطنیت کے نام سے اس کو پکارا ہے۔ اس لئے اب قادیانی صاحب کی کتابوں سے ایسے اقوال پیش کرنا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بعض عقائد میں عام اہل سنت والجماعت کے ساتھ شریک ہیں۔ ان کے اقوال و افعال کفریہ کا کفارہ نہیں بن سکتے۔ جب تک اس کی تصریح نہ ہو

کہ ان عقائد کی مراد بھی وہی ہے جو جمہور امت نے سمجھی اور پھر اس کی تصریح نہ ہو کہ جو عقائد کفریہ انہوں نے اختیار کئے تھے ان سے توبہ کر چکے ہیں اور جب تک توبہ کی تصریح نہ ہو چند عقائد اسلام کے الفاظ کتابوں میں لکھ کر کفر سے نہیں بچ سکتے کیونکہ زندیق اس کو کہا جاتا ہے جو عقائد اسلام ظاہر کرے اور قرآن و حدیث کے اتباع کا دعویٰ کرے لیکن ان کی ایسی تاویل و تحریف کرے جس سے ان کے حقائق بدل جائیں اس لئے جب تک اس کی تصریح نہ دکھائی جائے کہ قادیانی صاحب ختم نبوت اور انقطاع وحی کا اس معنی کے اعتبار سے قائل ہے جس معنی سے صحابہ و تابعین اور تمام امت محمدیہ قائل ہے۔ اس وقت تک ان کی کسی ایسی عبارت کا مقابلہ میں پیش کرنا مفید نہیں ہو سکتا۔ جس میں خاتم النبیین کے الفاظ کا اقرار کیا ہو۔ اسی طرح حشر اجساد۔ نزول مسیح وغیرہ عقائد کے الفاظ کا اقرار کر لینا یا لکھ دینا بغیر تصریح مذکور کے ہرگز مفید نہیں ہو گا۔ خواہ وہ عبارت تصنیف میں مقدم ہو یا مؤخر۔ اسی طرح مسئلہ توہین ہے کہ جب ایک جگہ توہین کے کلمات ثابت ہو گئے۔ تو اگر ہزار جگہ کلمات مدحیہ لکھے ہوں اور ثناء خوانی بھی کی ہو۔ تو وہ اس کو اس کے کفر سے نجات نہیں دلا سکتے۔ جیسا کہ تمام دنیا اور دین کے قواعد مسلم اس پر شاہد ہیں کہ اگر ایک شخص تمام عمر کسی کو اتباع اور اطاعت گزاری اور مدح و ثناء کرتا ہے لیکن کبھی کبھی اس کی سخت ترین توہین بھی کی۔ تو کوئی انسان اس کو مطیع اور معتقد واقعی نہیں کہہ سکتا۔ الغرض اول تو یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی اپنی آخر عمر تک دعویٰ نبوت پر وحی پر قائم رہا ہے۔ اور اپنی کفریات سے کوئی توبہ نہیں کی۔ جیسا کہ ان کے آخری خط سے واضح ہوتا ہے جو موت سے تین دن پہلے اخبار عام لاہور کے ایڈیٹر کے نام لکھا ہے اور اگر یہ بھی ثابت نہ ہوتا تو کلمات کفریہ اور عقائد کفریہ لکھنے اور کہنے کے بعد اس وقت تک اس کو مسلمان نہیں کہہ سکتے۔ جب تک وہ ان عقائد سے توبہ کا اعلان نہ کرے اور توبہ کا اعلان جہاں تک ہم نے کوشش کی ان کی کسی کتاب یا تحریر میں نہیں پایا گیا۔ اس لئے تکفیر کرنے پر مجبور ہونا پڑا ہے۔ علاوہ ازیں اگر یہ بھی فرض کر لیا جاوے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے دعویٰ نبوت وغیرہ سے توبہ کی تھی جب بھی ہمارا مدعا علیہ چونکہ ان کو عام انبیاء کی طرح نبی اور رسول ماننے کی تصریح اپنی کلام میں کرتا ہے

اس لئے اس کے کفر و ارتداد میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ لہٰذا از روئے عقائد اسلام و مسائل فقہیہ اجماعیہ کا اس کا نکاح جو مسلمان عورت کے ساتھ ہوا تھا قطعاً فسخ ہو چکا۔

و صلى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقه محمد و على اله اجمعين

دستخط جج محمد اکبر

۲۸ اگست ۱۹۳۲ء

جرح بر بیان امام العصر سید محمد انور شاہ صاحبؒ گواہ مدعیہ

مورخہ ۲۹ اگست ۱۹۳۲ء

صحیح مسلم میں ہے کہ جس کو پہنچے میرا کلمہ اور تصدیق نہ کرے " ماجئت به ." کی وہ مسلم نہیں ہے۔ جبرائیل علیہ السلام کی دریافت پر حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ایمان کی یہ تشریح کی کہ ایمان لانا خدا پر، ملائکہ پر، کتب سماویہ پر، رسل پر، یوم آخرت پر، تقدیر خیر و شر من اللہ ہونے پر۔ یہ اجزاء ایمان کے فرمائے اور اسلام میں عبادت حق تعالیٰ کی (وحدہ لاشریک لہ) اقامت صلوٰۃ، ایتاء زکوٰۃ، صوم رمضان پر، جبرائیل علیہ السلام نے اس کی تصدیق کی۔ یہ بات حدیث کے متن میں موجود ہے جس جس چیز کو قرآن (پاک) ایمان کہے گا وہ ایمان ہے۔ اس کا منکر خارج از اسلام ہے۔

احادیث میں پانچ چیزوں پر بنائے اسلام رکھی گئی ہے۔ دو شہادتیں، یعنی توحید اور رسالت کی شہادت، نماز کا قائم کرنا، زکوٰۃ کا دینا، رمضان کا روزہ رکھنا اور حج کرنا جو طاقت رکھے۔ یہ حدیثیں قدرے مشترک کے تواتر تک پہنچی ہیں۔

تواتر کی قسمیں علماء کی اپنی طرف سے ایجاد شدہ نہیں ہیں۔ بلکہ انہوں نے قرآن اور حدیث کا ثبوت جس حال سے پایا اس کو ادا کر دیا۔ علماء نے حال واقعی جیسا پایا اس کو یونہی ادا کیا۔ یہ تواتر کے اقسام علماء کی اصطلاحات ہیں اور مرزا غلام احمد قادیانی خود اپنی کتابوں میں استعمال کر رہے ہیں۔ تواتر معنوی میں جو حصہ قدر مشترک ہے۔ اس کا ثبوت اگر واضح ہے۔ تو

اس کا منکر کافر ہے اور اگر خفی ہے تو مجمل ایمان فرض ہے اور تفصیل کو خدا کے سپرد کریں۔

ایک خبر واحد کو اگر کوئی شخص حجت نہ مانے تو کافر نہیں۔ بدعتی ہے۔ کتاب مسلم الثبوت کے ص ۱۷۱ پر امام رازیؒ کا جو قول بیان کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا درجہ تواتر معنوی پر نہیں پہنچا اور مسئلہ پر دلیل ہونا اس میں تردد ہے۔ یہ نہیں فرماتے کہ وہ تواتر معنوی کو پہنچا ہو اور پھر اس کا منکر کافر نہیں۔ حنفیہ کا اصول ہے کہ اجماع صحابہؓ کا قطعی ہے اور منکر اس کا کافر ہے اور مابعد کے اجماع کا منکر مبتدع اور فاسق ہے۔ اجماع صحابہؓ کے قطعی ہونے میں امام ابن تیمیہؒ کی کتاب سے حوالہ دیا جا سکتا ہے۔

نزول مسیح علامات قیامت میں سے ہے۔ جو خبریں اخبار مستقبل سے تعلق رکھتی ہیں ان پر اجماع ہو سکتا ہے اور ہوا ہے۔ نزول مسیح کے سوال پر فقط اجماع ہی نہیں بلکہ نصوص احادیث کا تواتر ہے۔

"اما فی المستقبلات .... ھذا ." (کتاب مسلم الثبوت ص ۱۹۵ ج ۲)

اس عبارت سے مراد یہ ہے کہ واقعہ پیش آگیا ہو اور اس کا حکم دینا ہو مجتہدین کو۔ تو اتفاق اور اجماع کریں اور آئندہ چیزیں جو یقینی ہیں ان میں دخل دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ عقیدہ کافی ہے۔ یعنی تواتر اگر ہو جائے تو اس عقیدہ کو ایمانی عقیدہ قرار دو۔ اور ان کی تفصیل اور مصداق ڈھونڈھنے میں نہ پڑو۔ جب وہ واقعات پیش آجائیں گے اور خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لو خلیفہ کا خلیفہ ماننا اجزاء ایمان میں داخل نہیں ہے۔ واجبات میں سے ہے۔ مسئلہ کی جیسی حقیقت ہو گی۔ ویسے ہی اس پر اجماع رہے گا۔ ثبوت اس کا قطعی ہو جائے گا۔ حکم اس کا ویسا ہی رہے گا۔ جیسی اس کی حقیقت ہے۔

صحابہؓ کا اجماع کسی مسئلہ پر ہو اس کا منکر کافر ہے۔ لیکن مسئلہ تعدد خلیفہ کا اور وحدت کا صدر اول میں مختلف فیہ ہے۔ اجماع کسی مسئلہ پر ہوتا ہے۔ یا کسی کارروائی پر کسی مسئلہ پر جو اجماع ہوا اس کا وہی حکم رہا جو اجماع صحابہؓ کا ہے۔ اور کسی عملی استصواب پر یا کارروائی پر ہوا تو وہ اجماع اس قسم کا نہیں۔ جس پر بحث ہو رہی ہے۔

"ولو انکر .... یکفر ." (کتاب شرح فقہ اکبر ص ۱۴۷)

اس کی مراد یہ ہے کہ روافض جو منکر ہیں۔ خلفائے ثلاثہؓ سے اس بنا پر کہ وہ خلافت کے مستحق نہ تھے تو وہ کافر ہیں اور اگر صحابہؓ صدیق اکبرؓ کے سوا کسی اور کے ہاتھ پر بیعت کرتے تو کوئی خلاف جزو ایمانی نہ تھا۔ حیات مسیح اجماعی مسئلہ ہے۔ صحابہؓ میں 'اور تواتر ہے حدیث کا 'اور سوائے ملحدوں کے کسی نے انکار نہیں کیا۔ روح المعانی کا حوالہ پیش کیا جا چکا ہے۔ جو تفسیر سورہ احزاب میں ہے۔ (ص ۶۰ ج ۷)

"امارفع عیسیٰ .... فارفعت ." (تلخیص الحبیر ص ۳۱۹)

لیکن اٹھایا جانا عیسیٰ علیہ السلام کا پس اتفاق کیا اصحاب اخبار اور تفسیر نے کہ عیسیٰ علیہ السلام اٹھائے گئے بدن کے ساتھ 'زندہ ہیں۔ اگر اختلاف ہے تو اس میں ہے کہ موت آئی تھی رفع سے پہلے 'یا سو گئے اور اٹھا لیا گیا۔

حیات کے متعلق چند سلف کا اختلاف ہے لیکن عام طور پر اتفاق ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں ہمارے نزدیک حیات اور نزول عیسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ ایک ہی شئی ہے۔ میری بحث اجماع اور تواتر پر ہے۔

سوال یہ تھا کہ حیات مسیح پر صحابہؓ کے اجماع کی سند دی جائے اس کا جواب گواہ ابھی دینا چاہتا ہے جو اوپر بیان کیا گیا حضرت امام مالکؒ نے نہیں کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے وہ حیات و نزول عیسیٰ کے قائل ہیں۔

"قال مالک .... ثلاثین سنة ." (کتاب اکمال الاکمال ج ۲ ص ۲۶۵ مصری)

امام مالکؒ کا یہ قول بھی ان کی اکمال سے لکھا۔ جو عطیہ کے نام سے موسوم ہے۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ موت آئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وہ ۳۳ سال کے تھے۔ اس کتاب میں دوسری جگہ ہے کہ امام مالکؒ نے فرمایا دریں اثناء کہ لوگ کھڑے ہوں گے 'سنتے ہوں گے 'کان لگائے ہوں گے 'اقامت صلوٰۃ کے لئے ڈھانک لے گا 'ان کو ایک بادل اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتر آئیں گے۔ ابن حزم کا جو قول تفسیر جلالین سے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے یہ الفاظ غلط نقل ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ ابن حزم کی کتاب میں اس کی نقیض ہے اور بیان میں لکھوائی گئی ہے۔ جو حدیث "الفرق بین العبدو

بین الکفر . "ترک الصلوٰۃ ہے۔ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔

تین اماموں کا اتفاق ہے کہ تارک الصلوٰۃ کو کافر نہیں کہا جائے گا۔ فاسق کہا جائے گا اور امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ وہ کافر ہے۔ سنن ابی داؤد کی وجہ سے اس مسئلہ میں اختلاف پڑ گیا۔ دوسری حدیث جو بیان کی گئی ہے وہ بھی اسی قسم کی ہے۔ الفاظ میں کچھ فرق ہے۔

عقیدۂ نماز کی فرضیت کا چھوڑ دے تو باجماع امت کافر ہے :

" وکذلک ترک صلوة موجب للقتل عند الشافعیؒ . "

(شرح فقہ اکبر ص ۱۶۳)

یہ تشریح کہ جو شخص نماز کو فرض جان کر ترک کرے وہ کافر ہے۔

سنن ابی داؤد کی احادیث سے پیدا ہوتی ہے۔ جس حدیث میں بناء اسلام پانچ بیان کی گئی ہے اس کے علاوہ ایک اور حدیث ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ پانچ نمازیں فرض کیں خدا نے، جس نے اچھا کیا وضوان کا، اور پڑھیں اپنے وقت پر اور پورا کیا رکوع ان کا اور خشوع، تو خدا کی ضمانت میں ہے کہ مغفرت کرے اسے اور جس نے نہ کیا۔ خدا کی ضمانت میں نہیں ہے۔ چاہے مغفرت کرے چاہے عذاب کرے۔ (سنن ابو داؤد)

اس پر مجتہدین کی رائے ہو گئی جو مسائل :

"کذالو قال عند شرب الخمر والزانی بسم اللہ عمدا او باعتقاد انهما حلا لان و کذالو افتی لامراة لتبین من زوجها . "

(شرح فقہ اکبر ص ۱۶۲، ۱۶۰، ۱۵۶)

استخفاف علماء کفر ہے۔ جو اشارہ سے مشابہت کرے کفر ہے۔ جو عالم کو مولوی طولوی کہہ دے کافر ہو جائے گا۔ جو شراب پیتے وقت بسم اللہ کہہ دے وہ کافر ہو جائے گا سے بیان کی گئی ہے۔ اس کتاب میں یہ مسئلہ ہیں۔ میرے بیان میں آچکا ہے کہ کوئی چیز کسی حال میں کفر ہوتی ہے۔ کسی حالت میں کفر نہیں ہوتی، میں اس کی مثال دے چکا ہوں۔ کلمات مذکورہ بالا بعض حالات میں موجب کفر ہو جائیں گے۔ بعض حالات میں نہیں ہوں گے لیکن ہم نے عقائد باطلہ پر حکم لگایا ہے۔ کسی ایک اختلافی چیز سے مدد نہیں لی اور نہ اپنے حکم کی بناء

کسی مختلف حصہ پر رکھی ہے۔ اختلافی حصہ کو پہلے سے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ ہمارے عمل کی بناء اس دین پر ہے جو نبی کریم ﷺ کے زمانہ سے بلا فصل اب تک چلا آ رہا ہے۔ جو مسائل اوپر بیان کئے گئے ہیں۔ یہ مسائل اختلافیہ ہیں۔

علماء بریلی نے جن واقعات پر علمائے دیوبند پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے وہ عقائد علمائے دیوبند نے ظاہر نہیں کئے۔ غلط فہمی ہوئی۔ جن عقائد کی بنا پر علمائے بریلی نے علماء دیوبند کے خلاف کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔ علمائے دیوبند ان عقائد کے قائل نہ تھے۔

۲۹ اگست ۱۹۳۲ء

تتمہ بیان جرح سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ باقرار صالح

ضروریات دین کا انکار کرنا یعنی عقیدہ چھوڑ دینا کفر ہے لیکن عمل نہ کرنا کفر نہیں وہ فسق اور معصیت ہے کفر نہیں، جو عقیدہ ترک کرے وہ ایمان سے نکل جاتا ہے اور جو عمل ترک کرے وہ عاصی ہے۔ جو شخص دستور ملکی کی بناء پر باوجود طاقت رکھنے کے شرعی حکم کو چھوڑے۔ اس کی بابت بھی یہی حکم ہے۔

اگر عقیدہ حق ہونے کا ترک کیا اور کہتا ہے کہ یہ شریعت غلط ہے اور اگر کہتا ہے کہ یہ عقیدہ صحیح اور مسئلہ درست ہے۔ عمل ہم اپنی بدقسمتی سے نہیں کرتے۔ وہ داخل ایمان اور عاصی ہے۔ مدعی نبوت اور اس کی طرف بلانے والے کی سزا قتل ہے۔ صاحب شریعت (نبی) دستور ملکی کی رو سے اگر کوئی چیز بیان کرے وہ بھی شریعت ہے۔ وہ جو کچھ فرمائے، کرے۔ کل شریعت ہے اور جو کچھ صاحب شریعت کے روبرو ہوا وہ اس پر سکوت کرے۔ تو وہ بھی شریعت ہے۔ ابن صیاد جس نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے دعویٰ نبوت کیا۔ اسے اس لئے قتل نہ کیا گیا کہ وہ نابالغ تھا۔ نابالغ کو قتل نہیں کیا جاتا۔ اس امر کی تصریح ہے کہ وہ نابالغ تھا۔ صحیح بخاری نے اس کے متعلق کہا ہے کہ وہ نابالغ تھا۔

صدیق اکبرؓ خلیفہ ہوئے۔ مسیلمہ نے دعویٰ نبوت کیا تھا اور کچھ نفری (جماعت) اس کے ساتھ شریک ہو گئی تھی۔ صدیق اکبرؓ نے مہم تیار کی۔ اس کے جہاد کے واسطے بعض صحابہؓ نے عرض کی کہ مدینہ میں اس وقت لوگ کم ہیں اور خطرہ ہے۔ مدینہ کی حفاظت کے لئے لوگوں کو موجود رہنے دیا جاوے۔

صدیق اکبرؓ فرماتے ہیں کہ جاہلیت میں بہادر تھے اور اسلام میں آکر بزدل ہو گئے۔ یہ مجھے برداشت نہیں صحابہؓ نے اس پر کوئی تخلف نہ کیا اصول میں یہ اجماع کہلاتا ہے۔

اجماع کے معنی یہ ہیں کہ مسئلہ پیش کیا جاوے اور اس پر سب اتفاق کر گئے۔ کسی نے مخالفت نہ کی اسے اجماع کہا جاتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر ایک کے سامنے وہ مسئلہ پیش ہو اور وہ کہے کہ مجھے اتفاق ہے۔

مسیلمہ نے نبی کریم ﷺ کے بعض احکام میں تغیر و تبدل کیا تھا لیکن جو دو شخص نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش ہوئے ان سے دریافت کیا گیا کہ وہ وہی کچھ کہتے ہیں جو مسیلمہ کہتا ہے یعنی کہ وہ نبی ہے۔

کتاب حجج الکرامتہ ص ۲۳۴، ۲۳۵ میں ہے جو واقعات مسیلمہ کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں یہ وقوع میں ظاہر ہوئے ہیں لیکن وقت اس کتاب میں ترتیب سے نہیں لکھا گیا۔ مسیلمہ کو قتل کرنے کی بڑی وجہ دعویٰ نبوت تھی اور جو چیزیں اس کے متعلق اس کتاب میں بیان کی گئی ہیں وہ اس کے لگ بھگ تھیں اور یہ چیزیں نبوت کے تحت میں تھیں۔

اگر اخبار احاد کی تاویل کوئی شخص قواعد کے مطابق کرے تو اس کے قائل کو متبدع یعنی بدعتی نہیں کہیں گے اور اگر قواعد کی رو سے صحیح نہیں ہے تو خاطئ ہے۔

آیات قرآن متواتر ہیں

قرآن اور حدیث جو نبی کریم ﷺ سے ہم تک پہنچا اس کی دو جانبیں ہیں۔ ایک ثبوت اور ایک دلالت، ثبوت قرآن کا تواتر ہے اور اس تواتر کا اگر کوئی انکار کرے تو پھر قرآن کے ثبوت کی اس کے پاس کوئی صورت نہیں اور ایسا ہی جو شخص تواتر کے حجت ہونے کا انکار

کرے اس نے دین ڈھا (گرا) دیا۔ دوسری جانب دلالت ہے دلالت قرآن کی کبھی قطعی ہوتی ہے اور کبھی ظنی، ثبوت قطعی ہے۔

دلالت کا معنی ہے کہ مطلب پر رہنمائی کرنا۔ اگر اجماع ہو جائے صحابہؓ کا اس کی دلالت پر یا کوئی اور دلیل عقلی یا نقلی قائم ہو جائے کہ مدلول یہی ہے۔ تو پھر دلالت بھی قطعی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ قرآن سارا بسم اللہ سے والناس تک قطعی الثبوت ہے۔ دلالت میں کہیں ظنیت ہے اور کہیں قطعیت لیکن قرائن کے ملنے سے دلالت بھی قطعی ہو جاتی ہے۔

حدیث ہے کہ: " لکل آیة ظاہر و باطن ." لیکن قوی نہیں۔ باوجود قوی نہ ہونے کے مراد اس کی میرے نزدیک صحیح ہے۔

محدثین نے لکھا ہے کہ اس کی اسناد میں کچھ کلام ہے۔ اس حدیث میں لفظ بطن سے تو جو کچھ رسول اللہ ﷺ کے دل میں تھا۔ وہ سب منکشف نہیں ہے۔ مجملاً ہم یہ کہتے ہیں کہ قرآن کی ایک مراد وہ ہے کہ قواعد لغت اور عربیت سے اور ادلہ شریعت سے علماء شریعت سمجھ لیں اور اس کے تحت میں قسمیں ہیں۔

بطن سے یہ مراد ہے کہ حق تعالیٰ اپنے ممتاز بندوں کو ان حقائق سے سرفراز کر دے اور بہتوں سے وہ مخفی رہ جائیں لیکن ایسا کوئی بطن جو مخالف ظاہر کے ہو اور قواعد شریعت رد کرتے ہوں، وہ مقبول نہ ہوگا اور رد کیا جائے گا اور بعض اوقات میں باطنیت اور الحاد کی حد تک پہنچا دے گا۔ حاصل یہ کہ ہم مکلّف فرمانبردار اپنے مقدور کے موافق ظاہر کی خدمت کریں اور بطن کو سپرد کر دیں خدا کے۔

اگر اخبار احاد متعدد جب باہم مل کر تواتر کے درجہ کو پہنچ جائیں تو وہ قطعیت میں قرآن مجید کے ہم مرتبہ ہیں اور کوئی متواتر چیز قرآن کے منافی دین میں ممکن نہیں کہ پائی جاوے۔ اور اگر اخبار احاد تواتر کے درجہ کو نہ پہنچیں اور بظاہر ان کی مغائرت معلوم ہوتی ہو قرآن سے، تو علماء کا فرض ہے کہ اس کی تطبیق اور توفیق ڈھونڈیں یعنی (آپس میں) ملائیں۔

خبر واحد کے بھی دو پہلو ہیں :

ایک ثبوت پہلو کا۔ دوسرا دلالت کا۔ ثبوت میں وہ ظنی ہوتی ہے۔ جب تک کئی

مل کر تواتر کو نہ پہنچ جائیں اور دلالت میں کبھی قطعی اور کبھی ظنی۔

دین میں کوئی متواتر چیز ایسی نہیں پائی جاتی جو قرآن کی ناسخ ہو‘ کوئی حدیث متواتر یا خبر واحد ایسی نہیں ہے کہ جس کو علماء نے قرآن کے ساتھ جوڑا نہ ہو۔

نسخ کا باب اگر کوئی چھیڑے تو فرضی ہے۔ وقوع اس کا نہیں‘ خوارج کے قتل کی وجہ میں اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ کفر کی وجہ سے قتل ہوئے اور کوئی کہتا ہے کہ بغاوت کی وجہ سے‘ فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۵۲‘ میں ہے کہ خوارج کو بعض کہتے ہیں کفر کی وجہ سے قتل کیا گیا اور بعض کہتے ہیں کہ بغاوت کی وجہ سے۔

حضرت علیؓ کا قول خوارج کے بارے میں جو کتاب منہاج السنۃ ج ۳ ص ۶۱ سے بیان کیا گیا ہے وہ اسی کتاب میں ہے۔ ان خوارج میں سے جو منکر ہوں گے ضروریات دین کے ان کی تکفیر ہو گی اور جو ضروریات دین کے منکر نہ ہوں گے وہ باغی رہیں گے اور ان کے ساتھ قتال یعنی جنگ ہو گی۔

نزدیک است که علماء ظواہر
چوں مہدی علیہ السلام مقاتلہ بر ...... تفصیل سے کتاب میں یہ عبارتیں ہیں۔
(کتاب مکتوبات امام ربانی ج ۲ ص ۱۷‘ کتاب حجج الکرامہ ص ۳۶۳)

شیخ مجددؒ میرے نزدیک مسلم صاحب کشف ہیں۔ کشف ظنی چیز ہے۔ مجھے احادیث سے اور روایات سے جو امام مہدی کے متعلق آئی ہیں کوئی شبہ معلوم نہیں ہوا۔ جس سے یہ پتہ چلے کہ ایسی نوبت آئے گی‘ یعنی ان کے ظہور کے وقت میں علماء کی طرف سے یہ نوبت آئے گی۔ باقی رہا کشف مجدد صاحب کا‘ وہ اللہ کو معلوم ہے مجھے روایات پر عمل کرنا چاہئے۔ یہ حدیث ہے کہ میری امت کے ۷۳ فرقے ہو جائیں گے اور آگے ہے کہ سارے نار میں جائیں گے مگر ایک فرقہ۔ اس پر عرض کی گئی کہ وہ کون ہو گا۔ فرمایا کہ وہ ہو گا جو میرے راستہ پر اور میرے صحابہؓ کے راستہ پر ہو گا۔

الملل والنحل میں اس حدیث کے ساتھ یہ الفاظ ہیں کہ وہ جماعت ہو گی۔

"اس جماعت سے مراد اس کے مصنف شہرستانی مراد اہل سنت والجماعت ہے۔

یہ الفاظ بعض روایات میں ہیں اور بعض میں نہیں ہیں اس سے یہ اصلاً مراد نہیں کہ وہ چھوٹی جماعت ہو گی۔ ”

محمد ہاشم خطیب سے جس نے شام میں مرزا غلام احمد قادیانی کے متعلق فتویٰ دیا ہے۔ مجھے اس سے تعارف نہیں ہے۔

نبی کی اولاد کے لئے نبی ہونا ضروری نہیں ہے۔ صحیح بخاری میں صحابیؓ کے متابعت میں آیت کی مراد میں یہ ذکر کیا ہے۔ ورنہ کوئی حاجت نہیں اور نہ میرا اس پر مطلب موقوف ہے۔ قول صحابیؓ کا حجت نہیں ہوتا جیسا کہ نبی کا قول ہوتا ہے لغت والوں نے تصریح کی ہے کہ خاتم بفتح تا ہو کر مہر کے معنی میں ہی ہے اور آخر کے معنی میں بھی ہیں۔ جو شخص یہ کہے کہ عیسیٰ ابن مریم کے سوا جو بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے۔ رسول اکرم ﷺ کے بعد کوئی دوسرا نبی آسکتا ہے وہ کافر ہے۔

قرآن شریف میں تین طریقے انسان کے ساتھ خدا کے کلام کے بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن ان کو احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے اپنے بیان میں وحی کی تعریف نہیں کی۔ اقسام بیان کئے ہیں۔ پیغمبر کے ساتھ وحی کے متعدد طریقے ہیں جو پیغمبر کا معاملہ اور خدا کا معاملہ ہے۔ اس کی انتہاء میرے مقدور سے باہر ہے۔ وہ مخصوص معاملہ ہے۔ خدا کا اور پیغمبر خدا کا' اور جب وہ صفت مجھے حاصل نہیں تو میں اس کی پوری حقیقت اور کنہ کو نہیں پا سکتا۔ لیکن حرف شناسی اور طالب العلمی کی مد میں آیت کی تفسیر کرتا ہوں :

” وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلاَّ وَحْيًا اَوْمِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْيُرْسِلَ رَسُوْلاً فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۰ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۰ الشوریٰ آیت ۵۱ “

مناسب نہیں ہے کسی بشر کو کہ کلام کرے اس کے ساتھ خدا۔ مگر بطور وحی یا پردہ کے پیچھے سے یا بھیجے اس کی طرف قاصد اور قاصد کے ذریعہ سے پیغام دے۔ اپنی مشیت اور ارادے سے جو پیغمبر کہ پیغمبر ثابت ہو چکا ہے۔ جداگانہ طریق پر۔ اس پر جو وحی ہوتی ہے۔ وہ وحی قطعی ہے۔ دوسرے شخص پر جو وحی ہو وہ ظنی ہے۔ جو شخص خاتم الانبیاء ﷺ کے بعد وحی نبوت کا دعویٰ کرے وہ کافر ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کو پہلے نبی مانتے ہیں۔ اس کے سوا جو

وحی ہے وہ وحی نبوۃ نہیں ہے۔ لفظ وحی کا اس پر اطلاق ہو گا۔ وحی قرآن کا لفظ ہے اور لغت میں جتنے معنی وحی کے لئے گئے ہیں ان پر وحی کا لفظ اطلاق ہو سکتا ہے۔ حضرت مریم اور ام موسیٰ (والدہ موسیٰ) کی طرف جس وحی کا قرآن شریف میں ذکر ہے وہ چونکہ پیغمبر نہیں ہیں اس لئے اس وحی سے وہ دوسری وحی مراد ہو گی۔ جو ظنی ہے۔

قرآن شریف میں جو تین طریقے وحی کے مذکور ہیں۔ ام موسیٰ اور حضرت مریم کی طرف جو وحی آئی ہو گی۔ وہ ان تینوں طرق میں سے ہو گی مگر عام مفسرین نے اس آیت: "وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْمِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ .... الخ." کو وحی نبوت پر ہی اتارا ہے۔

میں نے سنا ہے:

"اس میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ کشفی ہے۔ یا الہامی ہے جو حجت قطعی نہیں ہے۔ شیخ مجدد کی کلام کشفـ ـو الہام میں ہے۔"
(مکتوبات امام ربانی جلد ثانی ص ۹۹، مکتوب ۵۱)

توہین انبیاء کے بارے میں میں نے تصریح کر دی ہے اپنے بیان میں کہ سب (گالی) کی قسم تعریض سے بھی ہوتی ہے اور لزوم سے بھی ہوتی ہے۔ لیکن میں نے وجہ ارتداد مرزا غلام احمد قادیانی میں تعریض کو نہیں لیا بلکہ جس ہجو کو انہوں نے قرآن مجید سے مستند کیا اور اسے قرآن مجید کی تفسیر گردانا اور جس ہجو کو اپنی جانب سے حق کہا میں اسے ارتداد سمجھتا ہوں اور اسی کو ارتداد کی وجہ قرار دیا۔

مرثیہ شیخ رشید احمد صاحب گنگوہیؒ ص ۶، ۸ کے اشعار، ص ۳۳ کے اشعار متعلق مسیح کا جواب۔

شیخ الہند صاحب کے جو شعر نقل کئے گئے۔ اس کے متعلق یہ جواب ہے کہ جو مدحیہ اشعار ہوں وہ تحقیقی نہیں ہوتے بلکہ بشر کی کلام اٹکل کے ہوتے ہیں اور شاعرانہ محاورہ۔ نئی نوع کلام کی تسلیم کیا گیا ہے۔ فرق اس میں یہ ہے کہ جو خدا کی کلام ہو گی وہ عقیدہ ہو گا اور وہ تحقیق ہو گی اور وہ کسی طرح سے اٹکل نہ ہو گی۔ حقیقت حال ہو گی۔ نہ کم نہ بیش، بشر انتہاء کو حقیقت [illegible] تخمینی لفظ کہتا ہے اور دنیا نے اس کو تسلیم کیا کہ شاعرانہ، نوع

تعبیر، عام اطلاق الفاظ نہیں ہے اور وہ تخمینہ پر عبارت کہہ دیتے ہیں۔ جو آس پاس (قریب قریب) ہوتی ہے۔ ٹھیک حقیقت نہیں ہوتی اور خود شاعر کی نیت میں اور ضمیر میں منوانا اس کا عالم کو منظور نہیں ہوتا۔

جھوٹ میں اور شاعر میں یہ فرق ہے۔ کہ جھوٹا کوشش کرتا ہے کہ میرے کلام کو لوگ سچ مان لیں اور شاعر کی اصلاً یہ کوشش نہیں ہوتی بلکہ وہ خود سمجھتا ہے کہ حاضرین بھی میرے اس کلام کو حقیقت پر نہیں سمجھیں گے بلکہ اگر کوئی حقیقت پر سمجھے تو اس کی اصلاح کے درپے ہوتا ہے۔ دوسرے وقت ایسے وقائع دنیا میں بہت پیش آچکے ہیں۔ مبالغہ شاعروں کے ہاں ہوتا ہے اور یہ ایک قسم ہے کلام کی، جو فنون علمیہ میں درج ہے اور اس مبالغہ کی حقیقت یہ ہے کہ چھوٹی چیز کو بڑا ادا کرنا اور بڑی چیز کو چھوٹا ادا کرنا۔ بشرطیکہ نہ اعتقاد ہو، نہ مخلوق کو منوانا ہو۔ پس اگر کوئی شخص کوئی ایسی چیز کہتا ہے کہ جس سے مغالطہ پڑتا ہے۔ نبوت کے باب میں اور وہ ساری کوشش اس میں خرچ کرتا ہے وہ اور جہاں کا ہے اور یہ حضرت شاعر اور جہاں میں ہیں۔

کتاب ازالۃ الاوہام مصنفہ مولانا رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی اور اشعار مولوی آل حسن صاحب سے جو مشکوٰۃ شریف میں جو قصہ حضرت عمرؓ کے تورات کا ورق پڑھنے اور رسول اللہ ﷺ کا جواب دینے کے متعلق مذکورہ ہے۔ اس سے رسول اللہ ﷺ کے جواب سے حضرت موسیٰ کی کوئی توہین ظاہر نہیں۔

جواب میں موجب ارتداد مرزا غلام احمد قادیانی میں اس قسم کی کوئی چیز پیش نہیں کرتا۔ جس میں کہ مجھے نیت سے بحث کرنی پڑے بلکہ میں نے اس چیز کو لیا ہے جسے انہوں نے قرآن کی تفسیر بنایا ہے اور اسے حق کہا ہے اور جن چیزوں میں مجھے نیت کی تلاش رہتی وہ میں نے اپنی بحث سے خارج کر دیئے ہیں اور انہیں موجب ارتداد قرار نہیں دیا۔ میں اپنے بیان میں تصریح کر چکا ہوں کہ میں مرزا غلام احمد قادیانی کی نیت پر گرفت نہیں کروں گا۔ زبان پر کروں گا۔ میں نے مرزا غلام احمد قادیانی کی تمام کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا۔ جس قدر مجھے حکم دینے کی ضرورت ہوئی۔ اسی قدر میں نے مطالعہ کیا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے دعویٰ نبوت کیا اور بغیر توبہ کے مرے۔ اس لئے میرے نزدیک وہ کافر ہیں۔

بروز ...... نسخ ...... رسخ ...... فسخ ...... مسخ ...... کے جو الفاظ میں نے بیان کئے تھے۔ اس سے میں نے یہ دکھلایا تھا کہ ان کی کوئی حقیقت دین سماوی میں نہیں ہے اور کہ یہ لفظ نہ آئے ہوں۔ یہ غلط ہے۔ نہ میرے بیان میں ہے۔ علماء نے ان لفظوں کو لیا ہے اور رد کیا ہے۔

میرا عقیدہ نہیں ہے کہ مسیح کی شکل دوسرے کسی مردود میں ڈالی گئی ہو لیکن بعض مفسرین نے اہل کتاب سے نقل لی ہے:

"کونوا قردۃ خاسئین." کے متعلق میرا عقیدہ کہ وہ لوگ مسخ ہو گئے تھے۔ مولانا محمد حسین بٹالوی نے جو کچھ مرزا غلام احمد قادیانی کے متعلق کہا ہے میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کہاں تک درست کہتا ہے۔ (دستخط جج) محمد اکبر

سوال مکرر: میں نے کل اس سوال سے کہ اسلام کی بناء پر جو پانچ چیزوں پر بیان کی گئی ہے۔ اس سے مراد میں نے یہ لی تھی کہ صاحب شریعت نے جو بناء اسلام کی پانچ چیز پر رکھی ہے۔

مظہر نے بہت سے دفعات کا اضافہ کیا ہے۔ اس کا جواب میں نے اس وقت یہ دیا تھا کہ جو چیز قرآن شریف میں سے لی جائے گی۔ وہ ایمان میں داخل ہو جائے گی اور جو متواتر حدیث ہو گی۔ وہ ایمان میں داخل ہو جائے گی اور یہ جو ہے کہ بناء اسلام کی پانچ چیز پر ہے۔ ایک شہادت توحید کی اور شہادت رسالت کی اس شہادت رسالت کے تحت سارا دین پیغمبر کا داخل ہو گیا۔ رسول کا ماننا۔ ان کی شریعت کی اطاعت کو حاوی ہے۔ انہی پانچ کے اندر بلکہ ایک ہی لفظ کے اندر رسول کی رسالت کو ماننا۔ سارا دین آگیا۔

میں نے کوئی دفعہ جو اضافہ کی ہے۔ مطلق اضافہ نہیں نیز مقنن اگر کئی ایک قانون کہے تو یہ اعتراض بے معنی ہے کہ ایک ہی دفعہ کے تحت ذیلی منشاء کو کیوں ادا نہ کر دیا؟ بلکہ سارے قوانین اس کے واجب الانقیاد یعنی واجب الاطاعت ہوں گے اور اس میں' میں نے صحیح مسلم کی حدیث کا حوالہ کل دیا تھا کہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جو کوئی ان

سب پر جو میں لایا ہوں خدا کی طرف سے ایمان نہ لائے وہ مومن نہیں۔ حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ میں امر کیا گیا ہوں کہ میں مقابلہ کروں لوگوں کے ساتھ یہاں تک کہ شہادت دیں لا الہ الا اللہ . کی اور ایمان لائیں مجھ پر اور اس چیز پر جو میں لے کر آیا ہوں۔

بناء اسلام کے جو پانچ ارکان بیان کئے گئے ہیں۔ یہ مہم (اہم) ارکان ہیں۔ بڑے ستون تو یہ ہیں اور حدیث میں اور چیزیں بھی ہیں۔ یعنی ایمان کے دیگر بھی کئی شعبے ہیں۔ خلافت شیخینؓ کے اجماع کے متعلق میں نے یہ ذکر کیا تھا کہ جو شخص ان کے مستحق خلافت ہونے کا انکار کرے کہ وہ خلافت کے لائق نہ تھے وہ شخص کافر ہے۔

"لعل المراد انکار استحقاقهما الخلافة فهو مخالف لاجماع الصحابةؓ لاانکاروجودها.' (شامی باب الامامت" نقل عن البحر الرائق "ص ۵۶۱ ج ۱)

﴿شاید مراد انکار ہے۔ استحقاق شیخینؓ کا ایسا شخص مخالف ہے اجماع صحابہؓ کے یہ مراد نہیں ہو سکتی کہ وہ وقوع خلافت سے کوئی انکار کرے۔﴾

حیات مسیح کے سوال پر امت کا اجماع ہے اور امت کہتے ہیں۔ یہاں سے لے کر پیغمبر کے زمانے تک کے مسلمان اور صحابہؓ بھی اس میں داخل سمجھے جائیں گے۔

دیوبندیوں کے خلاف جو فتویٰ علماء بریلی کا پیش کیا گیا تھا۔ اس میں جو فقرے کتاب تحذیر الناس سے نقل کئے گئے ہیں وہ مختلف مقامات سے جوڑ کر ان کی مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی طرف نسبت کی گئی ہے۔ مولانا کی تصریح یہ ہے کہ جو ختم زمانی کا انکار کرے وہ بسبب تواتر کافر ہے۔ کتاب تحذیر الناس کے ص ۱۰ پر سو اگر سے .... کافر ہو گا تک۔

مولانا نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ جو ختم زمانی کا انکار کرے وہ قرآن سے۔ تواتر سے اور اجماع سے کافر ہے۔ میں نے یہ کہا تھا کہ قرآن اور حدیث جس طریقہ پر ہمارے پاس پہنچا۔ اس طریقہ کو علماء نے ادا کیا اور جو شخص تواتر کا انکار کرے وہ قرآن کو ثابت نہیں کر سکتا اور دین ابتداء سے آخر تک منہدم ہو جائے گا۔ اس میں پس و پیش کرنا کہ متواتر خبر' حدیث قطعی ہے' مستلزم ہو گا کہ قرآن میں بھی پس و پیش کرے کہ اس واسطے کہ ثبوت قرآن کا اور

حدیث متواتر کا تواتر ہی ہے۔ تواتر میں اگر جھگڑا ڈالا تو اس شخص کے پاس دین محمدی ﷺ و کوئی جز نہیں۔

کل یہ سوال کیا گیا تھا کہ امور مستقبلہ پر اجماع ہوتا ہے یا نہیں، امور مستقبلہ میں اجماع نہ ہونا کی مراد یہ ہے کہ حکم عملی، جو ہاتھ پیر سے کرنا ہو۔ اسے مستقبل پر چھوڑا جاوے۔ پہلے سے اجماع کا کوئی اثر نہیں۔ وقت پر دیکھا جائے گا اور جو عقیدہ قرآن و حدیث میں آچکا ہے۔ مستقبل کے متعلق اس پر اجماع منعقد ہونا معقول ہوگا اور حجت ہوگا۔ کہیں فرض ہوگا: ” ودعوی النبوة بعد نبینا صلی الله علیه وسلم کفر بالاجماع۔ “

شرح مسلم الثبوت ص ۵۱۹ کتاب اکمال الاکمال کے حوالہ سے جو کل یہ بیان کیا گیا تھا کہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام ۳۳ سال کی عمر میں فوت ہو گئے۔ اس کتاب کے دوسرے صفحہ پر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے۔ امام مالکؒ کی مراد یہی ہوگی کہ برائے چند ساعت موت دی گئی ہے اور بعد میں اٹھائے جائیں گے۔ ایک ہی صاحب کے مقولہ کے دو قطعہ ہیں۔

سن کر تسلیم کیا گیا
دستخط جج صاحب
۲۹ اگست ۱۹۳۲ء

*

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

الخطاب الملیح

فی تحقیق المهدی والمسیح

حکیم الامت

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

تعارف

الحمدللہ وکفی وسلام علیٰ خاتم الانبیاء ۔ اما بعد!

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی رد قادیانیت پر گرانقدر تصنیف ’’الخطاب الملیح فی تحقیق المہدی والمسیح‘‘ اس مجموعہ میں شامل کرنے کی سعادت پر رب کریم کے حضور سجدہ شکر بجالاتے ہیں۔ یہ وہ کتاب ہے جو مرزا قادیانی کے زمانہ حیات میں شائع ہوئی مگر بدباطن مرزا قادیانی کی کورباطنی اور بدعقلی پر ماتم کیجئے کہ وہ اپنی کتاب براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۱۹۹، خزائن ج ۲۱ ص ۳۷۱ پر اسے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی تصنیف قرار دے کر جواب کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ قادیانی کرم فرما، مرزا قادیانی کی بدعقلی وسوئے فہمی پر ماتم کریں کہ ٹائٹل پر لکھے ہوئے مصنف کے نام کو جو شخص پڑھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس نے جواب کیا دیا ہوگا؟۔ قادیانی اس کتاب کو پڑھیں اور مرزا قادیانی کے جواب سے تقابل کریں کہ مرزا قادیانی کو جواب دہی سے سوائے رسوائی وندامت کے اور کیا حاصل ہوا ہے؟۔

اس کتاب کی تصنیف کی تقریب یوں ہوئی کہ انبالہ کے مفتی کرم خان نے چند سوالات لکھ کر حضرت تھانویؒ سے ان کا جواب طلب کیا۔ آپ نے مرزائیوں کے سوالات کو ’’قول مرزا‘‘ اور اس کے رد کو ’’جواب‘‘ کا عنوان دے کر یہ کتاب تحریر فرمادی جو قدرت حق کی طرف سے مرزا قادیانی کے منہ پر طمانچہ تھا اور اہل اسلام کے لئے بہت بڑا علمی سرمایہ۔ یہ کتاب ایک آدھ بار شائع ہوئی۔ اب اس مجموعہ میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شرف قبولیت سے سرفراز فرمائیں۔ آمین!

فقیر اللہ وسایا
۷/۶/۱۴۲۲ھ
۲۷/۸/۲۰۰۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

”الحمدلله الذی ہدانا بالکتاب والسنة و جعلنا متبعین للسواد الاعظم من الامة فنحمده علی ماانعم علینا بهذه المنة و نصلی علی سیدنا محمد نبیه و رسوله الذی به من علینا بتلك النعمة و علی آله و صحبه ومن معهم الذین هم السواد الاعظم فیالهم من ائمه فمن حادعن سبیلهم فلاریب ان قلبه فی اکنه و امره لابدوان یکون علیه غمه۔ اما بعد!!!۔“

چونکہ مرزا غلام احمد قادیانی کی غلطیوں کو بہت اہل علم ظاہر فرمارہے ہیں۔ اس لئے کبھی اس باب میں لکھنے کا خیال نہیں ہوا۔ مگر بعض احباب سے جو کچھ زبانی سوال وجواب کا اتفاق ہوا اور بفضلہ تعالیٰ ان کے شبہات کو شفا ہوئی انہوں نے تقید بالقلم کا اصرار کے ساتھ مشورہ دیا چونکہ نفع کی امید پائی گئی اس لئے خود بھی اس کا خیال ہو گیا۔ اسی اثناء میں منشی کرم خان صاحب نائب محافظ دفتر ڈپٹی کمشنر انبالہ نے کچھ سوالات بعض اقوال کی نسبت محض نیک نیتی سے بغرض جواب بھیج دیئے۔ وہ اس خیال کے لئے اور بھی مؤید اور مؤکد ہو گئے۔ اس لئے ان سوالات کا جواب لکھ کر آخر میں ایک مستقل مختصر مضمون جو اجمالا انشاء اللہ! ایسے تمام شبہات کے جواب کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔ اضافہ کر دیا اور اس مجموعہ کو ایک رسالہ کی شکل میں بنا کر ”**الخطاب الملیح فی تحقیق المهدی والمسیح**“ کے ساتھ نامزد کر دیا اول سوال مرقوم ہے پھر جواب مذکور ہے پھر اسی آخری مضمون پر کتاب ختم ہے:

والله تعالیٰ ولی الهدایة و منه البدایة والیه النهایة۔

نقل خط منشی صاحب موصوف متضمن سوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم!

جناب ہدایت مآب مولانا صاحب مکرم معظم دام ظلکم و فضلکم از جانب احقر العباد پر عصیان کرم خان' بعد ادائے مراسم ماوجب نہایت ادب سے عرض ہے میں ایک معمولی اردو خوان ملازم ہوں لیکن بفضل خدا کتب شرعی دیکھنے کا شوق ہے۔ ان ایام میں جو شور مرزائیوں کا ہو رہا ہے اور اکثر لوگ بے علم جو بگڑ رہے ہیں وہ ظاہر ہے' بعض میرے احباب آپس میں گفتگو رکھتے ہیں اور مرزا غلام احمد قادیانی کے دلائل وفات مسیح کی پیش کیا کرتے ہیں۔ گو بفضل خدا اور برکت علماء سے یہ خاکسار اس کے عقائد اور اقوال سے بیزار ہے کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے لیکن بعض مقامات کو برائے ازدیاد تقویت و یقین کبھی کبھی بعض مامور علماء سے پوچھ لیا کرتا ہے۔ چنانچہ دو تین مرتبہ جو مقامات کی نسبت بابت مسائل مختلفہ و تقلید و تراویح ہشت رکعت جناب مولانا مخدومنا حضرت مولانا رشید احمد صاحب مد ظلہم (گنگوہیؒ) سے دریافت کیا تو حضرت مولانا صاحب ممدوح نے میرے سوالات پر رسالہ سبیل الرشاد' اور رسالہ الرائے النجیح فی عدد رکعات التراویح' تحریر فرما دیا ہے۔ اسی طرح آپ سے مجھ کو بعض امور کی بابت تحقیق ہے۔ گو جناب مولانا رشید احمد (گنگوہیؒ) صاحب سے ایک گونہ نیاز حاصل ہے لیکن مجھ کو شرم آتی ہے کہ شاید مولانا موصوف یہ خیال نہ فرمادیں کہ یہ شخص ہمیشہ سائل رہتا ہے۔ چونکہ ان امور مندرجہ ذیل کا معلوم کرنا ضروری ہے پس اس وقت مجھ کو بھی ضروری ہوا کہ ان امور کو بامید جواب شافی و تسلی کافی کے حضور ہی کی خدمت میں پیش کروں۔ بعض تصانیف حضور کی میرے پاس ہیں اور جو فضل و کمال و خلق محمدی و توجہ و تبحر معلوم حضور کو ہے وہ اظہر من الشمس ہے اور نیز مخدومی مکرمی مولوی انوار الحق صاحب نقل نویس جو میرے دفتر میں ہیں اور نیز مولوی اکرام حسین صاحب نے بھی مجبور کیا کہ تم کو مولانا ہی جواب سے جلد مشرف فرمادیں گے۔

گو جناب کو بھی علاوہ درس و تدریس وذکر اللہ کے کتب بینی و تصانیف و تحریر فتاویٰ بے شمار' میں ایک مشغلہ عظیم ہے لیکن میں امید قوی رکھتا ہوں کہ حضور ان امور کا جواب دینا بھی ضروری خیال فرمائیں گے۔ کیونکہ آپ کی برکت سے امید ہے کہ بعض لوگ جو عقاید مرزا میں گرفتار ہو جاتے ہیں شاید بچ جاویں۔ اس واسطے جناب کی خدمت میں عرض ہے۔ اول قول مرزا غلام احمد قادیانی کا پھر امور تحقیق طلب لکھتا ہوں۔

قول مرزا نمبر ۱...... : عیسیٰ علیہ السلام اور انکی والدہ نے بمقام کشمیر وفات پائی ہے۔ چنانچہ آیت قرآن شریف: " واٰوینا هما الیٰ ربوة ۔ " سے یہی مراد ہے۔ کیونکہ کشمیر بہت بلند جگہ ہے جبکہ مسیح علیہ السلام صلیب سے بھاگ کر کشمیر چلے گئے تو ہر دو مسیح و والدہ حضرت مریم علیہا السلام نے وہاں وفات پائی۔ اسی جگہ ان ہر دو کی قبر ہے۔

جواب نمبر ۱...... : ربوہ کی تفسیر دمشق یا فلسطین یا بیت المقدس غرض ملک شام کے کسی مقام سے کی گئی ہے۔ کشمیر سے تفسیر کرنے کی کوئی دلیل نہیں اور علی سبیل التنزل کہتا ہوں کہ اگر کشمیر تشریف لانا مان بھی لیا جاوے تو اس کو اصل مدعا منکر رفع جسمانی الی السماء سے کیا تعلق ہے۔ کیا سفر کشمیر کے بعد وہاں سے جانا اور پھر مرفوع الی السماء ہونا ممتنع ہے؟۔ رہا دعویٰ وہاں قبر ہونے کا محض بے اصل ہے۔ تخمین و قیاسات وافواہی حکایات کا بمقابلہ دلائل شرعیہ کوئی اعتبار نہیں رہی تحقیق قبر حضرت مریم کی اس کی ضرورت نہیں۔

قول مرزا نمبر ۲...... : حضرت مریم علیہا السلام نے حالت حمل میں نکاح کر لیا تھا چنانچہ مسیح علیہ السلام کے حقیقی برادر و ہمشیرگان بھی تھیں۔

جواب نمبر ۲...... : کہیں ثابت نہیں قبل حمل اس کا قائل ہونا صریح تکذیب قرآن ہے اور بعد حمل تکذیب اجماع ہے۔ پس دونوں امر باطل ہیں اور جنت میں نکاح کئے جانے کی مجھ کو تحقیق نہیں نہ تحقیق کی ضرورت سمجھی۔

قول مرزا نمبر ۳...... : حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور نیز بخاریؒ کا وفات مسیح علیہ السلام پر مذہب ہے۔ چنانچہ کتاب التفسیر بخاری میں قول عبداللہ بن عباسؓ کا ہے: " متوفیک ای ممیتک . "یعنی توفی بمعنے فوت ہے۔ نہ نیند وغیرہ' اور امام بخاریؒ حدیث لائے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کو میری امت سے بعض اشخاص ننگے سروپاؤں لائے جائیں گے ان کو اپنے اصحاب کہوں گا۔ ندا ہوگی کہ یہ تیرے بعد گمراہ ہو گئے تھے' تو اس وقت میں بھی وہی کہوں گا جو عیسیٰ نے کہا یعنی :"انی اقول کما قال العبد الصالح . "پس یہ فرمانا ان حضرات کا اس وقت یعنی زبان حضرت میں' ایک قصہ ماضی کا ہو گیا۔ حضرت نے کما قال فرمایا یقول نہیں فرمایا اور مسلمان کہتے ہیں کہ مسیح قیامت کو جواب دیں گے حالانکہ یہاں صیغہ ماضی کا بولا گیا ہے۔

جواب نمبر ۳...... : اگر ممیتک کو اپنے ظاہری معنے پر کہا جاوے پھر بھی منکر رفع جسمانی کو کچھ مفید نہیں۔ اول تو اس وجہ سے کہ ممکن ہے کہ یہ موت بعد النزول الی الارض ہو' جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہلے سے دیدی اور واؤ ترتیب کے لئے موضوع نہیں۔ اس لئے اس کا تحقق ورافعک الی' سے پہلے ضروری نہیں۔ رہی یہ بات کہ ذکر میں کیوں مقدم فرمایا' سو گو اس نکتہ کی تحقیق کو اصل مبحث سے تعلق نہیں مگر تبرعاً نکتہ کا بیان بھی کئے دیتا ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باب میں دو فرقوں کو افراط و تفریط تھا۔ ایک نصاریٰ کو کہ ان کو الٰہ مانتے تھے دوسرے یہود کو۔ وہ ان کو غیر طاہر جانتے تھے اور نصاریٰ کی غلطی یہود کی غلطی سے بڑھی ہوئی تھی کیونکہ غیر الہ کو الہ ماننا زیادہ بعید ہے۔ نبی کو غیر نبی جاننے سے۔ اگرچہ کفر دونوں ہیں۔ اس لئے متوفیک کو جبکہ معنے ممیتک ہو مقدم کیا کہ اس میں ابطال ہے عقیدہ نصاریٰ کا' کیونکہ موت منافی ہے الوہیت کے۔ پھر رد فرمایا عقیدہ یہود کو اس طرح سے کہ ان کے لئے رفع الی السماء ثابت کیا' جو مستلزم ہے طہارت جسمانی کو' اور تطہیر مطلق ثابت کی جو مستلزم ہے طہارۃ روحانی کو' اس طرح دونوں فرقوں پر رد ہو گیا اور متوفیک کی تقدیم مناسب ہوئی اور اگر ترتیب ذکری کے ساتھ ترتیب

وقوع بھی مان لی جائے، تب بھی منکر رفع کو مفید نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ قبل رفع تھوڑی دیر کے لئے آپ کو وفات دی گئی ہو اور پھر زندہ کر کے آسمان پر اٹھا لئے گئے ہوں جیسا کہ بعض سلف اس کے قائل بھی ہوئے ہیں۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں ہے:

" الثانی متوفیك اے ممیتك و هو مروی عن ابن عباس و محمد بن اسحاق قالوا والمقصود ان لا یصل اعداء من الیهود الی قتله ثم انه بعد ذلك اکرمه بان رفعه الی السماء۔ ثم اختلفوا علی ثلثة اوجه احد ها قال و هب توفی ثلث ساعات ثم رفع۔ ثانیها قال محمد بن اسحاق توفی سبع ساعات ثم احیاه الله تعالی و رفعه۔ الثالث قال الربیع بن انس انه تعالی توفاه حین رفعه الی السماء۔"

بہر حال ممیتك کے ساتھ تفسیر کرنا بھی کسی طرح منکر رفع کو مفید نہ ہوا۔ اور امام بخاری کا اس تفسیر کو نقل کرنا، اول تو مستلزم نہیں کہ ان کا بھی یہی مذہب ہو اور اگر ہو بھی تو منکر رفع کو مفید نہیں جیسا کہ ابھی بیان ہوا کہ موت اور رفع العبد الی السماء میں تنافی نہیں۔ ایک کے اثبات سے دوسرے کی نفی لازم نہیں آتی۔ رہا استدلال کرنا قال کے ماضی ہونے سے یہ بھی محض ضعیف ہے۔ اول تو اس لئے کہ ماضی بمعنے مضارع بکثرت قرآن میں وارد ہے: "ونفخ فی الصور۔ و اشرقت الارض۔ وضع الکتاب۔ جئی با النبیئن۔ قضی بینهم۔ وسیق۔ وغیر ذلك۔" پس قال بمعنے یقول ہو سکتا ہے۔ رہا یہ امر کہ ماضی سے کیوں تعبیر فرمایا، سو گو بیان نکتہ کو اصل مقصود میں کوئی دخل نہیں، مگر تبرعاً بیان کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جو اپنی حکایت بیان فرمائی کہ میں قیامت میں اس طرح کہوں گا۔ اس بیان سے پہلے صحابہؓ یہ آیت سن چکے تھے: " ان تعذبهم فانهم عبادك۔ الایة۔" پس مقتضا بلاغت کا ہوا کہ حکایت کے ماضی ہونے کو بمنزلہ محکی عنہ کے ماضی ہونے کے ٹھہرا کر صیغہ ماضی استعمال فرمایا۔ یا یوں کہا جائے کہ قیامت کے روز حضرت عیسٰی علیہ السلام کا یہ قول پہلے ہو چکے گا، پھر ہمارے حضور ﷺ کا یہ قول صادر ہوگا، تو حضور ﷺ کے قول کے وقت چونکہ وہ قول ماضی ہو چکا ہے اس لئے صیغہ ماضی سے تعبیر

ے

فرمایا۔ قرآن مجید میں بھی اس کی نظیر ہے: "قال تعالیٰ یوم یأتی بعض اٰیات ربک لاینفع نفسا ایمانھا لم تکن اٰمنت من قبل۔" یہ یقینی بات ہے کہ تکلم کے وقت کے اعتبار سے: "لم تکن اٰمنت" مستقبل ہے۔ مگر باعتبار وقت حکم لاینفع کے ماضی تھا اس لئے ماضی لائے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر بعض جگہ تو مستقبل سے مستقبل کو بھی ماضی سے تعبیر فرمایا گیا ہے: "قال تعالی و علی الاعراف رجال یعرفون کلابسیماھم ونادو اصحاب الجنۃ۔" اس میں یقیناً نداء بعد معرفت کے ہے پھر یعرفون کو مستقبل لائے اور نداء جو اس مستقبل سے بھی مستقبل ہے اس کو ماضی سے تعبیر فرمایا۔ اور اگر قال کو ہم ظاہری معنے پر ہی محمول کریں، تب بھی استدلال منکر رفع کا غلط ہے کیونکہ ممکن ہے کہ یہ مخاطبت فیمابین اللہ تعالیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد رفع الی السماء واقع ہو چکی ہو، جیسا احادیث میں وارد ہے کہ شہداء سے بمجرد پیشی قبل قیامت ہی باتیں ہوا کرتی ہیں۔ غایت مافی الباب یہ لازم آیا کہ جب عیسیٰ علیہ السلام سے یہ باتیں ہو چکی ہیں۔ تو توفی بھی واقع ہو چکی ہے مگر اس میں بھی کوئی اشکال لازم نہیں اگر توفی بمعنے اخذ الشی بالتمام، کی ہو جیسا بہت سے مفسرین اس طرف گئے ہیں اور اس بناء پر توفی عین مفہوم رفع عیسیٰ علیہ السلام مع الجسد والروح ہو گا۔ تب تو ظاہر ہے کہ کوئی اشکال نہیں اور اگر بمعنے وفات ہی لے لیا جائے تب بھی اوپر تحقیق ہو چکا ہے کہ وفات میں اور رفع مع الجسم میں کوئی منافاۃ نہیں بہر حال کسی تفسیر پر بھی منکر رفع کو مفید نہیں۔

قول مرزا نمبر ۴...... : میں نبی ہوں، رسول ہوں، مگر بروزی طور پر میں صاحب شریعت نہیں ہوں لیکن جزوی نبی ہوں، اور ایسا دعویٰ اکابر نے بھی کیا ہے جیسے منصور نے انا الحق وبایزید بسطامیؒ نے انا نوح۔ وغیرہ کیا ہے ثابت ہے۔

جواب نمبر ۴...... : رسالت و نبوت و وحی کے جو معانی اصطلاح شرعی میں ہیں، ان کا منقطع ہو جانا، دلائل قطعیہ سے ثابت ہے اور ہمارے حضور ﷺ ان امور کے خاتم ہیں۔ اس کے انکار کی تو گنجائش ہی نہیں۔ رہا قصہ بروز کا سو یہ ایک اصطلاح مستحدث ہے۔ اگر

اس کی تعریف جامع مانع ایسی کی جائے جو قواعد شرعیہ کے مخالف نہ ہو تو گو بحکم قول لا مشاحۃ فی الاصطلاح محل نزاع نہیں، مگر چونکہ یہ حکم بھی شرعی ہے کہ الفاظ موہمہ سے احتراز واجب ہے چنانچہ اسی بناء پر: " لا تقولوا راعنا. " فرمایا گیا اور احادیث میں بہت سے الفاظ کی ممانعت اسی بناء پر وارد ہے۔ اس لئے جس جگہ اس قسم کا ایہام اور عوام کے لئے مغلط اور مفسدہ کا احتمال ہو گا ایسے الفاظ کے استعمال کو حرام و معصیت کہا جائے گا، اور اگر ان الفاظ اصطلاحی کے تعریف ہی میں کوئی جزو مخالف قواعد شرعیہ ہو گا تو اس وقت اس کو فی نفسہ بھی باطل قرار دیں گے۔ اس کے علاوہ میں کہتا ہوں کہ اگر لفظ بروز کے بڑھا دینے سے رسالت و نبوت کا دعویٰ جائز ہے تو اسی قید کے ساتھ خدائی کے دعویٰ کی بھی اجازت ہونا چاہئے۔ کیونکہ آخر مخلوق میں صفات الٰہیہ کا کم و بیش: " علی قدر العطاء الوہبی. " ظل تو ضروری ہے کیا کوئی عاقل متدین اس امر کو گوارا کر سکے گا؟ جب خدائی کا دعویٰ گوارا نہیں تو رسالت کا کیونکر گوارا ہے؟۔ رہا استدلال کرنا فعل اکابر سے سو اگر ان قصوں کو صحیح مان لیا جائے تو وہ حضرات غلبہ حال سے معذور تھے۔ چنانچہ حضرت بایزید بسطامیؒ کا قصہ مشہور ہے کہ جب ان کو حالت صحت میں اس کی اطلاع کی گئی تو توبہ ظاہر فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اگر میں پھر ایسی بات کہوں تو مجھ کو بلا تردد قتل کر ڈالو۔ چنانچہ لوگوں کا اس طرح سے قصد کرنا اور پھر آپ کی کرامت سے زخموں کا اثر نہ ہونا مشہور ہے۔ بہر حال قصد و عمد سے کبھی نہیں کہا نہ اس پر اصرار تھا۔ پس کجا وہ حالت اور کجا یہ حالت کہ اگر کوئی ذرا کلام کرو تو اس کے رد میں رسالے اور اشتہارات تیار کئے جائیں۔

کار پاکان راقیاس از خود مگیر
گرچہ ماند نوشتن شیرو شیر
تو صاحب نفسی اسے غافل میاں خاک خون میخور
کہ صاحب دل اگر زہری خورد آن انگبین باشد

قول مرزا نمبر ۵...... : رفع بمع عزت کے موت دینا ہے۔ یا بعد مرنے

کے روحانی طور پر بہشت میں داخل ہونا ہے۔ چنانچہ: ” ورافعك الّی بحق. “ مسیح علیہ السلام اور لفظ: ” ورفعناه مكانا عليا. “ بحق ادریس علیہ السلام ہی بولا گیا ہے۔ نہ باجسم اٹھانا مراد ہے۔

جواب نمبر ۵ ......: رفع کے معنے لغوی مشہور ہیں۔ شرعی اصطلاح اس میں جداگانہ نہیں۔ عزت کی موت اس کے کوئی معنی نہیں۔ البتہ رفع بمعنے درجہ کے بھی مستعمل ہے اور بمعنی رفع روح جس کا حاصل موت ہے بھی مستعمل، لیکن دونوں معنی کا مجموعہ کہ اس میں دونوں قیدیں ہوں اس میں کہیں مستعمل نہیں دیکھا گیا، اور اگر کہیں مستعمل ہوتا بھی ہو، تو بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باب میں جو لفظ رفع آیا ہے وہ تو یقیناً اس معنی میں مستعمل نہیں کیونکہ یہ یقینی امر ہے کہ احادیث میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کی خبر دی گئی ہے اور اس نزول کو بمقابلہ ان کے مرفوع ہونے کے فرمایا گیا ہے چنانچہ سیاق احادیث سے ظاہر ہے۔ پس جب دونوں لفظ اس حیثیت سے متقابل ٹھہرے تو یقیناً ایک لفظ کے جو معنے ہوں گے دوسرے لفظ میں اس کا مقابل مراد ہوگا۔ پس اگر رفع سے مراد مع الجسم آسمان پر جانا مراد لیا جائے جیسا جمہور کہتے ہیں تو نزول سے مراد مع الجسم زمین پر آنا مراد ہوگا جس میں نہ تقابل فوت ہوا نہ کوئی خرابی لازم آئی۔ اگر بقول منکر رفع جسمانی سے مراد عزت کی موت لی جائے تو نزول سے مراد بقرینہ مقابلہ ذلت کی پیدائش لینا چاہئے۔ پس معنے حدیث نزول کے یہ ہوں گے کہ پھر عیسیٰ علیہ السلام نعوذباللہ ذلت کے ساتھ پیدا ہوں گے، اور اگر یہاں یہ معنے نہ لئے جائیں تو مقابلہ فوت ہو جائے گا۔ جس کا لزوم اوپر ثابت ہو چکا ہے پس معلوم ہوا کہ عزت کی موت کے معنے مراد لینا صحیح نہیں۔ اور اگر کوئی کہے کہ ہم مطلق موت مراد لے لیں گے، تو ہم کہیں گے کہ اول تو اس کی دلیل چاہئے اور اگر بلادلیل ہم تسلیم بھی کر لیں جب بھی منکر رفع جسمانی کو مفید نہیں، کیونکہ رفع جسمانی اگر اس لفظ سے ثابت نہ کہا جائے گا دوسری دلیل شرعی یعنی اجماع سے ثابت رہے گا، اور موت کا رفع جسمانی کے منافی نہ ہونا اوپر ثابت ہو چکا ہے۔ اور اگر: ” رفعناه مكانا عليا. “ میں صرف رفع روح مراد ہو جب بھی ہم کو مضر

نہیں کیونکہ ہم یہ کب کہتے ہیں کہ رفع روحانی میں اس کا استعمال نہیں آتا۔ اسی وجہ سے تحقیق قصہ ادریس علیہ السلام کی حاجت نہیں، ہمارا تو یہ قول ہے کہ دونوں معنے میں استعمال ہو سکتا ہے مگر چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مرفوع بالجسم ہونا اجماع سے ثابت ہے۔ اس لئے ان کے قصہ میں اس معنے کو ترجیح ہے اور علیٰ سبیل التنزل کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص قرآن میں بمعنے رفع الجسم نہ بھی لے تب بھی ہمارا دعویٰ رفع مع الجسم کا اجماع سے ثابت ہے جیسا عنقریب بیان ہو چکا ہے۔ اور چونکہ لفظ رفع بمعنے رفع مع المادۃ میں لغۃً مستعمل ہے۔ اس لئے نظیر کی حاجت نہیں اور تبرعاً نظیر بھی پیش کرتے ہیں: "قال تعالیٰ رفع السموات بغیر عمد، وقال تعالیٰ رفع سمکہا۔" حدیث ضحایا میں ہے: "قالت عائشہ ولقد کنا لنرفع الکراع۔ ترمذی ص۲۷۷ ج۱" اور حدیث حج صبی میں: "فرفعت امرأۃ صبیاً۔ ترمذی ص۱۸۵ ج۱" دیکھئے۔ یہ سب اشیاء مادی ہیں جو مع المادہ مرفوع ہوئیں۔

قول مرزا نمبر ۶ ...... : لفظ نزول جو بحق مسیح علیہ السلام احادیث میں وارد ہے وہ مراد آسمان سے اترنا نہیں ہے بلکہ پیدا ہونا مراد ہے۔ جیسا کہ فرمایا خدا نے: "وانزلنا الحدید" کیا یہاں لوہا بھی آسمان سے اترا ہے یا لفظ: "انزلنا الکتاب" میں مراد یہ ہے کہ قرآن مجید آسمان سے اترا ہے اور کسی نے دیکھا ہے۔

جواب نمبر ۶ ...... : گو نزول بھی دوسرے معانی میں حقیقتاً یا مجازاً مستعمل ہوتا ہے جس کا انکار نہیں، مگر نزول عیسیٰ علیہ السلام کا یقیناً باعتبار معنے ظاہر متبادر کے ہے۔ اولاً حدیث مسلم باب ذکر الدجال میں ہے: "فینزل الی قولہ بین مہرو زتین واضعا کفیہ علی اجنتہ ملکین۔" اگر بقول منکر نزول "من السماء" یہاں پیدائش کے معنے لئے جائیں تو استغفر اللہ حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ عیسیٰ علیہ السلام دو رنگین کپڑے پہنے دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے پیدا ہونگے۔ اول، تو یہ مطلب کیسا مہمل ہے۔ پھر افسوس کہ مدعی مسیحیت میں یہ صفت بھی نہیں پائی جاتی۔ پس حدیث کے قرائن معنے متبادر

کے تعین کر رہے ہیں۔ دوسرے اس معنے پر اجماع بھی ہے۔

قول مرزا نمبر ۷ ...... : آسمان پر اس جسم خاکی کا جانا محال ہے اور "معاذ اللہ" یہ لفظ لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ اس جسم کثیف سے معراج کو نہیں گئے بلکہ معراج کشفی و نومی تھا اور حضرت عائشہؓ کا قول لاتا ہے کہ وہ بھی جسمی معراج کی قائل نہ تھیں۔ اور وجہ یہ ہے کہ آسمان پر کرہ نار' یا زمہریر' ہے خاکی جسم کا جانا محال ہے بلکہ بڑے پہاڑوں پر جانے سے انسان نہیں زندہ رہ سکتا ہے۔

جواب نمبر ۷ ...... : بلاشک جاسکتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص محال کہے تو اس سے پوچھنا چاہئے کہ یہ محال عقلی ہے یا شرعی ہے یا عادی ہے۔ اگر محال عقلی یا شرعی ہے تو دلیل لانا چاہئے۔ کون سی دلیل عقلی نے اس کی نفی کی ہے؟۔ کونسی دلیل شرعی اس کا انکار کر رہی ہے؟۔ انشاء اللہ تعالیٰ! قیامت تک کوئی دلیل اس پر قائم نہ ہو سکے گی۔ اور اگر محال عادی ہے تو مسلم، مگر یہ مفید نہیں کیونکہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جب کسی امر کا امکان عقل سے ثابت ہو اور دلیل شرعی اور اس کے وقوع کی خبر دے اور اس کے وقوع کا اعتقاد واجب ہے۔
چنانچہ یہ امر بہت ہی ظاہر ہے پس جب اس میں کوئی استحالہ عقلی ہے نہیں، اور دلیل شرعی اس کا اثبات کر رہی ہے تو واجب ہو گا کہ اس کو خرق عادت قرار دیکر اس کا اعتقاد کیا جائے۔
اور ممکنات عقلیہ کی نسبت: "ان اللہ علی کل شیئ قدیر۔" عقیدہ قطعیہ ہے۔ بلکہ میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ یہاں ممکن ہے کہ کوئی مانع عادی طبعی بھی نہ ہو، کیونکہ یہ امر مشاہدہ سے ثابت ہے کہ اگر آگ یا مثل اس کے کسی تیز چیز کے اندر سے بہت جلدی سے انگلی کو بار بار نکالیں تو کوئی صدمہ نہیں پہنچتا۔ اور فلسفہ میں یہ طے ہو چکا ہے کہ سرعت حرکت کی کوئی حد نہیں پس ممکن ہے کہ جسم محمدی و جسم عیسوی علیہما السلام کو کرہ زمہریر و کرہ نار کے اندر سے نہایت سرعت و عجلت کے ساتھ نکال کر آسمان پر پہنچا دیا ہو اور بوجہ سرعت جسم کو کوئی گزند نہ پہنچا ہو تو اس میں کیا استعباد ہے۔ اور بڑی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ محال عادی پر قادر ہیں۔ جو چاہیں واقع کر دیں زمہریر اور نار سب ان کے مسخر اور محکوم ہیں۔ جب اس کا

امکان ثابت ہو گیا تو بلندی کشتی نوح علیہ السلام کے تحقیق کی کچھ حاجت نہیں۔ اور قول حضرت عائشہؓ کا یا بمقابلہ دیگر روایات صحیحہ مرجوح ہے یا تعدد واقعہ پر محمول ہے۔ اور صریح دلیل معراج کے جسمانی ہونے کی یہ ہے کہ منکرین نے اس کی کس شدت سے تکذیب کی۔ اگر روحانی و نومی ہوتی استعجاب و استبعاد کی کوئی وجہ نہ تھی۔ پھر حضور ﷺ خود فرما دیتے کہ اس میں استبعاد کیا ہے یہ تو نومی و روحانی ہے۔

قول مرزا نمبر ۸...... : مسیح کا آنا محال ہے کیونکہ اگر وہ بحالت نبوت آئے تو خاتم النبیین کی آیت کا نقض ہے اگر بلا نبوت آئے تو ان سے کیا قصور ہوا ہے کہ نبوت سے معزول ہو گئے۔

جواب نمبر ۸...... : اس مدعا کی تو تحقیق نہیں نہ تحقیق کی حاجت، مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تابع شرع محمدی ﷺ ہو کر تشریف لانا یقینی ہے۔ اور اس میں نہ ختم نبوت میں قدح لازم آتا ہے نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نبوت سے معزول ہونا لازم آتا ہے۔ کیونکہ وہ اس وقت نبی بھی ہونگے اور تابع دوسرے نبی یعنی ہمارے حضور ﷺ کے تابع بھی ہونگے جس طرح حضرت ہارون علیہ السلام خود بھی نبی تھے اور شریعت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تابع تھے اور پھر بھی تابع ہونے سے معزول ہونا لازم نہیں آیا۔ البتہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت خود صاحب شریعت مستقلہ ہوتے تو حضور ﷺ کی شریعت کا منسوخ ہونا اور اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس وقت نبوت عطا ہوتی اور پہلے زمانہ میں نبوت نہ مل چکتی، تو حضور ﷺ پر نبوت کا ختم نہ ہونا بے شک لازم آتا۔ مگر جب ایسا نہیں ہے بلکہ ایک ایسے نبی جن کو حضور ﷺ کے زمانہ سے پہلے نبوت مل چکی ہے۔ حضور ﷺ کے تابع شرع ہو کر آویں گے تو اس صورت میں نہ حضور ﷺ کی ابدیۃ شریعت میں کوئی خلل ہوا اور نہ ختم نبوت میں کوئی قدح ہوا۔ اور اگر صرف اتباع کا نام معزولی ہے تو حدیث میں صاف تصریح ہے: "لوکان موسی حیا لماوسعه الااتباعی۔ مشکوٰۃ ج۱ ص۳۰ باب الاعتصام باالکتاب والسنة" اس بنا پر

معنی حدیث کے یہ ہونا چاہئے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام میرے وقت میں زندہ ہوتے تو نبوت سے معزول ہو جاتے۔ پس یہی سوال ہم کرتے ہیں کہ اس صورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کیا خطا تھی جو وہ نبوت سے معزول کر دیئے جاتے ؟۔

قول مرزا نمبر ۹ ...... : آیت : ” وان من اهل الكتاب الاليؤمنن به قبل موته . “ میں ہر دو ضمائیر میں ایک ضمیر اول میں قرآن شریف یا آنحضرت ﷺ مراد ہیں۔ اور ضمیر دوم میں ایک کتابی‘ چنانچہ تفاسیر میں لکھا ہے کہ ہر ایک کتابی بوقت موت خود مسیح پر ایمان لے آتا ہے۔ پس ضمیرہ کی مسیح کی طرف پھیرنا اور قیامت کو صیغہ مستقبل لانا غلطی ہے۔

جواب نمبر ۹ ...... : اس ضمیر میں کئی قول ہیں چونکہ ہمارا مدار استدلال اس پر نہیں ہے۔ اس لئے ہماری طرف سے گنجائش ہے جس قول کو چاہے کوئی اختیار کر لے ہمارا کچھ ضرر نہیں۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ضمیر راجع ہو تب تو ظاہر ہے کہ ہم کو مفید ہے ہی‘ اور اگر کتابی کی طرف ہو تو حیات و موت عیسیٰ علیہ السلام اس آیت میں مسکوت عنہا ہو گی۔ سو ہمارے پاس دوسرے دلائل موجود ہیں۔ اس لئے ایک جگہ مسکوت عنہا ہونا ہم کو مضر نہیں۔

قول مرزا نمبر ۱۰ ...... : آیت : ” قد خلت من قبله الرسل . “ صاف دلالت وفات مسیح ہے کیونکہ لفظ خلا بمعنے موت ہے اگر گذرنا معنے لئے جاویں تو وہ گذرنا مراد ہے جو پھر واپس نہ آوے۔ جیساکہ مرنا ہے کہ پھر کوئی نہیں آیا۔

جواب نمبر ۱۰ ...... : خلا بمعنے مطلق مضی ہے۔ نہ حیات اس کے مفہوم کا جزو ہے نہ موت۔ قرینہ مقام سے جیسے مضیی مناسب ہو گی مراد لے لی جائے گی۔ خواہ وہ مضیی بالموت ہو یا مع الحیوۃ۔ پس خلت کو بالتعیین بمعنے ماتت لینے کی کوئی دلیل یہ کہ کوئی ایسی نظیر ہو جس میں حیات کے ساتھ استعمال خلت کا آیا ہو۔ جواب

سوال ششم میں اس کا جواب ہو چکا ہے کہ بعد اثبات حجت استعمال کے نظیر پیش کرنے کی حاجت نہیں۔ مگر ہم تبرعاً نظیر بھی پیش کرتے ہیں: " قال اللہ تعالیٰ وان من امة الا خلا فیہا نذیر ٥" فی الصراح ای مضٰی وارسل، گو دلیل خارجی سے نذیر کا میت ہونا معلوم ہوا ہے مگر جو مقصود ہے اس کلام سے کہ کوئی امت بلا نذیر نہیں۔ یہی جیسا صاحب صراح نے مضٰی کی تفسیر ارسل سے کر کے اس کی تصریح کر دی، اس مقصود میں خلا کا صدق حیوۃ فاعل خلا کے ساتھ ہوا ہے کیونکہ حالت موت میں مرسل ہونے کے کوئی معنے نہیں جیسا ظاہر ہے ورنہ آیت کے یہ معنی ہونگے کہ جتنی امتیں ہوئی ہیں سب میں ایک ایک نذیر مر چکا ہے۔ سو اس کا مخالف مقصود قرآنی ہونا ظاہر ہے اور اگر قد خلت کو بمعنے قد ماتت ہی لے لیا جائے تب بھی منکر رفع جسمانی کو مفید نہیں کیونکہ موت اور رفع الجسم میں منافات نہ ہونا اوپر محقق ہو چکا ہے۔

قول مرزا نمبر ۱۱...... : مجمع بحار الانوار ص ۲۸۶ میں قول مالک مات بحق مسیح لکھا ہے اور امام ابن قیم اور ابن تیمیہ مسیح کی وفات کے قائل ہیں۔

جواب نمبر ۱۱...... : ہم کو تحقیق حوالہ و تحقیق مذہب ابن تیمیہ و ابن القیم کی حاجت نہیں کیونکہ تسلیم موت میں بھی منکر رفع جسمانی کو کوئی نفع نہیں جیسا کئی بار گذر چکا۔ اور اگر کسی کے کلام میں رفع جسمانی کی نفی مصرح ہو بوجہ خلاف اجماع ہونے کے قابل قبول نہیں۔

قول مرزا نمبر ۱۲...... : قرآن شریف میں ۲۳ جگہ وفات یعنی توفی بمعنے موت ہے اور انی متوفیک میں صاف ظاہر ہے کہ معنے میں ماردونگا تحریر ہے۔ نہ مراد لینا ہے۔ اور کہیں قرآن یا حدیث یا قول صحابہؓ یا محاورہ عرب میں توفی بمعنی رفع لینا نہیں ہے۔ کیونکہ جہاں خدا فاعل اور ذی روح مفعول اور فعل توفی ہو وہاں صرف قبض روح اور جسم بیکار چھوڑ دینا ہے۔ ایسے موقع پر کہیں سوائے قبض روح، اور مراد نہیں ہے۔

جواب نمبر ۱۲...... :جب آیت :"وَھُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ ۔ الانعام آیت ۶۰" میں غیر موت میں (توفی کا) استعمال ثابت ہے تو اور نظائر کی کیا ضرورت ہے؟۔ ورنہ مثل اس نظیر کے اور نظائر کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان سب نظائر کے سوا اور کوئی نظیر بھی ہے؟۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ بعد اثبات حجت استعمال کے ایک نظیر کی بھی حاجت نہیں ہے اور صحت استعمال لغت سے ثابت ہے۔ توفی کے معنے "تمام گرفتن حق" لکھا ہے۔ نیز مجمع البحار میں ہے :" متوفيك ورافعك على التقدم والتاء خروقديكون الوفاة قبضا ليس بموت :"

قول مرزا نمبر ۱۳...... : آیت :" فيها تحيون و فيها تموتون و منها تخرجون ۔" سے صاف مراد ہے کہ انسان زمین ہی پر رہے گا نہ آسمان پر۔ اگر آسمان پر مسیح کا جانا مانا جاوے تو یہ آیت مخالف ہے۔

جواب نمبر ۱۳...... :اگر دلیل حصر بجز تقدیم معمول کے اور کچھ ہے تو ظاہر کرنا چاہئے اور اگر معمول کی تقدیم دلیل ہے تو استدلال غلط ہے کیونکہ تقدیم کے اور فوائد بھی اہل بلاغت نے ذکر کئے ہیں۔ پس اس کی کیا دلیل ہے کہ یہاں حصر کے لئے ہی ممکن ہے اور بلکہ واقعی یہی ہے کہ یہاں تقدیم اہتمام شان کے لئے ہے۔ چونکہ مقام ذکر معائنہ حضرت آدم علیہ السلام کا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ تمہارے لئے جزائے اکل شجرہ میں ملکوت سے بعد ہو گیا اور بجائے اس کے زمین سے تعلق و تلبس ہو گیا۔ پس اس مقام پر مناسب تھا کہ زمین کے ذکر کو مقدم کیا جاتا' حیات میں بھی' موت میں بھی' دوبارہ خروج میں بھی' تاکہ جمیع احوال میں تلبس بالارض مؤکد ہو جائے۔ پس اس کو حصر پر کوئی دلالت نہیں اور قرآن مجید میں ایسی تقدیم بہت مواقع پر ہے :"قال الله تعالىٰ ان الله بما تعملون بصير ۔" اور ظاہر ہے کہ یہاں حصر کے معنی محض باطل ہیں ورنہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ غیر اعمال مخاطبین پر بصیر نہوں۔ نعوذ باللہ منہ۔ پس جب حصر پر کوئی دلیل نہیں پھر حصر پر کسی حکم کو

مبنی کرنا کس طرح درست ہوگا؟۔ بلکہ ترقی کر کے کہتا ہوں کہ آیت :" فیہا تحیون ." میں اگر حصر مانا جاوے تو لازم آتا ہے کہ انسان کی حیات جنت میں بھی نہ ہو۔ کیونکہ جنت زمین سے خارج ہے۔ حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں ہو سکتا۔ اگر کہا جائے کہ اس حصر سے زمان آخرت مستثنیٰ ہے ہم کہیں گے کہ مکان آخرت بھی مستثنیٰ ہے۔ آسمان مکان آخرت میں داخل ہے۔ پس جو شخص مکان آخرت میں ہو اس کی حیات غیر ارض پر ہو سکتی ہے اور یہی جواب ہے :" ولکم فی الارض مستقر ." سے استدلال کرنے کا۔ مزید برآں یہ ہے کہ اگر فی الارض کی تقدیم حصر کے لئے ہے تو لکم کی تقدیم بھی مفید حصر ہونا چاہئے جس سے یہ لازم آوے گا آپ کا' کہ بجز انسانی اور کوئی مخلوق زمین پر نہیں رہتی اور بطلان اس کا ظاہر ہے۔

قول مرزا نمبر ۱۴...... : آیت :"اوصانی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ . وکانا یا کلان الطعام ." وغیرہ میں صاف ہے کہ انسان بلا غذا نہیں رہ سکتا ہے۔ پس مسیح آسمان پر کس طرح قائم ہو گئے اور زکوٰۃ آسمان پر کس کو دیتے ہوں گے ؟۔

جواب نمبر ۱۴...... : زکوٰۃ سے مراد اگر یہی زکوٰۃ بالمعنی المشہور ہو تب بھی کچھ اشکال نہیں۔ رہا یہ شبہ کہ آسمان پر کس کو دیتے ہوں گے محض "پادر ہوا" ہے۔ کیونکہ زمین پر رہتے بھی یہ حکم ایسا نہیں جو کسی عارض سے ساقط نہ ہو جاوے۔ مثلاً مامور بالزکوٰۃ کے پاس مال نہ رہے اب وہ مامور نہ رہے گا' اور کوئی امر مانع وجوب پایا جاوے وجوب نہ رہے گا۔ پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ منجملہ شرائط وجوب زکوٰۃ کے یہ بھی ہے کہ وہ شخص زمین پر رہتا ہو اور مالدار ہو' چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر تشریف لے گئے اور وہاں ان کے پاس مال بھی نہیں اس لئے شرط وجوب مفقود ہو گی۔ پس مشروط یعنی وجوب بھی ساقط ہو گیا۔ پس اوصانی بالزکوٰۃ کے معنے یہ ہوں گے 'اوصانی بشرط اجتماع الشرائط وارتفاع الموانع' جیسا جمیع احکام میں بالاجماع یہی دونوں قیدیں معتبر ہوتی ہیں۔ اور حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ پر زکوٰۃ واجب ہونے نہ ہونے کی تحقیق کی حاجت نہیں۔ اگر ان پر واجب نہ ہونا ثابت بھی ہو جاوے تو

اوصانی بالزکوٰۃ کے معنے ہوں گے "اوصانی بان آمرامتی بالزکوٰۃ رہا کانا یاکلان الطعام۔" سے یہ استدلال کرنا کہ بلا غذا انسان زندہ نہیں رہ سکتا اور اس سے حیات عیسویہ کو آسمان پر ممتنع کہنا نہایت ہی غلطی ہے۔ اس آیت میں صرف ان کے اکل طعام سے ان کے ابطال الوہیت پر استدلال کیا ہے، جس کا عمر بھر میں ایک بار بھی متحقق ہو جانا استدلال کے لئے کافی ہے، کیونکہ اکل طعام دلیل احتیاج کی ہے اور وہ دلیل حدوث کی ہے اور وہ منافی ہے وجوب کے، جو الوہیت کے لئے لازم ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایک بار کے اکل طعام سے بھی حدوث ثابت ہو جاویگا اور حادث کا واجب بالذات ہونا ممکن ہی نہیں۔ اس لئے ایک فرد بھی اکل طعام کی استدلال کے لئے کافی ہو گی۔ یہ حاصل ہے آیت کا۔ پس مقصود آیت کا جب ایک بار کے اکل طعام سے بھی حاصل ہو سکتا ہے تو دوام اکل طعام پر آیت کی دلالت کہاں ہے؟ جب آیت دوام اکل طعام پر دلالت نہیں کرتی تو ضرورت اکل طعام پر تو کب دلالت کر سکتی ہے۔ جیسا کہ عقلاء پر ظاہر ہے۔ پھر آیت سے امتناع حیات بدون غذا کا حکم کرنا جو موقوف ہے اثبات ضرورت اکل طعام پر کب صحیح ہو گا۔ پس یہ دعویٰ محض غلط ہوا کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بلا غذا انسان زندہ نہیں رہ سکتا، دوسرے کانا دوام کے لئے ضروری الدلالۃ بھی نہیں جیسا اہل عربیۃ پر ظاہر ہے۔ تیسرے یہ کہ اگر دوام کے لئے مان بھی لیا جاوے تو باعتبار زمان ماضی کے اور اس میں بھی زمان سکونت ارض کے اعتبار سے دوام ہو سکتا ہے پس آسمان پر غذا کی ضرورت یا دوام کی کیا دلیل ہے۔ رہا اگر کوئی آیت سے قطع نظر کر کے باعتبار اقتضائے مزاج انسانی کے دعویٰ کرے کہ بدون غذا کے حیات ممتنع ہے تو جواب دیا جاویگا کہ یہ ظاہر ہے کہ یہ امتناع عقلی یا شرعی تو ہے نہیں، صرف عادی ہے سو اللہ تعالیٰ کو ہر طرح کی قدرت ہے، ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اقتضاء مزاج کو بدل ڈالیں کہ غذا کی حاجت نہ رہے۔ دنیا میں جب ایک ملک سے دوسرے ملک میں جاکر بعض مقتضیات مزاجیہ بدل جاتے ہیں تو آسمان وزمین کے خواص میں تو بہت فرق ہونا ممکن ہے۔

چنانچہ حضرت قتادہؒ کا قول روح المعانی میں منقول ہے:

"رفع اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام فکساہ الریش والبسہ

النور و قطع عنه لذة المطعم و المشرب فطارمع الملائكة . "بلکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ خروج دجال میں اہل ایمان کو کل کو، یا بعض کو بجائے غذا کے صرف ذکر اللہ کافی ہو جایا کرے گا۔ مشکوٰۃ ص ۴۷۷ باب العلامات بین یدی الساعۃ وذکر الدجال میں ہے: " قال ﷺ یجز یہم مایجزی اهل السماء من التسبیح والتقدیس ." اور اگر بدون غذا کے زندہ رہنا سمجھ میں نہیں آتا تو ہم کہیں گے کہ کیا آسمان پر اللہ تعالیٰ غذا نہیں دے سکتے۔ اگر جنت کے میوے کھلا دیتے ہوں تو کیا مشکل ہے ؟۔

قول مرزا نمبر ۱۵...... : مرزا غلام احمد قادیانی کہتا ہے کہ مسیح فوت ہو گئے۔ اور جو فوت ہو جاتا ہے وہ پھر واپس نہیں آتا یہ سنت اللہ ہے غیر متغیر و متبدل اور حضرت عزیر علیہ السلام کا زندہ ہونا واقعی نہ تھا اور دیگر مردمان کا زندہ ہونا، مراد وہاں موت سے غشی ہے نہ حقیقی موت۔

جواب نمبر ۱۵...... : جن قصص میں مردوں کا زندہ ہونا قرآن مجید میں آیا ہے ان الفاظ کے حقیقی معنی تو یہی ہیں کہ بے جان سے جان دار کر دیئے گئے موت کو غشی پر اور احیاء کو ازالہ غشی پر محمول کرنا مجاز ہے اور ظاہر ہے کہ جب تک حقیقی معنے کے تعذر کی کوئی وجہ نہ ہو اس وقت تک مجاز پر عمل کرنا درست نہیں۔ لہذا یہ تاویل یقیناً باطل ہے۔ اور اگر بلا دلیل سے ایسے احتمالات کا اعتبار کیا جاوے تو حشر و نشر میں بھی ایسی تاویلیں ہو سکتی ہیں۔ جیسا ملحدین نے کہا ہے۔ پس جیسا ملحدین کے شبہ کو اسی قاعدہ اصالۃً معنے حقیقی سے باطل کیا جاتا ہے تو اسی قاعدہ پر یہاں بھی عمل ضروری ہے۔ کیونکہ دونوں جگہ لفظ احیاء اور اماتت آیا ہے۔ البتہ جہاں کوئی دلیل ترک معنے حقیقی کی ہو وہاں مجاز لینے میں کسی کو کلام نہیں، لیکن جہاں کوئی قرینہ مانعہ معنے حقیقی سے نہ ہو وہاں کوئی وجہ نہیں کہ معنے مجازی لئے جاویں۔ اگر یہ کہا جاوے کہ یہاں دلیل قائم ہے معنے حقیقی نہ لینے کی، وہ یہ کہ سنت اللہ جاری ہے کہ مر کر کوئی زندہ نہیں ہوتا: " ولن تجد لسنته الله تبديلا ." ہم کہتے ہیں کہ اگر سنت اللہ کی تبدیل کے یہ معنے ہوں تو پھر قیامت میں مردوں کو زندہ کرنا تو سب سے بڑھ کر سنت

اللہ کی تبدیل ہے کیونکہ اس کی قبل تک تو یہی سنت چلی آتی تھی کہ سب مردہ تھے بلکہ قبل قیام ساعت تو یہ سنت اس قدر پرانی نہیں ہوئی جس قدر قیام ساعت تک پرانی ہو جاویگی۔ پس اگر اس روز اس سنت اقدم کی تبدیل ہوگی تو اس وقت تو اقدم بھی نہیں ہوئی صرف سنت قدیمہ ہی کے تبدیل ہے۔ جب اقدم میں تبدیل جائز ہے تو قدیمہ میں تو بدرجہ اولیٰ جائز جاننا چاہئے۔ اور لیجئے عالم اہل حق کے نزدیک حادث بالزمان ہی قبل حدوث ایک غیر متناعی مدت اس پر عدم کی گذر گئی۔ اور یہ معدوم رکھنا سنت اللہ تھا۔ پس عالم کو پیدا کر کے اس سنت اللہ کو کیسے بدل دیا گیا۔ اور پھر پیدا کرنے کے بعد جب اس کا وجود مظہر سنت اللہ ہو گیا پھر موت مسلط کر کے اس سنت کو کیسے بدل دیا جاتا ہے۔ غرض یہ چندبار تبدیل سنت اللہ کیسے واقع ہوا۔ اس پر اگر یوں کہا جاوے کہ یہ مجموعہ حالات کا من حیث المجموع سنت اللہ ہے اور اس میں تبدیل نہیں ہوئی۔ ہم کہیں گے اسی طرح اکثر مردوں کو دنیا میں زندہ نہ کرنا اور کسی کسی مردے کو زندہ کر دینا یہ مجموعہ بھی سنت اللہ ہے۔ پس کسی کسی کا زندہ کرنا موجب تبدیل سنت اللہ نہیں ہوا۔ اصل یہ ہے کہ آیت کے یہ معنے ہی نہیں کہ ہم خود بھی اپنے طریقہ کو نہیں بدلتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ کوئی اور شخص اتنی قدرت نہیں رکھتا کہ ہمارے طریقہ کو بدل سکے۔ جیسے ارشاد ہوا ہے: "لا مبدل لکلماتہ۔" اور اگر تبدیل کا فاعل اللہ تعالیٰ ہی کو مانا جاوے تو سنت سے مراد سنت قولیہ یعنی وعدہ قولی ہے اس میں وہ خود بھی تبدیل نہیں فرماتے اور اس تمام تر تقریر کی اس وقت ضرورت ہے جب وفات مسیح علیہ السلام کو مان لیا جاوے اور یہی اس میں گنجائش کلام ہے جیسا تفسیر متوفیک کے ضمن میں معلوم ہوا ہے۔

قول مرزا نمبر ۱۶ ...... : مسلم کی حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت سے سو برس کے اندر جس قدر نفوس زندہ ہیں وہ مر جاوینگے۔ اگر بقول مسلمانان مسیح زندہ بھی تھے تو اس حدیث سے مر گئے۔

جواب نمبر ۱۶ ...... : یہ حدیث اہل ارض کے باب میں ہے نہ کہ اہل سماء کے بارہ میں۔ چنانچہ حدیث میں: "علی ظہر الارض۔" کی قید صاف مذکور ہے۔ اور اہل

ارض میں سے بھی باعتبار اکثر کے فرمایا ہے ورنہ خود ابلیس بھی ایک نفس منفوسہ ہے۔ اور اب تک زندہ ہے۔ مقصود اصلی اس حدیث کا یہ فرمانا ہے کہ ایک صدی کے بعد یہ قرن گذر کر دوسرا قرن لگ جاویگا اور زمانہ کا نیا رنگ ہو جاویگا گو بعض لوگ اس قرن کے زندہ بھی رہیں' چنانچہ راوی حدیث ابن عمرؓ نے خود یہی تفسیر کی ہے رواہ البخاری پس حضرت عیسی علیہ السلام چونکہ وقت ارشاد اس حدیث کے 'اہل سماء میں سے ہیں۔ اس لئے وہ اس حدیث میں داخل ہی نہیں۔ اور اگر زبردستی باعتبار ماکان کے ان کو علی ظہر الارض مانا جاوے تو دوسرا جواب دیدیا جاوے گا کہ یہ حدیث باعتبار اکثر کے ہے۔ نہ باعتبار کل کے 'اور بعد ان جوابوں کے حیات خضر علیہ السلام و اصحاب کہف و قصص جن کی تحقیق کی حاجت نہیں کیونکہ یہ سب نظائر ہونگے اور ہر واقعہ کے لئے اگر نظیر کی ضرورت ہو تو وہ نظیر بھی ایک واقعہ ہوگا۔ اس قاعدہ کے موافق اور اس کے لئے ایک اور نظیر چاہئے۔ اس طرح اس میں بھی کلام ہوگا۔ پس یا تو سلسلہ کہیں ختم نہیں ہوگا تو تسلسل محال لازم آوے گا' اور اگر کہیں ختم ہوگا تو وہ واقعہ بلا نظیر مان لیا جاوے گا تو وہ قاعدہ غلط ہوگا۔

قول مرزا نمبر ۱۷...... : حدیث میں ہے کہ میری امت کی عمر بہت کم ہوگی۔ اگر بقول مولویان مسیح زندہ ہیں تو اس وقت دو ہزار برس کی ان کی عمر ہوگی اور یہ خلاف ہے۔ کیونکہ مسلمان مسیح کو امتی بھی آنحضرت ﷺ کا مانتے ہیں۔

جواب نمبر ۱۷...... : اس قسم کی حدیثوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام داخل نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اس ارشاد کے وقت وہ حضور ﷺ کی امتہ میں داخل نہیں ہوئے جو اس حدیث میں داخل کئے جاویں۔ اور جب امتی ہو کر تشریف لاوینگے تو بمقتضائے ان احادیث کے معمولی عمر کے بعد وفات فرما جاوینگے۔ دوسرے یہ حکم باعتبار اکثر کے ہے کیونکہ بعض روایات میں: " مابین ستین الی سبعین۔ " آیا ہے۔ حالانکہ مشاہدہ ہے کہ بعض امتیوں کی عمر اس مدت سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ بہر حال ان احادیث سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا اثبات سخت مغالطہ ہے۔

جواب نمبر ۱۸...... : کہ نبی کے معنے خبر دہندہ ہے۔ اور وحی اور ان پر بھی سوائے انبیاء کے نازل ہوئی ہے۔ پس باب وحی و نبوت من کل الوجوہ بند نہیں ہوا۔ البتہ نبی صاحب شریعت کا خاتمہ ہے۔ بطور ظلیت محمدی ﷺ کے جزوی نبی اس امت میں ہوتے رہیں گے۔ فقط!!!

جواب نمبر ۱۸...... : اس کی تحقیق جواب سوال چہارم میں گذر چکی۔

قول مرزا نمبر ۱۹...... : اگر جناب کے پاس انجیل برنباس کی ہووے تو اس میں سنا ہے کہ حضرت مسیح کے زندہ آسمان پر جانے اور پھر آنے اور آنحضرت کی پیشین گوئی کا ذکر درج ہے یہ تحریر فرماویں۔

جواب نمبر ۱۹...... : انجیل نہ میرے پاس ہے نہ بعد اقامتہ دلائل شرعیہ اس سے تحقیق کرنے کی حاجت ہے۔

قول مرزا نمبر ۲۰...... : آیت :" ان اراد ان یہلک المسیح ابن مریم وامہ ومن فی الارض جمیعا ."میں صاف حیات مسیح نکلتی ہے۔ مگر لفظ امہ کی کیا توجیہ ہے ؟۔ کیونکہ نزول آیت کے وقت حضرت مریم علیہا السلام فوت شدہ تھیں۔

جواب نمبر ۲۰...... : ہمارا مدار استدلال یہ نہیں لہذا اس غرض سے توجیہ کی حاجت نہیں گو تحقیق تفسیر کے مقام میں توجیہ کی جائے جس کا ذکر کرنا یہاں ضروری نہیں۔

قول مرزا نمبر ۲۱...... : سنا ہے کہ محی الدین ابن عربیؒ نے فتوحات مکیہ کے باب ۳۶۰ یا ۲۶۰ میں ایک حدیث ابن عمرؓ سے ایک حواری مسیح کا قصہ صعود و نزول مسیح میں لکھا ہے اور وہی روایت کتاب ازالتہ الخفا حضرت شاہ ولی اللہؒ میں بھی ہے۔ ان کی صحت تحریر فرمایئے کہ کہاں ہے اور ازالتہ الخفا میں کیا عبارت ہے اور سنا ہے کہ محی الدین ابن عربی نے اس حدیث کی صحت کشفی طور پر کی ہے۔

جواب نمبر ۲۱...... :

مجھ کو تحقیق نہیں نہ تحقیق کی حاجت
فی طلعته الشمس مانيعنيك عن زحل

قول مرزا نمبر ۲۲...... :بوقت وفات جناب سرور کائنات روحی فداہ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ اگر کوئی شخص آنحضرت ﷺ کو مردہ کہے گا میں مارونگا۔ اور فرماتے تھے کہ محمد ﷺ نہیں مرے بلکہ :" رفع کما رفع عیسیٰ ." کہا یعنے حضرت مسیح کی طرح زندہ آسمان پر اٹھائے گئے۔ پھر حضرت صدیق اکبرؓ نے خطبہ پڑھا اور سمجھایا۔ یہ پورا قصہ کہاں ہے اور یہ الفاظ :" رفع کما رفع عیسیٰ ." ہیں یا کیا الفاظ ہیں۔

جواب نمبر ۲۲...... : یہ الفاظ مجھ کو یاد نہیں۔ اگر ہوں تو تشبیہ مطلق رفع میں ہے گو مشبہ میں رفع روحانی ہو اور مشبہ بہ مین رفع جسمانی مع الروح ہو۔ صحت تشبیہ کے لئے ادنی مشارکت کافی ہے۔ البتہ بخاری میں یہ الفاظ پیش نظر ہیں :" ولیبعثنه الله ." سو اس میں کوئی امر قابل بحث ہی نہیں۔

قول مرزا نمبر ۲۳...... : حضرت مہدی علیہ السلام کا بعد اختلاف اس کے کہ وہ بنی ہاشم سے ہونگے یا کسی اور قوم سے قول فیصل اور اکثر کیا ہے۔

جواب نمبر ۲۳...... :احادیث میں حضرت امام مہدی علیہ السلام کی نسبت :" من اہل بیتی ومن عترتی ومن اولاد فاطمة ." منصوص ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ بنی ہاشم سے ہیں۔

قول مرزا نمبر ۲۴...... :مرزا :" لامہدی الاعیسیٰ . و امامکم منکم ." کے احادیث سے کہتا ہے کہ مہدی کوئی نہیں ہوگا فقط مسیح ہوگا۔ چنانچہ میں مسیح ہوں اس کی کیا عمدہ توجیہ ہے ؟۔

جواب نمبر ۲۴...... : چونکہ احادیث سے قطعاً تغائر و تمائز حضرت عیسیٰ علیہ السلام و حضرت مہدی علیہ السلام کا ثابت ہے اور نیز اجماع اس پر منعقد ہے، اس لئے حدیث : "لا مہدی الا عیسیٰ ." بالاجماع (ضعیف و نا قابل حجت ہے صحیح ہوتی تو تب بھی) ماؤل ہے۔ علماء نے چند تاویلیں ذکر کی ہیں جو مناسب معلوم ہو، اختیار کر لینا جائز ہے۔ میرے نزدیک توجیہ حدیث کی یہ ہے کہ یہ ترکیب مستعمل ہوتی ہے کمال تشابہ کے لئے۔ پس مطلب یہ ہے کہ ان دونوں بزرگوں میں باعتبار صفات کمال کے ایسا تشابہ ہوگا کہ گویا مہدی عین عیسیٰ علیہ السلام کے ہیں۔

جیسا کسی کا قول ہے شعر :

من توشدم تومن شدی من تن شدم توجان شدی
تاکس نگوید بعد ازین من دیگرم تو دیگری

اور امامکم منکم میں امام سے مراد حضرت مہدی علیہ السلام ہیں اور اس سے قبل اس حدیث میں یہ ہے کہ : "کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم ." اور امامکم منکم مبتدا خبر مل کر حال واقع ہوگا۔ اس میں تو کوئی وجہ شبہ اتحاد کی بھی نہیں، بلکہ مطلب صاف ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ایسی حالت میں آوینگے جبکہ تم میں مہدی بھی موجود ہونگے۔ غرض کسی حدیث سے دونوں کا ایک ہونا ثابت نہیں، رہا اپنی نسبت دعویٰ کرنا اس کے متعلق خاتمہ ملاحظہ کیا جاوے۔

قول مرزا نمبر ۲۵...... : بخاری شریف میں عامر بن فہیرہؓ کا بیرِ معونہ کے دن مقتول ہونے کے بعد بجسد عنصری آسمان پر اٹھ جانا درج ہے۔ ایک کتاب میں دیکھا ہے، امید کہ اس کی صحت باب بخاری وغیرہ سے پتہ دیں اور یہ بھی ثبوت دیں کہ انسان کا آسمان پر جانا ممکن ہے یا نہیں۔ کتاب شرح الصدور ص ۱۷۴ کا حوالہ بھی لکھا ہے بابت خبیب بن عدی کے۔ چونکہ یہ ایک بڑا مجموعہ سوالات کا ہے اور میں بفضل خدا اور برکت سرور کائنات ﷺ و علمائے شریعت سے اپنے عقائد اہل سنت حنفی المذہب پر بہت معتقد و قائم

ہوں لوگوں کی چھیڑ چھاڑ اور بعض احباب کے بگڑ جانے اور بعض کے مستقیم رہنے کی وجہ سے یہ تکلیف حضور کو دی ہے۔ بخدا' خدا ہی عالم ہے کہ یہ امر بطور بناوٹ اور خود غرضی کی وجہ سے نہیں۔ اگر حضور ﷺ کل کا جواب تحریر فرما دینگے تب بھی میں جناب کا مشکور اور اگر بعض کا' تب بھی حضور کا ممنون ہوں۔

جواب نمبر ۲۵...... : بخاری جلد ثانی ص ۵۸۷ میں اس قصہ کے یہ الفاظ ہیں: " قال لقدرایته بعد ماقتل رفع الی السماء حتی انی لانظر الی السماء بینه و بین الارض ثم وضع۔ "اس میں رفع مع الجسم کی تصریح ہے اور شرح الصدور میرے پاس نہیں ہے نہ اس میں تحقیق کرنے کی حاجت اور ممکنات کے ثبوت کا قاعدہ و طریقہ جواب ہفتم میں مذکور ہو چکا ہے۔ اور استحالہ کسی دلیل سے ثابت نہیں۔

قول مرزا نمبر ۲۶...... : اور ایک امر یہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت حسینؓ و علیؓ کے اوپر طعن و تشنیع بہت کیا ہے اور آخر میں یہ فقرہ لکھ دیتا ہے کہ میں تو اپنے عیسیٰ کو جو نبی تھے یا حضرت حسینؓ و علیؓ کو جو ہمارے ہیں نہیں کہا ہے۔ بلکہ عیسائیوں کے مسیح کو جس نے خدائی کا دعویٰ کیا ہے اور جس کا قرآن میں ذکر نہیں ہے کہا ہے اور شیعوں کے حسینؓ اور علیؓ کو کہا ہے۔ چونکہ عیسائیوں نے ہمارے حضرت کو اور شیعوں نے ہمارے خلفاء ثلاثہ کو بہت برا کہا ہے اس وجہ سے ہم نے بھی ان کے مسلمہ و موضوعہ بصفات موصوفہ بخیال ان کے' کو کہا ہے۔ آیا ایسا پیرایہ اور حیلہ کر کے حضرت حسینؓ، مسیح علیہ السلام، علیؓ پر کس قدر حملہ جائز ہے؟۔ یا قطعی ناجائز ہے اگر کوئی الزام ان پر دیا جاوے تو اس کی کیا صورت ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عیسائیوں کے مقابلہ میں بحق مسیح علیہ السلام علماء سلف و خلف نے ایسا حملہ کیا ہے اور علماء اہل سنت نے بمقابلہ شیعان کے برتاؤ کیا ہے۔ یہ کہاں تک صحیح ہے۔

جواب نمبر ۲۶...... : گو مناظرین کی ایسی عادت ہے مگر قرآن مجید کی ایک

آیت کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر قبیح ہے۔ وہ آیت یہ ہے: " لَقَدْ سَمِعَ اللّٰہُ قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْآ اِنَّ اللّٰہَ فَقِیْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِیَآءُ ۔ آل عمران ۱۸۱ "اس کا شان نزول مفسرین میں مشہور ہے کہ حضور ﷺ نے صدقات کی ترغیب فرمائی تھی جس پر یہود نے یہ بات کہی، یہ یقینی ہے کہ ان کا یہ عقیدہ نہ تھا، بلکہ محض الزام کے طور پر کہا تھا کہ حضور ﷺ کی ترغیب سے (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کا حاجت مند ہونا لازم آتا ہے۔ مگر انہوں نے اس قضیہ شرطیہ کو سورۃ حملیہ میں کہا اللہ تعالیٰ نے اس کی تقبیح فرمائی۔ گو اس کا بطور قضیہ شرطیہ کے کہنا بھی بوجہ لزوم تکذیب حضور ﷺ کے قابل تقبیح کے ہے۔ مگر اس مقام پر اس کا ذکر نہیں فرمایا۔ صرف امر اول کی تقبیح پر اکتفا فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح کا پیرایہ قبیح ہے۔ اگر کسی نے ایسا کیا اس کی تاویل کرینگے کہ مقصود الزام ہے اور کہیں گے کہ انہوں نے آیت میں غور نہیں کیا ہوگا۔ اور خاص کر جب یہ کہنا مخالفین کی زبان سے اپنے بزرگوں کو برا بھلا کہلانے کا سبب بن جاوے، اس صورت میں تو دوسری وجہ سے بھی ممنوع ہونے کی پائی جاوے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: " وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْمٍ ۔ الانعام آیت ۱۰۸ "اور سلف کے کلام میں ایسے عنوانات نظر سے نہیں گذرے۔

قول مرزا نمبر ۲۷ ......: چونکہ بعض اوقات بعض مسلمان کہہ دیا کرتے ہیں کہ مرزا کلمہ گو ہے اور اس کو برا نہ کہو اور خاص کر صوفی المشرب میں تو برا کسی کو کہنا ہی نہیں آیا ہے۔ اس میں حضور کی کیا رائے ہے؟ کیونکہ مرزا مدعی نبوت و رسالت و مہدیت و مسیحیت وغیرہ کا ہے۔ اور ظاہراً اہانت انبیاء و علماء کی کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ پس ایسے شخص کی نسبت کیا حکم ہے۔ علماء کی مواہیر اس کے ضال و مضل و بعض بکفر وغیرہ ثبت ہیں۔ امید کہ مفصل جواب نمبر وار سے مشرف فرماویں گے اور جس کتاب کا حوالہ دیں باب یا فصل سے مطلع فرماویں۔ چونکہ مرزا بخاری شریف پر اور قول میتک حضرت ابن عباسؓ پر بہت ناز کرتا ہے۔ اگر زیادہ تر حوالہ بخاری شریف اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا حوالہ دیں تو عمدہ ہے۔ اور اکابر

علماء جن میں محی الدین ابن عربیؒ یا جلال الدین سیوطیؒ اور خصوصاً حضرت امام مالکؒ کی بابت اگر کہیں اقوال ہوویں تو ضرور تحریر فرماویں یا اصحاب مالکؒ سے حوالہ دیں۔ اور مجمع البحار کی عبارت سے تسلی بخشیں۔ حضور کے جواب کا میں منتظر رہونگا۔ اگر کاغذات جواب زیادہ ہو جاویں تو بیرنگ ارسال فرماویں۔ یا جو صورت ہووے۔ زیادہ والسلام۔ خدا حضور کو سلامت با کرامت رکھے۔ امید رکھتا ہوں کہ جناب بندہ کو محروم نہ رکھیں گے۔ بندہ خاکسار۔ کرم خان نائب محافظ دفتر فارسی صاحب ڈپٹی کمشنر انبالہ' شہر انبالہ محلّہ نیابانس' ۲۲ فروری ۱۹۰۳ء

جواب نمبر ۲۷......: بلاضرورت تو کسی کو برا بھلا کہنا واقعی برا ہے گو وہ شخص برا ہی کیوں نہ ہو لیکن جہاں بندگان خدا کے دین اور عقیدہ کی حفاظت مقصود ہو ایسے وقت واجب ہے کہ جس شخص کی وجہ سے دین میں فتنہ ہوتا ہو اس کی غلطیوں کو مسلمانوں پر ظاہر کرے البتہ سب وشتم فضول حرکت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "وَلَاتُجَادِلُوْٓا اَھْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ. العنکبوت آیت ٤٦" پھر اللہ فرماتے ہیں: " وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ. اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ. بنی اسرائیل آیت ٥٣"

اب ہم اس مقام پر مناسب سمجھتے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے بعض اقوال مع حوالہ نقل کریں۔ ناظرین اگر اہل علم وفہم ہیں تو خود ورنہ علماء محققین کے روبرو ان کو پیش کر کے تحقیق کر لیں کہ ایسے اقوال کا شریعت میں کیا اثر اور قائل کا کیا حکم ہے؟۔

قول اول:

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمد ہے

(دافع البلاص ۲۰' خزائن ص ۲۴۰ ج ۱۸' مؤلفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

قول دوم: مشتمل بر چند قول ازالہ اوہام ص ۳۰۸' خزائن ص ۲۵۷' ۲۵۸ ج ۳:

اب یہ بات قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت مسیح بن مریم باذن وحکم الٰہی الیسع نبی کی طرح اس عمل التراب میں کمال رکھتے تھے۔ گو الیسع کے درجہ کاملہ سے کم رہے تھے.......... اگر یہ عاجز اس عمل التراب کو مکروہ اور قابل نفرت نہ سمجھتا تو خدائے تعالیٰ کے فضل و توفیق سے امید قوی رکھتا تھا کہ ان اعجوبہ نمائیوں میں حضرت مسیح ابن مریم سے کم نہ تھا.......... جو شخص اپنے تئیں اس مشغولی میں ڈالے اور جسمانی مرضوں کی رفع دفع کرنے کے لئے اپنی دلی و دماغی طاقتوں کو خرچ کرتا رہے وہ اپنی ان روحانی تاثیروں میں جو روح پر اثر ڈال کر روحانی بیماریوں کو دور کرتی ہیں بہت ضعیف اور نکما ہو جاتا ہے اور امر تنویر باطن اور تزکیہ نفوس کا جو اصل مقصد ہے اس کے ہاتھ سے بہت کم انجام پذیر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گو حضرت مسیح جسمانی بیماریوں کو اس عمل کے ذریعہ سے اچھا کرتے رہے مگر ہدایت اور توحید اور دینی استقامتوں کی کامل طور پر دلوں میں قائم کرنے کے بارہ میں ان کی کارروائیوں کا نمبر ایسا کم درجہ کا رہا کہ قریب قریب ناکام کے رہے۔ حالانکہ مرزا غلام احمد قادیانی نے ازالہ اوہام ص ۳، خزائن ص ۱۰۴ ج ۳ پر لکھا ہے کہ: "میں سچ سچ کہتا ہوں کہ مسیح کے ہاتھ سے زندہ ہونے والے مر گئے مگر جو شخص میرے ہاتھ سے جام پئے گا جو مجھے دیا گیا ہے وہ ہرگز نہیں مرے گا۔" اور بھی اس قسم کے اقوال ہیں جو ان کے اور ان کے مقابلین کے تالیفات میں نظر پڑتی ہیں۔ اللھم اعذنا من کل قول وعمل لا یرضیک ۔

قول مرزا نمبر ۲۸ ......: حضرت الیاس یعنی ادریس علیہ السلام کے نزول کا صحیح حوالہ تحریر فرمائیں۔

جواب نمبر ۲۸ ......: چونکہ ہمارا مدار استدلال نہیں اس لئے کچھ حاجت نہیں۔

قول مرزا نمبر ۲۹ ......: اور حضرت عزیر علیہ السلام کے دوبارہ شہر میں آنے کا اور توریت اور ان سے پھر کہنے یا صحیح کرنے کا قصہ جو مشہور ہے اس کا پتہ صحیح کیا ہے۔

جواب نمبر ۲۹...... : قرآن مجید میں بعد قصہ مناظرہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کے ایک قصہ مذکور ہے جس میں صاحب قصہ کا مر جانا پھر بعد سو برس کے زندہ ہونا صراحۃً مذکور ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ صاحب قصہ حضرت عزیر علیہ السلام ہیں۔ غرض صاحب قصہ کوئی ہو حیات بعد موت ثابت ہے اور حفظ توریت وغیرہ کے قصہ کی تحقیق کی حاجت نہیں۔

قول مرزا نمبر ۳۰...... : اگر کسی مردہ کا زندہ ہونا کسی اولیاء اللہ سے بصحت کتاب معتبر ہو تو تحریر فرمائیں۔

جواب نمبر ۳۰...... : کچھ حاجت نہیں: "تمت الجوابات والحمد لله الذی بنعمة تتم الصاحات ۰"

خاتمہ مفیدہ جس میں خلاصہ اختلاف مرزا قادیانی و جمہور مسلمین کا بیان ہے

جاننا چاہئیے کہ جمہور اہل اسلام کا عقیدہ مشترکہ اس باب میں صرف اس قدر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مع الجسم مرفوع الی السماء ہوئے اور پھر مع الجسم آسمان سے نزول فرمائیں گے۔ مثل دیگر اموات کے میت و مقبور نہیں ہوئے۔ اب اس رفع و نزول کے درمیان کی حالت کو کوئی شخص خواہ حیات کہے یا موت کہے یا حیات بعد الموت کہے اس کو اختیار ہے کوئی شق اصل مدعا میں قادح نہیں۔ اس بنا پر اگر آیات متضمنہ لفظ توفی و خلت وغیرہا کو معنی موت پر بھی محمول کر لیا جائے تو مدعائے مذکور میں مضر نہیں۔ چنانچہ چند جگہ ضمن اجوبہ اسولہ میں اس کا مذکور ہو چکا ہے۔ اس حالت کو یا اصطلاحاً موت کہا جائے گا یا تشبیہاً جیسا بعض مفسرین نے توفی کے معنی میں لکھا ہے: "السابع انی متوفیك ای اجعلك كالمتوفی لانه اذا رفع الی السماء وانقطع خبره عن الارض كان

کاالمتوفی ۔ کبیر'' اور حاصل دعوٰی مرزا غلام احمد قادیانی کا دو امر ہیں۔ ایک دعوٰی مسیح ہونے کا۔ دوسرا دعوٰی مہدی ہونے کا۔ اور ان دنوں دعوؤں پر دو دلیلیں قائم کرتے ہیں۔ ایک تفصیلی، دوسری اجمالی۔ تفصیلی دلیل دونوں دعوؤں پر جدا جدا اس طرح ہے کہ دعوٰی اولیٰ کی بنا پر مقدمات ہیں۔

نمبر ۱...... : حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہو گیا۔

نمبر ۲...... :بعد وفات پھر کوئی زندہ نہیں ہو سکتا۔

نمبر ۳...... : پس احادیث نزول میں عیسیٰ مجازی مراد ہے اور وہ میں ہوں۔

میں کہتا ہوں کہ مقدمہ اولیٰ میں اگر وفات سے مراد مع دفن الجسم فی الارض ہے تو بوجہ مخالف ہونے ظواہر آیات و نصوص حدیث و محکم اجماع کے غلط ہے۔ جیسا بضمن اجوبہ مذکور بیان کیا گیا ہے اور اگر مطلق وفات ہے تو مضر نہیں، کیونکہ مطلق وفات اور رفع الجسم الی السماء مین منافات نہیں جیسا اوپر ذکر ہو چکا اور مقدمہ ثانیہ میں اگر مراد امتناع سے امتناع عادی ہے تو جمہور کو مضر نہیں کیونکہ دلائل یقینیہ سے وقوع خوارق عادات کا ثابت ہے اور اگر امتناع عقلی یا شرعی ہے تو غلط ہے یہ بھی ضمن اجوبہ میں گذر چکا ہے۔ مقدمہ ثالثہ مبنی ہے پہلے دو مقدموں پر، ان کے انہدام سے یہ بھی منہدم ہو گیا۔ پھر علی سبیل التنزیل کہا جاتا ہے کہ اگر بفرض محال عیسیٰ مجازی ہی مراد لیا جائے تب بھی تعیین مدعا کی کیا دلیل ہے کہ میں ہی ہوں ممکن ہے کہ کوئی اور شخص ہو۔ رہا تشابہ صفات کا سو ایسی تاویلات بعیدہ سے تو سینکڑوں آدمی مرزا غلام احمد قادیانی سے بڑھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مشارکت صفاتی رکھنے والے نکل سکتے ہیں اور اگر تعین پر بعض مکاشفات سے استدلال کیا جائے جیسا کہ تحفہ گولڑویہ میں نقل کیا ہے تو بعد تسلیم صحت روایت اور ان صاحبوں کے صاحب کشف صحیح ہونے اور اس کشف میں غلطی نہ ہونے کے ان مکاشفات کو بوجہ مخالف دلائل شرعیہ کے تاویلات مناسب سے ماؤل کیا جائے گا۔ رہا دوسرا دعوٰی اس کی بنا دو مقدموں پر ہے۔

نمبر ۱ ...... : مہدی و عیسیٰ ایک ہیں۔

نمبر ۲ ...... : میں مسیح ہوں نتیجہ نکلا کہ میں ہی مہدی ہوں۔

میں کہتا ہوں کہ مقدمہ ثانیہ میں دعویٰ اولیٰ ہے جس کا ابطال ابھی ہو چکا ہے اور مقدمہ اولیٰ اس لئے صحیح نہیں کہ احادیث سے صاف دونوں کا جدا جدا ہونا صریحاً ثابت ہوتا ہے اور تاویل حدیث کی اوپر مذکور ہو چکی اور اگر نفی تغائر میں المسیح والمہدی کے لئے احادیث وارد فی حق المہدی کا انکار کیا جائے جیسا بعضوں کو مقدمہ ابن خلدون سے شبہ پڑ گیا ہے تو اس کے جواب میں احقر کی ایک تحریر ملاحظہ فرمائی جائے جس کو مہتمم مطبع آسی، مدراسی لکھنو اپنے جریدہ الیبان میں شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ غرض کہ جب یہ دونوں مقدمے بھی ثابت نہ ہوئے دوسرا مدعا بھی ثابت نہ ہوا' اور اگر اجتماع کسوف و خسوف سے ماہ رمضان میں جو کئی سال ہوئے واقع ہوا تھا اس مدعا میں سہارا ڈھونڈھا جائے' تو اول تو اس میں یہی کلام ہو سکتا ہے کہ تعین کی کیا دلیل ہے ممکن ہے کہ یہ علامت قرب خروج مہدی اصلی کی ہو اور وہ بعد چندے متحقق ہو جائے دوسرے یہ کہ حدیث میں جس کیفیت سے خسوف و کسوف کے اجتماع کی خبر آئی ہے بعد قطع نظر ضعف حدیث کے وہ اجتماع ابھی واقع بھی نہیں ہوا۔ دار قطنی میں وہ حدیث یوں مروی ہے :

"روی الدار قطنی من طریق عمرو بن شمر عن جابر عن محمد عن علیٰ قال ان لمہدینا آیتین لم یکونا منذ خلق اللّٰه السمٰوٰت والارض تنکسف القمر لاول لیلة من رمضان وتنکسف الشمس فی النصف منه ولم یکونا منه خلق اللّٰه السمٰوٰت والارض ۔ صفحہ ۱۸۸"

یعنی رمضان کی پہلی تاریخ چاند گہن ہوگا اور نصف ماہ پر سورج گہن ہوگا۔ حاصل یہ کہ دونوں خلاف قاعدہ ہیت ہوں گے۔ اور جو کسوف و خسوف رمضان میں ہو چکا ہے وہ قواعد ہیت کے موافق تھا اور اس حدیث دار قطنی میں یہ تاویل کہ اول لیلہ سے مراد اول تواریخ خسوف قمر ہے نہ خود اول تاریخ رمضان کی' اس تاویل کو خود الفاظ حدیث "لاول

"لیلة من رمضان" صراحةً رد کرتے ہیں کیونکہ عبارۃ مذکور کا ترجمہ: ﴿یعنی رمضان کی اول شب﴾ جو شخص سنے گا وہ یقیناً اس تاویل کو باطل سمجھے گا اور تاویل مذکور پر اس سے استناد کرنا کہ پہلی شب کے چاند کو قمر نہیں کہہ سکتے محض ضعیف ہے بعد قیام قرینہ تعذر معنی حقیقی کے استعمال فی المعنی المجازی کے امتناع کی کیا دلیل ہے؟ اور قرینہ یہاں وہی حدیث کی عبارۃ مذکور ہے جیسا ابھی بیان ہوا ہے اور خود قرآن مجید مین بالمعنی العام وارد ہے: "قال تعالیٰ والقمر قدرناہ منازل حتیٰ عاد کالعرجون القدیم." دوسری جگہ فرمایا ہے: "وقدر منازل لتعلمو اعدادالسنین والحساب." اور ظاہر اور یقینی ہے کہ سیر منازل کا آلہ حساب بن جانا اول ہی شب سے شروع ہو جاتا ہے۔ باوجود اس کے پھر اس حالت میں بھی اس کو قمر ہی کہا گیا، زمخشری کہ لغت و عربیت میں مسلم و ماہر ہیں تفسیر میں لکھتے ہیں: "وھی ثمانیة وعشرون منزلا ینزل القمر کل لیلة فی واحد منھا لایتخطاہ ولایتقاصرعنہ علی تقدیر مستولا یتفاوت یسیر فیھا من لیلة المستھل الی الثمانیة والعشرین ثم یستر لیلیتین اولیلة اذا نقص الشھر." اس میں لیلۃ المستھل کی تصریح اس عموم کی مؤید ہو رہی ہے۔ اس طرح حدیث مذکور میں احتمال قرب ظہور پر یہ استبعاد کہ علامت تواب ہو اور ذی علامت ایک صدی بعد ہو اور اس احتمال کو بے مزگی قرار دینا بھی عجیب ہے، اولاً ایک صدی کا فصل لازم نہیں آتا ممکن ہے کہ اسی صدی میں اس کا وقوع ہو جائے، رہا صدی کے شروع پر ہونا سو اول تو اس پر کوئی حجۃ قویہ نہیں دوسری نصف سے پہلے پہلے شروع ہی کے حکم میں ہے ثانیاً اگر اس سے زیادہ بھی فصل ہو تو مضر نہیں اور علامت ہونے میں مخل نہیں، احادیث میں قیامت کی جو علامات آئی ہیں اس میں بہت سی علامتین گذر چکیں اور قیامت ابتک بھی نہیں آئی چنانچہ اہل علم پر مخفی نہیں، اب بعد تقریر عدم الاثبات کے اثبات العدم کے لئے کہتا ہوں کہ جو شخص خالی الذہن ہو کر ان احادیث کو جو حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت مہدی علیہ السلام کی شان میں وارد ہیں یا اگر اصل احایث نہ سمجھ سکے تو ترجمہ مشکوۃ میں ان ابواب کو فہرست میں صفحہ دیکھ کر نکال کر ترجمہ ان کا دیکھے گا وہ یقین کے ساتھ سمجھ لے گا اور اس کے نزدیک کالمعائنہ

متیقن ہو جائے گا کہ ابھی تک ان صفات وعلامت کا مصداق ظاہر ہیں ہوا اور کھینچ تان کر کے کسی کا مصداق بنجانا یا بنا دینا تو تمام شریعت مطہرہ سے امن واطمینان اٹھائے دیتا ہے کیونکہ اس قسم کے احتمالات تو نصوص صلوٰۃ وزکوٰۃ میں بھی پیدا ہو سکتے ہیں اور ملاحدہ نے نکالی بھی ہیں پھر کوئی وجہ نہیں کہ اعمال میں تو ان احتمالات کو فاسد باطل قرار دیا جائے اور عقاید میں ان کو صحیح وحق سمجھا جاوے۔ مقتضاتدین و تقویٰ کا تو یہ ہے کہ غرض نفسانی وہوا پرستی کو چھوڑ کر نظر حق طلبی سے کتاب وسنت کو دیکھ کر عقائد واعمال میں ان کا اتباع کیا جائے۔ ورنہ غلبہ ہوائے نفسانی سے حق ہر گز واضح نہیں ہوتا۔ اسپر حضرت مولانا رومیؒ کے چند اشعار یاد آتے ہیں :

تازہ کن ایمان نہ از گفت زبان
اے ہوا را تازہ کردہ درنہان
تاہوا تازہ است ایمان تازہ نیست
چون ہوا جز قفل آن دروازہ نیست
کردہ تاویل حرف بکررا
خویش راتاویل کن نے ذکرا
برہوا تاویل قرآن مے کنی
پست وکزشد ازتو تو معنی سنی
ماند احوالت بدان طرفہ مگس
کوہمی پنداشت خودرا ہست کس
از خودی سرمست گشتہ بے شراب
ذرہ خودرا شمردہ آفتاب
وصف بازان راشنیدہ درزمان
گفت من عنقائے وقتم بیگمان

آن مگس بربرگ کاہ وبول خر
ہمچو کشتیباں ہمی افراشت فر
گفت من کشتی ودریا خواندہ ام
مدتے درفکرآن مے ماندہ ام
اینک ابن دریا واین کشتی ومن
مرد کشتیبان واہل رائے دفن
برسر دریا ہمیراند اوعمد
مے نمودش اینقدر بیرون زحد
بود بیحدآن چیمن نسبت بدو
آن نظر کو بیند اورارا ست کو
عالمش چندان بود کش بنیش ست
چشم چندین بحرہم چندنیش ست
صاحب تاویل باطل چون مگس
وہم اوبول خر وتصویر خس
گرمگس تاویل بگذارد برائے
آن مگس رابخت گرداند ہمائے
آن مگس نبود کش این غیرت بود
روح ادنی در خور صورت بود

یہ کلام تو تھا ان کی تفصیلی دلیل میں اور اجمالی دلیل اپنے سب دعووں پر یہ پیش فرماتے ہیں کہ اگر میں (مرزا قادیانی) کاذب ہوتا تو اب تک ہلاک کر دیا جاتا اور اس باب میں اس آیت سے استدلال کرتے ہیں: ”وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۰ لَاَ خَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۰ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۰ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ ۰ الحآقه آیت ٤٧“ میں کہتا ہوں کہ اس آیت میں اگر مراد مطلق تقول ہے تو

تمام کفار اپنے کفر و شرک میں متقول علی اللہ ہیں چنانچہ ظاہر ہے اور قرآن مجید میں بھی ان کو متقول علی اللہ کہا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ :" وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَ نَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَايَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَالَاتَعْلَمُوْنَ ۰ الاعراف آیت ۲۸" جیسے کہ اور آیات میں بھی ہے کہ حالانکہ بہتیرے ان میں ہلاک نہیں ہوتے بلکہ ان کی شان میں جابجا اس قسم کی آئتیں فرمائی گئیں ہیں :" سَنَسْتَدْ رِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَايَعْلَمُوْنَ ۰ وَاُمْلِىْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِىْ مَتِيْنٌ ۰ قلم آیت ٤٥" اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا :" قُلْ مَنْ كَانَ فِى الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ ۰ مریم آیت ۷۵" پس یہ تو یقیناً ثابت ہو گیا کہ مطلق تقول مراد نہیں کوئی خاص تقول ہے پھر یہ کہ وہ خاص کیا ہے ؟ سو ظاہر یہ ہے کہ جس دعویٰ کے باب میں یہ آیت آئی ہے یعنی نبوت کا دعویٰ جو حضور نے کیا اور جس حالت میں یہ نازل ہوئی ہے یعنی اوسوقت شرائع کی تکمیل نہ ہوئی تھی اور اس لئے دلائل شرعیہ سے ایسے امور میں اتمام حجۃ نہ ہو سکتی تھی ویسا ہی دعویٰ اور اسی حالت کا مراد ہے پس حاصل آیت کا یہ ہوا کہ جو شخص ایسے وقت میں کہ اور حجج شرعیہ سے لوگوں کا التباس رفع نہ ہو سکے نبوت بالمعنی الشرعی کا دعویٰ کرے وہ بمقتضائے حکمت ورحمت خداوندی کہ خلق گمراہ نہو ضرور ہلاک کیا جاوے گا۔ سو اب اگر کوئی شخص تقول کرے اول تو وہ نبوت کا دعویٰ نہیں اور اگر بالفرض کوئی ایسا بھی کرے تو بوجہ تکمیل اصول فروغ شرعیہ کے اس پر بھی احتجاج ہو سکتا ہے' اور لوگوں کو بھی بوجہ وضوح دلائل شرعیہ کے التباس واشتباہ واقع نہیں ہو سکتا۔ پس ایسا تقول مستلزم اہلاک نہیں ہے جب اہلاک لازم ہی نہیں تو اس کی نفی سے تقول کے نفی پر استدلال کرنا باطل ہے پس یہ اجمالی دلیل بھی باطل ہو گئی۔ یہ ملخص ہے مکالمہ فمابین مرزا غلام احمد قادیانی و جمہور کا۔ احقر کے نزدیک منشاء ان کے خیالات کا فساد قوۃ متخیلہ ہے جو اس باب میں ہو گیا ہے جس کا سبب گاہے طول خلوت بھی ہو جاتا ہے اور گاہے اس میں کچھ کشف بھی ہونے لگتا ہے جیسا شرح اسباب وغیرہ میں مذکور ہے۔ اگر اس سے زیادہ تفصیل دیکھنے کا شوق ہو تو دوسرے اہل علم کی تصانیف جو اس باب میں لکھی گئی ہیں جیسے سیف چشتیائی وعصائے موسیٰ وصحیفہ الولا

ورد الشبہات وغیرہا ان کا مطالعہ کیا جاوے اور امید تو اللہ سے یہ ہے کہ طالب حق و تابع انصاف کے لئے یہ مختصر اوراق ہی انشاء اللہ تعالیٰ کافی شافی ہیں اور سخن پرور کے کئے تو ہزاروں دفتر بھی غیر وافی ہیں ولیکن :ہذا آخر ماارونا ایرادہ وکان ہذا التحریرو تمامه فی یوم عرفه من ١٣٢٠ھ وجمع اسبابه الضروية قبله بیوم فی یوم الترویة وصلی الله تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وآله واصحابه اجمعین تمت•

حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کے ارشادات

☆……☆…… قادیانیوں کا حکم مرتد کا ہے۔ مرتد مرد یا عورت سے نکاح نہیں ہوتا۔ اس لئے قادیانی لڑکی سے جو اولاد ہوگی وہ ولد الحرام ہوگی۔

☆……☆…… مرزا قادیانی کے بلند بانگ مگر بے لغو دعوے "مراق" کا کرشمہ ہے۔

☆……☆…… وہ وکلاء جنہوں نے دین محمدی ﷺ کے خلاف قادیانیوں کی وکالت کی قیامت کے دن مرزا غلام احمد قادیانی کے کیمپ میں ہوں گے۔

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

قائد قادیان

حکیم الامت

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!

تعارف

الحمدللہ وکفٰی وسلام علیٰ خاتم الانبیاء ۰ اما بعد!

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی گرانقدر تصنیف ''قائد قادیان'' ۲۲ شوال ۱۳۳۸ھ کی ہے۔ اس کی پہلی فصل میں مرزا قادیانی ملعون کے اقوال نقل کر کے اس کا رد کیا گیا ہے جو اہل علم کے لئے ایک علمی تحفہ ہے۔ اس میں مرزا قادیانی ملعون کے ۱۲۵ اقوال کا رد لکھا گیا ہے۔ مرزا قادیانی کے اقوال ودعاوی کی تردید کے بعد اسی فصل اول کا ضمیمہ تحریر فرمایا ہے جس میں مرزا قادیانی کے علم واعمال واخلاق کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ فصل ثانی میں رد قادیانیت کی کتب کی فہرست بمع مختصر تعارف کے نقل فرمائی۔ حیات مسیح پر لکھے گئے رسائل کا علیحدہ تعارف تحریر فرمایا ہے اور آخر میں مونگیر سے شائع شدہ رسالہ ''جماعت احمدیہ سے خیر خواہانہ گزارش اور مسیح قادیان کی حالت کا بیان'' کو بطور ضمیمہ اپنی کتاب کا حصہ بنادیا ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی یہ تصنیف لطیف رسالہ النور تھانہ بھون میں قسط وار شائع ہوئی۔ ۸۴ سال بعد ''النور'' سے پہلی بار اسے کتابی شکل میں شائع کرنے پر جتنی خوشی ہو رہی ہے اس کی کیفیت قلم سے بیان کرنا ممکن نہیں۔

فقیر اللہ وسایا

۷/۶/۱۴۲۲ھ

۲۷/۸/۲۰۰۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد الحمد والصلوٰۃ!

قادیان ایک گاؤں کا نام ہے ضلع گورداسپور پنجاب ہندوستان میں۔ اس رسالہ میں اس گاؤں کے ایک قائد یعنی پیشوا کی حالت باطلہ کا بقدر ضرورت بطور نمونہ بہیئت رسالہ انموذج کے تذکرہ ہے جس سے ناظرین کافی تبصرہ حاصل کر کے اپنے دین کی حفاظت کر سکیں: "والرسالة مشتملة على ثلثة فصول. شرفنا الله تعالىٰ بالنفع والقبول." (کتبہ اشرف علی ۲۲ شوال ۱۳۳۸ھ)

فصل اول در فہرست بعضے اکاذیب واباطیل قادیانی کہ بعضے از انہا بدرجہ کفر رسیدہ است: "اعاذنا الله تعالىٰ منهما."

قول مرزا نمبر ۱...... : "لیکن ضرور تھا کہ قرآن واحادیث کی وہ پیشین گوئیاں پوری ہوتیں جن میں لکھا تھا کہ مسیح موعود جب ظاہر ہوگا تو علماء اسلامی کے ہاتھ سے دکھ اٹھائے گا وہ اس کو کافر قرار دیں گے اور اس کے قتل کے لئے فتوے دیئے جائیں گے اور اس کی سخت توہین کی جائے گی اور اس کو دائرہ اسلام سے خارج اور دین کا تباہ کرنے والا خیال کیا جائے گا۔"

(اربعین نمبر ۳ ص ۱۷، خزائن ص ۴۰۴ ج ۱۷)

کیفیت قول...... : قرآن مجید کی کسی آیت یا کسی حدیث میں یہ مضمون نہیں محض افتراء علی اللہ والرسول ہے۔

قول مرزا نمبر ۲...... : "مولوی غلام دستگیر قصوری نے اور مولوی اسماعیل

علی گڑھ والے نے میری نسبت قطعی حکم لگایا کہ اگر وہ کاذب ہے تو ہم سے پہلے مرے گا اور ضرور ہم سے پہلے مرے گا کیونکہ کاذب ہے مگر جب ان تالیفات کو دنیا میں شائع کر چکے تو پھر بہت جلد آپ ہی مر گئے اور اس طرح پر ان کی موت نے فیصلہ کر دیا کہ کاذب کون تھا۔"

(اربعین نمبر ۳ ص ۹، خزائن ص ۳۹۴ ج ۱۷)

کیفیت قول...... : مرزائیوں کو چیلنج دیا گیا کہ ان کی کتابوں میں یہ مضمون دکھا دیں مگر کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ (صحیفہ رحمانیہ نمبر ۲ ص ۳)

قول مرزا نمبر ۳...... : "جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کی امت میں سلسلہ نبوت جاری رہا۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کی امت میں بھی سلسلہ نبوت جاری رہے گا۔" (نور الدین ص ۱۲۰ ملخص)

کیفیت قول...... : حدیث: "لا نبی بعدی." ونص خاتم النبیین سے اس کا بطلان ظاہر ہے۔

قول مرزا نمبر ۴...... : "توفی کو موت ہی کے معنی میں منحصر سمجھنا۔"

کیفیت قول...... : تفسیر کبیر میں ہے کہ توفی جنس ہے۔ اس کے تحت میں انواع ہیں۔ موت اور آسمان پر اٹھایا جانا، رافعک الی فرمانا تعیین نوع کی ہے۔ اس میں تکرار نہیں۔ صحیفہ رحمانیہ نمبر ۲ ص ۳ خود قرآن مجید کی آیت: "وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ. الانعام آیت ۶۰" میں اس کے معنے سلا دینا ہے۔ خود مرزا غلام احمد قادیانی (ازالہ اوہام ص ۶۴۰ خزائن ص ۴۴۵ ج ۳) میں لکھتا ہے کہ: "مات کے معنے لغت میں نام کے ہیں۔"

آیت کا یہ مطلب ہوا کہ میں آپ کو سلا دینے والا ہوں پھر اپنی طرف اٹھا لینے والا ہوں۔ چنانچہ خازن میں ہے کہ نیند کی حالت میں اٹھا لیا تاکہ خوف لاحق نہ ہو، صحیفہ نمبر ۲ ص ۵، ۶ اور یہ بات کہ کثرت سے جس معنی میں ہو ہر جگہ اس پر محمول کریں گے خود ہی قاعدہ

غلط ہے۔ اصحاب النار کا لفظ قرآن میں بکثرت معذبین بالنار کے معنی میں ہے۔ مگر سورہ مدثر میں ملائکہ کو اصحاب النار کہا گیا ہے جہاں یہ معنے نہیں ہیں۔

قول مرزا نمبر ۵...... : ”حضرت ابن عباسؓ نے متوفی کی تفسیر ممیت فرمائی ہے۔“

کیفیت قول...... : درمنثور میں بروایت صحیح حضرت ابن عباسؓ سے ثابت ہے کہ اس آیت میں تقدیم و تاخیر کے قائل ہیں۔ آپ فرماتے ہیں : ” رافعك الی ثم متوفيك فی آخر الزمان ۰“ (صحیفہ رحمانیہ نمبر ۲ ص ۵)

قول مرزا نمبر ۶...... : ”خدا نے اس امت میں مسیح موعود بھیجا جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے۔“ (دافع البلاء ص ۱۳، خزائن ص ۲۳۳ ج ۱۸) پھر اسی رسالہ (دافع البلاء ص ۴، خزائن ص ۲۲۰ ج ۱۸) پر لکھتے ہیں : ”بلکہ یحییٰ نبی کو اس پر ایک فضیلت ہے کیونکہ وہ شراب نہیں پیتا تھا اور کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے آکر اپنی کمائی کے مال سے اس کے سر پر عطر ملا تھا یا ہاتھوں اور اپنے سر کے بالوں سے اس کے بدن کو چھوا تھا یا کوئی بے تعلق جوان عورت اس کی خدمت کرتی تھی اسی وجہ سے خدا نے قرآن میں یحییٰ کا نام حصور رکھا مگر مسیح کا یہ نام نہ رکھا کیونکہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے۔“

کیفیت قول...... : اس میں حضرت مسیح علیہ السلام کی سخت اہانت ہے کہ ان کو پاک دامن نہ سمجھا اور یہ کفر ہے۔

قول مرزا نمبر ۷...... : ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ہے۔ (حقیقت الوحی ص ۱۶۳، خزائن ص ۱۶۷ ج ۲۲) اسی صفحہ میں ہے علاوہ اس کے : ”جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا۔“

کیفیت قول ...... : یہ بالکل نبوت مستقلہ کا دعویٰ ہے۔ پس توجیہ ظلی اور بروزی کی محض آڑ اور تلبیس ہے۔

قول مرزا نمبر ۸ ...... : "قرآن مجید کے وہی معنی لائق اعتبار ہیں جو میں بیان کروں اور حدیث وہی لائق اعتبار ہے جسے میں صحیح کہہ دوں ورنہ ردی میں پھینک دینے کے لائق ہے۔ حاشیہ میں ہے کہ حدیث کا ردی کی طرح پھینکنا اور غیر معتبر ہونا رسالہ اعجاز احمدی کے ص ۳۰، ۳۱، خزائن ص ۱۴۰ ج ۱۹، ضمیمہ تحفہ گولڑویہ حاشیہ ص ۱۰، خزائن ص ۵۱ ج ۱۷ میں مرقوم ہے۔"

کیفیت قول ...... : کتنا بڑا باطل اور بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل دعویٰ ہے۔ کیا بجز صاحب وحی کے ایسا دعویٰ کوئی کر سکتا ہے؟۔ پس ایسا مدعی، وحی قطعی کا مدعی ہے۔

قول مرزا نمبر ۹ ...... : "(مرزا غلام احمد قادیانی) کہتے ہیں کہ میرے انکار سے کافر ہو جاتا ہے۔"

(حقیقت الوحی ص ۱۶۳، خزائن ص ۱۶۷ ج ۲۲)

کیفیت قول ...... : یہ بالکل نبوت مستقلہ کا دعویٰ ہے۔

قول مرزا نمبر ۱۰ ...... : "خدا نے مجھے اطلاع دی ہے کہ تمہارے پر حرام ہے اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکفر اور یا مکذب اور متردد کے پیچھے نماز پڑھو بلکہ تمہارا وہی امام ہو جو تم میں سے ہو۔"

(حاشیہ اربعین ۳ ص ۲۸، خزائن ص ۴۱۷ ج ۱۷)

قول مرزا نمبر ۱۱ ...... : "سوال ہوا کہ اگر کسی جگہ امام نماز، حضور کے حالات سے واقف نہیں تو اس کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں؟۔ فرمایا پہلے تمہارا فرض ہے کہ اسے واقف کرو پھر اگر تصدیق کرے تو بہتر ورنہ اس کے پیچھے اپنی نماز ضائع نہ کرو اور اگر کوئی خاموش رہے نہ تصدیق کرے نہ تکذیب تو وہ بھی منافق ہے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔"

(فتاویٰ احمدیہ ج ۱ ص ۸۲)

کیفیت قول...... : نماز ہر مسلمان کے پیچھے درست ہے تو پھر غیر احمدی کے پیچھے نماز نہ پڑھنا اس کو کافر سمجھنا ہے۔

قول مرزا نمبر ۱۲...... : "دعویٰ نبوت کے متعلق مرزا غلام احمد قادیانی کے بعض الہامات واقوال :

(۱)............ " انا ارسلنا الیکم رسولا شاہدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا ."
(حقیقت الوحی ص ۱۰۱، خزائن ص ۱۰۵ ج ۲۲)

(۲)............ " یٰسین انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم . تنزیل العزیز الرحیم ."
(حقیقت الوحی ص ۱۰۷، خزائن ۱۱۰ ج ۲۲)

(۳)............ " انا ارسلنا احمد الی قومه فاعرضوا و تالوا کذاب اشر ."
(اربعین نمبر ۲ ص ۳۶، خزائن ص ۳۸۴ ج ۱۷)

(۴)............ " فکلمنی و نادانی و قال انی مرسلك الی قوم مفسدین وانی جاعلك للناس اماما . وانی مستخلفك اکراما . کماجرت سنتی فی الاولین ."
(انجام آتھم ص ۷۹، خزائن ص ۷۹ ج ۱۱)

(۵)............ "الہامات میں میری نسبت بارہا بیان کیا گیا ہے کہ یہ خدا کا فرستادہ خدا کا مامور خدا کا امین اور خدا کی طرف سے آیا ہے جو کچھ کہتا ہے اس پر ایمان لاؤ اور اس کا دشمن جہنمی ہے۔"
(انجام آتھم ص ۶۲، خزائن ص ۶۲ ج ۱۱)

(۶)............ "سچا خدا وہی خدا ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔"
(دافع البلاء ص ۱۱، خزائن ص ۲۳۱ ج ۱۸)

(۷)............ "تیسری بات جو اس وحی سے ثابت ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ بہر حال جب تک کہ طاعون دنیا میں رہے، گو ستر برس تک رہے قادیان کو اس کی خوفناک تباہی سے محفوظ رکھے گا کیونکہ یہ اس کے رسول کا تخت گاہ ہے۔"
(دافع البلاء ص ۱۰، خزائن ص ۲۳۰ ج ۱۸)

(۸)............ ’’مجھے بتلایا گیا تھا کہ تیری خبر قرآن وحدیث میں موجود ہے اور تو ہی اس آیت کا مصداق ہے کہ: ’’هوالذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله.‘‘ (اعجاز احمدی ص ۱۷، خزائن ۱۱۳ ج ۱۹)

(۹)............ ’’خدا وہ خدا ہے جس نے اپنے رسول یعنی اس عاجز کو ہدایت اور دین حق اور تہذیب اخلاق کے ساتھ بھیجا۔‘‘ (اربعین نمبر ۳ ص ۳۶، خزائن ۴۲۶ ج ۱۷)

(۱۰)............ ’’سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر و نہی بیان کئے اور اپنی امت کے لئے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب شریعت ہو گیا۔ پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہیں اور نہی بھی۔‘‘ (اربعین نمبر ۴ ص ۶، خزائن ص ۴۳۵ ج ۱۷)

کیفیت قول...... : ان سب اقوال میں رسالت کا دعویٰ ہے جو صریح آیت ختم نبوت کے خلاف ہے۔ اور بعض میں رسالت مستقلہ تشریعیہ کا دعویٰ جو تاویل ظلیت اور بروزیت کو باطل کرتا ہے جیسے قول ۹، ۱۰ میں ہے اور بعض میں مزید تحریف بھی ہے جیسے قول ۸ میں ہے کہ بجائے رسول اللہ ﷺ کے خود کو مصداق بتایا ہے اور چونکہ قول ۷ کی تکذیب قادیان میں طاعون کے آجانے سے ہو گئی۔ چنانچہ ۱۹۰۴ء میں قادیان میں طاعون آیا اور ۲۸۰۰ کی آبادی میں سے ۳۱۴ مرے جن میں ان کے خاص مرید عبدالکریم سیالکوٹی بھی تھے اور صدق لوازم رسالت ووحی سے ہے اور لازم کی نفی سے ملزوم کا انتفاء یقینی ہے تو علاوہ نصوص شرعیہ کے خود ان کا یہ قول بانضمام واقعہ طاعون ان کے کاذب ہونے کی کافی دلیل ہے۔ اور اگر طاعون کی پیشین گوئی میں کوئی قید ہے جو معلوم نہیں تو پھر توسیع مکان کے لئے چندہ کیوں مانگا۔ ممکن ہے کہ اس مکان میں رہنے کے بعد بھی اس وجہ غیر معلوم سے مبتلائے طاعون ہو تو چندہ بھی برباد گیا اور یہ صریح دھوکہ ہے کیونکہ دینے والا تو اسی خیال سے دے رہا ہے کہ محفوظ رہیں گے۔ تو چندہ کی ترغیب کے وقت اس کو کیوں نہیں ظاہر کیا۔

قول مرزا نمبر ۱۳......:

(۱)......... "مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسا کہ توریت وانجیل و قرآن کریم پر۔" (اربعین نمبر ۴ ص ۱۹، خزائن ص ۴۵۴ ج ۱۷)

(۲)......... "میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان الہامات پر اسی طرح ایمان لاتا ہوں جیسا کہ قرآن شریف اور خداوند تعالیٰ کی دوسری کتابوں پر اور جس طرح میں قرآن شریف کو یقینی اور قطعی طور پر خدا تعالیٰ کا کلام جانتا ہوں۔ اسی طرح اس کلام کو بھی جو میرے پر نازل ہوتا ہے۔" (حقیقت الوحی ص ۲۱۱، خزائن ص ۲۲۰ ج ۲۲)

(۳)......... "اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گذر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا بس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں۔"

(حقیقت الوحی ص ۳۹۱، خزائن ۴۰۶ ج ۲۲)

(۴)......... "خدا تعالیٰ نے اس امت میں سے مسیح موعود بھیجا جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بڑھ کر ہے مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر مسیح ابن مریم میرے زمانہ میں ہوتا تو وہ کام جو میں کر سکتا ہوں وہ ہرگز نہ کر سکتا اور وہ نشان جو مجھ سے ظاہر ہو رہے ہیں وہ ہرگز نہ دکھلا سکتا۔" (حقیقت الوحی ص ۱۴۸، خزائن ۱۵۲ ج ۲۲)

(۵)......... "اس نے میری تصدیق کے لئے بڑے بڑے نشان ظاہر کئے جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں۔" (تتمہ حقیقت الوحی ص ۶۸، خزائن ص ۵۰۳ ج ۲۲)

"اور رسول اللہ ﷺ سے بقول مرزا صاحب تین ہزار معجزے ظاہر ہوئے۔"

(تحفہ گولڑویہ ص ۶۷، خزائن ص ۱۵۳ ج ۱۷)

(۶)......... "لیکن پھر بھی دو نام دو نبیوں سے کچھ خصوصیت رکھتے ہیں۔ یعنی مہدی کا نام ہمارے نبی ﷺ سے خاص ہے اور مسیح یعنی مؤید بروح القدس کا نام حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کچھ خصوصیت رکھتا ہے...... اور نبیوں کی پیشین گوئیوں میں یہ تھا کہ امام آخر

الزمان میں یہ دونوں صفتیں اکٹھا ہو جائیں گی۔" (اربعین نمبر ۲ ص ۱۲، خزائن ص ۳۵۹، ۳۵۸ ج ۱۷

(۷)............" له خسف القمر المنير وان لی غسا القمرا المشرقان اتنکر." ترجمہ: اس کے لئے (یعنی رسول اللہ ﷺ کے لئے۔ ذرا ترجم ادب قابل لحاظ ہے) چاند کا خسوف ظاہر ہوا اور میرے لئے چاند اور سورج دونوں کا۔ اب ک تو انکار کرے گا۔"

(قصیدہ اعجازیہ اعجاز احمدی ص ۷۱، خزائن ص ۱۸۳ ج ۱۹)

(۸)............" اور ظاہر ہے کہ فتح مبین کا وقت ہمارے نبی کریم کے زمانہ میں گذر گیا اور دوسری فتح باقی رہی کہ پہلے غلبہ سے بہت بڑی اور زیادہ ظاہر ہے اور مقدر تھا کہ اس کا وقت مسیح موعود کا وقت ہو اور اسی کی طرف خدا تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ ہے "سبحان الذی اسریٰ."

(خطبہ الہامیہ ص ۱۹۳، ۱۹۴، خزائن ص ۲۸۸ ج ۱۶)

(۹)............"لولاك لما خلقت الافلاك ."

(استفتاء ص ۸۵ خزائن ص ۲۱۷ ج ۲۲)

(۱۰)............"انما امرك اذا اردت شيأ ان تقول له كن فيكون ."

(حقیقت الوحی ص ۱۰۵، خزائن ۱۰۸ ج ۲۲)

کیفیت قول...... : ان سب اقوال میں مضمون مشترک دعویٰ ہے نبوت مستقلہ قطعیہ کا، جو تاویل بروزیت وظلیت کا مبطل ہے کیونکہ اس تاویل سے ت دوسرے بزرگوں کے لئے بھی ثابت ہو سکتی ہے جس کی نفی قول (۳) میں کی ہے اور قول (۴) میں دعویٰ افضلیت کا ہے حضرت مسیح علیہ السلام سے، جو کہ نبی مستقل ہیں افضل نہیں ہو سکتا اور دعویٰ افضلیت کے ساتھ ان کی تحقیر و تنقیص بھی ہے اور قول (۵) میں رسول اللہ ﷺ پر افضلیت کا دعویٰ ہے اسی طرح قول (۶) میں کہ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ جامع کمالات اپنے کو بتایا ہے اور اس سے بڑھ کر قول (۷) و (۸) و (۹) میں حضور ﷺ پر اس طرح فضیلت کا دعویٰ ہے کہ یہ حدیث حضور ﷺ کے باب میں لفظاً تو غیر ثابت اور معنیً ثابت مگر ظنی اور مرزا غلام احمد قادیانی کے حق میں الہامی جو کہ ان کے نزدیک قطعی ہے کہ ظاہ

ہے کہ فضیلت قطعیہ والا افضل ہو گا فضیلت ظنیہ والے سے' اور سب سے بڑھ کر قول (۱۰) میں تو معراج ترقی انتہا تک پہنچ گئی کہ حق تعالیٰ کی خاص صفت میں شریک ہو گئے اور جو خدا کا مساوی ہو گا وہ نبی کا ظل کیوں ہو گا؟۔

قول مرزا نمبر ۱۴...... :"پھر جب کہ خدا نے اور اس کے رسول نے اور تمام نبیوں نے آخری زمانہ کے مسیح کو اس کے کارناموں کی وجہ سے افضل قرار دیا ہے تو پھر شیطانی وسوسہ ہے کہ یہ کہا جاوے کہ کیوں تم مسیح بن مریم سے اپنے تئیں افضل قرار دیتے ہو۔" (حقیقت الوحی ص ۱۵۵ خزائن ص ۱۵۹ ج ۲۲)

کیفیت قول...... :چونکہ کوئی نائب رسول کسی ادنیٰ نبی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ چہ جائے کہ ایک اولوالعزم رسول سے افضل ہو جاوے تو اس میں صاف نبوت مستقلہ غیر ظلیہ و غیر بروزیہ کا دعویٰ ہے۔

قول مرزا نمبر ۱۵...... :"۱۸۸۸ء کے اشتہار میں لکھتے ہیں کہ ہر ایک روک کے دور کرنے کے بعد انجام کار اس عاجز کے نکاح میں لائے گا۔"

(مجموعہ اشتہارات ج ا ص ۱۵۸)

"خدا تعالیٰ نے .... ظاہر فرمایا کہ احمد بیگ کی دختر کلاں انجام کار۔ تمہارے نکاح میں آئے گی اور .... آخر کار ایسا ہی ہو گا۔" (ازالہ اوہام ص ۳۹۶' خزائن ص ۳۰۵ ج ۳)

مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے کہ ان میں سے وہ پیشین گوئی جو مسلمانوں کی قوم سے تعلق رکھتی ہے بہت ہی عظیم الشان ہے کیونکہ اس کے اجزاء یہ ہیں :

(۱) مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری تین سال کی معیاد کے اندر فوت ہو۔ (۲) اور پھر داماد اس کا جو اس کی دختر کلاں کا شوہر ہے۔ اڑھائی سال کے اندر فوت ہو۔ (۳) اور پھر یہ کہ مرزا احمد بیگ تا روز شادی دختر کلاں فوت نہ ہو۔ (۴) اور پھر یہ کہ وہ دختر بھی تا نکاح اور تا ایام بیوہ ہونے اور نکاح ثانی کے فوت نہ ہو۔ (۵) اور پھر یہ کہ عاجز بھی ان تمام واقعات کے

پورے ہونے تک فوت نہ ہو۔ (۶) اور پھر یہ کہ اس عاجز سے نکاح ہو جاوے اور ظاہر ہے کہ یہ تمام واقعات انسان کے اختیار میں نہیں۔ (شہادت القرآن ص ۸۰، خزائن ص ۳۷۶ ج ۶)

کیفیت قول...... : اس پیشین گوئی کا کاذب ہونا اظہر من الشمس ہے۔ چنانچہ ۱۸۹۳ء میں اس کا نکاح ہوا اور ۱۹۰۸ء میں مرزا غلام احمد قادیانی مرے اور وہ دونوں میاں بی بی ہونے کی حالت پر زندہ رہے اور کاذب ہونے کا نتیجہ وہ خود لکھ رہے ہیں کہ: ”میں بار بار کہتا ہوں کہ نفس پیشین گوئی داماد احمد بیگ کی تقدیر مبرم ہے اس کی انتظار کرو اور اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ پیشین گوئی پوری نہیں ہوگی۔ اور میری موت آجاوے گی۔“

(انجام آتھم ص ۳۱ حاشیہ، خزائن ص ۳۱ ج ۱۱)

احمد بیگ کے مرنے سے وسوسہ نہ کیا جاوے۔ کیونکہ مرکب صادق و کاذب سے کاذب ہے اور یوں تو کیف ما اتفق کوئی شخص دس پیشین گوئی کر دے تو کسی نہ کسی کا واقع ہو جانا اتفاقی بات ہے دلیل صدق نہیں۔

قول مرزا نمبر ۱۶، ۱۷...... : پیشین گوئی ہے کہ:

”مولوی ثناء اللہ صاحب قادیان میں تمام پیشین گوئیوں کی پڑتال کے لئے میرے پاس نہ آئیں تو..............“ (اعجاز احمدی ص ۲۳، خزائن ص ۱۳۲ ج ۱۹ مخلص)

مرزا قادیانی نے پیر مہر علی شاہ صاحبؒ سے مناظرہ کا اشتہار دیا۔ یہ بھی لکھ دیا کہ

”اگر میں پیر صاحب اور علماء کے مقابلہ پر لاہور نہ جاؤں تو پھر میں کاذب سمجھا جاؤنگا۔“

(مجموعہ اشتہارات ج ۳ ص ۳۳۱ ملخص)

نیز مرزا غلام احمد قادیانی نے مولوی ثناء اللہ صاحبؒ کی نسبت میں آخری فیصلہ اعلان دیا اور اس طرح دعا کی کہ :

”اے میرے آقا! ...... اب میں تیرے تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیر جناب میں ملتجی ہوں کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما اور وہ جو تیری نگاہ میں حقیق میں مفسد اور کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی ہی میں دنیا سے اٹھا لے ...... اے میر

مالک! تو ایسا ہی کر۔" (اخبار الحکم ج ۱۱ نمبر ۱۳، ۱۹۰۷ء، مجموعہ اشتہارات ج ۳ ص ۵۷۹)

"مجھے خدا نے اطلاع دی ہے کہ ڈاکٹر عبدالحکیم خاں پٹیالوی میری زندگی میں مر جائے گا۔" (چشمہ معرفت ص ۳۲۱، خزائن ۳۳۶ ج ۲۳ ملخص)

کیفیت قول...... : مگر مولوی ثناء اللہ صاحب ۱۰ جنوری ۱۹۰۳ء کو قادیان پہنچے۔ اور مرزا غلام احمد قادیانی نے بجز اظہار غیض و غضب اور زبردستی کی باتوں کے اور کچھ نہیں کیا۔ (الہامات مرزا ص ۱۶، ۱۱۰)

اسی طرح پیر مہر علی شاہ صاحبؒ تاریخ مناظرہ سے ایک روز پہلے ۲۴ اگست ۱۹۰۰ء کو لاہور پہنچے اور ۲۹ تک مرزا قادیانی کے منتظر رہے۔ مگر مرزا غلام احمد قادیانی گھر سے نہ نکلے۔ (حاشیہ فیصلہ آسمانی حصہ ۳ ص ۴۳)

مباہلہ ثنائیہ میں مرزا غلام احمد قادیانی پہلے مر گئے اسی طرح مولوی عبدالحق صاحب غزنوی و ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کے مباہلہ و بددعا میں ہوا۔ (شہادت آسمانی حصہ ۲ ص ۱۱۴)

قول مرزا نمبر ۱۸...... : شعر فارسی :

اینک منم که حسب بشارات آمدم
عیسیٰ کجا ست تا بنہد پا بمنبرم

(ازالہ اوہام ص ۱۵۸، خزائن ص ۱۸۰ ج ۳)

اردو میں اس کا ترجمہ یہ ہے کہ :

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمد ہے

(دافع البلاء ص ۲۰، خزائن ص ۲۴۰ ج ۱۸)

آنچه داد است هر نبی راجام
داد آں جام رامرا به تمام

انبیاء گرچه بوده اندبسے
من بعرفان نه کمترم زکسے
کم نیم زاں همه بروئے یقین
ہر که گوید دروغ ہست لعین

(نزول المسیح ص۹۹‘۱۰۰‘خزائن ۴۷۷‘۴۷۸ ج۱۸)

”ولما ترك یونس بسوء فهمه الا ستقامة والا ستقلال.“

(انجام آتھم ص ۲۲۵‘خزائن ص ۲۲۵ ج۱۱)

کیفیت قول...... : کھلی اہانت ہے ایک نبی اولولعزم کی‘ کیا اس کے کفر ہونے میں کوئی شبہ ہو سکتا ہے؟۔ اور صریح تفضیل ہے اپنی سب انبیاء پر کیونکہ جو سب کمالات انبیاء کا جامع ہو گا۔ سب سے افضل ہو گا اور ایک قول میں اہانت ہے یونس علیہ السلام کی کہ ان کو بد فہم کہا ہے۔

قول مرزا نمبر ۱۹...... : ”مسجد اقصیٰ سے مراد مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) کی مسجد ہے جو قادیان میں واقع ہے۔“ (خطبہ الہامیہ ص ۲۱‘خزائن ص ۲۱ ج ۱۶)

کیفیت قول...... : تمام علماء اسلام کی تفسیر کے خلاف اور تواتر کے بھی خلاف۔ کیا رسول اللہ ﷺ شب معراج میں قادیان کی مسجد میں تشریف لائے تھے؟ جس کا نام و نشان بھی نہ تھا۔

قول مرزا نمبر ۲۰...... : ”جب احمد بیگ کے مرنے کی پیشین گوئی معیاد کے اندر پوری نہ ہوئی تو مرزا غلام احمد قادیانی کو اقرار کرنا پڑا کہ اس وعید کی معیاد میں تخلف ہو گیا۔ (انجام آتھم ص ۲۹‘خزائن حاشیہ ص ۲۹ ج ۱۱)

کیفیت قول...... : مرزا قادیانی کی صریح نصوص کے خلاف ہے۔

قول مرزا نمبر ۲۱......:

(۱)...... ” انت منی وانا منک ۰ “ (حقیقت الوحی ص ۷۴ ، خزائن ص ۷۷ ج ۲۲)

(۲)...... ” ظہورک ظہوری ۰ “ (تذکرہ ص ۷۰۴ طبع سوم)

(۳)...... ” انت منی بمنزلۃ توحیدی و تفریدی ۰ “
(حقیقت الوحی ص ۸۶ ، خزائن ص ۸۹ ج ۲۲)

(۴)...... ” انت منی بمنزلۃ ولدی “ (حقیقت الوحی ص ۸۶ ، خزائن ص ۸۹ ج ۲۲)

(۵)...... ” میں نے اپنے کشف میں دیکھا کہ میں خود خدا ہوں اور یقین کیا کہ وہی ہوں۔ “
(کتاب البریہ ص ۸۵ خزائن ص ۱۰۳ ج ۱۳)

کیفیت قول...... : خدا ہونا ، یا خدا کا بیٹا ہونا ، یا خدا کے ساتھ اتحاد ، شرعاً و عقلاً ہر شخص جانتا ہے کہ باطل ہے۔

قول مرزا نمبر ۲۲......:

(۱)...... ” یأتی قمر الانبیاء ۰ “ (حقیقت الوحی ص ۱۰۶ ، خزائن ۱۰۹ ج ۲۲)

(۲)...... ” یا نبی اللہ کنت لا عرفک ۰ “
(الاستفتاء تتمہ حقیقت الوحی ص ۸۵ ، خزائن ۷۱۳ ج ۲۲)

(۳)...... ” خدا نے مجھے اطلاع دے دی ہے کہ یہ تمام حدیثیں جو پیش کرتے ہیں تحریف معنوی اور لفظی میں آلودہ ہیں اور یا سرے سے موضوع ہیں اور جو شخص حکم ہو کر آیا ہے اس کا اختیار ہے کہ حدیثوں کے ذخیرہ میں سے جس انبار کو چاہے خدا سے علم پا کر قبول کرے اور جس ڈھیر کو چاہے خدا سے علم پا کر رد کر دے۔ “
(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص ۱۰ ، خزائن ص ۵۱ ج ۱۷)

” ہم اب تک سمجھتے ہیں کہ حکم اس کو کہتے ہیں کہ اس کا حکم قبول کیا جائے۔ اور اس کا فیصلہ گو وہ ہزار حدیث کو بھی موضوع قرار دے ناطق سمجھا جائے۔ “
(اعجاز احمدی ص ۲۹ ، خزائن میں ۱۳۹ ج ۱۹)

قول مرزا نمبر ۲۳ ......: ”میں نے اپنے ایک کشف میں دیکھا کہ میں خود خدا ہوں اور یقین کیا کہ وہی ہوں .... اس حالت میں‘ میں یوں کہہ رہا تھا کہ ہم ایک نیا نظام اور نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں۔ سو میں نے پہلے تو آسمان اور زمین کو اجمالی صورت میں پیدا کیا جس میں کوئی ترتیب اور تفریق نہ تھی۔“

(کتاب البریہ ص ۷۸‘ ۷۹‘ خزائن ص ۱۰۳‘ ۱۰۴ ج ۱۳)

کیفیت قول ......: جس کو کوئی عذر شرعی نہ ہو وہ بلا تاویل ایسا دعویٰ کرے اس کا جو شرعاً حکم ہے ظاہر ہے۔

قول مرزا نمبر ۲۴ ......:

(۱) ...... ”آپ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کے ہاتھ میں سوائے مکر و فریب کے اور کچھ نہ تھا۔“ (ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ ص ۷‘ خزائن ص ۲۹۱ ج ۱۱)

(۲) ...... ”یہ بھی یاد رہے کہ آپ (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی۔“ (ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ ص ۵‘ خزائن ص ۲۸۹ ج ۱۱)

(۳) ...... ”آپ (حضرت مسیح علیہ السلام) کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے۔ تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زناکار اور کسبی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا۔“ (ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ ص ۷‘ خزائن ص ۲۹۱ ج ۱۷)

(۴) ...... ”آپ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کا کنجریوں (کسبیوں) سے مناسبت اور صحبت بھی اسی وجہ سے ہو کہ جدی مناسبت درمیان میں ہے ورنہ کوئی پرہیزگار انسان ایک جوان کنجری (کسبی) کو ایسا موقع نہیں دے سکتا کہ وہ اس کے سر پر اپنے ناپاک ہاتھ لگا دے اور زناکاری کا عطر اس کے سر پر ملے اور اپنے بالوں کو اس کے پیروں پر ملے۔ سمجھنے والے سمجھ لیں کہ ایسا انسان کس چلن کا آدمی ہو سکتا ہے۔“

(ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ ص ۷‘ خزائن ص ۲۹۱ ج ۱۱)

(۵) ...... ”یسوع (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کے دادا صاحب داؤد نے تو

سارے برے کام کئے۔ ایک بے گناہ کو اپنی شہوت رانی کے لئے فریب سے قتل کرایا اور دلالہ عورتوں کو بھیج کر اس کی جورو کو منگوایا اور اور اس کو شراب پلائی اور اس سے زنا کیا اور بہت سا مال حرام کاری میں ضائع کیا۔" (معیار المذاہب ص ۲۱، خزائن ص ۴۷۹ ج ۹)

کیفیت قول...... : عیاں راچہ بیاں، اور جواب الزامی میں بھی اس عنوان کا اختیار کرنا خلاف ایمان ہے۔ اس کا عنوان یہ ہے کہ اگر تمہارا قول مان لیا جاوے تو' یہ' یہ امور لازم آویں گے۔ نعوذباللہ منہ اور خصوص جب کہ انجام آتھم میں یہ لکھتے ہیں کہ : "عیسائیوں نے بہت سے آپ کے معجزے لکھے ہیں مگر حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا۔" پھر لکھتے ہیں کہ : "ممکن ہے کہ اپنی معمولی تدبیر سے کسی شبکورو غیرہ کو اچھا کیا ہو۔" اور اسی صفحہ میں ہے کہ : "آپ کے ہاتھ میں سوائے مکرو فریب کے کچھ نہ تھا۔" اور توہین انبیاء ذی شان یہ صریح ہے کہ یہ الزاماً نہیں بلکہ اسی کو حق سمجھ کر لکھا ہے۔ نیز دافع البلاء کی عبارت جو خانہ (۶) میں ہے جس میں یہ قصے نقل کر کے لکھا ہے کہ : "اسی وجہ سے خدا نے قرآن میں یحیٰی کا نام حصور رکھا مگر مسیح کا یہ نام نہ رکھا کیونکہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے۔" اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ الزام نہیں کیونکہ پادریوں پر قرآن کا حوالہ حجت نہیں بلکہ خود اپنی تحقیق ہے۔ قرآن سے اپنا مدعا ثابت کرتے ہیں :

"تم الفهرس المختصر الكاشف عن عقائد القائد القاديانى ۰ حفظ الله تعالىٰ جميع المسلمين عن امثال هذه الضلال الشيطانى وان اشتقت الى السبط فى الاطلاع عليها وعلى جوابها فانظر مافى الفصل الثانى ۰"

ضمیمہ فصل اول

یہ تو قائد قادیان کے اقوال و دعاوی تھے جن سے عقائد کا پتہ لگتا ہے۔ اب کچھ نمونہ کے طور پر ان کے علم و اعمال و اخلاق کی کیفیت بھی دکھلائی جاتی ہے :

علم : (۱)............ میں نے ایک کتاب عربی زبان میں ان (مرزا غلام احمد

قادیانی) کی دیکھی ہے جس کا نام یاد نہیں رہا۔ (الہدیٰ) اس میں ایک حدیث کی عجیب مضحکہ خیز شرح کی ہے۔ حدیث یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام دجال کو باب لد پر (ایک مقام ہے شام میں) قتل کریں گے۔

انہوں نے اس میں عجیب تحریف کی ہے لکھا ہے کہ :

”لد مخفف ہے لدھیانہ کا۔“ (الہدیٰ والتبصرۃ لمن یری ص ۹۲، خزائن ص ۳۴۱ ج ۱۸)

میں نے لدھیانہ میں پادریوں کو مغلوب کیا تھا۔ یہ اس کی پیشین گوئی ہے اس کے صریح جہل ہونے میں کچھ شبہ ہو سکتا ہے ؟۔

(۲) .... دعویٰ کیا ہے کہ :

”دجال ایک شخص کا نام نہیں ہے بلکہ ایک جماعت کا لقب ہے۔“

(تحفہ گولڑویہ ص ۱۴۵، ۱۵۰، خزائن ص ۲۳۵، ۲۳۶ ج ۱۷)

اور دلیل میں ایک عجیب جہل ظاہر کیا ہے۔ ترمذی کی ایک حدیث ہے :

”سیکون رجال یختلون الدنیا بالدین۔“ اس بندۂ خدا نے رجال کو دجال سمجھا ہے اور یختلون میں جو ضمیر جمع کی اس کی طرف راجع ہے۔ اس سے اس پر استدلال کیا ہے اور منشاء اس غلطی کا یہ ہوا کہ انہوں نے حدیث کو کنز العمال سے نقل کیا ہے وہ ٹائپ کا چھاپہ ہے اس میں حرف (ر) کا سر اذرا آگے کو مڑ گیا ہے جس سے اس کو (د) سمجھا۔ مگر جس شخص کو ذرا بھی علم سے مناسبت ہوگی وہ کبھی ایسی غلطی نہیں کر سکتا اور طرفہ یہ کہ میرے لکھنے سے حافظ عبد القدوس مرحوم سابق ایڈیٹر صادق الاخبار بہاولپور نے ان کے خلیفہ (نور الدین) کو اس کے متعلق خط لکھا تھا تو وہاں سے جواب آیا کہ حدیث میں تو دجال ہی ہے باقی مولوی صاحبان جو چاہیں کہیں، بھلا اس جہل مرکب کی بھی کوئی حد ہے۔ ماشاء اللہ۔ وزیرے چنیں شہریارے چناں۔ پھر بھولے لوگ ان کو ذی علم کہتے ہیں انا للہ، پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ وناز۔

(۳) .... متعدد رسائل میں یہ مضمون منقول ہے کہ اگر میرے بیٹے نے اپنی بی بی کو طلاق نہ دی تو میں اس کو عاق کر دونگا۔ اس جہل میں عالم کیا طالب علم کا صحبت یافتہ بھی مبتلا نہیں ہو سکتا۔

عمل : (۱)........... "مجھ سے ایک ثقہ راوی کا پنوری نے جو قادیان میں ایک معتد بہ مدت تک اپنی ایک دنیوی حاجت کے لئے رہے تھے۔ بیان کیا کہ ان کے روبرو عید کے روز ظہر و عصر کو ظہر کے وقت میں بلا عذر جمع حقیقی کیا گیا اور عصر کی نماز کے وقت مسجد میں میز کرسیاں بچھا کر مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے خواص کا فوٹو لینے کا انتظام کیا گیا۔"

(۲)........... "مجھ سے میرے ایک ہم وطن نے جو کہ ان (مرزا قادیانی) کے مرید تھے بیان کیا کہ میں نے نماز میں وساوس کی شکایت کی تو انھوں نے یہ عمل بتلایا کہ بعد قومہ کے اردو زبان میں اس کے ازالہ کی دعا کیا کرو سبحان اللہ کیسی اچھی نماز کی تعلیم ہے ؟۔"

(۳)........... "عبد اللطیف رئیس خوست جو حج کو جاتے ہوئے ان (مرزا قادیانی) کے پاس آئے تھے ان کو حج سے روک کر تبلیغ کے واسطے وطن واپس کر دیا جو امیر عبد الرحمٰن خاں صاحب کے وقت میں ہلاک کئے گئے جس کا ذکر خود "تذکرۃ الشہادتین" میں لکھا ہے اور اس فعل کا: "یصدون عن سبیل اللہ ۔" میں داخل ہونا ظاہر ہے اور اسی عبد اللطیف کے قصے میں خود ہی اپنا ایک علمی نمونہ بھی دکھلایا ہے۔ اول ابو داؤد کی عیسیٰ علیہ السلام کے باب میں ایک حدیث نقل کی ہے :" بین ثوبین ممصر تین...... الخ ۔" یعنی دو زرد کپڑوں میں نزول فرماویں گے۔ پھر آگے اس پر ایک سوال نقل کیا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی زرد کپڑے کہاں پہنتا ہے پھر اس کا جواب نہایت پاکیزہ خوشبودار دیا ہے کہ زرد کپڑوں سے مراد پیشاب اور سر درد ہیں (کہ دونوں کا رنگ زرد ہے) اور میں ان ہی دو امراض میں مبتلا ہوں اس طرح سے یہ مجھ پر صادق آگیا۔ یہ علم اور یہ عمل ہے مسیح الزمان کا۔"

(تفصیلات کے لئے دیکھئے تذکرۃ الشہادتین ص ۴۳' خزائن ص ۴۶ ج ۲۰)

اخلاق : حسن اخلاق کا شعبہ اعظم وہ ہے جس کو شیخ شیرازی نے اس شعر میں جمع کیا ہے :

مرا شیخ دانائے روشن شباب
دو اندر زفرمود برروئے آب

یکے آنکہ بر خویش خودبین مباش
دوم آنکہ برغیر بد بیں مباش

یہاں ماشاء اللہ دونوں تعلیموں کا روز و شب جس بیدردی سے خون کیا جاتا تھا مخفی نہیں ان کی تمام تحریرات میں بے حد تعلیوں اور دعوؤں سے بھری ہوئی ہیں اور اسی طرح اپنی مخالفین کو خصوص علماء کو وہ مغلظ گالیاں دی ہیں کہ نقل کرنے کو بھی لوگ خلاف شرافت سمجھتے ہیں۔ عصائے موسیٰ میں گالیوں کی ایک الف 'ب' ت ہے یعنی ہر حرف سے بہت بہت گالیاں شروع ہوئی ہیں جس کا دل چاہے دیکھ لے۔

نتیجہ : ظاہر ہے کہ ایسے اوصاف کا آدمی صلحاء میں بھی داخل نہیں۔ چہ جائیک ولی یا مہدی یا نبی ہو۔ نعوذ باللہ! اگر اب بھی کوئی ایسے شخص پر فریفتہ ہو تو بجز "ختم اللہ علیٰ قلوبهم" کے کیا کہا جائے۔

فصل ثانی

در فہرست بعضے کتب رد قادیانی

یہ فہرست مولوی محمد اسحاق صاحب نے خانقاہ رحمانیہ محلہ مخصوص پور مونگیر سے بصورت ایک رسالہ مسمی "حفاظت ایمان کی کتابیں" کے شائع کی ہے جو بعد حذف اکثر مضامین ذیل میں منقول ہے۔

فہرست موعود

(۱)..........فیصلہ آسمانی حصہ اول معہ تتمہ :

اس میں مرزا غلام احمد قادیانی کے نہایت عظیم الشان نشان کو غلط ثابت کر کے اور ان کی ذاتی حالت کو دکھا کر نہایت روشن طریقہ سے انہیں کاذب ثابت کیا ہے اور ان کے جوابات کی غلطی نہایت روشن طریقہ سے دکھائی ہے۔

(۲)............ فیصلہ آسمانی حصہ دوم :

اس میں مرزا قادیانی کے پختہ اقراروں سے انہیں کاذب ثابت کیا ہے اور ان کی عظیم الشان دلیل کا بطلان نہایت محققانہ طور سے کیا ہے۔

(۳)............ فیصلہ آسمانی حصہ سوم :

اس میں نہایت محققانہ طریقہ سے قرآن مجید و احادیث صحیحہ سے مرزا قادیانی کا' کاذب ہونا ثابت کیا ہے اور رسالہ اعجاز احمدی اور اعجاز المسیح کی حالت دکھا کر ان کی خطرناک حالت پر متنبہ کیا ہے۔ پھر ان کی غلط پیشین گوئیاں دکھا کر قرآن مجید کی متعدد آیات سے مرزا قادیانی کے دعویٰ کی غلطی دکھائی ہے۔ خلف فی الوعید کی بحث ایسی تحقیق سے لکھی ہے کہ اب تک متقدمین اور متاخرین کی کتاب میں دیکھی نہیں گئی بڑے صفحوں پر صفحات ۱۳۶ ہیں۔

(۴)............ حقیقت المسیح :

صحیح حدیث سے اور مرزا قادیانی کے حالات سے ثابت کیا ہے کہ وہ مسیح موعود ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس نے (مرزا) سوا اس کے کہ مسلمانوں کو کافر بنایا اور کچھ نہیں کیا۔

(۵)............ معیار المسیح :

بعض وہ آیتیں جن سے مرزا قادیانی کی صداقت ثابت کی جاتی ہے۔ انہیں سے ان کا کذب ثابت کیا ہے۔

(۶)............ تنزیہہ ربانی از تلویث قادیانی :

اس مختصر رسالہ میں قرآن مجید کی آیتوں اور خود مرزا قادیانی کے اقرار سے انہیں جھوٹا ثابت کیا ہے اور خاص مرزائی نے جو جواب دیا تھا اس کی غلطی اظہر من الشمس کی ہے۔

ان سب رسالوں کے مکرر چھپنے کی سخت ضرورت ہے۔

(۷)............ معیار صداقت :

اس میں اصل مضمون وہی ہے جو تنزیہہ میں ہے مگر طریقے اور دلائل دوسرے ہیں۔

(۸)............ شہادت آسمانی :

اس میں مرزا قادیانی کی آسمانی شہادت کو نہایت تحقیق اور تفصیل سے غلط ثابت کیا ہے اور ان کی ناگفتہ بہ باتیں دکھائی ہیں۔

(۹)............دوسری شہادت آسمانی :

پہلی شہادت آسمانی مختصر تھی۔ یہ ۱۲۸ صفحوں پر مشتمل ہے۔

(۱۰)............صحیفہ رحمانیہ نمبر ۶ :

اس میں مرزا قادیانی کا دعویٰ نبوت مستقلہ ثابت کر کے قرآن اور حدیث سے انہیں کاذب ثابت کیا ہے۔

(۱۱)............صحیفہ رحمانیہ نمبر ۷ :

اس میں (مرزا قادیانی کا) دعویٰ نبوت کے علاوہ یہ ثابت کیا ہے کہ انہیں افضل الانبیاء ہونے کا دعویٰ ہے ان کے اقوال نقل کر کے ان کا نتیجہ دکھایا ہے۔ مثلاً یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک تمام انبیاء کی بعثت بے کار ہوئی کسی نے شیطان کو ذلیل نہیں کیا مگر مرزا قادیانی نے کیا۔ بھائیو! مرزا قادیانی کی ایسی باتوں میں غور کرتے جاؤ جن سے ان کی خاص حالت پر روشنی پڑتی ہے۔

(۱۲)............صحیفہ رحمانیہ نمبر ۸ نمبر ۹ :

اس میں رسالہ عبرت خیز ہے جس میں مفتریوں اور صادقوں کی عبرت خیز حالت دکھا کر مرزا قادیانی کا جھوٹا ہونا ثابت کیا ہے اور نہایت خوبی سے عبدالماجد صاحب کی غلطیوں کو پردہ پوشی کے ساتھ دکھایا ہے۔ یہ ایک ہی رسالہ مرزا قادیانی کے کذب کو سمجھنے کے لئے کافی ہے۔ یہ رسالے نہایت شائستگی اور کامل تحقیق اور وضاحت سے لکھے گئے ہیں۔ ہر ایک منصف طالب حق کی ان سے تسلی ہو سکتی ہے اور ایسی قابلیت اور تحقیق سے اعتراضات کئے گئے ہیں کہ ان کا جواب نہیں ہو سکتا۔ ان میں ہر ایک رسالہ مرزا قادیانی کو کاذب ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ اب حیات و ممات مسیح علیہ السلام پر گفتگو کرنا اور مرزا قادیانی کے دعویٰ نبوت کی دلیل پوچھنا بے کار ہے کیونکہ ان رسالوں میں قرآن مجید کے نصوص قطعیہ سے اور احادیث صحیحہ سے اور خود مرزا قادیانی کے متعدد اقوال سے یقینی طور سے ان کا کاذب ہونا

ثابت کر دیا ہے۔ اب مرزائیوں سے ان اعتراضات کے جواب کی درخواست کرنا چاہئے۔ اس کے سوا اور تمام گفتگو فضول ہے اب حضرت مسیح کی ممات کا عقیدہ کام نہیں آسکتا۔ ان رسالوں نے قطعی طور سے ثابت کر دیا کہ حضرت مسیح زندہ ہوں یا مر گئے ہوں مگر مرزا قادیانی ہر طرح کاذب ہے۔ اس کا صادق ہونا کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا۔

(۱۳)............ صحیفہ رحمانیہ نمبر ۱ :

اس میں جلسہ بھاگل پور کی کیفیت اور مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کے بیان کا خلاصہ ہے۔

(۱۴)............ صحیفہ رحمانیہ نمبر ۲ :

اس میں وہ تقریر ہے جو مولانا سعید انور حسین صاحب پروفیسر کالج مونگیر نے جلسہ بھاگلپور میں ختم نبوت پر کی تھی۔

(۱۵)............ صحیفہ رحمانیہ نمبر ۳ :

اس میں مرزائیوں کے صحیفہ تبلیغیہ نمبر ۱ کا جواب ہے جس کے بعد مرزائیوں کو صحیفہ نکالنے کی ہمت نہ ہوئی۔

(۱۶)............ صحیفہ رحمانیہ نمبر ۴ :

اس میں لارڈ ہیڈلے کے مسلمان ہونے کی واقعی حالت بیان کر کے خواجہ کمال (مرزائی) کے غلط دعوؤں کا اظہار کیا ہے۔

(۱۷)............ صحیفہ رحمانیہ نمبر ۱۰ :

اس میں مولوی عبدالماجد (مرزائی) کی بد دیانتی اور فاش غلطیاں دکھائی گئی ہیں۔

(۱۸)............ صحیفہ رحمانیہ نمبر ۱۱، ۱۲ :

مرزا قادیانی کے دعویٰ نبوت کی تشریح کر کے مولوی عبدالماجد (مرزائی) کی غلطیاں دکھائی ہیں۔

(۱۹)............ محکمات ربانی لنسخ القائے قادیانی :

اس میں پوری تحقیق سے القائے قادیانی کا جواب دیا ہے اور عبدالماجد (مرزائی) کی

بد دیانتیاں دکھائی ہیں۔

(۲۰)............انوار ایمانی:

القائے قادیانی میں جو عبد الماجد (مرزائی) نے غلطیاں اور بد دیانتیاں کی ہیں ان کا نمونہ اس میں دکھایا ہے اور اصل بات کا جواب دے کر مرزا قادیانی کا کذب ثابت کیا ہے۔

(۲۱)............مرزائی ماجد کی پہلی غلطی میں تیس غلطیاں:

اپنے القاء میں جو انہوں نے پہلی غلطی قرار دی ہے اس میں تیس غلطیاں دکھائی گئی ہیں۔ اس وقت تک ۵ رسالے القائے قادیانی کی غلطی کے اظہار میں طبع ہو چکے ہیں۔

(۲۲)............صواعق ربانی بر مؤلف برق آسمانی:

اس میں میاں خلیل احمد مرزائی کے برق آسمانی کا جواب ہے۔

(۲۳)............تذکرہ حضرت یونس علیہ السلام:

چونکہ مرزا قادیانی نے اپنے جھوٹ پر پردہ ڈالنے کے لئے حضرت یونس علیہ السلام کی پیش گوئی کو بہت پیش کیا ہے۔ اس لئے اس رسالہ میں اس کی پوری حقیقت اور واقعی حالت دکھا کر مرزا قادیانی کے فریب کو ظاہر کیا ہے۔ ابھی چھپا نہیں۔

(۲۴)............ابطال اعجاز مرزا:

اس کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں مرزا قادیانی کے قصیدہ اعجازیہ کی غلطیاں دکھائی گئی ہیں۔ دوسرا حصہ عربی کا قصیدہ ہے۔ ”قصیدہ اعجازیہ“ مرزا قادیانی کے جواب میں۔

(۲۵)............دعائے مرزا:

اس میں یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ مرزا قادیانی کا آخری فیصلہ یعنی اس کا مفتری اور کذاب ہونا خدا کی مشیت کے مطابق ہوا ہے۔

(۲۶)............مسیح کاذب:

اس میں مرزا قادیانی کی چوبیس پیش گوئیوں کو غلط ثابت کیا ہے اور مرزائیوں کی بدزبانی کا دندان شکن جواب دیا ہے۔

(۲۷)............تنبیہ قادیانی:

مرزا غلام احمد قادیانی کے بڑے صحبت یافتہ ایڈیٹر اخبار بدر نے بے تہذیبی سے کچھ لکھا تھا اس کا کافی جواب ہے۔

(۲۸)............ تائید ربانی :

اس میں ملک منصور مرزائی طالب علم کے رسالہ نصرت یزدانی کا دندان شکن جواب ہے۔

(۲۹)............ آئینہ قادیانی :

اس میں مرزا غلام احمد قادیانی بانی مذہب جدید کے چند اقوال دکھا کر ان کی مخفی حالت دکھائی گئی ہے۔

(۳۰)............ حق نما :

اس میں مختصر تمہید کے ساتھ اس مناظرہ لاہور کی کیفیت ہے۔ جس سے مرزا قادیانی گریز کر گئے تھے اور اپنے اقرار سے کاذب وملعون قرار پائے۔

(۳۱)............ حق طلب کی سچی فریاد :

اس میں مرزا قادیانی پر چند لاجواب اعتراض ہیں۔

(۳۲)............ اظہار حق :

مناظرہ مونگیر کی کیفیت اور بعض رسالوں کی فہرست ہے۔

(۳۳)............ رسالہ ختم نبوت :

نہایت محققانہ طور سے ثابت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے بعد مستقل غیر مستقل ظلی بروزی کسی قسم کا نبی نہیں ہو سکتا مختصر رسالہ ہے۔

(۳۴)............ النجم الثاقب :

اس کے تین حصے ہیں حصہ اول کے شروع میں مرزا قادیانی کے دعویٰ کو قرآن اور حدیث سے غلط ثابت کیا ہے۔ اس کے بعد ان کی غلط پیشین گوئیاں اور غلط الہامات کو دکھایا ہے جس سے ان کا کاذب ہونا بالیقین ثابت ہوتا ہے۔ یہ حصہ ۱۲۴ صفحوں پر چھپا ہے۔

(۳۵)............ النجم الثاقب حصہ دوم :

حصہ دوم میں مرزا قادیانی کی اکیس پیش گوئیوں کو غلط ثابت کیا ہے۔

(٣٦)............ النجم الثاقب حصہ سوم :

حصہ سوم میں ماسٹر عبدالمجید مرزائی کے رسالہ اظہار حق کا جواب دیا گیا ہے۔ ہر ایک حصہ در حقیقت مستقل رسالہ ہے مگر چھپنے کی ضرورت ہے۔

(٣٧)............ دوستانہ نصیحت :

اس میں مولوی علاؤالدین احمد صاحب بی اے وکیل کا خط ہے مولوی صاحب نے ماسٹر عبدالمجید صاحب بی اے کے مقابلہ میں مرزا قادیانی پر لاجواب اعتراضات کئے ہیں۔ وکٹوریہ پریس بدایون میں چھپا ہے۔

(٣٨)............ خیر خواہی و تائید خیر خواہی :

یہ مختصر رسالہ قاضی منشی اشرف حسین صاحب نے ایک احمدی (قادیانی) کے خط کے جواب میں بنظر خیر خواہی لکھا ہے اور مؤلف اسرار نہانی کی جہالت کو دکھایا ہے۔ اس کی تائید میں مولوی عزیزالحسن صاحب بدایونی نے اچھا مضمون شائع کیا ہے۔

(٣٩)............ جواب حقانی :

قاضی صاحب ممدوح نے اس میں احمدی (قادیانی) مذکور کے دوسرے خط کا دندان شکن جواب دیا ہے۔

(٤٠)............ تکذیب قادیانی از نشان آسمانی :

اس میں مرزا قادیانی کے اقوال سے اس کا جھوٹا ہونا ثابت کیا گیا ہے۔

(٤١)............ قہر ربانی بر نشان آسمانی :

اس میں حکیم خلیل (قادیانی) کے اشتہار کا دندان شکن جواب دیا گیا ہے۔

(٤٢)............ دروغ قادیانی منتخب از نشان آسمانی :

اس میں خلیل (قادیانی) کے اشتہار کے کذب کو نمبروار دکھا کر جواب دیا گیا ہے۔

(٤٣)............ عتاب ربانی :

اس میں رسالہ فیصلہ آسمانی کا لاجواب ہونا دکھلا کر مرزائی کی دروغ گوئی کا جواب دیا گیا ہے۔

(۴۴)............ مرزا غلام احمد کا منصب :

اس میں مرزا قادیانی کے اقوال سے اس کا جھوٹا ہونا ثابت کیا گیا ہے۔

(۴۵)............ مسیح قادیانی کا فیصلہ :

اس میں بھی اس کے اقوال سے اس کی حالت دکھائی گئی ہے۔

(۴۶)............ اہل حق کو بشارت :

اس میں نہایت واضح طریقہ سے دکھلایا گیا ہے کہ مرزا قادیانی کا مسیح موعود ہونا، قرآن و حدیث یا کسی دلیل صحیح سے ثابت نہیں ہو سکتا بلکہ اپنے اقرار سے کاذب ہے۔

یہ رسائل خدام و محبین حضرت مولانا ممدوح (مولانا محمد علی مونگیریؒ) دام فیضہم کے ہیں آخر کے سات رسالے چھوٹے چھوٹے ۱۳۳۰، ۱۳۳۲ ہجری میں لکھے گئے ہیں۔ جس وقت مرزائیوں کے دعویٰ کا غل تھا اور سمجھتے تھے کہ ہماری باتیں لاجواب ہیں جب ہماری طرف سے پردہ دری کی گئی اور بنظر خیر خواہی مرزا قادیانی کی واقعی حالت دکھائی گئی تو اب یہ حضرات دم بخود ہیں۔ کسی کو غیرت نفسانی اور کسی کو دنیاوی طمع حق بات کے قبول کرنے سے مانع ہے۔

(۴۷)............ الہامات مرزا :

اس میں مرزا قادیانی کی مخصوص پیشین گوئیوں کو غلط ثابت کر کے اس کا کاذب ہونا ثابت کیا ہے۔

(۴۸)............ مرقع قادیانی :

یہ ماہوار رسالہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے جاری کیا تھا سال بھر یا کچھ زیادہ جاری رہا چونکہ مولوی صاحب، مرزا قادیانی کے حالات سے خوب واقف ہیں اس لئے خوب ہی ان کی اصلی حالت کو کھولا ہے۔ یکم جون ۱۹۰۷ء سے جاری ہوا تھا۔

(۴۹)............ صحیفہ محبوبیہ :

حکیم نور الدین نے مرزا کی مدح میں ایک رسالہ چھپوا کر والئی حیدر آباد دکن کی خدمت میں پیش کیا تھا اس کے جواب میں مولوی ثناء اللہ نے یہ صحیفہ بھیجا ۱۹۰۹ء میں چھپا ہے۔

(۵۰)............فاتح قادیان :

اس میں اس آخری فیصلہ کا بیان ہے، جس میں مرزا قادیانی اپنے الہامی اقرار سے کذاب و مفتری ثابت ہوئے۔ یہ فتح بھی مولوی ثناء اللہ صاحب کے حصہ میں رہی اور مرزا قادیانی کی عاجزانہ دعا بھی قبول نہ ہوئی۔

(۵۱)............السیف الاعظم :

مولوی غلام مصطفیٰ صاحب کی تالیف ہے اور سید مکرم علی صاحب رئیس کٹک نے اپنی عالی ہمتی سے اسے چھپوایا ہے۔

(۵۲)............افادۃ الافہام :

مرزا قادیانی کی مایۂ فخر کتاب "ازالہ اوہام" کا نہایت عمدہ اور مبسوط جواب دو جلدوں میں ہے۔ استاد حضور نظام حیدر آباد دکن مولانا محمد انوار اللہ صاحب کی تصانیف سے ہے۔ ۱۳۲۵ھ میں چھپی ہے۔

(۵۳)............مفاتیح الاعلام :

اس میں افادۃ الافہام کے دونوں حصوں کے مضامین کی فہرست ہے۔ جس سے مجملاً مرزا قادیانی کی حالت معلوم ہوتی ہے۔

(۵۴)............انوار الحق :

مولوی حسن علی بھاگل پوری کے تائید الحق کا مدلل جواب ہے۔ ۱۳۳۲ھ حیدر آباد میں چھپا ہے۔

(۵۵)............الخبر الصحیح عن قبر المسیح :

اس میں مرزا قادیانی کے اس دعویٰ کی تکذیب کی گئی ہے کہ حضرت مسیح کا مزار کشمیر میں ہے۔

(۵۶)............سلم الوصول :

اس میں حضور ﷺ کی معراج جسمانی کا ثبوت دیا گیا ہے جس کا مرزا قادیانی منکر ہے۔

(۵۷)............الذکر الحکیم نمبر ۳ :

اس میں ڈاکٹر عبدالحکیم خاں صاحب کے وہ خطوط ہیں جن میں انہوں نے مرزا قادیانی سے علیحدہ ہونے کی نہایت معقول وجوہ بیان کئے ہیں۔

(۵۸)............ الذکر الحکیم نمبر ۶ :

اس رسالہ میں مرزا قادیانی کے تمام دلائل ودعادی کی کامل تردید ہے۔

(۵۹)............ اتمام الحجۃ عرف کانا دجال :

اس میں مرزا قادیانی کی ہلاکت اور ڈاکٹر عبدالحکیم خان کی فتح کا بیان ہے۔

(۶۰)............ المسیح الدجال :

اس میں ڈاکٹر عبدالحکیم خاں صاحب نے وہ وجوہ بیان کئے ہیں جن سے وہ مرزا قادیانی سے علیحدہ ہوئے اور ان کے ساتھ تعلق رکھنے کو حرام سمجھا۔ اس میں نہایت معقول طور سے مرزا قادیانی کے مکروفریب ثابت کئے ہیں۔

(۶۱)............ عصائے موسیٰ :

مرزا قادیانی کے ایک دوست منشی الٰہی بخش اکاؤنٹنٹ نے مرزا قادیانی کی خوب حقیقت کھولی ہے اور خوب اعتراضات کئے ہیں۔ یہ رسالہ مرزا قادیانی کے رسالہ ضرورۃ الامام کا جواب ہے۔ بڑا رسالہ ہے مطبع انصاری دہلی میں چھپا ہے۔ اب نہیں ملتا۔

(۶۲)............ چودھویں صدی کا مسیح :

چونکہ اس وقت ناول دیکھنے کا مذاق زیادہ ہو گیا ہے۔ مؤلف نے مرزا قادیانی کے واقعی اور سچے حالات ناول کے طریقہ پر لکھے ہیں تاکہ اہل مذاق دیکھ کر واقف ہوں۔ خوب لکھا ہے۔ مگر اب نہیں ملتا۔

(۶۳)............ الخلافۃ فی خیر الامۃ رد علی النبوۃ فی خیر الامۃ :

قاسم علی مرزائی نے ایک رسالہ میں لکھا تھا کہ امت محمدیہ میں نبوت قائم رہے گی اور مرزا قادیانی نبی ہے۔ اس کے جواب میں اس رسالہ میں یہ ثابت کیا ہے کہ نبوت نہیں رہ سکتی البتہ خلافت رہے گی۔ عمدہ رسالہ ہے۔

(۶۴)............ تردید نبوت قادیانی جواب نبوت فی خیر الامۃ :

یہ بھی قاسم علی (مرزائی) کے اسی رسالہ کا جواب ہے۔ قاسم علی نے اشتہار دیا تھا کہ جو کوئی میرے رسالہ کا جواب دے اسے ایک ہزار روپیہ دیا جائے گا مگر جب جواب دیا گیا اور مجیب نے اعلان دیا کہ روپیہ لاؤ اگر جواب میں تردد ہو تو جلسہ کر کے طے کر لو، مگر ہمت کہاں تھی ہزار کا اشتہار تو عوام کے فریب کے لئے تھا کہ اگر کسی نے جواب کی طرف توجہ نہ کی تو پھر غل مچا کر عوام کو بہکائیں گے اور اب اگر راستبازی کا دعویٰ ہے تو دو ہزار روپے دونوں رسالوں کے مؤلف کو دیں۔ ورنہ آئندہ جھوٹی گپوں سے توبہ کریں۔

(٦٥)............ معیار عقائد قادیانی :

مرزائیوں کے عقائد بیان کر کے ان کا رد کیا ہے۔

(٦٦)............ مرزائی صاحبان کے ہینڈبل کا جواب :

یہ پرچہ لاہور سے شائع ہوتا ہے۔ بھاٹی دروازہ منشی پیر بخش صاحب پوسٹ ماسٹر پنشنر سے طلب کرنا چاہئے۔

(٦٧)............ کلمہ فضل رحمانی :

یہ کتاب ١٣١٤ھ قاضی فضل احمد کورٹ انسپکٹر لودھیانہ مؤلف میزان الحق نے مرزا قادیانی کے رسالہ انجام آتھم وضمیمہ وغیرہ کے جواب میں لکھی ہے۔

(٦٨)............ کاشف اسرار نہانی یعنی روئداد مقدمات قادیانی :

اس میں مرزائیوں کے مقدمہ بازی کی مفصل حالت لکھی ہے جو ١٨٩٨ء میں مرزا قادیانی پر دائر ہوا تھا۔

(٦٩)............ بیان للناس :

مطبوعہ ١٣٠٩ھ انصاری دہلی۔ اس میں وہ خط و کتابت ہے جو درمیان مولوی عبدالمجید دہلوی اور مولوی محمد احسن مؤلف اعلام الناس حواری مسیح قادیانی ہوئی تھی۔

(٧٠)............ شفاء للناس :

مطبوعہ ١٣٠٩ھ انصاری دہلی۔ اس میں مولوی عبداللہ صاحب شاہ جہان پوری نے اعلام الناس کا جواب دیا ہے اور مرزا قادیانی کی حالت پر خوب روشنی ڈالی ہے۔

(۷۱)............ نمونہ لیاقت علمی :

اس کا مضمون نام سے ظاہر ہے یعنی جس طرح عبد الماجد بھاگل پوری (قادیانی) کی دیانت اور لیاقت کا نمونہ کئی رسالوں میں دکھلایا گیا ہے (محمد احسن قادیانی) امروہی لیاقت کا نمونہ ایک ہی رسالہ میں دکھا گیا ہے۔

(۷۲)............ اعلاء الحق الصریح بتکذیب مثیل المسیح :

اس میں بھی مرزا قادیانی کی حالت کو ظاہر کیا ہے کیونکہ پہلے ان کو دعویٰ مثیل مسیح ہونے کا تھا اس لئے اسی دعوے کی تکذیب کی گئی ہے۔

(۷۳)............ الشاعة السنة جلد ۱۶ وغیرہ :

اس کے لکھنے والے مرزا قادیانی کے خاص دوست مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ہیں۔ جب تک مرزا قادیانی حد سے نہیں بڑھے یہ ان کے معاون رہے جب ان کے دعوے حد سے بڑھے تو پھر مولوی صاحب نے خوب خبر لی چار برس تک زور شور سے تحریریں ہوتی رہیں۔ اس کا ذکر ۱۳۱۱ھ کے جلد ۱۷ میں مولوی صاحب نے کیا ہے۔ جلد ۱۵ اور ۱۶ وغیرہ دیکھی جائے اس میں آتھم کے مناظرہ کی حالت بھی پوری لکھی ہے۔

(۷۴)............ اشتہار واجب الاظہار :

مرزا قادیانی نے مسلمانوں کا جلسہ کر کے یہ ظاہر کیا تھا کہ میں دعویٰ نبوت نہیں کرتا۔ مولوی مجھ پر اتہام کرتے ہیں۔ مولوی عبد الحق صاحب غزنوی امرتسری نے اس میں ان کا دعویٰ نبوت اور توہین انبیاء ثابت کی ہے۔ اسی طرح مولوی صاحب ممدوح کی متعدد تحریریں مرزا قادیانی کے دعوؤں اور ان کی غلطیوں کے اظہار میں چھپی ہیں۔

(۷۵)............ کتاب اعجاز مسیح پر ریویو :

اس میں مرزا کے رسالہ اعجاز المسیح کی غلطیاں بطور اختصار دکھائی گئی ہیں۔ دو جز میں ہے۔

(۷۶)............ حفاظت ایمان کی کتابیں :

یہی فہرست ہے جس میں مفید مضامین بھی ہیں جو ناظرین کی خدمت میں پیش کی گئی ہے۔

(۷۷)............ تنقیح امامت قادیانی ابطال امامت قادیانی :
مولانا عبدالرحیم صاحب صادق پوری کے حکم سے چھپی ہے اور مدرسہ اصلاح المسلمین بانکی پور سے قادیانی کو مفت دی جاتی ہے۔

وہ رسالے جن میں حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات کو ثابت کیا ہے

تمہید

رسائل ذیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات و ممات کا تذکرہ ہے اور حیات کو ثابت کیا ہے۔ اسی بحث کو مرزائی حضرات اپنی پناہ خیال کرتے ہیں اور اول اسی مسئلہ کو پیش کر کے ایسی باتیں بناتے ہیں کہ گفتگو کی نوبت نہ آئے۔ چونکہ مرزائی اپنے مرشد مرزا قادیانی کا دعویٰ نبوت و مہدویت وغیرہ ثابت نہیں کر سکتے۔ اس لئے اس فضول گفتگو کو چھیڑ کر اپنی بات رکھنا چاہتے ہیں۔ مگر الحمد للہ! ہماری طرف سے اس کا مسألہ (حل) بھی تیار ہے۔ البتہ ہمارے بھائیوں کو چاہئے کہ اس گفتگو میں نہ پڑیں۔ کیونکہ حضرت مسیح کی حیات (یا ممات) کو مرزا قادیانی کے دعویٰ نبوت سے کچھ واسطہ نہیں ہے۔ اسے لازم وملزوم کہنا یا موقوف علیہ ٹھہرانا محض غلط ہے اور یہ غلطی ایسی بدیہی ہے کہ کسی فہمیدہ پر پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ نہایت ظاہر ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے مرجانے سے ایسا شخص مسیح موعود کسی طرح نہیں ہو سکتا جس کا کذب قرآن مجید سے، صحیح حدیثوں سے، ثابت ہو اور وہ اپنے متعدد اقوال سے کاذب قرار پائے اور دوسرے ناشائستہ اقوال اس کے ایسے ہوں جو کسی بزرگ کے نہیں ہو سکتے اور مہدی اور مسیح کی تو بڑی شان ہے۔ پھر ایسا شخص مسیح موعود کیسے ہو سکتا ہے؟۔ مگر میں برادران اسلام کی واقفیت کے لئے چند کتابوں کے نام لکھتا ہوں جو حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات و ممات کی بحث میں لکھے گئے ہیں اور مرزا قادیانی کی دلیلوں کو خاک میں ملا کر ثبوت حیات کے پایہ کو چرخ چہارم تک پہنچایا ہے۔ مرزا محمود (پسر مرزا قادیانی) لاہور میں آئے

تھے۔ وہاں کی انجمن تائید اسلام نے انہیں خط لکھا کہ مرزا قادیانی کے دعویٰ کے اثبات میں گفتگو کیجئے مگر صاحبزادے صاحب حضرت مسیح کی حیات و ممات کا تذکرہ چھیڑ کر اور اسے مرزا قادیانی کے دعویٰ نبوت کو لازم و ملزوم کہہ کر بھاگے' انہیں اس کی بھی خبر نہیں ہے کہ لزوم کسے کہتے ہیں اور اس کی کتنی قسمیں ہیں اور ان دونوں میں لازم کون ہے اور ملزوم کون ہے؟ اگر صداقت کا دعویٰ ہے تو پہلے یہ ثابت کریں کہ حضرت مسیح کی موت کو مرزا قادیانی کا مسیح موعود ہونا لازم ہے یا جو مرزائی اسے موقوف علیہ کہتے ہیں وہ اپنے دعویٰ کو ثابت کریں مگر یہ بالکل غیر ممکن ہے۔ مرزا محمود تو کیا کوئی مرزائی ثابت نہیں کر سکتا: " ولو کان بعضهم لبعض ظهيرا ." اور اس کا بدیہی ثبوت وہی ہے جو پہلے کہا گیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام مر گئے تو ایسا شخص ان کا قائم مقام کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ جس کا کاذب ہونا متعدد وجوہ سے اظہر من الشمس ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور پہلو گریز کا نکالا ہے وہ بھی لائق ملاحظہ ہے۔

حضرات! مرزائی جب مقابلہ کے لئے مسیح کی حیات و ممات کی بحث کو اپنی پناہ قرار دیتے ہیں تو ہماری طرف سے محض ان کے سمجھانے اور ان کا عجز دکھانے کے لئے بعض وقت یہ کہا جاتا ہے کہ ہم نے مان لیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام مر گئے ہم بحث میں کسی وقت حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات کو پیش نہ کریں گے نہ کسی اعتراض میں نہ کسی جواب میں' مگر یہ حضرات ہمارے اس احسان کو بھی نہیں مانتے کہ ہم نے ان کی خاطر سے بحث کو مختصر کرنے کے لئے حضرت مسیح کی موت کو مان لیا اور اثبات موت کا بار ان پر سے ہلکا کر دیا۔ ہمارے اس کہنے کے بعد کہتے ہیں کہ وفات مسیح کو مان لینا اور فرض کر لینا کام نہیں دے سکتا (یعنی جیسا کہ مرزا محمود نے لاہور میں کہا تھا) اب ان عقل کے دشمنوں سے یہ دریافت کیا جائے کہ کیوں کام نہیں دے سکتا؟ جب ہم کہتے ہیں کہ اسرائیلی مسیح کا ذکر ہم بحث میں نہ کریں گے جب تم کوئی حدیث پیش کرو گے ہم ہرگز نہ کہیں گے کہ یہ حدیث اسرائیلی مسیح علیہ السلام کے باب میں ہے' بلکہ یہ کہیں گے کہ جو علامتیں مسیح موعود کی اس حدیث میں آئی ہیں وہ مرزا قادیانی میں ثابت کرو اور جن دلیلوں سے ان کا جھوٹا ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ ان کا جواب دو۔ مگر یہ کسی مرزائی سے نہیں ہو سکتا اس لئے اپنا عجز پوشیدہ کرنے کے لئے یہ حیلہ

نکالا کہ فرض کر لینا کام نہیں دے سکتا۔ اے صاحب کیوں کام نہیں دے سکتا جب ہم کہہ رہے ہیں کہ ہم کسی اعتراض یا جواب میں حضرت مسیح کی حیات کو پیش نہ کریں گے۔ پھر کام نہ دینے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ مونگیر کے مرزائیوں کو بھی اس پر بہت خوش ہوتے سنا کہ حضرت مسیح کی موت کو اب تو مانا جاتا ہے۔ پہلے تو وہ کبھی اس کا تذکرہ نہیں کرتے تھے۔ اے نادانو ہمارا یہ ماننا اس وجہ سے نہیں ہے کہ ہم حیات مسیح ثابت نہیں کر سکتے اور مرزا قادیانی نے جو موت ثابت کر دی تو ہم اسے مان گئے۔ بلکہ محض بطور فرض ہم نے اسے مانا ہے تاکہ فضول گفتگو میں وقت ضائع نہ ہو۔ ورنہ ہمیں ماننے کی ضرورت نہیں ہے اور اسکا بدیہی ثبوت یہ ہے کہ رسائل ذیل ہمارے پاس موجود ہیں جن میں حیات مسیح کو ثابت کیا ہے اور کوئی مرزائی ان کا جواب نہیں دے سکا۔ ان کی فہرست ملاحظہ ہو۔

(۷۸)...... الالہام الصحیح فی حیات المسیح :

یہ رسالہ نہایت قابلیت سے مرزا قادیانی کے ابتدائی وقت میں لکھا گیا ہے نہایت معقولانہ طریقہ سے حیات مسیح کو ثابت کیا ہے اور مرزا قادیانی کے دلائل کا جواب دیا ہے اس کے مؤلف نہایت زور سے دعویٰ کرتے تھے کہ اگر مرزا قادیانی یا ان کے خلیفہ نورالدین نے اس کے جواب میں کچھ بھی قلم اٹھایا تو پھر ایسا ان کا رد کیا جائے گا کہ ہوش جاتے رہیں گے۔ اس رسالہ کے بعد دونوں صاحب برسوں زندہ رہے مگر جواب میں قلم نہیں اٹھا سکے مؤلف رسالہ مولانا ابوزبیر غلام رسول عرف رسل بابا امرتسری ہیں ۱۳۱۱ھ میں چھپا ہے۔ اب گویا نایاب ہے۔ مگر الحمدللہ یہاں موجود ہے جس کا جی چاہے آکر دیکھے۔ (الحمدللہ! دفتر ختم نبوت ملتان میں بھی موجود ہے۔)

(۷۹)...... الفتح ربانی :

یہ رسالہ اصل عربی زبان میں ہے اور اس کا ترجمہ اردو میں ۱۳۱۱ھ میں مطبع انصاری دہلی میں چھپا ہے۔

(۸۰)...... حصر الشارد فی رد ہفوات المولوی عبدالواحد الملقب بہ تشئید المبانی لرد القادیانی :

اس کے مؤلف مولانا حافظ ابو عبداللہ صاحب چھپراوی مقیم کلکتہ ہیں آپ سے اور مولوی عبدالواحد صاحب مرزائی سے تحریری مناظرہ ہوا ہے۔ مرزائی صاحب بالکل ساکت ہو گئے اور مولانا نے خوب تفصیل سے جواب دیا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات کو ثابت کیا بڑا رسالہ ہے مگر ابھی تک طبع نہیں ہوا۔

(۸۱)............شمس الہدایۃ :

یہ ۱۳۲۳ھ میں مطبع مصطفائی لاہور میں چھپا ہے۔ اس کے مؤلف مولانا پیر مہر علی شاہ صاحب ہیں۔

(۸۲)............سیف چشتیائی :

اس کا جواب مرزا سے نہ ہو سکا۔ اس رسالہ کے مؤلف بھی پیر صاحب ہیں۔

(۸۳)............الحق الصریح فی حیات المسیح :

۱۳۰۹ھ میں مطبع انصاری دہلی میں چھپا ہے۔ یہ وہ رسالہ ہے جس کے دلائل کے جواب بالمقابل مرزا قادیانی نہ دے سکے اور دہلی چھوڑ کر قادیان بھاگ گئے تھے اس کے مؤلف مولانا محمد بشیر احمد صاحب سہوانی ہیں۔

(۸۴)............البیان الصحیح فی حیات المسیح :

یہ رسالہ عمدۃ المطابع لکھنو میں چھپا ہے۔

(۸۵)............شہادت القرآن (باب اول) :

اس رسالہ کے اس باب میں آیات قرآنیہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات ثابت کی ہے۔

(۸۶)............شہادت القرآن (باب دوم) :

اس رسالہ میں مرزا قادیانی کے دلائل ممات کو غلط ثابت کیا ہے۔ یہ باب دوبارہ لاہور میں ۱۳۳۰ھ میں چھپا ہے۔ اس کے مؤلف مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی ہیں۔ ہر ایک باب مستقل رسالہ ہے اور علیحدہ علیحدہ چھپا ہے۔ مرزا قادیانی تمام عمر اس کا جواب نہ دے سکا اور اب کوئی کیا دے گا۔

(۸۷)............رسالہ مذہب الاسلام :

اس کے آخیر میں حیات مسیح علیہ السلام پر عمدہ بحث کی ہے۔ اس کا جواب بھی کسی مرزائی نے نہیں دیا۔ ۱۹۱۴ء میں چھپا ہے۔

(۸۸)............صحیفہ رحمانیہ نمبر ۵ :

اس میں مولانا سید انور حسین صاحب پروفیسر کالج مونگیر نے لفظ توفی پر خوب اچھی بحث کی ہے جس سے ممات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ثابت کرنے والوں کی کمر ٹوٹ گئی۔

(۸۹)............رسالہ النجم لکھنو جلد نمبر ۱۰ نمبر ۱۳ :

مولوی غلام سرور (قادیانی) اور مفتی صادق (قادیانی) لکھنو میں آئے تھے علمائے اسلام نے مرزا قادیانی کے مہدی و مسیح موعود ہونے کے دلائل طلب کئے۔ اس سے انہوں نے بالکل گریز کیا۔ مگر حیات و ممات کے مسئلہ پر گفتگو کرنے کے لئے راضی ہوئے مگر وہ بھی بالمقابل گفتگو نہ کر سکے اور یہ کہا کہ لکھ کر قادیان بھیج دینا ہم جواب دیں گے۔ مولوی عبدالشکور صاحب مدیر النجم نے نمبر مذکور میں جواب لکھ کر بھیجا مگر اس وقت تک وہاں سے کچھ جواب نہ آیا مگر صاحبزادے (مرزا محمود) صاحب لاہور پہنچ کر پھر اسی مسئلہ پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ اے جناب! مدیر النجم نے تو آپ کی سب باتیں مان کر اثبات حیات پر مضمون لکھا تھا اس کا جواب کیوں نہ دیا گیا اس وقت مہر سکوت منہ پر کیوں لگی رہی ؟۔

(۹۰)............موازنۃ الحقائق :

مؤلف رسالہ نے حیات و ممات مسیح کے رسالے دیکھ کر بلا تعصب حاکمانہ فیصلہ کیا ہے زبان فارسی میں، اور حضرت مسیح کی حیات کو ترجیح دی ہے۔ (مؤلفہ مولوی محمد اکبر صاحب کارخانہ پیسہ اخبار لاہور)

(۹۱)............درۃ الدرانی علیٰ ردالقادیانی :

اس میں بھی حضرت مسیح کی حیات کو ثابت کیا ہے۔ علاوہ اس کے جس قدر عقائد باطلہ و لغویات و کفریات مرزا قادیانی کے قول میں پائے جاتے ہیں اس کی تشریح اور پوری

تردید عمدہ طور سے کی گئی ہے۔ (مؤلفہ مولوی محمد حیدر اللہ خاں مجددی مطبع ہاشمی میرٹھ میں چھپا ہے۔)

یہ چودہ رسالے اس وقت تک میرے علم میں حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات و ممات کے بحث میں لکھے گئے ہیں۔ پھر کسی مولوی مرزائی کی جرأت نہ ہوئی کہ ان کا جواب دے۔ مگر حضرت مسیح علیہ السلام کی ممات کا دعویٰ ہو رہا ہے اور جب کوئی بحث کو کہتا ہے تو حیات و ممات کو پیش کیا جاتا ہے۔ یہاں ہمارے علماء نے تو اتنے رسالے اس بحث میں لکھ کر شائع کر دیئے اور مرزا قادیانی کی کتاب کا بھی جواب دے دیا۔ اب تمہیں کسی طرح حق نہیں ہے کہ بغیر ان رسالوں کا جواب دیئے اس بحث کو پیش کرو۔ اس کے علاوہ اب تو تمہارا اول فرض یہ ہے کہ پہلے ان الزامات کو اٹھاؤ جو مرزا قادیانی پر کئے گئے ہیں اور مذکورہ رسالوں میں مندرج ہیں۔ جن سے قطعی طور سے ثابت ہوتا ہے کہ بموجب قرآن و حدیث مرزا قادیانی کاذب ہیں اور خود ان کے پختہ اقرار انہیں جھوٹا اور ہر بد سے بدتر ثابت کرتے ہیں۔ ان الزاموں کے اٹھانے کے بعد قرآن و حدیث سے ان کے دعویٰ نبوت کو ثابت کیجئے مگر میں قطعی پیش گوئی کرتا ہوں کہ یہ کسی مرزائی سے نہیں ہو سکتا کیونکہ قرآن مجید کی نصوص قطعیہ نے ان کے کاذب ہونے کا فیصلہ کر دیا ہے اور وہ اپنی زبان سے کاذب ٹھہر چکے ہیں۔ اب جو کوئی ان کی صداقت میں قرآن مجید کی کوئی آیت پیش کرے اسے بالیقین سمجھو کہ فریب دیتا ہے یا جاہل ہے آیت کے مطلب کو نہیں سمجھا' کیونکہ یہ غیر ممکن ہے کہ جس کے کذب کا فیصلہ خود کلام الٰہی کر چکا ہو' جس کا کذب بدیہی طور سے دنیا پر ظاہر ہو گیا ہو' پھر وہی کلام بھی دوسرے مقام پر اسے صادق ٹھہرائے۔ آسمان و زمین ٹل جائیں مگر یہ نہیں ہو سکتا۔

مسلمانو! اس پر غور کرو کہ ۹۱ کتابیں (اور اب تو ۲۰۰۱ء میں ۱۵۰۰ سے بھی زائد) مرزا غلام احمد قادیانی کے کذب کے ثبوت میں ہمارے علماء نے لکھی ہیں ان میں سے بہت کتابیں مرزا قادیانی کی زندگی میں لکھی گئی ہیں اور باوجود کہ وہ بڑے لکھنے والے تھے اور اس قدر لکھنے میں منہمک ہوتے تھے کہ نماز کی بھی پرواہ نہیں رکھتے تھے مگر ان کا جواب نہ دے سکے ان کے خلیفہ اول بھی عاجز رہے۔ اس واقعہ سے ہر ایک مسلمان سمجھ سکتا ہے کہ یہ کتا

لاجواب ہیں اور مرزا قادیانی کا کاذب ہونا قطعی اور یقینی ہے بایں ہمہ اگر کوئی مرزائی کسی مسلمان کے دل میں شبہ ڈالے' اسے چاہیے کہ ان کتابوں کو اچھی طرح دیکھے۔ اگر پھر بھی شبہ رہے تو بالضرور ہمیں اطلاع دے۔ انشاء اللہ! یہاں سے اس کا کافی جواب دیا جائے گا اور ان کی تسلی کر دی جائے گی۔

مکرر التماس! میں محض خیر خواہانہ فہرست شائع کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اسے آپ سے دیکھیں گے اور ان کتابوں کو منگوانے اور اشاعت کی کوشش کر کے اس کا ثواب عظیم حاصل کریں گے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو ہمیشہ توفیق خیر عنایت کریں۔ آمین!

راقم: خاکسار محمد اسحاق خانقاہ رحمانیہ محلہ مخصوص
پور مونگیر (۲۶۔ شوال یوم پنج شنبہ ۱۳۲۳ھ)

آخری التماس از مشتہر موصوف

میں نے آپ کے روبرو ان کتابوں کی فہرست پیش کی ہے کہ اگر آپ خالی الذہن ہو کر ان کو دیکھیں گے تو اس جدید فتنہ سے آپ کا ایمان محفوظ رہے گا۔ اب میں ان کی خدمت میں التماس کرتا ہوں جو مرزا کی بعض باتوں کو قانون قدرت کے موافق خیال کر کے ان کی سب باتوں پر ایمان لے آئے وہ یہ فرمائیں کہ کیا کوئی جھوٹا کبھی سچ نہیں بولتا اور کوئی عمدہ بات نہیں کہتا؟۔ مجھے ہر عقلمند سے امید ہے کہ اس سے انکار نہ کریں گے اس لئے ضرور ہے کہ مدعی نبوت و رسالت کے دعویٰ کی تصدیق اسی وقت کرنی چاہیے کہ جب وہ اپنے خاص دعویٰ میں سچا ہو۔ مرزا قادیانی تو اپنے دعویٰ میں کسی طرح صادق نہیں ہو سکتے۔ اس کے نہایت کافی وجوہ ان رسالوں میں لکھے گئے ہیں جن کی فہرست میں پیش کر چکا ہوں۔ ختم شد التماس

ضمیمہ فہرست مذکور جو دوسرے مقامات سے نقل کیا گیا ہے بہ ترتیب سلسلہ مذکورہ اصل فہرست۔ (۹۲)...... حدیبیہ والی پیشین گوئی کی صداقت۔ (۹۳)...... اعلان الحق از ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب۔ (۹۴)...... بقیہ نمبر ہائے الذکر الحکیم علاوہ نمبر ہائے مذکورہ فہرست۔ (۹۵)...... ہدیہ عثمانیہ۔ (۹۶)...... ہدیہ ناظرین منصف مزاج۔ (۹۷)......

شہاب ثاقب۔ (۹۸)...... ایک ہمدرد مخلص کی فریاد۔ (۹۹)...... القول الصحیح فی مکائد المسیح۔ (۱۰۰)...... مرزائی جماعت کا تنزل۔ (۱۰۱)...... مسیح قادیانی کے جھوٹے الہامات۔ (۱۰۲)...... مسیح قادیان کا عالم برزخ میں واویلا۔ (۱۰۳)...... عبرت خیز۔ (۱۰۴)...... حیات مسیح۔ (۱۰۵)...... اشتہار مرزا محمود کی تشریف آوری۔ (۱۰۶)...... جماعت احمدیہ سے خیر خواہانہ گزارش۔ (۱۰۷)...... مسیح قادیان اور توہین انبیاء ذی شان۔ (۱۰۸)...... اسلامی اعلان۔ (۱۰۹)...... تبلیغ رحمانی۔ (۱۱۰)...... الخدا! ب الملیح فی تحقیق المہدی والمسیح ازاحقر۔ (۱۱۱)...... بعضے پرچے اخبار اہل سنت والجماعت امرتسر۔ (۱۱۲)...... تغلیط منہاج نبوت قادیانی۔ تمت الضمیمہ۔

تنبیہ :(۱)............ فہرست مذکورو ضمیمہ مذکورہ کی بعض کتب کی نسبت ماخذ میں غیر مطبوع لکھا ہے۔ اب کا حال معلوم نہیں۔

(۲)............ بہت سی کتابیں اور بعض کے ملنے کا پتہ خانقاہ رحمانیہ مونگیر محلّہ مخصوص پور مولوی محمد اسحاق صاحب سے ملے گا اور بعض کا اور مختلف مقامات سے۔ مثلاً مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری سے مگر ان حضرات سے اولاً ہی بھیجنے کی درخواست نہ کی جائے بلکہ جوابی کارڈ پر دریافت کیا جائے کہ اگر آپ کو معلوم ہو تو فلاں کتاب کے ملنے کا پتہ بتلادیجئے۔

تسہیل فی المشورہ :اگر سب کتابوں کا جمع کرنا یا دیکھنا دشوار ہو تو رسائل ذیل تو ضروری دیکھ لینا اور پاس رکھنا چاہئیں۔

ان رسائل کے نام مع خلاصہ مضمون

(۱)............ مسیح کاذب :

اس میں ۲۴ کذب فاحش مرزا قادیانی کے ہیں۔

(۲)............ معیار المسیح :

ان آیتوں کی شرح جن سے مرزائی مرزا قادیانی کا صدق ثابت کرتے ہیں اور اسی میں ان کے خطوط منکوحہ آسمانی کے باب میں قابل ملاحظہ ہیں۔

(۳)............ابطال اعجاز مرزا :

قابل ملاحظہ اہل علم قصیدہ اعجازیہ کے اغلاط دکھلائے ہیں۔

(۴)............اشتہار مرزا محمود کی شریف آوری :

اس میں ختم نبوت کے دلائل اور خاتم النبیین کی تفسیر ہے۔

(۵)............جماعت احمدیہ سے خیر خواہانہ گذارش :

اس مختصر تحریر میں مرزا قادیانی کے اکاذیب متعدد دکھلائے ہیں۔

(۶)............شہادۃ القرآن مولوی محمد ابراہیم سیالکوٹی :

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اثبات حیات۔

(۷)............صحیفہ رحمانیہ نمبر ۴ :

لارڈ ہیڈلے کے اسلام کی تحقیق۔

(۸)............صحیفہ رحمانیہ نمبر ۵ :

ختم نبوت و توفی۔

(۹)............صحیفہ رحمانیہ نمبر ۶ و نمبر ۷ :

دعویٰ نبوت و جواب دلائل وفات۔

(۱۰)............فیصلہ آسمانی حصہ اول :

منکوحہ آسمانی کی کامل بحث ہے اور آخر میں توفی کی تحقیق۔

(۱۱)............فیصلہ آسمانی حصہ دوم :

اس میں قطع وتین کی بحث اور مدعیان کاذب کا مدت دراز تک ہلاک نہ ہونا۔

(۱۲/ ۱۳)............شہادت آسمانی حصہ اول و دوم :

اس میں خسوف و کسوف رمضان المبارک کے اجتماع سے استدلال کا بہت اچھا جواب ہے۔

(۱۴)..........الذکر الحکیم کے سب نمبر :

(۱۵)..........اعلان الحق :

(۱۶).......... مسیح دجال :

(۱۷)..........النجم الثاقب :

اس میں بعض اکاذیب مرزا قادیانی کے بیان کئے گئے ہیں۔

(۱۸)..........معیار صداقت : نکاح والی پیشین گوئی کے جواب۔

(۱۹).......... حفاظت ایمان کی کتابیں :

اس میں ان کتابوں کا تذکرہ ہے جن کا پاس رکھنا نہایت ضروری ہے۔

(۲۰).......... عصائے موسیٰ :

از منشی الٰہی بخش صاحب یہ پہلے معتقد تھے۔

ذیل کی پانچ تحریریں جو نہایت مختصر ہیں۔ ان کا تو پاس رکھنا ہر شخص کو بہت ہی آسان ہے۔ وہی ہذہ۔

(۲۱)..........جماعت احمدیہ سے خیر خواہانہ گذارش :

اس میں مرزا غلام احمد قادیانی کے حالات اور اکاذیب کا بیان ہے۔

(۲۲).......... مسیح قادیان کا عالم برزخ میں واویلا :

اس میں مرزا کے متعلق عبرتناک خواب ہیں۔

(۲۳).......... مسیح قادیان اور توہین انبیاء ذیشان :

مضمون کے نام سے ظاہر ہے۔

(۲۴)..........اسلامی اعلان :

اس میں مختصراً مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ اور عقائد اور علماء کرام کا فتویٰ اور قادیانی مشن کے مبلغین کی اور ان کے اخباروں کی فہرست اور رسائل رد مرزا قادیانی کی فہرست معہ قیمت اور بعض رسائل رد مرزا غلام احمد قادیانی کی فہرست جن کا جواب نہیں ہو سکا اور مرزا قادیانی کی درخواست چندہ۔ توسیع مکان کے متعلق مرزا قادیانی کے بڑے

بھائی کی طرف ایک خط اور صفحہ آخر میں کچھ اقوال جو بیخ کن اسلام ہیں۔

اس مقام پر فصل سوم کے عنوان سے ان پانچ تحریروں میں سے صرف تحریر اول کو بعینہ نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

فصل ثالث در نقل مضمون معنون

جماعت احمدیہ سے خیر خواہانہ گذارش

اور مسیح قادیانی کی حالت کا بیان

از مولانا ابو احمد صاحب رحمانی مونگیر

ہم نے نہایت خیر خواہی سے تمام مسلمانوں کو اور خصوصاً جماعت احمدیہ کو مرزا قادیانی کی حالت سے آگاہ کیا اور متعدد رسالے لکھ کر ان کے سامنے پیش کئے مگر افسوس ہے کہ مرزائی جماعت کچھ توجہ نہیں کرتی اور ان کے سرکردہ ہمارے رسالوں کو دیکھنے نہیں دیتے اور ایک یقینی جھوٹے کی پیروی میں سرگرم ہے اور نہایت ناجائز طریقوں سے جھوٹ کی اشاعت میں کوشاں ہے اور کچھ خیال نہیں کرتی کہ دنیا میں بہت تھوڑے دن رہنا ہے۔

سخت حیرت یہ ہے کہ مرزا قادیانی اپنے اعلانیہ جھوٹ اور فریب چھپانے کے لئے خدا تعالیٰ پر جھوٹ اور فریب کا الزام لگاتے ہیں اور یہ خوشی سے مان رہی ہے۔ ان کے مولوی نہایت غلط اور شرمناک باتوں کو مرزا قادیانی سے الزام اٹھانے کے لئے اعلانیہ پیش کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس سے خدا پر الزام آئے گا۔ اور شریعت الٰہی بے کار ہو جائے گی۔ مگر ان کی اس بے رخی اور بے اعتنائی کے ساتھ بھی ہم ان کی خیر خواہی سے باز نہیں رہ سکتے اور مخلوق خدا کو اس عظیم الشان گمراہی سے بچانے کیلئے مستعد ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمارے اور بھائیوں کو بھی مستعد کرے۔ اس تحریر میں ہم خاص طور سے مرزا قادیانی کی کذب بیانی دکھانا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ملتجی ہیں کہ وہ 'ہادی مطلق' مرزائی جماعت کو ہدایت کرے اور راستبازی اور حق پسندی کا جوش ان کے دل میں عنایت فرمائے۔ پہلے اس کو اپنے ذہن

نشین کر لینا چاہئے کہ ہمارا مذہب مقدس اسلام ایسا عالی مرتبہ ہے کہ راستی و سچائی اس کا بڑا جزو ہے۔ ہمارے نبی کریم سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ نے مختلف اوقات میں فرمایا ہے کہ مسلمان جھوٹ نہیں بولتا۔ یہ کیسا پیارا اور سچا مقولہ ہے جس کی خوبی اور صداقت پر ایک انسان شہادت دیتا ہے۔ مگر افسوس کہ یہ برگزیدہ اسلامی صفت 'مرزائیوں کے مرشد میں نہیں پائی جاتی اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کی طبیعت اس سے بہت دور ہے اور ناراستی اور بے باکی ان کی سرشت میں سرایت کر گئی ہے۔ پھر ایسے شخص کو مقدس اور بزرگ ماننا اسلام کی ہتک کرنا اور ارشاد نبوی کو پامال کرنا ہے۔ جس میں حدیث رسول اللہ ﷺ کے بموجب اسلام کا جزو اعظم نہ پایا جائے اسے بزرگ اور مسیح موعود سمجھنا اور تمام اولیائے کرام سے اسے افضل بنانا کس قدر اسلام پر اور کاملین اسلام پر مخالفین اسلام کو مضحکہ کا موقع دینا ہے۔ مخالفین علانیہ کہیں گے کہ جس مذہب کے بڑے بزرگ جنہیں خواجہ کمال (قادیانی) لکچرار تمام اولیائے امت سے افضل قرار دیں اور ایک جماعت کے مفروض الطاعۃ امام میاں محمود (قادیانی) انہیں خدا کا رسول بتائیں وہ ایسے جھوٹے اور کذاب ہوں پھر اور اولیائے امت کا کیا حال ہو گا اور تمام شریعت الٰہی کے معتبر ہونے کی کیا وجہ ہو گی؟۔ حیرت یہ ہے کہ مرزا قادیانی کو جھوٹ بولنے میں اس قدر جرأت ہے کہ نہایت بے اصل اور اعلانیہ جھوٹ کو اس قدر زور اور دعوے سے بیان کرتے ہیں کہ ناواقف کے ذہن میں اس کی صداقت اثر کر جاتی ہے اور اس کے جھوٹے ہونے کا خطرہ بھی اسے نہیں رہتا' یہی وجہ ہے کہ بہت سادہ لوحوں اور کج طبیعت حضرات نے انہیں مان لیا اور ماننے کے بعد اس میں سرشار ہو گئے اور بہتوں کو تنخواہیں ملنے لگیں۔ بعض کو بات کی پچ لگ گئی اور ابو طالب کے پیرو ہو گئے۔ اب مرزا قادیانی کی ناراستی اور کذب بیانی کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

ذرا اس صحیفہ کا پہلا نمبر ملاحظہ کیجئے کہ اس میں کئی جھوٹ مرزا قادیانی کے بیان ہوئے اور کئی پیش گوئیاں جو انہوں نے اپنی سخت مخالفت کے مقابلہ میں کی تھیں وہ جھوٹی ہوئیں۔ پیام صلح والے (لاہوری مرزائی) اور محمودی پارٹی (قادیانی) آنکھیں کھول کر دیکھے اور انہیں شمار کرے اس نمبر کے شروع میں سات کتابوں کے نام لکھ کر یہ بتایا ہے کہ:

پہلے رسالہ میں ۱۵۹ جھوٹ و فریب مرزا قادیانی کے دکھائے ہیں، اور دوسرے میں ۶۹، اور تیسرے میں ۹۰، اور چوتھے میں ۴۵، اور پانچویں میں ۴۲، اور چھٹے میں ۲۴، اور ساتویں میں ۱۷۔ اس کے بعد ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کے مقابلہ کی معرکۃ الآراء پیش گوئی کا جھوٹا ہونا دکھایا ہے اور اس سے کئی جھوٹ مرزا قادیانی کے ثابت کئے ہیں۔ انہیں دیکھئے:

(۱)...... ان (مرزا قادیانی) کا یہ کہنا کہ ڈاکٹر عبدالحکیم میرے روبرو ہلاک ہوگا۔

(۲)...... دنیا میں وہ عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

(۳)...... میں اس کی زندگی میں ہرگز نہ مروں گا۔ میں سلامتی کا شہزادہ ہوں۔

(۴)...... ڈاکٹر عبدالحکیم مجھ پر غالب نہیں آسکتا۔

یہ چاروں باتیں مرزا قادیانی کی جھوٹی ثابت ہوئیں اور اپنے اقرار سے لعنت کی موت سے مرے کیونکہ مرزا قادیانی کو مرے ہوئے آٹھ برس ہوگئے اور ڈاکٹر صاحب نہایت خیر و خوبی سے اب تک بیٹھے ہوئے تالیف کر رہے ہیں اور مرزا قادیانی کے کذب کو دکھا رہے ہیں۔ اسی صحیفہ کے آخری صفحہ میں تین پیش گوئیوں کا جھوٹا ہونا دکھایا ہے۔ غرض کہ سات جھوٹ اور چار جھوٹی پیش گوئیاں دکھائی گئی ہیں۔ اب ان کو سابقہ رسائل والے جھوٹوں کے ساتھ شمار کر لیجئے اور جمع کیجئے کہ کتنے سو جھوٹ ہوئے؟ اور پھر تھوڑی سی عقل کو دخل دیجئے کہ جھوٹ ایسا جرم ہے کہ اگر ایک جھوٹ بھی کسی کا ثابت ہو جائے تو پھر اس کی کسی بات کا اعتبار نہیں رہتا اور جو ایسا جھوٹ بولے جس سے خدا پر الزام آئے تو حسب ارشاد خداوندی وہ جھوٹا ہے۔ مرزا قادیانی نے تو ہر قسم کے جھوٹ بولے ہیں۔ پھر ایسا جھوٹا شخص مسیح موعود مانا جائے حیرت ہے۔ یہی حضرت ہیں جنہیں خواجہ کمال (مرزائی) مسیح موعود اور تمام اولیاء اللہ سے افضل مانتے ہیں اور بڑے فخر سے ان کی مدح میں یہ مصرعہ پڑھتے ہیں:

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کہتے ہوئے انہیں شرم نہیں آتی۔ غیر معتبر اور جھوٹا ہونے کے لئے ایک جھوٹ کا ثبوت کافی ہے اور یہاں تو دو ورق میں اس قدر جھوٹ ثابت کر دیئے گئے اور دکھایا گیا کہ مرزا قادیانی مسیح موعود تو کیا ہوتے صلحا اور راستباز جماعت میں بھی ان کا شمار نہیں ہو سکتا اور مونگیر

سے لے کر بنگال اور حیدر آباد تک اور حیدر آباد سے قادیان اور لاہور اور پشاور تک ہزاروں دو ورقے شائع کر دیئے مگر کسی قادیانی کی مجال تو نہ ہوئی کہ جواب دے۔ اگر ہم نے غلط کہا ہے تو مرزائی جواب دیں، مگر یہ یقینی بات ہے کہ وہ جواب نہیں دے سکتے۔ اس صحیفہ کے نمبر ۲ میں دوسرے طریقہ سے ان کا کاذب ہونا ثابت کیا ہے یعنی احادیث صحیحہ سے یہ دکھایا گیا ہے کہ شریعت محمدیہ ﷺ میں انبیاء کی توہین تحقیقاً اور الزاماً کسی طرح جائز نہیں ہے اور مرزا قادیانی نے اس ناجائز فعل کا ارتکاب بڑی شدومد سے کیا ہے اور انبیاء کرام کی سخت توہین کی ہے جس سے وہ علانیہ دائرہ اسلام سے علیحدہ معلوم ہوتے ہیں اور اس توہین میں اپنی عادت مستمرہ کے بموجب محض جھوٹی باتیں کہی ہیں۔

مثلاً مسیح کی نسبت لکھا ہے کہ :

"حق بات یہ ہے کہ ان سے کوئی معجزہ نہیں ہوا۔"

(ضمیمہ انجام آتھم ص ۶، خزائن ص ۲۹۰ ج ۱۱)

ملاحظہ ہو یہ وہ جھوٹ ہے جس کی شہادت کلام الٰہی دیتا ہے اور ارشاد خداوندی سورہ بقرہ کے دسویں رکوع میں اس طرح بیان ہوا ہے کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو معجزات دیئے اور سورہ مائدہ میں ان معجزات کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔

اب مرزا قادیانی کا یہ کہنا کہ حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا کیسا صریح جھوٹ ہے؟ اور یہ جھوٹ الزاماً نہیں بولا ہے، بلکہ ان کا یہ کہنا کہ حق بات یہ ہے، بخوبی ثابت کرتا ہے کہ اس امر میں ان کے نزدیک جو امر حق ہے اسے بیان کیا ہے، اب ان کا حضرت مسیح کے معجزات سے انکار کرنا اور اس انکار کو حق بات کہنا، قرآن مجید کی آیات مذکورہ سے صریح انکار ہے، مگر چونکہ مسلمانوں کو فریب دینا ہے اس لئے صاف انکار نہیں کرتے باتیں بنا کر فریب دیتے ہیں۔ مولوی عبدالماجد مرزائی سے اسی پر گفتگو ہوئی تھی اور مولانا محمد عبدالشکور صاحب (لکھنوئیؒ) نے انہیں ایسا عاجز اور ساکت کر دیا کہ وہ اپنے عجز کے خود مقر ہو گئے اور تمام حاضرین جلسہ نے اس کا معائنہ کر لیا۔ اسی صحیفہ میں ایک جھوٹ یہ بھی دکھایا ہے کہ حضرت مسیح کی نسبت لکھتے ہیں :

"آپ کے ہاتھ میں سوا مکر و فریب کے اور کچھ نہیں تھا۔"

(ضمیمہ انجام آتھم ص ۷، خزائن ص ۲۹۱ ج ۱۱)

برادرانِ اسلام! ایک اولوالعزم نبی کی شان کو خیال کریں اور مرزا قادیانی کی اس گستاخی اور بے ادبی کے ساتھ اس جھوٹ کو ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہ عالی مرتبہ پیغمبر ہیں، جن کی عظمت و رسالت اور معجزات اور تقرب الٰہی کا ذکر قرآن مجید میں غالباً دس جگہ آیا ہے۔ ان کی نسبت مرزا قادیانی کا قول ہے کہ ان کے ہاتھ میں سوا مکر و فریب کے کچھ نہ تھا۔ یہ کیسی صریح ان آیات کی تکذیب اور اللہ تعالیٰ پر الزام ہے، جن میں ان کی عظمت و رسالت بیان ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی نسبت فرماتے ہیں:

"وَ اٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ۔ البقرہ آیت ۸۷"

یعنی ﴿ہم نے عیسیٰ کو معجزے دیئے اور روح القدس کے ذریعہ سے ان کی مدد کی۔﴾ بعض مقام پر ان کی تعریف اس طرح فرمائی:

"وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ۔ آل عمران آیت ۴۵"

﴿عیسیٰ (علیہ السلام) دونوں جہان میں صاحب وجاہت اور مقبولان خدا سے ہے۔﴾

برادرانِ اسلام! ملاحظہ کریں کہ جن کی برگزیدہ صفات اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں بیان فرمائے۔ ان کی نسبت مرزا قادیانی نہایت بے باکی سے یہ لکھتے ہیں کہ: "ان کے ہاتھ میں سوائے مکر و فریب کے اور کچھ نہ تھا"۔ یہ کیسی صریح تکذیب ہے کلام الٰہی کی کسی مسلمان کو ایسی جرأت نہیں ہو سکتی۔ یہ کہنا کہ الزاماً ایسا کہا ہے محض جہالت یا فریب دہی ہے۔ اول تو انبیاء کی نسبت ایسی گستاخیاں تحقیقاً اور الزاماً ہر طرح منع ہیں۔ حدیث سے ثابت کر دیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ الزام دینے کا یہ طریقہ ہرگز نہیں ہے۔ اہل علم اسے خوب جانتے ہیں یہی باتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا قادیانی کو مذہب سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ البتہ مسلمانوں کو فریب دینے کے لئے اپنے آپ کو اسلام کا مطیع کہتے تھے اور قرآن و حدیث سے

استدلال پیش کرتے تھے۔ مگر اس میں ایسی تحریف کرتے تھے جسے اہل علم ہی خوب سمجھتے ہیں کہ یہ اپنی دلی خواہش کو مسلمانوں سے منوانے کے لئے قرآن مجید کو پیش کرتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں کہ قرآن مجید سے ہمارا مدعا ثابت ہے۔ ان باتوں کے علاوہ اس تحریر میں اور بھی جھوٹ و فریب بیان ہوئے ہیں۔ ناظرین اس نمبر کو ملاحظہ فرمائیں۔ اب یہاں دوسرے قسم کے جھوٹ آپ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔

مسیح قادیان کے بعض اعلانیہ جھوٹ

جن میں بعض وہ بھی ہیں جو کئی برس ہوئے دکھا کر جواب طلب کیا گیا تھا مگر اب تک یہاں سے قادیان تک سب کا ناطقہ بند ہے۔ جواب سے عاجز ہیں مگر سخت افسوس ہے ان کے حال پر، کہ ایسے علانیہ جھوٹ دیکھ کر بھی اس کی پیروی سے علیحدہ نہیں ہوتے، مقابلہ پر کبھی دم بخود ہو جاتے ہیں، کچھ نہیں کہتے، کبھی کہتے ہیں کہ حوالہ غلط ہے، پوری عبارت نہیں لکھی گئی، اصل کتاب دکھاؤ۔ چونکہ جانتے ہیں کہ ہر وقت ہر شخص کے پاس کتاب موجود نہیں رہتی اس لئے ٹالنے کے لئے ایسا کہہ دیتے ہیں مگر ہم کہتے ہیں کہ جو حوالے ہم نے مرزا قادیانی کی کتاب سے دیئے ہیں اگر مرزا قادیانی کی کتاب میں یہ مطلب نہ ہو تو ہم مجمع میں اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کریں گے اور ہر غلط حوالہ کے عوض ہزار روپے دینے کو موجود ہیں۔ اگر حوالہ غلط نہ ہو اور جو مطلب ہم نے ثابت کیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہو تو تمہیں مرزا قادیانی کو جھوٹا ماننا ہوگا۔ میں تمام برادران اسلام! سے کہتا ہوں کہ جب کوئی مرزائی ہمارے حوالہ پر الزام لگائے اس سے یہی کہیں اور نہایت زور سے کہیں اب مرزا قادیانی کے جھوٹوں کا نمونہ ملاحظہ ہو:

پہلا جھوٹ...... : مرزا غلام احمد قادیانی نے لکھا ہے کہ:

"مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری.........اور مولوی محمد اسماعیل صاحب علی گڑھی نے میری نسبت قطعی حکم لگایا کہ اگر وہ کاذب ہے تو ہم سے پہلے مرے گا۔"

(اربعین نمبر ۳ ص ۹، خزائن ص ۳۹۴ ج ۱۷)

یہ مرزا غلام احمد قادیانی کا صریح کذب ہے۔ ان دونوں حضرات نے ایسا کہیں نہیں لکھا۔ اگر کسی کو دعویٰ ہے تو بتائے کہ کہاں اور ان کی کس کتاب میں ہے ؟۔ دعائی مرزا قادیانی، میں یہ بھی استفتاء کیا گیا ہے اور مجیب کے لئے پانچ سو روپے کا اشتہار دیا ہے اور یہ رسالہ صحیفہ رحمانیہ سے بہت پہلے چھپا ہے۔ پھر صحیفہ رحمانیہ نمبر اول میں اس جھوٹ کو دکھایا گیا ہے۔ صحیفہ صفر ۱۳۳۲ھ میں چھپا ہے اور اب ۱۳۳۵ھ ہے (اور اب ۱۴۲۱ھ ہے) مگر اس وقت تک کوئی مرزائی اس جھوٹ کے داغ کو مٹا نہیں سکا اور نہ قیامت تک مٹا سکتا ہے۔

دوسرا جھوٹ...... : لکھا ہے کہ :

"جتنے لوگ مباہلہ کرنے والے ہمارے مقابلہ میں آئے خدا تعالیٰ نے سب کو ہلاک کر دیا۔"

(اخبار بدر مورخہ ۲۷ دسمبر ۱۹۰۶ء ملفوظات ص ۹۹ ج ۹)

یہ دعویٰ بھی محض غلط اور سراسر جھوٹ ہے۔ صوفی عبدالحق صاحب کے سوا کسی سے مرزا قادیانی نے مباہلہ نہیں کیا اور صوفی صاحب اب تک زندہ موجود ہیں اور مرزا قادیانی کو ہلاک ہوئے آٹھ برس ہو گئے مگر مریدوں کی کذب پرستی کا یہ حال ہے کہ اپنے مرشد کے اس جھوٹے دعوے کو سچ مان کر بڑے زور سے اب تک یہی دعویٰ کر رہے ہیں۔

چنانچہ لکھا ہے کہ :

"کئی ایک مخالفین بالمقابل کھڑے ہو کر اور مباہلہ کر کے اپنی ہلاکت سے خدا کے اس مامور کی صداقت پر مہر لگا گئے۔"

(۲۱ دسمبر ۱۹۱۶ء پیغام صلح)

اب دیکھا جائے کہ یہ کیسا اعلانیہ جھوٹ ہے، مگر کاذب کی پیروی نے دل کو تاریک اور عقل و ہوش کو بے کار کر دیا کہ متنبہ کرنے کے بعد بھی واقعی بات کی تحقیق نہیں کرتے۔ اس دعویٰ کا جھوٹا ہونا ۱۹۱۳ء میں صحیفہ رحمانیہ نمبر ۱ میں دکھایا گیا ہے۔ بایں ہمہ ۱۹۱۶ء میں کس جرأت سے لکھتے ہیں کہ مباہلہ کر کے اپنی ہلاکت سے خدا کے اس مامور کی صداقت پر مہر لگا گئے۔ اگر اور کچھ نہیں دیکھا تھا اور مرزا قادیانی کے جھوٹ کو بھی وہ سچ سمجھتے تھے تو صوفی عبدالحق صاحب کو بھی انہوں نے دیکھا یا سنا نہ تھا کہ مباہلہ کرنے والے اس وقت

تک زندہ امرتسر میں موجود ہیں۔ پھر ایسا اعلانیہ جھوٹ بولتے انہیں شرم نہیں آئی اور یہ بھی خیال نہیں کیا کہ باوجود اس شور و غل کے تمام عمر میں ایک صوفی صاحب سے مباہلہ کی نوبت آئی اور ان کی زندگی میں مرزا قادیانی ہلاک ہوئے اور اس سے اہل حق کی صداقت پر مہر لگا گئے۔ اب اس اعلانیہ سچے واقعہ کے خلاف بیان کرنا کسی صاحب شرم و حیاء کا کام ہو سکتا ہے؟۔ ہرگز نہیں۔ یہ خواجہ کمال (مرزائی) کی پارٹی کا جھوٹ ہے جو اشاعت اسلام کا دعویٰ کر کے مسلمانوں سے روپیہ بٹور رہے ہیں۔

لطف یہ ہے کہ ۱۷ جنوری ۱۹۱۷ء کے اہل حدیث میں ان مباہلین کے نام دریافت کئے ہیں جو مرزا قادیانی سے مباہلہ کر کے مر گئے، تو بڑی جرأت سے تاریخ مذکور کے پیغام صلح میں ان پانچ شخصوں کے نام بتائے جنہوں نے مرزا قادیانی سے کسی وقت مباہلہ نہیں کیا۔ البتہ جس طرح دنیا کے بہت لوگوں نے مرزا قادیانی کے سامنے انتقال کیا اسی طرح ان پانچوں صاحب نے انتقال کیا مگر اس جماعت کے کذب کی پیروی اور راستی اور سچائی سے بیزاری قابل ملاحظہ ہے کہ باوجودیکہ اپنا اور اپنے مرشد کا جھوٹ معلوم کر چکے، مگر عوام ناواقفوں کے سامنے مجمع کر کے اپنی سچائی دکھانا چاہتے ہیں اور پانچ شخصوں کا نام گناتے ہیں تاکہ ناواقف یہ سمجھیں کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے مباہلہ کیا اور مر گئے۔ حالانکہ یہ بات نہیں ہے ان لوگوں نے مباہلہ نہیں کیا۔ یہی حضرات اشاعت اسلام کا دعویٰ کر رہے ہیں؟ اور مسلمانوں سے چندہ مانگتے ہیں اور ہمارے سیدھے سادھے مسلمان انہیں سچا سمجھ کر چندہ دے رہے ہیں۔

تیسرا جھوٹ...... : مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے کہ :

”ضرور تھا کہ قرآن کریم اور احادیث کی وہ پیش گوئیاں پوری ہوتیں جن میں لکھا تھا کہ مسیح موعود جب ظاہر ہو گا تو اسلامی علماء کے ہاتھ سے دکھ اٹھائے گا وہ اس کو کافر قرار دیں گے اور اس کے قتل کے لئے فتوے دئے جائیں گے۔“

(اربعین نمبر ۳، ص ۱۷، خزائن ص ۴۰۴ ج ۱۷)

یہ دعویٰ بالکل غلط ہے۔ قرآن و حدیث میں کہیں ایسا نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف حدیثوں میں یہ آیا ہے کہ امام مہدی اور مسیح جب آئیں گے تو مسلمانوں کے دلوں میں ان کی محبت اس قدر ہو گی کہ ہر وقت ان کا ذکر کریں گے اور بلا ان کی خواہش کے بیعت ان سے کرنا چاہیں گے اور کریں گے۔ ملاحظہ ہو :

"البرہان فی علامات مہدی آخر الزماں."

مرزا قادیانی نے مذکورہ قول میں تین باتیں قرآن اور حدیث کی طرف منسوب کی ہیں :

(۱)........ یہ کہ علماء کے ہاتھ سے مسیح موعود دکھ اٹھائے گا۔ یعنی اسے ماریں پیٹیں گے۔

(۲)........ اسے کافر قرار دیں گے۔

(۳)........ اس کے قتل کا فتویٰ دیں گے۔

اور یہ تینوں باتیں قرآن و حدیث کی طرف منسوب کی ہیں۔ یعنی قرآن مجید میں یہ تینوں باتیں آئی ہیں اور حدیث میں بھی۔ مگر یہ تینوں دعوے محض غلط ہیں نہ قرآن میں ان دعووں کا پتہ ہے اور نہ حدیث میں۔ اس لئے یہ چھ جھوٹ ہوئے۔ اب جس کو ان کے سچے ہونے کا دعویٰ ہے وہ قرآن و حدیث سے ثابت کرے ورنہ خدا سے ڈر کر ایسے جھوٹے سے علیحدہ ہو جائے۔ آٹھ جھوٹ تو یہ ہوئے۔ اب نواں جھوٹ دیکھئے :

نواں جھوٹ...... : مرزا غلام احمد قادیانی کہتا ہے کہ :

"ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گیارہ بیٹے فوت ہوئے۔"

(قادیانی اخبار البدر مورخہ ۲۴ نومبر و یکم دسمبر ۱۹۰۴ء ملفوظات ص ۲۴۷ ج ۷)

دیکھئے یہ کیسا بے تکا جھوٹ ہے۔ اب قادیانی پارٹی یا لاہوری پارٹی کوئی اپنے مقتداء کی صداقت ثابت کرے اور کوئی معتبر روایت اس مضمون کی دکھائے۔ یہ اس قسم کے جھوٹ ہیں جن سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ مرزا قادیانی جھوٹ بولنے میں ایسا بے باک تھا کہ جب جو

جی چاہا ہے کہہ دیا۔ اب خیال کیا جائے کہ جو شخص ایسا اعلانیہ جھوٹ بولے جو تھوڑی سی تحقیق سے معلوم ہو سکتا ہے اس کے اس قول کو کہ مجھے یہ وحی والہام ہوا ہے کون عقل باور کر سکتی ہے ؟۔

دسواں جھوٹ...... : ۱۲/ اگست ۱۹۰۷ء کو مرزا قادیانی نے اشتہار دیا تھا جس کی سرخی تھی "عام مریدوں کے لئے ہدایت" اس میں لکھا ہے کہ :

"آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب کسی شہر میں وبا نازل ہو، تو اس شہر کے لوگوں کو چاہئے کہ بلا توقف اس شہر کو چھوڑ دیں۔"

یہ قول بھی حضور سرور انبیاء علیہ السلام پر افتراء ہے۔ اس افتراء کی ضرورت مرزا قادیانی کی یہ پیش آئی کہ قادیان میں جب طاعون آیا تو مرزا قادیانی باہر بھاگے اس لئے اس بھاگنے کو حضور علیہ السلام کا حکم ظاہر کرنا چاہتے ہیں اب اگر سچا ماننے والوں کو کچھ غیرت ہو تو کسی حدیث کی کتاب سے کوئی معتبر روایت اس مضمون کی دکھائیں مگر ہم کہتے ہیں کہ نہیں دکھا سکتے۔

گیارہواں جھوٹ...... : مرزا غلام احمد قادیانی کہتا ہے کہ :

"اگر حدیث کے بیان پر اعتبار ہے تو پہلے ان حدیثوں پر عمل کرنا چاہئے جو صحت اور وثوق میں اس حدیث پر کئی درجہ بڑھی ہوئی ہیں۔ مثلاً صحیح بخاری کی وہ حدیثیں جن میں آخری زمانہ میں بعض خلیفوں کی نسبت خبر دی گئی ہے۔ خاص کر وہ خلیفہ جس کی نسبت بخاری میں لکھا ہے کہ آسمان سے اس کی نسبت آواز آئے گی کہ : "ہٰذا خلیفة الله المهدی ." اب سوچو کہ یہ حدیث کس پایہ اور مرتبہ کی ہے کہ .... جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ میں ہے۔

(شہادۃ القرآن ص ۴۱، خزائن ص ۳۳۷ ج ۶)

اس مضمون کو بخاری کی روایت بتانا بھی اس کی شہادت دیتا ہے کہ مرزا قادیانی کی طبیعت میں احتیاط اور راست بازی کا بالکل خیال نہ تھا جو دل میں آگیا وہ زور سے بیان کر دیا اور جس کی طرف چاہا اس کی طرف اس خیال کو منسوب کر دیا اگر اتفاقیہ سچ ہو گیا تو مدعا حاصل،

ورنہ باتیں بنانا کچھ مشکل نہیں ہیں اور ماننے والے ہر طرح مان ہی لیتے ہیں۔ عیاں راچہ بیان۔ مرزا قادیانی کے مرید اس کی کامل شہادت دیتے ہیں۔ اگر میں غلط کہتا ہوں تو تمام دنیا کے مرزائی مل کر تلاش کریں اور بخاری کی اس روایت کو دکھائیں۔

اے مرزائیو! کچھ تو سوچو اور اگر اب تک غفلت میں تھے تو اب سوچو کہ ایسے شخص کے منہ پر دعویٰ نبوت اور مسیحیت اور مہدویت و افضل الامۃ ہی نہیں بلکہ قمر الانبیاء اور افضل من عیسیٰ روح اللہ ہونے کا زیب دیتا ہے جو اس قدر دلیر جھوٹا ہو؟۔ بخاری شریف مسلمانوں کی ایک مشہور و معروف کتاب ہے۔ تمام احمدی (قادیانی) مل کر اور جمع ہو کر، بتائیں کہ بخاری کے کس باب میں یہ حدیث ہے۔ اور اگر نہ بتا سکیں تو بس اب توبہ کرنے میں کیوں دیر کرتے ہیں؟۔ یہ تو وہ جھوٹ ہیں جن میں نہ کوئی الہام کی غلط فہمی کام آسکتی ہے نہ کوئی شرط لگ سکتی ہے۔ نہ یمح اللہ ماشاء اللہ و یثبت کا پیچ چل سکتا ہے نہ بعد ولا یوفی کام دے سکتا ہے نہ چاند اور سورج کا گہن اس کو سچا کر سکتا ہے۔ کیا اسی نبی کی نبوت کی آسمان اور زمین نے شہادت دی تھی؟۔ اسی کی نبوت قرآن و حدیث سے ثابت کرتے ہو۔ آخر خدا نے انسان بنایا ہے کچھ تو غور و فکر سے کام لو۔ کیا مرنا نہیں ہے۔ کیوں مخالفین اسلام کو ہنساتے ہو اور ان کی تعداد کو بڑھاتے ہو؟۔

بارہواں جھوٹ...... : مرزا قادیانی نے اپنی مدح میں ایک پیش گوئی گھڑی ہے اور اسے حدیث رسول اللہ ﷺ ٹھہرایا ہے۔ لکھتا ہے کہ :

"واضح ہو کہ احادیث نبویہ میں یہ پیش گوئی کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی امت میں سے ایک شخص پیدا ہو گا جو عیسیٰ اور ابن مریم کہلائے گا اور نبی کے نام سے موسوم کیا جائے گا۔"

(حقیقت الوحی ص ۳۹۰، خزائن ص ۴۰۶ ج ۲۲)

یہ پیشین گوئی کسی حدیث میں نہیں آئی مرزا قادیانی نے جاہلوں کے بہکاوے کے لئے جناب رسول اللہ ﷺ پر افتراء کیا ہے۔ اگر ہم غلط کہتے ہیں تو کوئی مرزائی اس روایت کو کسی معتبر کتاب سے ثابت کر دے۔ مگر نہیں کر سکتا۔ اس قول میں مرزا قادیانی اپنے لئے پیش

گوئی ثابت کرنا چاہتے ہیں اور اپنے مریدوں کو خوش کرنے کے لئے فرماتے ہیں کہ ایک شخص پیدا ہوگا جو عیسیٰ اور ابن مریم کہلائے گا اردو محاورے کے لحاظ سے اس کے دو معنے ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ در حقیقت تو وہ عیسیٰ اور ابن مریم نہیں ہوگا مگر دوسروں سے کہلائے گا۔ یعنی لوگوں سے کہے گا کہ مجھے عیسیٰ اور ابن مریم کہو‘ اس کا حاصل یہ ہے کہ لوگوں سے جھوٹ بلوائے گا اور عیسیٰ اور ابن مریم بنے گا‘ اور دوسرے معنے یہ ہیں کہ نام تو اس کا کچھ اور ہوگا مگر کسی وجہ سے لوگ اسے عیسیٰ اور ابن مریم کہنے لگیں گے وہ خود نہیں کہلائے گا۔ اب یہ قول پہلے معنے کے لحاظ سے تو صاف طور سے ایک جھوٹے کی پیشین گوئی ہوئی جیسے دجال کی پیشین گوئی ہے۔ دوسرے معنے کے لحاظ سے مرزا قادیانی اس کے مصداق نہیں ہو سکتے کیونکہ لوگوں نے انہیں خود عیسیٰ اور ابن مریم نہیں کہا‘ بلکہ انہوں نے بہت جھوٹی اور فریب آمیز باتیں بنا کر اپنے کو عیسیٰ اور ابن مریم بنایا ہے تاکہ مسیح موعود کے مصداق بنیں۔ بہر حال جو معنے ہوں۔ کسی حدیث میں یہ پیش گوئی نہیں ہے کہ میری امت میں ایک شخص پیدا ہوگا جو عیسیٰ اور ابن مریم کہلائے گا۔ ایک جملہ اس قول میں یہ ہے کہ نبی کے نام سے موسوم ہوگا۔ یہ جملہ مرزا قادیانی نے بڑی ہوشیاری اور عیاری سے لکھا ہے۔ اب مرزائی حضرات یہ فرمائیں کہ اس کا کیا مطلب ہے؟۔ ظاہراً اردو کے محاورے کے لحاظ سے تو اس کے یہ معنے ہیں کہ در حقیقت تو وہ نبی یعنی خدا کا رسول نہ ہوگا۔ بلکہ اس کا نام نبی رکھا جائے گا۔ جس طرح اس وقت لکھنوء میں ایک مشہور بیرسٹر ہیں ان کا نام ”نبی اللہ“ ہے جا کر دیکھ لیجئے۔ مگر یہ مطلب اس لئے غلط ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا نام نبی نہیں رکھا گیا بلکہ غلام احمد ان کا نام ہے۔ غرضیکہ برائے نام بھی انہیں نبی کہنا غلط ہے مگر مرزا قادیانی نے یہ جملہ اس لئے تراشا ہے کہ خاص و عام میں مشہور ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ ان کی تسکین کے لئے کہتے ہیں کہ وہ حقیقی نبی نہیں ہوگا بلکہ نبی اس کا نام رکھا جائے گا۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ ہم پر یہ الزام لگایا جائے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے سے منکر ہیں بلکہ اسے مان کر ہم نبی کہلانے کے مستحق ہیں۔ ہمیں حدیث میں نبی کہا گیا ہے مگر یہ محض فریب ہے۔ حدیث میں جنہیں نبی کہا گیا ہے وہ واقعی نبی ہیں مگر انہیں رسول اللہ ﷺ

سے پہلے نبوت کا مرتبہ مل چکا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد انہیں نبوت نہیں ملی۔ جو حضور علیہ السلام کے خاتم النبیین ہونے کے مخالف ہو۔ بہر حال یہ یقینی بات ہے کہ کسی حدیث صحیح میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نہیں ہے کہ میری امت میں ایسا شخص پیدا ہو گا جس میں یہ تین باتیں ہوں گی یعنی یہ کہ وہ عیسیٰ کہلائے اور ابن مریم بھی اسے لوگ کہیں اور نبی کے نام سے بھی موسوم ہو۔ البتہ صحیح مسلم میں حضرت مسیح ابن مریم کے آنے کی پیش گوئی ہے مگر اس میں ۲۷ باتوں سے زائد ایسی بیان ہوئی ہیں جن سے مرزا قادیانی جھوٹے ثابت ہوتے ہیں۔ صحیفہ رحمانیہ نمبر ۱۱، ۱۲ کا صفحہ ۴۲، ۵۱ تک ملاحظہ ہو۔ اس حدیث میں پہلے حضرت عیسیٰ کا آنا اور کافروں کا مارا جانا بیان کر کے یاجوج ماجوج کا آنا اور حضرت عیسیٰ کا پہاڑ پر محصور ہونا بیان ہوا ہے۔ پھر ارشاد ہے: "فیرغب نبی اللہ عیسیٰ واصحابه." یعنی اس وقت خدا کے رسول جن کا نام عیسیٰ ہے اور ان کے اصحاب خدا کی طرف متوجہ ہوں گے اور دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کو نیست و نابود کر دے گا۔ اس کے بعد دنیا کی ایسی عمدہ حالت کی پیش گوئی ہے کہ اس کا ظہور اس وقت تک کبھی نہیں ہوا۔ قادیانی مسیح کے وقت کی حالت تو ایسی خراب تھی اور ہے کہ کبھی ایسی نہیں ہوئی۔ اس حدیث میں کسی امتی کا نام نبی یا نبی اللہ ہرگز نہیں بتایا۔ بلکہ حضرت عیسیٰ کی صفت "نبی اللہ" بیان ہوئی۔

تیرہواں جھوٹ ...... لکھتا ہے کہ:

"جاننا چاہئے کہ اگرچہ عام طور پر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے یہ حدیث صحیح ثابت ہو چکی ہے کہ خدا تعالیٰ اس امت کی اصلاح کے لئے ہر ایک صدی پر ایسا مجدد مبعوث کرتا رہے گا جو اس کے دین کو نیا کرے گا لیکن چودھویں (صدی) کے لئے یعنی اس بشارت کے بارہ میں جو ایک عظیم الشان مہدی چودھویں صدی کے سر پر ظاہر ہو گا اس قدر اشارات نبویہ پائے جاتے ہیں جو ان سے کوئی طالب منکر نہیں ہو سکتا۔"

(نشان آسمانی ص ۱۸، خزائن ص ۳۷۸ ج ۴)

مرزا قادیانی نے یہ عظیم الشان دعویٰ کیا اور اکثر عمر رسائل لکھنے میں گزاری مگر

کسی رسالہ میں ان اشاروں کا اجمالی ذکر بھی کہیں دکھایا نہیں گیا۔ اگر کوئی دکھا سکے تو دکھایئے مگر یہ بات قطعاً اور یقیناً جھوٹی ہے کہ چودھویں صدی کے مجدد کے لئے مخصوص اشارے کسی حدیث میں ہیں جو اور مجددوں کے لئے نہیں ہیں۔ اس مضمون کی ایک روایت صرف ابوداؤد میں ہے جس کے معنے کے اشکال سے اگر قطع نظر کی جائے تو اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر مجدد کو پیدا کرے گا۔ جو دین کو بہت کچھ نفع پہنچائے گا۔ حدیث :

"ان الله یبعث لهذه الامة علیٰ رأس کل مائة سنة من یجد دلها دینها ۔ ابوداؤد ص ١٣٢ ج ٢"

﴿اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر صدی کے شروع میں ایسا مجدد بھیجے گا جو دین کی تجدید کرے گا۔﴾

اب قادیانی جماعت بتلائے کہ اس حدیث میں وہ کونسا لفظ ہے جس سے معلوم ہو کہ چودھویں صدی کا مجدد ممتاز ہو گا۔ جو عبارت سمجھ سکتے ہیں وہ بخوبی معلوم کر سکتے ہیں کہ :

(۱)......... اس حدیث میں صرف اس قدر بیان ہے کہ ہر صدی پر جو دین کو فائدہ پہنچائے گا اس کے سوا کوئی اشارہ اس میں نہیں ہے۔ اس حدیث کے بموجب مرزا قادیانی مجدد ہرگز نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ انہوں نے دین اسلام کو کوئی نفع ایسا نہیں پہنچایا۔ جو دوسرے علماء نے نہ پہنچایا ہو' بلکہ نہایت نقصان پہنچایا مثلاً یہ کہ :

(۱)......... چالیس کروڑ مسلمانوں کو کافر قرار دے کر دنیا کو اسلام سے خالی کر دیا۔

(۲)......... خدا اور رسول ﷺ پر ایسے الزام لگائے جس سے منکرین اسلام کو اس مقدس مذہب پر مضحکہ کا موقع دیا۔ اس وقت تو یہ چند جھوٹ مسیح قادیانی کے آگئے آئندہ اس سے زیادہ دکھائے جائیں گے جس سے معلوم ہو جائے گا کہ قادیانیوں کے سردار جھوٹوں کے سرکردہ ہیں انہیں کو خواجہ کمال (مرزائی) مسیح موعود اور تمام صحابہ کرام اور آئمہ سے افضل کہتے ہیں اور در پردہ وہ ہمارے مقدس بزرگوں کی سخت توہین کرتے ہیں۔

(خاکسار ابو احمد رحمانی ماہ رجب ۱۳۳۵ھ رحمانیہ پریس مونگیر)

فصل الثالث وبتمامه تمت رسالة قائد القادیان حفظنا الله تعالیٰ

وجمیع اهل الایمان کان ومن کل زیغ وطغیان ۔ آمین بحرمة سیدالمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیه وعلیٰ انبیاء واهل بیتهم وصحابهم اجمعین ۔

ذنابة الرسالة فی بعض الاشعار المناسبة للمقام

از اخبار اہل سنت وجماعۃ امرتسر جلد ۱، ۳ یکم جون ۱۹۱۸ء تحت عنوان

”مرزا غلام احمد قادیانی کا دعویٰ نبوت اور اس کا جواب“

ومرزا یدعی وصلا للیلیٰ
ولیلے لاتقرله بذاک

از ٹائٹل ص ۲ رسالہ ”مسیح کاذب“ تحت عنوان لسان الغیب از صائب

نظرے گوہر خودرا عیسیٰ
نتواں گشت بتصدیق خرے چند

فارسی از ٹائٹل ص ا رسالہ تنبیہ قادیانی

ہوش داریداے مسلمان جہاں کز قادیان
فتنه در دین محمد مصطفیٰ خواہد شدن

گاہ عیسیٰ گاہ موسیٰ گاہ فخرانبیاء
گاہ ابن اللہ گاہ خود خدا خواہدشدن

منقول از حاشیہ رسالہ تنبیہ قادیانی ص ۲۰ منقول از اشاعت السنۃ ۲اج۱۴

بعنوان: ”اهل البیت ادری بمافیه“ اشعار تصنیف خسر مرزا غلام احمد قادیانی:

ہر گھڑی ہے مال داروں کی تلاش
تاکہ حاصل ہو کہیں وجہ معاش

ہو یتیموں ہی کا یا رانڈوں کا ہو
رنڈیوں کا مال یابھانڈوں کا ہو

کچھ نہیں تفتیش سے ان کو غرض
حرص کا ہے اس قدر ان کو مرض

بدمعاش اب نیک از حد بن گئے
بو مسیلمہ آج احمد بن گئے

اس اخیر مضمون کی مناسبت سے ایک تحریر مرزا قادیانی کے بڑے بھائی کی یاد آگئی جو تبلیغ رحمانی میں بھی چھپی ہے گو وہ نظم نہیں مگر اہلبیت (مرزا قادیانی) کی دوسری شہادت ہونے کے سبب مکمل نصاب شہادت تھی اس لئے نقل کی جاتی ہے۔ تحت عنوان "درخواست چندہ برخوردار مرزا قادیانی طال عمرہ" بعد دعائے درازی عمر کے واضح ہو کہ میں تمہارے دعویٰ ہمیشہ سے سنتا ہوں اور دور دراز تک تمہاری خبر پہنچی ہوئی ہے اور لوگ جوق در جوق آتے ہیں مگر افسوس میں تمہارا بڑا بھائی اور بزرگ ہوں میری طرف تم نے کوئی خاص توجہ نہ کی جو تمہاری نالائقی کا ثبوت ہے آخر میں بھرے دل سے از خود تم کو اطلاع کرتا ہوں کہ میں تمہارے ذاتی عیوب سے قطع نظر تمہاری پیش گوئیوں کو ایک گوزشتر سمجھتا ہوں۔ تم نے تو مولوی ثناء اللہ امرتسری کو فی پیش گوئی سو روپے دینا کیا تھا جو ان کے آنے پر تم گھر سے بھی نہ نکلے مگر میں تم کو فی پیش گوئی ہزار روپے دینے کا وعدہ کرتا ہوں اگر تم اپنی پیش کردہ پانچ پیش گوئیاں بھی مجھے سچی کر دو تو فی پیش گوئی ہزار روپے تم کو دوں گا اور اگر نہ ثابت کر سکو تو صرف تم کو مسلمان ہونے کی دعوت دیتا ہوں۔ پس ایک ہفتہ تک اس دعوت کا جواب بذریعہ اشتہار جلدی دینا کیونکہ خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے نبی ﷺ کو بھی حکم فرمایا ہے: "وآت ذالقربی حقه" یعنی قریبوں کے حقوق ادا کرو۔ قریبوں کا حق دوسروں سے زیادہ ہے بھلا یہ کیا انصاف ہے کہ کشتی نوح کے آخر صفحہ پر تو ہم کو اپنا شریک اور قرابتی بتاؤ اور یہ ظاہر کرو کہ ہمارے شرکاء مکان دینے کو راضی ہیں دو ہزار روپے چندہ جمع کر لیا ہے حالانکہ ہمیں اس کی کوئی خبر ہی نہیں اور نہ ہم دینا چاہتے ہیں ایسے جھوٹ کا بھی کوئی علاج ہے خیر ان باتوں کے ذکر کو تو ایک دفتر چاہیئے جو میں الگ سے کسی وقت تفصیل سے بیان

کروں گا سر دست میں اس اشتہار کے جواب کا منتظر ہوں۔ رقیمہ مولائی مرزا امام الدین برادر کلاں مرزا قادیانی مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۳ء مطبوعہ اہل حدیث پریس)

لطیفہ شریفہ

اشعار بالا کی نقل کے بعد جی چاہا کہ مثنوی معنوی کی طرف بطور تائید کے، نہ کہ احتجاج کے: ”لان الاحتجاج لم یبق الیه احتجاج“ رجوع کیا جائے سات بار بسم اللہ پڑھ کر بے ساختہ کتاب کھولی، اول ہی میں یہ اشعار نکلے (دفتر چہارم ص ۳۴۰) اور سچ تو یہ ہے کہ موضوع بحث کا بالکل فوٹو ہی کھینچ دیا ہے۔ وہ یہ ہیں:

نفس بعهداست زان اوکشتنی ست
اودنی وقبله گاه ادنی ست

نفس هارا لائق ست این انجمن
مرده را درخور بود گوروکفن

نفس اگرچه زیرك ست وخورده دان
قبله اش دیناست اورا مرده دان

بانگ وصیتے چوکه آن خائل نشد
تاب خورشیدی که آن آفل نشد

رونق وتاب وطرتب وسحر شان
گرچه خلقاں راکشد گردن کشان

سحر ہائے ساحراں داں جملہ را
مرگ چوبے دان کہ آن شد اثردہا

جادو انبیا را ہمہ یک لقمہ کرد
یک جہاں پر شب بدآنرا صبح خورد

وھذا آخر الکلام ۰ فی ھذا المرام ۰ وصلے اللہ تعالیٰ علی خیر الانام وعلیٰ آلہ الکرام واصحابہ العظام فقط ۰

یکم ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ یوم الاحد۰

حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کے ارشادات

☆……☆…… کسی مرزائی کو داماد بنانا ایسا ہے جیسے کسی ہندو، سکھ، چوہڑے کو داماد بنالیا جائے۔

☆……☆…… جس شخص نے کہا کہ قادیانی مسلمانوں سے اچھے ہیں وہ خود قادیانیوں سے بدتر کافر ہو گیا۔

☆……☆…… مرزائیوں کی حیثیت ذمیوں کی نہیں بلکہ محارب کافروں کی ہے اور محاربین سے کسی قسم کا تعلق رکھنا شرعاً جائز نہیں۔

☆……☆……☆

ضروری اعلان

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی دفتر ملتان سے شائع ہونے والا ﴿**ماہنامہ لولاک**﴾ جو قادیانیت کے خلاف گرانقدر جدید معلومات پر مکمل دستاویزی ثبوت ہر ماہ مہیا کرتا ہے۔ صفحات 64، کمپوٹر کتابت، عمدہ کاغذ وطباعت اور رنگین ٹائیٹل، ان تمام تر خوبیوں کے باوجود زر سالانہ فقط یک صد روپیہ منی آرڈر بھیج کر گھر بیٹھے مطالعہ فرمائیے۔

رابطہ کے لئے

ناظم دفتر ماہنامہ لولاک ملتان

دفتر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

حضوری باغ روڈ ملتان

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

الشہاب لرجم الخاطف المرتاب

بمع ضمیمہ

شیخ الاسلام

حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!

تعارف

الحمدللہ وکفی وسلام علیٰ خاتم الانبیاء. اما بعد!

مرزا قادیانی ملعون کے پانچ مریدوں (مرتدوں) کو افغانستان میں مختلف اوقات میں بجرم ارتداد سنگسار کیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی شان کو دیکھو اس وقت بھی افغانستان کی انہی روایات کے باعث آج افغانستان میں طالبان کی ناصرف خالصۃً اسلامی حکومت قائم ہے بلکہ ارتداد کی شرعی سزا بھی نافذ ہے۔ جہاں تک قادیانیوں کو سنگسار کرنے کا تعلق ہے سب سے پہلے عبدالرحمٰن قادیانی کو ۱۹۰۱ء میں والئی افغانستان جناب امیر عبدالرحمٰنؒ نے سنگسار کرلیا۔ اس کے بعد عبداللطیف قادیانی کو ۱۴ جولائی ۱۹۰۳ء میں والئی افغانستان جناب امیر حبیب اللہ ؒ کے زمانہ میں بجرم ارتداد سنگسار کیا گیا۔ (تاریخ احمدیت ج ۳ ص ۵۲۸) اس زمانہ میں مرزا قادیانی زندہ تھا۔ افغانستان کے امیر خان عبدالرحمٰنؒ اور امیر حبیب اللہؒ کے خلاف اس نے بدزبانی کی اور تذکرہ الشہادتین نامی کتاب تحریر کی۔ اللہ رب العزت کے کرم کو دیکھو کہ مرزا قادیانی کی تحریری بکواسات کا اسلامی مملکت افغانستان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ بلکہ خان امان اللہ خانؒ والئی افغانستان کے زمانہ میں قادیانیوں نے پھر وہاں ارتدادی مہم چلانے کی کوشش کی تو ۳۱ اگست ۱۹۲۴ء کو نعمت اللہ قادیانی اور ۱۲ فروری ۱۹۲۵ء کو عبدالحلیم اور قاری نور علی قادیانی کو بجرم ارتداد قتل کیا گیا۔ (تذکرہ ص ۵۸۹ طبع سوم) نعمت اللہ قادیانی کی سنگباری پر لاہوری گروپ کے چیف گرو لاٹ پادری محمد علی نے پیغام صلح میں ایک مضمون میں ارتداد کی سزا قتل کے خلاف سخن سازی کی۔ اللہ رب العزت کی کروڑوں رحمتیں ہوں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی ؒ پر آپ نے ”الشہاب لرجم الخاطف المرتاب“ نامی رسالہ تحریر فرما کر قادیانیوں و لاہوریوں کی سخن سازیوں پر علم کے قفل چھڑا دیئے۔ ڈیڑھ دو ماہ بعد لاہوری گروپ کے محمد علی کی باسی کڑی میں ابال آیا تو اس نے پھر ایک مضمون لکھا۔ آپ نے ”تذنیب یعنی ضمیمہ الشہاب“ تحریر کر دیا۔ قادیانی کیا خاموش ہوئے گویا ان کو سانپ سونگھ گیا۔ اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم کے صدقہ میں اس رسالہ کو بمع ضمیمہ کے آپ ملاحظہ فرمائیں۔

اسلامیان پاکستان نوٹ کریں کہ پاکستان کے پہلے شیخ الاسلام حضرت عثمانیؒ کی یہ تحریر ہے۔ پاکستان کی نظریاتی کونسل نے ارتداد کی سزا قتل کی سفارش کر دی ہے۔ حکومت کب اسے قانون کا درجہ دیتی ہے؟ لیکن یہ ظاہر ہے کہ جب بھی پاکستان میں سرکاری سطح پر ارتداد کی سزا نافذ ہوئی وہ دن قادیانیت کے خاتمہ کا دن ہوگا۔ انشاء اللہ العزیز!

فقیر اللہ وسایا

۷/۶/۱۴۲۲ھ

۲۷/۸/۲۰۰۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العلمين والصلوٰة والسلام علىٰ خير خلقه

محمد واله و صحبه اجمعين . !!!

کابل میں نعمت اللہ قادیانی کی سنگساری کے واقعہ سے ہندوستان کے اخباروں میں قادیانیوں کے ارتداد کی بحث پھر تازہ ہو گئی۔ اور ساتھ ہی یہ مسئلہ بھی زیر بحث آگیا کہ اسلام میں مرتد کی سزا کیا ہے؟۔ مسٹر محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور نے "پیغام صلح" کے ضمیمہ کے طور پر ایک پمفلٹ "نعمت اللہ خاں کی سنگساری" بھی اسی مضمون کے متعلق بڑی تعداد میں شائع کرایا ہے۔ جس میں پورے زور خطابت سے حکومت افغانستان اور علمائے دیوبند کے خلاف (جو افغانستان کے اس فعل کی سب سے بڑھ کر تحسین کرنے والے ہیں) نفرت اور اشتعال پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اگرچہ مجھے یقین ہے کہ مسلمان اب بہت کچھ قادیانیوں کی فتنہ پردازیوں اور اسلام کے خلاف ان کی دسیسہ کاریوں سے واقف ہو گئے ہیں اور اسی لئے ان کا کوئی پروپیگنڈہ افغانی گورنمنٹ یا علماء دیوبند کے خلاف انشاء اللہ! مؤثر نہیں ہو سکتا۔ تاہم سلسلہ تحریرات جس حد تک پہنچ گیا ہے' اسے دیکھتے ہوئے مناسب معلوم ہوا کہ اس باب میں توسع کے ساتھ کچھ عرض کیا جائے۔

اس ضمن میں پہلی بحث جو ہمارے سامنے آتی ہے وہ قادیانی جماعت کے ارتداد کا مسئلہ ہے۔ اور پھر یہ دیکھنا ہے کہ مرتد کی نسبت اسلام کیا فیصلہ کرتا ہے؟ تو ضروری ہوا کہ اولاً ارتداد کے معنے سمجھ لئے جائیں۔

ارتداد کی تعریف

مرتد کے معنی لغت میں (راجع) یعنی کسی چیز سے لوٹنے اور پھر جانے والے کے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں مرتد اس شخص کو کہا جاتا ہے جو دین اسلام کو اختیار کر کے اس سے پھر جائے۔

امام راغبؒ ارتداد کے معنے لکھتے ہیں :

"ھو الرجوع من الاسلام الیٰ الکفر ۔"

﴿اسلام سے کفر کی طرف پھر جانا۔﴾ (مفردات ص ۱۹۲)

محمد علی مرزائی اپنے پمفلٹ میں لکھتے ہیں کہ :

"ارتداد یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو قبول کر کے پھر اس سے انکار کر دے اور کہہ دے کہ آپ رسول نہیں۔" (نعمت اللہ خان کی سنگساری ص ۵)

لیکن یہ بات صاف ہو جانی چاہئے کہ امام راغبؒ کی تعریف میں کفر، اور محمد علی (مرزائی) کی تعریف میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت سے انکار کرنے کا کیا مطلب ہے ؟۔ کیا رسالت کا انکار اسی وقت سمجھا جائے گا کہ وہ زبان سے کہہ دے کہ میں آپ ﷺ کو رسول نہیں جانتا۔ یا رسول اللہ ﷺ کی کسی یقینی خبر اور قطعی فرمان کا انکار کرنے سے بھی رسالت کا منکر ٹھہرے گا ؟۔

فرض کیجئے ! ایک شخص زبان سے اقرار کرتا ہے کہ جناب محمد ﷺ خدا کے رسول ہیں۔ نماز بھی قبلہ کی طرف پڑھتا ہے۔ زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہے۔ مسلمانوں کا ذبیحہ بھی کھاتا ہے، مگر ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ میرے خیال میں سورہ احزاب یا سورہ نساء قرآن کی سورۃ نہیں۔ یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام مثلاً خدا کے پیغمبر نہیں (معاذ اللہ) باقی سارے قرآن اور سارے انبیاء کی میں تصدیق کرتا ہوں تو کیا ایسی تصریحات کے باوجود بھی محمد علی (مرزائی) اسے مسلمان سمجھتے رہیں گے اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان رکھنے والا تصور کریں گے اور ان بعض انبیاء یا ان بعض اجزائے قرآن کی تکذیب کو خود محمد رسول اللہ ﷺ بلکہ رب محمد کی تکذیب قرار نہ دیں گے ؟۔

اگر ایسے شخص کو باوجود زبانی اقرار رسالت کے وہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت بلکہ خود خداوند رب العزت کا منکر ہی قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ :" اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِهٖ وَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّفَرِّقُوۡا بَیۡنَ اللّٰہِ وَرُسُلِهٖ ۔ وَیَقُوۡلُوۡنَ نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَّنَكۡفُرُ بِبَعۡضٍ وَّیُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا بَیۡنَ ذٰلِكَ سَبِیۡلًا ۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ

حَقًّا. النساء آیت ۱۵۰" کے تحت میں انہوں نے لکھا ہے:

"اللہ اور اس کے رسولوں میں تفریق سے مراد صرف یہی نہیں کہ اللہ کو مان لیا اور رسولوں کا انکار کر دیا۔ جیسے برہمو ہیں۔ بلکہ یہ بھی کہ بعض رسولوں کو مان لیا اور بعض کا انکار کر دیا۔ جیسے تمام اہل کتاب کی حالت ہے اور یہ اس لئے کہ اللہ کے کسی رسول کا انکار گویا اللہ کا ہی انکار ہے۔" (بیان القرآن ص ۳۹۲)

ان کے مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) لکھتے ہیں کہ:

" کافر کا لفظ مومن کے مقابل پر ہے اور کفر دو قسم پر ہے۔ ایک یہ کفر کہ ایک شخص اسلام ہی سے انکار کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔ دوسرے یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کو باوجود اتمام حجت کے جھوٹا جانتا ہے ………… اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں۔"

(حقیقت الوحی ص ۱۷۹، خزائن ص ۱۸۵ ج ۲۲)

لکھتے ہیں کہ:

"وہ جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا۔"

(حقیقت الوحی ص ۱۶۳، خزائن ص ۱۶۸ ج ۲۲)

تو اس قسم کے اقرار اور تسلیم سے ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک بھی اللہ اور اس کے رسول کے انکار کی صرف یہ ہی صورت نہیں کہ ایک شخص زبان سے صریح طور پر یوں کہے کہ میں خدا کو یا اس کے پیغمبر رسول عربی ﷺ کو نہیں مانتا بلکہ بسا اوقات بعض نہایت ہی قطعی اور ضروری چیزوں کا انکار کرنے والا بھی جن کی اطلاع خدا اور اس کے رسول نے دی ہو خدا اور اس کے رسول ہی کا انکار کرنے والا سمجھا جائے گا جو قرآن کی تصریح اور مرزا قادیانی کے اقرار کے موافق کفر ہے۔

پس جب کہ امام راغبؒ کی تصریح کے موافق اسلام سے کفر کی طرف پھر جانے کا نام ارتداد ہے اور محمد علی (مرزائی) اور ان کے مسیح موعود کی تصریحات سے یہ ثابت ہو چکا کہ کفر صرف یہی نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کا صریح طور پر زبان سے انکار کیا جائے۔ بلکہ

بعض قطعیات اسلام کا انکار کرنا بھی حقیقت میں اللہ اور اس کے رسول کا انکار کرنا ہے جو کفر ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ارتداد یعنی اسلام سے کفر کی طرف پھر جانے کی دو صورتیں ہیں۔

(۱)............ ایک یہ کہ کوئی مسلمان صریحاً اسلام سے کفر کر بیٹھے۔

(۲)............ دوسرے یہ کہ ایسا نہ ہو۔ مگر بعض ضروریات دینیہ اور قطعیات شرعیہ سے انکار کرے۔

دونوں صورتوں میں ایسا شخص مرتد یعنی اسلام سے نکل کر کفر میں جانے والا ہے۔ (العیاذ باللہ)

کیا مرزا قادیانی اور اس کی امت مرتد ہیں؟

جو لوگ مرزا غلام احمد قادیانی کو مرتد کہتے ہیں ان کے نزدیک معیار ارتداد وہی ہے جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ مرزا قادیانی پہلے مسلمان تھے اور جمہور اہل اسلام کے سے عقائد رکھتے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے بتدریج ایسی باتیں لکھیں اور شائع کیں جن کا ماننا کھلے طور پر رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا نہ ماننا ہے وہ اگرچہ بار بار زبان سے یہ بھی اظہار کرتے رہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ خدا کے رسول ہیں اور خاتم الانبیاء ہیں اور تمام انبیاء و مرسلین خدا کے پاک اور برگزیدہ بندے ہیں، لیکن ساتھ ہی وہ قلم اور زبان سے نہایت اصرار کے ساتھ ایسی چیزیں بھی نکالتے رہے جو ان کے پہلے ادعاء کی مکذب ہیں۔

وہ جب کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ قرآن کی تصریح کے موافق خاتم النبیین ہیں تو ساتھ ہی یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کے بعد نبی ہو کر آیا ہوں۔ پھر یہ نبوت جس کا انہیں دعویٰ ہے صرف وہ ولایت و محدثیت نہیں جسے صوفیہ نے (مثلاً شیخ اکبرؒ) نے اپنی اصطلاح میں نبوت کے لفظ سے تعبیر کر دیا ہے اور کہا ہے کہ وہ گروہ اولیاء میں موجود ہوتی ہے۔ گو اس کی وجہ سے وہ انبیاء نہیں کہلاتے اور نہ کبھی آج تک کسی ولی نے حتیٰ کہ اس محدث نے بھی جس کے محدث ہونے کی تصدیق زبان رسالت سے ہو چکی تھی (حضرت عمرؓ)۔ اپنی اس نبوت پر ایمان لانے کی طرف لوگوں کو دعوت دی ہے اور نہ مرزا قادیانی ایسی گھٹیا نبوت

کے مدعی ہیں جو ایک سچا خواب دیکھنے سے بھی کسی مومن صالح کو فی الجملہ حاصل ہو سکتی ہے۔

”فالاتصاف بکما لات النبوة لایلز الاتصاف بالنبوة۰ عبقات ص۱۵۹ج۱“

پس کمالات نبوت سے متصف ہونا اتصاف بالنبوت کو مستلزم نہیں۔

”فاخبر رسول اللہ ﷺ ان الرؤیا جزء من اجزاء النبوة فقد بقی للناس من النبوة هذا وغیره ومع هذا لایطلق اسم النبوة ولا النبی الا علی المشرع خاصة فحجر هذا لاسم لخصوص وصف معین فی النبوة۰ فتوحات ص۳۷۶ج۲“.

﴿رسول اللہ ﷺ نے ہم کو بتلایا کہ خواب (سچا) اجزاء نبوت میں سے ایک جزء ہے تو لوگوں کے واسطے نبوت میں سے یہ جز (رؤیا) وغیرہ باقی رہ گیا ہے لیکن اس کے باوجود بھی نبوت کا لفظ اور نبی کا نام بجز مشرع (امر و نہی لانیوالے) کے اور کسی پر بولا نہیں جا سکتا۔ تو نبوت میں ایک خاص وصف معین کی موجودگی کی وجہ سے اس نام (نبی) کی بندش کر دی گئی ہے۔﴾

”کمن یوحیٰ الیه فی المبشرات وهی جزء من اجزاء النبوة وان لم یکن صاحب المبشرة نبیا فتقظن لعموم رحمة اللہ فما تطلق النبوة الا لمن اتصف بالمجموع فذلك النبی وتلك النبوة التی حجزت علینا وانقطعت فان من جملتها التشریع بالوحی الملکی فے التشریع وذلك لایکون الا لنبی خاصة۰ فتوحات ص۵۶۸ج۳“

جیسے کسی کی طرف مبشرات کی وحی آئی اور وہ مبشرات اجزاء نبوت میں سے ہیں۔ اگرچہ صاحب مبشرۃ نبی نہیں ہو جاتا۔ پس رحمۃ الٰہیہ کے عموم کو سمجھو تو نبوت کا اطلاق اسی پر ہو سکتا ہے جو تمام اجزء نبوت سے متصف ہو۔ وہی نبی ہے اور وہی نبوت ہے جو منقطع ہو چکی اور ہم سے روک دی گئی کیونکہ نبوت کے اجزء میں سے تشریع بھی ہے جو وحی ملکی سے ہوتی ہے اور یہ بات صرف نبی کے ساتھ مخصوص ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کا دعویٰ نبوت

بلکہ وہ محدثیت وغیرہ سے آگے بڑھ کر مدعی ہوئے ہیں ایسی نبوت کے، جس نہ صرف قادیان کو، نہ صرف پنجاب کو، نہ صرف انڈیا کو بلکہ خاتم النبیین ﷺ کی نبوت کی طرح تمام عالم کو ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ پھر جو کوئی اس دعوت کے پہنچنے پر بھی ایمان نہ لائے وہ دائرہ ایمان و اسلام سے خارج اور جہنمی ہے، جس طرح آنحضرت ﷺ کی دعوت پر ایمان نہ لانے والا بے ایمان اور جہنمی ہوتا ہے، بلکہ ان (مرزا قادیانی) کا نہ ماننے وا بعینہ خدا اور رسول کو بھی نہ ماننے والا ہے۔

نہ صرف یہی کہ ان (مرزا قادیانی) کو معمولی نبی تسلیم کر لیا جائے۔ بلکہ اولوالعز پیغمبر اور خاتم انبیاء بنی اسرائیل سیدنا حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام پر بھی ان کی فضیل کا اقرار کیا جائے۔ پھر فضیلت بھی کوئی جزئی فضیلت نہیں۔ بلکہ کلی فضیلت اور ہر شان می ان سے بڑھ کر مانا جائے اور اگر ہو سکے تو ان سب کے بعد ذرا دبی زبان سے تشریعی (صاح شریعت) نبی بھی تسلیم کر لیا جائے۔

ملاحظہ ہوں مرزا غلام احمد قادیانی کی عبارات ذیل :

”اب ظاہر ہے کہ ان الہامات میں میری نسبت بار بار بیان کیا گیا ہے کہ یہ خدا کا، ستادہ، خدا کا مامور، خدا کا امین اور خدا کی طرف سے آیا ہے جو کچھ کہتا ہے۔ اس پر ایمان لاو اس کا دشمن جہنمی ہے۔“ (انجام آتھم ص ۶۲، خزائن ص ۶۲ ج ۱۱

”بہر حال جب کہ خدا تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک شخص جس کو میر دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا ہے وہ مسلمان نہیں ہے اور خدا کے نزدی قابل مواخذہ ہے۔“

(نبج المصلی ج ۱ ص ۳۰۸ منقول از تشحیذ الاذہان جلد ۶ نمبر ۴ ص ۱۳۵، تذکرہ ص ۶۰۷ طبع سو

”علاوہ اس کے جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا۔ کیونکہ میر نسبت خدا اور رسول کی پیشین گوئی موجود ہے۔“ (حقیقت الوحی ص ۱۶۳، خزائن ص ۱۶۸ ج ۲

”اب جو شخص خدا اور رسول کے بیان کو نہیں مانتا اور قرآن کی تکذیب کرتا ہے اور عمداً خدا تعالیٰ کے نشانوں کو رد کرتا ہے۔ اور مجھ کو باوجود صدہا نشانوں کے مفتری ٹھہراتا ہے تو وہ مومن کیونکر ہو سکتا ہے۔“ (حقیقت الوحی ص ۱۶۴، خزائن ص ۱۶۸ ج ۲۲)

”اوائل میں میرا یہی عقیدہ تھا کہ مجھ کو مسیح بن مریم سے کیا نسبت ہے۔ وہ نبی ہے اور خدا کے بزرگ مقربین سے ہے۔ اور اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا تو میں اس کو جزوی فضیلت قرار دیتا تھا۔ مگر بعد میں جو خدا تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی۔ اس نے مجھے اس عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا۔ اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا۔ مگر اس طرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی۔“

(حقیقت الوحی ص ۱۴۹، خزائن ص ۱۵۴،۱۵۳ ج ۲۲)

”خدا نے اس امت میں سے مسیح موعود بھیجا۔ جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے۔“ (حقیقت الوحی ص ۱۴۸، خزائن ص ۱۵۲ ج ۲۲)

کافر کس طرح کے رسول کا نہ ماننے والا ہوتا ہے؟

اس کے متعلق مرزا قادیانی لکھتا ہے کہ:

”یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اپنے دعوے کے انکار کرنے والے کو کافر کہنا یہ صرف ان نبیوں کی شان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں۔ لیکن صاحب الشریعت کے ماسوا جس قدر ملہم اور محدث ہیں۔ گو وہ کیسی ہی جناب الٰہی میں اعلیٰ شان رکھتے ہوں اور خلعت مکالمہ الٰہیہ سے سرفراز ہوں ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن جاتا۔“ (تریاق القلوب حاشیہ ص ۱۳۰، خزائن ص ۴۳۲ ج ۱۵)

”ماسوا اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے۔ جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر اور نہی بیان کئے اور اپنی امت کے لئے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب الشریعت ہو گیا۔ پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں۔ کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی............ اور اگر کہو کہ شریعت سے وہ شریعت مراد ہے۔ جس میں نئے

احکام ہوں تو یہ باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "ان ھذا لفی الصحف الاولیٰ. صحف ابراھیم وموسیٰ." یعنی قرآنی تعلیم تعلیم توریت میں بھی موجود ہے۔ اور اگر یہ کہو کہ شریعت وہ ہے جس میں باستیفاء امر اور نہی کا ذکر ہو تو یہ بھی باطل ہے کیونکہ اگر توریت یا قرآن شریف میں باستیفاء احکام شریعت کا ذکر ہوتا تو پھر اجتہاد کی گنجائش نہ رہتی۔"

(اربعین نمبر ۴ ص ۶، خزائن ص ۴۳۶، ۴۳۵ ج ۱۷)

شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ:

"فما بقی لاولیاء الیوم بعد ارتفاع النبوۃ الا التعرف وانسدت ابواب الاوامر الالہیۃ والنواھی فمن ادعا ھا بعد محمد ﷺ فھو مدع شریعۃ اوحی بھاالیہ سواء وافق بھا شرعنا اوخالف. فتوحات مکیہ ص۳۹ ج۳"

﴿ نبوت اٹھ جانے کے بعد آج اولیاء کے لئے بجز تعریفات کے کچھ باقی نہیں رہا اور اوامر و نواہی کے سب دروازے بند ہو چکے۔ اب جو کوئی محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد امر و نہی کا مدعی ہو (جیسے مرزا غلام احمد قادیانی) وہ اپنی طرف وحی شریعت آنے کا مدعی ہے۔ خواہ وہ شریعت ہماری شریعت کے موافق ہو یا مخالف۔ ﴾

شیخ عبدالوہابؒ شعرانی اس عبارت کے ساتھ اس قدر اور اضافہ کرتے ہیں:

"فان کان مکلفاً ضربناعنقہ والا ضربنا عنہ صفحاً. الیواقیت والجواہر ص۳۸ ج۲"

﴿ پھر اگر یہ مدعی وحی شریعت مکلّف ہے (یعنی مجنون وغیرہ نہیں ہے) تو ہم اس کی گردن ماریں گے اور اگر مکلّف نہیں تو ہم اس سے کنارہ کشی کریں گے۔ ﴾

" قال الشیخ (الاکبر) فی الباب الحادی والعشرین من الفتوحات من قال ان اللّٰہ تعالیٰ امرہ بشئی فلیس ذٰلک بصحیح انما ذٰلک تلبیس" لان من الامر قسم الکلام وصفتہ وذلک باب مسدود دون الناس. الیواقیت والجواہر ص۳۸ ج۲"

﴿شیخ اکبر فتوحات کے اکیسویں باب میں فرماتے ہیں کہ جو کوئی (بعد نبی کریم ﷺ کے) یہ دعویٰ کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کسی چیز کا حکم کیا ہے (جیسا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کہتا ہے کہ میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی) تو یہ دعویٰ صحیح نہیں یہ محض تلبیس ہے۔ کیونکہ "امر" کلام کی قسم اور اس کی صفات میں سے ہے اور یہ (کلام کا دروازہ) لوگوں پر بند کیا جا چکا ہے۔﴾

کیا مسٹر محمد علی (مرزائی) اور بے خبری سے ان کی تائید کرنے والے یہ عبارتیں سن رہے ہیں؟ کیا یہی وہ صوفیوں کی اصطلاحی یا مجازی یا لغوی نبوت ہے؟ جس کا ثبوت رویا کی حدیث یا شیخ اکبر کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ کیا قادیانیوں کا یہی ظلی اور بروزی نبی ہے جو اصلی اور حقیقی نبیوں سے بڑھ گیا ہے؟۔ کیا امتی نبی نام رکھ دینے سے اصل حقیقت پر پردہ پڑ سکتا ہے؟۔ اور کیا یہ سخت حیرت انگیز اور مضحکہ خیز منطق نہیں ہے کہ کسی پرانے نبی (علیہ الصلوۃ والسلام) کا دوبارہ آنا تو یہ آیۃ خاتم النبیین کے خلاف ہو۔ لیکن پچھلے نبیوں پر فضیلت کلی رکھنے والا ایک نیا نبی قادیان میں آ جائے۔ یہ خاتم النبیین کے خلاف نہ ہو؟۔ گویا آنحضرت ﷺ کے وجود باجود نے مفضول انبیاء کے آنے کا سلسلہ تو بند کر دیا لیکن ان سے اعلیٰ اور افضل انبیاء کی تشریف آوری کا دروازہ کھول دیا ہے۔ کاش کہ قرآن میں بھی خاتم النبیین کی آیت کے ساتھ فاتح النبیین کی کوئی آیت ہوتی۔ اور جس صراحت اور تکرار کے ساتھ حضور ﷺ سے پہلے آنے والے انبیاء کا تذکرہ ہوا ہے۔ اس کا عشر عشیر ہی پیچھے آنے والے نبی کے متعلق ہوتا کہ امت کو زیادہ کام ان ہی پچھلوں سے پڑنا تھا اور یہ ان پہلوں سے افضل بھی تھے۔

کیا مرزائیوں میں کوئی بھی خوف خدا رکھنے والا نہیں؟ کیا ان کے دلوں پر مہر ہو چکی ہے؟ کیا ان کے قلوب پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے ہیں؟ جو ایسی ایسی صریح عبارتوں کے بعد بھی ایک مفتری علی اللہ کو سچا پیغمبر بناتے چلے جاتے ہیں۔ عجیب تماشا ہے کہ اس مفتری نے اپنے تیئں سچا ثابت کرنے کے لئے آتھم کے قصہ میں اور محمدی بیگم کے آسمانی نکاح میں معاذ اللہ خدا کو اور اس کی قضا مبرم تک کو جھوٹا ٹھہرا دیا۔ مگر وہ محروم الخیر جماعت جو

آج علماء دیوبند پر خدا کو جھوٹا کہنے کا محض فرضی الزام رکھ کر اپنے لئے اور نئی لعنت خرید رہی ہے۔ اس مفتری کا برابر کلمہ پڑھتی جاتی ہے جو اپنی سچائی کا ثبوت ہی جب پیش کر سکتا ہے جب پہلے خدا کو جھوٹا ثابت کر دے:

"كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ. کہف آیت ۵"

شاید محمد علی (مرزائی) کو علماء دیوبند کے آئینہ اعتقاد میں اپنا چہرہ نظر آگیا ہے جو معاذ اللہ خدا کے جھوٹ بولنے کی تصویر سامنے آگئی: "اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ. ق ۳۷"

خوب سمجھ لو کہ جھوٹے حیلے اور بیہودہ عذر تراش کر ختم نبوت جیسے قطعی اور اسلام کے بنیادی عقیدہ کی تکذیب کرنا رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور صدق و راست بازی اور قرآن کریم کے وحی الٰہی ہونے سے انکار کرنا ہے:

"فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ. الانعام آیت ۳۳."

﴿یہ لوگ تجھے نہیں جھٹلاتے بلکہ ظالم خدا کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔﴾

اور جیسا کہ ابتداء میں عرض کر چکا ہوں یہی ارتداد ہے کہ آدمی اسلام کا اقرار کرنے کے بعد پھر اس سے صریحاً انکار کرنے لگے یا ایسی قطعی اور صاف چیزوں کا انکار کر بیٹھے جو انکار رسالت کو مستلزم ہو۔

ارتداد کی اس قسم خفی کا نام یعنی یہ کہ آدمی زبان سے اسلام کا نام بھی لیتا رہے اور کلمہ بھی پڑھتا رہے مگر نامعقول تحریفات اور ناقابل قبول تاویلات باطلہ سے قطعیات کے انکار پر بھی تلا ہو۔ سلف کی زبان میں "زندقہ" ہو گیا ہے اور جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے زنادقہ کا حکم بھی وہی عام مرتدین کا سا ہے۔

اس تمام تقریر سے یہ نتیجہ نکلا کہ مرزا قادیانی جس کی ختم نبوت کو رد کرنے وال تصریحات ہم نقل کر چکے ہیں اسلام کے ایک قطعی عقیدہ کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے مر اور زندیق ہے اور جو جماعت ان تصریحات پر مطلع ہو کر ان کو صادق سمجھتی رہے اور اس

حمایت میں لڑتی رہے وہ بھی یقیناً مرتد اور زندیق ہے خواہ وہ قادیان میں سکونت رکھتی ہو یا لاہور میں۔ جب تک وہ ان تصریحات کے غلط اور باطل ہونے کا اعلان نہ کرے گی خدا کے عذاب سے خلاص پانے کی اس کے لئے کوئی سبیل نہیں۔

یہاں تک ہم نے مرزا قادیانی اور ان کے اذناب کے ارتداد کا صرف ایک سبب بیان کیا ہے کیونکہ محمد علی مرزائی نے اپنے پمفلٹ میں اس کا تذکرہ کیا تھا۔ دوسرے موجبات ارتداد مثلاً توہین انبیاء علیہم السلام وغیرہ سے عمداً اغماض کیا گیا ہے۔ شاید اس خدمت کو میرا کوئی دوسرا بھائی انجام دے گا اور بہت سے بزرگ مجھ سے پہلے بھی فی الجملہ انجام دے چکے ہیں۔

آپ یقین کیجئے کہ ہم کو مرزا قادیانی یا کسی ایک کلمہ گو کے کافر اور مرتد ثابت کرنے میں کوئی خوشی نہیں ہے۔ ہماری حالت تو یہ ہے کہ نہ ہم غیر مقلدین کو کافر کہتے ہیں نہ تمام شیعوں کو، نہ سارے نیچریوں کو، حتی کہ ان بریلویوں کو بھی کافر نہیں کہتے جو ہم کو کافر بتلاتے ہیں اور ہماری تمنا تھی کہ کوئی صورت ایسی نکل آتی کہ مرزائیوں کی تکفیر سے بھی ہم کو زبان آلودہ نہ کرنی پڑتی۔ لیکن ان کے ملحدانہ دعاوی نے جن سے بارگاہ رسالت میں سخت گستاخی ہوتی ہے اور کسی طرح ختم نبوت کا ستون کھڑا نہیں رہ سکتا۔ ہم کو مضطر کر دیا ہے کہ بادل نخواستہ ان کی گمراہی سے لوگوں کو بچائیں کہ جو زہر دودھ یا مٹھائی میں مخلوط ہو گیا ہو، وہ سخت خطرناک ہے۔

جو عبارتیں مرزا قادیانی کی میں اوپر نقل کر چکا ہوں کیا ان کے مطالعہ کے بعد اس مسئلہ کا اعلان نہیں ہو جاتا کہ جو کوئی ان کو نبی اور مسیح موعود نہ مانے وہ دائرہ ایمان واسلام سے خارج ہے۔ اب تم خود دنیا کی مردم شماری کر لو کہ تمہارے کافر بنائے ہوئے غیر مسلموں کے سوا کتنے آدمی مسلمان رہ جاتے ہیں؟۔ حالانکہ یہ کروڑوں غیر مسلم (فی زعمکم) لا الہ الا الله محمد رسول الله کا اقرار بھی کرتے ہیں اور سارے احکام بجالاتے ہیں۔

مسٹر محمد علی مرزائی اپنے اس فقرہ میں:

”لا الہ الا الله محمد رسول الله کا اعتراف کرنے والے کو کافر کہنا بڑی

خطرناک غلطی ہے۔ خواہ مرزا محمود کہیں یا مولوی کفایت اللہ صاحب۔"

(نعمت اللہ خان کی سنگساری ص ۴)

کیا دونوں ناموں سے پہلے مرزا قادیانی کا اور اضافہ کریں گے؟ اور ان کی قبر پر جا کر: " وَلاَتَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا. النساء آیت ۹٤" کی تلاوت فرمائیں گے۔؟

ایک طرف تو آپ کے مسیح موعود (مرزا قادیانی) سارے جہان کے کلمہ پڑھنے والوں کو بجز چند لاکھ نفوس کے مسلمانی سے نکال رہے ہیں اور دوسری طرف آپ شاید ہر اس شخص کو جو مسلمانوں کو سلام کر لے (خواہ وہ ہندو ہو یا یہودی یا نصرانی یا دہریہ) مومن تسلیم کرتے ہیں۔ اس سے نبی قادیانی اور امتی دونوں کی شریعت فہمی اور قرآن دانی کی حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے۔

کہا گیا ہے کہ قادیانی بڑے نمازی ہیں۔ قرآن بہت پڑھتے ہیں' روزے رکھتے ہیں' زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اگر اس پر بھی وہ مسلمان نہیں' تو بڑی حسرت اور حیرت کا مقام ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ایک ایسی ہی بدبخت قوم کا تذکرہ حضور نبی کریم ﷺ نے صحیحین کی احادیث میں فرمایا ہے کہ جو قرآن کی تلاوت بھی کرے گی' اور بظاہر سچے مسلمانوں سے بھی زیادہ نمازیں پڑھے گی' روزے رکھے گی' مگر ان کا قرآن ان کے حلقوم سے آگے نہ بڑھے گا اور وہ اسلام میں سے ایسی ہی نکل چکی ہو گی جیسے تیر شکار کا جسم چھید کر صاف نکل جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں نے ان کو پایا تو عاد و ثمود کی طرح ان کو قتل کروں گا۔

حق تعالیٰ شانہ اپنی پناہ میں رکھے اور اس دنیا سے ایمان پر اٹھا لے کہ یہ مقام بڑے خوف اور عبرت کا ہے۔

مرزائیوں کو بڑا فخر ہے اور بعض سادہ لوح آزاد منش مسلمان بھی ان کی مدح سرائی میں رطب اللسان ہو جاتے ہیں کہ وہ آج اسلام کی ایسی خدمت کر رہے ہیں جو کسی دوسری جماعت مسلمین سے بن نہیں پڑی۔ یعنی یورپ میں اسلام پھیلاتے ہیں۔ ملکانوں کو شدھی

ہونے سے روکتے ہیں۔ آریوں وغیرہ کے مقابلہ پر سینہ سپر ہوتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

ان کا یہ فخر اور منقبت اگرچہ سمجھدار مسلمان اس لئے تسلیم نہیں کرتے کہ جس چیز کی وہ اشاعت اور حمایت کرتے ہیں وہ صحیح اسلام نہیں ہے بلکہ یا تو وہ مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کی تبلیغ ہوتی ہے اور یا مرزا قادیانی کا ترمیم کیا ہوا اسلام، جسے انہوں نے بہت سے اصول وفروع کاٹ کر نوجوانان یورپ یا یورپ کی وحی پر ایمان لانے والوں کے اہواء وظنون کے سانچہ میں ڈھالا ہے۔ لیکن میں اس سے قطع نظر کر کے علیٰ سبیل التنزل کہتا ہوں کہ ان کا یہ سب امتیاز اور فخر اور خدمات اسلام کو تسلیم کرنے کے بعد بھی ان کا مومن اور ناجی ہونا ضروری نہیں ہے۔

صحیح مسلم کے ابواب ایمان میں اس شخص کا واقعہ پڑھئے جو رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے ہمرکاب جہاد میں تھا اور اس نے وہ خدمت اور اعانت اسلام اور مسلمانوں کی، کی تھی جس کا اعتراف صحابہؓ نے حضور ﷺ کی جناب میں ان الفاظ سے کیا ہے:

"ما اجزأمنا اليوم احدكما اجزأ فلان."

﴿آج کے دن ہم میں کوئی بھی ایسا کافی نہیں ہوا جیسا کہ فلاں آدمی ہوا ہے۔﴾ مگر لسان نبوت سے باوجود ان خدمات جلیلہ کے ارشاد ہوا:

" لما انه من اهل النار." ﴿یاد رکھو وہ دوزخی ہے۔﴾

(مسلم ج۱ ص۲۶۷ باب تغلظ تحريم قتل الانسان نفسه عن سهل بن سعد)

حضور نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ:

"ان الله يؤيد هذا لدين بالرجل الفاجر."

﴿بے شک حق تعالیٰ اس دین کو مدد پہنچا دیتا ہے بد معاش آدمی سے۔﴾

(مسلم ج۱ ص۲۶۷ باب تغلظ تحريم قتل الانسان كتاب الايمان عن ابى هريرةؓ)

جامع صغیر میں حدیث ہے کہ:

"سيشد د هذ الدين برجال ليس لهم عندالله خلاق. السراج المنير شرح جامع الصغير ص۲۲۷ ج۳"

﴿قریب ہے کہ اس دین کی تائید اور تقویت ایسے لوگوں کے ذریعہ سے ہو جائے گی جن کے لئے خدا کے یہاں حصہ نہیں۔﴾

عبداللہ بن عمرؓ نے ایک ایسی جماعت کے متعلق جو قرآن کو اور رسول اللہ ﷺ کو سب کو مانتی تھی صرف "قدر" کا انکار کرتی تھی۔ فرمایا :

"اذا لقیت اولئك فاخبرھم انی بری منھم و انھم براۤؤ منی والذی یحلف به عبدالله بن عمر لوان لاحدھم مثل احدذھبا فانفقه ما قبل الله منه حتی یؤمن بالقدر۔"

﴿جب تم ان سے ملو تو کہہ دو کہ میں (عبداللہ بن عمرؓ) ان سے علیحدہ ہوں اور وہ ہم سے بے تعلق ہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کی عبداللہ بن عمر قسم کھا سکتا ہے اگر ان میں سے کسی کے پاس اُحد (پہاڑ) کے برابر سونا ہو پھر وہ اسے خرچ کر ڈالے تب بھی اللہ ہرگز اسے قبول نہیں کرے گا یہاں تک کہ وہ تقدیر پر ایمان لے آئے۔﴾

ابو طالب سے بڑھ کر اسلام اور پیغمبر اسلام کی حمایت اور اعانت ایسی نازک ترین ساعت میں کس نے کی ہو گی؟۔ لیکن وہ ساری خدمات اور جانبازیاں بھی اس کو ضحضاح نار سے نہ بچا سکیں۔

روایات بالا کو پڑھ کر کس کی ہمت ہے کہ قادیانیوں کی محض نام نہاد خدمات اسلامیہ کو دیکھ کر ان کے مومن یا ناجی ہونے کا فتویٰ دیدے اور ان کے عقائد کفریہ کی طرف کچھ التفات نہ کرے۔

عہد رسالت میں منافقین کا گروہ برابر اپنے کو مسلمان کہتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر قسمیں کھا کر گواہی دیتا تھا۔ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے کا اظہار کرتا تھا۔ مسجدوں میں مسلمانوں کے ساتھ ان کے قبلہ کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھتا تھا اور ان کا ذبیحہ بھی کھاتا تھا، لیکن اس پر بھی ان کو جھوٹا اور بے ایمان کہا گیا اور مسلمانوں کو ان کے مکائد سے بچتے رہنے کی ہدایت کی گئی۔ کیونکہ ان کے دوسرے قرائن واحوال اور مخاطبات سریہ ان کے دعوائے ایمان کی تکذیب کرتے تھے: "وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ۔ محمد

آیت ۔ ۳ "اور ان کا دل ایمان سے خالی تھا اور وہ لوگ بھی ہمارے یہاں کے پنجابی نبی کی امت کی طرح اندر ہی اندر اسلام اور مسلمانوں کی جڑ کاٹتے رہتے تھے۔

فرق صرف اتنا ہے کہ پنجابی نبی اور اس کی امت نے تنگ ظرفی سے اسلام کے خلاف بعض عقائد کا اعلان بھی کر دیا اور اس لئے وہ منافق کے بجائے مرتد کے حکم کے تحت میں آگئے اور امیر افغانستان ان کو منافقین کی سی مہلت نہ دے سکے۔ اگر قادیانی پارٹی منافقین میں شامل ہو کر افغانی حدود تعزیر سے بچنا چاہتی ہے تو اس کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ وہ جہاراً (اعلانیہ) اپنے خبیث عقائد کا اقرار کرنا چھوڑ دے۔ پھر ان کے دلوں کا حال خدا کے اور یوم آخرت کے حوالہ کر دیا جائے گا۔ غالباً مرزا محمود نے جو مشورہ نعمت اللہ کے واقعہ کے بعد اپنی پارٹی کو دیا ہے اس میں اسی نفاق کی تعلیم کی طرف ایک قدم اٹھایا ہے۔

محمد علی (مرزائی) کو اس کی بڑی فکر ہے کہ :

"اگر علماء دیوبند قادیانیوں کو کافر بتلاتے ہیں سنیوں کو شیعہ اور شیعوں کو سنی۔ مقلدوں کو غیر مقلد اور غیر مقلدوں کو مقلد۔ علی ھذا القیاس دیوبندیوں کو بریلوی اور بریلویوں کو دیوبندی کافر قرار دیتے ہیں۔ اس صورت میں تو کوئی مسلمان نہ رہے گا اور ایک دوسرے کو مرتد سمجھ کر قتل کر دیں گے۔"

(نعمت اللہ خان کی سنگساری ص ۶ (تلخیص)

لیکن اول تو یہ دعویٰ ہی غلط ہے کہ ان میں سے ہر ایک فرقہ دوسرے کو کافر اور مرتد اور واجب القتل سمجھتا ہے۔ دوسرے واقعات آپ کے اس خطرہ کی تردید کرتے ہیں کیا اس وقت تک افغانستان تین مرتد قتل نہیں کئے گئے ؟۔ پھر بھی خدا کے فضل سے کوئی موقعہ ایسا پیش نہیں آیا کہ کوئی مسلمان محض فرضی جرم ارتداد پر کسی جگہ قتل کر دیا گیا ہو۔ اور اگر کسی جگہ آئندہ ایسا ہی کیا گیا تو آپ دیکھ لیں گے کہ اس کا خون بحول اللہ و قوتہ رنگ لائے بدون نہیں رہے گا۔

محمد علی (مرزائی) کو ایسا لکھتے وقت اسلام کے نام اور اپنی نام نہاد امامت کی شرم کرنی چاہئے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ مسلمان یہود و نصاریٰ کو اور وہ سب لوگ مسلمانوں کو کافر

کہتے ہیں۔ تو کیا اس اختلاف کے وقت یہود و نصاریٰ کے کافر کہنے سے آپ کو اپنے مزعوم اسلام میں کچھ تردد ہو جاتا ہے۔ یا آپ کے ہاتھ میں کوئی معیار ایسا دیا گیا ہے جس پر آپ اپنے اسلام اور ان کے کفر کو پرکھ سکتے ہیں ؟۔

اسی طرح کیا قرآن و سنت نے کوئی معیار صحیح و محکم ہمارے ہاتھ میں ایسا نہیں دیا کہ ہم مدعیان اسلام کے اختلاف کے وقت ہر ایک کے کفر و ایمان کو اس پر کس کر دیکھ لیں ؟۔ تو صرف اتنا کہہ دینے سے کہ ہر ایک فرقہ دوسرے کو کافر و مرتد کہتا ہے یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ ان میں کوئی کافر و مرتد نہیں یا سارے کافر و مرتد ہی ہیں۔

(نعمت اللہ کی سنگساری ص ۶ ملخص)

خدا نے اگر تم سے نور ایمان چھین لیا ہے تو کیا عام انسانوں کو جو نورِ فہم عطا ہوتا ہے وہ بھی سلب کر لیا گیا ہے ؟۔ تم کو بڑا غیظ ہے کہ جب مرزائی افغانستان میں قتل کئے جاتے ہیں تو بابی اور بہائی شاہ ایران اور ترکوں کے حکم سے کیوں قتل نہیں کئے جاتے ؟۔

یہ سوال یا تو آپ کوکب ہند والے سید محفوظ الحق سے کیجئے۔ اور یا شاہ ایران اور ترکی پارلیمنٹ سے اور یا ان ملعونین مرجومین سے جو کابل کے قلمرو میں اس علم کے بعد کہ وہاں خالص اسلامی حدود تعزیر کی تلوار چمکتی رہتی ہے ارتداد کا جھنڈا اٹھا کر لے گئے۔ اور انجام کار آخرت سے پہلے دنیا میں بھی ان کو حق تعالیٰ کے غضب و انتقام کا مورد بننا پڑا۔

کیا اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے ؟

اب میں دوسرے مسئلہ کی طرف آتا ہوں۔ وہ یہ کہ اسلام میں مرتد کی سزا کیا ہے اور افغانستان کا فعل کس حد تک اصل قانون اسلام پر منطبق ہو سکتا ہے ؟۔ اسلامی اصول کے موافق کسی مسئلہ شرعی کے اثرات کے لئے چاروں دلیلیں ہو سکتی ہیں۔ کتاب اللہ ‘ سنت رسول اللہ ‘ اجماع مجتہدین ‘ قیاس و استنباط۔ اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ ہر مسئلہ کا ثبوت چاروں طریقوں سے ہو۔ اور نہ ہر ایک دلیل ہر مسئلہ میں کارآمد ہو سکتی ہے۔ تاہم مسئلہ زیر بحث (قتل مرتد) میں اتفاق سے چاروں دلیلیں جمع ہو گئی ہیں۔

چونکہ بارہا کہا گیا ہے کہ قتل مرتد کا ثبوت قرآن کریم سے پیش کرو (حالانکہ مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت جس کے نہ ماننے سے مسلمان خارج از اسلام ہو جاتے ہیں۔ قرآن، حدیث، اجماع وغیرہ سب کو چھوڑ کر صرف ایک دو صوفیوں کی ناتمام عبارتوں سے ہی ثابت ہو جاتی ہے)۔ اس لئے ہم نے بہمہ وجوہ اتمام حجت کے لئے مناسب سمجھا ہے کہ اولاً مرتد کے بارہ میں قرآن ہی کا فیصلہ سنایا جائے۔

مرتدین کے حق میں قرآن کا فیصلہ

یوں تو قرآن کریم کی بہت سی آیات ہیں۔ جو مرتد کے قتل پر دلالت کرتی ہیں لیکن ایک واقعہ جماعت مرتدین کے بحکم خدا، قتل کئے جانے کا ایسی تصریح اور ایضاح کے ساتھ قرآن میں مذکور ہے کہ خدا سے ڈرنے والوں کے لئے اس میں تاویل کی ذرا گنجائش نہیں۔ نہ وہاں محاربہ ہے۔ نہ قطع طریق۔ نہ کوئی دوسرا جرم۔ صرف ارتداد اور تنہا ارتداد ہی وہ جرم ہے جس پر حق تعالیٰ نے ان کے بے دریغ قتل کا حکم دیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے بنی اسرائیل کو جب خدا نے فرعون کی غلامی سے نجات دی اور فرعونیوں کی دولت کا مالک بنا دیا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک ٹھہرے ہوئے وعدہ کے موافق حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنا کر کوہ طور پر تشریف لے گئے جہاں آپ نے چالیس راتیں خدا کی عبادت اور لذت مناجات میں گذاریں اور تورات شریف آپ کو عطا کی گئی۔

ادھر تو یہ ہو رہا تھا اور ادھر سامری کی فتنہ پردازی نے بنی اسرائیل کی ایک بڑی جماعت کو آپ کے پیچھے راہ حق سے ہٹا دیا: ” وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ۔ طه آیت ۸۵“ یعنی سونے چاندی کا ایک بچھڑا بنا کر کھڑا کر دیا۔ جس میں سے کچھ بے معنی آواز بھی آتی تھی۔ بنی اسرائیل جو کئی صدی تک مصری بت پرستوں کی صحبت بلکہ غلامی میں رہے تھے۔ اور جنہوں نے عبور بحر کے بعد بھی ایک بت پرست قوم کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ بے ہودہ درخواست کی تھی کہ:

"اَجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ . الاعراف آيت ١٣٧"

﴿ہمارے لئے بھی ایسا ہی معبود بنادیجئے۔ جیسے ان کے معبود ہیں۔﴾

وہ سامری کے اس بچھڑے پر مفتون ہو گئے اور یہاں تک کہہ گذرے کہ یہی تمہارا اور موسیٰ کا خدا ہے جس کی تلاش میں موسیٰ بھول کر ادھر ادھر پھر رہے ہیں۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کی جانشینی کا حق ادا کیا اور اس کفر و ارتداد سے باز آجانے کی ہدایت کی:

"يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ . طه آيت ٩٠"

﴿اے لوگو! تم اس بچھڑے کے سبب فتنہ میں ڈال دیئے گئے ہو حالانکہ تمہارا پروردگار (تنہا) رحمان ہے تو تم میری پیروی کرو اور میری بات مانو۔﴾

لیکن وہ اپنی اسی سخت مرتدانہ حرکت پر جمے رہے۔ بجائے توبہ کے یہ کہا کہ:

"لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى . طه آيت ٩١"

﴿ہم برابر اپنے اس فعل پر جمے رہیں گے یہاں تک کہ خود موسیٰ علیہ السلام ہماری طرف واپس آئیں۔﴾

ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پروردگار نے اطلاع کی کہ تیری قوم تیرے پیچھے فتنہ (ارتداد) میں پڑ گئی۔ وہ غصہ اور غم میں بھرے ہوئے آئے۔ اپنی قوم کو سخت سست کہا۔ حضرت ہارون علیہ السلام سے بھی باز پرس کی۔ سامری کو بڑے زور سے ڈانٹا اور ان کے بنائے ہوئے معبود کو جلا کر راکھ کر دیا اور دریا میں پھینک دیا۔

یہ سب ہوا۔ لیکن ان مرتدین کی نسبت خدا کا کیا فیصلہ رہا۔ جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے گوسالہ پرستی اختیار کر لی تھی؟ تو دنیا میں تو ان کے لئے خدا کا فیصلہ یہ تھا:

"اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُفْتَرِيْنَ . الاعراف آيت ١٥٢"

﴿جنہوں نے بچھڑے کو معبود بنایا ضرور ان کو دنیا میں ذلت اور خدا کا غضب پہنچ

کر رہے گا اور مفترین کو ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ ﴾

اور اس غضب وذلت کے اظہار کی صورت عباد عجل کے حق میں یہ تجویز ہوئی جو سورۂ بقرہ میں ہے:

"اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْآ اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْآ اَنْفُسَكُمْ. البقرہ آیت ٥٤"

﴿اے قوم بنی اسرائیل! تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ تو اب خدا کی طرف رجوع کرو۔ پھر اپنے آدمیوں کو قتل کرو۔ ﴾

اور " فاقتلوا انفسکم "میں انفکسم کے معنیٰ وہی ہیں جو " ثم انتم هولاء تقتلون انفسکم " میں ہیں اور قتل کو اپنے اصلی اور حقیقی معنے سے (جو ہر طرح کے قتل کے خواہ لوہے سے ہو یا پتھر سے شامل ہے) پھیرنے کی کوئی وجہ موجود نہیں بلکہ غضب اور ذلت فی الحیٰوۃ الدنیا کا لفظ اس کے نہایت ہی مناسب ہے اور یہی غضب کا لفظ دوسری جگہ عام مرتدین کے حق میں بھی آیا ہے۔

جیسا کہ فرماتے ہیں: "مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ. النحل آیت ١٠٦"

اس حکم کا نتیجہ جیسا کہ روایات میں ہے یہ ہوا کہ کئی ہزار آدمی جرم ارتداد میں خدا کے حکم سے موسیٰ علیہ السلام کے سامنے قتل کئے گئے۔ اور صورت یہ ہوئی کہ قوم میں سے جن لوگوں نے بچھڑے کو نہیں پوجا تھا ان میں سے ہر ایک نے اپنے عزیز و قریب کو جس نے گوسالہ پرستی کی تھی اپنے ہاتھ سے قتل کیا اور جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے قاتلین کا اپنے عزیزوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرنا یہ اس کی سزا تھی کہ انہوں نے اپنے آدمیوں کو ارتداد سے روکنے میں کیوں تساہل کیا؟:

"وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ. الاعراف آیت ١٤٩"

﴿جب وہ نادم ہوئے اور معلوم کر لیا کہ وہ رستہ سے بھٹک رہے ہیں تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا پروردگار ہم پر رحم نہ فرمائے گا اور ہم کو نہ بخشے گا تو ہم ضرور خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوں گے۔﴾

لیکن اس توبہ نے بھی ان کو دنیا کی عقوبت سے نہیں بچایا۔ جیسا کہ اب بھی بعض اقسام مرتد کے متعلق علماء کا یہی فتویٰ ہے کہ وہ توبہ کے بعد بھی حداً قتل کیا جائے گا۔ خواہ توبہ آخرت کے عذاب کو اس سے اٹھاوے۔

اسی طرح گوسالہ پرستوں سے بھی اگرچہ دنیا میں خدا کی تعزیر ساقط نہیں ہوئی۔ لیکن قتل کئے جانے کے بعد خدا نے احکام اخروی کے اعتبار سے ان کی توبہ کو قبول فرمایا۔ اور ان قاتلین کی بھی جنہوں نے اپنے اقرباء کے ارتداد کے معاملہ میں مداہنت کی تھی:

"ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَالتَّوَّابُ الرَّحِيْمُ. البقرہ آیت ۵۴"

﴿یہ تمہارے خالق کے یہاں تمہارے حق میں بہتر ہے پھر خدا نے ان کی توبہ قبول کر لی کیونکہ وہ توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔﴾

محمد علی (مرزائی) جن کی تفسیر پر مرزائیوں کو بڑا ناز ہے لکھتے ہیں کہ:

"سینا لهم غضب من ربهم وذلة فی الحیوة الدنیا وکذلك نجزی المفترین" کے بعد: "والذین عملوا السیئات ثم تابوامن بعدها وامنوا ان ربك من بعدها لغفور رحیم." واقع ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ توبہ کے بعد جرم معاف ہو جاتا ہے۔
(بیان القرآن ص ۵۳۷)

لیکن ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ جو مرتد توبہ کے بعد بھی حداً یا تعزیراً قتل کیا جائے۔ جیسا کہ عباد عجل کئے گئے۔ اس کے حق میں یہ معافی کی آیت ایسی ہے جس طرح سارق کے بارہ میں: "وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ. المائدہ آیت ۳۸" کے بعد: "فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ. اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. المائدہ آیت ۳۹" سے

اس کی معافی کی طرف اشارہ ہے اگرچہ سرقہ کی سزا دنیا میں اس سے ساقط نہیں ہوتی۔

الحاصل واقعہ عجل سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ مرتدین کی ایک جماعت کو جس کی تعداد ہزاروں سے کم نہیں تھی حق تعالیٰ نے محض ارتداد کے جرم میں نہایت اہانت اور ذلت کے ساتھ قتل کرایا۔ اور ارتداد بھی اس درجہ کا قرار دیا گیا کہ توبہ بھی ان کو خدائی سزا سے محفوظ نہ کرسکی۔ بلکہ توبہ کی مقبولیت بھی اسی صابرانہ مقتولیت پر مرتب ہوئی۔

کہا جاسکتا ہے کہ یہ واقعہ موسوی شریعت کا ہے۔ امت محمدیہ ﷺ کے حق میں اس سے تمسک نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ پہلی امتوں کو جن شرائع اور احکام کی ہدایت کی گئی ہے اور قرآن نے ان کو نقل کیا ہے۔ وہ ہمارے حق میں بھی معتبر ہیں۔ اور ان کی اقتداء کرنے کا امر، ہم کو بھی ہے جب تک کہ خاص طور پر ہمارے پیغمبر ہماری کتاب اس حکم سے ہم کو علیحدہ نہ کردیں۔

چند انبیاء و مرسلین کے تذکرہ کے بعد جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ہیں نبی کریم ﷺ کو خطاب ہوا ہے کہ:

"اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ۔ الانعام آیت ۹۰"

﴿یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے ہدایت کی تو آپ بھی ان کی ہدایت پر چلئے﴾

یہ خطاب فی الحقیقت ہم کو سنانا ہے۔ خود محمد علی (مرزائی) اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

"قرآن شریف میں کسی انسان کا ذکر ہو یا کسی قوم کا سب مسلمانوں کی تعلیم کے لئے ہے۔"

(بیان القرآن ص ۵۴)

پس اس قاعدہ سے بنی اسرائیل کے مرتدین کو قتل کئے جانے کے حکم میں بھی تعلیم ہم ہی مسلمانوں کو ہوگی۔

مرتد کا فیصلہ سنت رسول اللہ ﷺ سے

خصوصاً جب کہ دوسری آیت کی معیت میں خود رسول اللہ ﷺ کا عام و تمام فیصلہ

بھی (جو: "لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَيْهِمْ. النحل آیت ٤٤" کے تحت میں داخل ہے) یہی ہوا کہ:

"من بدل دینه فاقتلوه." ﴿جو اپنا دین بدلے اسے قتل کر دو۔﴾

(صحیح بخاری ص ۴۲۳ ج ۱ ص ۱۰۲۳ ج ۲)

محمد علی (مرزائی) نے بخاری کی اس حدیث کے ساتھ خوب ٹھٹھا کیا ہے۔ اور اس طرح اپنے دل کی گندگی کو اور بڑھایا۔ کہتے ہیں کہ:

"یہاں دین سے کیا مراد ہے۔ کیا ہر ایک دین کو بدلنے والا واجب القتل ہے تو یہودی سے کوئی نصرانی بنے یا ہندو سے عیسائی وہ بھی واجب القتل ہوگا۔"

(نعمت اللہ کی سنگساری ص ۵ ملخص)

کیا محمد علی (مرزائی) ایمان سے کہہ سکتے ہیں کہ جب وہ یہ لکھ رہے تھے خود ان کا ضمیر اندر سے ان پر لعنت نہیں کر رہا تھا؟ کیا واقعی طور پر وہ رسول اللہ ﷺ کے کسی ایک لفظ کا بھی کوئی ایسا مطلب لینا جائز سمجھتے ہیں جس سے یہ لازم آتا ہو کہ ہر شخص جو اپنا پرانا مذہب چھوڑ کر اسلام میں آتا جائے اسے تم قتل کرتے جاؤ۔ یہاں تو آپ معنی ڈالنے پر سوامی دیانند سے بھی گوئے سبقت لے گئے۔ جس وقت آپ کے دل میں یہ سوال آیا تھا کہ حدیث میں جو مسلمانوں کو خطاب ہے: "من بدل دینه فاقتلوه." اس میں کونسا دین خدا کے رسول کی مراد ہے تو اس کے جواب میں قرآن کی آواز پر کان دھرا ہوتا۔ جو کہتا ہے کہ:

"اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ. آل عمران آیت ۱۹"

﴿بلاشبہ دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔﴾

"وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَا لْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ. آل عمران آیت ۱۹"

﴿جو کوئی اسلام کے سوا اور دین کی تلاش کرے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔﴾

مگر آپ کے دل میں تو وہ خدا کا دین ہے ہی نہیں۔ اس لئے آپ مجبور ہیں کہ کافروں کے دین کی طرف جائیں۔ (الاناء يترشح بما فيه)

بہر حال حدیث صحیح نے مرتد کے معاملہ میں خواہ وہ بر سر پیکار ہو یا نہ ہو فیصلہ کر دیا کہ وہ واجب القتل ہے۔ اور لطیفہ یہ ہے کہ حضور نے کمال بلاغت سے من ارتد عن دینہ نہیں فرمایا کہ شاید کسی کو شبہ ہوتا کہ یہ صرف اس کے حق میں ہے جو مثلاً یہودیت وغیرہ کسی مذہب باطل کو چھوڑ کر اسلام میں آیا تھا پھر ادھر ہی لوٹ گیا بلکہ من بدل دینہ فرمایا کہ واجب القتل ہونے کے لئے خدائی دین کو تبدیل کرنا کافی ہے ضرورت نہیں کہ جس مذہب سے آیا تھا اس میں لوٹ کر جائے۔

خدائے عزوجل اور رسول خدا ﷺ دونوں کا فیصلہ مرتد کے متعلق

یہاں تک تو آپ نے مرتد کے بارہ میں خدا اور رسول ﷺ کا الگ الگ فیصلہ سنا۔ اب یک جائی بھی سن لیجئے :

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور معاذ بن جبلؓ پر رسول اللہ ﷺ نے یمن کا علاقہ تقسیم کر دیا تھا۔ دونوں اپنے اپنے حلقہ میں کام کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت معاذؓ حضرت ابو موسیٰؓ کے پاس بغرض ملاقات آئے دیکھا کہ ایک شخص ان کے پاس بندھا کھڑا ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ مرتد ہے یعنی پہلے یہودیت سے اسلام لایا۔ پھر یہودی بن گیا۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے حضرت معاذؓ سے کہا کہ تشریف رکھئے۔ انہوں نے فرمایا نہیں۔ میں اس وقت تک نہ بیٹھوں گا جب تک یہ قتل نہ کر دیا جائے۔ تین مرتبہ یہی گفتگو ہوئی۔ معاذ بن جبلؓ نے فرمایا: "قضاء الله ورسوله." یعنی یہ اللہ کا اور اس کے رسول کا فیصلہ ہے چنانچہ وہ قتل کر دیا گیا۔ (صحیح بخاری ص ۱۰۲۳ ج ۲)

زنادقہ کے متعلق حضرت علیؓ کا فیصلہ

یہ تو آپ نے ان دو صحابیوں کا ذکر سنا جو غالباً آپ کے خیال میں علماء دیوبند سے بھی زیادہ تنگ نظر ہوں گے۔ اب نبی کے چوتھے خلیفہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ

کی (بقول آپ کے) تنگ نظری بھی ملاحظہ کیجئے:

”عن عکرمةؓ قال اتی علیؓ بزنادقة فاحرقهم فبلغ ذلك ابن عباسؓ فقال لوکنت انالم احرقهم لنهی رسول الله صلی الله علیه وسلم لاتعذبوا۔ بعذاب الله ولقتلتهم لقول رسول الله صلی الله علیه وسلم من بدل دینه فاقتلوه۔ صحیح بخاری ص ۱۰۲۳ ج ۲“

﴿حضرت علیؓ کے پاس چند زنادقہ لائے گئے۔ انہوں نے ان کو جلادیا۔ یہ خبر ابن عباسؓ کو پہنچی انہوں نے فرمایا کہ اگر میں ہوتا توان کو جلاتا نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ کے عذاب (آگ) سے کسی کو سزا مت دو۔ البتہ میں ان کو قتل کرتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو اپنا دین تبدیل کرے۔ اس کو قتل کردو۔﴾

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں روایات نقل کی ہیں۔ جن میں تصریح ہے کہ یہ زنادقہ مرتدین تھے۔ پھر بعض علماء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

”ومن الزنادقة الباطنیة وهم قوم زعموا ان الله خلق شیئاً ثم خلق منه شیئا آخر فدبرالعالم باسره۔ وبسمونها العقل و النفس الی قوله ولهم مقالات سخیفة فی النبوات وتحریف الأیات وفرائض العبادات۔ فتح الباری ص ۲۳۹ ج ۱۲“

﴿اور زنادقہ میں ہی سے باطنیہ فرقہ ہے (جن کے خیالات تخلیق عالم کی نسبت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ نبوت اور تحریف آیات و عبادات میں ان کے اقوال نہایت زئیل (بیہودہ) ہیں۔﴾

اس سے ظاہر ہوا کہ جس کو فقہا زندیق کہتے ہیں وہ مرتد ہی ہے۔ اور زنادقہ و مرتدین کا حکم آپ کو معلوم ہو چکا۔

قتل مرتد کا فیصلہ اجماع آئمۃ الاسلام ہے؟

قرآن و سنت کے بعد تمام آئمۃ الاسلام کا متفقہ فیصلہ بھی قتل مرتد کے متعلق سن

لیجئے۔ امام عبدالوہاب شعرانیؒ میزان کبریٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

"وقداتفق الائمة علی ان من ارتد عن الاسلام وجب قتله وعل ان قتل الزندیق واجب وھوالذی یسرالکفر ویتظاھر بالاسلام۔ میزا ص ۱۶۵ ج ۲"

﴿تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہو چکا ہے کہ جو شخص اسلام سے پھر جائے یا زندیق ہو اس کا قتل واجب ہے اور زندیق وہ ہے جو اندرونی کفر کے باوجود اسلام سے مظاہرہ کرتا رہے۔﴾

اس عبارت کو پڑھ کر یہ آیت بھی تلاوت فرمائیے:

"وَمَنۡ يُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡ بَعۡدِمَا تَبَيَّنَ لَهُ الۡهُدٰى وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيۡلِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَنُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا۔ النساء آیت ۱۱۵"

﴿جس کسی نے رسول کی، مخالفت کی ہدایت ظاہر ہو جانے کے بعد اور مومنین کے راستہ کے سوا کسی اور راستہ پر چلا تو ہم اس کو حوالے کریں گے اس چیز کے جس کو وہ اختیار کرتا ہے اور داخل کریں گے دوزخ میں اور وہ برا ٹھکانا ہے۔﴾

قتل مرتد کے متعلق قیاس شرعی اور عقل سلیم کا کیا حکم ہے

چونکہ مضمون اندازہ سے زیادہ طویل ہوتا جارہا ہے۔ اس لئے قرآن، سنت اجماع پیش کرنے کے بعد چند الفاظ حافظ ابن قیمؒ کے نقل کرتا ہوں جن سے معلوم ہو گا کہ کافر حربی اور مرتد کا قتل کیا جانا عقل سلیم اور قیاس صحیح کا اقتضاء ہے۔ فرماتے ہے:

"فاما القتل فجعله عقوبة اعظم الجنايات كالجناية علىٰ الانفس فكانت عقوبة من جنسه وكالجناية على الدين بالطعن فيه والارتداد عنه وهذه الجناية اولىٰ بالقتل وكف عدوان الجاني عليه من كل عقوبة اذابقاء ه بين اظهر عباده مفسدة لهم ولا خير يرجى فى بقاء ه ولا مصلحة فاذا

حبس شره وامسك لسانه وكف اذاه والتزم الذل والصغارو جريان احكام الله ورسوله عليه واداء الجزية لم يكن فی بقائه بين اظهر المسلمين ضرر عليهم والدنيا بلاغ ومتاع الیٰ حين وجعله ايضا عقوبة الجناية علیٰ الفروج المحرمة لما فيها من المفاسد العظيم واختلاط الانساب والفساد العام ۔ اعلام الموقعين ص۲۱۸ج۲"

﴿خدا تعالیٰ نے کئی طرح کی سزائیں مقرر کی ہیں۔ ان میں سے قتل سب سے بڑے جرم کی سزا ہو سکتی ہے۔ مثلاً کسی بے گناہ کو ہلاک کر دینا یا کسی عورت کی آبروریزی کر کے منہ کالا کرنا یا دین حق پر طعن کرنا اور اس سے پھر جانا۔ اور جب قتل عمد کی سزا قتل ہے تو دین برباد کرنے کی سزا بطریق اولیٰ قتل ہونی چاہئے کیونکہ ایک نفس کا اہلاک دین کی تباہی سے زیادہ قبیح نہیں ہے۔ پس اس شخص کا وجود جو دین حق پر طعن کرے یا اس سے پھر جائے مسلمانوں کی جماعت کے اندر بڑی خرابی کا باعث ہے جس کے باقی رکھنے میں کسی نیکی اور بہتری کی امید نہیں کی جا سکتی ہاں اگر وہ طعن کرنے والا اپنی زبان کو روک لے اور اپنی شرارت سے باز رہے اور مسلمانوں کو دکھ نہ دے اور ذلیل و خوار اور خدا اور رسول کے احکام کے سامنے پست ہو کر رہنا پسند کرے۔ تو اس چند روزہ زندگی میں اس کے لئے گنجائش ہے۔﴾

یہاں تک ہم نے ادلہ اربعہ سے قتل مرتد کا بقدر کفایت ثبوت پیش کر دیا ہے اور اگر ضرورت محسوس ہوئی تو آئندہ اس کی مزید تشریح کی جائے گی۔

یہ بات رہ گئی ہے کہ بعض لوگوں نے قرآن کی وہ آیات پیش کی ہیں جن میں مرتد کے اعمال حبط ہونے یا ان پر لعنت برسنے یا آخرت میں غضب اور عذاب ہونے کا ذکر ہے ان آیات میں ساتھ کی ساتھ اس کے قتل کئے جانے کا حکم مذکور نہیں۔

لیکن اس میں تو غالباً مرزائیوں کو بھی تردد نہ ہوگا کہ قتل عمد کی سزا اسلام میں قتل ہے پر حق تعالیٰ نے جس جگہ قرآن میں یہ فرمایا ہے:

"وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۔ النساء۹۳"

﴿اور جو شخص کسی مسلمان کو عمداً قتل کرے گا تو آخرت میں اس کی سزا جہنم ہو گی جس میں ہمیشہ رہنا ہو گا اور اس پر اللہ غضب اور لعنت کرے گا اور ایسے شخص کے لئے خدا نے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے۔﴾

تو اس کا بدلہ صرف یہ قرار دیا ہے کہ اس کو دوزخ میں خلود ہو گا اور اللہ کا غصہ اور اس کی لعنت اس پر ہے اور خدا نے اس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ تو کیا اس جگہ صرف اخروی سزا مذکور ہونے سے مرزائیوں کے مایۂ ناز مفسر کے نزدیک قاتل کو بھی دنیا میں آزاد چھوڑ دیا جائے گا؟۔ اگر یہی آپ کی قرآن فہمی اور نکتہ سنجی ہے تو اپنے نام نہاد اسلام اور اس کے فلسفہ کو آپ دنیا میں خوب نیک نام کریں گے۔

اگر آپ قاتل کی نسبت فیصلہ کرنے میں آیت مذکورہ کے ساتھ قرآن کی دوسری آیات کو بھی ملاتے ہیں تو مرتد کے متعلق فیصلہ کرتے وقت ایسا کرنے سے کیا چیز مانع ہے؟۔

آپ کتنی ہی کوشش کیجئے اور احادیث و آثار سے بھاگ کر قرآن کی پناہ لیجئے۔ مگر قرآن آپ کو ضرور دھکے دے گا اور آپ کے حیل فاسدہ کے منہ پر طمانچے مارے گا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے بھاگنے والے کے واسطے خداوند تعالیٰ کے یہاں کوئی پناہ نہیں ہے۔

مرتد کی نسبت اسلامی حکومت کا فیصلہ

قرآن، حدیث، اجماع، قیاس کے فیصلوں کے بعد ایک خالص اسلامی حکومت (افغانستان) کا فیصلہ بھی وہی ہونا تھا جو ہوا۔ لیکن جب سے دولت عالیہ افغانیہ کی سب سے بڑی شرعی عدالت نے نعمت اللہ قادیانی کو اس کے ارتداد کے جرم میں نہایت ذلت اور رسوائی کے ساتھ قتل کرایا ہے مرزائی امت نے اس خالص اسلامی قانون کی تنفیذ اور رسول اللہ ﷺ کی ایک محکم سنت کے احیاء کے خلاف سخت شور و ہنگامہ بپا کر رکھا ہے۔ کبھی وہ افغانستان کے مقابلہ پر امریکہ اور یورپ کو ابھارتے ہیں۔ کبھی ہندوؤں سے فریاد کرتے ہیں۔ کبھی آزاد منش لیڈروں کو اکسانا چاہتے ہیں اور سب سے آخر میں رائے عامہ سے اپیل کی جاتی ہے۔ لیکن ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ قتل مرتد کا قانون نہ تو یورپ و امریکہ کی حکومتوا

بنایا ہوا ہے اور نہ کانگریس یا کسی اور دنیوی انجمن کی منتظمہ کمیٹی سے اس کی منظوری میں رائے لی گئی ہے۔ اور نہ ہی پبلک کے غوغائے عام یا ووٹروں کی کثرت کو اس کے پاس کئے جانے میں کچھ دخل ہے۔ وہ تو ایک آسمانی فیصلہ ہے جو خدا کے ان وفادار بندوں کے ہاتھوں سے نفاذ پذیر ہوتا ہے۔ جن کی نسبت قرآن حکیم میں یہ ارشاد ہوا ہے :

"فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۔ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۔ مائدہ آیت ٥٤"

﴿تو قریب ہے کہ خدا لائے گا ایک ایسی قوم کو جن کو وہ محبوب رکھتا ہے اور وہ خدا کو محبوب رکھتی ہے کافروں کے مقابلہ میں غالب اور مومنین کے سامنے خاکسار، جو جہاد کرے گی خدا کے راستہ میں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرے گی یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہے دے۔﴾

وہ ایک فرمان رسالت ہے جس کا امتثال ان ہی سعید روحوں کا حصہ ہے جن کو حق تعالیٰ نے اپنے باغیوں کی سرکوبی کے لئے سارے جہان میں سے چن لیا ہے اور جن کو اس نے محض اپنے افضال سے : "اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ۔ الفتح آیت ٢٩" کا تمغہ مرحمت فرمایا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ اس دور فتن میں جب کہ الحاد اور لامذہبیت کی رو کے خلاف کوئی کام کرنے کی بہت ہی کم جرأت ہو سکتی ہے۔ اعلیٰ حضرت امیر غازی ایدہ اللہ بعونہ ونصرہ نے اس سنت سنیہ کو زندہ کر کے بارگاہ الٰہی اور قلوب مؤمنین میں وہ عزت پیدا کر لی ہے جو انسانوں کی دی ہوئی اور بادشاہوں کی تسلیم کی ہوئی عزتوں سے بالاتر ہے۔ قاعدہ ہے کہ جو شخص جس گورنمنٹ کے قانون کو قبول کرتا اور اس کی حمایت کرتا ہے اس کی پشت پر اس گورنمنٹ کی ساری طاقت ہوتی ہے۔ پس ضرور ہے کہ جو بادشاہ خدائی قانون کی حمایت اور تنفیذ کرے خدائی طاقت اس کی حامی اور سرپرست ہو۔ اسی لئے ہم کو یقین رکھنا چاہئے کہ اعلیٰ حضرت میر غازی جس وقت تک قانون الٰہی کو بلاخوف " لومة لائم "اپنا دستور العمل بناتے رہیں

گے۔ خدائی طاقت ان کو ہر شیطانی طاقت کے مقابلہ میں مظفر و منصور کرے گی:

“فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَمَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۔ تحریم آیت ٤”

آج تاجدار افغانستان نے اقامت حدود الہیہ سے قرن صحابہؓ کی یاد تازہ کر دی اور رسول کریم ﷺ کی روح مبارک کو خوش کرنے میں اس بات کی کچھ پرواہ نہیں کی کہ دنیا ان کو وحشی سمجھے گی یا جاہل۔

انہوں نے بڑی دلیری کے ساتھ اسلام کے حقیقی حسن و جمال اور قدرتی سادگی و خوب صورتی سے پردہ اٹھا دیا اور اس نے بناوٹی خوب صورتی اور مصنوعی رنگ و روپ سے اس کو بے نیاز ثابت کر دیا جس میں اسلام کے نادان دوست یا دانا دشمن اسے پیش کر رہے تھے۔

امیر کابل جیسے خالص خود مختار اسلامی فرمان روا' سے اسلام کی یہ خدمت کچھ زیادہ عجیب نہیں۔ لیکن تعجب اور تعجب سے زیادہ مسرت ہم کو اس بات پر ہے کہ غلام ہندوستان کے اسلامی اخباروں کو (جن میں معزز زمیندار اور سیاست خصوصیت سے قابل ذکر ہیں) حق تعالیٰ نے ایسی سیدھی سمجھ اور مومنانہ جرأت اور صراط مستقیم پر چلنے کے لئے بصیرت کی وہ روشنی عطا فرمائی ہے۔ جس نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے اسلام کی اصلی ہیئت اور فتنہ عظیمہ مرزائیت کے کفریات اور بد نتائج کا مشاہدہ کرنے کے لئے غافلوں اور بے خبروں کی آنکھوں کے سامنے اجالا کر دیا ہے۔

مسلمان قوم کے حق میں یہ بڑی مبارک فال ہے کہ اس کے موقر اخبار تجارتی مقاصد اور لومۃ لائمین کی پرواہ نہ کر کے ٹھیک ٹھیک اسلامی تعلیمات لوگوں کے سامنے پیش کریں اور ان کی حمایت پر علیٰ وجہ البصیرۃ کمر بستہ ہوں۔

ان اخباروں کی روش افغانستان کے اس فعل کی تائید و تحسین میں حق پرست مسلمانوں پر یہ ثابت کر رہی ہے کہ یہ اخبار محض کسب زر کا آلہ نہیں بلکہ اسلام کے بہترین خادم ہیں۔ جو چاہتے ہیں کہ حد سے بڑھے ہوئے آزاد مسلمانوں کے جذبات و محسوسات کی ٹرین کو کچھ پیچھے ہٹا کر اسی سیدھی لائن پر کھڑا کر دیں۔ جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے

صحابہؓ نے عرب کی زمین پر بچھائی تھی۔

لاہوری پارٹی کے امیر (محمد علی مرزائی) تو لکھتے ہیں کہ :

"افغانستان کے ایک فعل نے اسلام کی ترقی کو دس سال اور پیچھے ڈال دیا۔"

(نعمت اللہ کی سنگساری ص ۱۰)

مگر میں انہیں خوش خبری سناتا ہوں کہ دس سال نہیں۔ اس نے اولوالامر مسلمانوں کو نہایت ہی مہلک آزادی کی طرف ترقی کرنے سے تیرہ سو سال پیچھے ہٹادیا ہے۔

مرزائیوں کو بڑی فکر ہے کہ افغانستان کا یہ فعل جب اسلام کی طرف منسوب ہوگا تو غیر مسلم قومیں اسلام سے نفرت کرنے لگیں گی اور یہ سمجھ جائیں گی کہ اسلام صرف تلوار کے زور سے قائم رکھا جاسکتا ہے اور یہ ایک بڑی روک اشاعت اسلام کے راستہ میں ہوگی۔

لیکن قرون اولیٰ کا تجربہ ہم کو یہ بتلاتا ہے کہ جب صدیق اکبرؓ اور دوسرے خلفاءؓ کے عہد میں ارتداد کا فیصلہ حضور ﷺ کے حکم کے موافق تلوار کی نوک سے کیا جاتا تھا حتیٰ کہ بعض اوقات سرزمین عرب کا وسیع رقبہ مرتدین کے خون سے رنگین ہوگیا۔ اس وقت اشاعت اسلام کی رفتار ترقی اس قدر سریع اور حیرت میں ڈالنے والی تھی کہ جسے حضور ﷺ کے ایک عظیم الشان معجزہ کے سوا اور کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

جیسا کہ تھوڑی دیر پہلے میں ثابت کرچکا ہوں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے حکم: "من بدل دینه فاقتلوه." کی تعمیل میں ایک لمحہ کا توقف بھی روانہ رکھتے تھے۔ لیکن مرزائیوں کے لئے یہ کس قدر تعجب اور غصہ کا مقام ہوگا کہ ان ہی صحابہؓ کے عہد میں بیشمار کفار' اسلام کے حلقہ بگوش بنتے گئے۔ نہ تو وہ قتل مرتدین کو دیکھ کر اسلام سے بدگمان ہوئے اور نہ انہوں نے حاملین اسلام سے نفرت کی۔ بلکہ وہ یہ دیکھ کر کہ مسلمان حکمرانوں کے زیر سایہ جہاں تمام یہود و نصاریٰ اور دوسری غیر مسلم اقوام اس طرح آزادانہ زندگی بسر کرتے اور اپنے مذہبی وظائف کو بلا روک ٹوک بجالاتی ہیں۔ کسی مرتد کا بیدریغ قتل کیا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمان صرف ایک ہی چیز کے خواہاں ہیں اور وہ یہ کہ ان کے دین میں زہریلے جراثیم کی تولید نہ ہونے پائے۔ اور کبھی ہو جائے تو اس کو ترقی اور تعدیہ کا

موقع نہ ملے۔ جراثیم ارتداد کا فنا کرنا فی الحقیقت بقیہ سچے ایمانداروں کی حفاظت کرنا ہے۔

مرتد کا وجود ایک مجسم فتنہ ہے جس سے کمزور اور سادہ لوح مسلمانوں کے خیالات میں تشویش اور ان کے جذبات میں تلاطم پیدا ہو سکتا ہے۔

جو لوگ عہد رسالت میں اپنے آدمیوں کو: " اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ ۔ آل عمران آیت ۷۲" کا مشورہ دیتے تھے۔ ان کی غرض بھی "لعلهم يرجعون" ہی تھی یعنی یہ کہ کچھ مصنوعی مسلمانوں کو اسلام سے پھرتے ہوئے دیکھ کر سچے مؤمنین کو بھی جھوٹ اور باطل کی طرف آنے کی ترغیب ہو گی۔ یا کم از کم یہ خیال کر کے کہ آخر کچھ تو وجہ ہے کہ یہ لوگ اسلام قبول کرنے کے بعد اس سے منحرف ہو گئے ہیں۔ ان کے دلوں میں بھی ایک طرح کا تردد اور تذبذب پیدا ہو جائے گا۔

اسی لئے اسلام نے ارتداد کے مہلک جراثیم کو تباہ کر ڈالنے کے لئے پوری قوت استعمال کرنے کا حکم دیا ہے۔

بہتر ہے کہ مرتد کو اولاً سمجھاؤ۔ اس کے شبہات کا ازالہ کرو۔ اگر وہ خدا کی کھلی کھلی آیات دیکھنے اور واضح دلائل سننے کے بعد بھی اپنی معاندانہ ضد اور ہٹ دھرمی پر قائم رہے۔ اور اپنی ہوا و ہوس یا اوہام باطلہ کی پیروی سے باز نہ آئے تو مسلمانوں کی جماعت کو اس کے زہریلے وجود سے پاک کر دو کہ: " تبين رشد من الغي. " کے بعد دین میں کوئی اکراہ نہیں ہے: " لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ۔ الانفال آیت ٤٢"

ایک شخص اتفاقاً گھوڑے سے گر پڑا۔ ٹانگ ٹوٹ گئی۔ ہڈی کے ریزے ادھر ادھر گھس گئے۔ سول سرجن کا کام یہ ہے کہ ہڈی کو جوڑے، زخم صاف کرے، پٹی باندھے اور مرہم لگائے۔ لیکن اگر کسی تدبیر سے زخم مندمل نہ ہو سکے، بلکہ اس کے سرایت کرنے اور باقی ٹانگ کو بھی خراب اور مسموم کر ڈالنے کا اندیشہ ہو تو کیا اس وقت اس سول سرجن کا یہ ایک مشفقانہ فرض نہیں ہو جاتا کہ وہ ٹانگ کے مسموم حصہ کو کاٹ کر پھینک دے اور فاسد عضو بدن پر یہ سمجھ کر کچھ رحم نہ کھائے کہ گھوڑے سے گرنا اور ٹانگ ٹوٹ جانا اور مریض کا زخم

مد مل نہ ہونا اس کے اختیار میں نہیں تھا۔ اس وقت سول سرجن کا فرض یہ دیکھنا نہیں کہ آیا یض نے اپنے اختیار سے مرض کو پیدا کیا ہے یا بے اختیاری طور پر پیدا ہو گیا ہے۔ بلکہ اپنے یار کو دیکھنا ہے۔ ۔ے، وہ مریض کے بقیہ اعضا بدن کو بچانے کے لئے استعمال کر سکتا ہے۔

یاد رکھو کہ ارتداد ایک سخت زہریلا مادہ ہے جو جسم مسلم میں پیدا ہو جاتا ہے۔ خدائی سول سرجن جب اس کی تحلیل یا اخراج کی تدبیر سے تھک جاتے ہیں تو: ” آخر الحیل السیف “ کے قاعدہ سے اس عضو فاسد کو کاٹ کر پھینک دیتے ہیں۔ اور وہ ایسا کرنے کے وقت خدا کی طرف سے: ” وَلاَ تَاْخُذْ کُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ۔ النور آیت ۲ “ اور: ” وَاغْلُظْ عَلَيْهِم۔ توبہ آیت ۷۳ “ کے مخاطب ہوتے ہیں۔

کسی سخت آپریشن کا مشاہدہ کرنے سے بعض اوقات نازک دل عورتیں یا بعض ضعیف القلب مرد بھی غش کھا کر گر پڑتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی کمزور دل ڈاکٹر اس سے متاثر ہو کر آپریشن چھوڑ بیٹھے تو نہیں کہا جا سکتا کہ وہ بڑا رحمدل ہے بلکہ کہا جائے گا کہ وہ اپنے منصب سے معزول کر دینے کے قابل ہے۔

ہم کو خدا کا بڑا شکر ادا کرنا چاہئے۔ کہ اس نے موجودہ عہد انحطاط میں امیر غازی مان اللہ خان اور ان سے پہلے ان کے والد مرحوم کو وہ اختیارات بخشے اور ان اختیارات کے استعمال کی توفیق مرحمت فرمائی جو جسم مسلم کو نہایت ہی سمی آلائشوں سے پاک کرنے اور اصلاح پر لانے کے لئے ضروری تھے۔ اگر بفرض محال یہ صحیح بھی ہو کہ امیر صاحب کے اس فعل سے اشاعت اسلام میں کچھ رکاوٹ پیدا ہوتی ہے تو اس میں پھر بھی کوئی شبہ نہیں کہ حفاظت اسلام میں اس سے بڑی بھاری مدد ملے گی اور شاید قادیان کی کسی چوتھی بکری کو اب مدت تک یہ ہوس نہ ہو گی کہ اعلانیہ افغانیوں کے اسلام یا ان کی متحدہ قومیت میں سینگ مار کر کابل کے ذبیحہ خانہ سے شہادت کا فخر حاصل کرے۔

مرزا محمود (قادیانی) ہو یا محمد علی (لاہوری) ان کو چاہئے کہ وہ دول یورپ یا سوراجی ہندو مسلمانوں کو اتنا بے وقوف نہ سمجھیں کہ وہ سب کے سب امیر کابل کو آپ کے کہنے سے اتنا سفاک اور جاہل سمجھ لیں گے کہ وہ دول غیر کے تمام سفراء کو اس قدر مامون و مصئون

رکھنے اور افغانی ہندوؤں کو ہندوستانی ہندوؤں سے زیادہ آزادی اور طمانیت عطا کرنے کے باوجود مشق تیغ آزمائی یا بجبر واکراہ اسلام پھیلانے کے لئے قادیان کی ایک بکری (نعمت اللہ) پر شمشیر چلا کر خوش ہوتے ہیں۔

کوئی شبہ نہیں کہ کسی آدمی کو عمداً قتل کر ڈالنا بڑی سخت چیز ہے۔ مگر قرآن نے جس کو فتنہ کہا ہے وہ قتل سے بھی بڑھ کر سخت ہے: "وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ · البقرہ آیت ۱۹۱" "وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ · البقرہ آیت ۲۱۷"

یہ فتنہ دین حق سے ہٹنے یا ہٹائے جانے کا فتنہ ہے۔ جس پر: "وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ · مائدہ آیت ۴۹" میں متنبہ کیا گیا ہے اور جس کو حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنی قوم کے مرتد گوسالہ پرستوں کو مخاطب کرتے ہوئے: "يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ · طٰه آیت ۹۰" سے تعبیر فرمایا تھا اور جو ان کفار کا ہمیشہ مطمع نظر رہتا ہے۔

جن کی نسبت قرآن میں کہا گیا ہے:

"وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً · النساء آیت ۸۹"

﴿وہ چاہتے ہیں کہ جیسے وہ خود کافر ہیں تم کافر ہو کر ان کے برابر ہو جاؤ۔﴾

"وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا · حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ · البقرہ آیت ۱۰۹"

﴿بہت سے اہل کتاب از راہ حسد یہ آرزو رکھتے ہیں کہ تم کو ایمان لانے کے بعد پھر کافر بنا ڈالیں۔﴾

"وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا · البقرہ آیت ۲۱۷"

﴿وہ ہمیشہ تم سے اس لئے جنگ کرتے رہیں گے کہ اگر ان کا بس چلے تو تم کو تمہارے دین سے ہٹا دیں۔﴾

اسی فتنہ کے روکنے اور مٹانے کے لئے وہ جارحانہ اور مدافعانہ جہاد بالسیف مشروع

کیا گیا جس کا خیال مسلمانوں کے دلوں سے محو کرنے کے لئے لاہوری پارٹی کا لغوی اور محمودی پارٹی کا بروزی نبی مبعوث ہوا ہے۔ پڑھو: "وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَاتَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۔ البقرہ آیت ۱۹۳"

﴿دشمنان اسلام سے اس وقت تک لڑو کہ فتنہ کا وجود نہ رہے اور خدا کا دین ہی غالب ہو کر رہے۔﴾ (جیسا کہ: "لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۔ الفتح آیت ۲۸" سے مفہوم ہوتا ہے۔)

صحیح بخاری میں ابن عمرؓ سے اور سنن ابن ماجہ میں عمران بن حصینؓ سے منقول ہے کہ اس فتنہ سے مراد ارتداد کا فتنہ ہے۔ (دیکھو فتح الباری ص ۴۰ ج ۱۳) اور اسی طرح اشارہ صحیح مسلم میں سعد بن ابی وقاصؓ کی روایت میں موجود ہے۔

پس اسلام کا سارا جہاد و قتال خواہ ہجوم کی صورت میں ہو یا دفاع کی، صرف مرتد بننے یا بنانے والوں کے مقابلہ میں ہے۔ جس کی غرض یہ ہے کہ فتنہ ارتداد، یا اس کے خطرہ سے مؤمنین کی حفاظت کی جائے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ مرتدین کا جو مجسم فتنہ ہیں استیصال ہو اور مرتد بنانے والوں کے حملوں اور تدبیروں اور ان کی شوکت و قوت کو جس سے وہ مسلمانوں کے ایمان کو موت کی دھمکی دے سکتے ہیں ہر ممکن طریقہ سے روکا جائے یا توڑا جائے۔

چنانچہ کفار اگر جزیہ دے کر اسلامی رعایا بننے یا مسلمانوں کے امن میں آجانے یا باہمی مصالحت اور معاہدہ کی وجہ سے مسلمانوں کو عملاً مطمئن کردیں کہ وہ ان کے دین میں کوئی رخنہ اندازی نہ کریں گے اور ان کے غلبہ اور شوکت کی وجہ سے مسلمانوں کو مرتد بنائے جانے کا کوئی اندیشہ باقی نہ رہے گا تو ایسی اقوام کے مقابلہ میں مسلمانوں کو ہتھیار اٹھانا جائز نہیں۔

"حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۔ التوبة آیت ۲۹"

﴿یہاں تک کہ وہ جزیہ ادا کریں ہاتھ سے ذلیل ہو کر۔﴾

"وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ۔ التوبة آیت ۶"

﴿اگر مشرکین میں سے کوئی تم سے پناہ مانگے تو تم اس کو پناہ دیدو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر اس کو اس کی امن کی جگہ پہنچادو۔﴾

"وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۰ الانفال آیت ۶۱"

﴿اگر وہ صلح کے لئے جھکیں تو تم بھی اس کے لئے جھک جاؤ اور خدا پر بھروسہ کرو۔﴾

"فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلاً ۰ النساء آیت ۹۰"

﴿پھر اگر وہ تم سے علیحدہ رہیں اور نہ لڑیں اور صلح کی سلسلہ جنبائی کریں تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے مقابلہ میں تم کو کوئی راستہ نہیں دیا۔﴾

"وَاِنْ نَّكَثُوْآ اَيْمَانَهُمْ مِّنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِىْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْآ اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۰ التوبة ۱۲"

﴿اگر عہد و پیمان کے بعد اپنی قسمیں توڑ ڈالیں اور تمہارے دین پر زبان درازی کریں تو لڑو تم کفر کے سرداروں سے۔﴾

پس جہاد بالسیف خواہ ہجومی ہو (یعنی بطریق حفظ تقدم) یا دفاعی (یعنی بطریق چارہ سازی) صرف مؤمنین کی حفاظت کے لئے ہے۔ اور یہ ایک ایسا فطری حق ہے جس سے کوئی علقمند اور مہذب انسان مسلمانوں کو محروم نہیں کر سکتا۔ اس لئے احکام جہاد کی نسبت جو قرآن میں بکثرت موجود ہیں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ: "لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ ۰ البقرہ آیت ۲۵۶" اور: "اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۰ یونس آیت ۹۹" کے معارض ہیں۔ بلکہ کہا جائے گا کہ دین میں کوئی اکراہ نہیں۔ البتہ جو فتنے دین میں رخنہ ڈالتے ہوں ان کے روکنے میں ضرور اکراہ ہے۔ یعنی جہاں تک مسلمانوں کی طاقت میں ہوگا فتنہ کو اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ مسلمانوں کی جماعت سے سر نکالے یا نشو و نما پائے۔

اگر اسلام کی اسی حفاظت خود اختیاری کے معنی اس کا بزور شمشیر پھیلایا جانا ہے تو

میں اقرار کرتا ہوں کہ بیشک ایسی حفاظت کے لئے شمشیر استعمال ہوتی ہے اور برابر ان لوگوں کے ہاتھوں سے جنہیں خدا ایسی قوت اور توفیق بخشے گا استعمال ہوتی رہے گی: "الجهاد ماض الی یوم القیامة ۔ مجمع الزوائد ج۱ ص ۱۱۱، سنن ابی داؤد ج۱ ص حاشیه ۲۴۷ کتاب الجهاد" خواہ قادیان کا متنبی اپنے قلم کی چوں چوں سے کتنا ہی اس تلوار کی جھنکار کو پست کرنا چاہے۔

ہم بحمد اللہ! خوب سمجھتے ہیں کہ اسلام کے بہت سے دانا دشمنوں نے اس امر کی حمایت میں کہ اسلام ہرگز بزور شمشیر نہیں پھیلا موٹی موٹی کتابیں لکھی ہیں۔ اور کیسی خوب صورتی اور دانائی سے ایک سچی بات کہہ کر دوسری سچی بات (جہاد بالسیف) کی اہمیت اور ولولہ کو مسلمانوں کے دلوں سے محو کرنا چاہا ہے اور اسلام کے بہت سے نادان دوست بھی ان کی اس منافقانہ ہمدردی کا شکار ہو گئے ہیں اور انہوں نے اپنی اصلاح کی قینچی سے مسئلہ جہاد کے بازو کتر ڈالے ہیں۔ لیکن یاد رکھئے کہ قائمین بالحق کا گروہ نہ تو کسی کی تجہیل و تحمیق سے ڈرتا ہے۔ اور نہ کسی کی مکاری اور چرب لسانی سے پسیجتا ہے۔ وہ بلا خوف تردید کہتا ہے کہ تم حقیقت جہاد سے جاہل ہو، اور خدائے قدوس کی انتہائی وفاداری اور اس کی راہ میں شجاعانہ سرفروشی کو اگر تم وحشیانہ حرکت اور مذہبی دیوانگی سے موسوم کرتے ہو تو ہم اپنی دیوانگی اور تمہاری فرزانگی کی نسبت مولانا رومیؒ کی زبان میں صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں:

آزمودم عقل دور اندیش را
بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را
اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد
اوست فرزانہ کہ فرزانہ نہ شد

بہر حال قتل مرتد یا جہاد بالسیف کا حکم مسلمانوں کو فتنہ سے محفوظ رکھنے کے لئے ہے جس کا اول مخاطب امام صاحب اقتدار ہوتا ہے۔ جن ممالک میں مسلمانوں کا امام صاحب اقتدار نہ ہو وہاں عام مسلمان اس قسم کے احکام کے مکلف نہیں ہیں (جیسے ہندوستان ہے) بناءً علیہ ہندوستان کے مرتد یا غیر مسلم اقوام کو نعمت اللہ خان کے قتل سے خوف کھانے کی کوئی

وجہ نہیں۔ بلکہ خود افغانستان کی غیر مسلم رعایا یا متامنین کو بھی جیسا کہ مشاہدہ کیا جارہا ہے کوئی خطرہ نہیں۔ لاہوری پارٹی کے (مرزائی) امیر کی سمجھ میں ابھی تک یہ فلسفہ نہیں آیا کہ:

"ایک ہندو پیغمبر اسلام ﷺ کو نعوذ باللہ جھوٹا سمجھ کر حکومت افغانستان کے ماتحت آزاد ہے۔ ایک عیسائی یا یہودی آپ ﷺ کو نعوذ باللہ مفتری قرار دے کر حکومت افغانستان کے کسی عہدہ پر بھی فائز ہو سکتا ہے۔ لیکن ایک مسلمان یہ کہہ کر کہ خاتم النبیین کے یہ معنی ہیں یہ نہیں۔ (یعنی خاتم النبیین کا تاویل باطل کے پردہ میں انکار کر کے) واجب القتل ہو جاتا ہے۔" (نعمت اللہ کی سنگساری ص ۸)

مجھے افسوس ہے کہ ایسی سیدھی اور موٹی سی بات امیر جماعت احمدیہ کی سمجھ میں کیوں نہیں آتی؟۔ وہ کروڑوں انسان جو برٹش قلمرو سے باہر رہتے ہیں۔ اور انہوں نے آج تک انگریزوں کی حکومت اپنے اوپر قبول نہیں کی' آزاد ہیں۔ کہ جو چاہیں قانون اپنے لئے بنائیں اور جس طرز سے چاہیں زندگی بسر کریں۔ انگریزی حکومت کو ان سے کوئی سروکار نہیں۔ لیکن وہ شخص جو برٹش حکومت اور برٹش قانون کو قبول کر کے انگریزی رعایا بن چکا ہے' وہ چاہے بغاوت کا جھنڈا کھڑا کر دے اور سڈیشن یا انارکی پھیلائے اور حکومت کے قانون کو توڑے۔ ساتھ ہی زبان سے یہ بھی کہتا رہے کہ میں انگریزوں کی وفادار رعایا میں سے ہوں حکومت اس سے اغماض نہیں کر سکتی۔ حکومت اگر اس کے لئے پھانسی یا حبس دوام کی سزا تجویز کرے تو یہ سوال نہیں کیا جا سکتا کہ جب کروڑوں آدمی دنیا میں انگریزی حکومت سے باہر ایسے موجود ہیں جو انگریزی قانون اور اس کی حکومت کو قطعاً نہیں مانتے۔ اور حکومت ان سے کوئی تعرض نہیں کرتی تو کیا وجہ ہے کہ رعیت ہونے کا اقرار کرنے والے شخص کو سڈیشن کے جرم میں اس قدر سخت اور سنگین سزا دی جارہی ہے۔

خوب سمجھ لو کہ جو شخص اسلام میں داخل ہو وہ اس کے حلقہ حکومت میں آگیا۔ اور اس نے اسلام کے پورے قانون کو اپنے حق میں قبول کر لیا۔ اب اگر وہ اسلام کا زبانی دعویٰ رکھتے ہوئے اسلام سے نکلنا چاہتا ہے اور اس کے قانون کو توڑنا چاہتا ہے۔ اور خاتم النبیین کی رعیت بننے کے بعد کسی کذاب کو جدید نبی مان کر فی الحقیقت آپ ﷺ کے دعوائے خاتم

النبیین کو جھٹلاتا ہے وہ اسلام کا باغی ہے۔ پس اسلام کی طرف سے وہ یقیناً ایسی سزا کا مورد ہوگا۔ جس کے مورد وہ غیر مسلم لوگ نہیں ہیں جو ابھی تک اسلام کے حلقہ میں داخل ہی نہیں ہوئے اور جو: " فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ. کہف آیت ۲۹" کی تہدید آمیز آزادی سے ابھی تک متمتع ہو رہے ہیں۔ امیر جماعت احمدیہ سوال کرتے ہیں کہ :

"اگر مسلمان حکومتیں اپنے ملکوں میں یہ قانون بنائیں گی کہ کسی غیر مسلم کو ان کے ملک میں اپنے مذہب کی تبلیغ کی اجازت نہیں تو اس کے بالمقابل کیا عیسائی طاقتیں اسی قسم کا قانون اسلام کے خلاف بنانے میں حق بجانب نہ ہونگی کہ ان کی حکومت میں تبلیغ اسلام کی اجازت نہیں۔ اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟۔ یہی کہ تبلیغ اسلام کا کام دنیا میں قطعی طور سے رک جائے گا۔"

(نعمت اللہ کی سنگساری ص ۱۱)

اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام اپنے اختیار سے کسی شخص کو مرتد بنائے جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اسلام کا یہی قانون افغانستان میں بہت پہلے سے رائج ہے اب اگر اس کے جواب میں محمد علی (لاہوری) یا مرزا محمود (قادیانی) کے مشورہ سے غیر مسلم حکومتیں اپنی قلمرو میں تبلیغ اسلام کو روک دیں تو اگرچہ ہم مسلمان اپنے اس عقیدہ کے موافق کہ آج دنیا میں صرف ایک مذہب اسلام ہی سچا اور مکمل اور عالمگیر مذہب ہو سکتا ہے ان کی اس بندش کو حق بجانب نہیں کہہ سکتے۔ تاہم یہ ضرور ہے کہ وہ ایسا کر گذریں تو ہم ان کو روک بھی نہیں سکتے' نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک طرف اگر نو مسلموں کا سلسلہ رک جائے گا تو دوسری جانب پرانے مسلمانوں کا اسلام سے نکلنا بھی بند ہو جائے گا اور میں خیال کرتا ہوں کہ موجود دولت کی حفاظت غیر موجود دولت کی تحصیل سے اہم اور مقدم ہے۔ کسی چھوٹی سے چھوٹی اور ضعیف سے ضعیف سلطنت کی غیرت بھی اس کی اجازت نہیں دے گی کہ وہ اپنے حاصل شدہ حقوق و فوائد کی حفاظت کیلئے فوج بھرتی کرنے اور بڑی سے بڑی طاقت کی ٹکر اٹھانے سے پہلو تہی کرے۔ حالانکہ وہ جانتی ہے کہ اس تحفظ کے سلسلہ میں اس کے سپاہیوں کا نقصان غنیم کے سپاہیوں سے بہت زیادہ ہوگا۔

پھر کیا وجہ ہے کہ اسلام اپنے پیروں کے ایمان کی حفاظت میں ایسی غیرت اور

مضبوطی نہ دکھلا دے۔ اس خوف سے کہ اس کو دوسری جگہ بعض غیر حاصل شدہ فوائد سے محروم ہونا پڑے گا اپنے حاصل شدہ حقوق کی حفاظت سے دست بردار ہو جائے۔

مرزا محمود قادیانی اور محمد علی مرزائی مع اپنی ذریات کے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر عیسائی طاقتوں سے ایسا قانون بنوا لیں اور تبلیغ اسلام کے قانوناً روک دیئے جانے کا گناہ اور قتل مرتد کے جواب میں قتل کئے جانے والے نو مسلموں کا خون اپنی گردن پر اٹھالیں۔ لیکن وہ یہ امید ہرگز نہ رکھیں کہ افغانی حکومت ان کی ان دھمکیوں سے مرعوب ہو کر اپنا اسلامی قانون بدل ڈالے گی اور ان کو یہ موقعہ دیا جائے گا کہ افغانستان کے نہایت ہی پکے اور سچے مسلمانوں میں ایک جھوٹے نبی کا نام لے کر اور غیر مسلموں کے ایجنٹ بن کر تفرقہ اندازی کرتے پھریں۔ محمد علی (مرزائی) کہتے ہیں کہ:

"اسلام کی فتح اس میں نہیں کہ مسلمان ملکوں میں دوسرے مذہب کی تبلیغ رکی رہے۔ بلکہ اسلام کی فتح یہ ہے کہ اسلام کے مخالف اپنی ساری مادی طاقتوں کو خرچ کر لیں اور جس قدر اسلام سے لوگوں کو نکالنے کے لئے لگا سکتے ہیں لگالیں اور آخر دیکھ لیں کہ کس طرح پر وہ ناکام رہتے ہیں۔"

(نعمت اللہ کی سنگساری ص ۱۱)

بیشک اس نتیجہ کا ہم کو بھی یقین ہے اور خدا کی مہربانی اور امداد سے ہم کو پورا وثوق ہے کہ اسلام کے خلاف سب دجالانہ کوششیں اندرونی ہوں یا بیرونی آخر کار ناکام ہو کر رہیں گی۔ لیکن اس یقین اور وثوق سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم برائی کی جس کوشش کو ظہور میں آنے سے پہلے روکنے پر قادر ہوں نہ روکیں اور جس بدی کو نمودار ہونے سے قبل ہی ہم بند کر سکتے ہیں بند نہ کریں۔

اسلام صرف بہادر ہی نہیں، حکیم بھی ہے۔ وہ اپنی بہادری کے جوش میں اور آخری فتح کے یقین پر احتیاطی تدابیر اور حفاظتی وسائل کو نظر انداز نہیں کرتا۔ بلکہ بطور انجام بینی جہاں تک ممکن ہو فتنہ کے آنے سے پہلے ہی بند لگاتا ہے، اگر اس پر بھی فتنہ کسی جگہ نہ رک سکے تو پھر بہادرانہ مقابلہ کرتا ہے۔ اور ہر صورت میں انجام یہی ہوتا ہے کہ حق کی فتح اور باطل کا سر نیچا ہو۔

حضرت ابوبکرؓ نے مرتدین پر چڑھائی کی۔ لیکن جب انہوں نے مانعین زکوٰۃ سے (حکم زکوٰۃ نہ ماننے کی وجہ سے) قتال کا ارادہ کیا تو حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ مانع آئے کہ تم کلمہ پڑھنے والوں کے ساتھ قتال کیسے کرو گے؟ آپ نے فرمایا کہ :

”واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ۔“

﴿خدا کی قسم میں ضرور اس شخص سے قتال کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا۔﴾ (بخاری ص ۱۰۲۳ ج ۲)

چنانچہ حضرت عمرؓ اور دوسرے معترضین کی سمجھ میں یہ بات آگئی اور حق تعالیٰ نے ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ سے فتنہ ارتداد کا استیصال کر دیا۔ اور حق کو وہ فتح و نصرت نصیب ہوئی کہ بعد میں صحابہؓ ابوبکرؓ کے اس کارنامہ پر رشک کرتے تھے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ مانعین زکوٰۃ اگر خلیفہ کے مقابلہ میں چڑھ کر آئے تھے تو کیا حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابہؓ اس کی مدافعت سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو روکتے تھے۔ کیا انہوں نے: ”فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْءَ اِلٰی اَمْرِاللّٰہِ۔ الحجرات آیت ۹“ قرآن میں نہیں پڑھا تھا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جواب میں یہ نہ فرمایا کہ یہ لوگ باغی ہیں اور خلافت کے مقابلہ پر انہوں نے چڑھائی کی ہے۔ اس لئے ان سے لڑنا ضرور ہے۔ جو جواب دیا وہ صاف بتلاتا ہے کہ اگر کوئی جماعت مسلمان ہونے کے بعد نماز یا زکوٰۃ یا اسلام کے کسی قطعی حکم کے ماننے سے انکار کرے گی تو اس سے ضرور قتال کیا جائے گا۔ تاوقتیکہ وہ راہ راست پر نہ آجائے۔

ہاں! حنفیہ نے قتل مرتد کے حکم سے عورت کو مستثنیٰ کہا ہے۔ اگرچہ حبس دوام کا حکم وہ بھی دیتے ہیں۔ یہ اس لئے نہیں کہ جرم ارتداد کی سزا قتل نہیں ہے۔ بلکہ ایک ہی جرم کی دو سزائیں مجرمین کے احوال کے تفاوت کی بناء پر ہیں۔ میں پہلے ثابت کر چکا ہوں کہ ارتداد اسلام سے بغاوت کا نام ہے۔ تو کیا حکمت و انصاف کی بڑی بڑی مدعی گورنمنٹوں کے یہاں بھی بغاوت کے جرم کی سزا ہر ایک مجرم کے حق میں یکساں ہے؟

پس اگر امام ابو حنیفہؒ نے بعض نصوص کے اشارہ سے دو مجرموں کے لئے ایک ہی

جرم کی دو سزائیں تجویز کی ہیں تو اس پر کیا اعتراض ہے ؟۔ کیا شریعت میں آمہ (لونڈی) اور حرہ کی حد میں فرق نہیں ہے۔ حالانکہ جرم ایک ہی ہوتا ہے۔ کیا ایک ہی فعل زنا زانی کے محصن اور غیر محصن ہونے کے فرق سے الگ الگ سزاؤں کا موجب نہیں ہے ؟ اسی پر مرتد اور مرتدہ کے جرم ارتداد اور اس کے مدارج کو قیاس کرلو۔ یعنی مرتد اور مرتدہ کی سزاؤں کے تفاوت سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ سزا جرم ارتداد کی نہیں ہے۔ زیادہ توضیح چاہو تو برادر محترم مولانا سراج احمد صاحب اور مولانا میرک شاہ صاحب کے مضامین کا مطالعہ کرو۔

اب میں مضمون ختم کرتا ہوں اور جانتا ہوں کہ اس کے جواب میں مجھے بہت سی گالیاں دی جائیں گی۔ لیکن میری پھر بھی یہی دعا ہوگی کہ خدائے قادر و توانا مرزائیوں کو ارتداد کی دلدل سے نکال کر دنیا و آخرت کی سزا سے بچائے۔ اور ہم سب کا خاتمہ ایمان پر کرے۔ اور بادشاہ اسلام امیر افغانستان کو اجراء حدود اسلامیہ اور محافظ حقوق مسلمین کی بیش از بیش توفیق مرحمت فرمائے :

”رَبَّنَا لاَ تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْهَدَ يْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَہَّابُ ۰ رَبَّنَا لاَتُؤَ اخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْاَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلاَ تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًاكَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۰ رَبَّنَا وَلاَ تُحَمِّلْنَا مَالاَ طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۰ وَاعْفُ عَنَّا ۰ وَاغْفِرْلَنَا ۰ وَارْحَمْنَا ۰ اَنْتَ مَوْلٰنَا ۰ فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۰“

شبیر احمد عثمانی عفاء اللہ عنہ

۱۸ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذنیب یعنی

ضمیمہ الشہاب

"حامداً و مصلیاً۔"

خدا کا شکر میں کس زبان سے ادا کروں جس نے میرے ناچیز رسالہ "**الشہاب**" کو عام و خاص میں وہ حسن قبول عطا فرمایا جس کا مجھے لکھتے وقت کچھ بھی اندازہ نہ تھا۔

الشہاب کی اشاعت شروع ہوئی اور چاروں طرف سے اس کی مانگ ہونے لگی۔ شکریہ اور تحسین کے بہت سے خطوط آئے۔ مسلمانوں کو توقع سے بڑھ کر فائدہ پہنچا۔ اور حق تعالیٰ نے باطل پرستوں کے دلوں میں ایسی ہئیبت ڈال دی کہ آج ڈیڑھ ماہ سے زائد اس کی اشاعت کو ہوا۔ لیکن مرزائیوں کی کوئی پارٹی بھی جواب سے عہدہ بر آ نہ ہو سکی۔

رسالہ کے بڑھتے ہوئے اثر کو دیکھ کر مرزائی دانت پیس رہے ہیں۔ اور ان کے سینوں پر آرے چل رہے ہیں۔ لیکن جس طرح انہیں قبول حق کی توفیق نہیں ہوئی جواب دینے کی ہمت بھی نہیں ہو سکی۔

البتہ آج ۶ جنوری ۱۹۲۵ء کو ایک رسالہ مسٹر محمد علی مرزائی امیر جماعت احمدیہ لاہور کا اتفاقاً ہمارے ہاتھ آیا جو سزائے ارتداد کے متعلق ان کے پہلے رسالہ کی صدائے باز گشت سے زیادہ نہ تھا۔ اس رسالہ پر ۲۲ دسمبر کی تاریخ پڑی ہے۔ اور دیوبند سے ۱۹ نومبر کو الشہاب" خود ان کے نام روانہ ہو چکا تھا لیکن آپ اپنے رسالہ کے بالکل آخر میں لکھتے ہیں کہ:

"مضمون یہاں تک پہنچ چکا تھا کہ رسالہ الشہاب ملا۔ گویا دیوبند سے لاہور ایک ماہ سے زائد میں رسالہ پہنچا۔"

بہر حال، آپ (محمد علی مرزائی) کے جدید رسالہ کا خلاصہ چند الفاظ میں یوں ہو سکتا

ہے کہ: ”کسی شرعی مسئلہ کے اثبات کے لئے تین چیزیں ہیں۔ قرآن، حدیث، اجتہاد ائمہ۔“

اجتہاد ائمہ میں خطا ہو سکتی ہے۔ حدیث بھی غلط روایتوں اور غلط فہمیوں سے محفوظ نہیں ہے۔ لہذا ان دونوں سے علیحدہ ہو کر صرف قرآن رہ گیا جو محفوظ ہے۔ پس اس کے خلاف جو چیز آئے گی رد کر دی جائے گی۔ اور خلاف کا مطلب بھی یہ سمجھنا چاہئے کہ ان کے مزعوم معنی اور تفسیر کی رو سے جس مسئلہ میں قرآن خاموش بھی ہو اس کے متعلق صحیح سے صحیح اور ناطق سے ناطق حدیثیں بھی یہ کہہ کر نظر انداز کر دی جائیں گی کہ ان کا ذکر قرآن میں ان کی بتلائی ہوئی تفسیر کے موافق نہیں ہے۔

اس طرح تمام مسائل اور مباحث کا فیصلہ اس ایک اصول سے ہو جاتا ہے اور کسی قسم کی کدو کاوش کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس تمہید کے بعد آپ نے وہ آیات قرآنیہ پیش کی ہیں جن میں مرتد کے قتل کئے جانے کا حکم نہیں ہے۔ نہ یہ کہ اس کے قتل نہ کرنے کا ذکر ہے۔ بلاشبہ ان کا یہ استدلال ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص: ” وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا۔ النساء آیت ۹۳“ کو پیش کر کے یہ کہنے لگے کہ قتل عمد کی سزا بھی قتل نہیں ہے۔ کیونکہ اس آیت میں باوجودیکہ قتلِ عمد کا ذکر کیا گیا۔ مگر ساتھ کے ساتھ قاتل کی سزا قتل نہیں بتلائی گئی۔

اس کے جواب میں وہ کہہ سکتے ہیں کہ یہاں سزا دینا اور نہ دینا دونوں سے سکوت ہے۔ اور دوسری جگہ قرآن میں: ”كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى۔ البقرہ آیت ۱۷۸ “فرما کر قاتل کی سزا بتلا دی گئی۔

ٹھیک اسی طرح ان کو سمجھنا چاہئے کہ: ” فاقتلوا انفسکم۔ “بھی جز مرتدین ہی کے متعلق قرآن میں دوسری جگہ آیا ہے اس میں ہم کو تعلیم دے دی گئی کہ ارتداد کی سزا اللہ کے نزدیک قتل ہے۔

آپ نے میرے استدلال قرآنی پر پیچ و تاب تو بہت کھائے اور علماء کو گالیاں بھی دیں جو اس نبی (مرزا قادیانی) کے امتی کے لئے نہایت زیبا ہیں۔ جو ذمائم اخلاق، سب و شتم اور

لعن و طعن کی تکمیل ہی کے لئے شاید مبعوث ہوا تھا۔ لیکن آیت قرآنی : ”فاقتلوا انفسکم“ کا کوئی مطلب پھر بھی نہ بتلا سکے۔ آپ نے میرے استدلال پر جو سوالات کئے ہیں ان کا نمبر وار جواب سنئے :

سوال نمبر ا :.......... کیا گوسالہ پرستی سے بنی اسرائیل مرتد تھے ؟۔ اگر یہ صحیح ہے تو کسی قوم کا عقیدہ خواہ کچھ ہو کیا عملی طور پر کسی تعلیم سے انحراف پر ارتداد کا فتویٰ صادر ہو سکتا ہے۔ اور کیا آج لاکھوں مسلمان جو قبر پرستی اور کئی قسم کی : ” من دون الله . “ پرستش میں مبتلا ہیں۔ ان پر ارتداد اور سنگساری کا حکم صادر ہو سکتا ہے ؟۔

جواب نمبر ا :.......... کیا ایمان لانے کے بعد گوسالہ پرستی جس کے ساتھ یہ بھی اعلان ہو کہ : ” هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ . طه آیت ۸۸ “ اس کے ارتداد ہونے میں بھی آپ کو کچھ تردد ہیں ؟۔ پھر تو کھلی سے کھلی بت پرستی بھی آپ کے نزدیک کفر نہیں ہوگی۔ کیا قبر پرست یہ کہتے ہیں کہ یہ قبر یا صاحب قبر ہی مسلمانوں کا اور حضرت محمد ﷺ کا معبود ہے۔ (معاذ اللہ)

سوال نمبر ۲ :.......... قرآن شریف میں صاف مذکور ہے کہ سامری کو جو اس ساری شرارت کا بانی تھا قتل نہیں کیا گیا۔ سوال یہ ہے کہ حکم شریعت کو سب سے بڑے مرتد پر کیوں نہ صادر کیا گیا ؟۔ کیا وہ اس قوم کا مولوی تھا اور اس لئے حکم شریعت سے مستثنیٰ تھا۔

جواب نمبر ۲ :.......... سامری اس شرارت کا ایسا ہی بانی تھا جیسا آنحضرت ﷺ کے عہد میں عبداللہ بن ابی : ” رئیس المنافقین قصه افك . “ کا بانی اور : ” وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ . النور آیت ۱۱ “ کا مصداق اعظم تھا۔ مگر آپ کو شاید یہ خبر نہ ہو کہ حسب روایات صحیحہ اس پر حد قذف جاری نہ کی گئی۔ حالانکہ حضرت حسان بن ثابتؓ وغیرہ مؤمنین پر حد قذف جاری ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ منافقین سب سے بڑھ کر شرارتیں کرتے ہیں۔ لیکن اپنے نفاق کی وجہ سے دنیا میں قانونی گرفت سے اپنے کو بچاتے رہتے ہیں۔ جھوٹ بولنے اور بات بنا دینے میں ان کو کوئی باک نہیں ہوتا ساری کارروائی کر کے بھی قانونی زد سے اپنے کو بچا لیتے ہیں۔ جیسا کہ لاہوری پارٹی باوجودیکہ مرزا قادیانی کی ان کتابوں کے حرف

بحرف صحیح وصادق ہونے پر ایمان رکھتی ہے' جو دعاوی نبوت پر مشتمل ہیں۔ مگر ازراہ خداع و فریب زبان سے یہی کہتی ہے کہ ہم ان کو نبی نہیں مانتے۔ سامری کا نفاق ان سے بھی زیادہ عریق تھا۔ وہ شروع ہی سے مومن نہ تھا۔ بلکہ ایک پکا منافق تھا جو ملت موسوی کی گھات میں رہتا تھا گویا وہ اس عہد کا عبداللہ بن ابی تھا۔ علامہ سید محمود الوسیؒ بغدادیؒ روح المعانی میں بہت سے اقوال نقل کرکے فرماتے ہیں :

” وبالجملة كان عندالجهور منافقايظهر الايمان ويبطن . لكفر . روح المعانی ص۸۹ ج ۵“ پس جیسا کہ میں رسالہ ”الشہاب“ میں بتلا چکا ہوں منافق کے احکام کھلے ہوئے مرتد سے علیحدہ ہیں۔ اس لئے سامری ان مرتدین کے ذیل میں نہیں آیا۔ ہاں اس کے فتنہ سے محفوظ کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے اس کو یہ سزا دی : ” فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لاَ مِسَاسَ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ . سورة طٰه آیت ۹۷“

سوال نمبر ۳ :............ اگر :” فاقتلوا انفسكم . “ کے یہ معنی درست ہیں کہ شرک کرنے والے لوگوں کو قتل کردو تو اس شرک میں ساری قوم مبتلا ہے۔ اس کے بعد جس قوم بنی اسرائیل کا ذکر ہے وہ کہاں سے آئی تھی۔

جواب نمبر ۳ :............ یہ آپ ثابت کیجئے کہ گوسالہ پرستی میں ساری کی ساری قوم مبتلا تھی۔ لفظ قوم تو بارہا قرآن میں ایسے واقعات کے ذیل میں استعمال ہوا ہے جن کا تعلق مخصوص جماعت یا افراد سے تھا۔

سوال نمبر ۴ :............ قرآن شریف میں ان کی توبہ قبول کرنے کا بھی ذکر ہے۔ اور اسی واقعہ کا ذکر کرکے یہ بھی فرمایا ہے :” ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ . البقرہ آیت ۵۲ “ ﴿ہم نے تمہیں معاف کردیا تاکہ تم شکر گذار بنو۔﴾ اگر قتل کردیئے گئے تو وہ معافی جس پر شکر گذاری کا حکم ہوتا ہے اور جو اسی دنیا کی زندگی سے تعلق رکھتی ہے کیا تھی ؟۔

جواب نمبر ۴ :............ اگر اس آیت میں ان ہی مقتولین کی معافی کا ذکر ہے تو

بیشک نجات اخروی کے اعتبار سے ان کی توبہ مقبول ہو چکی اور جب اس کی مقبولیت کی اطلاع باقی قوم کو دی گئی تو باہمی تعلقات کی بنا پر ان کو بھی شکر گذار ہونا چاہئے۔

اگر کسی کے ماں، باپ، بھائی، بہن کا جرم حق تعالیٰ معاف کر دے اور اس سے اپنا عذاب اٹھالے تو کیا یہ ایک طرح کا احسان اس شخص پر نہیں ہے؟۔ دیکھو: "یٰبَنِیٓ اِسْرَآئِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ. البقرہ آیت ٤٠" میں ان بنی اسرائیل کو خطاب ہو رہا ہے جو آنحضرت ﷺ کے عہد میں موجود تھے۔ اور جس انعام کا ان پر ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً فرعون کے ہاتھ سے نجات دلانا، دریا سے پار کرنا وغیرہ وغیرہ وہ ان بنی اسرائیل سے متعلق نہیں بلکہ ان کے اسلاف سے متعلق تھا۔ اسی طرح یہاں بھی سمجھ لو۔ اور اگر آپ کے نزدیک دنیا میں ہی ان کا جرم معاف ہو چکا تھا تو: "اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَیَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا. الاعراف آیت ۱۵۲" کس طرح صحیح ہوگا کیا خدا تعالیٰ ایک جرم معاف کر کے پھر اسی پر سزا بھی دیتا ہے۔

سوال نمبر ۵: .... کیا یہ صحیح ہے کہ راغب جیسے امام لغت نے: "فاقتلوا انفسکم." کے معنی یہ بھی لکھے ہیں: "قیل عنی بقتل انفس اماطة الشھوات." یعنی قتل نفس سے مراد شہوت کا دور کرنا ہے تو وہ تصریح اور ایضاح کہاں رہی جس کا مولوی صاحب کو دعویٰ تھا۔

جواب نمبر ۵: .... راغب نے یہ معنی خود اختیار نہیں کئے کسی اور کا قول نقل کیا ہے۔ وہ بھی بصیغہ تمریض اور یہ پتہ نہیں کہ اس کا قائل کون ہے۔ اور کس رتبہ اور درجہ کا ہے۔ ایک ایسے مجہول قائل کے غیر معروف قول کے مقابلہ میں کیا۔

"اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَیَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا. الاعراف آیت ۱۵۲" سے آپ دست بردار ہو جائیں گے؟۔ کیا: "اماطة الشھوات." اور نفس کشی بھی خدا کا غضب اور ذلت ہے ایسے غیر ناشی عن الدلیل احتمالات کسی مضمون کی صراحت اور وضوح کو باطل نہیں کر سکتے۔

یہ تو امیر جماعت احمدیہ لاہور کی قرآن دانی کا حال تھا۔ اب حدیث فہمی کا نمونہ

دیکھئے۔ میں نے سنت رسول اللہ ﷺ کے ذیل میں چند احادیث قولیہ صحیحہ پیش کی تھی۔ آپ (محمد علی مرزائی) فرماتے ہیں کہ یہ تو نبی کریم ﷺ کے اقوال وارشادات ہیں۔ سنت رسول اللہ ﷺ تو آپ کا عمل ہوتا ہے۔ عمل دکھلاؤ۔

بلاشبہ جو لوگ احادیث رسول اللہ ﷺ سے گھبراتے اور بھاگتے ہیں خدا کی لعنت سے کچھ ایسے خبطی ہو جاتے ہیں کہ موٹی موٹی چیزوں کے سمجھنے کا مادہ بھی ان میں نہیں رہتا اور دنیا کی ذلت اور آخرت کی رسوائی سب کو بھول جاتے ہیں۔ کسی ادنیٰ طالب علم سے پوچھ لیا ہوتا' کہ علمائے حدیث واصول صرف فعل رسول اللہ ﷺ ہی کو سنت کہتے ہیں یا حضور ﷺ کے قول کو بھی ؟۔ بلکہ اگر قول وفعل میں معارضہ ہو تو قول کو فعل پر ترجیح دیتے ہیں۔

امیر جماعت احمدیہ کا اجمال اور قول وفعل میں امتیاز اس حد تک پہنچ گیا ہے۔ کہ حضرت معاذ بن جبلؓ کی صحیح حدیث "قضاء الله و رسوله ." کو قرآن کے مقابل صحابی کا ایک فعل قرار دیتے ہیں۔ اور پھر کھسیانے ہو کر کہتے ہیں کہ یہ واقعہ اپنی ساری تفصیلات کے ساتھ مذکور نہیں۔ ہمیں کیا علم ہے کہ اس مرتد نے اور کیا کچھ کیا تھا۔ گویا آپ کا جہل (نہ جاننا) بھی بخاری کی صحیح حدیث کو رد کر سکتا ہے ؟۔

یہ امتی تو اپنے نبی سے بھی بڑھ گیا۔ کیونکہ مرزا غلام احمد قادیانی تو کسی حدیث کو رد کرنے کے لئے اپنی وحی کی آڑ پکڑتے تھے۔ لیکن آپ (محمد علی مرزائی) کے یہاں ایک چیز کا نہ معلوم ہونا بھی اس کے رد کرنے کے لئے کفایت کرتا ہے۔

اجماع ائمہ جو میں نے امام شعرانیؒ کی کتاب سے نقل کیا تھا اس کا جب کچھ جواب نہ بن پڑا تو فرماتے ہیں کہ : "یستتاب ابدا ." اور : " لاقتل الابحراب ." اس کے معارض ہے۔

مگر یہ نہ بتلایا کہ یہ جملے اجماع کے مخالف کس طرح ہیں۔ جن بعض لوگوں کی رائے یستاب ابداً کی ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ اگر مرتد قتل سے پہلے ارتداد سے توبہ کرلے' پھر ارتداد کیا پھر توبہ کرلی اور اسی طرح کرتا رہا تو توبہ قبول ہوتی رہے گی۔ اجماع اس پر ہے کہ مرتد واجب القتل ہے اور ان حضرات کے نزدیک جب توبہ قبول ہو جاتی ہے تو وہ

بعد توبہ مرتد ہی نہیں رہتا پھر کیوں قتل کیا جائے۔ فی الحقیقت یہ جملہ ان علماء کے مقابلہ میں ہے جو فرماتے ہیں کہ تیسری دفعہ مرتد ہونے والے کی توبہ بھی قبول نہیں۔

اور: ” لا قتل الا بالحراب۔ “جس جگہ لکھا ہے وہیں اس کی تفصیل بھی موجود ہے کہ حراب ۔ بالفعل جنگ کرنا مراد نہیں اور آپ خود بھی: ” اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ۔ سورۃ المائدہ آیت ۳۳“ کی تفسیر میں تسلیم کر رہے ہیں کہ ہر جگہ حراب کے معنی جنگ کرنے کے نہیں ہوتے اور اس کے شواہد قرآن شریف سے پیش کرتے ہیں۔ (دیکھو بیان القرآن ص ۶۱۵)

قیاس شرعی جو میں نے حافظ ابن قیمؒ سے نقل کیا تھا اس کا آپ نے کچھ ذکر نہ کیا بلکہ اس کی جگہ ایک دوسری عبارت جو میں نے اس سیاق میں نہیں لکھی تھی نقل کر دی اور افسوس کہ اس کا بھی کچھ جواب نہ دے سکے۔

میرے مضمون میں ایک جگہ ”آخر الحیل السیف“ عربی کا یہ جملہ آ گیا تھا جسے کاتب نے نسخ میں لکھ دیا آپ اسے آیت قرآنی سمجھ کر قرآن میں تلاش کر رہے ہیں۔ حالانکہ بہتر ہوتا کہ آپ اسے کابل کے اسلحہ خانہ میں تلاش کرتے۔ آپ کہتے ہیں کہ جس طرح خلیفۃ المسلمین کو یورپین طاقتوں کے دباؤ سے قتل مرتد کا قانون بدلنا پڑا' ان علماء کو بھی ذلیل ہو کر ایک دن ایسا کرنا پڑے گا۔

مگر آپ کو یہیں سے سمجھ لینا چاہئے تھا کہ علماء ربانیین کو حق تعالیٰ نے کیا جرأت اور قوت قلبی بخشی ہے کہ جو چیز آپ کے ادعاء کے موافق یورپین طاقتوں کے دباؤ سے خلیفۃ المسلمین تک کو ماننی پڑی ہے اسے آج تک ہندوستان کے محکوم مولویوں نے نہ مانا تم تمام علماء کو مرزا قادیانی کی طرح بزدل اور ڈرپوک نہ سمجھو۔ بحول اللہ و قوتہ ایسے علماء قلیل کثیر برابر موجود رہیں گے جو تلواروں کی چمک اور بندوقوں کی کڑک کے نیچے بھی حق کا اظہار کریں گے۔

اور خدانہ کردہ اگر افغانستان بھی ایک قانون اسلامی کو تبدیل کر دے گا وہ (علماء) جب بھی تبدیل نہ کریں گے۔ آپ نے تو آخر میں چند سوالات جو پمفلٹ میں کئے تھے پھر

اعادہ کیا ہے لیکن ان سب کا جواب یہ ہے کہ ناظرین کرام ایک مرتبہ ازراہ مہربانی پھر رسالہ "الشہاب" کو پڑھ لیں۔

انشاء اللہ تمام وساوس شیطانیہ کے لئے لاحول کا کام دے گا۔ اور کوئی ضروری سوال ایسا نہ ملے گا جس کا جواب اس میں موجود نہ ہو۔ میں تطویل کی ضرورت نہیں سمجھتا کیونکہ آپ نے عملاً میرے رسالہ کے سارے مضامین کو تسلیم کر لیا ہے۔ اور جن ایک دو امور کی نسبت یہ دو ایک ورق سیاہ کئے ہیں اس کی شافی اور مبسوط بحث ہمارے رسالہ میں پہلے سے موجود ہے: " وَمَنۡ لَّمۡ يَجۡعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوۡرًا فَمَا لَهٗ مِنۡ نُّوۡرٍ۰ "

تم ہزار بار بر اکہو لیکن جو کاری ضرب "الشہاب" نے تمہاری اصل بنیاد پر لگائی ہے وہ خدا کے فضل سے بے اثر نہیں گئی۔ جن کروڑوں مسلمانوں کو آپ کے مرزا قادیانی نے دائرہ اسلام سے نکالا تھا وہ اس رسالہ سے اطمینان پا رہے۔ اور دنیا میں جو چند نفوس مرزا قادیانی نے مسلمان چھوڑے تھے ان کے دلوں میں حق تعالیٰ نے ایسا رعب ڈال دیا ہے کہ وہ اب "الشہاب" کے کسی مطالعہ کرنے والے سے اپنے ارتداد کو نہیں چھپا سکتے۔

ایک طرف اگر مرزائی اور آریہ اور عیسائی چند جاہلوں کو مرتد بنا رہے ہیں تو دوسری طرف خدا تعالیٰ حق کا نور پھیلا رہا ہے۔ بہت سے غافلوں کی آنکھیں کھلتی جاتی ہیں اور بہت سے لوگ اسلام کی فطری کشش سے اسلام کی طرف جذب ہوتے جاتے ہیں۔

"كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنۡ عَطَآءِ رَبِّكَ۰ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحۡظُوۡرًا۰ بنی اسرائیل آیت ۲۰"

تم جلتے رہو اور غیظ کھاتے رہو۔ ہماری طرف سے یہ جواب ہے۔

"قُلۡ مُوۡتُوۡا بِغَيۡظِكُمۡ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ۰

آل عمران آیت ۱۱۹"

الراقم شبیر احمد عثمانی دیوبند

۱۰ جمادی الاخری ۱۳۴۳ھ

سالانہ رد قادیانیت کورس

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام ہر سال ۵ شعبان سے ۲۸ شعبان تک مدرسہ ختم نبوت مسلم کالونی چناب نگر ضلع جھنگ میں ”**رد قادیانیت وعیسائیت کورس**“ ہوتا ہے۔ جس میں ملک بھر کے نامور علماء کرام ومناظرین لیکچرز دیتے ہیں۔ علماء‘ خطباء اور تمام طبقہ حیات سے تعلق رکھنے والے اس میں داخلہ لے سکتے ہیں۔ تعلیم کم از کم درجہ رابعہ یا میٹرک پاس ہونا ضروری ہے......... رہائش‘ خوراک‘ کتب ودیگر ضروریات کا اہتمام مجلس کرتی ہے۔

رابطہ کے لئے

(مولانا) عزیز الرحمٰن جالندھری

ناظم اعلیٰ: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

حضوری باغ روڈ ملتان

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

صدائے ایمان

شیخ الاسلام

حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!

تعارف

الحمدللہ وکفیٰ وسلام علیٰ خاتم الانبیاء۔ اما بعد!

قادیانیوں کے ایک مضمون کے جواب میں دارالعلوم دیوبند کے کچھار کے ایک شیر اور پاکستان کے پہلے شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ نے یہ مضمون تحریر کیا۔ جس کا نام ”صدائے ایمان“ تجویز ہوا۔ یہ جمادی الثانی ۱۳۵۰ھ کی تحریر ہے اور جمادی الثانی ۱۴۲۲ھ میں ٹھیک بہتر سال بعد دوبارہ شائع کرنے کی عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت سعادت حاصل کررہی ہے۔

فالحمدللہ اولاً وآخرا

فقیر اللہ وسایا
۷/۶/۱۴۲۲ھ
۲۷/۸/۲۰۰۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امابعد! رسول کریم ﷺ کی ذات مبارک کچھ ایسی کفر توڑ ہے کہ ہر شخص جس کے دل میں کفر کی کوئی رگ ہو آپ ﷺ سے دشمنی رکھتا ہے اور آپ ﷺ کی مقدس ذات پر حملہ کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے کیونکہ وہ محسوس کرتا ہے کہ آپ ﷺ کی ترقی میں اس کا زوال اور آپ ﷺ کی زندگی میں اس کی موت ہے۔ تعجب ہے ان لوگوں پر جو اسلام سے محبت کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ قرآن کریم پر اپنا یقین ظاہر کرتے ہیں۔ درود پڑھتے ہیں اور سلام بھیجتے ہیں باوجود اس کے رسول کریم ﷺ کی ذات پر حملہ کرنے سے نہیں ڈرتے اور ایسے عقائد و خیالات پھیلاتے ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ کی شان مبارک کی سخت تنقیص ہوتی ہے اور اس طرح عوام الناس کے دلوں سے آپ ﷺ کی محبت کم کر کے اپنی محبت و تعظیم کا سکہ بٹھلانا چاہتے ہیں۔

دیکھو قادیان کا متنبی سرور کائنات جناب سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے معجزات کی کل تعداد تین ہزار بتلاتا ہے۔ (تحفہ گولڑویہ ص ۴۰، خزائن ص ۱۵۳ ج ۱۷)

لیکن خود اپنے معجزات کی تعداد دس لاکھ بیان کی ہے۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۵۶، خزائن ص ۷۲ ج ۲۱)

گویا سید الانبیا ﷺ اپنی عظمت و شان میں اس مفتری سے تین سو تینتیس درجہ کم ہوئے۔ (العیاذ باللہ)

قرآن کریم میں خداوند قدوس نے ہمارے حضور ﷺ کی نسبت فرمایا ہے:

”اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا۔ الفتح آیت ۱“

یہ مفتری اس کو بھی برداشت نہ کر سکا اور صاف لکھ دیا کہ :

"فتح مبین ۔" کا وقت ہمارے نبی کریم کے زمانہ میں گذر گیا اور دوسری فتح باقی رہی کہ پہلے غلبہ سے بہت بڑی اور زیادہ ظاہر ہے اور مقدر تھا کہ اس کا وقت مسیح موعود (یعنی خود اس مفتری) کا وقت ہو۔"

(خطبہ الہامیہ ص ۲۸۸، خزائن ص ۲۸۸ ج ۱۶)

گویا حضور ﷺ کی فتح اگر مبین تھی تو اس مفتری کی فتح ابین ہے اور وہ ظاہر تھی تو یہ اظہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور سرور کائنات ﷺ کی نسبت فرمایا :

" ھُوَالَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِاالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ ۔ الفتح آیت ۲۸"

﴿وہی خدا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ سب ادیان پر اس کو غالب کر دے۔﴾

یہ مفتری کہتا ہے کہ :"اس آیت کا مصداق تو میں ہوں اور قرآن میں یہ میری خبر دی گئی ہے۔"

غرض اس نے قسم کھائی ہے کہ جو بزرگی اور سیادت ہمارے آقا و مولیٰ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے ثابت ہو گی اس کو کسی نہ کسی طرح کم کر کے یا جھوٹ اور غلط ثابت کر کے رہونگا۔ حق تعالیٰ نے تمام انبیاء اور بذریعہ انبیاء کے ان کی امتوں سے عہد لیا تھا کہ جو کوئی ان میں سے خاتم الانبیاء کا زمانہ پائے ان پر ایمان لائے اور ان کی تائید و حمایت کے لئے کمر بستہ رہے۔

اسی لئے سرور کائنات خاتم الانبیاء حضور ﷺ نے صحیح حدیث میں فرمایا کہ :

"اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع سے چارہ نہ تھا۔"

لیکن یہ سب باتیں صرف قرآن و حدیث کے ماننے والوں کی عقیدت و بصیرت میں اضافہ کرنے والی تھیں۔ خداوند کریم کا ارادہ یہ ہوا کہ امام الانبیاء سید المرسلین ﷺ کی سیادت و امامت کے عقیدہ کو محض کاغذی دستاویزوں یا زبانی شہادتوں اور خوش عقیدہ مسلمانوں کے حلقوں تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ اس کا ایک ایسا خارق عادت مظاہرہ کیا

جائے جس کے سامنے موافق و مخالف کو طوعاً و کرہاً سر تسلیم جھکا لینا پڑے اس کی صورت یہ قرار دی کہ جب دنیا میں اسلام و کفر یا بلفظ دیگر حق و باطل کی فیصلہ کن معرکہ آرائی اور بالکل آخری کشمکش کا وقت آجائے۔ اس وقت انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم، حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کو خاتم مطلق و سید برحق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا نائب اور امت محمدیہ کا قائد بنا کر نہایت اکرام و اجلال کے ساتھ آسمان سے زمین پر لایا جائے۔ آپ زمین پر نزول فرما کر یہودیت کا استیصال اور نصرانیت کی اصلاح فرمائیں، باطل کو محو کریں، حق کو پھیلائیں، گھر گھر میں اسلام کا غلغلہ بلند کریں۔ اور یہ سب کچھ اپنا نام لے کر نہیں بلکہ اس سید و آقا کے نام سے ہو جس کے آپ نائب بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

اس وقت آپ اپنی رسالت کی طرف کوئی خصوصی دعوت نہ دیں گے بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف مخلوق کو بلائیں گے اور بائبل کے دستور و آئین پر نہیں، خالص قرآن و سنت کے احکام پر بندوں کو چلائیں گے جن لوگوں نے ان کو خدا بنایا تھا ان کو بتلائیں گے کہ میں خدا کا ایک عاجز بندہ ہوں بلکہ اس کے سب سے بڑے بندے اور رسول کا متبع بن کر اور ایک طرح ان کی امت میں شامل ہو کر آیا ہوں۔ اس وقت آشکارا ہو گا کہ جو عہد انبیا سے لیا گیا تھا اس کی نوعیت کیا تھی۔ دنیا دیکھ لے گی کہ ہمارے حضور ﷺ کی اور اس امت محمدیہ مرحومہ کی وہ شان ہے کہ جو مقدس و مکرم وجود اس قدر تعظیم و تکریم سے آسمان رفعت پر اٹھایا گیا تھا۔ آج ان کی خاطر آسمان سے اترتا ہے اور خالص ان کی کتاب و سنت کا اتباع کر کے بتلا دیتا ہے کہ بڑے اونچے مقام والے بھی بارگاہ محمدی سے انتساب اور آئین محمدی کی پیروی کو اپنے لئے فخر سمجھتے ہیں۔

سبحان اللہ! وہ منظر کیسا عجیب اور کیسا قابل فخر ہو گا جب سرور کائنات ﷺ کی سروری اور انبیاء پر آپ ﷺ کی فضیلت و سیادت اس خارق عادت طریق سے علیٰ رؤس الاشہاد ظاہر ہو گی۔ ایک مومن محمدی کے لئے کون سا موقعہ اس سے زیادہ مسرت و انبساط کا ہو سکتا ہے۔ شاید اسی لئے حدیث میں ارشاد ہوا کہ:

”کیف انتم اذا نزل فیکم ابن مریم .... الخ۔“

﴿ تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب ابن مریم علیہ السلام تمہارے اندر نزول فرمائیں گے۔ ﴾

شیخ اکبرؒ نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ آخرت میں بھی مسیح علیہ السلام کا حشر دو مرتبہ ہوگا۔ ایک دفعہ انبیاء و رسل کے زمرہ میں اور ایک مرتبہ امت محمدیہ ﷺ کے ذیل میں۔ (واللہ اعلم) خیال کرو کہ اس صورت میں ہمارے دین اور ہمارے پیغمبر ﷺ (فداہ ابی وامی) کا کس قدر اعزاز و اکرام ہے اور وہ وقت نئے اور پرانے عیسائیوں کے لئے کس قدر ذلت اور رسوائی کا ہونا چاہیے۔

قادیان والوں کو یہ بھی ناگوار ہوا کہ کسی وقت ان کے سفید فام عیسائی آقاؤں کو خود حضرت مسیح آسمان سے اتر کر اس طرح خفیف و رسوا کریں۔ انہوں نے فوراً قادیان سے ایک جھوٹا مسیح کھڑا کر دیا تا کہ آسمان سے اس سچے مسیح کو اترنے نہ دیں۔ ٹھیک اسی طرح جو تم نے سنا ہوگا کہ ایک ”پرندہ“ رات کو اس غرض سے پاؤں اوپر کر کے سوتا تھا اگر کہیں آسمان گرنے لگے تو اس کو اپنے پاؤں پر روک سکے: ”یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّبَدِّلُوْا کَلٰمَ اللّٰہِ. الفتح آیت ۱۵“

یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز سرور کائنات ﷺ کی اس نمایاں شان امامت و سیادت کا جلوہ دنیا کو دیکھنے نہ دیں گے کہ حضرت مسیح آسمان سے آئیں۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ایک اعلیٰ ترین نائب اور وفادار جرنیل کی حیثیت سے امت محمدیہ میں شامل ہوں اور اپنے نفس کو درمیان سے بالکل الگ کر کے اعلان کریں کہ:

”میں سارے جہاں کو محمدی پرچم کے نیچے جمع کرنے اور ان کے دشمنوں کو ختم کرنے کے لئے آیا ہوں۔“

کہا جاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے سب سے بڑے نبی کو آسمان پر نہ اٹھایا تو حضرت مسیح کی عزت ان سے بڑھ کر کیوں کی جائے کہ وہ بجائے قبر میں دفن کئے جانے کے آسمان پر ہیں اور اتنے زمانہ تک نہ مریں؟۔ لیکن ان کور باطنوں کو یہ معلوم نہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ تو وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ ایک آسمان پر نہیں، تمام آسمانوں سے بھی اوپر لے گیا۔ اور حضرت مسیح کو آسمان پر لے جا کر صحیح و سالم رکھنا بھی ان ہی محمد ﷺ کے طفیل میں ہوا تا کہ

وقت موعود پر ان کی نیابت کا فرض ادا کرنے کے لئے اسی عزت کے ساتھ اتارے جائیں جس عزت کے ساتھ چڑھائے گئے تھے۔

پس فی الحقیقت ان کا آسمان پر لے جایا جانا۔ دوبارہ زمین پر لانے کے لئے تھا اگر دنیا پر محمد رسول اللہ ﷺ کی عظمت و سیادت اور اس امت کے خیر الامم ہونے کا مظاہرہ مد نظر نہ ہوتا تو نہ حضرت مسیح کو آسمان پر (جو موطن کون و فساد نہیں ہے) سے جانے کی ضرورت تھی اور نہ اتنے طویل زمانہ تک زندہ رکھنے کی!

مسلمان جانتے ہیں کہ تمام آسمان فرشتوں سے آباد ہیں اور کتنی طویل مدت سے فرشتے ایک حالت پر الان کما کان موجود ہیں۔ لیکن صرف اتنی بات سے انبیاء و رسل پر ان کی فضیلت ثابت نہیں ہوئی۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ چاند' سورج' ستارے آج تک یکساں حالت پر زمین سے کس قدر بلند مقام پر ہیں۔ کیا ان ستاروں کو انبیاء علیہم السلام سے جو اسی زمین پر پیدا ہوئے' جوانی اور بڑھاپے کی منزلیں طے کیں اور آخر اسی زمین کے نیچے دفن کئے گئے' افضل کہا جائے گا؟۔ اس پر بھی اگر کوئی جاہل عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کے :" رفع الی السماء۔ " سے فائدہ اٹھاتا ہے تو اٹھانے دو! اس کی حماقتوں اور ہماری مصلحت بینیوں سے حقائق واقعیہ بدلی نہیں جاسکتیں اور نہ کسی کو اس بات کا موقعہ دیا جاسکتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کی موت سے فائدہ اٹھا کر خود مسیح بن بیٹھے۔

مرزا محمود نے بہت رو رو کر بیان کیا ہے کہ "آنحضرت ﷺ نے مکہ میں ایسی ایسی سختیاں اٹھائیں اور صحابہ نے ایسی ایسی قربانیاں کیں جن کا عشر عشیر بھی حضرت مسیح اور ان کے حواریوں سے ظاہر نہیں ہوا۔ (گو قادیانی مسیح جو تمام شانوں میں اپنے کو اصل مسیح سے بڑھ کر بتلاتا ہے اس کا عشر عشیر بھی نہ دکھلا سکا۔) پھر کیونکر مان لیا جائے کہ حضرت محمد ﷺ تو آسمان پر نہ اٹھائے جائیں اور حضرت مسیح اٹھا لیے جائیں۔ خدا کو کیا ضرورت تھی کہ وہ یہودیوں سے ڈر کر اپنے نبی کو آسمان پر اٹھا لیتا وہ اسی زمین میں ہی ان کی حفاظت کر سکتا ہے اور اس کے دشمنوں کو تباہ کر سکتا تھا۔

بلا شبہ ہمارے آقا و سید محمد رسول اللہ ﷺ نے نہایت طویل مدت تک جو سختیاں

اٹھائیں ان سے آپ کا مرتبہ کم نہیں ہوتا بلکہ بڑھتا ہے :

"کما قال ﷺ فی الحدیث نحن معشرالانبیاء اشد بلا ثم الا مثل فا لا مثل ." اور جیسا ہم اوپر لکھ چکے ہیں اور حضور کے اسی علو مرتبت کے آثار وثمرات میں سے یہ ایک اثر اور ثمرہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو دوبارہ آپ ﷺ کی امت کے زمرہ میں شریک کرنے کے لیے آسمان پر محفوظ رکھا گیا پس مسیح کا آسمان پر اٹھانا اگر کوئی عزت وفضلیت کی چیز ہے اور بے شک ہے تو وہ عزت وفضلیت بھی نتیجہ اور غرض وغایت کے اعتبار سے حضرت خاتم الانبیا ﷺ کی ہوئی۔

رہا یہ کہنا کہ آسمان پر لے جانے کی ضرورت ہی کیا تھی کیا زمین پر خدا حفاظت نہ کر سکتا تھا؟ تو کیا آپ بتلا سکتے ہیں کہ محمد ﷺ کو مکہ سے مدینہ ابراہیم علیہ السلام کو عراق سے شام لے جانے کی کیا ضرورت تھی ؟۔ کیا اللہ اس پر قادر نہیں تھا کہ ان کو وطن عزیز ہی میں رہنے دیتا اور اس سرزمین سے جس کی نسبت حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم سب شہروں سے زیادہ مجھ کو محبوب ہے' الگ نہ کرتا اور سب دشمنوں کو وہیں رہتے ہوئے زیر کر دیتا اور دوستوں کو وہیں کھینچ لاتا ؟۔ اس طرح کے سوال ہزاروں ہو سکتے ہیں جن سب کا جواب حافظ شیرازی نے دیا ہے کہ :

حدیث از مطرب ومی گودراز ہر کمتر جو
کہ کس نکشو دو نکشاید بحکمت ایں معمہ

پس تمام سچے ایمان داروں کو لازم ہے کہ اپنے ایمان کی حفاظت کریں اور ان عظیم الشان فتنوں کی شب دیجور میں قرآن مجید وسنت کی روشنی سے علیحدہ نہ ہوں بہت سے لٹیرے' ڈاکو' چور' اچکے گھات میں لگے ہیں تم سے دولت ایمان چھین لیں اور بظاہر نبی کریم ﷺ کی محبت وعظمت کا دم بھرتے ہوئے بہت ہوشیاری سے اندر ہی اندر تمہارے دلوں سے ان چیزوں کو نکالنے اور اپنی عظمت ومحبت کا سکہ بٹھانے میں کامیاب ہو جائیں لیکن اولاً اللہ کی توفیق اور ثانیاً مؤمنین کی فراست سے امید ہے کہ وہ رہبر ورہزن میں فرق کریں گے اور ان عیاروں کو اپنے ملعون مقصد میں کامیاب نہ ہونے دیں گے۔

مسلمانو! ہوشیار و بیدار رہو۔ ان دجالوں کے مغالطات میں مت آؤ۔ قرآن و سنت کی حبل متین کو مضبوط تھامے رکھو اور اپنے سید و آقا سرور کائنات ﷺ کے نائب اعظم حضرت مسیح کو آسمان سے آنے دو کہ ان کا آنا عیسائیت یہودیت اور ہر قسم کے کفر کا جانا ہے۔ ان کی زندگی دجالوں کے لیے پیام موت ہے۔ اس لیے یہ دجال صفت ہمیشہ ان کی آمد کی طرف سے لوگوں کی توجہ ہٹاتے رہے ہیں۔ تم ان کی آمد پر یقین رکھو۔ کیونکہ یہ چیز قرآن کریم و احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہو چکی ہے۔

ہاں! ان کی آمد سے پہلے اپنی سر توڑ کوششوں اور مجاہدانہ قربانیوں سے ثابت کرو کہ ہم: " وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ. الجمعه آيت ۳" بھی اسی سچے مسیح کے ہر اول ہیں جو سارے جہاں کے سردار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ایک جرنیل اعظمؑ کی حیثیت سے دنیا کو علم اسلام کے نیچے جمع کرنے والا ہے۔

والله الموفق والمعين وصلى الله تعالى علے خير خلقه
سيدنا محمد واله واصحابه اجمعين ٠ !!!

جمادی الاخریٰ ۱۳۵۰ھ

* * *

شیزان کی مصنوعات کا بائیکاٹ کیجئے!

شیزان کی مشروبات ایک قادیانی طائفہ کی ملکیت ہیں۔ افسوس کہ ہزارہا مسلمان اس کے خریدار ہیں۔ اسی طرح شیزان ریستوران جو لاہور' راولپنڈی اور کراچی میں بڑے زور سے چلائے جارہے ہیں۔ اسی طائفے کے سربراہ شاہ نواز قادیانی کی ملکیت ہیں۔ قادیانی شیزان کی سرپرستی کرنا اپنے عقیدہ کا جزو سمجھتا ہے۔ کیونکہ اس کی آمدنی کا سولہ فیصد حصہ چناب نگر (سابقہ ربوہ) میں جاتا ہے۔ جس سے مسلمانوں کو مرتد بنایا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی ایک خاصی تعداد ان ریستوران کی مستقل گاہک ہے۔ اسے یہ احساس ہی نہیں کہ وہ ایک مرتد ادارہ کی گاہک ہے اور جو چیز کسی مرتد کے ہاں پکتی ہے وہ حلال نہیں ہوتی۔ شیزان کے مسلمان گاہکوں سے التماس ہے کہ وہ اپنے بھول پن پر نظر ثانی کریں۔ جس ادارے کا مالک ختم نبوت سے متعلق قادیانی چوچلوں کا معتقد ہو مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانے اور سواد اعظم اس کے نزدیک کافر ہو اور جہاں ننانوے فیصد ملازم قادیانی ہوں ایک روایت کے مطابق شیزان کی مصنوعات میں چناب نگر کے بہشتی مقبرہ کی مٹی ملائی جاتی ہے۔

اے فرزندان اسلام!

آج فیصلہ کرلو کہ شیزان اور اسی طرح کی دوسری قادیانی مصنوعات کے مشروبات نہیں پیؤ گے اور شیزان کے کھانے نہیں کھاؤ گے۔ اگر تم نے اس سے اعراض کیا اور خورد و نوش کے ان اداروں سے باز نہ آئے تو قیامت کے دن حضور ﷺ کو کیا جواب دو گے؟۔ کیا تمہیں احساس نہیں کہ تم اس طرح مرتدوں کی پشت پناہی کر رہے ہو۔

(آغا شورش کاشمیریؒ)

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام

محدث کبیر

حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی ؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!

تعارف

الحمدللّٰہ وکفٰی وسلام علیٰ خاتم الانبیاء۔ اما بعد!

محدث کبیر حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی رحؒ کی شہرہ آفاق تصنیف ترجمان السنۃ جلد سوم ص۵۲۱ سے ۵۹۳ تک کا حصہ ”حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام“ کی شخصیت، حیات، رفع ونزول کے مباحث پر مشتمل ہے۔ علیحدہ کتابی شکل میں ”نزول عیسیٰ علیہ السلام“ کے نام پر بھی سورت ضلع گجرات انڈیا سے شائع ہوا۔ اس کو کتاب ھذا کا حصہ بنایا جارہا ہے۔

قرآن وسنت اور عقل کی روشنی میں اس کے مباحث ایمان پرور ہیں۔ مطالعہ فرمائیں گے تو قلب وجگر، ایمان وایقان کو جلاء نصیب ہوگی۔

فقیر اللہ وسایا

۱۴۲۲/۶/۷ھ

۲۰۰۱/۸/۲۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات طیبہ کی ایک اہم سرگذشت کے متعلق چند جدید علمی اور منصفانہ نکات قرآن و حدیث اور تاریخ کی روشنی میں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول قیامت کی بڑی علامت ہے اس لئے اس کو عالم کے تعمیری نظم و نسق کی بجائے تخریب عالم کے نظم و نسق پر قیاس کرنا چاہئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حیات طیبہ میں رفع و نزول کی سرگذشت بے شک عجیب تر ہے لیکن اس پر غور کرنے سے قبل سب سے پہلے یہ سوال سامنے رکھنا چاہئے کہ یہ مسئلہ کس دور اور کس شخصیت کے ساتھ متعلق ہے کیونکہ دنیا کے روزمرہ معمولی واقعات بھی زمانہ اور شخصیتوں کے اختلاف سے بہت مختلف ہو جاتے ہیں اور ان کی تصدیق و تکذیب میں بڑا فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی زمین پر ایک خطہ زمین ایسا بھی ہے جہاں مہینوں کی رات اور مہینوں کا دن ہوتا ہے اور ان ہی سمندروں میں ایک سمندر ایسا بھی ہے جس پر مسافر موسم سرما میں خشکی کی طرح سواریوں پر چلتے ہیں اسی طرح انسانوں کا اختلاف بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ شجاعت و طاقت اور دانائی و فرزانگی کے وہ بعید سے بعید کارنامے جو رستم واسفند یار، انور بے اور ہٹلر، اسٹالن اور لینن وغیرہ کے حق میں بے تامل قابل تصدیق سمجھے جاتے ہیں وہ عام انسانوں کے حق میں بڑے تامل کے بعد بھی بمشکل قابل تصدیق ہو سکتے ہیں۔ پس صرف عام

انسانوں کے حالات کے لحاظ سے یا صرف اپنے دور اور اپنے زمانہ کے حالات پر قیاس کر کے کسی صحیح واقعہ کا انکار کر دینا کوئی معقول طریقہ نہیں ہے۔

لہذا مسئلہ نزول پر بحث کرنے کے وقت بھی سب سے پہلے اس پر غور کر لینا ضروری ہے کہ یہ واقعہ کس دور اور کس زمانہ سے پھر کس شخصیت سے متعلق ہے۔ جب آپ ان دو سوالوں پر محققانہ نظر ڈالیں گے تو پوری وضاحت سے ثابت ہو گا کہ یہ واقعہ تخریب عالم یعنی قیامت کے واقعات کی ایک کڑی ہے اور تخریب عالم کا ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جو عالم کے تعمیری دور کے واقعات سے ملتا جلتا ہو۔ پس اگر تخریب عالم کے وہ سب واقعات جو تعمیری دنیا کے بعد کے واقعات سے مختلف ہونے کے باوجود قابل تصدیق ہیں تو پھر اس ایک واقعہ کی تصدیق میں آپ کو تأمل کیوں ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ عالم کی تخلیق اور اس کی تخریب کے دونوں واقعات اتنے عجائبات پر مشتمل ہیں کہ جو انسان ان دونوں جانبوں سے غائب ہے وہ بیچارہ اپنے موجودہ حالات کی دنیا دیکھ کر ان کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ آپ عالم کی تخلیق کے واقعات پر ذرا نظر ڈالیں زمین کس طرح بنائی گئی پھر کس طرح بچھائی گئی۔ آسمان کس طرح بنائے گئے۔ آدم کس طرح پیدا ہوئے۔ ان کا جوڑا کس طرح پیدا ہوا۔ پھر کس طرح خلافت ارضی قائم ہوئی۔ اسی طرح بہت سے واقعات ہیں جو ایک سے ایک عجیب تر ہیں اور ان سب ہی کے بیان کی ذمہ داری خود قرآن کریم نے اپنے سر رکھی ہے۔ اگر آپ ان میں سے ایک واقعہ بھی عالم کے تعمیری دور کے نظم و نسق سے ملا کر دیکھیں تو آپ کو ان میں سے ایک واقعہ کے فہم میں بھی سخت الجھن پیش آئے گی اور اسی بناء پر ایک جماعت نے تو سرے سے تخلیق عالم ہی کا انکار کر کے قدم عالم کا راستہ لے لیا ہے۔ مگر آپ کے نزدیک کیا اس کا یہ طریقہ کار صحیح ہے؟

اسی طرح جب آپ تخریب عالم کے واقعات پر نظر ڈالیں گے تو وہ بھی عجیب در عجیب ہی نظر آتے ہیں۔ یعنی کبھی نہ پھٹنے والے آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ آفتاب و ماہتاب اور یہ تمام روشن ستارے بے نور ہو کر گر پڑیں گے اور کبھی جنبش نہ کرنے والے یہ بڑے بڑے پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑتے نظر آئیں گے اور یہ سارا کا سارا عالم ہستی عدم

محض اور صرف نیستی کے تحت آجائے گا۔ یہ اور ان جیسے اور بہت سے عقل سے بالاتر واقعات کے بیان کی ذمہ داری بھی خود قرآن کریم ہی نے اٹھائی ہے۔ اب اگر آپ ان کی تصدیق کا فیصلہ موجودہ عالم کے واقعات کے پیش نظر کرنے بیٹھ جائیں تو کیا آپ کوئی صحیح فیصلہ کر سکیں گے۔ لیکن ہاں! جب آپ عالم کی تخلیق اور اس کی تخریب کے دونوں سرے ملا کر دیکھیں گے تو دونوں آپ کو بالکل یکساں صورت میں نظر آئیں گے۔

پس چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا مسئلہ بھی عالم کے درمیانی واقعات کا مسئلہ نہیں بلکہ تخریب عالم کے واقعات کی ایک اہم کڑی ہے۔ اس لئے اپنی جگہ وہ بھی معقول ہے۔ ظاہر ہے کہ جب تمام مردوں کے زندہ ہو ہو کر ایک میدان میں جمع ہونے کا زمانہ قریب آرہا ہو تو اس سے ذرا قبل صرف ایک زندہ انسان کا آسمانوں سے زمین پر آنا کون سی بڑی بات ہے؟۔ بلکہ اس طویل گمشدگی کے بعد یہ جسمانی نزول مجموعہ عالم انسانی کے جسمانی نشاۃ ثانیہ کے لئے ایک بدیہی اور محکم برہان ہے۔ اسی لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں ارشاد ہے: "وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ." یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی ایک مجسم علامت ہیں۔ درمنثور میں حضرت ابن عباسؓ اور حسنؒ اور قتادہؒ سے منقول ہے کہ اس آیت کا مصداق قیامت سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری ہے۔

اس کے بعد جب آپ اس پر غور کریں گے کہ یہ پیشگوئی ہے کسی شخصیت کے متعلق، وہ شخصیت کسی عام بشری سنت کے تحت کوئی بشر ہے یا ان سے کچھ الگ ہے تو آپ کو یہی ثابت ہو گا کہ وہ صرف عام انسانوں ہی سے نہیں بلکہ جملہ انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں بھی سب سے الگ اور سب سے ممتاز خلقت کا بشر ہے۔ جتنے انسان ہیں وہ سب مذکر و مؤنث کی دو صنفوں سے پیدا ہوئے ہیں۔ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک ایسے انسان ہیں جن کی تخلیق صرف ایک صنف انسانی سے وجود میں آئی ہے۔ پھر اس میں تمثل جبرئیلی اور نفخۂ ملکی اور تکلم فی المہد کے واقعات اور بھی عجیب تر ہیں۔ ان کے معجزات دیکھئے تو وہ بھی کچھ نرالی شان رکھتے ہیں۔ ان میں سے ہر ہر معجزہ ایسا ہے جس میں "باذن اللہ" کی قید لگانی پڑتی ہے۔ ان کے گزشتہ دور حیات میں ملکیت کا اتنا غلبہ ہے کہ کھانے پینے، رہنے سہنے، شادی و

نکاح کا کوئی نظم و نسق ہی نہیں ملتا۔ یوں معلوم ہوتا ہے گویا وہ ان سب ضروریات سے منزہ و مبرا سچ مچ کے ایک فرشتہ ہیں۔ پھر جب ان کی ہجرت کا مرحلہ سامنے آتا ہے تو یہاں بھی ان کی شان سب سے نرالی نظر آتی ہے۔ یعنی ان کی ہجرت کسی خطۂ ارضی کی بجائے اس عالم کی طرف ہوتی ہے جو ملکوت اور ارواح کا مستقر ہے۔ غرض ان کی حیات کے جس گوشہ پر نظر ڈالئے وہ ملکوتیت کا ایک مرقعہ نظر آتا ہے۔ یہاں قرآن کریم نے جو لقب ان کو عطا فرمایا ہے۔ وہ بھی سب سے ممتاز ہے اور اس نوع کا لقب ہے جس سے ان کی زندگی کی یہ سب خصوصیات اجمالی طور پر بیک نظر سامنے آجاتی ہیں یعنی "روح اللہ" اور "کلمۃ اللہ" گو بنی آدم جتنے بھی ہیں ان سب کی روحیں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف اور اسی کے حکم "کن" سے آئی ہیں مگر یہاں اس روح کی آمد میں کوئی ظاہری واسطہ بھی نہ تھا اور جو واسطہ تھا وہ ایسا ہی تھا جس کے موجود ہونے سے عالم قدس کی طرف ان کی نسبت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ تمام کا تمام وہ تذکرہ حیات ہے جو ان کے آسمانوں پر جانے سے قبل سے متعلق ہے۔ اب آپ نازل ہونے کے بعد ان کے حالات پر نظر ڈالیں تو وہ پہلی زندگی کے بالکل برعکس ہیں۔ یہاں ان کے تمام معاملات میں دنیا کا مرتب نظم و نسق ملتا ہے حتیٰ کہ نکاح و ولادت کا بھی اور اس سے بھی بڑھ کر ان کی حیثیت ایک امام و امیر کی ثابت ہوتی ہے۔ گویا وہ انسانوں میں بھی کوئی معمولی طبقہ کے انسان نہیں بلکہ اس اعلیٰ طبقہ کے انسان ہیں جن کی قیادت میں اسفل طبقہ کے انسان ترقی کر کے اعلیٰ طبقہ کے انسان بن سکتے ہیں۔ غرض ان کی حیات کے یہ دو دور تمام تر قدرت کے ان عجائبات سے مشابہ ہیں جو عالم میں دست قدرت کے براہ راست پیدا کردہ ہیں وہ بیک وقت بن باپ پیدا ہو کر آغاز عالم کے واقعات میں حضرت آدم علیہ السلام کے مشابہ ہیں : "اِنَّ مَثَلَ عِیسٰی عِندَاللّٰہِ کَمَثَلِ آدَمَ. آل عمران آیت ۵۹" اور اتنی طویل غیبت کے بعد عالم کے خاتمہ پر جسمانی نزول فرما کر علامات قیامت میں بھی شمار ہیں : " وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَاتَمْتَرُنَّ بِهَا. الزخرف آیت ٦١" اگر ایک طرف اپنی پہلی حیات میں آسمانوں پر جا کر وہ فرشتوں سے مشابہ ہیں تو دوسری طرف نزول کے بعد موت اور پھر آنحضرت ﷺ کے پہلو میں مدفون ہو کر عام انسانوں کی صف میں بھی داخل ہیں۔ اگر پہلی

زندگی میں ان کا معجزہ احیاء ہوتی ہے تو نزول کے بعد دوسرے دور حیات میں امامت دجال یعنی قتل دجال ہے۔ ان کی یہ تمام سوانح حیات قرآن کی بیان کردہ ہے۔ چنانچہ سورہ نساء آیت ۱۵۹: " وَاِنْ مِّنْ اَہْلِ الْکِتَابِ اِلاَّ لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ.......... الخ۔ " آئندہ ان کی وفات ان کے نزول کی شاہد ہے جیسا کہ آئندہ اس کی تشریح آئے گی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک انسان کا آسمانوں پر زندہ جانا اور زندہ رہنا اور آخر زمانہ میں پھر اسی جسم عنصری کے ساتھ اتر آنا۔ نہ عام انسانوں کی سنت ہے اور نہ زمانہ کے عام واقعات کے موافق ہے۔ لیکن اگر آپ یہ دو باتیں ملحوظ رکھیں کہ یہ مسئلہ تخریب عالم کا ایک مقدمہ ہے اور ہے بھی اس شخصیت کے متعلق جس کے دیگر حالات زندگی بھی عالم کے عام دستور کے موافق نہیں تو پھر بنظر انصاف اس میں آپ کو کوئی تردد نہ ہونا چاہئے۔ قرآن کریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام سے تشبیہ دیکر یہ واضح کر دیا ہے کہ ان کی ہستی کو عالم کے درمیانی سلسلہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ اگر ان کے حالات کو قیاس کرنا ہی ہے تو تخلیق عالم کے حالات پر قیاس کر کے دیکھو تمہارا سب تعجب جاتا رہے گا۔

اصل یہ ہے کہ مادی عقول کے نزدیک کچھ یہی ایک مسئلہ نہیں ہے جو زیر انکار آرہا ہو بلکہ عالم غیب کے تمام حقائق ہی زیر انکار ہیں۔ اور درحقیقت یہ عقل و نقل کی اصولی جنگ کا ثمرہ ہے ارباب عقل یہ سمجھتے ہیں کہ اخبار انبیاء علیہم السلام سب خلاف عقل ہوتے ہیں اور اصحاب نقل یہ سمجھتے ہیں کہ جو بات بھی عقلی ہو وہ سب شریعت کے خلاف ہوتی ہے، یہ نزاع و جدل درحقیقت عقل و شرع کا صحیح مفہوم متعین نہ کرنے سے پیدا ہو رہا ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

"کون نہیں جانتا کہ قرآن و سنت نے جابجا عقل کی تعریف فرمائی ہے بلکہ اپنی دعوت کا مخاطب ہی صرف اہل فہم اور اہل عقل کو قرار دیا ہے۔ مجنون اور بچے اس کی دعوت کے احاطہ سے ہی باہر ہیں لیکن جب بعض اہل بدعت نے بعض کلامی مسائل کو جو دراصل قرآن و سنت کے بھی خلاف تھے اصول دین میں داخل کر دیا اور اس کا نام عقلیات رکھا تو اب اہل شرع کو عقلیات کے نام ہی سے ایسی نفرت پیدا ہو گئی جو شخص بھی عقلی استدلال کرتا نظر

آتا ان کے نزدیک بدعتی اور باطل پرست سمجھا جاتا اور دوسری طرف جب عقلاً نے اہل شرع سے وہ مسائل سنے جو صریح عقل اور یقینی تاریخ کے خلاف تھے۔ اس پر ان کا یہ دعویٰ سنا کہ وہ قرآن و حدیث کے بیان کردہ ہیں تو ان کے دلوں میں نفس قرآن و سنت ہی کے متعلق خلاف عقل ہونے کی بدگمانی بیٹھ گئی۔ حتیٰ کہ اب جو قرآن و سنت سے استدلال کرتا ان کے نزدیک قانون فطرت اور تقاضائے عقل کا مخالف ہوتا۔ یہاں غلطی دونوں فریق کی ہے عقلاء کی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے تحقیق کئے بغیر ہر خلاف عقل بات کا نام شرع کیوں رکھ دیا؟۔ اور علماء کی کوتاہی یہ ہے کہ انہوں نے جو عقل صحیح کا تقاضہ نہ تھا۔ اس کو شرع کے مفہوم میں کیسے داخل کر دیا؟۔ حالانکہ شریعت کا ایک مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے جو عقل سلیم کے نزدیک قابل انکار ہو یا محالات کی تعریف میں آتا ہو لیکن جب کسی ابتدائی غلطی پر کچھ مدت گزر جاتی ہے تو وہ غلطی راسخ ہوتے ہوتے عقائد کا رنگ پیدا کر لیتی ہے اور جو کسی صحیح حقیقت پر نتائج و آثار مرتب ہوتے ہیں وہی اس غلطی پر مرتب ہونے لگتے ہیں۔ اس لئے اگر مسائل پر گفتگو کرنے سے قبل عقل و شرع کا صحیح صحیح مفہوم متعین کر لیا جائے تو عقلاء اور علماء کے درمیان بحث و جدل کا یہ وسیع میدان بہت تنگ ہو سکتا ہے۔ علماء ہر خلاف عقل بات کو شرع کے مفہوم میں داخل کرنے کی سعی کرنا ترک کر دیں اور عقلاً شرع کی ہر بات پر خلاف عقل ہونے کی بدگمانی دل سے نکال ڈالیں اور عقل و فکر کا کوئی صحیح معیار مقرر کر لیں۔" (کتاب النبوت ۶۴)

خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ مسئلہ قابل تسلیم نہیں ہے تو پھر آپ کو بھی ایک فیصلہ کرنا ہوگا کہ عالم کے تخلیق و تخریب کے دوسرے تمام واقعات بھی قابل تسلیم نہیں ہیں اور اگر وہ سب قابل تصدیق ہیں تو پھر یہ مسئلہ بھی قابل تصدیق ماننا ہوگا۔ صرف اس لئے آغاز عالم کے تعمیری واقعات سے آپ کی زندگی کا اب کوئی تعلق باقی نہیں رہا یہ مستقبل بعید کے تخریبی واقعات کے موجودہ دور کے انسانوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے ان سب سے صرف نظر کر کے بحث کا رخ صرف مسئلہ نزول میں منحصر کر دینا اپنے نفس کو بھی مغالطہ میں رکھنا ہے اور دوسروں کو بھی مغالطہ میں ڈالنا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جزئی معاملات کی اہمیت

واضح رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت اس لحاظ سے بھی سب میں ممتاز ہے کہ ان کے جزئی جزئی واقعات کو بھی قرآن کریم نے اصولی معاملات کی سی اہمیت دی ہے۔ مثلاً ان کی ولادت کا معاملہ یہ ایک جزئی معاملہ ہے مگر ان کی ولادت کو بھی قرآن کریم نے بڑی اہمیت سے ذکر کیا ہے۔ یعنی فرشتہ کا بصورت بشری آنا اور اپنی آمد کی غرض وغایت بتانا۔ اس پر حضرت مریم کا نا کتخدائی کی حالت میں تعجب فرمانا پھر فرشتہ کا جواب اور اس کے بعد ان کے گریبان میں پھونک مارنا یہ سب تفصیلی ذکر ہیں۔ حتیٰ کہ ان کی والدہ کا دردزہ بھی، پھر ولادت اور اس پر لوگوں کی چہ میگوئیاں بھی، ظاہر ہے کہ ان سب معاملات میں سے کس معاملہ کو اصولی اور بنیادی کہا جاسکتا ہے ؟۔ مگر کیا ان میں سے کوئی ایک بات بھی ایسی ہے جس کو آپ صرف ایک جزئی معاملہ کہہ کر ٹال سکتے ہوں اور جس پر عقیدہ رکھنا کوئی ضروری بات نہ ہو پھر عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے اہم واقعہ کو صرف ایک جزئی معاملہ کہہ کر آپ کیونکر عقائد کی فہرست سے خارج کر سکتے ہیں۔

مسئلہ نزول کی حیثیت کتب عقائد میں

یہی وجہ ہے کہ شروع سے لے کر آج تک کتب عقائد میں اس مسئلہ کو بھی دیگر عقائد کے ساتھ ساتھ ایک عقیدہ ہی شمار کیا ہے۔ حتیٰ کہ محدثین نے جو مؤلفات ترتیب دی ہیں گو ان کو عقائد کی شکل پر مرتب نہیں فرمایا ان کے مقاصد دوسرے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود امام مسلم نے جن کی کتاب کو بلحاظ ترتیب بخاری شریف پر بھی فوقیت دی گئی ہے۔ نزول عیسیٰ علیہ السلام کو ابواب ایمان کا ایک جز قرار دیا ہے پھر یہ کہنا کتنی کوتاہ نظری ہے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ چونکہ ایک جزئی مسئلہ ہے۔ اس لئے اس کو عقائد اور ایمانیات کا مقام حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ معجزات کی بحث میں ہم انشاء اللہ تعالیٰ! اس پر اور مبسوط بحث کریں گے کہ رسولوں کی اخبار پر ایمان رکھنا یہ جزئی مسئلہ نہیں بلکہ ایک بنیادی مسئلہ ہے۔ رہا خاص نزول عیسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ تو اس کو اس حیثیت کے علاوہ رسالت اور قیامت کے

مسئلہ سے بھی براہ راست تعلق ہے جیسا کہ عنقریب اس کی تفصیل آنے والی ہے۔ یہاں ایک عجیب بات یہ ہے کہ ذات و صفات، قضا و قدر، حشر و نشر اور رؤیت باری تعالیٰ وغیرہ جن مسائل کو بے چون وچرا عقائد میں داخل سمجھا گیا ہے۔ ان میں تو کافی اختلافات بھی ملتے ہیں چنانچہ معتزلہ ان سب مسائل میں اہل سنت والجماعت سے اپنا علیحدہ خیال رکھتے ہیں۔ حتی کہ اشاعرہ وماتریدیہ کے مابین بھی بعض مسائل میں ضرب المثل اختلاف موجود ہے لیکن اس کے باوجود ان مسائل کو کسی نے عقائد کی فہرست سے خارج نہیں کیا۔ اس کے بر خلاف نزول عیسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ ہے جس میں سلف سے لے کر آج تک ائمہ دین میں سے کسی کا اختلاف ثابت نہیں پھر اس کو عقائد کی فہرست سے کس طرح خارج کیا جا سکتا ہے۔ حیرت ہے کہ معتزلہ جو مذکورہ بالا مسائل میں اہل سنت سے کچھ اختلاف بھی رکھتے ہیں۔ وہ بھی اس مسئلہ میں جمہور امت کے ساتھ متفق ہیں جیسا کہ زمخشری نے کشاف میں اس کی تصریح کی ہے۔ ابن عطیہ لکھتے ہیں کہ: "تمام امت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اس وقت آسمان پر زندہ موجود ہیں اور قرب قیامت میں بجسم عنصری پھر تشریف لانے والے ہیں۔ جیسا کہ متواتر حدیثوں سے ثابت ہے۔" (دیکھو بحر محیط ص ۴۷۳ ج ۲)

مسئلہ نزول کی حیثیت احادیث میں

اس بارے میں اگر حدیثوں پر نظر ڈالیں تو تیس صحابہؓ سے تقریباً سو حدیثوں میں باسالیب مختلفہ اس مسئلہ کو بتکرار قسمیں کھا کھا کر دہرایا گیا ہے۔ (ان صحابہؓ کے اسماء مبارکہ یہ ہیں جن کی تفصیل روایات دیکھنی ہوں تو رسالہ " التصریح بما تواتر فی نزول المسیح "مؤلفہ محترم جناب مولانا محمد شفیع صاحبؒ مفتی پاکستان ملاحظہ فرمائیں۔

(۱)...... ابو ہریرہ (۲)...... جابر بن عبداللہ (۳)...... نواس بن سمعان (۴)...... ابن عمر (۵)...... حذیفہ بن اسید (۶)...... ثوبان (۷)...... مجمع (۸)...... ابو امامۃ (۹)...... ابن مسعود (۱۰)...... ابو نضرۃ (۱۱)...... سمرۃ (۱۲)...... عبدالرحمان بن جبر (۱۳)...... ابو الطفیل (۱۴)...... انس (۱۵)...... واثلہ (۱۶)...... عبداللہ بن سلام (۱۷)......

ابن عباس (۱۸)...... اوس (۱۹)...... عمران بن حصین (۲۰)...... عائشۃ (۲۱)...... سفینہ (۲۲)...... حذیفۃ (۲۳)...... عبداللہ بن مفضل (۲۴)...... عبدالرحمٰن بن سمرۃ (۲۵)...... ابوسعید الخذری (۲۶)...... عمار (۲۷)...... ربیع (۲۸)...... الحسن (۲۹)...... عروہ بن رویم (۳۰)...... کعب (۳۱) الامام جعفر رضی اللہ عنہم اجمعین

اس بڑے ذخیرہ میں سے چالیس حدیثیں تو ایسی ہیں جن کی تصحیح و تحسین محدثین نے صراحت کے ساتھ ثبت فرمادی ہے اور بقیہ کے متعلق گو صراحۃً ان سے تحسین منقول نہ ہو لیکن کوئی صاف جرح بھی ثابت نہیں۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس پیشگوئی کا رتبہ کیا ہے؟ دعویٰ سے کہا جا سکتا ہے کہ متواتر حدیث کی جو بڑی سے بڑی مثال پیش کی گئی ہے۔ اس پیشگوئی کا پلہ کسی طرح بھی اس سے ہلکا نہیں ہے۔ پھر جب کتب سابقہ پر نظر ڈالی جائے تو یہاں انجیل بھی احادیث نبویہ کے ساتھ اس درجہ مطابق ملتی ہے کہ اس کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اور یہ یقین بدیہی بن جاتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول صرف اسی شریعت کا مسئلہ نہیں بلکہ جملہ ادیان سماویہ کا ایک ایسا متفقہ عقیدہ ہے جس میں اصول دین کی طرح کبھی کوئی اختلاف نہیں رہا۔

مسئلہ نزول کی حیثیت انجیل میں

پھر اس مسئلہ کی حقیقت ایک عام اور مجمل پیشگوئی کے سمجھ لینے میں کتنی بڑی فرو گذاشت ہو گی۔ انجیل متی باب ۲۴ آیت ۳ میں ہے: "اور جب وہ زیتون کے پہاڑ پر بیٹھا تھا اس کے شاگردوں نے خلوت میں اس کے پاس آکر کہا ہم سے یہ کہہ کہ یہ کب ہو گا اور تیرے آنے کا اور زمانہ کے آخر ہونے کا نشان کیا ہے؟۔ تب یسوع نے جواب میں ان سے کہا خبردار کوئی تمہیں گمراہ نہ کرے کیونکہ بہتیرے میرے نام پر آئیں گے اور کہیں گے کہ میں مسیح ہوں اور بہتوں کو گمراہ کریں گے۔ اور تم لڑائیوں اور لڑائیوں کی افواہوں کی خبر سنو گے۔ خبردار مت گھبرائیو! کیونکہ ان سب باتوں کا ہونا ضرور ہے۔ پر اب تک آخر نہیں ہے کہ قوم قوم پر اور بادشاہت بادشاہت پر چڑھ آئے گی اور کال اور مری پڑے گی اور جگہ جگہ یہ بھونچال

آئیں گے یہ سب کچھ مصیبتوں کا شروع ہے۔ "

انجیل متی باب ۲۴ آیت ۲۳ تا ۳۱ : "اس وقت اگر کوئی تم سے کہے کہ دیکھو مسیح یہاں ہے یا وہاں ہے تو یقین نہ کرنا کیونکہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی اٹھ کھڑے ہوں گے اور ایسے بڑے نشان اور عجیب کام دکھائیں گے کہ اگر ممکن ہو تو برگزیدوں کو بھی گمراہ کر لیں۔ دیکھو میں نے پہلے ہی تم سے کہہ دیا ہے۔ پس اگر وہ تم سے کہیں کہ دیکھو وہ بیابان میں ہے تو باہر نہ جانا۔ دیکھو وہ کوٹھڑیوں میں ہے تو یقین نہ کرنا کیونکہ جیسے بجلی پورب سے کوندکر پچھم تک دکھائی دیتی ہے۔ ویسے ہی ابن آدم کا آنا ہوگا۔ جہاں مردار ہے وہاں گدھ جمع ہو جائیں گے اور فوراً ان دنوں کی مصیبت کے بعد سورج تاریک ہو جائے گا اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا اور ستارے آسمان سے گریں گے اور آسمانوں کی قوتیں ہلائی جائیں گی اور اس وقت ابن آدم کا نشان آسمان پر دکھائی دے گا اور اس وقت زمین کی ساری قوتیں چھاتی پیٹیں گی اور ابن آدم کو بڑی قدرت اور جلال کے ساتھ آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھیں گی۔ "

انجیل لوقا باب ۲۱ آیت ۲۶ میں اتنی زیادتی اور ہے : "اور ڈر کے مارے اور زمین پر آنے والی بلاؤں کی راہ دیکھتے دیکھتے لوگوں کی جان میں جان نہ رہے گی.......... اور جب یہ باتیں ہونے لگیں تو سیدھے ہو کر سر اوپر اٹھانا۔ اس لئے کہ تمہاری مخلصی نزدیک ہو گی۔ " انجیل مرقس و لوقا میں۔

انجیل متی باب ۲۴ آیت ۳۲ ' ۳۳

"اب انجیر کے درخت کی ایک تمثیل سیکھو جونہی اس کی ڈالی نرم ہوتی ہے اور پتے نکلتے ہیں تم جان لیتے ہو کہ گرمی نزدیک ہے۔ اسی طرح جب تم ان سب باتوں کو دیکھو تو جان لو کہ وہ نزدیک ہے بلکہ دروازہ پر ہے۔ "

اعمال باب ۱ ' آیت ۹

"اور وہ یہ کہہ کے ان کے دیکھتے ہوئے اوپر اٹھایا گیا اور بدلی نے اسے ان کی نظروں سے چھپا لیا اور اس کے جاتے ہوئے جب وہ آسمان کی طرف تک رہے تھے۔ دیکھو دو مرد سفید

پوشاک پہنے ان کے پاس کھڑے تھے اور کہنے لگے۔ اے جلیل مردو! تم کیوں کھڑے آسمان کی طرف دیکھتے ہو۔ یہی یسوع جو تمہارے پاس سے آسمان پر اٹھایا گیا ہے اسی طرح جس طرح تم نے اسے آسمان کو جاتے دیکھا ہے پھر آئے گا۔"

مسئلہ نزول کی حیثیت قرآن کریم میں

خدا تعالیٰ کی سب سے آخری کتاب قرآن کریم ہے۔ جب اس پر نظر ڈالیں تو اس میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی یہی حیثیت ثابت ہوتی ہے۔ رہا ان کے رفع جسمانی کا مسئلہ تو اس کو تو قرآن کریم نے اہل کتاب کے مقابلہ میں اپنی جانب سے ایک فیصلہ کی حیثیت سے ذکر فرمایا ہے جیسا کہ آئندہ اس کی تفصیل آتی ہے: "وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا۔ النساء آیت ۱۵۹ "یعنی اہل کتاب میں کوئی ایسا نہ ہوگا جو عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لے آئے آیت بالا میں اس کی تصریح ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ابھی فوت نہیں ہوئے۔ نیز یہ کہ آئندہ زمانہ میں کسی شبہ کے بغیر اہل کتاب کو ان پر ایمان لانا ہے یہی وجہ ہے کہ ابو ہریرہؓ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی صحیح حدیث روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر اس پیشگوئی کو تم قرآن کریم کی روشنی میں دیکھنا چاہو تو آیت بالا کو پڑھ لو۔ اس کی مزید تشریح آئندہ آئے گی اور اس مغالطہ کو بھی دور کر دیا جائے گا کہ نزول کا لفظ قرآن کریم میں کیوں نہیں آیا۔ پس اگر یہ مسئلہ جو کتب سابقہ سے لے کر احادیث نبویہ اور خود کتاب اللہ میں اس تواتر کے ساتھ ثابت ہے عقائد کی فہرست میں شمار ہونے کے قابل نہیں ہے تو پھر اور کس مسئلہ کو عقائد میں شمار کیا جا سکتا ہے؟۔ تعجب ہے کہ یہاں کتب سماویہ کو اس پر جتنا اصرار ہے ہماری مادی عقول کو اس سے اتنا ہی انکار ہے۔ فالی اللہ المشتکی

مسئلہ نزول کی اہمیت اور اصول دین سے اس کا تعلق

موجودہ دور کے مبصرین کی نظر یہاں ایک اور واضح حقیقت سے بھی چوک گئی ہے وہ صرف اس بحث میں الجھ کر رہ گئی ہے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کی خبر صرف ایک پیشگوئی

ہے اور جس طرح دیگر پیشگوئیاں نہ صرف صداقت رسول کا ایک معیار ہوتی ہیں یہ بھی اسی نوع کی ایک پیشگوئی ہے۔ لہٰذا جو امت اس رسول کی تصدیق پہلے سے کر چکی ہے اس کے حق میں اس کی اہمیت کیا ہے؟ اور اسی غلط فہمی میں انہوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اصل دین سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان کو یہ علم ہی نہیں کہ اس پیشگوئی کو ایک اصولی اہمیت بھی حاصل ہے۔ کیونکہ اہل کتاب کی دو مرکزی جماعتوں کا نقطہ ضلالت یہی پیشگوئی ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ:

”کتب سابقہ میں دو مسیح کی آمد کی پیشگوئی کی گئی تھی ایک مسیح ہدایت کی، جس کا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے اور دوسری مسیح ضلالت کی، جس کا مصداق دجال ہے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو یہود بے بہبود نے ان کو تو مسیح ضلالت کا مصداق ٹھہرالیا اور اس لئے ان کی ایذارسانی اور قتل کے درپے رہے اور جب مسیح ضلالت ظاہر ہوگا۔ یعنی دجال تو اس کو مسیح ہدایت کا مصداق ٹھہرائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام یہود دجال کی اتباع کرلیں گے۔ اس کے برعکس نصاریٰ ہیں کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گو مسیح ہدایت کا مصداق تو مانا مگر حد سے بڑھا کر ان کو اقانیم ثلاثہ کا ایک جز بنالیا۔ اب یہاں ان دونوں بڑی بڑی جماعتوں کو جو بسیط ارض پر پھیلی پڑی ہیں ایک مسیح کی آمد کا انتظار لگ رہا ہے یہود کو تو اس لئے کہ ان کے نزدیک مسیح ہدایت کی جو پیشگوئی کی گئی تھی اس کا ظہور ابھی باقی ہے۔ لہٰذا مسیح ہدایت کو آنا چاہئے اور نصاریٰ کو اس لئے کہ ان کے زعم میں وہی مسیح دوبارہ آکر مخلوق کا حساب لیں گے اور یہی دن قیامت کا دن ہوگا۔“

(الجواب الصحیح ص ۳۴۱، ۱۸۱ ج ۱)

اس مسئلہ پر بحث کے وقت اگر اس اہم تاریخ کو بھی سامنے رکھ لیا جاتا تو یہ واضح ہو جاتا کہ اس پیشگوئی کی حقیقت نہ صرف ایک پیشگوئی کی ہے اور نہ ایک جزئی واقعہ کی بلکہ اس کا تمام تر تعلق اصول دین کے ساتھ ہے کیونکہ رسالت اور قیامت کے دونوں مسئلے اصولی مسئلے ہیں اور اس مسئلہ کو ان دونوں سے گہرا تعلق ہے۔ یہاں یہودیوں کی یہ گمراہی کتنی اصولی گمراہی تھی کہ انہوں نے مسیح ہدایت یعنی خدا تعالیٰ کے ایک سچے رسول کو مسیح ضلالت یعنی

دجال ٹھہرا لیا تھا۔ اور نصاریٰ کی یہ گمراہی بھی کتنی اصولی تھی کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کے ایک رسول کی آمد کو خدائی آمد اور اس کی آمد کے دن کو قیامت کا دن سمجھ رکھا تھا۔ ان دو اصولی غلطیوں کی اصلاح پر دنیا کی ان دو بڑی بڑی امتوں کے ایمان کا دارومدار ہے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کی آمد کی پیشگوئی کی وہی اہمیت محسوس فرمائی ہے جو کسی اصولی معاملہ کی کی جا سکتی ہے اور مسیح ہدایت اور مسیح ضلالت کی تفصیلات بیان فرمادی ہیں کہ پھر آئندہ ان دونوں کے ظہور کے وقت ان کی شناخت میں دونوں قوموں کو کوئی مغالطہ نہیں لگ، سکتا یہود آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ جس کو انہوں نے "مسیح ضلالت" سمجھا تھا (والعیاذ باللہ!) در حقیقت وہ مسیح ہدایت تھے اور نصاریٰ کو یہ خوب ثابت ہو جائے گا کہ جس کو انہوں نے خدائے تعالیٰ کا شریک ٹھہرا لیا تھا۔ در حقیقت وہ اس کا ایک بندہ اور اس کی مخلوق تھا اور ان کی آمد قیامت کا دن نہیں بلکہ اس کی ایک بڑی علامت تھی اور ساری غلطیاں خود عیسیٰ علیہ السلام ہی کی زبان سے دور کر دی جائیں گی تا کہ اختتام عالم سے قبل اتحاد ملل کے راستہ میں جتنی رکاوٹیں ہو سکتی تھیں وہ ایک ایک کر کے سب دور کر دی جائیں اور ملل سماویہ کی وحدت کا وعدہ پوری صفائی اور صداقت سے پورا ہو جائے۔ :"وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلاً ."

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اہمیت تاریخی نظر میں

یہ ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان انبیاء علیہم السلام میں سے نہیں ہیں۔ جن کا تذکرہ تاریخ نے محو کر ڈالا ہو بلکہ ان اولوالعزم رسولوں میں سے ہیں جن کا تذکرہ ہر دور میں بڑی اہمیت کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔ اہل کتاب کے وہ بڑے بڑے گروہ ان کی ایک ایک علیحدہ تاریخ رکھتے ہیں اور خود اہل اسلام کے پاس بھی ان کی ایک منقح تاریخ موجود ہے۔ یہود کی تاریخ یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو انہوں نے قتل کر ڈالا ہے۔ اس لئے ان کے نزدیک تو ان کی حیات اور دوبارہ تشریف آوری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ رہ گئے نصاریٰ تو وہ ان کی دوبارہ تشریف آوری کے قائل ہیں مگر وہ اس دن کو قیامت کا دن سمجھتے ہیں اور مجمل طور پر ان کے سولی چڑھائے جانے اور زندہ ہو کر آسمانوں پر اٹھائے جانے کے بھی قائل ہیں۔

اہل اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ نہ وہ قتل ہوئے اور نہ سولی دیئے گئے بلکہ زندہ اسی جسم عنصری کے ساتھ آسمانوں پر اٹھائے گئے۔ اور قیامت سے پہلے پھر اسی جسم عنصری کیساتھ تشریف لائیں گے اور مدینہ طیبہ میں جوار آنحضرت ﷺ میں وفات کے بعد مدفون ہوں گے۔ اب ایسے اولوالعزم رسول کے متعلق یہ حق کس کو پہنچتا ہے کہ وہ کوئی ایسی جدید تاریخ بنالے جو دنیا میں کسی جماعت کو بھی مسلم نہ ہو۔ مثلاً یہ کہنا ہے کہ وہ سولی پر چڑھائے گئے پھر نیم مردنی کی حالت میں اتار لئے گئے تھے پھر کہیں جاکر اپنی طبعی موت سے مر گئے اور آخر کشمیر یا کسی اور شہر میں جاکر ایسی گمنامی کی حالت میں مدفون ہو گئے جس کی اطلاع کسی کو نہیں ہو سکی۔ اس جلیل القدر رسول کی اس جدید تاریخ کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسا آج کوئی شخص آنحضرت ﷺ کے متعلق بیان کرے کہ آپ ﷺ کی وفات اور دفن کا سب افسانہ غلط ہے بلکہ جب کفار نے آپ ﷺ کو زیادہ ستایا تو آپ ﷺ اپنے جسم عنصری کے ساتھ آسمانوں پر تشریف لے گئے اور آئندہ پھر تشریف لانے والے ہیں۔ کیا دنیا میں کوئی عاقل ایسا ہے جو اس رسول اعظم کی اس جدید تاریخ پر غور کرے اور اس کے دلائل سننے کے لئے تیار ہو۔ ہمارے نزدیک ایک مسلم فوت شدہ رسول کے زندہ آسمانوں پر جانے کی تاریخ میں اور ایک مسلم زندہ آسمانوں پر موجود رسول کے متعلق ان کی موت اور دفن کی جدید تاریخ میں کوئی فرق نہیں نہ وہ عقلاً کے نزدیک قابل توجہ ہے نہ یہ قابل التفات ہو سکتی ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کی اہمیت تاریخ کی نظر میں

یہ بات کتنی عجیب ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خود نبی اولوالعزم ہیں۔ ان کی امت بھی تسلسل کے ساتھ کسی انقطاع کے بغیر اب تک چلی آرہی ہے پھر ان کی موت اور ان کی قبر کا صحیح صحیح حال آج تک ان سب پر کیسے مخفی رہ گیا۔ بالخصوص یہود جو ان کے قتل کے مدعی تھے وہ اس اہم واقعہ سے کیسے غفلت اختیار کر سکتے تھے۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کے مقتول ہونے کے لئے ان کی قبر کی نشاندہی ان کے لئے سب سے کھلا ہوا ثبوت تھی۔ مگر یہاں نہ تو یہود ان کی قبر کا پتہ نشان بتا سکتے ہیں اور نہ اس بارے میں نصاریٰ کے پاس ہی کوئی صحیح علم ہے ادھر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ کی بعثت کے درمیان جو مدت ہے وہ تقریباً چھ سو سال کی مدت ہے۔ یہ اتنی طویل مدت نہیں کہ اس میں کسی ایسی اولوالعزم تاریخی شخصیت کی قبر اتنی لاپتہ ہو جائے کہ نہ اس کے ماننے والوں بلکہ پوجنے والوں کو معلوم ہو اور نہ اس کے دشمنوں کو۔ اس امت میں نہ معلوم کتنے اولیاء اللہ گزر چکے ہیں جن کی وفات پر اس سے کہیں زیادہ مدت گزر چکی ہے مگر ان کی قبریں آج تک تازہ یادگاریں معلوم ہوتی ہیں پھر عیسیٰ علیہ السلام کی موت اور ان کی قبر کی ایسی گمنامی یہ کیسے قرین قیاس ہو سکتی ہے۔ اس سے زیادہ حیرت اس پر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تشریف لا کر ان کے حق میں کبھی موت کا ایک حرف نہیں فرمایا اور نہ ان کی قبر کا کہیں نشان بتایا۔ درآنحالیکہ یہ مسائل آپ کی آنکھوں کے سامنے زیر بحث چل رہے تھے۔ اس کے برعکس فرمایا تو یہ کہ وہ دوبارہ تشریف لائیں گے اور ابھی ان کی وفات نہیں ہوئی اور قبر بتائی تو مستقبل بعید میں اپنے پہلو کے قریب مدینہ طیبہ میں اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ قرآن کریم نے تردید الوہیت کے موقعہ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معمولی سے معمولی حالات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ مثلاً ان کا کھانا کھانا ''کَانَا یَأْکُلٰنِ الطَّعَامَ ۔ المائدہ آیت ۷۵'' مگر ان کی الوہیت کے خلاف جو سب سے واضح ثبوت تھا یعنی یہ کہ وہ مر چکے ہیں اس کو ایک جگہ بھی عیسائیوں کے مقابلہ میں ذکر نہیں فرمایا اور نہ کبھی آپ کی زبان مبارک سے یہ نکلا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تو مدت ہوئی وفات ہو چکی ہے۔ پھر وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟ حالانکہ بارہا عیسائیوں کے ساتھ آپ کے مکالمات ہوئے ہیں۔ پھر اس تحقیقاتی دور میں جہاں جبل ایورسٹ (Evarest) پر رسائی ہو چکی ہو فرعون کی لاش دستیاب ہو چکی ہو اور سفینہ نوح علیہ السلام کے نشانات معلوم کئے جا چکے ہوں وہاں کیا اس مقدس رسول کی قبر مخفی رہ سکتی تھی؟۔ ان حالات میں بھی اگر اپنی جانب سے ہم ان کی موت اور قبر کی نشاندہی کے مدعی بنتے ہیں تو تاریخی دنیا میں اس کی کیا قدر و منزلت سمجھی جا سکتی ہے۔

اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو چکی تھی تو نصاریٰ اور اہل اسلام خاص طور پر ان ہی کی حیات کے قائل کیوں ہیں ؟

یہاں تھوڑا سا غور اس پر بھی کر لینا چاہئے کہ اگر بالفرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت واقع ہو چکی تھی تو پھر تمام انبیاء علیہم السلام میں سے ایک ان ہی کی خصوصیت کیا تھی کہ ان ہی کے معاملہ میں نصاریٰ سے لے کر اہل اسلام تک ان کی حیات اور ان کے نزول کے تسلسل کے ساتھ قائل چلے آرہے ہیں۔ چلئے نصاریٰ اگر اپنی فرط عقیدت سے کسی بے اصل بات کا دعویٰ کر ڈالیں تو جائے تعجب نہیں مگر یہاں ان علماء اسلام کے لئے اس کا کیا محل ہو سکتا تھا۔ جو ہمیشہ تردید الوہیت میں سرگرم رہے ہیں بلکہ اس سلسلہ میں کسی کے قلم سے ایسے کلمات بھی نکل گئے ہیں کہ اگر کہیں اتنی بڑی تہمت ان کے سر نہ رکھی جاتی تو وہ کلمات ہرگز ان کے زیر قلم نہ آسکتے تھے پھر کسی غلطی کا اگر امکان تھا تو چلئے یہ کسی خاص فرد میں ہو سکتا تھا۔ لیکن جمہور امت اور صحابہ و تابعین پھر ائمہ دین اور مفسرین و شارحین سب ہی کا ایک بدیہی البطلان غلطی پر متفق ہو جانا کیونکر قرین قیاس مانا جا سکتا ہے۔ چلئے اگر یہ مسئلہ الہیات کے دقیق مسائل یا حیات برزخی کے بالاتر از فہم کیفیات کی طرح کوئی باریک مسئلہ ہوتا تو بھی کسی غلط فہمی کا امکان تھا۔ مگر ایک شخص کی موت و حیات کا مسئلہ تو کوئی ایسا پیچیدہ مسئلہ نہ تھا جس کے فہم میں کوئی دشواری تھی یا اس میں اختلاف رائے کی کوئی گنجائش تھی یہ تو عام انسانوں سے لے کر انبیاء علیہم السلام کی جماعت تک کی ایک عام سنت بشری تھی پھر انبیاء علیہم السلام کی تمام جماعت میں سے ان ہی کی موت میں غلط فہمی کیوں پیدا ہو گئی اور حیرت در حیرت یہ کہ وہ آنحضرت ﷺ کے دور میں بھی صاف نہ ہو سکی بلکہ اور مستحکم ہوتی رہی۔ پس اگر حقیقت حال یہ تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو چکی ہے تو پھر کسی تاریخ سے یہ ثبوت پیش کرنا لازم ہو گا کہ کم از کم مسلمانوں میں اس کے خلاف ان کی حیات کے عقیدہ کی بنیاد کب سے پڑی۔ لیکن یہاں تو ہم جتنا صحابہ و تابعین اور ان سے اوپر احادیث مرفوعہ کی طرف نظر کرتے چلے جاتے ہیں اتنا ہی ہم کو رفع و نزول کا ثبوت اور بہم پہنچتا چلا جاتا ہے اور

اس کے برعکس آخر میں موت کے عقیدہ کی بدعت سیّئہ جس کسی فرد نے ایجاد کی ہے تاریخ انگلی رکھ کر اس کا نام و نشان بتاتی ہے اور ہمیشہ اس کو مسلمانوں کے خلاف عقیدہ کا شخص شمار کرتی ہے۔ حتیٰ کہ اس مدت میں جو مدعی مسیحیت گزرے ہیں وہ بھی اپنے دعویٰ سے قبل تمام عمر اس بارے میں عام امت کے ساتھ ہی نظر آتے ہیں۔ یہ بات دوسری ہے کہ جب زمین ہموار ہو گئی اور انہوں نے خود مسیح ہونے کا دعویٰ شروع کیا تو پھر جس عقیدہ پر ان کی ساری عمر گزری تھی اسی کو انہوں نے مشرکانہ عقیدہ ٹھہرا دیا بلکہ اس سے بڑھ کر اس مضمون کی صحیح سے صحیح حدیثوں کے متعلق ردی کی ٹوکری میں پھینک دینے کے مکروہ ترین الفاظ بھی لکھ مارے ہوں۔ کَبُرَتْ کَلِمَۃً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ ۔ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا کَذِبًا!

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر وفات پا چکے ہیں تو ان کے متعلق حدیث و قرآن میں کہیں موت کا صاف لفظ کیوں نہیں

اس مقام پر یہ دقیقہ بھی قابل فروگذاشت نہیں ہے کہ ایک انسان کی موت کا واقعہ کون سا پیچیدہ واقعہ ہے جس کے بیان کرنے میں ایک معمولی سے معمولی انسان کو بھی کوئی دشواری ہو سکتی ہے۔ اگر قرآن کریم کسی ایک جگہ بھی صراحت کے ساتھ یہ لفظ فرما دیتا کہ: "ان عیسیٰ مات" یعنی عیسیٰ علیہ السلام مر چکے ہیں تو بس اسی ایک لفظ سے ساری بحثیں ختم ہو جاتیں اور بے وجہ لفظ توفی پر دفتر کے دفتر خرچ کر کے یہ ثابت کرنے کی ضرورت نہ رہتی کہ توفی لغت عرب میں موت کے ہم معنی ہے۔ افسوس ہے کہ لفظ توفی کے موت کے معنی میں ثابت کرنے کے لئے تو عمریں صرف کی گئیں مگر اس پر کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی غور نہ کیا گیا جب عربی زبان مین موت کے لئے دوسرا صاف لفظ موجود تھا تو پھر یہاں موضع اختلاف میں اس صاف اور سیدھے لفظ کو چھوڑ کر ایسے مشتبہ لفظ کو کیوں اختیار کیا گیا ہے جو بڑی کاوشوں کے بعد بھی موت میں منحصر نہیں ہو سکتا۔ بالخصوص جبکہ عیسائی یہ ڈنکہ بجا رہے ہوں کہ وہ اللہ تھے۔ والعیاذ باللہ! تو کیا یہ بات سیدھی اور صاف نہ تھی کہ اللہ کا سب سے پہلا نام: "الحیی" ہے اور عیسیٰ علیہ السلام مر چکے ہیں۔ سورہ آل عمران میں جو

نصاریٰ ہی کی تردید کے لئے اتری اس میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کو: "الحیی القیوم" کہہ کر ان کی تردید کی گئی مگر ساری سورت میں ایک بار بھی عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں موت کا لفظ نہ بولا گیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کا مسئلہ عام انسانوں کی موت پر قیاس کرنا صحیح نہیں

یہ اچھی طرح واضح رہنا چاہئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کا مسئلہ صرف عام انسانوں کی موت پر قیاس کر کے طے نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ عام انسانوں کی حیات و موت سے قومی تاریخ یا مذہبی عقیدہ کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس لئے یہاں طویل گمشدگی کو بھی موت کا قرینہ بنا لیا جاتا ہے لیکن ایک ایسے اولوالعزم نبی کی وفات کا مسئلہ جس کی حیات و موت کی بحث دنیا کی تاریخ میں ہمیشہ سے چل رہی ہو پھر جس کی حیات کے واضح اور مستحکم دلائل بھی موجود ہوں اس کو صرف عام انسانوں پر قیاس کر کے کیسے طے کیا جا سکتا ہے۔ یہ بالکل اتنا ہی غیر معقول ہے جتنا کہ کسی ایسے زندہ شخص کی طویل گمشدگی سے اس کی موت کا حکم لگا دینا جس کی حیات کی شہادت معتمد اخبارات کے ذریعے بھی اور خود اس کے بیانات سے بھی مسلسل موصول ہو رہی ہو۔ یہاں کوئی عاقل ایسا نہیں ہو گا جو ان حالات میں صرف اس کی مدت سفر کے غیر معمولی طوالت کی وجہ سے اس کے ترکہ تقسیم کا دعویٰ کسی عدالت میں دائر کر سکے اور نہ کوئی عدالت یہاں اس کی وراثت کی تقسیم کا حکم دے سکتی ہے۔

خوب یاد رکھو جہاں کوئی معاملہ خاص دلائل کی روشنی میں پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے۔ وہاں صرف عام قیاسات سے کوئی حکم لگانا کھلی ہوئی غلطی ہے۔ مثلاً آج جبکہ فرعون کی لاش پختہ ثبوت کے ساتھ دریافت ہو چکی ہے تو اب محض اس بناء پر اس کا انکار کرنا کہ ایک غرق شدہ لاش کا وہ بھی سینکڑوں سال کے بعد صحیح و سالم بر آمد ہونا چونکہ عام دستور کے خلاف ہے۔ اس لئے فرعون کی لاش کا بر آمد ہونا بھی قابل تسلیم نہیں یا قابل یقین نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قیاس کی عقل و تاریخ کے نزدیک کوئی وقعت نہیں اسی طرح حضرت عیسیٰ

علیہ السلام کی وفات کا مسئلہ بھی ہے یہاں صرف عام قیاسات اور عام دلائل پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ان کا معاملہ قرآن وحدیث کے واضح سے واضح اور مستقل طور پر علیحدہ بیان میں آچکا ہے۔

حیات وموت کا مسئلہ دنیا کے عام واقعات میں شامل ہے پھر قرآن وحدیث میں اس کی اہمیت کیوں ہے ؟

اس امر پر غور کرنا بھی ضروری ہے کہ حیات و موت دنیا کے عام واقعات میں شامل ہیں بہت سے انبیاء علیہم السلام فوت ہوئے اور بہت سے نااہل امتوں کے ہاتھوں شہید بھی ہوئے۔ اسی طرح مستقبل میں بہت سے مبارک اور نامبارک افراد و اشخاص کے ظہور کی پیشگوئیاں کی گئی ہیں۔ مگر آخر ان سب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد اور ان کی حیات کے مسئلہ کی اہمیت کیا تھی کہ کتب سابقہ سے لے کر قرآن کریم تک نے اس کے بیان و ایضاح کا اہتمام کیا ہے اور آنحضرت ﷺ نے بھی بار بار ان کے متعلق نزول کی پیشگوئی فرمائی اور اس کی اتنی تفصیلات بیان فرمائی ہیں جتنی کہ کسی اور دوسرے شخص کے متعلق نہیں فرمائیں۔ یقیناً اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ ان کا تعلق آئندہ زمانہ سے ابھی باقی ہے۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح فوت ہو چکے ہوتے تو جس طرح ان کی موت اور سوانح موت کی تفصیلات سے سکوت اختیار کر لیا گیا تھا۔ یہاں بھی سکوت اختیار کر لیا جاتا مگر چونکہ ان کا ابھی دوبارہ تشریف لانا باقی تھا۔ اس لئے آپ نے ان کی آمد کی تفصیلات کا خاص اہتمام فرمایا ہے تاکہ جن کے متعلق پہلی بار دو بڑی قومیں گمراہ ہو چکی تھیں دوسری بار اب وہ اپنی اپنی غلطیوں کو صاف طور پر سمجھ جائیں اور اجتماعی حیثیت سے جس طرح وہ پہلی بار کفر پر جمع ہو گئی تھیں۔ اس مرتبہ ایمان پر جمع ہو سکیں اور : ”وَاِنْ مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۔“ کی پیشگوئی پوری آب و تاب سے پوری ہو جائے۔ آنحضرت ﷺ کا یہ واضح اور شافی بیان جس طرح کہ اس امت پر ایک احسان عظیم ہے اسی طرح دوسری امتوں پر بھی ہے کہ ان کو صرف آپ ﷺ کے طفیل میں حضرت عیسیٰ علیہ

السلام کی صحیح معرفت اور ان پر صحیح ایمان کا سامان میسر آگیا۔ اسی سے آنحضرت ﷺ کے فضل و برتری کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ مسائل جو آج تک الجھے ہوئے چلے آرہے تھے وہ آپ ﷺ کے دور میں کس طرح سلجھتے چلے جا رہے ہیں۔

نافہم لوگ یہ کہتے ہیں کہ جن کی پہلی آمد امتوں کے فتنے کا موجب بنی ان کی دوسری آمد سے ہدایت کی کیا توقع ہو سکتی ہے؟ اور اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ اس کی ذمہ داری اگر تمام تر امتوں پر عائد ہوتی ہے تو ان کی دوبارہ آمد میں خطرہ کیا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ذمہ داری خود ان ہی پر عائد ہے۔ والعیاذ باللہ! تو یہ براہ راست خدا کے ایک معصوم رسول پر حملہ ہے اور صحیح معنی میں یہود کی اتباع ہے۔ ہمارے بیان سے یہ واضح ہو گیا کہ ان کی دوبارہ تشریف آوری در حقیقت اس عمیق حکمت کے اظہار کے لئے ہے کہ یہ بات عالم آشکارا کر دی جائے کہ جن کو جماعتوں نے مرکز ضلالت ٹھہرایا تھا۔ یہ ان کی شقاوت تھی در حقیقت وہ مرکز ہدایت تھے اور اس طرح جہاں ایک طرف ان کی بزرگی ثابت ہو دوسری طرف آنحضرت ﷺ کی عظمت شان بھی ظاہر ہو۔ کہ اب جو جہان بھر کے نافہم تھے وہ آپ کے دور میں کتنے بافہم بن چکے ہیں۔

خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں لفظ نزول کی اہمیت

یہ امر بھی خاص طور پر قابل غور ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو چکی ہے اور اب وہ دوبارہ تشریف نہیں لائیں گے تو حدیثوں میں نزول کی پیشگوئی خاص اسی نام و نسبت کے شخص کے متعلق کیوں کی گئی ہے اور کیوں صاف طور پر دنیا کے دستور کے موافق اس کا وہی نام ذکر نہیں کیا گیا جو اس کا اصل نام تھا؟۔ نیز یہ سوال بھی اہم ہے کہ کسی ایک حدیث میں ان کے متعلق ولادت کا سیدھا لفظ کیوں نہیں فرما دیا گیا تا کہ یہ بات صاف ہو جاتی کہ جو شخص آئندہ آنے والا ہے وہ عام انسانوں کی طرح کسی وقت پیدا ہو گا اور وہ مسیح اسرائیل نہیں بلکہ کوئی اور دوسرا انسان ہے۔ بالخصوص جبکہ امام مہدی اور دجال جو بھی مبارک و نامبارک انسان آئندہ ظاہر ہونے والے تھے ان کے حق میں ولادت ہی کا صاف لفظ

بولا گیا ہے اور ان کی وہی نام و نسبتیں ذکر فرمائی گئی ہیں جو ان کی اصل نام و نسبتیں تھیں۔ پس کوئی وجہ نہیں ہے کہ اگر مسیح ابن مریم در حقیقت فوت ہو چکے تھے اور ان کی بجائے کوئی اور شخص ان کا ہمرنگ اس امت میں پیدا ہونے والا تھا تو اس کے حق میں کہیں ولادت کا لفظ بولا نہ جاتا اور کسی ایک حدیث میں اس کے اصل نام و نسبت کی تصریح نہ کی جاتی اور کہیں اس کے اصل شہر اور محل پیدائش کا پتہ بتایا نہ جاتا بلکہ ہر ہر مقام پر وہی نام و نسبت وہی شہر وہی تمام صفات اور وہی حلیہ ذکر کیا جاتا جو در حقیقت مسیح اسرائیل کا تھا۔ کیا جس نام و نسبت والے شخص کے متعلق عیسائی قوم دوبارہ آمد کا انتظار کر رہی تھی اسی نام و نسبت والے شخص کی دوبارہ آمد کی پیشگوئی کر کے عیسائیوں کی کھلے طور پر تائید کرنی نہیں ہے ؟۔ اس انداز بیان کا مطلب ایک سیدھی بات کو اور الجھا دینا اور ہدایت کی بجائے اور گمراہی میں مبتلا کرنا ہے۔ والعیاذ باللہ !

پس اگر صرف اسی ایک بات پر غور کر لیا جاتا کہ حدیثوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بار بار کیوں نزول کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور کیوں ایک مرتبہ بھی ولادت کا لفظ نہیں بولا گیا اور کیوں تمام مقامات پر اسی اسرائیلی رسول بزرگ کے نام نسبت اور شکل و شمائل کو ذکر کیا گیا ہے اور کیوں اس کا اصل نام و نسبت ذکر نہیں کیا گیا تو یہ بات بالکل صاف ہو جاتی کہ یقیناً وہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام آنے والے ہیں جو ایک بار پہلے آ چکے ہیں اور وہ زندہ ہیں اور آئندہ زمانہ میں ان کو نازل ہونا ہے۔ حدیثوں کے اس واضح بیان کے باوجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں حدیثوں کی تاویل کرنا اور ان کو بھی دوسرے انسانوں کی طرح ایک پیدا ہونے والا انسان شمار کرنا ٹھیک اسی طرح تحریف ہو گا جیسا امام مہدی علیہ السلام یا دجال کے بارے میں ولادت کے صاف لفظ مذکور ہو جانے کے باوجود یہ دعویٰ کرنا کہ امام مہدی علیہ السلام اور دجال بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آسمان سے نازل ہوں گے۔ پس جس طرح امام مہدی علیہ السلام کے حق میں ان کے نزول کی بجائے امت کو ان کی ولادت ہی کا انتظار ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں ان کی پیدائش کی بجائے ان کے اترنے ہی کا انتظار ہونا چاہئے۔ ہم کو اس کا کوئی حق نہیں کہ حدیثوں میں جہاں صاف طور پر نزول کا صاف لفظ آ چکا ہے۔ وہاں ! اس کے معنی ولادت کے

اور جہاں ولادت کا صاف لفظ وارد ہے۔ اس کے معنی نزول کے کر ڈالیں۔

غیر مؤقت پیشگوئیوں کا انکار یا تاویل دونوں خطرناک اقدام ہیں

جو پیشگوئیاں مؤقت نہیں ہیں ان کے متعلق قبل از وقت تھک کر یہ کہنا کہ مسلمانوں کا مسیح و مہدی جب آج بھی نہ آیا تو آخر کب آئے گا؟۔ بالکل کفار کے اس قول کے مشابہ ہے جو انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں قیامت کے بارے میں کہا تھا:

"وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۔ قُلْ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ۔ بنی اسرائیل آیت ۵۰"

حقیقت یہ ہے کہ اسلام چونکہ قیامت تک باقی رہنے والا مذہب ہے۔ اس لئے اس کی پیشگوئی کا دامن بھی قیامت تک وسیع رہنا چاہیے۔ بہت سی پیشگوئیاں ہیں جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں پوری ہو چکیں پھر کچھ حصہ ہے جو صحابہ کے زمانہ میں پورا ہوا۔ اس کے بعد اسی طرح ہر دور میں ان کا ایک ایک حصہ پورا ہوتا رہا۔ حتی کہ پورے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ زمانہ کا کوئی دور خالی نہیں گزرا جس میں آپ کی پیشگوئی کا کوئی نہ کوئی حصہ آنکھوں کے سامنے نہ آتا رہا ہو۔ ۷۴ء میں ہنگاموں کی سرگذشت بہت مختصر اور جامع الفاظ میں اگر آپ کو پڑھنی ہو تو آپ ان الفاظ میں پڑھ لیجئے۔ جو صحیح مسلم میں موجود ہیں "ایک زمانہ آئے گا جس میں ایسی جنگ ہو گی کہ قاتل کو یہ بحث نہ ہو گی کہ وہ کیوں قتل کر رہا ہے اور مقتول کو یہ علم نہ ہو گا کہ وہ کس جرم میں قتل کیا جا رہا ہے۔ ہم نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ان ہنگاموں میں قتل کا یہی نقشہ تھا کہ ایک انسان دوسرے انسان اور ایک جماعت دوسری جماعت کے قتل کے در پے تھی اور کسی کو اس تحقیق کی ضرورت نہیں تھی کہ یہ اس کا موافق ہے یا مخالف، قتل کرنے والا کس گناہ میں دوسرے کو قتل کر رہا ہے اور مقتول کیوں مفت مارا جا رہا ہے؟۔

خلاصہ یہ کہ آپ ﷺ کی پیشگوئیوں کو صرف گزشتہ زمانہ میں ختم کر دینا اور مستقبل میں پوری ہونے والی پیشگوئیوں کا قبل از وقت انتظار کر کر کے تھک جانا اور ان کے انکار پر آمادہ ہو جانا در حقیقت یہ آپ ﷺ کی عموم بعثت کا انکار ہے کیونکہ اگر آپ ﷺ کی

بعثت قیامت تک کے لئے ہے تو پھر اس کی صداقت کے نشانات بھی دنیا کے ہر دور کے انسان کے سامنے آنے چاہئیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے یہ نہیں فرمایا کہ آپ کی پیشگوئیاں آپ ہی کی حیات طیبہ میں پوری ہوں گی۔ بلکہ بعض یعنی کچھ کا لفظ فرمایا ہے:

"وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْنَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ۰ يونس آيت ٤٦"

"وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۰ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِىْ يَعِدُكُمْ ۰ المؤمن آيت ٢٨"

اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی آپ قبل از وقت انتظار کر کے خود بخود تھک جائیں اور پھر صریح حدیثوں کی ایسی ایسی تاویلیں کرنے کے لئے مجبور ہو جائیں جو دنیائے عالم میں قابل مضحکہ اور سارے دین میں شبہ کا باعث بن جائیں کیونکہ جب دین کے ان واضح الفاظ کی یہ حقیقت ثابت ہو تو پھر کیا اطمینان، کیا جا سکتا ہے کہ ذات و صفات اور حشر و نشر اور جنت و دوزخ کے واضح الفاظ کی صحیح حقیقتیں کیا ہوں گی اور اس طرح پورے کے پورے دین پر کیا اطمینان باقی رہ سکتا ہے ؟۔

قرآن کریم میں نزول کا مسئلہ بھی رفع جسمانی کی طرح صاف طور پر کیوں ذکر میں نہیں آیا

قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے اور مقتول نہ ہونے کا تذکرہ صرف یہود کے اسباب لعنت کے بیان کے ضمن میں آگیا ہے۔ اس ضمن میں قرآن شریف نے یہ نقل کیا ہے کہ یہود واقع کے خلاف ان کے قتل کرنے کے مدعی ہیں اور نصاریٰ گو بہت سی بے تحقیق باتیں بناتے ہیں مگر اجمالاً ان کے رفع کے قائل ہیں۔ اس لئے یہاں قابل توجہ صرف یہی مسئلہ تھا کہ وہ مقتول ہوئے یا نہیں اور اگر مقتول نہیں ہوئے تو آسمان پر اٹھائے گئے یا نہیں۔ رہا ان کے نزول کا مسئلہ تو وہ کسی مقام پر بھی زیر بحث نہیں آیا۔ پھر ہم کو کسی آیت سے ثابت نہیں ہوتا کہ نزول یا عدم نزول کا

مسئلہ کبھی اہل کتاب نے آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا تھا۔ لہذا جب یہ مسئلہ کہیں آپ کے سامنے زیر بحث ہی نہیں آیا اور نہ قرآن کریم ہی کے سامنے یہ مقدمہ پیش ہوا تو اب صراحت کے ساتھ نزول کا لفظ ذکر ہوتا تو کیسے ہوتا۔ ہاں! اگر نزول کا مسئلہ بھی اس وقت کہیں زیر بحث آجاتا تو جس طرح یہاں رفع کا لفظ صراحت کے ساتھ مذکور ہوا تھا۔ نزول کا لفظ بھی یقیناً اسی طرح صراحت کے ساتھ ذکر ہو جاتا لیکن جب یہ مسئلہ کہیں زیر بحث آیا ہی نہیں تو اب قرآن کریم میں صراحۃً لفظ نزول کا مطالبہ کرنا کتنی بڑی بے انصافی ہے اور اگر بالفرض یہ لفظ مذکور ہو بھی جاتا جب بھی حیلہ جو طبیعتوں کو فائدہ کیا تھا؟۔ آخر صحیح سے صحیح حدیثوں میں یہ لفظ بار بار آیا اور آنحضرت ﷺ کی جانب سے قسموں کے ساتھ آیا مگر پھر ان کو کیا فائدہ ہوا؟۔

پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول یعنی آمد ثانی کا مسئلہ خواہ کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو مگر اس وقت وہ زیر بحث ہی نہ تھا ہاں قومی تاریخ کے لحاظ سے جو فرقہ ان کے رفع جسمانی کا قائل تھا وہ ان کی آمد ثانی کا بھی منتظر تھا اور اب تک ہے اور جو ان کے قتل کا مدعی تھا ان کے نزدیک ان کی آمد ثانی محل بحث ہی کیا ہو سکتی تھی۔ پس اگر یہاں قرآنی فیصلہ ان کے رفع کا ہو جاتا ہے تو ان کے نزول کا مسئلہ خود بخود ثابت ہو جاتا ہے اور اگر تحقیق یہ ہو کہ وہ مقتول ہو گئے (والعیاذ باللہ) تو پھر ایک شخص کے دوبارہ آمد کی بحث ہی پیدا نہیں ہو سکتی۔ لہذا اگر قرآن کریم کی کسی آیت میں رفع کے صاف لفظ کی طرح نزول کا لفظ مذکور نہیں تو اس سے مسئلہ نزول کی اہمیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا پھر خاص نزول کا لفظ مذکور ہونا ہی کیوں ضروری ہے؟۔ جبکہ قرآن کریم یہ تصریح کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ابھی وفات نہیں پائی اور قیامت سے پہلے تمام اہل کتاب کو ان پر ایمان لانا باقی ہے اور ظاہر ہے کہ جو شخص زندہ آسمان پر اٹھایا گیا ہے اور ابھی تک اس کو موت نہیں آئی ضرور ہے کہ وہ زمین پر نازل ہو۔ تاکہ اہل کتاب ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ان پر ایمان لے آئیں اور وہ اپنی مقررہ مدت عمر پوری کر کے دنیا کی آنکھوں کے سامنے وفات پا کر مدفون ہوں۔ اسی لئے حضرت ابو ہریرہؓ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی حدیث روایت کر کے فرماتے ہیں کہ اگر اس پیشگوئی کو تم قرآن کریم کے الفاظ میں دیکھنا چاہو تو سورہ نساء کی یہ آیت پڑھ لو: ”وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ

اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ ۰"

آیت بالا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے لئے جو سب سے زیادہ صاف اور واضح لفظ ہو سکتا تھا وہ قبل موتہ کا لفظ ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ جس زندہ شخص کی اب تک وفات ثابت نہیں ہوئی۔ اس کی حیات کے لئے کسی اور دلیل کی ضرورت کیا ہے۔ یہاں جو شخص ان کی موت کا مدعی ہو یہ فرض اس کا ہے کہ وہ ان کی موت ثابت کرے۔ پھر آیت بالا میں خاص اہل کتاب کے ایمان کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل اسلام کو ان پر اس وقت بھی صحیح ایمان حاصل ہے۔ لہذا جن کا ایمان لانا قابل ذکر ہو سکتا تھا وہ صرف اہل کتاب کا ایمان ہے۔ اب اگر فرض کر لو کہ اہل اسلام بھی نصاریٰ کی طرح ان کے سولی پر چڑھنے کو تسلیم کرتے ہوں یا یہود کی طرح ان کے مردہ ہونے کے قائل ہوں تو پھر اہل اسلام کا ایمان بھی ان پر صحیح ایمان نہیں رہتا۔ اہل کتاب اگر اس بارے میں ایک غلطی پر ہیں تو اہل اسلام بھی دوسرے اعتبار سے غلطی میں مبتلا ہیں پھر اس تخصیص کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔ قرآن کریم نے جہاں ان کی موت کی صاف نفی فرما کر یہ بتایا ہے کہ ابھی آئندہ زمانہ میں اہل کتاب کو ان پر ایمان لانا باقی ہے اسی طرح دوسری طرف یہ بھی تصریح کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان پر شہادت دینا باقی ہے۔ ان دونوں باتوں کے لئے ان کی تشریف آوری لازم ہے کیونکہ شہادت شہود سے مشتق ہے۔ لہذا عیسیٰ علیہ السلام جب تک کہ پھر تشریف لا کر ان میں موجود نہ ہوں ان پر گواہی کیسے دے سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے: "وَکُنْتُ عَلَیْہِمْ شَہِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْہِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْہِمْ ۰ المائدہ آیت ۱۱۷" یعنی میں ان پر گواہ تھا جب تک کہ میں ان میں موجود رہا اور جب تو نے مجھ کو اٹھا لیا تو تو ہی ان کا نگران حال تھا۔

آیت بالا سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر دو زمانے گزرے ہیں ان میں سے آپ کی شہادت کا زمانہ صرف وہ ہے جس میں کہ آپ ان کے اندر موجود تھے اور دوسرا زمانہ جس میں کہ آپ ان میں موجود نہ تھے۔ وہ آپ کی شہادت سے خارج ہے۔ پس آئندہ اہل کتاب پر آپ کی شہادت کے لئے دوبارہ آپ کی تشریف آوری ضروری ٹھہری۔

اسی لئے حضرت ابو ہریرہؓ اس آیت کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی دلیل فرماتے ہیں۔ حیرت ہے کہ یہ صحابی جلیل القدر تو نزول کی پیشگوئی کو قرآنی پیشگوئی کہتا ہے ایک بدنصیب جماعت وہ ہے جو اس کو حدیثی پیشگوئی بھی کہنے کو تیار نہیں: "وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَالَهٗ مِنْ نُّوْرٍ۔"

قرآن کریم کے رفع جسمانی اور حدیث کے نزول جسمانی کے اہتمام فرمانے کی حکمت

حجیت حدیث کے مضمون میں ہم یہ بات پوری وضاحت سے لکھ چکے ہیں کہ حدیث و قرآن کے مابین متن و شرح کی سی نسبت ہے۔ آیات قرآنیہ اور تشریحات حدیثیہ پر آپ جتنا غور کرتے چلے جائیں گے۔ یہ حقیقت آپ کو اتنی ہی روشن ہوتی چلی جائے گی۔ اسی لئے آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ جہاں کہیں قرآن کریم کسی مصلحت کے پیش نظر کسی مسئلہ کا ایک پہلو اپنے بیان میں لے لیتا ہے تو فوراً اس کا دوسرا پہلو حدیث لے لیتی ہے اور اس طرح مسئلہ کے دونوں پہلو صاف ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور درحقیقت حدیث کے بیان کہلانے کا منشاء بھی یہی ہے۔ مثلاً جب حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے صف رجال میں ایک تباہ کن فاحشہ کی بنیاد ڈالی تو قرآن کریم نے اس عمل کی حرمت کا تذکرہ بھی صرف رجال یعنی مردوں ہی میں فرمایا اور صنف نساء میں بے وجہ اس عمل کی حرمت پر زور دینا اپنے انداز بلاغت کے خلاف سمجھا۔ ظاہر ہے کہ جب اس ماحول میں اس نوع کا وجود ہی نہ ہو تو پھر اس کا تذکرہ کر کے خواہ مخواہ ذہنوں کو اس طرف متوجہ کیوں کیا جائے لیکن چونکہ شرعی نظر میں ان دونوں عملوں کی حرمت یکساں تھی۔ اس لئے حدیث نے صنف نساء میں اس کی حرمت کا اسی شدومد سے اعلان کیا جس طرح کہ قرآن کریم نے صنف رجال میں اس کی حرمت کا اعلان کیا تھا اور اس طرح دونوں صنفوں کے احکام وضاحت سے ہمارے سامنے آ گئے۔

ہمارے اس بیان سے یہ سوال بھی حل ہو گیا کہ اس عمل کے حرمت کی قرآن کریم میں صنف رجال کی تخصیص اور حدیث میں صنف نساء کی تخصیص کا سبب کیا ہے؟۔ اسی طرح

سماوی عذر کے ایام میں صنف نساء کے ساتھ حدود اعتزال اور اختلاط کا مسئلہ ہے۔ یعنی اس زمانہ میں عورتوں سے کس حد تک الگ رہنا چاہئے اور کہاں تک ان سے اختلاف رکھا جا سکتا ہے۔ یہاں یہود نے تو اجتناب نجاسات کے باب میں اتنا مبالغہ کر رکھا تھا کہ ان ایام میں وہ اپنے گھروں میں بھی داخل نہ ہوتے تھے اور نصاریٰ نے اتنی لا پرواہی اختیار کر لی تھی کہ نجاسات سے اجتناب کرنے کا ان کے ہاں باب ہی ندارد تھا۔ (الجواب الصحیح ج ۱ ص ۲۳۲)

جب اس مسئلہ کے متعلق آنحضرت ﷺ سے سوال ہوا تو چونکہ یہاں قرآن کریم نے اپنے بیان میں اعتزال کا پہلو لے لیا تھا اور یہی ضعف بشری کے مناسب بھی تھا اور صاف فرما دیا تھا کہ: " فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ. البقرہ آیت ۲۲۲ " ان ایام میں عورتوں سے الگ رہو تو اس کے جواب میں آپ نے اپنے قول و عمل سے فوراً حدود اختلاط بیان فرمائیے۔ صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۴۳ میں ہے کہ جب آیت: " فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ. " نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: " اصنعوا کل شئی الا النکاح. " یعنی ان ایام میں ہم بستری کے علاوہ سب کچھ جائز ہے۔ اب اندازہ فرمائیے کہ قرآن کریم نے تو لفظ اعتزال کا فرمایا تھا پھر آپ ﷺ نے اس کی تشریح میں حدود اختلاط کیوں بیان فرمائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حدود اعتزال اس وقت تک معین ہی نہیں ہو سکتی تھیں جب تک کہ حدود اختلاط بیان میں نہ آجائیں: " وبضدھا تتبین الاشیاء. " لہٰذا یہاں وہ حدیثیں جو ان ایام میں امہات المومنین کے ساتھ آپ کے اختلاط کے متعلق روایت کی گئی ہیں۔ اسی روشنی میں پڑھنی چاہئیں تاکہ یہ بات پورے طور پر حل ہو جائے کہ ان میں آپ نے اس تاکید کے ساتھ اس کی عملی وضاحت کی کیا ضرورت سمجھی تھی۔ غرض جہاں بھی قرآن کریم نے مسئلہ کے عموم کے باوجود کسی وقتی مصلحت سے اس کا ایک پہلو بیان میں لے لیا ہے وہاں اس کا دوسرا پہلو فوراً حدیث نے لے لیا ہے اور در حقیقت حدیث کے بیان ہونے کا یہی منشاء بھی ہے۔ اسی مقام سے حدیث کی اہمیت اور اس کی ضرورت کا اندازہ کر لینا چاہئے۔

اس مقدمہ کے ذہن نشین کر لینے کے بعد جب آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس معاملہ پر غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ جب قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ

السلام کے رفع کا مسئلہ وضاحت سے آچکا تھا تو یہاں حدیث کا فرض بھی ہونا چاہئے کہ وہ اسی ضابطہ کے ماتحت رفع کے بعد نزول کا مسئلہ جو اس کا دوسرا پہلو ہے پورے طور پر روشن کر دے۔ اسی لئے نزول کا دوسرا پہلو حدیثوں میں اتنی تفصیل و تاکید سے قسمیں کھا کھا کر بیان کیا اور اس کو مختلف صحابہؓ اور مختلف مجلسوں میں پیرایہ بہ پیرایہ اتنا واضح فرما دیا کہ ایک طرف تو عیسیٰ علیہ السلام کے نزول میں کسی شبہ کا محل باقی نہیں رہا۔ دوسری طرف قرآن کریم کے لفظ رفع کی ایسی تشریح ہو گئی کہ اب اس میں ادنیٰ سا ابہام بھی باقی نہ رہا۔ اب آپ قرآنی لفظ رفع اور حدیث کے لفظ نزول کو جتنا ملا ملا کر پڑھیں گے اتنا ہی ان کے رفع جسمانی اور نزول جسمانی کا مسئلہ آپ کے سامنے کھلتا چلا جائے گا۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ جو شخص جسم کے ساتھ اترے گا وہ یقیناً جسم ہی کے ساتھ اٹھایا گیا ہے اور جو جسم کے ساتھ اٹھایا گیا ہے۔ اس کو یقیناً دوبارہ اپنے جسم ہی کے ساتھ اترنا چاہئے۔

اب یہ عقیدہ بھی حل ہو گیا کہ حدیثوں میں جس کثرت کے ساتھ نزول کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس کثرت کے ساتھ رفع جسمانی کا تذکرہ کیوں نہیں ملتا اور اسی طرح قرآن کریم میں جس صراحت کے ساتھ رفع جسمانی کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس صراحت کے ساتھ نزول کا تذکرہ کیوں نہیں ملتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب قرآن کریم ان کے رفع کی تصریح فرما چکا تھا تو اب حدیث کی نظر میں یہ مسئلہ تو ایک طے شدہ مسئلہ تھا۔ اس کے تکرار کی ضرورت کیا تھی۔ اس لئے حدیثوں میں اس کے دوسرے پہلو پر یعنی نزول پر زور دیا گیا اور اسی پہلو پر زور دینا مناسب بھی تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جتنی تفصیلات ثابت ہو چکی ہیں کیا اس کے بعد بھی یہاں تاویل کرنا معقول ہے ؟!!!

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا مسئلہ ہر ممکن تشریح کے ساتھ معرض بیان میں آچکا ہے۔ یعنی آپ کا اسم مبارک آپ کا نام و نسب اور اس خاص نسب نامہ کی خصوصیت یعنی صرف ماں سے آپ کی پیدائش آپ کا حلیہ مبارک۔ اس شہر کا نام جہاں آپ کا نزول ہو گا

اور پھر خاص اس جگہ کا نام بھی جہاں آپ کا نزول ہو گا۔ نزول کا وقت اور اس وقت آپ کا مکمل نقشہ۔ نزول کے بعد پہلی نماز میں آپ کا امام یا مقتدی ہونا۔ آپ کا منصب۔ آپ کی خدمات مفوضہ۔ آپ کی مدت قیام۔ آپ کے دور کی محیر العقول فراوانی اور عدل و انصاف۔ آپ کی زندگی کے اہم کارنامے' آپ کی شادی کرنا اور اولاد ہونا حتی کہ آپ کا وفات پانا اور آپ کے مدفن کی مکمل تحقیق۔ اب انصاف سے فرمایئے کہ اس مسئلہ کے سمجھنے کے لئے آپ کو اور کن تفصیلات کا انتظار ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کسی واقعہ کی تعیین و تشریح کے لئے اس سے زیادہ آخر اور کیا طریق اختیار کیا جائے۔ آج دنیوی مقدمات میں صرف مدعی اور مدعی علیہ اور ان کے باپ دادوں کے نام ان کی تعیین کے لئے کافی سمجھے جاتے ہیں اور آئندہ مقدمہ کی تمام کارروائی اسی معین شدہ شخص سے متعلق سمجھی جاتی ہے اسی طرح خطوط' بیمے۔ منی آرڈر اور رجسٹریاں وغیرہ صرف شہر اور اس شخص کے نام لکھ دینے سے اس کو تقسیم کر دی جاتی ہیں۔ حیرت ہے کہ جب دنیا کے ہر چھوٹے بڑے شعبہ میں معمولی درجہ کی تعیین کافی سمجھی جاتی ہے تو پھر عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں اتنی مفصل تاریخ کیوں ناکافی ہے؟۔ اچھا فرض کر لیجئے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا مسئلہ آپ خود اپنی عبارت میں ادا کرنا چاہیں تو آخر آپ وہ اور کس طرح ادا کریں گے کہ اس کے بعد اس میں کوئی ابہام باقی نہ رہے۔ اگر درحقیقت اس پیشگوئی کا مصداق رسول اسرائیل کی بجائے خود اسی امت کا کوئی فرد ہو جو اسی امت میں پیدا ہونے والا ہو جس کا نہ یہ نام ہو' نہ یہ نسب نامہ' نہ یہ حلیہ' نہ یہ جائے نزول' نہ یہ منصب اور نہ یہ کارنامے تو کیا اس بیان کو ایسے شخص کے حق میں ایک گمراہ کن بیان نہ کہا جائے گا۔ کیا آج کسی شخص کی پیدائش کا معمولی مسئلہ کوئی ادنیٰ زبان داں شخص بیان کرنے کا ارادہ کرے تو وہ اسی طرح اس کو مجاز و استعارہ کی بھول بھلیاں میں ادا کرے گا۔ چہ جائیکہ ایک رسول اور رسول بھی جو افصح العرب والعجم ہو۔ پس اگر دنیوی معاملات میں بادشاہوں سے لے کر فقراء اور اولیاء سے لے کر رسولوں تک کی پیدائش کے لئے یہ لفظ استعمال نہیں کئے جاتے تو پھر مجاز و استعارہ کی یہ ساری رام کہانی خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیوں گائی جاتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں سب سے زیادہ اہم لفظ رفع کا ہے توفی کا لفظ قرآن کریم کی نظر میں اتنا اہم نہیں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں سورہ آل عمران میں تین لفظ استعمال فرمائے گئے ہیں۔ توفی، رفع الی اللہ اور تطہیر اور سورہ نساء میں جہاں ان کے مقدمہ پر خاص طور پر بحث کی گئی ہے۔ وہاں صرف رفع الی اللہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ان تینوں الفاظ میں تطہیر کا لفظ توفی و رفع کے تابع ہے کیونکہ کفار سے ان کی تطہیر کا مقصد ان سے ان کی علیحدگی تھی اب وہ خواہ کسی صورت سے بھی ہو اس لئے قابل بحث دو ہی لفظ ہیں۔ توفی، رفع الی اللہ ان دو میں سے جس لفظ کو ان کے مقدمہ میں بصیغہ ماضی ذکر کیا گیا ہے۔ وہ صرف لفظ رفع کا ہے جس کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ توفی اور رفع کے دو وعدوں میں سے رفع کا وعدہ تو آنحضرت ﷺ کے دور سے پہلے پہلے پورا ہو چکا تھا اور اسی لئے اس کو بصیغہ ماضی ادا فرمایا گیا ہے اور کسی آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ توفی بمعنے موت کا وعدہ بھی اس وقت پورا ہو چکا تھا۔ اس لئے اس کو بصیغہ ماضی ذکر نہیں فرمایا گیا۔ ہاں! سورہ مائدہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی زبان سے توفی کا لفظ گو بصیغہ ماضی استعمال کیا گیا ہے۔ مگر حسب تصریح قرآن کریم وہ ان کے مقدمہ کے ذیل میں نہیں ہے بلکہ اس سوال کے جواب میں ہے جو محشر میں ان سے ہو گا اور ظاہر ہے کہ قیامت سے قبل ان کی موت واقع ہونا سب کو مسلم ہے لیکن جہاں قرآن کریم نے ان کے مقدمہ پر بحث کی ہے اور ان کے معاملہ کے انکشاف کی طرف توجہ فرمائی ہے۔ وہاں صرف لفظ رفع ہی استعمال فرمایا ہے اور توفی کا لفظ ذکر نہیں فرمایا جیسا کہ سورہ نساء میں ہے: "وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۔ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۔ آیت ۱۵۷" یہ بات یقینی ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا۔ اگر توفی کے معنے موت ہوتے اور ان کی موت واقع ہو چکی ہوتی تو ضروری تھا کہ یہاں: "بل توفاہ الیہ" فرمایا جاتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس معاملہ میں اصل فیصلہ کن لفظ رفع کا ہے اسی لئے مقدمہ کے

فیصلہ میں خاص طور پر اسی لفظ پر زور دیا گیا ہے اور توفی کے لفظ کو اہمیت نہیں دی گئی۔ اس لئے یہاں جنہوں نے لفظ توفی کی لغوی تحقیق پر اپنا وقت خرچ کیا ہے وہ بالکل ضائع کیا ہے کیونکہ توفی خواہ کسی معنی میں بھی مستعمل ہو مگر قرآن کریم نے اپنے فیصلہ میں اس کو کوئی اہمیت نہیں دی کیا یہ امر قابل غور نہیں ہے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کی موت واقع ہو چکی تھی تو آخر ہر مقام پر اس حقیقت کا اخفاء کیوں کیا گیا ہے اور کیوں صاف الفاظ میں یہ نہیں فرما دیا گیا: '' وماقتلوہ یقینا بل مات۔ ''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ پوری تفصیلات کے ساتھ زیر بحث آچکا ہے یہاں ان کے معاملہ میں ایک ایک لفظ پر علیحدہ بحث کرنا معقول نہیں

یہ بات بھی بڑی اہمیت کے ساتھ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ معاملہ قدرے مشترک طور پر ایک قوی تواتر رکھتا ہے کتب سابقہ سے لے کر قرآن کریم اور احادیث نبویہ تک اس کے جزئی جزئی واقعات کی تفصیل آچکی ہے۔ یہاں کتب لغت اٹھا کر صرف نزول یا صرف لفظ رفع یا صرف توفی کے الفاظ پر علیحدہ علیحدہ بحث کرنی صرف ایک بے معنی بحث ہے بلکہ ایک حقیقت کے مسخ کرنے کے مترادف ہے۔ سیدھی بات یہ ہے کہ ان کے بارے میں جتنے تفصیلی واقعات معرض بیان میں آچکے ہیں ان کی روشنی میں ان الفاظ کے معنی متعین کئے جائیں کیونکہ الفاظ صورت واقعہ کے بغیر ایک وسیلہ ہوتے ہیں۔ یہاں واقعہ سے قطع نظر کر کے الفاظ میں مجاز واستعارہ کی بے وجہ بحث کھڑی کر دینی حد درجہ غیر معقول ہے۔ پس کسی لفظ کے معنی حقیقی یا مجازی متعین کرنے کے لئے صرف لغت کی عام بحث شروع کر دینی صحیح طریقہ نہیں بلکہ پہلے اس کے استعمال کا محل اور دوسرے قرائن اور خارجی حالات پر نظر ڈالنی بھی ضروری ہے۔ مثلاً لفظ اسد عربی زبان میں اس کے معنے ''شیر'' ہیں اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ عربی اردو محاورات میں ایک بہادر شخص کو بھی

مجازاً شیر کہہ دیتے ہیں۔ اب کسی سے صرف "ھذا اسدُ" کا جملہ سن کر یہی رٹ لگائے جانا کہ اس جملہ کا مقصد صرف کسی بہادر شخص کی طرف اشارہ کرنا ہے اور اس محاورہ کے لئے دواوین عرب اور شعراء کے کلام سے استدلال کرتے چلے جانا کتنی بڑی غلطی ہے۔ بسااوقات اس کے متکلم کے لئے باعث ہلاکت بھی بن سکتی ہے۔ یہاں اس بحث سے پہلے یہ تحقیق کرنی ضروری ہوگی کہ یہ جملہ کس مقام پر کہا گیا ہے۔ بستی میں ' یا جنگل میں ' کسی عام مجمع میں ' یا کسی بیابان میں سیاق کلام کسی کی مدح و ثناء کا ہے یا خوف وہراس کا ' اب اگر یہ جملہ جنگل میں کسی شخص کی زبان سے نکلتا ہے جس کے سامنے شیر کھڑا ہے۔ اس کی آواز کانپ رہی ہے اور جسم لرز رہا ہے تو اس وقت انصاف فرمایئے کہ لفظ "اسد" کے مجازی معنی یعنی بہادر انسان مراد لینا اور اس کے لئے ہزاروں اشعار پڑھ ڈالنا اور یہی کہے چلے جانا کہ اس شخص کی مراد شیر نہیں بلکہ ایک بہادر انسان کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ کیا ایک صحیح العقل انسان کا کام ہو سکتا ہے؟

اسی طرح عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے زیر بحث معاملہ میں بھی ان تمام تفصیلات کو پیش نظر رکھنا لازم ہے جو صحیح طریقوں سے ثابت ہیں پھر جب اس طرف بھی نظر کی جائے گی کہ قرآن وحدیث میں جو جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ وہ الفاظ کسی دوسرے شخص کے حق میں بیک وقت آج تک استعمال نہیں کئے گئے تو یقیناً یہ ماننا پڑے گا کہ ان کا معاملہ ہی سب سے جداگانہ معاملہ ہے۔ چنانچہ لفظ توفی اور رفع کا علیحدہ علیحدہ استعمال قرآن کریم میں آپ کو بہت جگہ نظر آئے گا لیکن ایک ہی شخصیت کے بارے میں یہ دونوں لفظ ایک ہی سیاق میں کسی دوسری شخصیت کے متعلق آپ کو کہیں نظر نہیں آئیں گے۔ سورہ آل عمران میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں یہ ہر دو لفظ اس طرح سے فرمادیئے گئے ہیں: "یٰعِیسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ۔ آل عمران آیت ۵۵" ان کے علاوہ کسی کے حق میں ان دونوں لفظوں کو جمع نہیں کیا گیا۔ اسی طرح نزول کا لفظ بھی محاورات میں بہت جگہ آپ کی نظروں سے گزرے گا لیکن نزول کے ساتھ رفع اور رفع کے ساتھ نزول ' پھر نزول کی اتنی تفصیلات کسی ایک مقام پر بھی کسی کے حق میں آپ کی نظروں سے نہیں گزریں گی نہ کسی لغت میں ' نہ شعراء کے کلام میں ' نہ کسی آیت میں اور نہ کسی حدیث میں۔ پس جب آپ ان جملہ امور

پر غور کریں گے کہ حدیث و قرآن میں جو الفاظ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں ایک جگہ جمع کر دیئے گئے ہیں۔ وہ کسی بشر کے لئے بیک وقت ایک جگہ جمع نہیں کیئے گئے تو پھر صرف ایک یہی نتیجہ بدیہی ہو کر آپ کے سامنے آجائے گا کہ ان کا معاملہ بھی یقیناً سب سے الگ معاملہ ہے۔ یہاں ایک ایک لفظ کو علیحدہ علیحدہ لے کر بحث کرنا یا اس میں مجاز و استعارہ کی آڑ لینا کتنا بیجا ہے؟ سوال سیدھا یہ ہے کہ جس شخص کے بارے میں قرآن و حدیث میں بیک وقت یہ سب الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور اسی کے ساتھ اس کے یہ تفصیلی سوانح حیات بھی موجود ہیں۔ کیا اس کے بعد بھی ان میں لغوی موشگافیوں اور مجاز و استعارہ کی تاویلات کی گنجائش نکل سکتی ہے؟۔

اسلام صرف علمی مذہب نہیں بلکہ سلف صالحین سے اس کی عملی صورت بھی منقول چلی آتی ہے۔ لہذا محض کتب لغت کی حدود سے اس کی کوئی اور شکل بنالینا درست نہیں

یہ بات بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اسلام صرف ایک علمی مذہب نہیں ہے جس کو صرف دماغی کاوشوں نے پیدا کیا ہو بلکہ وہ ایک مجموعی شکل و صورت کے ساتھ عملاً بھی منقول ہوتا چلا آیا ہے۔ ہمارے دین کا تمام تر تعلق اوپر سے ہے ہم نیچے سے کسی نئے دین تراشنے کے مجاز نہیں۔ اس کے بانی آنحضرت ﷺ تھے آپ سے صحابہؓ نے اس کے شعبہ اعمال اور اس کے بنیادی عقائد بھی سیکھے۔ آپ ﷺ نے ان پر خود بھی ایمان رکھا اور ان ہی پر بعد کی امت کو ایمان رکھنے کی وصیت فرمائی اور پھر کسی درمیانی انقطاع کے بغیر اسی طرح دین سپرد ہوتا رہا ہے۔ ادھر حفاظت الہیہ کا یہ عجیب کرشمہ تھا کہ بحث و تمحیص کا جو مرحلہ تھا وہ سب تبع تابعین کے ماحول ہی میں ختم ہو چکا تھا۔ یہ وہ قرن ہے جس کے متعلق خیریت کی شہادت خود لسان نبوت سے نکل چکی ہے۔ اس لئے جب کسی دین کے مسئلہ پر بحث لی جائے تو اس کو محض دماغی کاوش اور لغت کی مدد سے از سر نو شروع کر دینا ایک بنیادی غلطی

ہے۔ یہاں ریسرچ کے اصول کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ کام خود انبیاء علیہم السلام کا بھی نہیں اس کو قدرت نے براہ راست خود اپنے ہی دست قدرت میں رکھا ہے۔ ان کی بھی مجال نہیں کہ حکم ایزدی کے بغیر وہ ایک نقطہ کا اضافہ یا ایک نقطہ کی ترمیم کر سکیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

”وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیْنَ لَایَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَاائْتِ بِقُرْآنٍ غَیْرِ ھٰذَآ اَوْبَدِّلْہُ قُلْ مَایَکُوْنُ لِیْ اَنْ اُبَدِّلَہٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَایُوْحٰۤی اِلَیَّ۔ یونس آیت ۱۵“

جب ہمارے کھلے کھلے احکام ان لوگوں کو پڑھ کر سنائے جاتے ہیں تو جن لوگوں کو ہماری ملاقات کی امید نہیں وہ تم سے یہ فرمائش کرتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی اور قرآن لاؤ یا کم از کم اسی میں کچھ ردوبدل کر دو ان سے کہہ دو کہ میرا تو ایسا مقدور نہیں کہ اپنی طرف سے اس میں کوئی ردوبدل کر سکوں میں تو اسی پر چلتا ہوں جو میرے پاس وحی آتی ہے۔

اس ترمیم و تبدیل کا انحصار کچھ الفاظ ہی پر نہیں ہے بلکہ اس کے معانی کو بھی شامل ہے اور وہ لفظی ترمیم سے زیادہ شدید ہے۔ یہود بے بہبود نے دونوں قسموں کی تحریفیں کی تھیں۔ تورات کے الفاظ میں بھی اور ان کے معانی میں بھی۔ قرآن کریم چونکہ آخری کتاب تھی اس لئے وہ دونوں قسموں کی تحریفوں سے محفوظ ہے۔ لفظی ترمیم کا تو یہاں کوئی امکان ہی نہیں۔ رہی معنوی ترمیم و تحریف تو امت کے بعض ملحد فرقوں نے گو اس میں یہود کو بھی مات دے دی ہے مگر اس کی معنوی حفاظت کی وجہ سے وہ اصل دین پر کچھ اثر انداز نہیں ہو سکی اور ہر دور میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علیحدہ کیا جاتا رہا ہے۔ پس اگر کوئی شخص آج یہ دعویٰ کرنے لگے کہ نمازیں پانچ نہیں صرف دو ہیں اور اسی کے لئے دماغی تراشیدہ دلائل کا ڈھیر لگا دے تو بالکل بے سود سعی ہے۔ اس کو یہ بھی ثابت کرنا ہو گا کہ امت اوپر سے بھی صرف دو ہی نمازیں پڑھا کرتی تھی۔ بلکہ اس کو یہ بھی بتانا ہو گا کہ پانچ نمازوں کی فرضیت اگر غلط ہے تو پھر اس کی بنیاد کس دن سے قائم ہوئی۔ اسی طرح مسئلہ جنت و دوزخ، فرشتے اور جنات وغیرہا کی حقیقتیں صرف لفظی بحثوں سے نئی نئی بنا کر پیش کرنیں بھی غلط ہیں کیونکہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلقہ آیات پر غور کرنے سے قبل یہاں ان کے مقدمہ کی پوری وہ روئیداد جو قرآن کریم نے نقل فرمائی ہے اور فریقین کے بیانات پیش نظر رکھنا ضروری ہیں

قرآن کریم پر غور کرنے سے قبل یہاں یہ غور کر لینا بھی ضروری ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں جو مسئلہ زیر بحث آیا ہے وہ کیا مسئلہ ہے اور وہ کیوں زیر بحث آیا ہے۔ جب آپ اس طرف توجہ فرمائیں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ سورہ نساء میں جس امر کی اہمیت محسوس کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جو قوم کل تک خدائے تعالیٰ کی نعمتوں کا گہوارہ بنی ہوئی تھی آخر کیوں ایک لخت وہ ان تمام نعمتوں سے محروم کر دی گئی اور کیوں نعمتوں کی بجائے لعنت کا مورود بن گئی۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم نے ان کے ان پے در پے جرائم کا ذکر کیا ہے جو ایک سے ایک بدتر تھے اور جس کی کہ یہ قوم عادی بن چکی تھی جو جرائم ان کے یہاں شمار کئے گئے ہیں۔ ان میں کچھ تو ان کے حیاناک اقوال ہیں اور کچھ زشت افعال' ان کے زشت افعال میں خدا تعالیٰ کے مقدس انبیاء علیہم السلام کا قتل کرنا ہے اور ان کے حیاناک اقوال میں معصومہ حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان طرازی اور ان کے ملکی صفت فرزند مطہر کے متعلق قتل کرنے کا دعویٰ کاذب ہے۔ اب ہم کو دیکھنا یہ ہے کہ یہاں یہود ملعون کا بیان کیا ہے اور پھر ان بیانات ہی کی روشنی میں قرآنی فیصلہ پر غور کرنا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ کتاب اللہ کی حیثیت چونکہ ایک حکم اور فیصل کی ہے اس لئے ہم کو یہ امر خاص طور پر ملحوظ رکھنا چاہئے کہ جس معاملہ کے متعلق قرآن کریم نے فیصلہ فرمایا ہے۔ اس میں فریقین کے بیانات کیا نقل کئے ہیں۔ یہاں کسی ایک حرف کا اپنی جانب سے اضافہ کرنا جو مقدمہ کی جان ہو قرآن پر خیانت یا عجز کا بڑا اتہام ہے' یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ ہر عدالت کے لئے یہ کتنا ضروری ہے کہ وہ فریقین کے بیانات نہایت احتیاط کے ساتھ ضبط کرے اور بالخصوص جو اجزاء کسی فریق کے مقدمہ کی اصلی روح ہوں۔ ان کو پورے طور

یہ الفاظ جس طرح اوپر سے منقول ہوتے چلے آئے ہیں اسی طرح ان کے معانی بھی اوپر ہی سے مفہوم اور معلوم ہوتے چلے آئے ہیں اسی طرح ختم نبوت اور نزول مسیح علیہ السلام کے الفاظ کا حال ہے۔ یہ بھی امت میں ہمیشہ سے مستعمل ہوتے چلے آئے ہیں اور ہر دور میں اس کے صرف یہی ایک معنی سمجھے گئے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد اب کوئی نبی نہیں بنے گا اور اسی کے ساتھ یہ بھی منقول ہوتا چلا آیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ آنے والے ہیں اب ذرا اس پر غور فرمایئے کہ ایک طرف نبی کی آمد کی ممانعت بھی منقول ہے اور اسی کے ساتھ اسرائیلی رسول کی آمد بھی منقول ہے۔ اب اگر کوئی صرف اپنی دماغی کاوش سے یہ کہنے بیٹھ جائے کہ جب آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں تو عیسیٰ علیہ السلام بھی نہیں یا اگر عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے تو اور نبی بھی آئیں گے تو اس کا حاصل صرف اپنی دماغ کاوش سے ایک علمی دین بنانا ہوگا اس کو منقول شدہ دین نہیں کہا جاسکتا اور اگر فرض کر لو کہ ہمارا کہنا صحیح نہیں تو پھر آپ کو کسی تاریخ سے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ فلاں تاریخ سے اس غلط عقیدہ کی بنیاد قائم ہوئی ہے مگر یہاں اسلامی تاریخ تو درکنار اگر اس بارے میں دوسرے اہل مذاہب سے آپ اس امت کا عقیدہ پوچھیں تو وہ بھی کسی تردد کے بغیر آپ کو یہی بتائیں گے کہ ان کے نزدیک کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔ ہاں! وہی عیسیٰ علیہ السلام اسرائیلی رسول آئیں گے۔ اس وقت یہ بحث نہیں ہے کہ یہ عقیدہ خلاف قیاس ہے یا نہیں اور نزول کے اور خاتم کے لغت میں معنی کیا ہیں اور ختم نبوت اور نزول میں حروف تطبیق کیا ہے۔ بلکہ بحث صرف یہ ہے کہ امت میں ان الفاظ کے معنی کیا سمجھے جاتے رہے ہیں تو آپ صرف اسی ایک مذکورہ بالا نتیجہ پر پہنچیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ تفسیروں میں اور شروح حدیث میں کتب عقائد میں اور دین کے تمام معتبر لٹریچر میں اسی حقیقت کو دھرایا گیا ہے اور اسی حقیقت کے ماتحت ہر مدعی نبوت اور ہر مدعی مسیحیت کی تکفیر و تردید کی گئی ہے۔ لہذا یہاں صرف مجاز و استعارہ یا نا تمام نقول یا مبہم یا محرف الفاظ سے کوئی ایسی حقیقت تراش لینی جو آج تک امت کے بیان کردہ حقیقت کے برعکس ہو دین محمدی کہلانے کے قابل نہیں اس کو نیا دین کہنا چاہیے۔

پر واضح کردے آج بھی اگر کوئی عدالت فریقین کے بیانات قلم بند کرنے میں ایسی تقصیر کر جائے تو اس کے حق میں یہ کتنا بڑا سنگین جرم شمار ہوتا ہے۔ پس ہمارے نزدیک جو بات یہاں صورت واقعہ کو آسانی سے حل کر سکتی ہے وہ یہ ہے کہ پہلے ہم فریقین کے بیانات کو حاشیہ آرائی کے بغیر دیکھیں۔ اس کے بعد کسی تاویل کے بغیر قرآنی فیصلہ کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اس قاعدہ کے موافق جب ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ سامنے رکھتے ہیں تو جو بیان ہم کو یہاں یہود کا ملتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ ہم نے ان کو قتل کر ڈالا ہے۔ رہا یہ کہ کس غرض سے ان کا قتل کیا ہے اور کس آلہ سے قتل کیا ہے۔ اس کو انہوں نے نہ یہاں بیان کیا ہے اور نہ یہ باتیں ان کے نزدیک کچھ اہم معلوم ہوتی ہیں جس بات پر انہوں نے اپنے بیان دعویٰ میں زور دیا ہے وہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات کی تشخیص و تعیین ہے۔ دوم ان کے قتل کرنے کا پورا جزم و یقین ہے اسی لئے مقتول کے صرف نام یا لقب ہی پر انہوں نے کفایت نہیں کی بلکہ خاص طور پر ان کی خاص مادری نسبت کا بھی ذکر کیا ہے، یعنی والد کے بغیر پیدائش اور اس سے بھی زیادہ یہ کہا ہے کہ یہ شخص وہی ہے جو "رسول اللہ" کہلاتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی جس جرأت کا بیباکانہ ذکر کیا ہے وہ قتل کا جرم ہے۔ چنانچہ اس کو بھی انہوں نے لفظ "اَنَّ" سے ذکر کیا ہے جو عربی زبان میں جزم و یقین کے لئے مستعمل ہے تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ ان کو نہ تو اپنے فعل قتل میں کوئی شبہ ہے اور نہ اس مقتول کی ذات میں کوئی شبہ ہے جس کے قتل کا ان کو دعویٰ تھا اس سے زیادہ کوئی اور بات یہاں نقل نہیں کی گئی۔ اس لئے قرآنی فیصلہ بھی ہم کو صرف اسی بیان کی روشنی میں دیکھنا چاہئے۔

نصاریٰ کے متعلق یہاں قرآن کریم نے صرف اتنا ہی کہا ہے کہ وہ یقینی طور پر کوئی بات نہیں کہتے مختلف باتیں بناتے ہیں اور چند وجوہات کی بناء پر حقیقت کا ان کو کچھ پتہ ہی نہیں ہے اس لئے صرف اٹکل کے تیر چلانے کے سوا ان کے لئے چارہ کار ہی کیا ہے۔ ہاں! اجمالی طور پر ان کا یہ خیال ضرور تھا کہ وہ اپنے جسم ناسوتی یا لاہوتی کے ساتھ آسمانوں پر اٹھائے گئے۔ اب ظاہر بات ہے کہ قرآنی الفاظ کے مطابق جو بات یہاں متنازع فیہ نظر آتی ہے۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صرف زندہ شخصیت ہے یہود کہتے تھے کہ ہم نے ان کو قتل کر ڈالا

ہے اور نصاریٰ اس خیال میں تھے کہ وہ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں۔ ان کی روح کے متعلق نہ یہاں کوئی تذکرہ ہے اور نہ روح کا تذکرہ معرض بحث میں لایا جا سکتا ہے کیونکہ روح کا معاملہ ایک غیبی معاملہ ہے وہ انسان کے ادراک سے بالاتر بات ہے۔ اس پر نہ یہود کوئی حجت قائم کر سکتے ہیں اور نہ قرآنی بیان کو وہ تسلیم کرتے ہیں۔ اس لئے حسب تصریح قرآن کریم ان کے دعویٰ ہی میں روح زیر بحث نہ تھی تو فیصلہ میں اس کا ذکر کیسے آ سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ قتل کا فعل جسم پر وارد ہوتا ہے روح پر وارد نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ان کے مقابلہ میں جب قرآنی فیصلہ یہ ہو کہ وہ مقتول نہیں ہوئے بلکہ مرفوع ہوئے ہیں تو یہاں رفع سے جسم ہی کا رفع مراد ہوگا نہ کہ روح کا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے اور ان کے عزت سے مر جانے کی جدید داستان

یہاں ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھا دیا تھا۔ ان کے سر پر کانٹوں کا تاج بھی رکھا' منہ پر تھوکا بھی اور جو کچھ نہ کرنا تھا وہ سب کچھ بھی کر لیا تھا۔ (والعیاذ باللہ) حتیٰ کہ جب ان کو پورا یقین ہو گیا کہ انہوں نے ان کو درحقیقت مار ڈالا ہے تو ان کو سولی سے اتارا مگر ان میں زندگی کی کوئی رمق باقی تھی آخر وہ چھپ کر کشمیر یا دنیا کے کسی اور غیر معروف شہر میں آکر اپنی موت سے مر گئے تھے۔ اس جماعت کے نزدیک یہود کا یہ گمان تھا کہ جو شخص بھی صلیب کے ذریعہ مارا جاتا ہے وہ لعنتی موت مرتا ہے۔ اس لئے وہ چاہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رسول ہونے کی بجائے ان کا ملعون ہونا ثابت کریں۔ اس لئے ان کے نزدیک یہ ازبس ضروری تھا کہ ان کی موت صلیبی موت ہو تاکہ وہ ان کے لعنتی ہونے کا ثبوت بن سکے۔ اس جماعت کو یہود کے یہ سب جرائم مسلم ہیں یعنی ان کا سولی دینا اور تمام اہانت کے اسباب کا ارتکاب کرنا حتیٰ کہ ان کو اس نوبت میں پہنچا دینا ان کے حق میں زندگی کا کوئی امکان بھی باقی نہ رہے اور یہاں قرآنی تردید کا حاصل صرف یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں گو اسباب موت

سب پورے ہو چکے تھے مگر ان میں کچھ جان باقی رہ گئی تھی۔ اس لئے وہ صلیبی موت سے نہیں مرے بلکہ کہیں جاکر خود اپنی موت سے مرے ہیں۔ اس لئے ان کی موت لعنتی موت نہیں ہوئی بلکہ ان کو بڑی عزت کی موت نصیب ہوئی ہے۔ اور ان کے بڑے درجے بلند ہوئے ان کے نزدیک: " بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ۔ " کی تفسیر یہی ہے۔

اب اگر واقعہ در حقیقت یہی تھا جو اس جماعت کا خیال ہے تو یہاں حسب ذیل امور قابل غور ہیں:

(الف)........ اگر در حقیقت یہود کا دعویٰ یہاں ان کی صلیبی موت کا تھا تو پھر کیا وجہ ہے کہ قرآن نے ان کے بیان میں صلیب کا دعویٰ نقل نہیں کیا اور کیوں قتل کا ایک عام لفظ نقل کیا ہے۔

(ب)........ اور کیا وجہ ہے کہ جبکہ ان کا تمام زور صلیبی موت کے متعلق تھا تو تردید میں صرف نفی قتل پر زور دیا گیا ہے اور کیوں ایک ایسے غیر متعلق جرم کی نفی پر زور دیا گیا ہے جس کی نفی سے ان کے دعویٰ کی تردید کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ یعنی فعل قتل، ظاہر ہے کہ یہ ایک عام جرم ہے جو صلیب اور غیر صلیب ہر آلہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ قتل کی نفی پر تو زور نہ دینا اور ایک عام جرم کی نفی پر زور دینا یہ کہاں تک مناسب ہے۔

(ج)........ پھر یہ کتنی عجیب بات ہے کہ قرآن کریم نے اگر ایک بار صلیب کا انکار بھی کیا تو وہ بھی ایسے محل پر کیا ہے جو اس کا صحیح محل نہ تھا۔ یعنی جب قرآن کریم ان کی لعنتی موت تسلیم نہیں کرتا بلکہ اس کی بجائے ان کی موت کو عزت کی موت قرار دیتا ہے تو پھر بلاغت کا تقاضا یہ ہے کہ ان دونوں باتوں کو مقابل بنا کر ذکر کرنا چاہئے تھا اور یوں کہنا تھا کہ: " وما صلبوه يقينا بل رفعه الله اليه. " مگر کتنی حیرت کی بات ہے کہ یہاں بھی قرآن کریم نے خاص صلیب کی بجائے صرف ایک عام فعل قتل کی نفی فرمائی ہے اور یوں فرمایا ہے کہ: " وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا. بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ. "

(د)........ اس تفسیر کی بناء پر یہ غور کرنا بھی ضروری ہے کہ جو چیز موقعہ واردات پر واقع ہوئی وہ یہ تھی کہ وہ کشمیر یا اور کسی طرف چلے گئے تھے۔ رہا ان کی موت کا مسئلہ

تو اگر ان کی موت کہیں جا کر واقع ہوئی تو یہ سالوں یا مدتوں بعد کا معاملہ ہے۔ پس جو بات یہاں صورت حال بتانے کے لئے ضروری تھی اس کو کیوں حذف کر دیا گیا ہے اور صاف طور پر یہ کیوں نہیں فرما دیا گیا کہ یہود نے ان کو سولی نہیں دی بلکہ وہ زندہ کشمیر وغیرہ کہیں چلے گئے تھے تاکہ یہ بات واضح ہو جاتی کہ صلیبی موت سے بچنے کی ان کی شکل کیا ہوئی۔ پس اصل حقیقت کا تو اخفاء کرنا اور موت کی ایک عام سنت کا بیان کرنا یہ کس درجہ بے محل اور غیر متعلق بات ہے۔

(۵)......... اس سے بڑھ کر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اصل بات ان کی طبعی موت تھی تو یہاں : " بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ. " کی جائے : " بل توفاه الله " کہنا زیادہ مناسب تھا تاکہ ثابت ہو جاتا کہ وہ صلیبی موت سے نہیں مرے بلکہ طبعی موت سے مرے ہیں اور جب اپنی طبعی موت سے مرے ہیں تو رفع درجات کا مسئلہ خود بخود ثابت ہو جاتا ہے۔ بس اگر صورت حال کا انکشاف ہوتا ہے تو وہ اسی صورت سے ہوتا ہے کہ یہاں ان کی طبعی موت کا ذکر کیا جائے۔

لیکن آیت بالا میں یہاں ان تینوں الفاظ میں سے کوئی لفظ نہیں ہے :

(۱)......نہ......یہ : "وما صلبوه يقينا بل رفعه الله اليه "

(۲)......نہ......یہ : "وما قتلوه يقينا بل اذهبه الله الى الكشمير"

(۳)......نہ......یہ : " وما قتلوه يقينا بل توفاه الله"

اب اگر ہم اس جماعت کے خیالات کو صحیح تسلیم کرتے ہیں تو ہم کو یہ اقرار کرنا پڑے گا کہ سرے سے یہود کا اصل دعویٰ ہی یہاں مذکور نہیں یعنی خاص صلیب دینا۔ کیونکہ ان کے بیان کے مطابق ان کی لعنتی موت ہونا اسی وقت ثابت ہو سکتا ہے۔ جبکہ یہ ثابت ہو جائے کہ ان کی موت صلیب کے ذریعہ واقع ہوئی ہے۔ اس لئے یہاں ان کے دعوے میں قتل کے عام جرم کا نقل کرنا مدعیین کے دعویٰ کے بھی اور ان کے مقاصد کے بھی بالکل خلاف ہیں۔ اسی طرح جب ہم قرآن کریم کے فیصلہ پر نظر کرتے ہیں تو یہاں بھی واقعہ کی اصل صورت بالکل مبہم نظر آتی اور صورت حال کا کچھ انکشاف نہیں ہوتا کیونکہ نہ یہاں ان

کے کشمیر جانے کا ذکر ہے نہ ان کے طبعی وفات پانے کا کوئی تذکرہ ہے۔ اس لئے اس کا کوئی انکشاف نہیں ہوتا کہ ملزمین جس کے قتل کے اس شدومد کے ساتھ مدعی تھے۔ اگر وہ شخص مقتول نہیں ہوا تو آخر پھر کدھر گیا۔ ظاہر ہے کہ ایسے شخص کے متعلق جو نہ صرف ان کے زیر حراست آچکا تھا بلکہ ان کی آنکھوں کے سامنے مر بھی چکا تھا صرف یہ کہہ دینا کہ وہ سولی پر نہیں مرا تھا بلکہ عزت کی موت مرا تھا کیا تشفی بخش تھا۔

ہاں! اگر یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ ہم نے اس کو فلاں مقام پر بھیج دیا تھا اور اسی کے ساتھ یہ بھی واضح کر دیا جاتا کہ مدعیین کے لئے اس مغالطہ لگنے کا باعث کیا تھا تو بے شک صورت حال پر روشنی پڑ سکتی تھی لیکن صرف یہ کہہ دینا کہ ان کی عزت کی موت واقع ہوئی ہے بے معنی فیصلہ ہے اور بالکل بعید از قیاس بھی ہے کیونکہ جو لوگ ان کے قتل کے مدعی تھے وہ یہود تھے اور اس بارے میں ان کو اتنا یقین تھا کہ اپنے بیان میں اس کے متعلق تاکید اور یقین کے جتنے طریقے وہ استعمال کر سکتے تھے سب استعمال کر چکے تھے۔ اب اگر قرآن کریم یہ تسلیم کر لیتا ہے کہ تم نے ان کو سولی پر چڑھا دیا تھا مگر جب وہ سولی سے مردہ سمجھ کر اتارے گئے تھے تو وہ پورے طور سے نہیں مرے تھے۔ اگرچہ تم کو مردہ معلوم ہوتے تھے پھر بعد میں ان کو کسی غیر جگہ لے جا کر خود ہم نے ان کو موت دی تھی یہ بیان جتنا خلاف قیاس ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے خاص کر جب کہ ان کی موت تسلیم کر لی جائے جو لوگ یقینی اسباب قتل کا ارتکاب کر چکے تھے ان سے یہ کہنا کہ وہ ان اسباب سے نہیں مرے بالکل اتنی ہی مضحکہ خیز بات ہوگی جیسے کوئی قاتل اپنی صفائی کے بیان میں یہ کہے کہ مقتول کے پیٹ میں چھرا تو میں نے ہی گھونپا تھا مگر مقتول اس کی وجہ سے نہیں مرا بلکہ وہ اپنی طبعی موت سے مرا ہے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ قاتل کے یقینی آلہ قتل کے استعمال کرنے کے بعد ان حالات میں جبکہ موت کا ظاہری سبب وہی ہو۔ کوئی عدالت اس کے اس عذر کو معقول نہیں سمجھے گی بلکہ اس کی سماعت مقتول کے حق میں ایک ظلم تصور کرے گی پھر یہاں سولی کا جرم تسلیم کر لینے کے بعد اور وہ بھی اس حد تک کہ ملزمین کے نزدیک اس کی موت یقینی ہو چکی ہو خالق کائنات کا یہ فیصلہ دینا کہ وہ تمہارے مارنے سے نہیں مرے بلکہ ہمارے مارنے سے مرے ہیں ان کے مقابلہ میں کیا اثر

انداز ہو سکتا ہے۔ بالخصوص جبکہ اس بعید از قیاس دعوے کے لئے کوئی قرینہ بھی یہاں ذکر نہیں کیا گیا۔ دوسرے لفظوں میں اگر اس فیصلہ کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہی نکلے گا کہ اپنے دشمن کی ہلاکت جو ہر شخص کا مقصد ہوتا ہے یہاں اس کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ہاتھوں سے پورا کر دیا تھا دشمنوں کے مقابلہ میں 'اب یہ بحث کھڑی کرنی کہ ان کی یہ موت بڑی عزت کی موت تھی ہمارے نزدیک زخموں پر نمک پاشی سے کم نہیں۔

یہ بات بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے کہ حسب بیان قرآن کریم یہود کے جرم کی جو نوعیت عیسیٰ علیہ اسلام کے معاملہ میں تھی وہی نوعیت دوسرے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی تھی۔ یعنی قتل' دونوں مقامات پر قرآن کریم نے ایک ہی لفظ قتل کو استعمال فرمایا ہے۔ فرق ہے تو صرف یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام کے قتل ہونے کو اس نے تسلیم نہیں کیا اور دیگر انبیا علیہم السلام کے حق میں تسلیم کر لیا ہے تو اب سوال یہ ہے کہ جب یہاں مدعین بھی ایک ہی قوم تھی اور دعویٰ بھی ایک تھا تو پھر صرف ایک عیسیٰ علیہ اسلام کی خصوصیت کیا تھی کہ ان کے حق میں ان کے رفع روحانی یا عزت کی موت کی تصریح ضروری سمجھی گئی ہے اور دیگر انبیا علیہم السلام کے حق میں ان کی موت کے متعلق ایک کلمہ تک نہیں فرمایا گیا۔ حالانکہ یہود کا مقصد ان کے قتل کرنے سے بھی اس کے سوا اور کیا تھا کہ ان کے نزدیک یہ سب مقدس گروہ بھی لعنتی تھا۔ والعیاذ باللہ!

کیا اس سکوت کا مطلب یہ نہیں نکلتا کہ ان کے معاملہ میں رفع روحانی یا رفع درجات تسلیم نہیں کیا گیا۔ والعیاذ باللہ! حقیقت یہ ہے کہ روح کے رفع یا عدم رفع کا مسئلہ نہ یہاں زیر بحث تھا اور نہ یہ مسئلہ کسی کے حق میں خواہ عیسیٰ علیہ السلام ہوں یا دیگر انبیاء علیہم السلام زیر بحث آنے کے قابل ہے۔

پھر اگر یہاں رفع سے رفع روحانی مراد ہوتا تو کیا اس کے لئے صرف: ”بل رفعه الله“ کا لفظ کافی نہ تھا۔ یہاں لفظ الیہ کا بے ضرورت کیوں اضافہ کیا گیا ہے؟۔

صلیبی موت کا لعنتی ہونا اور اس کے مقابلہ میں عزت کی موت کا افسانہ اسلام میں بالکل بے اصل بلکہ غیر معقول ہے

رفع روحانی اور عزت کی موت کا یہ سارا افسانہ اس پر مبنی ہے کہ صلیبی موت کے لعنتی موت ہونے کی شریعت کی نظر میں کوئی اصلیت بھی ہو لیکن اگر یہ تخیل ہی بے بنیاد ہے تو پھر نہ قرآن کریم کی نظر میں اس کی کوئی اہمیت ہو سکتی ہے اور نہ کسی غلط بنیاد پر وہ اپنے صحیح فیصلہ کو مبنی کر سکتا ہے۔ جب اس پر نظر کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ لعنتی موت کا اسلام میں کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ یہاں کفار جتنے ہیں وہ سب کے سب ملعون ہیں۔ خواہ زندہ ہوں یا مردہ۔ سولی پا کر مریں یا گولی کھا کر۔ آخر جب ملعون قرار دیئے گئے تو کیا یہ لعنت ان کے دم کے ساتھ ساتھ نہ رہی۔ یقیناً حیات سے لے کر موت اور موت سے لے کر قیامت اور قیامت سے جہنم تک ان کے دم کے ساتھ لگی رہے گی۔ جملہ ادیان سماویہ میں موت کے اچھے اور برے ہونے کا تعلق انسانوں کے اعمال پر رکھا گیا ہے نہ کہ کسی خاص آلہ قتل پر اور یہی بات معقول بھی ہے یہ بات بالکل غیر معقول ہے کہ ایک پاکباز انسان اگر سولی پر مارا جائے تو وہ صرف اس خاص آلہ قتل کی وجہ سے لعنتی بن جائے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے دیگر انبیاء علیہم السلام کے متعلق یہود کے جرم قتل کا اعتراف کر لینے کے باوجود ان کی عزت کی موت ہونے کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی اور نہ اس بدیہی بات کی طرف توجہ کی ضرورت تھی بلکہ جس بات کی اہمیت محسوس فرمائی۔ وہ یہ ہے کہ یہ وہ مقدس جماعت ہے جس کے قتل کا وبال یہ ہے کہ جو جماعت کل تک نعمت کا گہوارہ بنی ہوئی تھی۔ اب وہ مورد لعنت بن گئی ہے۔ تعجب ہے کہ یہاں سیاق کلام تو یہود کے ملعون ہونے کے اسباب بیان کرنے کا تھا اور اس میں بے بنیاد اور الٹا عیسیٰ علیہ السلام کے ملعون ہونے نہ ہونے کی بحث کھڑی کر دی گئی۔

رفع کا لفظ قرآن کریم میں ایک جگہ بھی لعنتی موت کی تردید کے لئے مستعمل نہیں

بحث کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ لفظ رفع کے معنے پر بھی غور کر لینا چاہئے کیا یہ لفظ عرف قرآنی میں کہیں عزت کی موت کے لئے استعمال ہوا ہے؟۔ جہاں تک ہم نے قرآن کریم اور کتب لغت پر نظر کی ہے ہم کو اس لفظ کے معنی کہیں لعنتی موت کے بالمقابل عزت کی موت دینے کے ثابت نہیں ہوئے بلکہ اس لفظ کا استعمال غیر ذی روح میں بھی ہوتا ہے۔ جہاں موت کا احتمال ہی نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے: " رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ۔ "

رفع کے معنی قرآن و لغت میں

یہاں لفظ "رفع" آسمانوں کے متعلق استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح اس کا استعمال زندوں اور مردوں میں یکساں نظر آتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ موت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اب آیات ذیل پر نظر فرمائیے!

(۱)............: "وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ۔ الزخرف آیت ٣٢"

(۲)............: " يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ۔ المجادلہ آیت ١١"

(۳)............: "وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ۔ الاعراف آیت ١٧٦ "

(۴)............: "وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۔ مریم آیت ٥٧"

(۵)............: "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۔ الانشراح آیت ٤"

(۶)............: " وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ ۔ یوسف آیت ١٠٠"

ان تمام آیتوں میں رفع کا لفظ انسانوں ہی میں استعمال ہوا ہے مگر کسی ایک جگہ بھی

اس کے معنی عزت کی موت کے مراد نہیں ہیں بلکہ مردوں میں اس کا استعمال ہی نہیں ہوا۔ یہاں ایک بڑا مغالطہ یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے رفع جسمانی کا مسئلہ گویا صرف لفظ رفع سے پیدا ہو گیا ہے اور اس لئے ہم سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ رفع کا لفظ رفع جسمانی کے لئے کہیں آیا ہے یا نہیں۔ درحقیقت یہ بحث کا رخ پلٹنے کے لئے صرف ایک چال ہے۔ اصل سوال یہ تھا کہ یہ لفظ عزت کی موت کے لئے کہیں استعمال ہوا ہے یا نہیں اور چونکہ یہ معنی کہیں ثابت نہیں۔ اس لئے بحث کا رخ بدلنے کے لئے ذہنوں کو ایک دوسرے سوال کی طرف متوجہ کر دیا گیا ہے تاکہ اصل سوال کی طرف کسی کا ذہن متوجہ ہی نہ ہو سکے۔

اصل بات یہ ہے کہ رفع کا لفظ صرف بلند کرنے اور اٹھانے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ اس میں نہ جسم کی خصوصیت ہے نہ روح کی بلکہ وہ غیر ذی روح میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ جب عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں جسم کا رفع اس لئے مراد لیا گیا ہے کہ یہاں زیر بحث جسم ہی کا معاملہ تھا۔ یہود اس کے قتل کے مدعی تھے اور نصاریٰ اس کے رفع کے۔ پس جب یہاں روح زیر بحث ہی نہ تھی تو رفع سے روح کا رفع مراد ہو کیسے سکتا تھا۔ اس مقام کے علاوہ قرآن کریم میں کسی جگہ اور کسی شخص کے متعلق یہ بحث نہیں ملتی کہ وہ قتل کیا گیا ہے یا اپنے جسم کے ساتھ اٹھایا گیا ہے۔ اس لئے کسی اور جگہ خاص جسم کے رفع کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ پس انسانوں میں جن کے جسم مشاہدہ میں ہوتے ہیں، جب یہ لفظ استعمال ہوتا ہے تو چونکہ وہاں ان کے جسم کے رفع کا احتمال ہی نہیں ہوتا۔ اس لئے وہاں معنوی رفع یعنی درجات کی بلندی مراد ہوتی ہے اور یہ صحیح ہے کیونکہ اس لفظ کا استعمال ہر قسم کی بلندی کے لئے ہوتا ہے جسم کی ہو یا معنوی' جیسا موقع اور محل ہو گا اس کے مطابق اس کے معنی مراد لئے جائیں گے۔ یہی حال لفظ توفی کا ہے وہ بھی زندوں اور مردوں دونوں میں یکساں مستعمل ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں لفظ توفی' رفع نزول اور اس کی پوری تفصیلات موجود ہیں۔ اس کے ساتھ یہاں قومی تاریخیں بھی موجود ہیں۔ پس یہ مسئلہ قومی تاریخ اور آیات و احادیث کی روشنی سے ثابت ہوا ہے۔ یہ سمجھنا بڑی نافہمی ہے کہ یہ مسئلہ صرف لفظ رفع کی پیداوار ہے جیسا کہ آیت نمبر ۶ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے والدین کے

جسمانی رفع کا معاملہ صرف لفظ رفع سے پیدا نہیں ہوا بلکہ اس کے لئے دوسرے خارجی قرائن بھی تھے اور یہاں تو قرائن نہیں بلکہ دلائل موجود ہیں اور وہ بھی واضح سے واضح اور مستحکم سے مستحکم۔ خلاصہ یہ کہ جب ایک طرف لعنتی موت کا افسانہ بے بنیاد ثابت ہوتا ہے اور دوسری طرف رفع کا استعمال بھی عزت کی موت یعنی لعنتی موت کی تردید کے لئے نہیں ملتا تو پھر آیت بالا کی یہ تفسیر کیسے قبول کی جاسکتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مصلوب ہونا قرآن کریم سے اور اس کی تردید

اب ذرا اس پر بھی نظر ڈالتے چلئے کہ خاص عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں ان کا سولی دیا جانا۔ ان کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھنا۔ ان کے منہ پر تھوکا جانا اور طرح طرح سے ان کی توہین و تذلیل کرنا کیا یہ تاریخ قرآن کریم کو مسلم ہے؟۔

یہاں سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ قرآن کریم نے جب یہود کے ملعون ہونے کے اسباب کا تذکرہ کیا ہے تو خاص عیسیٰ علیہ السلام کے مسئلہ میں کس سبب کا ذکر کیا ہے۔ آیت: " وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ .... الخ۔ النساء آیت ۱۵۷ " معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں صرف ان کا یہ کہنا کہ ہم نے ان کو قتل کر ڈالا ہے ان کے لعنت در لعنت کا سبب بن گیا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر اس معاملہ میں ان کی جانب سے وہ تمام بدترین اور توہین و تذلیل کی حرکات ناشائستہ سرزد ہو چکی تھیں جو ابھی ذکر ہو چکیں تو ان تمام مکروہ افعال کا ذکر نہ کرنا اور صرف ایک دعویٰ قتل کو نقل کرنا کیا یہ معقول ہو سکتا ہے۔ عقل ایک لمحہ کے لئے بھی یہ باور نہیں کر سکتی کہ اگر اس سلسلہ میں ان مکروہ افعال کا ان سے صدور ہوا تھا اور ان تمام مظالم اور جرائم پر پردہ ڈال دیا جاتا اور صرف ایک دعویٰ قتل کو ان کے اسباب لعنت میں ذکر کیا جاتا اور اس سے کہیں بڑھ کر اسباب لعنت کے ذکر سے سکوت کر لیا جاتا۔ ہمارے نزدیک دشمنوں اور مجرموں کے حق میں اس سے بڑھ کر فیاضی کی مثال ملنا ناممکن ہے۔

اس کے علاوہ سورہ مائدہ میں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے انعامات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ تو ان میں ایک بڑا انعام یہ بھی شمار کیا ہے: ” وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ عَنْكَ ۔ “ اور یہ انعام بھی قابل یاد ہے جبکہ ہم نے بنی اسرائیل کو تم سے دور روکے رکھا۔ اب اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پکڑ کر سولی پر چڑھا دیا تھا اور سب ناروا سلوک ان کے ساتھ کر لئے تھے تو کیا بنی اسرائیل کی اس دسترس کے بعد عربی ادب و لغت کے لحاظ سے مذکورہ بالا جملہ استعمال کرنا صحیح ہے۔ دوم پھر کیا یہ دردناک مظالم اور تذلیل و توہین کا سلوک اس قابل ہے کہ ان کے عجیب در عجیب معجزات اور نزول مائدہ جیسے انعامات کے پہلو بہ پہلو ایک انعام بنا کر اس کو ذکر کیا جائے۔

تیسرے سورہ آل عمران میں یہ ارشاد ہے:

” وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ۔ آل عمران آیت ٥٤ “

یہود نے بھی خفیہ سازش کی اور ہم نے ان کے مقابلہ میں خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ تدبیر کرنے والوں میں سب سے بہتر و برتر ہے۔

آیت بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ جب یہود بے بہبود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی تدبیریں کیں تو ان کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے بھی تدبیر فرمائی اور یہ ظاہر ہے کہ جب قدرت خود ضعیف انسان کی تدبیر کے مقابلہ کے لئے کھڑی ہو جائے تو پھر کسی کی ضعیف یا قوی تدبیر کیا چل سکتی ہے؟۔ یہ بات الگ ہے کہ جب قدرت تدریج و امہال کے قانون کے ماتحت کسی گرفت کا ارادہ ہی نہ فرمائے تو کچھ مدت کے لئے انسان اپنی سب تدبیروں میں کامیاب نظر آئے لیکن اگر قدرت الٰہیہ ان تدابیر کے مقابلہ کے لئے کھڑی ہو جائے تو کیا پھر اس رسوائی و ذلت کی کوئی مثال مل سکتی ہے جو یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں نافہموں نے اپنی جانب سے تراش لی ہے اور کیا اب دشمنوں کے مقابلہ میں قرآن کریم کا یہ دعویٰ کرنا کہ: ” وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ۔ “ اللہ سب تدبیر کرنے والوں سے بڑھ کر تدبیر کرنے والا ہے۔ قابل مضحکہ نہیں ہے۔ (معاذ اللہ!)

لفظ مکر کے معنی عربی لغت میں خفیہ تدبیر کے ہیں

یہ خوب واضح رہنا چاہئے کہ یہاں قرآن کریم نے یہود کے مقابلہ میں جو لفظ استعمال کیا ہے.. انہ: مکر ہے جس کے معنی لغت میں خفیہ تدبیر کے ہیں۔ پس اس لفظ کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں کوئی تدبیر ایسی ہونی چاہئے جس کا دشمنوں کو علم بھی نہ ہو سکے اور نتیجہ کے لحاظ سے وہ اس درجہ ناکام بھی رہیں کہ پھر ان کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کا: "خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ۔" ہونا روز روشن کی طرح واضح ہو جائے۔

آنحضرت ﷺ کے ہجرت کے واقعہ میں لفظ مکر کا استعمال بھی ہوا ہے ہر دو مقامات پر تدبیر الٰہی اور اس کا موازنہ اور آنحضرت ﷺ کی شان برتری کا اس میں ظہور

اس قسم کا ایک جملہ قران کریم میں ہم کو آنحضرت ﷺ کے ہجرت کے متعلق بھی ملتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: " وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُاللّٰہُ۔ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ۔ الانفال۔ ۳" ادھر تو وہ خفیہ سازش کر رہے تھی اور ادھر خدا خفیہ تدبیر کر رہا تھا اور خدا سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

یہاں بھی قریش کی سازش کا ذکر ہے پھر اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کے خفیہ تدبیر فرمانے کا تذکرہ ہے اور آخر میں پھر وہی کلمہ دہرایا گیا ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں کہا گیا تھا یعنی: " وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ۔"

عجیب بات ہے کہ ہجرت کے لئے جب آنحضرت ﷺ گھر سے نکلے تو یہاں بھی کفار محاصرہ کر چکے تھے اور یہاں بھی آپ ﷺ حضرت علیؓ کو اپنی بجائے چھوڑ گئے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب آسمانوں پر ہجرت کرنے لگے تو یہاں بھی دشمن گھیر اڈال چکے تھے اور یہاں بھی ایک شخص ان کی بجائے دشمنوں کے ہاتھوں میں موجود تھا قرآن کریم نے دونوں مقامات پر اپنی تدبیر اور کفار کی غلط فہمی کو اسی لفظ "مکر" سے ادا فرمایا ہے۔ ان دونوں

ہجرتوں میں جب خدائی تدبیر کا موازنہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ جو تدبیر آنحضرت ﷺ کے حق میں ظاہر ہوئی وہ دشمنوں پر ایک بڑی کاری ضرب تھی۔ ان دونوں مقامات پر خدا تعالیٰ کے یہ دونوں رسول گو دشمنوں کے نرغے میں سے صاف نکل گئے اور کسی کا بال بیکا نہ ہو سکا مگر غور فرمائیے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ آنحضرت ﷺ کا اپنے دشمنوں کے علم میں اسی سرزمین پر صحیح وسالم موجود رہنا اور ہر معرکہ میں ان کو شکست دیتے رہنا آخر ۸ھ میں اپنے آبائی وطن کو فتح کر لینا جتنا قریش کے لئے سوہان روح ہو سکتا تھا۔ آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں پر چلے جانا یہود پر شاق نہیں ہو سکتا؟۔ ادھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں ایک مقتول لاش بھی موجود تھی مگر اس کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہونے نہ ہونے میں بہت سے شبہات پیدا ہو گئے تھے۔ اس لئے یہ مسئلہ زیر بحث آگیا تھا کہ مقتول وہی حضرت مسیح علیہ السلام ہیں یا کوئی دوسرا شخص، مگر یہاں حضرت علیؓ سب کے جانے پہچانے شخص تھے۔ یہاں قریش کو پورا یقین ہو گیا تھا کہ آنحضرت ﷺ کسی شبہ کے بغیر ان کے ہاتھوں سے نکل چکے ہیں اور پھر طرفہ یہ کہ ان سے ذرا فاصلہ پر ان کا سر کچلنے کے لئے موجود بھی ہیں۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام با ایں ہمہ رأفت ورحمت جب دوبارہ اپنے وطن لوٹ کر تشریف لائیں گے تو یہاں ان کے دشمنوں کے حق میں قتل مقدر ہوا۔ حتیٰ کہ یہودی ایک ایک کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا اور آنحضرت ﷺ جب لوٹ کر اپنے وطن مکہ مکرمہ پہنچے تو آپ کے دشمنوں کے حق میں یہ مقدر ہوا کہ وہ آپ پر ایمان لائیں اور پھر وہی آپ کے ساتھ غزوات میں شریک ہو ہو کر آپ پر اپنی جانیں قربان کریں۔ ذرا اس پر بھی غور فرمائیے کہ آنحضرت ﷺ کی دائمی فتح ونصرت کے لئے ایک بار آپ کی ہجرت اور ہجرت کے بعد پھر اسی مقام پر فاتحانہ واپسی مقدر ہوئی تو عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں بھی اگر پہلے ان کی ہجرت پھر اپنے وطن اصلی کی طرف واپسی مقدر ہو تو اس میں تعجب کیا ہے۔ یہاں اگر فرق ہے تو صرف دارالہجرت ہی کا تو ہے۔ یعنی وہاں دارالہجرت آسمان مقرر ہوا اور یہاں مدینہ طیبہ مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے یہ دونوں مقامات برابر تھے۔ ہاں اگر فرق تھا تو خود روح اللہ اور عبد اللہ کی جانب سے تھا روح اللہ اور کلمۃ اللہ کی طبعی کشش

آسمانوں کی طرف تھی آخر جو نفخہ جبرئیلی سے ظاہر ہوئے وہ جاتے تو اور کہاں جاتے عبداللہ کی طبعی کشش زمین کی جانب تھی۔ اس لئے اگر وہ کسی خطہ ارض کی طرف نہ جاتے تو اور کہاں جاتے؟۔ بے شک خدا تعالیٰ قادر تھا کہ آنحضرت ﷺ کو بھی آسمانوں پر اٹھالیتا لیکن کیا یہ اس آخری رسول کی شان کے مناسب ہوتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر آسمانوں پر تشریف لے گئے تو ان کے بعد دوسرا رسول اعظم دنیا کو نصیب ہو گیا لیکن آپ ﷺ تشریف لے جاتے تو امت کا نگہبان کون ہوتا۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر دوبارہ تشریف لائیں گے تو ان کو اس امت میں شامل ہونے کا دوسرا وہ شرف حاصل ہوگا جس کی الوالعزم انبیاء علیہم السلام تمنائیں رکھتے تھے۔ لیکن اگر آنحضرت ﷺ دوبارہ تشریف لاتے تو آپ کو کون سا دوسرا شرف حاصل ہوتا پھر روح اللہ اگر آسمانوں پر گئے تو دشمنوں سے حفاظت کے لئے بلائے گئے اور آنحضرت ﷺ جب آسمانوں پر بلائے گئے تو صرف تشریف و تکریم کے لئے بلائے گئے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر گئے تو چوتھے آسمان تک گئے اور آنحضرت ﷺ تشریف لے گئے تو ساتوں آسمان طے کر کے وہاں تک پہنچ گئے جہاں جاتے جبرائیل علیہ السلام کے بھی پر جلتے تھے۔ ان دونوں ہجرتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک مقام پر امام رازی کے قلم سے کیا اچھا جملہ نکل گیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں جو شرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو میسر ہوا وہ عروج تھا اور جس شرف سے آنحضرت ﷺ نوازے گئے اس کا نام معراج ہے۔ میں کہتا ہوں جی ہاں! وہ روح اللہ تھے اور یہ عبداللہ ہیں۔

"الهم صل وسلم و بارك على عبدك ورسولك سيدنا محمد صاحب المعراج والبراق والقلم وعلىٰ اله واصحابه تسليما كثيرا ."

گو ان دونوں ہجرتوں میں اللہ تعالیٰ کی شان: " خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ۔ " دونوں جگہ عیاں تھی اور دونوں مقامات میں اس کا جو ظہور ہوا وہ کامل ہی تھا مگر کیا جو تدبیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے جلوہ گر ہوئی وہ خاتم الانبیاء ﷺ کے لئے مناسب تھی۔

ہمارے مذکورہ بالا بیان سے یہ اچھی طرح واضح ہو گیا کہ اگر ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مصلوب ہونا اور آخر کار کشمیر وغیرہ میں جا کر کہیں اپنی طبعی موت سے مر جانا تسلیم کر

لیں تو اس کے لئے نہ تو قرآنی الفاظ میں کوئی گنجائش ہے اور نہ ہی دنیا کی تاریخ اس کی شہادت دے سکتی ہے اور نہ اس میں خدائی تدبیر کا کچھ ظہور ہوتا ہے اور نہ اس تقدیر پر یہود کے دعویٰ کی کوئی معقول تردید ہو سکتی ہے کیونکہ جب سولی کے ساتھ جملہ موت کے مقدمات تسلیم کر لئے جائیں اور گفتگو صرف اتنی رہ جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تم نے مارایا کہیں گمنام مقام میں لے جا کر خود ہم نے مارا تو اب یہ گفتگو ایک عبث گفتگو ہے۔ اس کا حاصل یہی ہے کہ جو بات دشمن چاہتے تھے وہ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں سے خود پوری فرمادی۔ والعیاذ باللہ!

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صلیب و رفع کی تحقیق قرآن کی روشنی میں

اسی طرح صلیب کے تسلیم کر لینے کے بعد یہاں نصاریٰ کی بھی کوئی تردید نہیں نکلتی کیونکہ جب اصولی طور پر عیسیٰ علیہ السلام کا سولی چڑھنا تسلیم کر لیا جائے اور رفع جسمانی کا قرآن کریم خود اعلان فرمادے تو اب ان کے ساتھ بھی جو اختلاف رہے گا وہ صرف نظریات ہی کا رہے گا اور صلیب پرستی کی یہ ایک بنیاد قائم ہو جائے گی۔ اس لئے ضروری ہے کہ آیت کے اصل مفہوم پر غور کیا جائے۔ اور جو مطلب کسی تاویل کے بغیر اس سے ظاہر ہوتا ہو اس کا اعتقاد رکھا جائے۔ پہلے ایک بار پوری آیت پڑھ لیجئے:

"وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۰ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۰ النساء آیت ۱۵۷"

اور ہم نے ان کو سزا میں مبتلا کیا۔ ان کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا ہے۔ حالانکہ نہ انہوں نے قتل کیا اور نہ ہی ان کو سولی پر چڑھایا لیکن ان کو اشتباہ ہو گیا اور جو لوگ ان کے بارہ میں اختلاف کرتے ہیں وہ غلط خیال میں ہیں ان کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے اور انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو

یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والے ہیں۔

آیت بالا کے مطالعہ کے بعد جو بات پہلی بار سمجھ میں آجاتی ہے وہ یہ ہے کہ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے مدعی تھے اور اس بارے میں وہ اپنے پورے جزم و یقین کا اظہار کرتے تھے لیکن نصاریٰ چونکہ باہم خود مختلف تھے۔ اس لئے مختلف باتیں کہتے تھے ان ہر دو فریق کے مقابلہ میں قرآن کریم کا فیصلہ یہ ہے کہ دونوں کے دونوں غلطی پر ہیں۔ یہود کا دعویٰ قتل تو سراسر غلط ہے۔ اس لئے اس کو دوبار رد کیا گیا ہے تاکہ جتنا زور انہوں نے اپنے قول قتل کرنے پر صرف کیا تھا اتنا ہی اس کے انکار پر صرف کیا جائے۔ رہ گئے نصاریٰ تو وہ قدرے مشترک طور پر ان کے مصلوب ہونے کے آج تک قائل ہیں۔ اس لئے ضروری تھا کہ گو وہ کسی بات کے مدعی نہ ہوں مگر ان کے اس غلط خیال کی تردید بھی کر دی جائے۔ اس لئے یہود کے دعویٰ قتل کے ساتھ ساتھ صلیب کی بھی نفی کر دی گئی اور اس کے ساتھ ہی اس حقیقت کو بھی واضح کر دیا گیا کہ ان کو اور کچھ علم نہیں ہے وہ صرف اٹکل کے تیر چلاتے ہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ جو قوم اپنے یقین کا دعویٰ رکھتی ہو صرف اس کی تردید کر دینا اس کے لئے کچھ تشفی بخش نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اس کی غلط فہمی کے اسباب بھی بیان نہ کر دیئے جائیں۔ اس کو: "وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ" سے بیان کیا گیا ہے۔ یعنی یہاں قدرت کی طرف سے کچھ ایسے حالات پیدا کر دیئے گئے تھے جس کی رو سے حقیقت حال ان پر مشتبہ ہو گئی تھی۔ ایک طرف چونکہ سبت کا دن آرہا تھا اس لئے اس ارادہ بد کی تکمیل میں ان کو خود عجلت تھی دوسری طرف اس قسم کے ہنگاموں میں جو ایک طبعی وحشت ہوا کرتی ہے وہ بھی ان پر سوار تھی اس لئے اپنی دانست میں گو انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کے قتل کا قصد کیا تھا مگر ان مشتبہ کن حالات کی وجہ سے وہ اس ارادہ بد میں ناکام رہے اور ان کی توجہ اس طرف قائم نہ رہ سکی کہ وہ کس کو قتل کر رہے ہیں اور اس کی کھلی شہادت یہود و نصاریٰ کا باہم اختلاف ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صورت حالات ضرور کچھ ایسی پیچیدہ بن گئی تھی کہ حس و مشاہدہ کا یہ صاف واقعہ بھی مبہم ہو کر رہ گیا تھا اور پیچیدگی کی وجہ سے قرآن نے واقعہ کے انکشاف کی

طرف توجہ فرمائی ہے ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل دوسرے انبیاء علیہم السلام کے متعلق بھی یہود اسی جرم کے ارتکاب کا دعویٰ کرتے تھے لیکن چونکہ دیگر انبیاء علیہم السلام کے معاملہ میں وہ اپنے دعوے میں صادق تھے اس لئے قرآن کریم نے نہ ان کی کوئی تردید کی ہے اور نہ ان کے معاملہ میں کسی شبہ واشتباہ کا تذکرہ کیا ہے۔ اس سے زیادہ تفصیلات میں پڑنا قرآن کریم نے پسند نہیں فرمایا۔ اور نہ یہ احکم الحاکمین کی شان کے مناسب تھا اور غالباً لفظ مکراللہ کا تقاضہ بھی یہی تھا کہ خفیہ تدبیر کو کچھ خفیہ ہی رہنے دیا جائے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر درحقیقت مقتول کی لاش ان کی آنکھوں کے سامنے موجود تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ تھے بلکہ کوئی دوسرا ان کا شبیہ شخص تھا جو عجلت میں غلطی سے قتل کر دیا گیا تھا۔ تو یہ بتانا چاہئے کہ پھر عیسیٰ علیہ السلام جو یقیناً ان کی زیرحراست آچکے تھے آخر وہ کدھر نکل گئے اگر ان کا کوئی سراغ نہیں ملتا تو ماننا پڑتا ہے کہ پھر مقتول کی جو لاش موجود تھی وہ عیسیٰ علیہ السلام ہی تھے۔ اس لئے قرآن کریم نے اپنے فیصلہ میں قتل کی نفی کے بعد یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھا لیا تھا اس لئے زمین پر ان کی تلاش کرنا عبث ہے لیکن ایک ضعیف انسان چونکہ نہ اس قدرت کا تصور کر سکتا ہے اور نہ اس عظیم حکمت کو پا سکتا ہے۔ اس لئے یہاں خاص طور پر اپنی ایسی دو صفتوں کا تذکرہ فرما کر بحث کو ختم کر دیا ہے جن کے اقرار کے بعد کوئی استبعاد باقی نہیں رہتا۔ یعنی: "وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا۔"

یعنی اللہ کی ذات بڑی توانا اور بڑی حکمت والی ہے۔ اس کے سامنے یہ سب باتیں آسان ہیں۔ اس واضح فیصلہ سے جس طرح یہود کی کھلی ہوئی تردید ہو گئی اسی طرح نصاریٰ کے مذہب کی تمام بنیاد بھی منہدم ہو جاتی ہے کیونکہ جب صلیب کا سارا افسانہ ہی بے سروپا ثابت ہوا تو اب کفارہ کا اصولی عقیدہ بھی خود بخود باطل ہو گیا۔ اب اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ اسی حد پر ختم ہو چکا تھا اور مستقبل زمانہ کے ساتھ اس کا کچھ تعلق باقی نہ رہا تھا تو آئندہ آیت میں اس کی دوسری تفصیلات بیان کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی لیکن چونکہ یہاں ایک اور مشکل تر سوال سامنے آگیا تھا اور وہ یہ کہ اگر وہ آسمانوں پر اٹھائے گئے ہیں تو پھر کیا وہ آسمانوں ہی پر وفات پائیں گے۔ اس لئے اس کی بھی وضاحت کر دی گئی اور پوری قوت

کے ساتھ اس کا اعلان کر دیا گیا کہ ابھی ان کو طبعی موت نہیں آئی بلکہ موت سے قبل اہل کتاب کو ان پر ایمان لانا مقدر ہو چکا ہے۔ اس لئے یقیناً وہ دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے اور اب خدا تعالیٰ کی وہ خفیہ تدبیر بھی عالم آشکارا ہو جائے گی اور یہ ثابت ہو جائے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب اپنے جسم کے ساتھ تشریف لائے ہیں تو یقیناً جسم کے ساتھ ہی اٹھائے گئے تھے:

”وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلاَّ لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا۔ النساء آیت ۱۵۹“

اور کوئی اہل کتاب نہیں ہو گا مگر ان کی موت سے پہلے ایمان لے آئے گا اور قیامت کے دن وہ (عیسیٰ علیہ السلام) ہوں گے ان پر گواہ۔

یہی وجہ تھی کہ حضرت ابو ہریرہؓ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی حدیث بیان فرماتے تو یہ بھی فرماتے کہ یہ پیشگوئی صرف حدیثی نہیں قرآنی ہے اور یہی آیات بالا پڑھ کر سنا دیتے۔ اب یہ مسئلہ بالکل سمجھ میں آگیا ہو گا کہ حدیثوں میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بار بار بیان فرمانے کی اہمیت کیوں محسوس کی گئی ہے یہ ظاہر ہے کہ رفع جسمانی چونکہ عام انسانوں کی سنت نہیں تھا۔ اس لئے اس کی تفہیم کے لئے اس حقیقت کے ذہن نشین کرنے کی بڑی اہمیت تھی کہ عیسیٰ علیہ السلام کی ابھی وفات نہیں ہوئی اور ابھی ان کو آسمان سے اترنا ہے اور بہت سی خدمات مفوضہ ادا کرنی ہیں اہل کتاب کو ان پر ایمان لانا ہے اور دجال جیسے ایمان کے غارت گر کو قتل کرنا ہے اور بالآخر خدا تعالیٰ کی زمین کو شر و فساد سے پاک کر کے عام انسانوں کی سنت کے مطابق وفات پانا ہے اور خاتم الانبیاء ﷺ کے پہلو میں دفن ہونا ہے۔ یہ ہے قرآنی بیان اور قرآنی بے لاگ فیصلہ۔ اب یہاں ان کی موت کا دعویٰ کرنا ٹھیک ٹھیک یہودیوں کی اتباع ہے اور ان کو مصلوب مان لینا یہ نصاریٰ کی کھلی موافقت ہے۔ کیونکہ اگر ہم عیسیٰ علیہ السلام کا مصلوب ہونا تسلیم کر لیتے ہیں اور پھر کسی غیر معلوم مقام پر جا کر ان کی موت مان لیتے ہیں تو اس کا حاصل صرف یہ ہو گا کہ یہود و نصاریٰ کی وہ غلط باتیں جن کی قرآن کریم نے پوری تردید فرمائی تھی۔ ہم نے دونوں کو مان لیا ہے اور اس کے بعد ان کے ساتھ ہمارا

اختلاف صرف نظریات کا اختلاف رہ جاتا ہے یہود کے ساتھ تو اس لئے کہ ان کی موت کے وہ بھی قائل تھے فرق صرف یہ رہے گا کہ یہ موت لعنتی تھی یا عزت کی اور نصاریٰ کے ساتھ اس لئے کہ جب وہ سولی دیدیئے گئے تو اب اس کی حقیقت امت کی تطہیر اور کفارہ تھی یا کچھ اور، ظاہر ہے کہ ان امور کے اصولاً تسلیم کر لینے کے بعد یہ نظریاتی اختلافات بالکل بے نتیجہ ہیں۔ ہماری مذکورہ بالا تفسیر کی بناء پر دونوں قوموں کے عقائد کی بیخ و بنیاد ہی اکھڑ جاتی ہے اور قرآن کریم پر اپنی جانب سے کسی حاشیہ آرائی کی کوئی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لانے کے بعد جملہ اہل اسلام کے نزدیک بھی وفات پائیں گے زیر اختلاف ان کی گزشتہ موت ہے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ اہل اسلام جہاں ان کے رفع کے قائل ہیں اسی کے ساتھ نزول کے بعد ان کی موت کے بھی قائل ہیں۔ اس بارے میں ہمارے علم میں ایک متنفس کا اختلاف بھی نہیں یوں تو ان کی ولادت بلکہ ان کی زندگی کا ہر ہر گوشہ ان کی تردید الوہیت پر برہان قاطع ہے لیکن صرف ان کی موت کا عقیدہ مستقل اس کی ایک ایسی واضح دلیل ہے جس کے بعد ان کی الوہیت کی تردید کے لئے کسی اور دلیل کی حاجت نہیں رہتی۔ لہذا ان کی ولادت اور موت تسلیم کرنے کے بعد اگر ایک ہزار بار بھی ان کے رفع الی السماء کا اقرار کر لیا جائے تو اس میں عیسائیوں کے مسئلہ الوہیت کی کوئی تائید نہیں ہوتی۔ اس لئے اگر بالفرض یہاں ابن عباسؓ یا کسی اور شخص سے ان کی موت منقول ہوتی ہے تو اس کو اجماع امت کے خلاف سمجھنا بہت بڑی غلطی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر کی تحقیق

پس اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ابن عباسؓ سے انی متوفیک کی تفسیر انی ممیتک مروی ہے تو زیادہ سے زیادہ اس سے یہی ثابت ہو گا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو بھی موت آنی ہے مگر اس کا انکار کس کو ہے۔ زیر بحث تو یہ ہے کہ وہ موت ان کو آچکی اور کیا وہ فی الحال مردوں میں شامل

ہیں۔ اور اب دوبارہ نہیں آئیں گے۔ دعوے سے کہا جا سکتا ہے کہ نہ یہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے اور نہ امت مسلمہ میں کسی اور معتمد عالم سے بلکہ ابن عباسؓ سے باسناد قوی یہ ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اٹھائے گئے اور نزول کے بعد پھر وفات پائیں گے اور ٹھیک یہی تمام امت کا عقیدہ ہے۔

امام بخاریؒ کی کتاب التفسیر میں حل لغات کا حصہ خود ان کا تصنیف کردہ نہیں بلکہ امام ابو عبید کا ترتیب دادہ ہے

یہاں بے علموں کو ایک مغالطہ یہ بھی لگ گیا ہے کہ ابن عباسؓ کی مذکورہ بالا تفسیر چونکہ امام بخاریؒ کی کتاب میں موجود ہے۔ لہذا اس سے ثابت ہوا کہ امام بخاری کا مختار بھی یہی ہے عجیب بات ہے کہ جب امام بخاریؒ ہی کی کتاب میں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی حدیث بھی موجود ہے تو پھر کس دلیل سے یہ سمجھ لیا گیا کہ اس موت سے گزشتہ موت مراد ہے بلکہ جب خود حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہ ثابت ہے کہ یہ موت نزول کے بعد والی موت ہے تو ماننا پڑتا ہے کہ امام بخاریؒ کے نزدیک بھی اس موت سے وہی مراد ہے اور اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ ان ہی کی کتاب میں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا اقرار بھی موجود ہے۔

پھر ان مسکینوں کو اتنا علم بھی نہیں کہ امام بخاریؒ نے کتاب التفسیر میں جو لغات اور تراکیب نحویہ نقل فرمائی ہیں یہ خود ان کی جانب سے نہیں ہیں بلکہ ان کی جانب سے صرف وہی حصہ ہے جو انہوں نے اپنی اسناد کے ساتھ روایت فرمایا ہے اصل بات یہ ہے کہ امام بخاریؒ کے پاس ابو عبید کی کتاب التفسیر موجود تھی۔ امام موصوف نے اس پوری کتاب التفسیر کو کسی تنقید و انتخاب کے بغیر بجنسہ اٹھا کر اپنی کتاب میں نقل کر دیا ہے۔ لہذا جتنے اقوال مرجوحہ اصل کتاب میں موجود تھے وہ بھی سب کے سب یہاں نقل ہو گئے ہیں۔

لہذا یہ سمجھنا بالکل بے اصل ہے کہ امام بخاریؒ نے خاص طور پر ابن عباسؓ کی اس تفسیر کو اختیار فرمایا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ابو عبید کی کتاب التفسیر میں چونکہ ابن عباسؓ کا یہ قول مروی تھا اور جب امام بخاریؒ نے ان کی پوری کتاب التفسیر ہی کو اپنی کتاب میں کسی انتخاب

کے بغیر نقل کر دیا تھا تو یہ جزء بھی چونکہ ابو عبید کی کتاب میں موجود تھا اس لئے وہ بھی یہاں نقل ہو گیا ہے۔ اہل علم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ کتاب التفسیر میں بہت سے مقامات پر حل لغات میں تسامح بھی ہوا ہے اقوال مرجوحہ بھی نقل ہو گئے ہیں اور ان کی ترتیب میں بھی اچھا خاصہ اختلال واقع ہو گیا ہے لیکن امام بخاریؒ خود ان جملہ نقائص سے بری ہیں۔ اس کی ذمہ داری اگر عائد ہوتی ہے تو ابو عبید پر عائد ہوتی ہے۔ امام بخاریؒ کی کتاب کی علو صحت کے متعلق جو دعویٰ ہے وہ ان احادیث مرفوعہ کے متعلق ہے جو اس میں اسناد کے ساتھ امام نے از خود روایت فرمائی ہیں نہ کہ ان اقوال کے متعلق جو اسناد کے بغیر کسی جانب سے کتاب میں نقل ہوئے ہیں۔ لہذا اب یہ بات بالکل صاف ہو گئی کہ ان کے نزدیک مذکورہ بالا تفسیر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے وہ موت مراد ہے جو آخر زمانہ میں تشریف لانے کے بعد ہو گی اور اس موت میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے اسی طرح ابن حزم کی طرف بھی موت کی نسبت کی گئی ہے۔ اگرچہ کسی شاذ فرد کے اختلاف سے جمہور امت کی رائے پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔ وہ بھی ابن حزم جیسے شخص کے اختلاف سے، جس کے تفردات امت میں ضرب المثل ہیں لیکن وہ بھی متعدد مقامات پر اس کی تصریح کر چکے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری دور میں تشریف لائیں گے۔ لہذا زیر اختلاف مسئلہ پر ان شاذ نقول کا بھی کوئی اثر نہیں۔ چنانچہ ابن حزم نے اپنی کتاب المحلی ص ۳۹۱ میں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کو امت کا عقیدہ شمار کیا ہے۔ دیکھو ج ۳ ص ۲۴۹ کتاب الفصل میں بھی اس کی تصریح کی ہے۔

اس کے علاوہ اور متعدد مقامات میں بھی اسی عقیدہ کو امت کا عقیدہ لکھا ہے:

"وقد صح عن رسول اللہ ﷺ بنقل الکواف التی نقلت نبوته و اعلامه و کتابه انه اخبره انه لانبی بعده الاماجائت الاخبار الصحاح من نزول عیسیٰ علیه السلام الذی بعث الی بنی اسرائیل وادعی الیهود قتله و صلبه فوجبت الاقرار بهذه الجملة وصح ان وجودالنبوّة بعده علیه السلام لایکون البته ص۷۷ج۱ الفصل ج۲ ص۲۳ ص۵۵، ۷۳، ۸۷ کتاب مذکور۔"

"جس جمہور امت نے آپ کی نبوت اور اس کی علامات اور قرآن شریف کو نقل کیا ہے اسی امت نے صحیح طریقوں سے رسول اللہ ﷺ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ خبر دی ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔ سوائے ایک عیسیٰ علیہ السلام کے کہ ان کے نزول کی خبر صحیح حدیثوں سے ثابت ہے یہ وہی ہیں جو بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور جن کے قتل و صلب کا یہود نے دعویٰ کیا تھا۔ لہذا ان باتوں کا اقرار کرنا ہم پر لازم ہے اور یہ بطریق صحیح ثابت ہے کہ نبوت کا وجود آپ ﷺ کے بعد ہرگز نہیں ہوگا۔"

قرآن کریم میں مشرکانہ عقائد کی تردید کا جتنا اہتمام کیا گیا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ نصاریٰ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے بیٹے تھے لیکن جب اس نسبت کی نامعقولیت ان کے سامنے ظاہر کی جاتی ہے تو وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ ولدیت اور ابنیت سے ان کی مراد حقیقی معنی نہیں ہیں بلکہ اتحاد کی وہ خاص نسبت ہے جو مابین خالق اور عیسیٰ علیہ السلام موجود ہے اور اسی کو مجازاً اس لفظ سے ادا کیا گیا ہے لیکن اس لفظ کے استعمال سے چونکہ عیسائیت کی لفظی تائید ہوتی تھی۔ اس لئے قرآن کریم نے یہاں مجاز و استعارہ کی بھی اجازت نہیں دی بلکہ اس عنوان ہی کو خواہ وہ کسی معنی سے ہو اپنے سخت غیظ و غضب کا باعث قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے:

"تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا۔
اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا۔ مریم آیت ۹۰"

ابھی اس افترا سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین ٹکڑے ہو جائے اور پہاڑ ڈھے کر گر پڑیں اس پر کہ پکارتے ہیں رحمان کے نام پر اولاد۔

پس اگر قرآن کریم لفظ ابن اور ولد کا مجازی استعمال بھی حرام قرار دیتا ہے کیونکہ اس میں عیسائیت کی تقویت اور اس کی ترویج ہوتی ہے تو اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع یعنی آسمان پر اٹھائے جانے کا عقیدہ بھی صرف عیسائیوں کا عقیدہ تھا اور اس میں مشرکانہ عقیدہ کی ذرا بھی غلط تائید ہوتی تھی تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ ٹھیک اسی لفظ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں خود استعمال فرماتا جو عیسائی استعمال کرتے تھے۔ یہ کیسی عجیب در

عجیب منطق ہے کہ یہود نے جب : "اِنَّا قَتَلْنَا" کہا تو ان کی تردید میں تو قرآن کریم نے دو بار : " وَمَا قَتَلُوْهُ " فرمایا مگر جب عیسائیوں نے " رفع " کہا تو قرآن کریم نے ایک بار بھی " وما رفع " نہیں فرمایا بلکہ " رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ " میں لفظ " الیه " کا اور اضافہ فرما کر رفع کے عقیدہ کو اور مضبوط بنا دیا۔ کیا اس سے یہی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بارے میں عیسائیوں کا عقیدہ بالکل درست تھا۔ البتہ ان کے مصلوب ہونے کا خیال چونکہ بالکل بے اصل تھا اس لئے جس طرح کہ یہود کی تردید میں : " وَمَاقَتَلُوْهُ " فرمایا گیا تھا۔ اسی طرح عیسائیوں کی تردید میں : " وَمَاصَلَبُوْهُ " کا لفظ فرمادیا گیا اور اس طرح اہل کتاب کی ہر دو جماعتوں کی تردید علیحدہ علیحدہ دو لفظوں سے صراحۃً کر دی گئی اور اسی کے ساتھ عیسائیوں کے بنیادی عقیدہ کا بطلان بھی واضح ہو گیا کیونکہ ان کے مذہب میں کفارہ کا عقیدہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور کفارہ کا عقیدہ تمام تر صلیب پر مبنی ہے۔ لہٰذا جب قرآن کریم نے صراحۃً " وَمَاصَلَبُوْهُ " فرما کر صلیب کی صاف تردید فرمادی تو پھر اس پر جتنی بے اصل تعمیر قائم کی گئی وہ خود بخود سب منہدم ہو گئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمات میں صلیب شکنی کا نکتہ

یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ صلیب چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کے نام سے پوجی گئی تھی اس لئے ضروری ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی دوبارہ تشریف لا کر خود اس کے توڑنے کا حکم دیں تاکہ جن کے نام پر یہ شرک ایجاد ہوا تھا۔ ان ہی کے حکم سے اس کا استیصال بھی ہو جیسا کہ عرب نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے سر بت پرستی کی جھوٹی تہمت لگائی تو خود آپ کے سب سے عظیم اور جلیل القدر فرزند یعنی آنحضرت ﷺ نے تشریف لا کر اس کی تردید فرمائی اور فتح مکہ میں اپنے دست مبارک سے ان تمام بتوں کی تصاویر محو کر دیں جو ملت ابراہیمی کے نام پر خانہ کعبہ کے اندر بنائی گئی تھیں یہ خیال کتنا احمقانہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اگر صلیب توڑ دیں گے تو عیسائی اور بہت سی صلیبیں بنالیں گے۔ اگر یہی اعتراض آنحضرت ﷺ کی بت شکنی پر کیا جائے تو کیا یہ قابل مضحکہ نہ ہوگا۔ اصل بات

یہ ہے کہ فاتح کی بت شکنی اور صلیب شکنی کا اندازہ غلامانہ ذہنیت کا محکوم ہو کر ہو ہی نہیں سکتا جو صلیب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دست مبارک سے توڑی جائے گی وہ پھر کبھی بنائی نہیں جا سکتی جیسا کہ جو بت آنحضرت ﷺ کے دست مبارک سے توڑے گئے وہ جزیرہ عرب میں آج تیرہ سو سال کے بعد بھی دوبارہ معبود نہیں بن سکے۔

قرآن کریم کی شان اس سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے کہ وہ دشمنان اسلام کے خوف سے حقائق بیان کرنے میں ادنی پس وپیش بھی اختیار کرے

قرآن کریم کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ وہ اپنے سیاق تردید میں صرف دشمنوں کے خوف سے کسی حقیقت پر بھی پانی پھیر دے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں اگر ”رفع“ کے لفظ سے ان کی الوہیت کے بارے میں کوئی بے سبب اشتباہ پیدا ہو سکتا تھا تو اس سے کئی درجہ زیادہ اشتباہ لفظ ”روح اللہ“ اور کلمتہ اللہ“ سے پیدا ہوتا تھا۔ چنانچہ آج تک عیسائی ان ہی الفاظ کو لے کر اہل اسلام کے مقابلہ میں پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح ان کے معجزات کا حال بھی ہے مگر کیا ایک ایسے بشر پر جس میں جملہ بشری خواص کھلے ہوئے نظر آرہے ہوں بے دلیل الوہیت کی تہمت رکھ دینے والوں کی قرآن کریم نے کوئی رعایت کی ہے۔ کیا اس نے ”روح اللہ“ اور ”کلمتہ اللہ“ کا لقب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خود ہی نہیں دیا۔ کیا بے عقلوں کے خوف سے ان سے احیاء موتی کا معجزہ عطا کرنے میں کوئی پس وپیش کیا گیا ہے۔ اگر نا معقول جماعت نے دلائل بشریت ہی کو برعکس دلائل ربوبیت بنا ڈالا ہو تو اس میں سر تا سر جرم ان ہی کا ہے۔ لہذا یہاں قرآن کریم پر یہ زور ڈالنا کہ اس نے ”رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ“ کا لفظ کیوں استعمال فرمایا ہے۔ ایسا ہی ہے جیسا یہ کہنا کہ اس نے کلمتہ اللہ اور روح اللہ کا لفظ کیوں استعمال فرمایا؟۔ خوب یاد رکھو اگر ہم اپنی مزعوم خیر خواہی میں قرآن کریم کے صریح الفاظ کی تاویل کریں گے تو اس کا نتیجہ صرف قرآن کریم کے الفاظ کی تحریف نہیں ہو گا بلکہ بہت سے حقائق کا انکار بھی ہو گا اگر رب العزت کے ان کے بن باپ پیدا فرمانے میں نا معقولوں کی رعایت کا حق کسی کو نہیں ہے تو اس سے ان کے زندہ آسمانوں پر

اٹھائے میں نامعقولوں کی رعایت کے مطالبہ کا حق کس کو ہے قدرت و حکمت والا ہمیشہ اپنی قدرت و حکمت کے مظاہر کرتا رہے گا: " فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ۔ "

شبہات اور وساوس کا اثر عقائد کی تخریب ہے کسی صحیح حقیقت کی تعمیر نہیں۔ پس صرف شبہات سے عقائد کی ترمیم کرنا غلط ہے خود ان کا جواب دینا چاہیے

یہ بات قاعدہ کلیہ کی طرح یاد رکھنی چاہئے کہ دین کا کوئی مسئلہ جب اپنے دلائل کے ساتھ روشنی میں آجائے تو اس پر بے تامل جزم و یقین کر لینا چاہئے۔ اب اگر اس میں کچھ شبہات اور اعتراضات دل میں گزرتے ہوں تو عقل کا تقاضا یہ ہے کہ ان شبہات ہی کا جواب تلاش کرنا چاہئے اور ان کو حل کر لینا چاہئے نہ یہ کہ اس ثابت شدہ حقیقت ہی کا انکار کر دیا جائے کیونکہ شبہات زیادہ سے زیادہ دلائل کی روشنی مدہم تو کر سکتے ہیں مگر کوئی دوسری روشنی پیدا نہیں کر سکتے۔ اس لئے جب کبھی آپ اپنا رخ خود ان شبہات ہی کی طرف پھیر دیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ آپ اور تاریکی در تاریکی میں جا گرے ہیں۔ مثلاً اگر کسی شبہ کی بنیاد پر ختم نبوت کا اجماعی عقیدہ بدل دیا جائے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ جتنے اشکالات اس عقیدہ میں پیدا ہو سکتے تھے اس سے کہیں بڑھ کر شبہات دوسری صورت میں پیدا ہونے لگے۔ درحقیقت یہ شیطان کا ایک بڑا علمی فریب ہے کہ جب وہ کسی گمراہی کی دعوت دیتا ہے تو پہلے ایک حق بات میں شبہات ڈالنا شروع کرتا ہے پھر رفتہ رفتہ ان شبہات کو بڑھا کر ان کو ایک حقیقت کی صورت پہنا دیتا ہے پھر اس کے دلائل کی تلاش لگاتا ہے اور اس تمام تدریجی سلسلہ میں ایک بار بھی انسان کا ذہن اصل عقیدہ کے دلائل کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتا۔ حتیٰ کہ وہ عقیدہ جو پہلے ان شبہات کے وجود سے مجروح ہو چکا تھا اب ان وہمی دلائل سے باطل نظر آنے لگتا ہے اور ان دلائل پر دماغ میں کسی ادنیٰ شبہ کا گزر ہونے نہیں دیتا۔ اس کے بعد پھر انسان کو ایسا دلیر بنا دیتا ہے کہ اس کے نوساختہ عقیدہ کے خلاف انسان واضح سے واضح دلائل کی تاویل بلکہ

تحریف میں ذرا نہیں شرماتا اور اس طرح وہ انسان کو دین سے منحرف کر دیتا ہے اور اس کے ایمان بالغیب کی ساری دنیا برباد کر ڈالتا ہے۔ اسی کی مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا مسئلہ ہے یہاں بھی صرف شبہات پیدا کر کے پہلے وہ اس یقین کو متزلزل کرنے کی سعی کرتا ہے اور جب اس میں کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر انسان کو بیسیوں حدیثوں کی تاویل بلکہ انکار پر آمادہ کر دیتا ہے۔ مثلاً یہ شبہ پیدا کرتا ہے کہ دجال کو قتل کرنے کے لئے خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کے تشریف لانے کی ضرورت کیا پڑی ہے۔ پھر اتنے دن ان کا زندہ رہنا کیوں تسلیم کیا جائے اور اس کے لئے جتنے مقدمات ہو سکتے ہیں ان کو خوب مبرہن کرتا چلا جاتا ہے لیکن ایک مؤمن ان شبہات کی بناء پر قرآن و حدیث کی تاویل کرنے کی بجائے خود ان شبہات ہی کے جواب کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور صرف وساوس و اوہام سے اپنے قیمتی ایمان کو زخمی نہیں کرتا۔ اگر یہاں کتب سابقہ اور اہل کتاب کی تاریخ پر ذرا نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ کتب سابقہ میں دو مسیح کے آمد کی پیشگوئی کی گئی تھی ایک مسیح ہدایت اور دوسرا مسیح ضلالت چونکہ یہود نے مسیح ہدایت کو مسیح ضلالت کا مصداق قرار دیدیا تھا اور مسیح ضلالت کو اس کے برعکس مسیح ہدایت ٹھہرایا گیا۔ اس لئے کیا یہ مناسب نہ تھا کہ مسیح ضلالت کے ظہور کے وقت خود مسیح ہدایت ہی تشریف لا کر اس کے مقابلہ پر یہ ثابت کر دیں کہ مسیح ہدایت کون ہے اور مسیح ضلالت کون تاکہ ایک طرف جو پہلے مسیح ہدایت کو مسیح ضلالت ٹھہرانے والے تھے وہ جھوٹے ثابت ہوں اور دوسری طرف مسیح ضلالت کی اتباع کرنے والے بھی نامراد ہو جائیں اور اس طرح جو مغالطے پہلے لگ چکے تھے اب وہ خود ان ہی کی زبان سے دور ہو جائیں۔ صلیب ان کے نام سے پوجی گئی تھی وہی آ کر اس کو توڑیں اور سور بھی ان ہی کے نام سے حلال کیا گیا تھا اب وہی آ کر اس کے قتل کا حکم دیں اور اس طرح قرب قیامت میں یہود و نصاریٰ پر خدا کی حجت پوری ہو اور اتحاد و ملل کے سلسلہ میں جتنی رکاوٹیں ہو سکتی تھیں وہ ایک ایک کر کے سب اٹھ جائیں اور آخر میں پھر دین اسی طرح ایک ہی باقی رہ جائے جیسا کہ آغاز عالم میں ایک ہی دین تھا: "وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلاً. الانعام آیت ۱۱۵"

نیز چونکہ دجال آخر میں مدعی الوہیت ہوگا اور احیاء موتی کا مدعی ہوگا اس لئے کیا یہ

مناسب نہ تھا کہ اس کے قتل کے لئے ایک ایسا ہی رسول آتا جس پر دعویٰ الوہیت کی تہمت لگائی گئی ہوتا کہ ایک طرف تو قتل ہو کر جھوٹے مدعی الوہیت کا جھوٹ ثابت ہو جائے دوسری طرف اس قوم کا جھوٹ بھی ثابت ہو جائے جنہوں نے خدا کے مقدس رسول پر دعویٰ الوہیت کی بے بنیاد تہمت لگائی تھی اور روز روشن کی طرح یہ واضح ہو جائے کہ جو مدعی الوہیت کا قائل ہو وہ خود مدعی الوہیت کیسے ہو سکتا ہے۔ ان امور کے علاوہ جب یہود کے دعویٰ کو دیکھا جاتا ہے تو وہ دیگر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کے بھی قتل کا دعویٰ رکھتے تھے مگر قرآن کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ قتل نہیں ہوئے بلکہ آسمان پر اٹھالے گئے اور اس میں خدا تعالیٰ توانا و حکیم کی بڑی حکمت مضمر تھی کیا اس کا ثبوت اس سے بڑھ کر کچھ اور تھا کہ جس کو مقتول ٹھہرایا گیا تھا وہی آکر پہلے خود ان کے سرغنہ کو قتل کرے۔ یعنی دجال کو پھر ان کے قتل کا حکم دے اور گویا اس طرح خود ایک نبی پہلے اپنی قوم انبیاء علیہ السلام کے قاتلین سے ان کا قصاص لے اور دوسری طرف اپنے متعلق دعویٰ قتل کا مزہ بھی چکھادے۔

پھر جب ختم نبوت پر زیادہ گہرائی سے نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ ضرورت کے وقت امت میں کسی نبی کی پیدائش کی بجائے کوئی گزشتہ نبی آئے کیونکہ دجال اکبر کے آمد کی پیشگوئی نوح علیہ السلام سے لے کر آنحضرت ﷺ تک تمام انبیاء علیہم السلام کرتے چلے آئے ہیں اور آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے ثابت ہوتا ہے کہ اتنی بڑی گمراہی دنیا کی پیدائش سے لے کر آج تک کبھی ظاہر نہیں ہوئی! اس لئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ دجال ایک مرکزی طاقت ہے اور ایک مرکزی طاقت کے مقابلہ کے لئے ضرور کوئی مرکزی طاقت ہی آنی مناسب ہے۔ اب اگر اس کے مقابلہ میں کسی امتی کو کھڑا کر دیا جاتا تو وہ اس کا صحیح مقابل ہی نہیں ہو سکتا تھا دنیا میں بھی کشتی میں پہلوانوں کا جوڑ دیکھا جاتا ہے اور اسی طرح حکومتوں کے مقابلہ کے وقت بھی ان کی طاقتوں کا توازن ضروری ہوتا ہے جس کو آج کل Ballance of Power کہا جاتا ہے۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ ابن صیاد کے متعلق جب حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ یارسول اللہ! حکم دیجئے تو میں اس کی گردن اڑادوں تو اس کے جواب میں آپ نے فرمایا: ”ان یکن ھو فلن تسلط علیہ “اگر یہ وہی دجال اکبر ہے تو

تم اس کے قتل پر مسلط نہیں ہو سکتے۔ پس جب امت میں حضرت عمرؓ جیسا بھی اس کو قتل نہ کر سکے تو اب دوسرا کون اس کا قاتل ہو سکتا ہے۔ اس لئے ضروری ٹھہرا کہ اس کا قاتل کوئی نبی ہو۔ پس جب نبی کی ضرورت کے وقت بھی اس امت میں سے کسی کو نبی نہیں بنایا گیا بلکہ ان ہی گزشتہ انبیاء علیہم السلام ہی میں سے ایک نبی کو لا کر کھڑا کیا گیا تو فرمائیے کہ ختم نبوت کا مسئلہ اب کتنا واضح ہو گیا۔ گویا آج تک ختم نبوت کا ثبوت صرف علمی تھا اور اس وقت تاریخ اور مشاہدہ سے بھی اس کا ثبوت ہو گیا کیونکہ جب ضرورت کے وقت پھر انبیاء سابقین ہی میں کا ایک رسول آیا تو یہ اس کا بدیہی ثبوت ہے کہ درحقیقت رسولوں میں سے کوئی فرد بھی باقی نہیں رہا تھا۔ اس لئے یقیناً آنحضرت ﷺ ہی سب سے آخری رسول تھے۔ لہٰذا اب یہ شبہ نہیں رہا کہ جب آپ خاتم النبیین ہیں تو آپ کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کیسے آئیں گے بلکہ ان کا نزول ہی ختم نبوت کا سب سے بڑا ثبوت ہو گا۔ اگر وہ دوبارہ تشریف نہ لائیں تو مشاہدہ میں یہ کیسے ثابت ہوتا کہ سب رسول آچکے ہیں اور آپ ہی سب سے آخری رسول ہیں۔

جلد اول (ترجمان السنۃ) میں ختم نبوت کی پہلی حدیث میں ہم یہ بھی بتفصیل لکھ چکے ہیں کہ حسب تصریح قرآن کریم آنحضرت ﷺ کے حق میں جملہ انبیاء علیہم السلام سے ایمان اور بوقت ضرورت نصرت کا عہد بھی لیا جا چکا ہے۔ اس لئے یوں مقدر ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام تشریف لا کر اپنی طرف سے اصالۃً اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرف سے وکالۃً اس عہد کو پورا فرمائیں۔ کیا ان چند وجوہات سے جو فوری طور پر زیر قلم آگئے ہیں گزشتہ شبہات کا جواب نہیں ہو جاتا۔

کتاب اللہ میں اور حدیثوں میں دیگر موجودہ کتب سماویہ کے مقابلہ میں مجازات اور استعارہ کا استعمال بہت کم ہے اور یہ اسلام کا ایک طرہ امتیاز بھی ہے

جہاں تک ہم نے غور کیا ہے ہم کو یہی ثابت ہوا ہے کہ دیگر کتب سماویہ کی نسبت

ہماری شریعت میں استعارات و مجازات کا دائرہ بہت تنگ ہے۔ کتب سابقہ کی موجودہ صورت پر گو کوئی اعتماد نہیں کیا جا سکتا تاہم ہمارے موازنہ کے لئے ان کے موجودہ نسخوں کے علاوہ ہمارے سامنے کوئی اور سامان بھی نہیں ہے۔ جب ہم حدیث و قرآن کریم کی پیشگوئیوں اور اس کے دیگر بیانات کی کتب سابقہ کے ساتھ موازنہ کرتے ہیں تو ہم کو آفتاب درخشاں کی طرح یہ واضح ہوتا ہے کہ ہماری شریعت نے اس بارے میں استعارات و مجازات کا دائرہ بجز ان مجازات کے جو حقیقت سے زیادہ متعارف ہوں بہت تنگ رکھا ہے اور عقائد کے باب سے تو اس کا کوئی تعلق ہی نہ رکھا۔ اس کے برخلاف موجودہ انجیل کا حال یہ ہے کہ اس میں الوہیت و رسالت کے بنیادی مسائل بھی مجازات و استعارہ کے پیرایہ میں ادا کئے گئے ہیں۔ حتیٰ کہ منصف عیسائی یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ان کے مذہب میں توحید کا مسئلہ بھی تقدیر کے مسئلہ کی طرح مذہب کا ایک راز اور ناقابل فہم مسئلہ ہے اس کے برعکس قرآن کریم کا بیان ہے یہاں عقائد و احکام کا تو ذکر ہی کیا ہے پیشگوئیوں کا عام باب بھی اس طرح کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ کسی صحیح فہم والے شخص کے لئے ان میں کوئی تردد نہیں رہتا فارس و روم کی جنگ میں فتح کی پیشگوئی، فتح مکہ کی پیشگوئی، اعضاء انسانی کا کلام کرنا، دجال کی پیدائش اس کا اور اس کے والدین کا نقشہ، سر کے بل انسانوں کا محشر میں چلنا، برہنہ قبور سے نکلنا اور مردوں اور عورتوں کا ایک میدان میں اسی طرح جمع ہونا۔ غرض حشر و نشر اور جنت و دوزخ کی وہ تفصیلات جو مادی عقلوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے کہیں بعید تر ہیں۔ ان سب کے متعلق صاحب شریعت کی طرف سے ہم پر بھی زور دیا گیا ہے کہ وہ سب کی سب حقیقت ہی حقیقت ہیں اور کسی تاویل کے بغیر ہمیں ان کو حقیقت ہی پر محمول کرنا چاہئے۔ چنانچہ اگر جنت کے تذکرہ میں حسب الاتفاق اس کا ذکر آگیا ہے کہ وہاں انسان کی ہر خواہش پوری ہوگی تو سامعین نے کبھی اس کو مبالغہ پر حمل نہیں کیا بلکہ اپنے اپنے ذوق کے مطابق وہی سوالات کئے ہیں جو ان الفاظ کے حقیقی معنی میں پیدا ہو سکتے تھے۔ مثلاً کسی نے یہ سوال کیا کہ کیا جنت میں کاشت اور کھیتی بھی ہوگی اور جب کبھی جنت میں صنفی تعلقات کا ذکر آگیا ہے تو سامعین میں سے اس پر کسی نے ولادت کے مسئلہ کا حل بھی دریافت کیا ہے۔

اسی طرح بقیہ مسائل کے متعلق بھی ایسے سوالات کئے گئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے مخاطب صحابہؓ ہمیشہ آپ ﷺ کے کلام کو حقیقت ہی پر محمول کرنے کے عادی تھے۔ پھر ان کے جو جوابات آپ ﷺ سے منقول ہیں وہ بھی اسی کی دلیل ہیں کہ خود آپ ﷺ نے بھی ان الفاظ سے حقیقی معنوں ہی کا ارادہ فرمایا ہے۔ مثلاً پہلے سوال کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی زراعت منش آدمی کے دل میں وہاں بھی یہ جذبہ پیدا ہوگا تو زراعت اس کی بالیدگی و پختگی سب آن کی آن میں ہو جائے گی اور ذرا سی دیر نہ ہوگی کہ کھیتی کٹ کٹا کر اس کے گھر میں آجائے گی اور قدرت کی طرف سے ارشاد ہوگا۔ ابن آدم! لے تو یہ بھی لے تیری ہوس آخر کسی طرح پوری بھی ہوگی۔ اگر یہاں مجازی معنی استعمال ہوتے تو جواب صاف تھا کہ جنت میں کھیتی کہاں؟۔ اس کا مطلب تو صرف ایک معنی مجازی اور مبالغہ تھا اسی طرح دوسرے سوال کے جواب میں بھی آپ یہی فرما سکتے تھے کہ اگر کوئی شخص ولادت کی تمنا کرے گا تو فوراً حمل و ولادت اور وضع حمل کا سلسلہ آناً فاناً پورا ہو کر کھیلتا ہوا بچہ اس کو مل جائے گا مگر جو دنیا میں میزان مستوفی ملانے کے لئے نہیں آئے بلکہ حقیقت ہی حقیقت بتانے آئے تھے انہوں نے یہاں بھی وہی جواب نہیں دیا جو صرف قیاس سے دیا جا سکتا تھا۔ بلکہ وہ جواب عنایت فرمایا جو حقیقت میں اس کا جواب تھا۔ ارشاد ہے کہ اگر جنت میں کسی کے دل میں یہ تمنا ہوتی تو ایسا ہی ہوتا مگر وہاں کسی کے دل میں یہ تمنا ہی نہ ہوگی۔

غرض شریعت اسلام کی تاریخ میں متکلم و مخاطب دونوں کے حالات سے ہم کو یہی معلوم ہوتا ہے کہ دونوں جانبوں سے شرعی الفاظ کے ہمیشہ حقیقی معنی ہی مراد لئے گئے ہیں بجز اس کے کہ فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے وہاں استعارہ و مجاز اتنا واضح ہو کہ حقیقی معنی کی طرف عام طور پر ذہن کا انتقال ہی مشکل ہو۔ مثلاً صبح کے لئے الخیط الابیض کا لفظ اور شب کی تاریکی کے لئے الخیط الاسود کا لفظ فصیح لغت میں ایک ایسا مجاز ہے کہ اس مجاز کو چھوڑ کر یہاں حقیقت کا استعمال کرنا گویا انداز بلاغت ہی کو چھوڑ دینا ہے۔ اس کے باوجود جب قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی: "حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ۔ البقرہ آیت ۱۸۷" تو کسی دماغ نے اس کھلے ہوئے مجاز کو بھی حقیقت ہی پر

محمول کیا اور سیاہ و سفید رنگ کے دو دھاگے لے کر اپنے تکیہ کے نیچے رکھ لئے اور رات کو اس وقت تک کھاتا پیتا رہا جب تک کہ یہ دو دھاگے علیحدہ علیحدہ صاف صاف نظر نہ آنے لگے۔

جب صبح کو اس واقعہ کی اطلاع آنحضرت ﷺ کو پہنچی تو آپ نے بلیغانہ انداز میں فرمایا تمہارا تکیہ بھی کتنا لمبا چوڑا ہے جس کے نیچے دن کی روشنی اور رات کی تاریکی دونوں سما گئیں۔ یعنی ان الفاظ سے مراد معنی مجازی تھے اور یہاں مجاز ایسا متعین ہے کہ حقیقت کی طرف ذہن جانا ہی مشکل ہے۔ تم نے اس کو حقیقت پر کیسے محمول کر لیا لیکن اس انفرادی غلطی کے باوجود اس کی اتنی اہمیت محسوس کی گئی کہ کلمہ: ”من الفجر“ اور نازل ہو گیا تاکہ پھر یہ مجاز متعارف بھی حقیقت کے اتنا قریب آجائے کہ یہاں کسی ایک فرد کو بھی احکام کے باب میں اس غلط فہمی کا امکان نہ رہے۔

﴾اس سے اندازہ کر لینا چاہئے کہ یہاں ایسے مجازات کا تو بھلا کیا امکان ہو گا جن کی طرف کسی اہل زبان کا ذہن ہی منتقل نہ ہو سکے حتیٰ کہ ان کے زبردستی منوانے کے لئے جدید وحی کی ضرورت محسوس ہو اور کسی نبی مزعوم کو آکر پہلے خود بھی سالوں کا مغالطہ لگا ہے اور وہ بھی ان کو حقیقی معنی پر ہی حمل کرتا رہے پھر جب وہ مدعی مسیحیت بنے تو ان کے مجازی معنی مراد لے اور اس کے سمجھانے میں اس کو امت کے ساتھ مدتوں جنگ کرنی پڑے۔ مثلاً یہ کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی عیسیٰ ابن مریم سے مجازاً فلاں شخص جس کا باپ بھی موجود ہے اور ماں کا نام بھی مریم نہیں ہے مراد ہے اور نزول سے مجازاً ولادت اور حاکم سے مجازاً محکوم اور دمشق سے فلاں شہر اور دو زرد چادروں سے مجازاً دو مرض مراد ہیں۔ غرض کہ اس پیشگوئی کے جملہ الفاظ میں مجازی معنی مراد لے لئے بجز ایک منارہ کے کہ اس کے معنی حقیقی مراد لے اور یہ حقیقی معنی بھی وہ خود اپنے نزول یعنی ولادت بلکہ دعویٰ مسیحیت کے بعد اپنے چندہ سے منارہ بنا کر پیدا کرے بے شک مجاز و استعارہ فصاحت و بلاغت کا ایک اہم باب ہے اور ہر زبان میں پایا جاتا ہے مگر کیا ایسے استعارہ و مجاز کی مثال بھی کسی زبان میں ملتی ہے۔ اگر اس قسم کے استعارہ و مجاز کے لئے بھی کوئی وجہ جواز نکل سکتی ہے تو پھر دنیا میں جھوٹ اور کذب کی کوئی مثال نہیں مل سکتی۔ ہر جھوٹ استعارہ و مجاز کے پردے میں چل سکتا ہے۔﴿

خلاصہ یہ کہ دیگر کتب سماویہ کے مقابلہ میں قرآن کریم اور احادیث نبویہ کا یہ بھی ایک طغریٰ امتیاز ہے کہ یہاں جملہ بیانات اتنے واضح ہیں جتنا کہ وہ ہو سکتے ہیں پھر اگر ان میں کوئی ابہام رہ گیا ہے تو وہ بھی اسی حد تک ہے جو ناگزیر ہے بلکہ وہاں یہ ابہام ہی مناسب ہے۔ بعض مرتبہ مصداق کے ظہور سے قبل وہ ابہام اس لئے بھی ناگزیر ہوتا ہے کہ اس کی تشریح کے لئے عقل انسانی متحمل نہیں ہو سکتی۔ جیسے برزخی کیفیات ظاہر ہے کہ عالم برزخ جب عالم مادیات سے جدا عالم ہے تو جب تک ایک انسان اسی عالم مادہ میں موجود ہے وہ عالم برزخ کے دوسرے عالم کی پوری تفصیلات کا پورا احاطہ کیسے کر سکتا ہے۔

اور در حقیقت آخری شریعت کی یہی صفت ہونی بھی چاہئے کیونکہ پہلی کتب میں اگر کوئی ابہام رہ گیا تو آئندہ نبی نے آکر اس کو واضح کر دیا ہے۔ لیکن اگر ضروری امور میں اس شریعت میں بھی ابہام رہ جائے تو اب یہاں کون ہے جو آئندہ آکر اس کی ذمہ دارانہ تشریح کر سکے مجتہدین کا بیان اس جگہ ناکافی ہے۔ ان کو یہاں دو طرفہ عمل کے لئے وسعت ہوتی ہے۔ اس کے باوجود ان کے بیان کی وہ حیثیت نہیں جو رسول کے سرکاری بیان کی ہو سکتی ہے۔

صریح حدیثوں میں تاویل کا خطرناک نتیجہ

صریح الفاظ اور صریح بیانات کو پیچیدہ بنانے اور ان کی تاویلات کرنے کا نتیجہ کبھی اچھا برآمد نہیں ہوا۔ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کی پیشگوئی میں تاویل کی۔ آخر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انہوں نے دجال کا مصداق سمجھا اور جب دجال ظاہر ہوگا تو اس کو مسیح ہدایت سمجھ کر اس کی اتباع کریں گے۔ اسی طرح نصاریٰ نے آنحضرت ﷺ کی صاف صاف پیشگوئیوں کی تاویلات کیں۔ آخر اس کا بھی جو نتیجہ ظاہر ہونا تھا وہ ہوا اور انہوں نے بھی اسی غلطی کی بدولت آنحضرت ﷺ کا انکار کیا۔ لہذا صاف اور واضح بیانات میں تاویلات کرنا نہایت خطرناک قدم ہے اور اس کا ثمرہ بھی یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جگہ غلط مسیح، مسیح حق مان لئے جائیں اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں تو یہودیوں کی طرح ان کا انکار کر دیا جائے۔ اگر نزول عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اتنے

واضح اور صریح الفاظ میں بھی تاویلات یا مجازات واستعارات جاری کر دینا صحیح ہے تو پھر یہود و نصاریٰ کو بھی قصوروار ٹھہرانا غلط ہوگا جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے متعلق پیشگوئیوں میں تاویلیں کر کے اپنا ایمان برباد کیا۔ والعیاذ باللّٰہ من الزیغ والالحاد!

سیدنا روح اللّٰہ عیسیٰ بن مریم وقطعة مہمة من حیاته الطیبة علیه الصلوٰة والسلام

سیدنا روح اللّٰہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی حیات طیبہ کی ایک اہم سرگزشت

نزول عیسیٰ علیه السلام حق جزم به النبی ﷺ حتّٰی حلف علیه

(۱)..........”عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیِّبِ عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَیُوْشِکَنَّ اَنْ یَّنْزِلَ فِیْکُمْ اِبْنُ مَرْیَمَ حَکَمًا عَدْلاً فَیَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ وَیَضَعُ الْحَرْبَ وَیَفِیْض الْمَالُ حَتّٰی لاَیَقْبَلهٗ اَحَدٌ حَتّٰی تَکُوْنَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَیْرًا مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا ثُمَّ یَقُوْلُ اَبُوْہُرَیْرَةَ وَاَقْرَءُ وْا اِنْ شِئْتُمْ وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ اِلاَّ لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ وَیَوْمَ الْقِیَامَةِ یَکُوْنُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا۰ رواہ البخاری ص ۴۹۰ج۱ باب نزول عیسیٰ بن مریم ومسلم ص۸۷ج۱ باب نزول ابن مریم“

”وفی لفظ من روایة عطاء ولتذھبن الشحناء والتباغض والتحاسد ۰رواہ ابوداؤد وابن ماجه واحمد فی مسندہ ص۴۹۳، ۴۹۴ج۲ وبطریق اخرفی ص۴۱۱ج۲“

”ولفظه یوشك من عاش منکم ان یلقی عیسیٰ بن مریم وعزاہ

السیوطی فی الدرالمنثور ص٢٤٢ ج٢ لابن ابی شیبة وعبدبن حمید واخرجه ابن مردویه وفی لفظه وتکون السجدة واحدة لله رب العالمین واقرؤا ان شئتم وان من اهل الکتاب الالیؤمنن به قبل موته موت عیسیٰ بن مریم ثم یعید ها ابوہریرۃ ثلث مرات .“

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول یقینی مسئلہ ہے۔ حتیٰ کہ آنحضرت ﷺ نے اس کو قسم کھا کر ذکر فرمایا ہے

﴿ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ یقیناً وہ زمانہ قریب ہے جبکہ ابن مریم تمہارے درمیان اتریں گے وہ ایک منصف فیصلہ کرنے والے کی حیثیت سے آئیں گے۔ صلیب کو توڑ ڈالیں گے اور سور کو قتل کریں گے اور جنگ ختم کر دیں گے اور ان کے دور میں مال اس طرح بہا پڑے گا کہ کوئی شخص اس کو قبول کرنے والا نہ ملے گا اور لوگوں کی نظروں میں ایک سجدہ کی قدر و قیمت دنیا و مافیہا سے بھی زیادہ بڑھ جائے گی۔ یہ مضمون روایت فرما کر ابو ہریرہؓ کہتے تھے کہ اگر تم اس مضمون کو قرآن کی روشنی میں دیکھنا چاہو تو سورۃ النساء کی یہ آیت پڑھ لو: ”وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلاَّ لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ .“ بخاری شریف و مسلم شریف میں عطاء کی روایت میں یہ الفاظ اور ہیں کہ ان کے زمانہ کی برکات میں سے یہ بھی ہو گا کہ لوگوں میں کینہ بغض اور حسد کا نام و نشان باقی نہ رہے گا۔﴾

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول میں اگر عام عادت کے خلاف کوئی بات نہیں تو آنحضرت ﷺ اس کو قسم کھا کھا کر کیوں بیان فرماتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہاں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے کسی انسان کی ولادت مراد نہیں، کیونکہ اس میں کوئی ایسی جدید بات نہیں جس پر قسم کھانے کی ضرورت ہو۔ پھر اس پیشن گوئی کی اہمیت راوی حدیث کی نظر میں اتنی ہے۔ کہ وہ اس کو قرآنی پیشن گوئی کہتا ہے۔ اب اس سے اندازہ کر لینا چاہئے کہ جو پیشن گوئی قسم کے ساتھ حدیثوں میں بیان کی گئی ہو بلکہ قرآن کریم میں موجود ہو وہ جزم و یقین

کے کس درجہ میں ہو گی۔ حدیث مذکور میں ان کے زمانہ کی چند ایسی برکات کا تذکرہ بھی آگیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت ایک غیر معمولی شخصیت ہو گی۔ وہ کوئی معمولی محکوم انسان نہیں ہوں گے۔ بلکہ حاکم بھی وہ حاکم ہوں گے۔ جو وقت کی بڑی طاقت یعنی نصرانیت کا صرف روحانی طور پر ہی نہیں' بلکہ مادی طور پر بھی استیصال فرمائیں گے اور شعائر نصرانیت میں سب سے بڑا شعار یعنی صلیب اسکو نیست و نابود کر دیں گے۔ اخروی برکات کے ساتھ ساتھ دنیوی برکات بھی ان کے قدموں سے لگی ہوئی ہوں گے اور یہ سب برکات اتنی ظاہر و باہر ہوں گی کہ اس وقت کے انسانوں کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وہی اسرائیلی رسول ہونے کا بدیہی ثبوت دیں گے۔

یہ بھی واضح رہے کہ حدیث مذکور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا گیا ہے اور حکم وہی ہو سکتا ہے جو فریقین کے نزدیک مسلم ہو اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ نازل ہونے والے وہی اسرائیلی عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ کیونکہ ان کی شخصیت ہی اہل کتاب اور امت محمدیہ ﷺ دونوں کے نزدیک مسلم ہو سکتی ہے۔ اگر بالفرض اس پیشن گوئی کا مصداق کسی ایسے شخص کو قرار دیا جائے جو خود اسی امت میں پیدا ہو تو اس کو حکم نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ اہل کتاب کے نزدیک وہ مسلم نہیں ہو گا۔ یہاں حکم یعنی ثالث کی ضرورت اس لئے ہے کہ دنیا کے خاتمہ پر جملہ ادیان کا پھر ملت واحد بن جانا ضروری ہے اور اس کے لئے اہل کتاب اور اہل قرآن کا باہم اختلاف ختم ہو جانا لازم ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے سب فیصلے دلائل و براہین کی روشنی میں ہوتے ہیں اس لئے اس کی مصلحت نے تقاضا کیا کہ اس مقصد کے لئے ایک ایسی شخصیت آئے جو فریقین کے نزدیک مسلم ہو تاکہ خدائے تعالیٰ کی حجت دونوں فریق پر پوری ہو جائے اس لئے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کا تشریف لانا مقدر ہوا: ”وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلاً ۔“

(۲)............ ”وَاَخْرَجَ اَبُوْيَعْلٰى مَرْفُوْعًا وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَيَنْزِلَنَّ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ ثُمَّ لَئِنْ قَامَ عَلٰى قَبْرِىْ وَقَالَ يَا مُحَمَّدُ لَاُجِيْبَنَّهٗ كذافِى روح الْمَعَانِىْ من الاحزاب ج۲۲ ص۳۳ زیر آیت خاتم النبیین' مجمع الزوائد

ص ۲۱٤ ج ۸ بحواله مسند ابی یعلیٰ"

﴿آنخضرت ﷺ نے اس ذات کی قسم کھا کر فرمایا جس کے قبضہ میں آپ کی جان ہے کہ عیسیٰ بن مریم ضرور اتر کر رہیں گے اور اگر وہ میری قبر پر آکر کھڑے ہوں گے اور مجھ کو یا محمد ﷺ کہہ کر آواز دیں گے تو میں ان کو ضرور جواب دوں گا۔﴾

(۳)........... "عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَدْرَكَ مِنْكُمْ عِيْسٰى بْنَ مَرْيَمَ فَلْيُقْرِئْهُ مِنِّى السَّلَامَ. كذافى الدر منثور ص ۲٤٥ ج ۲ وقدرواه احمد ص ۲۹۸ ج ۲ فى مسنده عن ابى هريرةؓ مرفوعاً بسند رجاله رجال البخارى مستدرك حاكم ج ۵ ص ۷۵۵ حديث نمبر ۸٦۷۹"

﴿انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا ہے تم میں سے جس شخص کی بھی عیسیٰ بن مریم سے ملاقات ہو وہ ان کو میری جانب سے ضرور سلام کہہ دے۔﴾

(۴)........... "عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ مَوْقُوْفًا عَلَيْهِ اِنِّى لَاَرْجُوْ اِنْ طَالَتْ بِىْ حَيٰوةٌ اَنْ اُدْرِكَ عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ فَاِنْ عَجَّلَ بِىْ مَوْتٌ فَمَنْ اَدْرَكَهٗ فَلْيُقْرِئْهُ مِنِّىْ السَّلَامَ (مسند احمد ص ۲۹۸ ج ۲) ورجاله رجال البخارى وقد اخرج البخارى بهذالاسناد احاديث فراجع ص ۱۰۰۷ ج ۲ و ص ۹۹۹ ج ۲"

﴿ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اگر میری زندگی دراز ہو گئی تو مجھ کو امید ہے کہ عیسیٰ بن مریم سے خود میری ملاقات ہو جائے گی اور اگر اس سے پہلے میری موت آجائے تو جو شخص ن کا زمانہ پائے وہ میری جانب سے ان کی خدمت میں سلام عرض کر دے۔﴾

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول یقینی امر ہے اور ایسا یقینی ہے کہ اس پیش گوئی کے راویوں کی نظروں میں اس کا انتظار لگ رہا تھا۔ نیز یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان کی شخصیت غیر معمولی شخصیت ہے امت کا فرض ہے کہ وہ پیش گوئی کو یاد رکھے اور جس خوش نصیب کو وہ زمانہ ہاتھ آجائے اس پر لازم ہے کہ وہ آنخضرت ﷺ کا سلام پہنچا کر آپ ﷺ کی وصیت کو پورا کرنے کی سعادت حاصل کرے۔

ان عیسیٰ علیه الصلوٰة والسلام لم یمت الی الان وانه راجع الینا ثم یاتی علیه الفناء

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اب تک وفات نہیں ہوئی ان کو تشریف لانا ہے اس کے بعد ان کی وفات ہونی ہے

(۵).........."عَنِ الْحَسَنِ مَرْفُوْعًا وَمَوْقُوْفًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِلْیَهُوْدِ اِنَّ عِیْسٰی لَمْ یَمُتْ وَاِنَّهٗ رَاجِعٌ اِلَیْكُمْ قَبْلَ یَوْمَ الْقِیٰامَةِ اخرجه ابن جریر مرفوعاً عنه ج۳ ص۲۸۹ واخرج ابن کثیر ج۱ ص۳۶۶ من اٰل عمران وذکره فے النساء من طریق اٰخر موقوفاً علیه واخرجه ابن ابی حاتم مرفوعاً و درمنثور ج۲ ص۳۶ زیر آیت انی متوفیك"

﴿حضرت حسنؒ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود سے ارشاد فرمایا! عیسیٰ علیہ السلام ابھی مرے نہیں ہیں اور قیامت سے پہلے ان کو لوٹ کر تمہارے پاس آنا ہے۔﴾

عجیب بات ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں یہود و نصاریٰ کو علیحدہ علیحدہ خطاب فرمایا ہے چونکہ یہود عیسیٰ علیہ السلام کو مردہ تصور کرتے ہیں اور ان کی دوبارہ آمد کے منکر ہیں اس لئے جب آپ نے خاص یہود کو خطاب فرمایا تو ان کے مقابلہ میں خاص طور پر ان کی دوبارہ تشریف آوری پر زور دیا ہے اور صراحت کے ساتھ ان کی موت کی نفی فرمادی ہے جس سے ثابت ہوا کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہی نہیں ہوئی تو پھر ان کا دوبارہ تشریف لانا خود بخود ضروری ہے اور اس حقیقت کی مزید تاکید کے لئے جو شخص آسمانوں پر گیا ہے وہی شخص دوبارہ آئے گا لفظ "رجوع" یعنی لوٹنے کا استعمال فرمایا ہے۔ اس کے برعکس نصاریٰ ہیں وہ ان کو خدا مانتے ہیں۔ لہذا ان کے نزدیک وہ فنا کے تحت آ ہی نہیں سکتے۔ لہذا آپ نے جب خاص ان سے خطاب فرمایا تو ان کو یہ کہہ کر قائل

کیا ہے کہ خدا وہ ہے جس کو کبھی فنا نہ ہو اور عیسیٰ علیہ السلام کو اترنے کے بعد موت آنی ہے۔ پھر وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔

(۶)............ ’’عَنِ الرَّبِیْعِ مُرْسَلاً قَالَ اِنَّ النَّصَارٰیٰ أَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ فَخَاصَمُوْہُ فِےْ عِیْسَی بْنِ مَرْیَمَ وَقَالُوْا لَہٗ مَنْ اَبُوْہُ وَقَالُوْا عَلَی اللّٰہِ الْکِذْبَ وَالْبُھْتَانَ فَقَالَ لَھُمُ النَّبِیُّ ﷺ اَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّہٗ لَایَکُوْنُ وَلَدٌ اِلاَّ وَھُوَ یُشْبَہُ اَبَاہُ قَالُوْا بَلٰے قَالَ اَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَبَّنَا حَیٌّ لَایَمُوْتُ وَاَنَّ عِیْسٰی یَاءْتِیْ عَلَیْہِ الْفَنَاءُ قَالُوْا بَلٰی۔ الحدیث کذافی الدر المنثور من اول سورۃ آل عمران ص۳ ج۲‘‘

﴿ربیع مرسلاً بیان کرتے ہیں کہ نصاریٰ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عیسیٰ بن مریم کے معاملہ میں حضور ﷺ سے جھگڑنے لگے اور کہنے لگے کہ اگر وہ خدا تعالیٰ کے بیٹے نہ تھے تو بتایئے ان کا والد کون تھا اور حق تعالیٰ شانہ پر طرح طرح کے جھوٹ اور بہتان لگانے لگے۔ آپ نے ان سے فرمایا کیا تم اتنا بھی نہیں جانتے کہ ہر بیٹا اپنے باپ کے مشابہ ہوا کرتا ہے۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کیا تم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ زندہ رہنے والی ہے۔ اس کو موت کبھی نہ آئے گی اور عیسیٰ علیہ السلام کو موت آنی ہے۔ انہوں نے اس کا اقرار کیا اور کہا بے شک ان کو موت آنی ہے تو پھر وہ حق تعالیٰ کے مشابہ کہاں رہے۔﴾

اگر بالفرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو موت آچکی تھی تو کیا اس حقیقت کے انکشاف کے لئے اس سے زیادہ بڑھ کر کوئی اور موقع تھا کہ آپ ﷺ یہاں صاف فرمادیتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو کبھی کے مر چکے ہیں مگر قرآن وحدیث میں عیسائیوں کے سامنے ایک جگہ بھی ہم کو اس کا تذکرہ نہیں ملتا۔

(۷)............ ’’عَنْ اَبِی الطُّفَیْلِ عَنْ حُذَیْفَۃَ بْنِ اُسَیْدِ الْغِفَارِیِّ قَالَ اِطَّلَعَ النَّبِیُّ ﷺ عَلَیْنَا وَنَحْنُ نَتَذَاکَرُ فَقَالَ مَاتَذْکُرُوْنَ قَالُوْا نَذْکُرُ السَّاعَۃَ قَالَ اِنَّھَا لَنْ تَقُوْمَ حَتّٰی تَرَوْنَ قَبْلَھَا عَشْرَآیَاتٍ فَذَکَرَ الدُّخَانَ وَالدَّجَّالَ

وَالدَّآبَۃَ وَطُلُوْعَ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِھَا وَنُزُوْلَ عِیْسَی بْن مَرْیَمَ وَیَاجُوْجَ وَمَاجُوْجَ وَثَلَاثَۃَ خُسُوْفٍ خَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ وَخَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ وَخَسْفٌ بِجَزِیْرَۃِ الْعَرَبِ وَاٰخِرُ ذٰلِکَ نَارٌ تَخْرُجُ مِنَ الْیَمَنِ تَطْرُدُ النَّاسَ اِلَی مَحْشَرِھِمْ. اخرجه مسلم ص۳۹۳ ج۲ فصل فی ظهور عشر آیات وعن واثلة نحوه اخرجه الطبرانی ج۳ ص۱۷۱ حدیث نمبر۳۰۲۸ والحاکم ج۵ ص ۶۱۱ حدیث نمبر ۸۳۶۶، وافقه الذهبی علی تصحیحه"

﴿ابو الطفیل حزیفہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس باہر سے تشریف لائے۔ اس وقت ہم قیامت کے متعلق گفتگو میں مشغول تھے۔ آپ نے فرمایا کیا گفتگو کر رہے ہو؟۔ ہم نے عرض کی قیامت کے متعلق باتیں کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا قیامت اس وقت تک ہر گز نہیں آسکتی جب تک کہ اس سے پہلے تم دس نشانیاں دیکھ نہ لو۔ (۱) دھواں۔ (۲) دجال۔ (۳) دابۃ الارض۔ (۴) مغرب کی جانب سے آفتاب کا طلوع۔ (۵) عیسیٰ بن مریم کا اترنا۔ (۶) یاجوج وماجوج کا ظہور۔ (۷) تین خسف ایک مشرق میں۔ (۸) ایک مغرب میں۔ (۹) اور تیسرا جزیرہ عرب میں۔ (۱۰) اور سب سے آخر میں وہ آگ جو یمن سے ظاہر ہوگی اور سب کو دھکا دے کر محشر تک لے جائے گی۔﴾

حدیث مذکور سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کا آنا یقینی ہے مگر اس سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول چند اور علامات کے ساتھ بھی اتنا ہی یقینی ہے حتیٰ کہ ان کی تشریف آوری سے قبل قیامت کا تصور کرنا گویا بے حقیقت بات ہے۔ نیز حدیث مذکور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول جن اور دیگر علامات کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں سے ہر علامت اپنی اپنی نوعیت میں عجیب ہی ہے اور ظاہر ہے کہ انقلاب عالم کے عجیب تر حادثہ کی علامات ایسے ہی عجیب در عجیب ہونی چاہئیں۔ ان کو تاویلیں کر کر کے دنیا کے عام حوادث کی صف میں کھینچنا قیامت کی حقیقت سے ناواقفی کی دلیل ہے بلکہ ایک طرح پر قیامت ہی کا انکار ہے کیونکہ قیامت کا وجود ان علامات کے وجود سے کہیں عجیب تر ہے۔ پس اگر یہ علامات مادی عقول کے نزدیک خلاف عقل ہونے کی بناء پر قابل تاویل ہیں تو پھر قیامت کا وجود بدرجہ

اولیٰ قابل تاویل ہونا چاہئے۔ والعیاذ باللہ! اہل عقل وانصاف کو ذرا ٹھنڈے دل سے اس پر غور کرنا چاہئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول حدیثوں میں قیامت کے قریب تر متعلقات میں شمار کیا گیا ہے۔ پھر اگر اس کو قیاس کرنا ہی ہے تو قیامت پر قیاس کرنا چاہئے عالم کے عام نظم ونسق میں اس کو شامل کر لینا کتنی بڑی نادانی ہے۔ حضرت شاہ رفیع الدینؒ نے اپنے رسالہ علامات قیامت میں قیامت کی علامات کی دو قسمیں قرار دی ہیں۔ صغریٰ (چھوٹی) اور کبریٰ (بڑی) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول علامات کبریٰ میں شامل فرمایا ہے جس کا حاصل حدیث کے الفاظ میں یہ ہے کہ اس کے بعد قیامت کا اس طرح انتظار کرنا چاہئے جیسے جانور کے حمل کی مدت پوری ہو جانے کے بعد اس کا مالک بچہ کی پیدائش کا انتظار کیا کرتا ہے جیسا کہ اس باب کے آخر کی حدیثوں میں عنقریب آپ کے ملاحظہ سے گزرے گا۔

(۸)........"عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَاتَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِيْ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ عَلٰى مَنْ نَاوَاهُمْ حَتّٰى يَاْتِيَ اَمْرُاللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى وَيَنْزِلُ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ مسند احمد ص۴۲۹ ج۴ ورجاله كلهم ثقات"

﴿عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہے گی جو اپنے دشمنوں کے مقابلہ پر غالب رہے گی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو اور حضرت عیسیٰ بن مریم اتریں۔﴾

حدیث مذکور اگرچہ ایک دوسرے مضمون کی حدیث ہے مگر چونکہ قیامت سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری قیامت کی طرح یقینی مسئلہ ہے۔ اس لئے جب کہیں قیامت کا تذکرہ آتا ہے تو اگر وہاں سیاق کلام میں ذرا کوئی مناسبت نکل آتی ہے تو مسلمات کی طرح فوراً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا تذکرہ بھی آجاتا ہے۔

(۹)........"عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ مَرْفُوْعًا قَالَ اِنَّ الْمَسِيْحَ بْنَ مَرْيَمَ خَارِجٌ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَيَسْتَغْنِ بِهِ النَّاسُ عَمَّنْ سِوَاهُ۔ كنز العمال ج١٤ ص٦٢٠ حديث نمبر٣٩٧٣١"

﴾ابن مسعودؓ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت سے پہلے عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) یقیناً تشریف لاکر رہیں گے اور ان کی آمد کے بعد لوگ ان کے سوا سب سے بے نیاز ہو جائیں گے۔﴿

(۱۰)............ ”عَنْ اِبْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعًا كَيْفَ تَهْلِكُ اُمَّةٌ اَنَا فِىْ اَوَّلِهَا وَعِيْسَىٰ فِىْ اٰخِرِهَا ۔ كنزل العمال ج١٤ ص٢٦٩ حديث نمبر٣٨٦٨٢ وصحه فى الدر المنثور فى ضمن اثركعب وحسنه فى الفتح من فضائل اصحاب النبى ﷺ وذكره فى المشكوة ص٥٨٣ فى ثواب هذه الامة عن رزين بسلسلة الذهب قال فى التيسير ص٣٠٢ رواه النسائى وغيره“

﴾ابن عمرؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں بھلا وہ امت کیسے ہلاک ہو سکتی ہے جس کے اول میں تو میں ہوں اور آخر میں عیسیٰ علیہ السلام ہوں۔﴿

(۱۱)............ ” عَنْ جُبَيْرِبْنِ نُفَيْرِالْحَضْرَمِىْ مَرْفُوْعًا مُرْسَلاً لَنْ يُخْزِىَ اللّٰهُ اُمَّةً اَنَا فِىْ اَوَّلِهَا وَعِيْسٰى فِىْ اٰخِرِهَا كذانى الدرالمنثور ص٢٤٥ ج٢ مصنف ابن ابى شيبه ج٥ ص٢٩٩ كتاب الجهاد وقال الذهبى فى التلخيص هو خبر منكر ولم يذكرله وجها وجيها بل الصحيح انه ان لم يكن صحيحا فلا ينحط عن درجة الحسن كما صرح به الحافظ فى الفتح ص٥ ج٧ وعن عروة بن رويم مثله كما فى الكنز ج١٤ ص٣٣٥ حديث نمبر٣٨٨٥٣ وعن كعب مثله مرفوعاً فى ضمن اثره الموقوف عليه كذافى الدرالمنثور وعن جعفر الصادق عن ابيه عن جده مرفوعاً فى حديث نحوه رواه رزين كما فى المشكوة ص٥٨٣ من باب ثواب هذه الامة“

﴾جبیر بن نفیر رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس امت کو ہرگز ناکام نہیں کرے گا جس کے اول میں تو میں ہوں اور آخر میں عیسیٰ علیہ السلام ہوں۔﴿

حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول یقینی ہے اور اس نزول میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت کے لئے ایک بڑی رحمت بھی پنہاں ہے۔ یوں تو

ہر گذشتہ امت دو رسولوں کے درمیان ہی ہوتی چلی آئی ہے مگر چونکہ پہلے ہر رسول کی امت مستقل ہوتی تھی اس لئے اس کو پہلی امت کے آخر میں شمار کرنا بے معنی بات تھی۔ وہاں ہر رسول کا اصل مقام اپنی امت کے اول ہی میں تھا جیسا آنحضرت ﷺ گو نصاریٰ کے بعد تشریف لائے مگر چونکہ آپ مستقل رسول تھے اور آپ کی امت علیحدہ امت تھی اس لئے آپ کو امت عیسیٰ علیہ السلام کے آخر میں شمار کرنا اور یہ کہنا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی امت بھی دو رسولوں کے درمیان ہے۔ اس کے اول میں عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور آخر میں آنحضرت ﷺ بالکل بے معنی بات ہے لیکن اس امت کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ یہاں اس امت کے رسول تو صرف آنحضرت ﷺ ہیں اور چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری اس امت میں بحیثیت رسالت نہ ہو گی اس لئے ان کی امت بھی کوئی جدید امت نہ ہو گی اس لئے ان کو اس امت کے آخر میں شمار کرنا بالکل درست ہے اور اس امت کے حق میں بڑی رحمت کا باعث ہے۔

حدیث مذکور سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ آخر میں آنے والے رسول وہی اسرائیلی رسول ہوں گے اور خود اس امت میں پیدا نہیں ہوں گے کیونکہ اگر وہ خود اس امت میں پیدا ہوں تو پھر ان کو امت کے آخر میں کہنا مناسب نہیں۔ پس یہاں جس طرح امت کے اول میں آنے والے رسول کو اس امت میں شمار کرنا صحیح نہیں اسی طرح اس کے آخر میں آنے والے رسول کو اس امت میں پیدا شدہ کہنا صحیح نہیں بلکہ وہ ایسا رسول ہونا چاہیے جو خود رسول ہو مگر آئندہ اس کی کوئی علیحدہ امت نہ ہو تاکہ اس کو اس امت کے آخر میں کہنا صحیح اور با معنی بات ہو یہ بات دوسری ہے کہ چونکہ وہ آنحضرت ﷺ کے بعد میں آئے گا۔ اس لئے دورۂ نبوت کے لحاظ سے اس کو آپ کی امت میں بھی شمار کرنا درست رہے تو پھر اس میں ایک عیسیٰ علیہ السلام کی تخصیص نہیں تمام انبیاء علیہم السلام بھی آپ کی نبوت کے تحت ہیں اور اس لئے صحیح حدیثوں میں آتا ہے کہ محشر میں آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک سب آپ ہی کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے مگر چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ شان ایک بار دنیا میں بھی ظاہر ہو گی۔ اس لئے تمام انبیاء علیہم السلام میں سے خاص ان کے

اندر یہ رشتہ زیادہ نمایاں رہے گا۔ اس لئے علماء حقائق نے لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام میں اس خصوصیت کا ظہور قیامت کے دن بھی سب میں ممتاز رہے گا۔ عجب نہیں کہ: ” انا اولیٰ الناس بابن مریم “ کی صحیح حدیث میں اس طرف بھی کچھ اشارہ ہو۔

ان عیسیٰ علیه الصلوٰة والسلام ینزل من السماء ولایولد فی الارض

(۱۲)............ ” عَنِ الحَاطِبِ بن اَبِیْ بَلْتَعَةَ قَالَ بَعَثَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلَی الْمَقُوْقِسِ مَلِكِ الا سْكَنْدَرِيَّة قَالَ فَجِئْتُهٗ بِكِتَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاَنْزَلَنِیْ فِیْ مَنْزِلِهٖ وَاَقَمْتُ عِنْدَهٗ ثُمَّ بَعَثَ اِلَیَّ وَقَدْ جَمَعَ بطارقةً وَقَالَ اِنِّیْ سَاُكَلِّمُكَ بِكَلَامٍ وَاُحبُّ اَنْ تفهمَهٗ مِنِّیْ قَالَ قُلْتُ هَلُمَّ قَالَ اَخْبِرْنِیْ عَنْ صَاحِبِكَ اَلَیْسَ هُمْ نبیًّاقُلْتُ بَلٰی هُوَ رَسُوْلَ اللّٰهَ قَالَ فَمَا لَهٗ حَیْثُ كَانَ هٰكَذَا لَمْ یَدْعُ عَلٰی قَوْمِهٖ حَیْثُ اَخْرَجُوْهَ مِنْ بَلَدِهٖ اِلٰی غَیْرِ هَا قَالَ فَقُلْتُ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ اَلَیْسَ تَشْهَدُ اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَمَالَهٗ حَیْثُ اَخَذَهٗ قَوْمُهٗ فَاَرَادُوْا اَنْ یَصْلِبُوْهُ اَنْ لاَّ یَكُوْنَ دَعَا عَلَیْهِمْ بِاَنْ یُّهْلِكُهَمْ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ حَتّٰی رَفَعَهٗ اللّٰه اِلَیْهِ فِی السَّمَاءِ الدُّنْیَا قَالَ اَنْتَ الْحَكِیْمُ الَّذِیْ جَاءَ مِنْ عِنْدِالْحَكِیْمِ ۰ اخرجه البهقی کمافی الخصائص الکبریٰ ج۲ص۱۳۹ باب ماوقع عند کتابیه الیٰ المقوقس قلت ولم یذکره الشیخ قدس سره فی رسالة فی نزول المسیح علیه السلام ۰“

حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے اور زمین کے کسی خطہ میں پیدا نہیں ہوں گے

﴿حاطب بن ابی بلتعۃ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو مقوقس شاہ اسکندریہ کے پاس بھیجا۔ یہ کہتے ہیں کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک لے کر

ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے مجھ کو اپنی جگہ پر بٹھایا اور میں ان کے ہاں مقیم رہا پھر کسی فرصت میں انہوں نے مجھ کو یاد فرمایا اور اپنے مذہبی بزرگوں کو بھی دعوت دی اور کہا مجھ کو تم سے ایک بات کہنی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم اس کو خوب سمجھ لو یہ کہتے ہیں میں نے عرض کی فرمایئے! انہوں نے فرمایا اچھا اپنے پیشوا کے متعلق بتاؤ کیا وہ نبی ہیں؟ میں نے عرض کی یقیناً وہ اللہ کے رسول ہیں۔ اس پر انہوں نے کہا تو پھر ان کی قوم نے ان کو اپنے وطن سے ہجرت کرنے پر مجبور کیا تھا تو انہوں نے کیوں ان پر بددعا نہ کی؟ یہ کہتے ہی میں نے اس کے جواب میں شاہ مقوقس سے کہا کیا آپ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ گواہی نہیں دیتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو پھر جب ان کی قوم نے ان کو پکڑ کر سولی دینے کا ارادہ کیا تھا تو انہوں نے اس وقت ان کے حق میں یہ بددعا کیوں نہ کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کر دے؟ یہاں تک کہ اللہ نے دنیا کے اس آسمان پر ان کو اٹھا لیا۔ یہ سن کر شاہ مقوقس نے کہا تو خود بھی دانا شخص ہے اور جس ہستی کا فیضیافتہ ہے وہ بھی بڑی صاحب حکمت ہے۔

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کے ایک صحابی حاطبؓ اور شاہ مقوقس کے درمیان ایک مربوط گفتگو کا تذکرہ ہے جس کو پڑھ کر بیساختہ دل اس کی تصدیق پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس گفتگو میں صحابی کو مقوقس کے جواب میں گو صرف اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ پھر عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے دشمنوں پر بددعا کیوں نہیں کی مگر انہوں نے شاہ مقوقس پر اور زیادہ زور ڈالنے کے لئے یہ حقیقت بھی واضح کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جو ہجرت فرمائی تھی وہ تو صرف ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف تھی مگر عیسیٰ علیہ السلام کی ہجرت تو ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف تھی۔ ظاہر ہے کہ آپ نے وطن چھوڑا مگر پھر بھی رہے وطن ہی کے قریب۔ میں' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو ایسی جگہ ہجرت فرمائی جہاں نہ وطن کی خبر رہی نہ اہل وطن کی۔ پس بددعا کا سوال وہاں زیادہ چسپاں ہوتا ہے جہاں مظلومیت زیادہ ہو۔ اس پر شاہ مقوقس نے یہ نہیں کہا کہ تم یہ کیا نامعقول بات کہتے ہو حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر کہاں گئے ان کی تو مدت ہوئی وفات ہو چکی ہے بلکہ وہ لاجواب ہو کر چپ رہ گیا اور اس کو خود ان کی بھی اور آنحضرت ﷺ کی بھی غائبانہ داد دینی پڑی۔ معلوم ہوا کہ شاہ مقوقس

کے نزدیک بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ زندہ آسمان پر تشریف لے گئے ہیں اس لئے آسمان ہی سے اتریں گے ان کے علاوہ کسی دوسرے انسان کا دنیا میں پیدا ہونے کا خیال یہ صرف جدید تراشیدہ افسانہ ہے جس کے نہ اہل کتاب ہی قائل تھے نہ علماء اسلام۔

(۱۳)............ "عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ كَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْیَمَ مِنَ السَّمَاءِ فِیْكُمْ وَاِمَامُكُمْ مِنْكُمْ ٠ ذكره البيهقى فى كتاب الاسماء والصفات ص٣٠١ وللبخارى ج١ ص٤٩٠ باب نزول عيسىٰ بن مريم ومسلم ج١ص٨٧ باب نزول عيسىٰ بن مريم عليه السلام على عادة المحدثين فى كون مرادهم به اصل الحديث ٠"

"وعن ابن عباس فى تفسير قوله تعالىٰ ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفرلهم اى من تركت منهم ومدفى عمره حتىٰ اهبط من السماء الىٰ الارض يقتل الدجال فنزلوا عن مقالتهم ووحدوك واقروا اناعبيد: درمنثور ج۲ص ۳۵۰"

"وعنه قال لما اراداللّٰه ان يرفع عيسىٰ الىٰ السماء خرج الىٰ اصحابه وفى البيت اثناء عشررجلا من الحواريين فخرج عليهم من غيرالبيت ورأسه يقطر ماء٠ درمنثور ص۲۳۸ ج۲"

۞ابوہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بھلا اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی جبکہ عیسیٰ علیہ السلام تمہارے درمیان آسمان سے اتریں گے اور تمہارا امام خود تم میں کا ہوگا۔ (الاسماء والصفات) ابن عباسؓ آیت: "وان تعذبهم............ الخ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے یعنی ان لوگوں کو جن کو تو باقی رکھے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی عمر دراز کر دی گئی ہے یہاں تک کہ جب وہ آسمان سے زمین پر اتریں اور دجال کو قتل کر دیں تو جو باقی ماندہ اپنے مشرکانہ عقیدے سے باز آکر تیری وحدانیت کے قائل ہو جائیں اور یہ اقرار بھی کریں کہ میں تیرا

ایک بندہ ہی ہوں تو تو قادر اور حکمت والا ہے۔ نیز ابن عباسؓ ”بل رفعه الله اليه“ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھانے کا ارادہ فرمایا تو وہ اپنے صحابہؓ کے پاس تشریف لائے اس وقت گھر میں صرف بارہ شخص موجود تھے اور وہ گھر کے دروازہ کی بجائے روشندان سے تشریف لے گئے اور اس وقت ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے......﴾

حدیث مذکور میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے ہر چند کہ آسمان کے لفظ کی ان تفصیلات کے بعد جو عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں بیان میں آچکی تھیں کوئی ضرورت نہ تھی مگر اس کے باوجود چونکہ وہ ایک حقیقت تھی۔ اس لئے اگر بضرورت نہ سہی تو ایک حقیقت کے اظہار کے طور پر ہی سہی اس کا جابجا تذکرہ ملتا ہے حتیٰ کہ حضرت ابن عباسؓ بھی جن کے متعلق یہ داستان گائی جاتی ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے قائل تھے مختلف مقامات میں ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کی تصریح فرماتے ہیں پھر اس میں شبہ کیا ہے کہ ایک دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی مرنا ہے کلام صرف اس میں ہے کہ یہ مقدر موت واقع ہو چکی ہے یا آئندہ واقع ہونے والی ہے کتنی نافہمی ہے کہ بالفرض اگر ان کے بارے میں کسی سے موت کا لفظ منقول بھی ہے تو اس کو فوراً بے تحقیق گزشتہ موت پر حمل کر لیا جائے حالانکہ وہ اس کا صاف اقرار بھی کر رہا ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے جا چکے ہیں اور آئندہ تشریف لا کر عام انسانوں کی طرح وفات پائیں گے۔

(۱۴)............”عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍؓ مَرْفُوْعًا قَالَ الدَّجَّال اَوَّلُ مَنْ يَّتَبِعُهُ سَبْعُوْنَ اَلْفاً مِنَ الْيَهُوْدِ عَلَيْها السِّيْجَانُ (الى قوله) قَالَ اِبْنُ عَبَّاسٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَعِنْدَ ذٰلِكَ يَنْزِلُ اخى عِيسى بْنُ مَرْيَمَ مِنَ السَّمَاءِ عَلَى جَبَلِ افيق اِمَامًا هَادِيًا وَحَكَمًا عَادِلاً عَلَيْهِ بُرْنُسٌ لَهٗ مَرْبُوْعُ الْخَلْقِ اصلَتُ سَبِطُ الشَّعْرِ بِيَدِهٖ حَرْبَةٌ يَقْتُلُ الدَّجَّالَ فَاِذَا قَتَلَ الدَّجَّالَ تَضَعُ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا فَكَانَ السِّلْمُ فَيَلْقَى الرَّجُلُ الْاَسَدَ فَلاَ يَهِيْجُهٗ وَيَا خُذُ الْحَيَّةَ فَلاَ

تَضُرُّہُ وَتَنبُتُ الْاَرْضُ کَنَباتِھَا عَلَی عَھْدِ اٰدَمَ وَیُؤمِنُ بِہٖ اَھْلُ الْاَرْض وَیَکُوْن النَّاسُ اَھْلُ مِلَّۃٍ وَاحِدَۃٍ۔ اسحق بن بشیر کنزالعمال ج ١٤ ص٦١٨، ٦١٩ حدیث نمبر٣٩٧٦٦"

﴿ابن عباسؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے سب سے پہلے جو لوگ دجال کی اتباع کریں گے وہ ستر ہزار یہود ہوں گے۔ ان کے سروں پر طیلسان ہوں گے۔ اس سلسلہ میں ابن عباسؓ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اس وقت سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ السلام کو افیق پر آسمان سے اتریں گے اور وہ امام ہادی اور منصف حاکم ہوں گے۔ برنس (باران کوٹ کی طرح ہوتا ہے) پہنے ہوئے ہوں گے۔ وہ میانہ جسم کے ستے ہوئے رخسار اور سیدھے بالوں والے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں نیزہ ہوگا۔ دجال کو قتل کریں گے اور جب اس کے قتل سے فارغ ہو جائیں گے تو جنگ ختم ہو جائے گی اور امن و سلامتی کا یہ عالم ہوگا کہ آدمی اور شیر کا آمنا سامنا ہوگا مگر اس پر حملہ کرنے کا اس کے دل میں ذرا خیال نہ آئے گا۔ آدمی سانپ کو اپنے ہاتھ میں لے گا اور وہ اس کو ذرا بھی نقصان نہ پہنچائے گا اور زمین کی پیداوار میں وہ برکت ہوگی جو کبھی آدم علیہ السلام کے زمانہ میں تھی اور زمین کے بسنے والے ان پر ایمان لے آئیں گے اور سب مخلوق ایک ہی ملت و مذہب کی ہو جائے گی۔﴾

اس حدیث میں بھی صراحت کے ساتھ آسمان کا لفظ موجود ہے اور ان کے دور کے امن وامان اور اصلاح وامان عام کا ایسا نقشہ موجود ہے جس سے بداہتہً ثابت ہوتا ہے کہ یقیناً وہ کوئی غیر معمولی انسان ہوں گے۔ اب اگر کسی کے دل میں ہر حقیقت کو مجاز بنا کر اس پیش گوئی کو اپنے نفس پر صادق کرنے کا جذبہ ہو تو اس کا علاج کس کے پاس ہے۔

ہاں! جو شخص کسی کی ہوائے نفسانی کی خاطر آنحضرت ﷺ کے ان بصیرت افروز ارشادات کی بیجا تاویلات پر یقین لانے کو ترجیح دے وہ اپنا ٹھکانا خود سوچ لے:

"وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوْرًا فَمَا لَہٗ مِنْ نُّوْرٍ۔"

جزم النبی ﷺ بان النازل هو عیسیٰ بن مریم الذی ولد من غیراب وشیده بمالا مزید علیه من ذکر اسمه ونسبه وحلیته والاعمال المهمة التی ینزل لها ومنصبه الذی ینزل به وکیفیة الامن الشامل وسعة الرزق وفیضان المال وغیر ها فی عهده علیه الصلوٰة والسلام

(١٥)………… ” عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِ ﷺ قَالَ الانبیاءُ اِخْوَةُ العَلاَّتِ اَبُوْهُمْ دِیْنُهُمْ واحِدٌ وَّ اُمَّهَا تُهُمْ شَتّٰی وَاَنَا اَوْلَی النَّاسِ بِعِیْسَی بْنِ مَرْیَمَ لِاَنَّهٗ لَمْ یَکُنْ بَیْنِیْ وَبَیْنَهٗ نَبِیٌّ وَاَنَّهٗ نَازِلٌ فَاِذا رَاَیْتُمُوْهُ فَاعْرِفُوْهُ فَاِنَّهٗ رَجُلٌ مَرْبُوْعٌ اِلَی الْحُمْرَةِ وَالبیاضِ سبطٌ کَاَنَّ رَاْسَهٗ یَقْطُرُ وَاِنْ لَّمْ یُصِبْهٗ بَلَلٌ بَیْنَ مُمَصَّرَتَیْنِ فیکسر الصلیب وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ وَیَضَعُ الْجِزْیَةَ وَیُعَطِّلُ المِلَلَ حَتّٰی یُهْلِکَ اللّٰهُ فِیْ زَمَانِهِ المِلَلَ کُلَّهَا غَیْرَ الْاِسْلاَمِ وَیُهْلِکُ اللّٰهُ فِیْ زَمَانِهِ الْمَسِیْحَ الدَّجَّال الْکَذَّابَ وَتَقَعُ الْاَمَنَةُ فِی الْاَرْضِ حَتّٰی تَرْتَعِ الْاِبِلُ مَعَ الْاَسَدِ جَمِیْعًا والنُّمُورُ مَعَ الْبَقَرِ وَالذِّئَابُ مَعَ الْغَنَمِ وَیَلْعَبُ الصِبْیَانُ وَالْغِلْمَانُ بِالْحَیَّاتِ لاَیُضِرُّ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فَیَمْکُثُ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ یَمْکُثَ ثُمَّ یَتَوَفّٰی فَیُصَلّیْ عَلَیْهِ الْمُسْلِمُوْنَ وَیَدْ فَنُوْنَهٗ۔ مسند احمد ج٢ ص ٤٣٧، ٤٠٦ البدائیه والنهائیه ج٢ ص ٩٩ باب صفة عیسیٰ علیه السلام تفسیر ابن جریر ج٦ ص ٢٢، ٢٣“

آنحضرت ﷺ نے پورے یقین کے ساتھ فرمایا ہے کہ آئندہ تشریف لانے والے وہی عیسیٰ ہوں گے جن کی پیدائش بغیر والد کے ہوئی ہے۔ چنانچہ اس کی وضاحت کے لئے آپ نے ان کے نام ان کے نسب اور ان کی شکل و صورت بیان فرمانے کا خاص اہتمام فرمایا ہے۔ اس کے ساتھ آپ کی خدمات مفوضہ ان کا منصب ان کے زمانہ امن عام کی کیفیت رزق کی فراوانی اور دیگر امور کی تفصیلات بھی بیان فرمادی ہیں

۞ ابو ہریرہؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جتنے انبیاء ہیں سب باپ شریک بھائیوں کی طرح ہیں۔ والد ایک اور مائیں علیحدہ علیحدہ ہوں۔ عیسیٰ علیہ السلام سے سب سے زیادہ نزدیک میں ہوں۔ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں۔ دیکھو وہ ضرور اتریں گے اور جب تم ان کو دیکھو تو فوراً پہچان لینا کیونکہ ان کا قد میانہ ہو گا۔ رنگ سرخ و سفید۔ کنگھی کئے ہوئے سیدھے سیدھے بال۔ یوں معلوم ہو گا کہ سر سے پانی ٹپکنے والا ہے۔ اگرچہ اس پر کہیں تری کا نام نہ ہو گا۔ دو گیرو کے رنگ کی چادریں اوڑھے ہوں گے۔ وہ اتر کر صلیب کو توڑ ڈالیں گے۔ سور کو قتل کر دیں گے جزیہ ختم کر دیں گے اور تمام مذاہب ان کے زمانہ میں ختم ہو کر صرف ایک مذہب اسلام باقی رہ جائے گا اور ان کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ جھوٹے مسیح دجال کو ہلاک کرے گا اور زمین پر امن وامان کا وہ نقشہ قائم ہو گا کہ اونٹ شیروں کے ساتھ اور چیتے بیلوں کیساتھ اور بھیڑیے بکریوں کے ساتھ چریں گے اور لڑکے بچے سانپوں کے ساتھ کھیلیں گے اور ایک دوسرے کو ذرا کوئی تکلیف نہ دے گا۔ اسی حالت پر جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہو گا وہ رہیں گے پھر ان کی وفات ہو گی اور مسلمان ان پر نماز جنازہ ادا کریں گے اور ان کو دفن کر دیں گے۔ ۞

اس حدیث پر پہلی نظر ڈالنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہاں اسی مسیح (اسرائیلی علیہ السلام) کا تذکرہ ہے جو ایک بار یہ حیثیت نبوت کے پہلے آچکے ہیں اور وہی اس امت پر ایک بڑی مصیبت کے وقت دوبارہ پھر تشریف لانے والے ہیں۔ کیونکہ زمانے کے لحاظ سے آپ ﷺ سے وہی اتنے قریب ہیں کہ ان کے اور آپ کے درمیان کوئی نبی نہیں۔ اس لئے بھی اس مصیبت کے وقت آپ کی امت کی ہمدردی کا فرض سب سے پہلے ان ہی پر عائد ہوتا ہے۔ نیز آپ نے اس کی مزید توضیح کے لئے ان کا وہی نام ونسب ان کی اسی ملکی نظافت و طہارت اور ان کے اسی حلیہ مبارک کا تذکرہ فرمایا ہے جس کے بعد کسی مجنون کے لئے بھی اشتباہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی پھر آپ ﷺ نے صرف ان کے ماضی کے سوانح کے بیان پر ہی کفایت نہیں فرمائی بلکہ ان کے مستقبل کے ایسے کارنامے اور ایسی روشن برکات کا بھی تذکرہ فرمادیا ہے جن کے بعد ان کی شناخت میں کوئی ادنیٰ تردد نہیں ہو سکتا۔ اب اگر آپ کے فرمودہ پر ایمان لانا ہے تو وہ واضح سے واضح انداز میں یہ آپ کے سامنے موجود ہے اور اگر اپنے خیالات پر ایمان لانا ہے تو یہود اس سے پہلے آنحضرت ﷺ کے حق میں یہی راستہ اختیار کر چکے ہیں۔ کتب سماویہ صاف سے صاف انداز میں آپ کے نام ونسب آپ کی شکل و شمائل اور آپ کے کارناموں کو کھول کھول کر بیان کرتی رہیں اور یہ بدنصیب ان سب کی تاویلیں کر کر کے آپ کا انکار کرتے رہے: "فَلَمَّا جَآءَ هُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَافِرِيْنَ۔"

البلد الذی ینزل فیه عیسیٰ علیه الصلوٰة والسلام وموضع النزول منه بعینه هیاتیه عندنزوله والبرکة العامة فی الاشیاء فی عهده علیه الصلوٰة والسلام

(١٦)........"عَنِ النَّوَاسِ بْنِ سَمْعَان قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰه ﷺ

الدَّجَّال ذَاتَ غَدَاةٍ فَخَفَّضَ فِيْهِ وَرَفَّعَ حَتّٰى ظَنَنَّاهُ فِیْ طَائِفَةِ النَّخْلِ فَلَمَّا
رُحْنَا اِلَيْهِ عَرفَ ذَالِكَ فِيْنَا فَقَالَ مَاشَانُكُمْ قُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ذكَرت الدَّجَّال
غَدَاةً فَخَفَّضْتَ فِيْهِ وَرَفَّعتَ حَتّٰى ظَنَنَّاهُ فِیْ طَائِفَةِ النَّخْلِ فَقَالَ غَيْرُ الدَّجَّال
اَخْوَفَنِیْ عَلَيْكُمْ اِنْ يَّخْرُجَ وَاَنَا فِيْكُمْ فَاَنَا حَجِيْجَهٗ دُوْنَكُمْ وَاِنْ يَّخْرُجْ وَلَسْتُ
فِيْكُمْ فَاَمْرُءٌ حَجِيْجُ نَفْسِهٖ وَاللّٰه خَلِيفَتِیْ عَلٰى كُلِّ مسْلِمٍ اِنَّهٗ شَابٌّ قَطط
عَيْنُهٗ طَافة كَانی أشْبَهُهٗ بِعَبْدِ الْعزیٰ بن قَطَنٍ فَمَنْ اَدرَكَ مِنْكُمْ فَلْيَقْرَءْ عَلَيْهِ
فَوَاتِحَ سُوْرَةَ الكهفِ اِنَّهٗ خَارِجٌ خلَّةً بَيْنَ الشَّامِ وَالْعِرَاقِ فَعَاثٍ يَمِيْنًا وَعَاثٍ
شِمَالاً يَاعِبَادَ اللّٰهِ فَاثْبُتُوْا قُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا لَبثهٗ فِی الْاَرْضِ قَالَ
اَرْبَعُوْنَ يَوْمًا يَوْمٌ كَسنَةٍ وَيَوْم كَشَهْرٍ وَّيَوْمٌ كَجُمُعَةٍ وَسَائِرُ اَيَّامِهٖ كَاَيَامِكُمْ
قُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَذَالِكَ الْيَوْمُ الَّذِی كَسَنَةٍ اتكْفِيْنَا فِيْهِ صَلٰوةُ يَوْمٍ قَالَ
لَااَقْدِرُوْا لَهٗ قَدْرَهٗ قُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهَ وَمَا اَسرَعهٗ فِی الْاَرْضِ قَالَ كَالْغَيْثِ
اسْتَدْبَرَ تهُ الرِّيْحُ فَيَأْتِی عَلَی الْقَوْمِ فَيَدْ عُوْهُمْ فَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَجِيْبُوْنَ لَهٗ
فَيَامُرُ السَّمَاءَ فَتُمَطِر وَالْاَرْضَ فَتُنْبِتُ فَتَرُوْحُ عَلَيْهِمْ سَارِ حَتَهُمْ اَطْوَلَ
مَاكَانَتْ ذُرىً وَاَسْبَغَهٗ ضُرُوعًا وَاَمَدَّهٗ خَوَاصِرِ ثُمَّ يأتِی الْقَوْمِ فَيَدْ عُوْهُمْ
فَيَرُدُّوْنَ عَلَيْه قَوْلَهٗ فَيَنْصَرِفُ عَنْهُمْ فَيَصْبَحُوْنَ مُمْحِلِين لَيْسَ بِاَيْدِيْهِمْ مِنْ
شَئْیِ مِنْ اَمْوَالِهِمْ وَيَمُرُّ بِالْخَربَةِ فَيَقُوْلُ لَهَا اَخرِجِی كُنُوْزَكِ فَتَتْبَعَهٗ كُنُوْزُهَا
كَيَعًا سِيَبَ النحل ثُمَّ يَدْ عُوْهُمْ رَجُلاً مُمْتَلِئًا شَبَابًا فَيَضْرِبُهٗ بِالسَّيْفِ
فَيَقْطَعهٗ جزلتين رَمْيَةَ الْغرض ثُمَّ يَدْعُوْهُ فَيُقبل وَيَتهلّل وَجْهُهٗ وَيَضْحك
فَبَيْنَمَا هُوَكَذَالِكَ اذابَعَثَ اللّٰهُ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ فَيَنْزِلُ عِنْدَالْمَنَارَةِ الْبَيْضاء
شَرْقِیِّ دَمِشق بَيْنَ مَهْرُ وذَتَيْن وَاضِعًا كَفَّيهِ عَلٰی اَجْنحَةِ مَلَكَيْنِ اِذا طَاطَاءَ
رَاسهٗ قطر وَاِذَارَفعَهٗ تَحَدَّ رمِنْهُ جُمَانٌ كَالُّلؤ لوءِ فَلاَ يَحِلُّ لِكَافِريجدُ ريح
نَفْسِه اِلاَّ مَاتَ وَنَفَسهٗ يَنْتَهِیْ اِلٰی حَيْثُ يَنْتَهِیْ طَرْفهٗ فَيَطْلُبهٗ حَتّٰی يُدرِكَهٗ
بِبَاب لدَّ فَيَقْتُلهٗ ثُمَّ يَأْتِیْ عِيْسٰی قَوْمًا قدعَصَمَهُمُ اللّٰه مِنْهُ فَيَمْسح عَنْ

وَجُوْهِهِمْ وَيُحَدِّثُهُمْ بِدرجَاتِهِمْ فِى الْجَنَّةِ فَبَيْنَمَا هُوَكَذَالِكَ اِذْ اَوْحَى اللّٰهِ اِلٰى عِيْسٰى عليه السلام اَنِّىْ قَدْ اَخْرَجْتُ عِبَادًا اِلىْ لاَيَدَ ان لِاَحدٍ بِقِتَا لِهِمْ فَحَرِّزْ عِبَادِىْ اِلَى الطُّورِ وَيَبْعَثَ اللّٰهُ يَاجُوْجَ مَاجُوْجَ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُوْنَ فَيَمُرُّاَ وائلهُمْ عَلٰى بحَيْرة طَبَرِيَةِ فَيَشْرَبُوْنَ مَافِيْهَا وَيَمُرُّ اٰخِرُهُمْ فَيَقُوْلُوْنَ لَقَدْ كَانَ بِهٰذِهٖ مَرَّةَ وَيُحْصَرُ' نَبِىَّ اللّٰهِ عِيْسٰى عليه السلام واصحابهٗ حَتّٰى يَكُوْنَ رَأس الثَّورلِاَ حَدِهِمْ خَيْرًا مِنْ مِّأيَةِ دينار لِاَحَدَكُمُ الْيَوْم فَيَرْغَبُ نَبِىُّ اللّٰهِ عِيْسٰى عليه السلام وَاَصْحَابُهٗ فَيُرْسِلُ عَلَيْهِمِ النَّغَفَ فِىْ رِقَابِهِمْ فَيُصْبِحُوْنَ فَرْسٰى كموت نَفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ يَهْبُطُ نَبِىُّ اللّٰهِ عِيْسٰى عليه السلام وَاَصْحَابُهٗ اِلَى الْاَرْضِ فَلاَيَجِدُوْنَ فِىْ مِثْلِى الْاَرْض مَوْضَعَ شِبْرٍ الاملأئه زَهَمُهُمْ وَنَتْنُهُمْ فَيَرْغَبُ نَبِىُّ اللّٰهِ عِيْسٰى عليه السلام وَاَصْحَابُه اِلَى اللّٰهِ فَيُرْسِلُ اللّٰهُ طَيْرًا كَاَعْنَاقِ الْبُخْتِ فَتَحْمِلُهُمْ فَتطرحهُمْ حَيْثُ شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰه مَطَرًا لاَيَكن مِنْهُ بَيْتُ مَدَرٍوَلاَ وبرِفغسل الْاَرْض حَتّٰى يَتْرُكَهَا كَالْزلَفَةِ ثُمَّ يُقَالُ لِلاَرْض اَنْبِتِىْ ثَمَرَتِكِ ورُدِّى بَرَكَتِكِ فَيَوْمَئِذٍ تَاكُلُ الْعِصَابَةُ مِنَ الرُّما نَةِ وَيَسْتَظِلُّوْنَ بِقَحْفِهَا وَيُبَارَكُ فِى الرِّسَلِ حَتّٰى اَنَّ الِلقْحَةَ مِنَ الْغَنمِ لَتَكْفِىْ الْفخِذَ مِنَ النَّاسِ فَبَيْنَما هُمْ كَذَالِكَ اِذَا بَعَثَ اللّٰهُ رِيْحًاطَيِّبَةً فَتَا خَذُهُمْ تَحْتَ اٰبَاطِهِمْ فَتَقبَضْ رُوْحُ كُلِّ مُؤمِنٍ وَكُلُّ مُسْلِمٍ وَيَبْقٰى شِرَارُ النَّاسِ يَتَهَا رَجُوْنَ فِيْهَا تهارُجَ الحمر فَعَلَيْهِمْ تَقُوْمُ السَّاعَةُ۔ رواه مسلم ج۲ص ۴۰۰' ۴۰۱ باب ذکر الدجال وابوداؤد ج۲ ص۱۳۴' ۱۳۵ باب خروج الدجال ولفظه ثم ینزل عیسیٰ بن مریم عند المنارة البیضاء شرقی دمشق الحدیث والترمذی ص۴۸ ج۲ باب ماجاء فی فتنه الدجال وغراه فی الکنز ج۱۴ص۲۸۵ تا ۲۸۸ حدیث نمبر ۳۸۷۴۰ الابن عساکر وفی لفظه انهبط عیسیٰ ابن مریم واحمد فی مسنده ص۱۸۱' ۱۸۲ج۴ وابن ماجه ص۲۹۶' ۲۹۷ باب فتنه الدجال وخروج عیسیٰ بن مریم۔"

عیسیٰ علیہ السلام کے شہر کا نام اور اس شہر میں خاص محل نزول کا نام اور نزول کے وقت ان کا مکمل نقشہ اور ان کے زمانہ کی برکات

۞ نواس بن سمعانؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن صبح کو رسول اللہ ﷺ نے اتنی اہمیت سے دجال کا تذکرہ فرمایا کہ مارے دہشت کے ہم کو یوں معلوم ہونے لگا گویا وہ یہیں کسی باغ میں موجود ہے۔ جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ہمارے اس دہشت و خوف کو محسوس کر لیا اور پوچھا تم ایسے پریشان کیوں نظر آتے ہو۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ نے صبح دجال کا ذکر اتنی اہمیت کے ساتھ فرمایا کہ ہم کو یوں معلوم ہونے لگا گویا وہ یہیں کسی باغ میں ہے۔ آپ نے فرمایا مجھ کو تم پر دجال سے بڑھ کر دوسری باتوں کا زیادہ اندیشہ ہے۔ دجال کا کیا ہے اگر وہ میری موجودگی میں نکلا تو تمہارے بجائے میں خود اس سے نمٹ لوں گا۔ ورنہ تو ہر شخص خود اس کا مقابلہ کرے اور میں نے تم سب کو خدا کے سپرد کیا۔ دیکھو وہ جوان ہوگا۔ اس کے بال سخت گھونگر والے اور اس کی آنکھ انگور کی طرح باہر کو ابھری ہوئی ہوگی۔ بالکل اس شباہت کا شخص سمجھو جیسا یہ عبدالعزیٰ بن قطن ہے۔ تو تم میں جو شخص بھی اس کا زمانہ پائے اس کو چاہئے کہ وہ سورہ کہف کی اول کی آیتیں پڑھ لے۔ وہ شام اور عراق کی درمیانی گھاٹیوں سے ظاہر ہوگا اور اپنے دائیں بائیں ہر سمت بڑا اودھم مچائے گا۔ تو اے اللہ کے بندو! دیکھو اس وقت ثابت قدم رہنا۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ وہ کتنے عرصہ تک زمین پر رہے گا۔ فرمایا چالیس دن لیکن پہلا دن ایک سال کے برابر ہوگا اور پھر دوسرا ایک ماہ اور تیسرا ایک جمعہ کے برابر ہوگا۔ اس کے بعد بقیہ دن تمہارے عام دنوں کے برابر ہوں گے۔ ہم نے پوچھا جو دن ایک سال کے برابر ہوگا کیا اس دن میں ہم کو ایک ہی دن کی نمازیں ادا کرنی کافی ہوں گی۔ فرمایا نہیں بلحہ ایک دن کی برابر نمازوں کا اندازہ کر کر کے نمازیں ادا کرتے رہنا۔ ہم نے پوچھا وہ کس رفتار سے زمین پر گھومے گا۔ فرمایا اس تیز رفتار بادل کی طرح جس کو پیچھے سے ہوا اڑائے لا رہی ہو۔ وہ کچھ لوگوں کے پاس آ کر ان کو اپنی خدائی پر ایمان لانے کی دعوت دے گا۔ وہ اس پر ایمان لے آئیں گے۔ وہ خوش ہو کر آسمان کو

بارش کا حکم دے گا۔ فوراً بارش آجائے گی اور زمین کو حکم دے گا اسی وقت وہ سبزہ زار ہو جائے گی اور شام کو جب ان کے حیوانات چراگاہوں سے چر کر واپس ہوں گے تو ان کے اونٹوں کے کوہان پہلے سے زیادہ لمبے لمبے ان کے تھن پہلے سے زیادہ دودھ سے لبریز اور ان کی کوکھیں پہلے سے زیادہ تنی ہوئی ہوں گی۔ اس کے بعد وہ کچھ اور لوگوں کے پاس جائے گا اور ان کو بھی اپنی خدائی کی دعوت دے گا مگر وہ اس کو نہ مانیں گے۔ جب وہ ان کے پاس سے واپس ہوگا تو یہ بیچارے سب قحط میں مبتلا ہو جائیں گے اور ان کے قبضہ میں کوئی مال نہ رہے گا۔ سب دجال کے ساتھ چلا جائے گا پھر وہ ایک شور زمین سے گزرے گا اور اس کو یہ حکم دے گا اپنے تمام خزانے باہر اگل دے۔ وہ سب کے سب اس کے پیچھے پیچھے اس طرح ہو لیں گے جیسے مکھیوں کے سردار کے پیچھے پیچھے سب مکھیاں ہوتی ہیں۔ اس کے بعد ایک شخص کو بلائے گا جو اپنے پورے شباب پر ہو گا اور تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر کے اتنی دور پھینک دے گا جتنا تیر انداز اور اس کے نشانہ لگانے کی جگہ کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے پھر اس کو آواز دے کر بلائے گا وہ ہنستا کھل کھلاتا چلا جائے گا۔

ادھر وہ یہ شعبدہ بازیاں دکھلا رہا ہو گا ادھر اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم کو بھیجے گا۔ وہ دمشق کے مشرقی سفید منارہ پر اتریں گے اور دو زرد زعفرانی رنگ کی چادریں اوڑھے ہوئے دو فرشتوں کے بازوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے ہوئے ہوں گے۔ سر جھکائیں گے تو پانی کے قطرے ٹپکتے معلوم ہوں گے اور جب سر اٹھائیں گے تو بالوں میں چاندی کے سے موتی گرتے محسوس ہوں گے۔ جس کافر کو ان کے سانس لگ جائیں گے وہ زندہ نہ رہ سکے گا اور ان کے سانس کا اثر اتنے فاصلہ تک پڑے گا جہاں تک کہ ان کی نظر جائے گی وہ دجال کا پیچھا کریں گے اور باب لد (بیت المقدس میں ایک مقام ہے) پر اس کو پکڑ لیں گے اور یہاں اس کو قتل کر دیں گے۔ اس کے قتل سے فارغ ہو کر عیسیٰ علیہ السلام پھر ان لوگوں کے پاس آئیں گے جو اس کے فتنہ سے بچ رہے ہوں گے اور ان کو تسلی و تشفی دیں گے اور جنت میں ان کے مراتب کا حال بیان فرمائیں گے۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام پر وحی آئے گی کہ اب میری ایک ایسی مخلوق نکلنے والی ہے جس کے مقابلہ کی کسی میں طاقت نہیں۔ لہذا میرے بندوں کو کوہ طور کی

طرف لے جا کر جمع کر دو۔ پھر یاجوج وماجوج ہر پست زمین سے نکل پڑیں گے پہلے ان کا گزر طبریہ کے (مقام کا نام ہے) پانی پر ہو گا وہ اس کو پی کر اس طرح ختم کر دیں گے کہ جب ان کا آخری گروہ ادھر سے گزرے گا تو یوں کہے گا کبھی یہاں پانی تھا پھر بیت المقدس کے خمر پہاڑ پر پہنچیں گے اور اپنی قوت کے گھمنڈ میں کہیں گے ہم زمین والوں کو تو ختم کر چکے لو آؤ اب آسمان والوں کا بھی کام تمام کر دیں اور اپنے تیر آسمان کی طرف پھینکیں گے۔ قدرت ان کے تیروں کو خون آلود کر کے واپس کر دے گی۔

ادھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی جماعت کوہ طور میں محصور ہو گی۔ یہاں تک کہ بیل کا ایک سر اتنا قیمتی ہو جائے گا جیسا آج تمہارے نزدیک سو دینار ہیں۔ اس تنگی کی حالت میں عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی جماعت مل کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو گی۔ ان کی دعا سے ان کی گردنوں میں پھوڑے نکل آئیں گے اور وہ سب کے سب ایک دم میں اس طرح پھول پھٹ کر مر جائیں گے جیسا ایک آدمی مرتا ہے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے اتر کر آئیں گے تو زمین پر کہیں بالشت بھر جگہ نہ ہو گی جہاں ان کے سڑے ہوئے گوشت کی بدبو اور چربی کا اثر نہ ہو۔ عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی جماعت پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے آہ وزاری کرے گی۔ اس پر اللہ تعالیٰ ایک قسم کا پرندہ بھیجے گا جن کی گردنیں بختی اونٹوں کی طرح لمبی لمبی ہوں گی۔ وہ ان کو اٹھا اٹھا کر جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہو گا ڈال دیں گے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ مقام نہبل میں پھینک دیں گے۔ پھر مسلمان ان کے تیر وکمان اور ترکشوں سے سات سال تک آگ جلاتے رہیں گے اور آسمان سے اس زور کی بارش برسے گی کہ کوئی ہستی نہ رہے گی اور جنگل میں کوئی خیمہ نہ بچے گا جس میں بارش نہ ہو۔ یہاں تک کہ تمام زمین میں پانی کی نالیوں کی طرح پانی ہی پانی ہو گا۔ پھر زمین کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہو گا کہ اپنے پھل اور اپنی سب برکت ظاہر کر دے تو وہ برکت ظاہر ہو گی کہ ایک انار سے ایک جماعت کا پیٹ بھر جائے گا اور اس کا چھلکا ان کے سایہ کے لئے کافی ہو گا اور اونٹنی کے ایک مرتبہ کے دودھ میں اتنی برکت ہو گی کہ ایک دودھ والی اونٹنی کئی کئی جماعتوں کے لئے کافی ہو گی اور ایک دودھ کی گائے ایک قبیلہ کو اور ایک دودھ کی بکری ایک چھوٹے خاندان کو کافی ہو گی۔

مخلوق خدا اسی فراغت و عیش کی حالت میں ہو گی کہ ایک اچھی ہوا چلے گی اور اس سے مسلمانوں کی بغلوں میں پھوڑے نکل آئیں گے اور ان سب کو موت آجائے گی اور صرف بد ترین قسم کے کافر بچ رہیں گے جو گدھوں کی طرح منظر عام پر زنا کرتے پھریں گے۔ ان ہی پر قیامت قائم ہو گی۔ (مسلم شریف)﴾

اس روایت میں جو حصہ مقام نہبل کے بعد سے سات سال تک تیر و کمان چلانے کا ہے وہ امام ترمذیؒ کا روایت کردہ ہے۔

اس حدیث میں دجال کا تذکرہ قدرے محل غور ہے۔ اس کے مباحث اپنے محل میں آئیں گے۔ ان میں سے صرف ایک بات کی تشریح یہاں کرنی مناسب ہے۔ حدیث مذکور سے معلوم ہوتا ہے کہ دجال کے زمانہ میں ایک دن ایک سال کی برابر ہو گا۔ حتی کہ اس ایک دن میں ایک سال کی نمازیں ادا کرنی ہوں گی۔ دن کی اس طوالت کی صورت کیا ہو گی؟۔ اس کا حدیث میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک جب دنیا میں ان عجائبات کے ظہور کا زمانہ شروع ہو جائے گا۔ تو عالم کے موجودہ نظم و نسق کے تحت ان واقعات کے حل کرنے اور سمجھنے کی کوشش کرنی بھی مفت کی دردسری ہے۔ تاہم حضرت شاہ رفیع الدینؒ نے اپنے رسالہ "علامات قیامت" میں شیخ محی الدین ابن عربیؒ سے نقل کیا ہے کہ مصائب و آلام کے ان ہنگاموں میں اگر عام گرد و غبار اور غلیظ ابر کی وجہ سے رات و دن متمیز نہ ہو سکیں تو کچھ بعید نہیں ہے۔ آج بھی معمولی بارشوں میں عصر و مغرب و عشاء کی نمازوں میں تقدیم و تاخیر ہو جانا معمولی بات ہے۔ ذرا زیادہ گرہن لگ جائے تو ظہر کا پتہ ملنا بھی مشکل ہے۔ صبح کی نماز کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ پس بہت ممکن ہے کہ اس سب سے بڑے فتنے کے ظہور کے وقت جس طرح روحانیت کا عالم تاریک در تاریک ہو گا اسی طرح عالم عنصریات بھی گرد و غبار اور ابر وباراں کی وجہ سے اتنا مکدر اور تاریک ہو جائے کہ صحیح طور پر یہ اندازہ ہی ممکن نہ رہے کہ رات کب ختم ہوئی اور دن کب آیا اور تھوڑے بہت فرق کے ساتھ فضاء عالم یکساں نظر آنے لگے۔ ان حالات میں اس کے سواء اور کیا صورت ہو گی کہ اوقات نماز کا صرف ایک اندازہ رکھا جائے۔ رہا گھڑیوں کا سوال تو گو گھڑیاں موجود ہیں مگر سب جانتے ہیں کہ خاص کر

عرب میں نمازوں کا تعلق اب بھی آفتاب کے طلوع و غروب ہی کے ساتھ ہے۔ یعنی غروب آفتاب پر یہاں سب گھڑیوں میں ۱۲ بجا دیئے جاتے ہیں۔ اس وجہ سے تمام سال میں یہاں مغرب و عشاء کا وقت کبھی نہیں بدلتا۔ یعنی مغرب ہمیشہ بارہ بجے اور اس کے بعد عشاء ہمیشہ ڈیڑھ بجے کے قریب ہوتی ہے اور اس لئے روزمرہ غروب آفتاب کے ساتھ ساتھ گھڑی کو بھی موسموں کے لحاظ سے آگے پیچھے کرنا پڑتا ہے۔ دوسرے شہروں میں تاریخ کی تبدیلی نصف شب کے بعد ہوتی ہے۔ یہاں ہمیں اس پر گفتگو کرنی نہیں ہے کہ ان دونوں نظاموں میں کون سا نظام معقول اور بہتر ہے۔ کہنا صرف یہ ہے کہ چونکہ موجودہ عقول کے سامنے مادی ہر مشکل مشکل ہے لیکن اس کے مقابلہ میں صحیح سے صحیح حدیثوں کا انکار یا تاویل کوئی مشکل نہیں اس لئے دماغوں میں یہ سوال گزر سکتا ہے کہ گھڑیوں کے بعد نمازوں کے اوقات میں اب کوئی مشکل نہیں ہو سکتی۔

(اس تفصیل میں اس وقت ہم جانا پسند نہیں کرتے کہ جس زمانے میں ان مصنوعات کا تصور بھی دماغوں میں موجود نہ ہو۔ اس میں ایک امی قوم کے سامنے ان جدید آلات کا تذکرہ کرنا ایک سیدھی بات کے سمجھنے میں کتنی مشکلات کا باعث بن سکتا تھا۔ غالباً اسی مصلحت سے یاجوج وماجوج کے خاص آلات حرب کے نام بھی تذکرہ میں نہ آئے ہوں پھر یہ کس کو خبر ہے کہ ایٹمی طاقتوں کے استعمال کے نتیجہ میں آئندہ قوانین جنگ میں آلات حرب کی اجازت کس حد تک رہ جائے گی۔ بہرحال جب تک مستقبل حوادث کے متعلق یہ تفصیلات حدیث میں نہیں آئیں تو صرف اپنے دماغی سوال وجواب سے ان ثابت شدہ تفصیلات کا انکار کرنا کسی طرح مناسب معلوم نہیں ہوتا جو صحیح طریقوں سے معرض بیان میں آچکی ہیں۔)

اس کے علاوہ حدیث مذکور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی بھی کچھ تفصیلات مذکور ہیں۔ ان کو آپ خالی الذہن ہو کر بار بار پڑھیں پھر یہ سوچیں کہ عربی زبان کے مطابق کیا ان تفصیلات میں کسی مجاز و استعارہ کا ارادہ کیا گیا ہے۔ ہم کو مجاز استعارہ سے انکار نہیں مگر آپ کو بھی حقیقت سے انکار نہ ہونا چاہئے۔ اگر سیاق کلام سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ

یہاں متکلم نے یقیناً استعارہ و مجاز سے کام نہیں لیا تو پھر بے وجہ کھینچ کھینچ کر ایک حقیقت کو استعارہ و مجاز کا لباس پہنانا لاحاصل ہے۔

ابھی آپ حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت پڑھ چکے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب آسمان پر اٹھائے گئے تھے تو اس وقت ان کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ یہ کرشمہ قدرت ہے کہ جب وہ نازل ہوں گے تو اس وقت بھی یونہی نظر آئے گا کہ ان کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ گویا وہ غسل کر کے ایک دروازہ سے نکلے تھے اور پانی خشک ہونے سے پہلے اب دوسرے دروازہ سے داخل ہو رہے ہیں۔ جس عالم میں نہ دن ہو نہ رات نہ سردی ہو نہ گرمی اور نہ صحت ہو نہ مرض پھر اس عالم میں اگر پانی کے یہ قطرے بھی کسی تغیر سے محفوظ رہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

پھر جس خدا تعالیٰ میں یہ قدرت ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سانس کو پرندوں کی زندگی کا سبب بنا دے۔ اس میں یہ طاقت کیوں نہیں کہ اسی سانس کو وہ دجال کے حق میں سم قاتل، قرار دیدے۔ اسی طرح یہ بھی اس کی حکمت ہے کہ دجال جیسی قوت کو وہ ان کے صرف ایک اشارہ سے ہلاک کر دے اور دوسری طرف یاجوج و ماجوج کے مقابلہ سے عاجز بنا کر طور کی گوشہ نشینی پر مجبور کر دے تاکہ ایک طرف دنیا کو یہ واضح ہو جائے کہ جس پر دعویٰ الوہیت کی تہمت لگائی گئی تھی وہ تو مدعی الوہیت کا قاتل ہے اور دوسری طرف یہ بھی واضح ہو جائے کہ جس نے ایک مدعی الوہیت کو قتل کیا ہے وہ خود خدا نہیں بلکہ وہ تو ایک بیچارہ بشر ہے اور اس طرح طاقت و ضعف کے ان دونوں مظاہروں میں اصل خدائے قہار ہی کی طاقت کا جلوہ نظر آئے۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ کفر و طغیان کی طاقتوں کو قدرت نے پہلے ہی قدم پر سزا نہیں دے دی ہے بلکہ استدراج و امہال کا قانون برابر ان کے ساتھ جاری رہا ہے۔ فرعون و نمرود شداد و ہامان کی داستانیں پڑھ لو تم کو ثابت ہو گا کہ جب کفر و طغیان اپنی پوری طاقت کو پہنچ چکا ہے تو اس کے بعد پاداش عمل کے قانون نے ان کو پکڑا ہے۔ پھر وہی سنت یہاں یاجوج و ماجوج کے ساتھ بھی جاری ہو گی جب وہ آسمان والوں کے قتل سے مطمئن ہو جائیں گے تو پھر ایسے ہی طریقے سے ان کو ہلاک کیا جائے گا جو آسمان والے کی طرف سے

ہوگا تاکہ عالم علوی کی شکست کا جواب سب غلط ہو کر رہ جائے۔ پھر دنیا کے خاتمہ پر وہی ایک دین رہ جائے گا جو حضرت آدم علیہ السلام کے دور سے شروع ہوا تھا اور آسمان وزمین کی وہی برکتیں ظاہر ہوں گی جو ان کے دور میں ظاہر ہو چکی ہیں اور اس طرح سے: ”ان مثل عیسی عنداللہ کمثل آدم۔“ کا دوسرا نقشہ بھی آنکھوں کے سامنے ہوگا۔ خدا تعالیٰ نے کن حکمتوں سے عالم کو بچھایا، کن حکمتوں سے اس کو پھیلایا، پھر کن حکمتوں سے اس کو سمیٹے گا یہ خود وہی جانتا ہے۔ ہم بے وجہ ہر جگہ ان کے سمجھنے کے لئے اپنی ٹانگ اڑاتے ہیں۔

دریا محیط خویش موجے دارد
خس پندارد کہ ایں کشاکش بادیست

ذکر عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام فی محاورتہ مع النبی ﷺ لیلۃ المعراج انہ نازل قبل قیام الساعۃ وانہ قاتل الدجال ولم یذکر فیہ انہ ینزل لاصلاح ھذا الامۃ خاصۃً وانما یکون ھذا من وظائف امامھا

(۱۷)......... ”عَنْ اِبْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لَقِیْتُ لَیْلَۃَ اسریٰ بِیْ اِبْرَاھِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰی قَالَ فَتَذَاکروا اَمْرَالسَّاعَۃِ فَرَدُّوْا اَمْرَھُمْ اِلٰی اِبْرَاھِیْمَ فَقَالَ لاَعَلْمَ لِیْ بِھَا فَرَدُّوْا الْاَمْرَ اِلیٰ مُوْسٰی فَقَالَ لاَعِلْمَ لِیْ بِھَا فَرَدُّوْا الْاَمْرَ اِلٰی عِیْسٰی فَقَالَ اَمَّا وَجَبْتُھَا فَلاَ یَعْلم بِھَا اَحَدٌ اِلاَّ اللّٰہُ تعالیٰ ذَالِکَ وَفِیْمَا عَھْد اِلیٰ رَبِّیْ عَزَّوَجَلَّ اَنَّ الدَّجَّالَ خَارِجٌ قَالَ وَمَعِیْ قَضِیْبَانِ فَاِذَا رَاٰنِیْ ذَابَ کَمَا یَذوْبُ الرَّصَاص قَالَ فَیُھْلِکُھُمْ اللّٰہُ تَعَالیٰ حَتّٰی اَنَّ الْحَجَرَ وَالشَّجَرَ لَیَقُوْلُ یَامُسْلِمْ اِن تَحْتِیْ کَافِرًا فَتَعَالَ فَاقْتُلْہُ قَالَ فَیَھْلِکُھُمْ اللّٰہُ تَعَالیٰ ثُمَّ یَرْجِعُ النَّاسُ اِلیٰ بِلاَدِھِمْ وَاَوْطافِھِمْ قَالَ فَعِنْدَ ذَالِکَ

يَخرُجُ يَاجُوجُ وَمَاجُوجُ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حدبٍ يَنسلُوْنَ فيطئُوْنَ بلادهُم لاَيَأتُوْنَ عَلىٰ شَئِى اِلاَّ اَهْلِكُوْهُ وَلاَ يمُرّوْنَ علىٰ مَاءٍ اِلاَّ شَرِبُوْهُ ثُمَّ يَرْجِعُ النَّاسُ اِلَيَّ فَيَشْكُوْنَهُمْ فَادعُوْا عَلَيْهِمْ فَيُهْلِكُهُمْ اللّٰهُ تَعَالىٰ وَيُمِيْتُهُمْ حَتّٰى تَجْوَى الْاَرْضُ مِنْ نتن رِيْحِهِمْ قَالَ فَيَنْزِل اللّٰه عَزَّوَجَلَّ اَلْمطَرفتجرف اَجْسَادَهُمْ حَتّٰى يَقْذِفَهُمْ فِى الْبَحْرِ قَالَ اَبِىْ ذَهَبَ عَلَّى هٰهُنَا شَئٌ لَّمْ افهمُ كَادِيْم وَقَالَ يَزِيْدُ يَعْنِىْ اِبْن هَارُوْن ثُمَّ تُنْسَفُ الْجِبَالُ وَتَمَدَّ الْاَرْضُ مَدَّ الْاَدِيْمِ ثُمَّ رَجَعَ اِلىٰ حَدِيْثِ هُشَيْمٍ قَالَ فَفِيْمَا عَهِدَ اِلَيَّ رَبِّىْ عَزَّوَجَلَّ اِنَّ ذَالِكَ اِذَا كَانَ كَذَالِكَ فَاِنَّ السَّاعَةَ كَالْحَامِلِ الْمُتِمِّ الَّتِىْ لاَيَدْرِىْ اَهْلُهَا مَتَى تَفْجَؤهُم بِوِلاَدِهَا لَيْلاً اَوْنَهَارًا۔ رواه احمد فى مسنده ص۳۷۵ج۱والحاكم فى المستدرك وقال صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه ووافقه الذهبى على ذالك فى التلخيص واقر الحافظ فى الفتح من نزول عيسى عليه السلام واخرجه ابن ماجه ص۲۹۹ باب خروج الدجال وعيسىٰ بن مريم وخروج ياجوج ماجوج وابن ابى شيبه وابن جرير ابن المنذ روا بن مردويه والبيهقى كذافى الدرالمنثور ج٤ص٣٣٦“

شب معراج میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آنحضرت ﷺ سے یہ تذکرہ کرنا کہ قیامت کی آمد کا صحیح وقت ان کو بھی معلوم نہیں مگر صرف یہ معلوم ہے کہ اس سے پہلے ان کو دجال کو قتل کرنا ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے امت محمدیہ ﷺ کی اصلاح کا ایک حرف بھی ذکر نہیں فرمایا کیونکہ یہ خدمت دراصل خود اس امت ہی کے ایک شخص کے متعلق ہو گی اس کے بعد پھر

عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منتقل ہو جائے گی!

٭ابن مسعودؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے شب معراج کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت ابراہیم و موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے بھی میری ملاقات ہوئی تھی۔ انہوں نے باہم قیامت کا ذکر چھیڑا۔ آخر فیصلہ کے لئے انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے معاملہ پیش کیا۔ انہوں نے فرمایا مجھ کو تو صحیح وقت کی کچھ معلومات نہیں۔ پھر معاملہ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آیا۔ انہوں نے بھی اپنی لاعلمی کا اظہار فرمایا۔ جب عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے معاملہ آیا تو انہوں نے فرمایا قیامت کے آنے کا ٹھیک وقت تو بجز ایک ذات اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو بھی نہیں ہے۔ ہاں! صرف اتنی بات میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ فرمایا ہے کہ دجال نکلے گا اور میرے ساتھ دو شاخیں ہوں گی اور جب اس کی نظر مجھ پر پڑے گی تو وہ اس طرح پگھل جائے گا جیسے سیسہ (آگ میں) پگھل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کر دے گا پھر یہ نوبت آجائے گی کہ درخت اور پتھر آوازیں دے دے کر کہیں گے او مسلمان! دیکھ یہ میرے پیچھے کافر چھپا ہوا ہے۔ لپک کر آ اور اس کو بھی قتل کر۔ آخر کافر سب ہلاک ہو جائیں گے پھر لوگ اپنے اپنے شہر اور وطن کو واپس ہوں گے تو اس وقت یاجوج وماجوج کی قوم کا حملہ ہو گا اور وہ ہر پست زمین سے نکل نکل کر بکھر پڑیں گے۔ بستیوں میں گھس پڑیں گے جس جس چیز پر بھی ان کا گزر ہو گا اس کو برباد کر ڈالیں گے اور جس پانی پر سے گزریں گے وہ سب پی کر ختم کر دیں گے۔ آخر لوگ شکایت لے کر میرے پاس آئیں گے۔ میں ان پر بد دعا کروں گا۔ اللہ تعالیٰ میری بد دعا سے ان سب کو ہلاک کر دے گا اور وہ سب مر جائیں گے۔ تمام زمین ان کی بدبو سے سڑ جائے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمائے گا جو ان کی نعشوں کو بہا کر سمندر میں ڈال دے گی۔ راوی کہتا ہے کہ اس مقام پر میرے والد نے کچھ فرمایا تھا وہ لفظ میری سمجھ میں نہ آیا صرف کادیم کا لفظ سننے میں آیا۔ یزید بن ہارون راوی کہتا ہے پوری بات یہ تھی کہ پھر پہاڑ دھن دیئے جائیں گے اور زمین جانور کے چمڑے کی طرح پھیلا کر سیدھی کر دی جائے گی۔ اس کے بعد پھر اصل حدیث

بیان فرمائی کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اور منجملہ ان باتوں کے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمائی ہیں یہ ہے کہ جب ایسا ہو تو پھر قیامت اتنی نزدیک سمجھنا چاہئے جیسا وہ گابھن جانور جس کے بچہ کی پیدائش کی مدت پوری ہو چکی ہو اور اس کے مالک ہر وقت اس انتظار میں ہوں کہ دن رات میں نہ معلوم کب بچہ پیدا ہو جائے۔ ﴾

دیکھئے یہاں جب قیامت کا تذکرہ آیا اور جواب کی نوبت سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آئی تو انہوں نے اپنی لاعلمی کے ساتھ ساتھ فوراً اسی بات کا تذکرہ فرمایا جو قیامت کے ساتھ یقین کے اسی درجہ میں ہے۔ یعنی انکا پھر تشریف لانا اور دجال کو قتل کرنا۔ احادیث میں کہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان کے تشریف لانے کا اصل مقصد اس امت کی اصلاح ہو گی تاکہ یہ سوال پیدا ہو کہ اس امت کی اصلاح کے لئے اسرائیلی رسول کی آمد میں اس امت کی کسر شان ہے۔ حالانکہ یہ سوال ہی جاہلانہ ہے۔ ہم آج بھی خدا تعالیٰ کے سب رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں اور ہمارے لئے نہ صرف یہ کہ یہ موجب شرف ہے بلکہ مدار نجات ہے تو پھر اگر کوئی رسول آکر ہماری اصلاح کرتا ہے تو ہمارے لئے اس میں کسر شان کی بات کیا ہے۔ ہاں! اگر کسی رسول کی آمد سے ہمارے رشتہ امیت پر زد پڑتی ہے اور وہ ہم کو دوسری امت بنانا چاہتا ہے تو اس میں صرف ہماری کسر شان نہیں بلکہ آنحضرت ﷺ کی کسر شان بھی ہے۔ والعیاذ باللہ!

من اهم وظائف عیسیٰ علیه الصلوٰة والسلام من قتل الدجال

(۱۸)..........”عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ البَاهِلِیْ فِیْ حَدِیْثٍ طَوِیْلٍ مِنْ ذِكْرِ الدَّجَّال فَقَالَتْ اُمّْ شَرِیْك بِنْت أبِیْ یَارَسُوْل اللّٰهِ فَاَیْنَ الْعَرَبُ یَوْمَئِذٍ قَالَ الْعَرَبُ یَوْمَئِذٍ قَلِیْلٌ وَجُلُّهُمْ بِبَیْتِ الْمُقَدَّس وَاِمَامُهُمْ رَجُلٌ صَالِحٌ فَبَیْنَمَا اِمَامُهُمْ قَدْ تَقَدَّمَ یُصَلّی بِهِمُ الصُّبْحَ اِذَا نَزَلَ عَلَیْهِمْ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ الصُّبْحَ فَرَجَعَ ذَالِكَ الاِمَام یَنْكُصُ یمشی قَهْقَرٰی لِیَقْدَمَ عِیْسٰی لِیُصَلّی فَیضعُ

عِیْسٰی یَدَہٗ بَیْنَ کَتَفَیْہِ ثُمَّ یَقُوْلُ لَہٗ تَقَدَّمْ فَیصَلِّ فَاِنَّھَا لَکَ اُقِیْمَتْ فَیُصَلّٰی بِھِمْ اِمَامُھُمْ فَاِذَا انصَرَفَ قَالَ عِیْسٰی علیہ السلام اِفْتَحُوْا الْبَابَ فَیُفْتَحُ وَرَأہٗ الدَّجَّالُ وَمَعَہٗ سَبْعُوْنَ اَلْفَ یَھُوْدِیٍ کُلُّہٗ ذُوْسَیْفٍ مَحلًّی وَتَاجٍ فَاِذَا نَظَرَ اِلَیْہِ الدَّجَّالُ ذَابَ کَمَا یَذُوْبُ الْمِلْحُ فِی الْمَاءِ وَیَنْطَلِقُ ھَا رِبًاوَیَقُوْلُ عِیْسٰی اَنَّ لِیْ فِیْکَ ضَرْبَۃً لَنْ تَسْبِقَنِیْ بِھَا فَیُدْرِکُہٗ عِنْدَ باب اللُّدِ لِلشَّرْقِیِّ فَیَقْتُلُہٗ فَیَھْزِمُ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ (الی قولہ) وَیترک الصَّدَقَۃَ فَلاَ یَسْعٰے عَلٰی شاۃٍ وَلاَ عَلٰی بَعِیْرٍ وَتُرْفَعُ الشَّحْنَاء وَالتَّبَاغُضُ وَتَنزع حِمَۃُ کُلِّ ذاتِ حَمَّۃ حَتّٰی یُدْخِلَ الْوَلِیْدَۃ یدہ فی الْحَیَۃ فَلاَ تَضُرُہ وتفر الولیدۃُ الاسد فَلاَ یَضُرُّھَا وَیَکُوْنَ الذَّئب فِی الْغَنَمِ کَاَنَّہٗ کَلْبُھَا وَتُمْلاَءَ الْاَرْضُ مِنَ الْمُسْلِم کما یُمْلاَءُ الْاَنَاءُ مِنَ الْمَاءِ وَتَکُوْنَ الکَلِمَۃُ وَاحِدَۃً فَلا یَعْبُدُاِلاَّ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ الحدیث اخرجہ ابوداؤد ج ۲ ص ۱۳۵ باب خروج الدجال وابن ماجہ ص۲۹۷‘۲۹۸ واللفظہ لہ ورواہ ابن ھبان وابن خزیمۃ فی صحیحھما والضیا فی المختارہ فقلہ کذالک فی شرح المواھب للزرقانی ص۵۳ من ذکر المعراج“

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمات میں سب سے نمایاں تر خدمت دجال کو قتل کرنا ہے

❁ابو امامہ باہلیؓ دجال کی ایک طویل حدیث میں نقل کرتے ہیں کہ ام شریکؓ نے کہا یا رسول اللہ! اس دن یعنی دجال کے زمانہ میں عرب کہاں چلے جائیں گے (کہ مسلمانوں کا یہ ابتر حال ہو جائے گا) فرمایا اس وقت عرب بہت کم رہ جائیں گے اور اکثر وہ بیت مقدس میں ہوں گے اور اس وقت ان کا امام ایک نیک شخص ہو گا۔ اس اثناء میں کہ یہ امام صبح کی نماز پڑھانے آگے بڑھ چکا ہو گا کہ دفعتاً عیسیٰ علیہ السلام اتر آئیں گے۔ یہ ان کو دیکھ کر مصلی سے پچھلے پیروں الٹے ہٹ آئیں گے تاکہ عیسیٰ علیہ السلام کو نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھائیں تو عیسیٰ علیہ السلام (شفقت کے انداز میں) اس کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر فرمائیں گے۔

آگے بڑھو اور تم ہی نماز پڑھاؤ کیونکہ اس نماز کی اقامت تو تمہارے ہی نام سے کہی گئی ہے۔ چنانچہ یہ نماز تو یہی امام پڑھائیں گے۔ نماز سے فراغت کے بعد عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے دروازہ کھولو۔ دروازہ کھولا جائے گا ادھر دجال نکل چکا ہوگا۔ اس کے ہمراہ ستر ہزار یہودی ہوں گے۔ ہر ایک کے پاس مزین تلوار اور سر پر طیلسان ہوگا۔ جب دجال کی نظر عیسیٰ علیہ السلام پر پڑے گی تو وہ نمک کی طرح پگھل جائے گا اور بھاگنے لگے گا۔ عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے میرے لئے تیرے نام کی ایک ضرب مقدر ہو چکی ہے۔ اس سے بچ کر تو مجھ سے کہاں نکل سکتا ہے۔ آخر اس کو باب "لد" پر پکڑ لیں گے اور اس کو قتل کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ سب یہودیوں کو شکست دے دے گا۔ اس وقت مال کی اتنی کثرت ہو جائے گی کہ صدقہ دینے کے لئے کوئی فقیر نہ ملے گا۔ لہٰذا بیت المال کی طرف سے کوئی شخص نہ بکری وصول کرنے والا رہے گا اور نہ اونٹ وصول کرنے والا اور بغض و کینہ سب دلوں سے نکل جائے گا اور تمام زہریلے جانوروں کے ڈنک بیکار ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ ایک چھوٹی سی لڑکی سانپ کے سوراخ میں ہاتھ ڈالے گی تو وہ اس کو نہ کاٹے گا اور شیر کو دوڑائیں گے تو وہ اس کو کچھ نہ کہے گا اور بکریوں کے ریوڑ میں بھیڑیا اس طرح ساتھ ساتھ پھریں گے جیسے ریوڑ کا کتا۔ اور زمین مسلمانوں سے اس طرح بھر جائے گی جیسے برتن پانی سے اور صرف ایک خدا کی توحید باقی رہ جائے گی اور ایک اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ ہوگی۔

سبحان اللہ! جس شخصیت عظمیٰ کی برکات یہ ہوں وہ یقیناً کوئی معمولی انسان نہیں ہو سکتا۔ ضرور وہ کوئی خدا تعالیٰ کا قدوس نبی ہونا چاہئے اور یقیناً وہ کوئی ایسا ہی رسول ہونا چاہئے جس کے سب سے بڑے دشمن یہود ٹھہر چکے ہوں اور جس کے جھوٹے قتل کے گھمنڈ میں ایک بار وہ ملعون ٹھہر چکے ہوں۔ دوسری بار اسی کے ہاتھ سب موت کے گھاٹ اتار دیئے جائیں۔ انبیاء علیہم السلام سے عداوت اور بغاوت کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں نکل سکتا۔ اس بد خصلت کی بدولت پہلے وہ نبوت سے محروم کر دیئے گئے تھے اور آخر میں صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دیئے جائیں گے۔ بے شک جو قوم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آنحضرت ﷺ جیسے رأفت و رحمت والے رسول کے ساتھ بھی اپنا طریق کار نہ بدلے۔ ان

کی وجہ سے دنیا کو پاک کرنے ہی میں انسانیت کی فلاح ہے: "اِنَّکَ اِنْ تَذَرْھُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَکَ وَلَا یَلِدُوْآ اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا۔"

شاید موجودہ زمانہ میں اطراف عالم سے سمٹ سمٹ کر انکا ایک جگہ جمع ہونا اسی قومی استیصال کے لئے پیش خیمہ ہو۔ حدیث مذکور سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کا اہم مقصد دجال کا قتل کرنا ہے اور چونکہ اس کا مقابلہ براہ راست انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہے۔ اسی لئے ہر نبی نے اس کی آمد سے اپنی امت کو ڈرایا ہے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ اس کے قتل کے لئے خدا تعالیٰ کے رسولوں ہی میں سے کوئی رسول آئے جو چھوٹے چھوٹے دجال اس سے قبل بھی ظاہر ہوتے رہے وہ اسی امت کے ہاتھوں ہلاک ہوتے رہے لیکن جو دجال کہ خاتم الدجاجلہ یعنی سب دجالوں کے آخر میں آئے گا اور خدائی افعال کے شعبدہ بازیاں ظاہر کرے گا۔ اس کے قتل کے لئے ایک نبی ہی کی تشریف آوری ضروری تھی۔ اس صورت میں اس امت کے لئے یہ کتنی بڑی کرامت اور شرافت ہوگی کہ جب اس پر کوئی خارجی حملہ ہو تو ان کی ہمدردی کے لئے خدا تعالیٰ کے رسول پیش قدمی فرمائیں اور وہ بھی بڑی تمناؤں اور بڑے فخر کے ساتھ۔ کیسے تعجب کی بات ہے جس بات میں اس امت کی شرافت تھی اسی کو برعکس اہانت سمجھا جائے: "وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوْرًا فَمَالَہٗ مِنْ نُّوْرٍ۔"

نزول عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام وظہور کرامۃ هذه الامة وشرفها فی ذالك

(۱۹)............"عَنْ جَابِرِبْنِ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ يَقُوْلُ لَاتَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِیْ يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ قَالَ فَيَنْزِلُ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ ﷺ فَيَقُوْلُ اَمِيْرُهُمْ تَعَالَ فَصَلِّ لَنَا فَيَقُوْلُ لَا اِنَّ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ اُمَرَاءُ تُكْرِمَةَ اللّٰهِ عَلٰى هٰذِهِ الْاُمَّةِ۔ مسلم ج۱ ص۸۷ باب نزول عیسیٰ بن مریم و مسند احمد ج۳ ص۳۴۵، ۳۸۴"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری اور اس میں آنحضرت ﷺ کی امت کی ظہور برتری

﴿ جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق کے مقابلہ پر جنگ کرتی رہے گی اور وہ تاقیامت اپنے دشمنوں پر غالب رہے گی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا آخر عیسیٰ بن مریم اتریں گے (نماز کا وقت ہو گا) مسلمانوں کا امیر ان سے عرض کرے گا تشریف لائیے اور نماز پڑھا دیجئے۔ وہ فرمائیں گے یہ نہیں ہو سکتا۔ اس امت کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اکرام واعزاز ہے کہ تم خود ہی ایک دوسرے کے امام وامیر ہو۔ ﴾

اس امت کی شرافت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گی کہ اس کے رسول کی وفات پر اتنی طویل مدت گزر جانے پر بھی اس میں ایسے افراد موجود رہیں کہ اسرائیلی سلسلہ کا ایک مقدس رسول آکر بھی اس کی امامت کو برقرار رکھے اور اس کے پیچھے آکر نماز میں اس کی اقتداء کرلے اور اس کا اعلان بھی کرے کہ جس کرامت وشرافت کے تم پہلے مستحق تھے اتنی مدت دراز کے بعد آج بھی اسی شرافت و کرامت کے مستحق ہو۔ سوچئے اور ذرا انصاف فرمائیے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لاکر اس طرح اس امت کے پیچھے اقتداء نہ فرماتے تو کیا یہ ثابت ہو سکتا تھا کہ جو امت کل تک خیر امت کہی جاتی تھی آج بھی وہ اپنی اسی شرافت پر باقی ہے۔ یوں تو پہلے نبیوں کے دور میں بھی امت کے افراد لائق سے لائق تر گزرے ہیں مگر آخر کچھ مدت کے بعد ہی ان کا حشر کیا کچھ نہیں ہو گیا جو نبوتوں کے مستحق تھے وہ لعنت کے تحت آگئے یا نہیں۔ لیکن ایک یہ امت بھی ہے جس کی شرافت میں اتنی طویل مدت گزرنے پر بھی ذرا فرق نہیں آیا۔

یہ حقیقت اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے جب ہم اس طرف بھی نظر کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے سفر آخرت کے وقت بھی ایک نماز کا نقشہ یہی تھا کہ مرض الموت میں آپ ﷺ نے منصب امامت کو سب سے بزرگ صدیق اکبرؓ کے سپرد کر دیا تھا۔ اس درمیان

میں ایک ایساوقت آیا کہ ان کی امامت میں خود آنحضرت ﷺ نے تشریف لا کر ان کے پیچھے نماز ادا فرمائی اور در حقیقت یہ اس کا اعلان تھا کہ یہ امت اب اس کمال کو پہنچ چکی ہے کہ ایک رسول کی نماز اس کے پیچھے ادا ہو سکتی ہے۔ لہذا اب سمجھ لینا چاہئے کہ رسول کی آمد کا جو مقصد اعظم ہوتا ہے وہ پورا ہو چکا ہے۔ اس لئے رسولوں کے دستور کے مطابق اس کی وفات کا وقت بھی آجائے تو تعجب کی بات نہیں۔ ایک طرف امامت واقتداء کا یہ نقشہ آپ اپنی آنکھوں کے سامنے رکھئے اس کے ہزار سال سے کہیں زیادہ مدتوں کے بعد امامت واقتداء کا یہ دوسرا نقشہ بھی رکھیں جو یہاں حدیث میں آپ کے سامنے موجود ہے تو آپ کو بداہتہً ثابت ہو جائے گا کہ جس مدت میں پہلی امتیں ہلاک ہو ہو کر دنیا سے نیست و نابود ہو چکی ہیں۔ یہ امت اس سے زیادہ مدت گزرنے پر بھی اپنی اسی شرافت و کرامت پر باقی ہے جو کبھی اس کو اپنے عہد کمال میں حاصل تھی۔ اس سے جہاں ایک طرف اس امت کی بزرگی کا ثبوت ملتا ہے اس سے بڑھ کر آنحضرت ﷺ کی روحانیت عظمیٰ اور آپ کے کمالات کا ثبوت ملتا ہے اور یہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ آپ حقیقی معنی میں خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں بن سکتا کیونکہ جب قیامت تک آپ کی امت میں اس صفت کے لوگ موجود رہیں کہ اگر کوئی قدیم رسول آئے تو بے تکلف وہ ان کے پیچھے آکر نماز ادا کر لے تو اس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ آخری رسول ہیں اور آپ کے بعد کسی رسول کی ضرورت باقی نہیں ہے۔ یہ اچھی طرح ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ اصل وظائف رسالت و نبوت خدائی دین کی تاسیس واشاعت ہے کسی خاص شخص کا قتل کرنا اصل وظائف رسالت میں داخل نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کے بہت سے رسول وہ ہیں جو قتل کرنے کی بجائے خود دشمنوں کے ہاتھوں مقتول ہو گئے ہیں مگر کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے وظیفہ نبوت کی ادائیگی میں ذرا سا بھی قصور کیا تھا۔ والعیاذ باللہ!

پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دجال کو قتل کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ جدید رسالت کی حیثیت سے تشریف لائیں گے بلکہ یہ خدمت کسی حکمت سے ان کے سپرد کی گئی ہے جیسا کہ بہت سے امور حضرت خضر علیہ السلام کے سپرد ہوئے مگر ان عجائبات سے ان کی رسالت کا کوئی ثبوت نہیں مل سکا۔ چنانچہ آج تک امت میں اختلاف ہے

کہ وہ رسول تھے یا نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کے لئے صاحب شریعت رسول ہونا۔ قرآن کریم سے ثابت ہے اور ان پر ہر امت کو ایمان لانا یہ ان کی رسالت کا حق ہے جو پہلے بھی تھا اور آج بھی ہے لیکن آنحضرت ﷺ کے بعد چونکہ شریعت صرف آپ کی شریعت ہے۔ اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی آکر اسی کی اتباع فرمائیں گے بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب تورات بھی آجائیں تو ان کے لئے بھی شریعت یہی شریعت ہو گی۔ اگر کوئی کامل سے کامل رسول کسی بڑی شریعت کا اتباع کرتا ہے تو اس سے اس کی نبوت و رسالت میں ذرہ برابر بھی کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔ بہت سے انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں جن کی اپنی کوئی شریعت ہی نہ تھی لیکن پھر وہ خدا تعالیٰ کے نبی کہلائے پھر جو شریعت کہ سب شرائع کی جامع ہو۔ اگر کوئی رسول آکر اس کی اتباع کرتا ہے تو اس میں اس کی رسالت کے خلاف بات کیا ہے؟۔ لہذا یہ سوال کتنا نا معقول ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے تو کیا رسالت کی صفت ان سے سلب کر لی جائے گی۔ جی نہیں۔ وہ رسول ہی ہوں گے اور جس طرح اس وقت ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس طرح اس وقت بھی ایمان رکھیں گے۔ صرف اتباع شریعت کا مسئلہ ہے تو جب ہر رسول کی اپنی شریعت میں نسخ و منسوخ ہونے سے اس میں کوئی فرق نہیں آتا اسی طرح اگر ایک شریعت منسوخ ہو کر دوسری شریعت آجائے تو اس سے بھی اس میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اس کے کمالات وہی ہیں۔ اس پر ایمان رکھنا اسی طرح ضروری ہے اور جس شریعت کی وہ دعوت دے اس کی اتباع ہر وقت لازم ہے۔ پس پہلے زمانے میں ان کی شریعت انجیل تھی اور نزول کے بعد اب ان کے لئے قرآن کریم شریعت ہو گا پہلے جب وہ شریعت انجیل کے داعی تھے اس وقت قرآن کریم نہ تھا اور جب وہ تشریف لائیں گے تو ان سے پہلے انجیل منسوخ ہو چکی ہو گی اور ان کے سامنے قرآنی شریعت ہو گی۔ لہذا اب وہ خود بھی اسی کا اتباع فرمائیں گے۔ کسی شریعت کے خاص خاص احکام یا شریعت کے منسوخ ہو جانے سے رسالت کے مسلوب ہونے نہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ سوال نہ یہاں پیدا ہوتا ہے اور نہ اس حدیث میں پیدا ہوتا ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے متعلق آپ پڑھ چکے ہیں کہ اگر بالفرض وہ آکر آپ کی شریعت کی اتباع کریں تو کیا اپنی

رسالت سے معزول ہو جائیں گے۔ والعیاذ باللہ!

(۲۰)........... " عَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِیْ الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ (فذكر الحديث وفيه) وَيَنْزِلُ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ عليه السلام عِنْدَصَلٰوةِ الْفَجْرِ فَيَقُوْلُ لَهٗ اَمِيْرُ هُمْ يَارُوْحُ اللّٰهِ تَقَدَّمْ صَلِّ فَيَقُوْلُ هٰذِهِ الْاُمَّةُ لُاُمراءُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ فَيَقْدَمُ اَمِيْرُ هُمْ فَيُصَلّٰى فَاِذَا قَضٰى صَلٰوة اَخَذَ عِيْسٰى حَرْبَتَهٗ فَيَذْهَبُ نَحْوَ الدَّجَّالِ فَاِذَا يَرَاهُ الدَّجَّالُ ذَابَ كَمَا يَذُوْبُ الرَّصَاص فَيَضَعُ حَرْبَتَهٗ بَيْنَ ثَنْدُ وَتِهٖ فَيَقْتُلُه وَينهزم اَصْحَابُهٗ لَيْسَ يَوْمَئِذٍ شَئٌ يوارِى مِنْهُمْ اَحَدًا حَتّٰى اَنَّ الشَّجَرَةَ لَتَقُوْلُ يَامُؤْمِنُ هٰذَا كَافِرٌ وَ يَقُوْلُ الْحَجَرُيَا مُؤْمِنُ هٰذا كَافِرٌ ۔ اخرجه احمد فى مسنده ص٢١٦‘٢١٧ ج ٤ بطريقين واخرجه ابن ابى شيبه والطبرانى والحاكم ج٥ ص ٦٧٤‘٦٧٥ حديث نمبر ٨٥٢٠ باب نزول عيسىٰ عليه السلام من السماء وصحيحه كذافى الدر المنثور ج٢ ص٢٤٣ وعن جابر نحوه وهكذا عند ابى يعلى عنه وفيه انت احق بعضكم امراء على بعض اكرم الله به هذه الا مة كذافى الحاوى للسيوطىؒ ج٢ ص١٦٧ وليست هذه الرواية فى رسالة الشيخ قدس سره وفى رواية فيقول له عيسىٰ انما اقيمت الصلوٰة لك فيصلى خلفه كذافى البدايه والنهايه ج٢ ص٩٩ باب صفته عيسىٰ عليه السلام شمائله فضائله"

﴿عثمان بن ابی العاصؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام فجر کی نماز میں اتریں گے تو اس وقت مسلمانوں کا جو امیر ہو گا وہ ان سے عرض کرے گا اے روح اللہ! آگے تشریف لا کر نماز پڑھائیے۔ وہ فرمائیں گے یہ امت اپنی فضیلت کی وجہ سے خود ہی ایک دوسرے کی امیر ہے۔ اس پر وہ امیر آگے بڑھ کر نماز پڑھائیں گے۔ جب نماز ختم ہو جائے گی تو اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام اپنا نیزہ لے کر دجال کی طرف جائیں گے۔ وہ جب ان کو دیکھے گا تو اس طرح پگھل جائے گا جیسا آگ پر سیسہ پگھل

جاتا ہے۔ وہ اپنا نیزہ اس کے سینہ کے درمیان لگائیں گے اور اس کو ختم کر دیں گے اور اس کا سب گروہ منتشر ہو جائے گا اور کوئی چیز ان کو پناہ نہ دے گی۔ یہاں تک کہ درخت اور پتھر بھی یہ کہے گا اے مومن! میری آڑ میں یہ کافر موجود ہے۔ اس کو بھی قتل کر دے۔ ﴾

دوسری روایت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب اس طرح منقول ہے کہ اس نماز کی اقامت آپ ہی کے نام کی ہوئی ہے۔ یہ کہہ کر وہ ان ہی کے پیچھے نماز ادا کریں گے؟۔

انما ینزل عیسیٰ علیه الصلوٰة والسلام من بین سائر الانبیاء علیه الصلوٰة والسلام خاصة لانه اولیٰ الناس بالنبی صلی الله علیه وسلم

(۲۱)........."عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِی صلی الله علیه وسلم قَالَ لَیسَ بَیْنِیْ وَبَیْنَهٗ نَبِیٌّ یَعْنِیْ عِیسٰی وَاِنَّهٗ نَازِلٌ فَاذَا رَاَیْتُمُوْهُ فَاَعْرِفُوْهُ رَجُلٌ مَرْبُوْعٌ اِلَی الْحُمْرَةِ وَالبیاضِ بَیْنَ مُمَصَّرَ تَیْنِ کَاَنَّ رَأسَهٗ یَقْطُرُ وَان لَّمْ یُصِبْهٗ بَلَلٌ فَیُقَاتِلُ النَّاسَ عَلَی الْاِسْلَامِ فَیَدُقُّ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ وَیَضَعُ الْجِزْیَةَ وَیُهْلِكُ اللّٰهُ فِیْ زَمَانِهِ الْمِلَلُ کُلَّهَا اِلاَّ الْاِ سْلاَمَ وَیُهْلِكُ الْمَسِیْحِ الدَّجَّال فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ثُمَّ یَتَوَفّٰی فَیُصَلّٰی عَلَیْهِ الْمُسْلِمُوْنَ۔ رواه ابوداؤد ص۱۳۵ ج۲ باب خروج الدجال واخرجه ابن ابی شیبة واحمد فی مسنده ج۲ ص۴۰۶ وابن حبان فی صحیحه وابن جریر ج۶ ص۲۲ کذافی الدر المنثور ج۲ ص۲۴۲ البدائیه والنهائیه ج۲ ص۹۹ باب صفة عیسیٰ علیه السلام وصحه الحافظ فی الفتح من نزول عیسیٰ علیه السلام"

﴿ ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میرے اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔ وہ ضرور اتریں گے جب تم ان کو دیکھنا تو پہچان لینا کہ وہ میانہ قد سرخ و سفید رنگ کے اور دو زعفرانی چادریں اوڑھے ہوئے ہوں گے۔ ان پر وہ

شگفتگی و تازگی ہوگی یوں معلوم ہوگا کہ ان کے سر مبارک سے پانی کے قطرے اب ٹپکے۔ اگرچہ ان پر پانی کی نمی بھی نہ ہوگی۔ وہ اسلام پر لوگوں سے جنگ کریں گے۔ صلیب کو چورا چورا کر ڈالیں گے۔ سور کو قتل کریں گے۔ جزیہ کی رسم اٹھا دیں گے۔ ان کے دور میں اللہ تعالیٰ تمام مذاہب ختم کر دے گا اور صرف ایک مذہب اسلام باقی رہ جائے گا اور ان کے دست مبارک پر اللہ تعالیٰ دجال کو قتل کرے گا۔ چالیس سال تک وہ زمین پر زندہ رہیں گے۔ اس کے بعد ان کی وفات ہوگی اور مسلمان ان پر نماز جنازہ ادا کریں گے۔ (ابوداؤد)

حجه واتیانه علی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وسلامه ورده علیه علیهما الصلوٰة والسلام

(۲۲)............ ”وَعَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَیُہِلَّنَّ عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ بَفَجِّ الرَّوْحَاء بِالْحَجِّ اَوْبِالْعُمْرَۃ اویُثَنِّیَہِمَا جَمِیْعًا۔ رواہ مسلم ج۱ص۴۰۸ باب جواز التمتع فی الحج والقران واخرجه مسند احمدج۲ص۵۱۳ ولفظه ینزل عیسیٰ بن مریم فَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ ویمحوا الصَّلِیْبَ وَتَجمَعُ لَہُ الصَّلٰوۃ وَیُعْطِی الْمَالَ حَتّٰی لَایُقْبَلُ وَیَضَعُ الْخَرَاجَ وَیَنْزِلُ الرَّوْحَاء فَیَحجُّ مِنْہَا اَوْیَعْتَمِرُ اَوْیَجْمَعُہُمَا وَتَلَا اَبُوْ ہُرَیْرَۃَ وَاِنْ مِّنْ اَہْلِ الْکِتابِ اِلاَّ لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ وَیَوْمَ الْقِیامَۃَ یَکُوْنُ عَلَیْہِمْ شَہِیْدًا فَزَعَمَ حَنْظَلَۃُ اَنَّ اَبَا ہُرَیْرَۃَ قَالَ یُؤْمِنَ بِہٖ قَبْلَ مَوْت عِیْسٰی فَلاَ اَدْرِیْ ہٰذَا کُلُّہٗ حَدِیْثُ النَّبِی صلی اللہ علیہ وسلم اَمْ شَیْءٌ قَالَہُ اَبُوْہُرَیْرَۃَ تفسیر ابن کثیر ج۱ص۵۷۸ مسند احمد ج۲ص۲۹۰ واخرجه ابن جریر مثله والحاکم وصححه والفظه لیهبطن ابن مریم حکماعدلا واماما مقسطاً ولیسلکن فجا حاجا اومعتمرا ولیا تین قبری حتیٰ یسلم علی ولاردن علیه یقول ابوہریرۃؓ ای بنی اخی ان رأیتموه فقولوا ابو ہریرۃؓ یقرئك السلام درمنثور ج۲ص۲٤٥“

﴿ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام ضرور مقام فج روحاء پر حج یا عمرہ یا دونوں کا احرام باندھیں گے۔ (مسلم شریف) مسند احمد میں حدیث کے پورے الفاظ یہ ہیں کہ عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوۃ والسلام اتریں گے سور کو قتل کریں گے۔ صلیب کا نام و نشان باقی نہ چھوڑیں گے اور مال اتنا تقسیم کریں گے کہ اس کو قبول کرنے والا نہ ملے گا اور جزیہ و خراج اٹھادیں گے اور مقام فج روحاء میں حج یا عمرہ یا دونوں کا احرام باندھیں گے۔ اس کی شہادت میں ابو ہریرہؓ نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی: "وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا" یعنی اہل کتاب میں کوئی شخص ایسا نہ رہے گا جو ان کی وفات سے پہلے یقیناً ان پر ایمان نہ لے آئے اور قیامت میں عیسیٰ علیہ السلام ان پر گواہ ہوں گے۔ حنظلہؒ (راوی حدیث) کہتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں ابو ہریرہؓ نے کہا: "قَبْلَ مَوْتِهٖ" سے مراد عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موت سے پیشتر ہے۔ اب یہ مجھ کو معلوم نہیں کہ یہ تفسیر بھی آنحضرت ﷺ کی جانب سے ہے یا یہ خود ابو ہریرہؓ نے بیان فرمائی ہے۔﴾

يتزوج عليه الصلوٰة والسلام ويولد له ثم يتوفى ويدفن وبيان موضع دفنه

(۲۳)........."عَنْ عبدالله ابن عمر مَرْفُوْعًا يَنْزِلُ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ اِلَى الْاَرْض فَيَتَزَوَّجُ وَيُوْلَدُ لَهٗ الحديث وغراه الكتاب الو فاء واخرجه ابن المراغى فى المدينة وابن الجوزى فى المنتظم وهكذافى المشكوٰة ص ٤٨٠ باب نزول عيسىٰ عليه السلام كتاب الفتن"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول کے بعد شادی کرنا پھر ولادت ہونی اس کے بعد آپ کی وفات اور مقام دفن کا ذکر

﴿عبد اللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عیسیٰ بن مریم علیہ

السلام زمین پر اتریں گے اور نکاح کریں گے اور ان کے اولاد ہو گی۔﴾

(۲۴)............"عن ابی ہریرة مرفوعًا طوبیٰ لعیش بعد المسیح یوذن للسماء فی القطر..............ویوذن الا رض فی النبات حتّٰی لوتَذر حَبَّكَ فی الصَّفَا لنبت وحتّٰی یمر الرجل علیٰ الا سد فلا یضره ویطاء علیٰ الحیة فلا تضره وَلاَ تَشاحُن وَلا تَبَاغُضَ اخرجه ابوسعیْد النقاش فی فوائد العراقین کذافی الکنز ج ١٤ ص٣٣٣ حدیث نمبر٣٨٨٤٤ باب نزول عیسیٰ علیه السلام ابوسعید عنه"

﴿ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد زندگی اور فارغ البالی کے کیا کہنے، آسمان کو بارش کا حکم مل جائے گا اور زمین کو پیدائش کا، حتی کہ اگر تم پتھر پر دانہ ڈال دو گے تو بھی وہ جم جائے گا اور اتنا امن ہو گا کہ آدمی شیر کے قریب سے گزرے گا اور وہ اس کو ذرا نقصان نہیں پہنچائے گا اور بغض و کینہ کا کہیں نام و نشان نہ رہے گا۔﴾

(۲۵)..........."عن محمد بن یوسف بن عبداللّٰه بن سلامؓ عن ابیه عن جده قال مکتوب فی التوراة صفة محمد رسول اللّٰهﷺ وعیسیٰ بن مریم یدفن معه اخرجه الترمذی ج٢ص٢٠٢ باب ماجاء فی فضل النبیﷺ وحسنه کذافی الدرالمنثور ص٢٤٥ ج٢ قلت وقد تکلم فی اسناده الحافظ ابن کثیر فی البدایة والنهایة ص٩٩ ج٢ وقال فی اسناد روایة الترمذی هذه عثمان بن ضحاك والصواب الضحاك بن عثمان المدنی خصائص الکبریٰ ج٢ ص٤٤ مشکوٰة ص٥١٥ باب فضائل سیدالمرسلین"

﴿عبداللہ بن سلامؓ کہتے تھے کہ تورات میں محمد ﷺ کی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی لکھی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آپ کے پاس دفن ہوں گے۔﴾

عجیب بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں: "اولی

النّاس" کا لفظ فرمایا تھا اس کا ظہور یوں ہوا کہ اول تو آپ ﷺ کے اور ان کے درمیان کوئی اور نبی نہیں گزرا۔ گویا دونوں کے زمانے متصل متصل رہے۔ پھر اسی مناسبت کی وجہ سے وہی آپ ﷺ کی امت میں تشریف لائیں گے اور یوں بھی ہوا کہ دفن بھی آپ ﷺ کے پاس ہی آکر ہوں گے۔ زمانی اور مکانی اور موت کی یہ خصوصیات ان کے سوا کسی اور نبی کو میسر نہیں آئیں۔

(۲۶)............"عن عبداللہ بن سلام قال یدفن عیسیٰ مع رسول اللہ ﷺ وصاحبیہٖ فیکون قبرہ رابعا اخرجہ البخاری فی تاریخہ والطبرانی۔ درمنثور ص ٢٤٥ ج ٢"

﴿عبداللہ بن سلامؓ بیان کرتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام آکر رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے دو جاں نثار یعنی ابو بکرؓ اور عمرؓ کے پاس دفن ہوں گے اور اس لحاظ سے ان کی قبر چوتھی ہوگی۔﴾

(۲۷)............"عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اَرٰی انی اعیش مِن بَعدِكَ فَتأذن لی اَنْ ادفن اِلٰی جَنْبِكَ فَقَالَ وَاَنّٰی لَكِ بِذَالِكَ مِنْ مَوْضَعِ مَافِیه اِلاَّ مَوْضع قَبْرِیْ وَقَبْر اَبِیْ بَكْرو عُمَرَ وَعَیْسَی بْنُ مَرْیَمَ اخرجہ ابن عساکر کذافی الکنز ص ٦٢٠ ج ١٤ حدیث نمبر ٣٩٧٢٨ باب نزول عیسیٰ علیہ السلام وفی فصل الخطاب باسناد المستغفری فی دلائل نبوت الہ"

﴿حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی یارسول اللہ ﷺ میرا خیال ہوتا ہے شاید میں آپ ﷺ کے بعد تک زندہ رہوں گی تو آپ ﷺ مجھ کو اس کی اجازت دیں کہ میں آپ کے پہلو میں دفن ہوں۔ آپ نے فرمایا میں اس کی بھلا کیسے اجازت دے سکتا ہوں۔ یہاں تو صرف میری قبر اور ابو بکرؓ و عمرؓ کی قبریں اور عیسیٰ علیہ السلام کی قبر مقدر ہے۔﴾

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

ختم نبوت

محدث کبیر

حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی ؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!

تعارف

الحمدللہ وکفٰی وسلام علیٰ خاتم الانبیاء۔ اما بعد!

محدث کبیر حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ کی تصنیف لطیف ترجمان السنۃ جلد اول کے ص ۳۷۹ سے ۴۲۶ تک رحمت عالم ﷺ کی وصف خاص و امتیازی شان ''ختم نبوت'' کو اچھوتے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ قرآن و سنت کے حوالے سے ایسا مدلل و مبرہن کیا ہے کہ منکرین ختم نبوت کے سارے اوہام باطلہ و خیالات رکیکہ ھباءً منثورا ہو گئے ہیں۔ پڑھیے نور ایمان سے دل جگمگا اٹھے گا۔

فقیر اللہ وسایا

۱۴۲۲/۶/۷ھ

۲۰۰۱/۸/۲۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کان النبی ﷺ نبیا واٰدم بین الروح والجسد

(۱)........ "عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ قَالَ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَتٰی وَجَبَتْ لَکَ النُّبُوَّۃُ قَالَ وَاٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ. رواہ الترمذی ص۲۰۲ج۲ باب ماجاء فی فضل النبی ﷺ وقال ھذا حدیث حسن"

آنحضرت ﷺ نبوت سے اس وقت سرفراز ہو چکے تھے جبکہ حضرت آدم میں نفخ روح بھی نہ ہوا تھا

﴿ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ صحابہؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کو نبوت کب ملی فرمایا اس وقت جبکہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی روح و جسم کے درمیان تھے (یعنی ان میں روح نہیں پھونکی گئی تھی) اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسن کہا ہے۔﴾

حافظ سخاویؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے مشہور الفاظ: "کنت نبیا واٰدم بین الماء والطین" ہمیں کسی حدیث کی کتاب میں نہیں مل سکے۔ حافظ سیوطیؒ نے ان کا صاف طور پر انکار کر دیا ہے البتہ اس کا مضمون قابل تسلیم سمجھا ہے۔ خفاجی شرح شفاء میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے دو تین باتیں ثابت ہوتی ہیں:

(۱)...... آپ کا عالم ارواح میں نبوت سے حقیقتاً سرفراز ہونا۔

(۲)...... جس طرح صفت وجود میں آپ کی ذات سب سے مقدم تھی اسی طرح صفت نبوت میں بھی آپ کا سب سے مقدم ہونا۔

اس مضمون کی پوری توضیح کے لئے اس تفصیل کا نقل کرنا ضروری ہے جو حافظ تقی الدین سبکیؒ نے آیت میثاق کی تفسیر میں لکھی ہے :

"وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيِّيْنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتَابٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۔ آل عمران آیت ۸۱"

﴿اور وہ وقت یاد دلایئے جبکہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا تھا کہ ہم جو تمہیں کتاب و حکمت دیں پھر خدا کا کوئی رسول تمہارے پاس آئے اور جو کتاب تمہارے ساتھ ہو اس کی تصدیق کرے تو (دیکھو) ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا۔﴾

حافظ موصوف نے اس آیت کی شرح میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور اس کا نام "التعظیم والمنۃ فی معنی قوله لتؤمنن به ولتنصرنه" رکھا ہے۔ یوسف بن اسماعیل نبہانی نے جواہر البحار میں اس رسالہ کو بجنسہ نقل کیا ہے۔ خفاجی نے صرف اس کے منتشر ٹکڑے لئے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ازل میں انبیاء علیہم السلام سے آنحضرت ﷺ کے لئے اسی نمونہ کا عہد لیا گیا تھا جیسا کہ امتوں سے نبیوں کے لئے یا رعایا سے خلفاء کے لئے اطاعت و نصرت کا عہد لیا جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے درمیان آپ کا منصب عالی وہ تھا جو امتوں میں انبیاء علیہم السلام کا منصب ہوتا ہے۔ اس لئے اور انبیاء تو صرف نبی ہیں اور آنحضرت ﷺ نبی الانبیاء ہیں یہ حقیقت اگرچہ عالم اجسام میں صاف طور پر عیاں نہیں ہو سکی مگر عالم ارواح اور اس عالم سے ماورا عالم میں جہاں بھی دیگر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ آپ کا اجتماع ہو گیا ہے ظاہر ہو گئی ہے پہلی بار یہ اجتماع شب معراج میں ہوا تھا جبکہ نماز کے لئے امام کی تلاش ہو رہی تھی اس وقت تمام انبیاء علیہم السلام کی صفوں میں امامت کی مستحق آپ ہی کی ذات گرامی ٹھہری۔ گویا امت میں امامت کا جو حق کہ نبی کا ہوتا ہے۔ وہی حق انبیاء علیہم السلام میں آنحضرت ﷺ کا قرار پایا دوسرا اجتماع محشر میں ہو گا۔ وہاں بھی سب انبیاء آپ ہی کے زیر لواء اور آپ ہی کے

جھنڈے کے نیچے ہوں گے جیسا کہ ہر امت اپنے اپنے نبی کے جھنڈے کے نیچے ہو گی۔ تیسری بار شفاعت کا مرحلہ ہے یہاں بھی سب کی خطیب وامام آپ ہی کی ذات مبارک ہو گی بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ جو منصب نبوت آپ کو اس امت کے لئے حاصل ہے وہی منصب آپ کو بلحاظ انبیاء بھی حاصل ہے۔

البتہ اس کا ظہور ان کے ساتھ اجتماع پر موقوف ہے۔ عالم کی تاریخ میں یہ اجتماع کل تین جگہ ثابت ہوتا ہے اور تینوں جگہ آپ کا یہ منصب عالی ظاہر ہوا ہے مگر اس عالم میں بھی انبیاء علیہم السلام کا آپ کے ساتھ اجتماع ہو جاتا تو یہ حقیقت یہاں بھی آشکارا ہو جاتی چنانچہ آخر زمانہ میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے تو ان کا تعلق آپ کی شریعت کے ساتھ وہی ہو گا جو تمام امت کا ہے اور اسی لئے اس اتباع سے ان کی نبوت میں کوئی ادنیٰ شائبہ نقصان بھی لازم نہ آئے گا۔ اسی طرح اگر آپ گزشتہ انبیاء کے زمانہ میں تشریف لے آتے تو وہ بھی اپنی اپنی رسالت پر باقی رہتے ہوئے آنحضرت ﷺ کا اتباع ہی فرماتے اور اس اتباع کی وجہ سے ان کی رسالت میں بھی کوئی نقص لازم نہ آتا۔

رہا مختلف شریعتوں کا معاملہ تو جس طرح مختلف نبوتیں آنحضرت ﷺ کی نبوت کے ماتحت ہیں اسی طرح مختلف شریعتیں مختلف زمانوں اور امتوں کے لحاظ سے حضور ﷺ کی شریعتیں ہیں۔ پس یہود و نصاریٰ کے لحاظ سے آنحضرت ﷺ کی شریعت تورات وانجیل تھی اور امت محمدیہ کے لحاظ سے آپ کی شریعت قرآن شریف ہے اگر زمانوں اور اشخاص کے اعتبار سے احکام مختلف ہو جائیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

مذکورہ بالا تحقیق سے دو حدیثوں کی مراد روشن ہو گئی :

(۱)...... "بعثت الی الناس کافة" میں تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں عام طور پر عموم بعثت کے معنی صرف یہ سمجھے جاتے تھے کہ آپ قیامت تک سب انسانوں کے لئے رسول ہیں۔ لیکن اس تحقیق سے ظاہر ہو گیا کہ آپ کی نبوت کا تعلق صرف مستقبل سے نہیں بلکہ ماضی و مستقبل دونوں سے ہے حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر آنحضرت ﷺ تک سب رسول آپ کی نبوت کے ماتحت ہیں اگرچہ ماتحتی کی نوعیت بدلی ہوئی ہو۔

(۲)........"حدیث کنت نبیا وادم بین الماء والطین" اس حدیث کی مراد صرف یہ سمجھی جاتی تھی کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ کو آپ کی نبوت کا علم حاصل تھا مگر اس میں آپ کی کیا خصوصیت ہے۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی نبوتوں کا علم بھی اللہ تعالیٰ کو اسی طرح حاصل تھا جیسا کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کا۔

اس تحقیق کی بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کو حضرت آدم علیہ السام میں نفخ روح سے پہلے نبوت سے نوازا جا چکا تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ قدرت کی طرف سے کسی کمال کے افاضہ کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ کبھی وہ عالم وجود میں آنے کے بعد کمال کا افاضہ کرتی ہے اور کبھی وجود سے پہلے عالم ارواح ہی میں اس کمال سے نواز دیتی ہے جس کا ظہور قالب انسانی میں مقدر ہو چکا ہے۔ دونوں صورتوں میں اس کمال کا علم اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کو یکساں ہوتا ہے ہاں مخلوق کو پہلی صورت کا علم اس وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ وہ کمال اس کے مشاہدہ میں آجائے اور دوسرے کمال کے علم کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ کوئی مخبر صادق اس کی خبر دے۔ یہاں آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے ہمیں اس بات کا علم ہو گیا ہے کہ کمال نبوت آپ کو اس وقت حاصل ہو چکا تھا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام انسانی صورت پر استوار بھی نہ ہونے پائے تھے اور اسی وقت انبیاء علیہم السلام سے آپ کے لئے ایمان و نصرت کا عہد بھی لے لیا گیا تھا تاکہ معلوم ہو جائے کہ آپ کی رسالت عامہ ان کو بھی شامل ہے اس لحاظ سے سب سے پہلے نبی آپ ہوئے مگر چونکہ جسد عنصری کے لحاظ سے آپ کا ظہور سب سے آخر میں ہوا ہے۔ اس لئے آپ آخر الانبیاء بھی کہلائے مگر اس معنی سے نہیں کہ آپ کو نبوت سب سے آخر میں ملی ہے۔

بلکہ اس معنی سے کہ آپ کا ظہور سب کے آخر میں ہوا ہے ورنہ منصب نبوت کے لحاظ سے آپ کی ولادت سے قبل اور ولادت کے بعد چالیس سال کی عمر سے پہلے اور اس کے بعد کے زمانہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس کو ایک مثال سے یوں سمجھئے کہ اگر ایک شخص اپنی لڑکی کی شادی کے لئے کسی کو وکیل بناتا ہے تو بلاشبہ یہ وکالت صحیح ہے۔ اور اسی وقت سے اس کو تصرف کرنے کا حق بھی حاصل ہے لیکن اس تصرف کا ظہور اس پر موقوف ہے کہ پہلے

کہیں اسے کفو ملے تو وہ شادی کرے بعض مرتبہ مدتوں کفو نہیں ملتا اور اس وکالت کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ شخص وکالت سے موصوف نہیں یا اس کو اس سے پیشتر حق تصرف حاصل نہیں اسی طرح آپ کی نبوت کا معاملہ سمجھنا چاہئے یہاں جسم عنصری کی شرط صرف تصرفات نبوت کے ظہور کے لئے ہے بنفس منصب نبوت کے لئے نہیں۔ اصل یہ ہے کہ کسی حکم کا کسی شرط سے تعلق دو طرح پر ہوتا ہے کبھی فاعل متصرف کے اعتبار سے، کبھی محل قابل کے لحاظ سے، یہاں آنحضرت ﷺ کی نبوت کے لئے جسم عنصری کی شرط فاعل متصرف کی طرف سے نہ تھی کیونکہ حق تعالیٰ نے آپ کو منصب نبوت سے عالم ارواح ہی میں سرفراز کر دیا تھا جسم ناسوتی کی شرط تھی تو صرف اس لئے تھی کہ مبعوث الیہم میں جسم کے بغیر استفادہ کی قابلیت نہ تھی تصرفات نبوۃ یعنی احکام الٰہیہ کی تبلیغ اس پر موقوف تھی کہ آپ جسم عنصری میں تشریف لا کر ان سے خطاب کریں۔ کلام الٰہی انہیں سنائیں اور سمجھائیں۔

اگر مخاطبین میں ان امور کی اس سے قبل صلاحیت ہوتی تو وہ کمال نبوت کا اس سے قبل بھی ادراک کر لیتے اس لئے قالب انسانی کی شرط یہاں نفس نبوت کے لئے نہیں بلکہ قصور مخاطبین کے لحاظ سے تھی۔ سبکیؒ متوفی ۷۵۶ھ سے پہلے حافظ ابو نعیم اصبہانیؒ نے متوفی (۴۳۰) اور شیخ محی الدین بن عربیؒ (متوفی ۶۳۸) نے فتوحات مکیہ کے باب ۱۰اص ۱۷۴، و باب ۱۱اص ۱۸۵، وباب ۱۴اص ۹۴ وباب ۳۷ ص ۱۷۷، و ۸۲ اوباب ۳۱۳ ص ۶۴، میں اور امام رازیؒ نے (متوفی ۶۰۶) اپنی تفسیر میں پھر بعد میں ابن حجر ہیثمیؒ (متوفی ۹۷۳) اور زرقانیؒ (۱۱۲۲) وغیرہم نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔

خفاجیؒ کو تقی سبکیؒ کی اس رائے سے اختلاف ہے وہ اور انبیاء علیہم السلام کے حق میں آپ کا یہ علاقہ تسلیم نہیں کرتے اور فرماتے ہیں کہ صرف تعظیم و توقیر عظمت و نصرت کے عہد سے اتنا اہم علاقہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ ہمارے نزدیک اس کے خلاف پر جو وجوہات انہوں نے قائم کیے ہیں اس کا جواب ممکن ہے۔ مگر احتیاط یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس بحث سے سکوت اختیار کیا جائے۔ نہ تو اس کا دعوی کرنے کی ضرورت ہے اور نہ اس سے انکار کرنے

کی حاجت۔ آیت کا مفہوم سمجھنے کے لیے صرف آپ کی سیادت و قیادت کا اعتقاد کافی ہے اب یہ بحث کہ انبیا علیہم السلام کے لیے بھی یہ سیادت اسی درجہ کی تھی جس درجہ کی اس امت کے لیے غیر ضروری بحث ہے۔ علامہ خفاجیؒ کو سبکیؒ کی دوسری بحث بلا کسی اختلاف کے تسلیم ہے یعنی یہ کہ آنحضرت ﷺ کو منصب نبوت سب سے پہلے عالم ارواح ہی میں مرحمت ہو چکا تھا اور اس حدیث کا منشاء صرف یہی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آپ کی نبوت کا علم تھا یہ ایک بدیہی اور غیر مفید سی بات ہے۔ (دیکھو نسیم الریاض ج ۱ ص ۳۰۰ تا ۳۰۴)

شیخ اکبرؒ نے اس مضمون کو بڑی رنگینی سے ادا کیا ہے۔ اس کا نقل کرنا موجب طوالت ہے۔ اہل علم کی ضیافت طبع کے لیے یہاں صرف چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں :

()............

الا بابی من کان ملکا وسیدا
و ادم بین الماء والطین واقف

﴿سن لو میرے ماں باپ اس پر قربان جو اس وقت بادشاہ اور سردار بن چکا تھا۔ جبکہ آدم علیہ السلام ابھی آب و گل کے درمیان ہی پڑے ہوئے تھے۔﴾

()............

فذاک الرسول الابطحی محمد
له فی العلی مجد تلید وطارف

﴿یہ وہی مکی رسول ہیں جن کا نام نامی محمد ﷺ ہے اور جن کو ہر قسم کی نئی پرانی بزرگیاں حاصل ہیں۔﴾

()............

اتی بزمان السعد فی اخرالمدی
وکانت له فی کل عصر مواقف

﴿آپ کی آمد مدتوں بعد ایک خوش بخت زمانہ میں ہوئی مگر آپ کی شہرت ہر دور میں رہی ہے۔﴾

()............

اتی لانکسار الدھر یجبرصدعه
فاثنت علیه السن وعوارف

﴿آئے اور ایک شکستہ حال زمانہ کی اصلاح کرنے کے لیے آئے۔ اس لیے زبان خلق اور بخششیں آپ کی ثناء خواں ہے۔﴾

()............

اذارام امرا لایکون خلافه
ولیس لذاک الا مرنی الکون صارف

﴿جب آپ کسی بات کا عزم کر لیتے ہیں تو پھر اس کا خلاف نہیں ہوتا اور نہ عالم میں اس سے کوئی مانع نظر آتا ہے۔﴾

جعل النبی ﷺ خاتم النبیین وادم بین الماء والطین

(۲)............"عَنْ عِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اِنَّهٗ قَالَ اِنِّیْ عِنْدَاللّٰهِ مَكْتُوْبٌ خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ وَاِنَّ اٰدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِیْ طِيْنَتِهٖ۔ رواه فی شرح السنة واحمد فی مسنده(ج٤ص١٢٧، ١٢٨)كما فی المشكوة (ص٥١٣، باب فضائل سید المرسلین ﷺ)والبیهقی والحاكم ص١٩٤ج٣ حدیث ٣٦١٩ كتاب التفسیر كما فی المواهب وقال الحاكم صحیح الاسناد وفی شرحه رواه ابن حبان فی صحیحه ایضا وفی الكنز ص٤١٨ج١١ حدیث ٣١٩٦٠وص٤٤٩ج١١ حدیث ٣٢١١٤)فی لفظ لهذاالحدیث عندابن سعد فی ام الكتاب خاتم النبیین الحدیث"

آنخضرت ﷺ اس وقت خاتم النبیین بنا دیئے گئے تھے جبکہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی آب و گل ہی میں تھے

﴿ عرباض بن ساریہؓ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میں خدا کے نزدیک اس وقت خاتم النبیین مقرر ہو چکا تھا۔ جب کہ آدم علیہ السلام ابھی گارے کی شکل ہی میں پڑے ہوئے تھے (یعنی ان میں روح نہیں پھونکی گئی تھی) اس حدیث کو شرح السنۃ میں اور امام احمدؒ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ کنز العمال میں بحوالہ ابن سعد اس حدیث کے لفظ میں بجائے عند اللہ کے ام الکتاب کا لفظ ہے۔ اب حدیث کا مطلب یہ ہو گا کہ میں لوح محفوظ میں خاتم النبیین لکھا جا چکا تھا۔ گویا ابن سعد کے لفظ کو مسند امام احمد کی شرح سمجھنا چاہیے۔ ﴾

مواہب میں ہے کہ: " واخرج مسلم ج۲ ص۳۳۵ من حدیث عبد اللہ بن عمرو بن العاص عن النبی ﷺ انہ قال ان عزوجل کتب مقاویر الخلق قبل ان یخلق السموات والا رض بخمسین الف سنۃ وکتب فی الذکر ان محمداً خاتم النبیین"

﴿ عبداللہ بن عمرو بن العاص صحیح مسلم میں آنخضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار سال قبل اپنی ہر مخلوق کا اندازہ لکھ دیا تھا اور لوح محفوظ میں یہ بھی لکھ دیا تھا۔ کہ محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ ﴾

یعنی جب عالم تکوین کی ہر معمولی سے معمولی چیز مقدر ہوئی تو جن کے وجود پر عالم تکوین کی آبادی کا مدا تھا۔ ان کا خاتم النبیین ہونا بھی اسی وقت مقدر ہو چکا تھا۔

اس روایت کا آخری فقرہ اگرچہ صحیح مسلم کے موجودہ نسخوں میں نہیں ملتا مگر جب مصنف مواہب نے اس کو بحوال مسلم نقل کیا ہے تو ضرور ان کے نسخہ میں موجود ہو گا۔ واضح رہے کہ اس حدیث کا منشا بھی صرف تحریر و کتابت نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ خلعت ختم نبوت آپ کو اس وقت پہنایا جا چکا تھا۔ جبکہ ابو البشر نے خلعت وجود بھی نہیں پہنا تھا اسی طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے:

”عن ابن عباسؓ فی حدیث الشفاعة فیاتون عیسی فیقولون اشفع النا الی ربنا فیقضی بیننا فیقول انی لست هنا کم انی اتخدت وامی الهین من دون الله ولکن ارائیتهم لوان متاعاً فی وعاءً قد ختم علیه اکان یوصل الی مافی الوعاء حتی یقبض الخاتم فیقولون لافیقول فان محمداﷺ قد حضرالیوم وقد غفرله ماتقدم من ذنبه وماتأخر رواه ابوداؤد الطیالسی ص۳۵۳)وفی لفظ (احمدص۲۸۲ ج۱)وابی یعلی ان محمداﷺ خاتم النبیین قد حضرالیوم“

ابن عباسؓ شفاعت کی طویل حدیث میں روایت کرتے ہیں کہ قیامت میں شفاعت کے لیے آخر کار لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ اور کہیں گے آپ ہی ہمارے پروردگار سے سفارش کیجئے۔ تاکہ ہمارا حساب لے لے۔ وہ فرمائیں گے۔ میں یہ کام نہیں کر سکتا کیونکہ میں اس سے شرمندہ ہوں کہ میرے امتیوں نے مجھے اور میری ماں کو خدا بنالیا تھا۔ لیکن بتلاؤ اگر کسی برتن کو بند کر کے اس پر مہر لگادی جائے۔ کیا اس برتن کی چیز اس وقت تک لے سکتے ہو ؟۔ جب تک اس کی مہر نہ توڑ دو۔ لوگ کہیں گے ایسا تو نہیں ہو سکتا۔ عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے۔ پس محمد ﷺ (جو انبیاء علیہم السلام کے خاتمہ پر مہر ہیں) آج موجود ہیں۔ ان کی آئندہ اور گذشتہ سب لغزشیں معاف ہو چکی ہیں۔ (ان کے پاس جاؤ) مسند احمد اور ابو یعلی کے لفظ یہ ہیں کہ محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں اور آج یہاں موجود ہیں۔ ان الفاظ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صرف تقدیر کا ذکر نہیں فرمایا۔ بلکہ اس نوازش الہیہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ جو ازل میں خلعت ختم نبوت پہنا کر آنحضرت ﷺ پر ہو چکی تھی۔ اس لیے شفاعت کا حق ان ہی کا ہے۔

عرباضؓ کی اس حدیث میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عالم کی ہدایت کے وقت ہی اس کی نہایت آپ کے دورہ نبوت پر مقدر ہو چکی تھی۔ اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا :

”عن بریدةؓ قال قال رسول الله ﷺ بعثت انا والساعة جمیعا ان کادت لتسبقی ۔“

﴿حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میں اور قیامت ساتھ ساتھ بھیجے گئے ہیں اور مبالغہ کے ساتھ فرمایا وہ تو قریب تھی کہ مجھ سے پہلے آجاتی اور بخاری میں ہے: "بعثت انا والساعة کھا تین" آپ نے اپنی دو انگلیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ میں اور قیامت اس طرح ملے ہوئے بھیجے گئے ہیں۔ یعنی آپ کے زمانہ نبوت اور قیامت کے درمیان کوئی اور نبوت حائل نہیں۔ قیامت جب بھی آئے گی آپ **ہی** کے دور نبوت میں آئے گی۔ (اخرجه ابن جریرؒ بحواله مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۸)﴾

خلاصہ یہ کہ آپ کا دنیا کے آخری دور میں آنا اس وقت طے ہو چکا تھا۔ جبکہ حضرت آدم علیہ السلام میں نفخ روح نہ ہوا تھا۔ گویا کہ یہ بات عالم کے وجود سے بھی پہلے ایک طے شدہ بات تھی۔ اب اس میں شبہ کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے۔

جعل النبی ﷺ اول النبیین و آخرھم وکذالك امته اخر الامم و تکون اولھم یوم القیامة

(۳)..........."عَنْ اَنَسٍ فِیْ حَدِیْثٍ طَوِیْلٍ مَرْفُوْعًا قَالَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی جَعَلْتُ اُمَّتَكَ هُمُ الْاٰخِرُوْنَ وَهُمَ الْاَوَّلُوْنَ (الی قوله) جَعَلْتُكَ اَوَّلَ النَّبِیِّیْنَ خَلْقًا وَّاٰخِرَهُمْ (الی قولی) وَجَعَلْتُكَ فَاتِحًا وَّخَاتِمًا۔ اخرجه ابونعیم من (الخصائص الکبری ج۳ ص۱٦٤ باب اختصاصه ﷺ بشرح الصدر.......... الخ)"

آنحضرت ﷺ سب سے پہلے نبی بنا دیئے گئے تھے اور سب سے آخر میں تشریف لائے ہیں اور اسی طرح آپ کی امت بھی سب سے آخر میں آئی ہے اور قیامت کے دن سب سے مقدم ہو جائے گی

﴿انسؓ سے ایک طویل حدیث میں مرفوع روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا! تیری امت کو میں نے سب سے آخر میں بھیجا ہے اور وہ حساب میں سب سے پہلے ہو گی اور میں

نے تجھ کو نبیوں میں سب سے پہلے پیدا کیا اور سب سے آخر میں بھیجا۔ تجھ کو میں نے فاتح یعنی دورہ نبوت شروع کرنے والا بنایا ہے اور تجھ کو ہی اس کا ختم کرنے والا بنایا ہے۔ اس حدیث کو ابو نعیم نے روایت کیا ہے۔﴾

(۴)............ "عَنْ سَلْمَانَ فِیْ حَدِیْثِ الشَّفَاعَةِ یَأْتُوْنَ مُحَمَّدًا فَیَقُوْلُوْنَ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ اَنْتَ الَّذِیْ فَتَحَ اللّٰهُ بِکَ وَخَتَمَ وَغَفَرَلَکَ مَا تَقَدَّمَ وَمَاتَاَخَّرَ. رواه ابن شیبة 'فتح الباری ج ۱۱ ص ۳۸۷"

﴿سلمانؓ شفاعت کی حدیث میں روایت کرتے ہیں لوگ محمد ﷺ کے پاس آئیں گے اور کہیں گے۔ اے اللہ کے نبی آپ ہی وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے نبوت کو شروع کیا تھا اور جن پر ختم کیا ہے اور آپ کی آئندہ اور گزشتہ سب لغزشیں معاف کر دی ہیں۔ (اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے)﴾

(۵)............ "عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ فِیْ حَدِیْثِ الْاِسْرَاءِ قَالُوْا یَا جِبْرَئِیْلُ مَنْ هٰذَا مَعَکَ قَالَ هٰذَا مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَاتِمُ النَّبِیِّیْنَ............ الی ان قال فَقَالَ لَهٗ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی............ جَعَلْتُکَ اَوَّلَ النَّبِیِّیْنَ خَلْقًا وَّاٰخِرَهُمْ بَعْثًا............ وَجَعَلْتُکَ فَاتِحًا وَّخَاتِمًا. رواه البزار' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۷۳'۷۷ باب منه فی الاسراء)"

﴿ابو ہریرہؓ معراج کی حدیث میں روایت فرماتے ہیں کہ فرشتوں نے جبرائیل علیہ السلام سے دریافت کیا تمہارے ساتھ یہ کون ہیں۔ وہ بولے محمد ﷺ ہیں جو اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ (جب آپ کی دربار الٰہی ئیں رسائی ہوئی) تو ارشاد ہوا (اے محمد ﷺ) میں نے پیدائش کے لحاظ سے تم کو سب نبیوں سے پہلے اور بلحاظ بعثت سب سے آخر میں بھیجا ہے۔ نبوت کا شروع کرنے والا اور ختم کرنے والا تم کو ہی بنایا ہے۔ اس حدیث کو بزار نے روایت کیا ہے۔﴾

چونکہ رسولوں کے سلسلہ میں بظاہر سب سے پہلے آنے والے رسول حضرت آدم علیہ السلام تھے۔ اس لئے احادیث میں اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ اصل اولیت یعنی باعتبار

خلق و اتصاف نبوت آنحضرت ﷺ ہی کو حاصل ہے۔ گو بلحاظ وجود عنصری حضرت آدم علیہ السلام کی تشریف آوری سب سے اول ہو گئی ہے۔

(۶)........"عَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ مُرْسِلاً اِنَّمَا بُعِثْتُ خَاتِمًا وَفَاتِحًا وَاُعْطِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ وَفَوَاتِحَہٗ. رواہ البیہقی فی شعب الایمان، کنز العمال ج ۱۱ ص ۴۲۵ حدیث ۳۱۹۹۴"

﴿ابو قتادہؓ مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے نبوت کا شروع کرنے والا اور اس کا ختم کرنے والا میں ہی بھیجا گیا ہوں اور مجھے جوامع کلم اور فواتح کلم دیئے گئے ہیں۔ یعنی مختصر جملوں میں بڑے بڑے مضامین ادا کرنا۔ اس حدیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔﴾

حکیم ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ہر سید و امیر کو بقدر اپنے دائرہ ولایت کے خزائن حشم و خدم درکار ہوتے ہیں۔ جو ایک قریہ یا ایک خطہ کا امیر ہوتا ہے۔ اس کے لئے اس کے مناسب اور جو ایک ملک کا امیر ہوتا ہے۔ اس کے لئے اس کے مناسب آنحضرت ﷺ کو چونکہ تمام جہان کا سید و امیر بنایا گیا ہے۔ اس لئے آپ کو اسی کے بقدر سامان ولایت کی ضرورت۔ اسی لئے حدیث میں ارشاد ہے کہ:

"اوتیت خزائن الارض" ﴿مجھے زمین بھر کے خزانے مرحمت فرمادیئے گئے ہیں۔﴾

اور اسی لئے فرمایا:

"اوتیت جوامع الکلم" ﴿مجھے جامع کلمات مرحمت کئے گئے ہیں۔﴾

بے شک جس کی مملکت تبلیغ تمام جہان ہوں اسے مختصر جملوں میں سمندر کھپانے کی قدرت ملنی چاہئے۔ تاکہ اس کے کچھ جملوں میں سب کچھ آجائے اور ایک اعرابی و فلسفی یکساں طور پر اس سے ہمیشہ مستفید ہوتا رہے۔

اسی بناء پر ترمذی میں ہے کہ ہر نبی کو سات نجیب و رقیب ملے ہیں۔ مجھے چودہ مرحمت ہوئے ہیں۔ غرضیکہ جوامع الکلم بعثت عامہ کے مقتضیات و ضروریات میں

داخل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو رسول خاص خاص قوموں کی طرف مبعوث ہوئے۔ ان کو ایسے کلمات جامعہ مرحمت نہیں ہوئے۔ جوامع الکلم کی تفسیر ہمارے مضمون حجیت حدیث میں زیر عنوان قرآن کی جامعیت ملاحظہ کیجئے :

(۷)........... "عَنْ قَتَادَةَ كُنْتُ اَوَّلَ النَّاسِ فِى الْخَلْقِ وَاٰخِرَهُمْ فِى الْبَعْثِ ۰ رواه ابن سعد مرسلاً كما فى الكنزالعمال ج١١ ص ٤٠٩ حديث ٣١٩١٦، رواه ابن ابى شيبه مسند اعنه كما فى الدرالمنثور ج٥ ص ١٨٤"

﴿قتادہؓ سے روایت ہے کہ میں سب انسانوں میں بلحاظ پیدائش پہلا ہوں اور سب انبیاء میں باعتبار بعثت پچھلا۔ اس حدیث کو ابن سعد نے مرسلاً اور ابن ابی شیبہ نے مسنداً روایت کیا ہے۔﴾

(۸)........... "عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِىِّ صلى الله عليه وسلم فِىْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّيْنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوْحٍ الايه قَالَ كُنْتُ اَوَّلَ النَّبِيِّيْنَ فِى الْخَلْقِ وَاٰخِرَهُمْ فِى الْبَعْثِ ۰ رواه ابن ابى حاتم و ابن مرد ويه وا ابو نعيم فى الدلا ئل والد يلمى و ابن عساكر و ابن ابى شيبه و ابن جرير عن قتادهؓ ص١٢٥ جز ٢١ زير آيت واذا خذنامن النبيين ميثاقهم و ابن سعد، ابن كثيرج٣ ص٤٦٩ زير آيت واذاخذنا من النبيين ميثاقهم والدر المنثور ج٥ص١٨٤ الخصائص الكبرى ج١ص ٩و الكنزالعمال ص٤٥٢ ج ١١ حديث ٣٢١٢٦"

﴿ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت کریمہ :"واذ اخذ نامن النبيين ميثاقهم ومنك ومن نوح" کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا! میں باعتبار پیدائش کے سب سے پہلا اور باعتبار بعثت سب سے آخری نبی ہوں۔ اس حدیث کو ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے اور دیلمی، ابن عساکر، ابن ابی شیبہ، ابن جریر، ابن سعد نے بھی روایت کیا ہے۔﴾

هذه الامة اخر الامم وخيرها واولها فی الحساب

(۹)............ ”عَنْ قَتَادَةَ قَالَ ذُكِرَ لَنَا اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ ذَاتَ يَوْمٍ وَهُوَمُسْنِدٌ ظَهْرَهٗ اِلَى الْكَعْبَةِ نَحْنُ نُكْمِلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَبْعِيْنَ اُمَّةً نَحْنُ اٰخِرُهَا وَخَيْرُهَا ۰ رواه ابن جرير جز ٤ ص ٤٥ فی تفسير قوله كنتم خير امة الايه' الدرالمنثور ج ٢ ص ٦٤“

یہ امت سب امتوں میں آخر سب سے بہتر اور حساب میں سب سے مقدم ہو گی

﴿قتادہؓ فرماتے ہیں کہ ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ سے کمر لگائے بیٹھے تھے۔ اس وقت آپ نے فرمایا ہم قیامت کے دن ستر امتوں میں سے سترویں امت ہوں گے جن میں ہم سب سے آخر اور سب سے بہتر ہوں گے۔ درمنثور﴾

ان تما حادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فاتح نبوۃ اور خاتم نبوت دونوں قرار دیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ ازل میں آپ کی نبوت اور ختم نبوت صرف جو تقدیر کے معنی میں نہ تھی۔ تقدیر تو سب کے لئے یکساں ہے بلکہ اس منصب سے سرفرازی کے لحاظ سے ہے۔ آپ کی آخیرت جس طرح خارج میں تھی اسی طرح آپ کی اولیت بھی سمجھنا چاہئے اور جس طرح آپ کی اولیت تھی یعنی آپ سے پیشتر کوئی رسول نہ تھا اسی طرح آپ کی آخیریت سمجھنا چاہئے۔ یعنی آپ کے بعد بھی کسی قسم کا کوئی رسول نہیں ہو گا۔

(۱۰)............ ”عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَزْمٍ.................. تُكْمَلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَبْعُوْنَ اُمَّةً ۰ نحن اخرها و اخيرها' رواه الباوردی الكنزالعمال ج ١٢ ص ١٦٩ حديث ٣٤٥١٨“

﴿محمد بن حزم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ستر امتیں پوری ہو جائیں گی۔ جن

میں ہم سب سے آخر اور سب سے بہتر ہوں گے۔ کنزالعمال﴾

یہ معلوم نہیں ہے کہ یہاں ستر کا عدد کس مناسبت سے ذکر کیا گیا ہے۔ جب کوئی متکلم کوئی خاص عدد ذکر کرتا ہے تو اس کے ذہن میں اس عدد کا کوئی خاص معیار ہوتا ہے۔ جب تک اس کا وہ معیار اور اعتبار ذہنی معلوم نہ ہو جائے اس وقت تک اس عدد پر بحث کرنا کجروی ہے۔ ایک ہی مقدار کو پیسوں کے لحاظ سے ۶۴ اور آنون کے اعتبار سے ۱۶ اور روپیہ کے لحاظ سے ایک کہا جاسکتا ہے۔ معلوم نہیں کہ یہاں ۷۰ کے عدد میں کسی خاص بات کی رعایت کی گئی ہے۔

(۱۱)............ "عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فِیْ حَدِیْثٍ طَوِیْلٍ یَا یَھُوْدِیُّ اَنْتُمُ الْاَوَّ لُوْنَ وَنَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔ اخرجه ابن راهويه فی مسنده وابن ابی شيبة فی المصنف' الخصائص الکبری ج۳ ص۱۹۸ باب اختصاصه ﷺ بان امة خير الامم"

﴿حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک طویل حدیث میں فرمایا! اے یہودی تم لوگ ہم سے پہلے ہو اور ہم گو تم سے آخر میں مگر قیامت کے دن حساب میں تم سے پہلے ہوں گے۔ اس حدیث کو ابن راہویہ نے اپنی مسند میں اور ابن ابی شیبہ نے مصنف میں روایت کیا ہے۔﴾

(۱۲)............ "عَنْ بَھْزِ بْنِ حَکِیْمٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّہٖ رَفُوْعًا تُکْمَلُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ سَبْعُوْنَ اُمَّۃً نَحْنُ اٰخِرُھَا وَخَیْرُھَا۔ رواه ابن ماجه ص۳۱۷ باب صفة امة محمد ﷺ و الدارمی ج۲ ص ۳۱۳ باب فی قول النبی ﷺ انتم آخرالامم۔ كذافی كنزالعمال ج۱۲ص۱۶۹ حدیث نمبر۳۴۵۱۹ و رواه الترمذی وقال هذا حدیث حسن المشکوٰة ص ۵۸۴ باب ثواب هذ الامة۔"

﴿بھز بن حکیمؒ اپنے باپ حکیم اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن ستر امتیں پوری ہو جائیں گی۔ ہم ان سب سے

آخر اور سب سے بہتر ہوں گے۔ اس حدیث کو ابن ماجہ، دارمی اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ ﴾

(١٣)........."عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عن النبی ﷺ نَحْنُ اٰخِرُالْاُمَمِ وَاَوَّلُ مَنْ يُّحَاسَبُ يقال اَيْنَ الْاُمَّةُ الْاُمِّيَّةُ وَنَبِيُّهَا فَنَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ. راوه ابن ماجه ص ٣١٧ باب صفة امة محمد ﷺ مسند احمد ج١ ص٢٨٢، الكنز"

﴿ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہم سب سے آخری امت ہیں اور قیامت میں سب سے پہلے ہمارا حساب ہوگا۔ پکارا جائے گا امت امیہ اور اس کا نبی کہاں ہیں؟۔ اس لئے گو ہم سب سے آخر میں ہیں مگر (قیامت کے دن) سب سے پہلے ہو جائیں گے۔ اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔﴾

(١٤)........."عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بَيْدَ اَنَّهُمْ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا وَاُوْتِيْنَا مِنْ بَعْدِ هِمْ. رواه الشيخان بخاری ج١ ص١٢٠ باب فرض الجمعه مسلم ج١ ص٢٨٢ فصل فی فضيلة يوم الجمعة علی باقی الايام.........الخ والنسائی باب ايجاب الجمعة ج١ ص١٣٨، ١٣٩، الكنزالعمال ج ١٢ ص ١٥٩ حديث نمبر ٣٤٤٧٥ مثله عندا ابونعيم فی الدلائل ص٩"

﴿ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ہم سب سے آخر ہیں اور قیامت میں سب سے پہلے ہو جائیں گے۔ صرف اتنی بات ہے کہ پہلی امتوں کو کتاب ہم سے پہلے دی گئی ہے اور ہمیں ان کے بعد ملی ہے۔ اس حدیث کو شیخین اور نسائی نے روایت کیا ہے۔﴾

(١٥)........."عَنْ حُذَيْفَةَ مِثْلَهٗ وَلَفْظَهٗ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ مِنْ اَهْلِ الدُّنْيَا وَالْاَوَّلُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. رواه مسلم ج١ ص٢٨٢ باب فصل فی فضيلة يوم الجمعه. الترغيب والترهيب ج١ ص٥٥١ حديث ١٠٣٤"

﴿حذیفہؓ سے بھی یہی مضمون مروی ہے۔ اس کے لفظ یہ ہیں کہ ہم دنیا میں سب سے آخری امت ہیں اور قیامت میں سب سے پہلے ہوں گے۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔﴾

انجیل متی کے باب ۱۹ میں آیت ۲۷ سے لے کر ۳۰ تک امت محمدیہ ﷺ کے اس وصف کی طرف اشارہ موجود ہے :

"پطرس نے جواب میں اس سے کہا کہ دیکھ ہم تو سب کو چھوڑ کر تیرے پیچھے ہو لئے ہیں۔ پس ہم کو کیا ملے گا؟۔ یسوع نے ان سے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب ابن آدم نئی پیدائش میں اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا تو تم بھی جو میرے پیچھے ہو گئے ہو بارہ تختوں پر بیٹھ کر اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا انصاف کرو گے اور جس کسی نے گھروں یا بھائیوں یا بہنوں یا باپ یا ماں یا بچوں یا کھیتوں کو میرے نام کی خاطر چھوڑ دیا ہے اس کو سو گنا ملے گا۔ اور ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہو گا۔ لیکن بہت سے اول آخر ہو جائیں گے اور آخر اول۔"

ان الفاظ میں قرآن کریم کی ایک دوسری آیت کی طرف بھی اشارہ ہے : "قل ان كان اباؤكم وابناؤكم واخونكم وازواجكم وعشيرتكم ۰ التوبه ٢٤"

مسجد النبی ﷺ کان اٰخر مساجد الانبیاء

(١٦)..........."عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ قَارِظً اَشْهَدُ اِنِّيْ سَمِعْتُ اَبَاهُرَيْرَةَ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاِنِّيْ اٰخِرُ الْاَنْبِيَاءِ وَمَسْجِدِيْ اٰخِرُ الْمَسَاجِدِ۔ رواه مسلم ج١ ص٤٤٦ باب فضل الصلوة بمسجدی مكة والمدينة و النسائی ج١ ص٢٧ باب فضل مسجد النبی و لفظه خاتم الانبياء وخاتم المساجد"

آنحضرت ﷺ کی مسجد انبیاء کی مسجدوں میں آخری مسجد ہے

﴿عبداللہ بن ابراہیم بن قارظؒ کہتے ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ابوہریرہؓ کو یہ کہتے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میں سب انبیاء کے آخر میں ہوں اور میری

مسجد بھی اب آخری مسجد ہے۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے اور نسائی کے لفظ میں آخر کے بجائے دونوں جگہ خاتم کا لفظ ہے۔ ﴾

(آپ ﷺ کی مسجد کے آخری ہونے کی شرح آگے آرہی ہے۔)

(۱۷)……… "عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ الْبَاھِلِیِّ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ فِیْ حَدِیْثٍ طَوِیْلٍ وَاَنَا اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ وَاَنْتُمْ اٰخِرُ الْاُمَمِ. رواہ ابن ماجہ ص ٢٩٧ فی باب فتنۃ الدجال وابن خزیمہ والحاکم ج٥ ص٧٦٤ حدیث ٨٦٦٤ واضیاء منتخب الکنز العمال ج ١٤ ص ٣١٧ حدیث ٣٨٧٩٤"

﴿ابو امامہ باہلیؓ ایک طویل حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ میں انبیاء میں آخر ہوں اور تم امتوں میں آخر ہو۔ اس حدیث کو ابن ماجہ نے فتنہ دجال کے باب میں روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ، حاکم اور ضیاء الدین نے روایت کیا ہے۔ ﴾

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر آپ ﷺ کے بعد کوئی اور نبی ہو تو اس امت کے بعد کوئی دوسری امت ہوگی مگر چونکہ عالم کا فناء مقدر ہو چکا ہے۔ اس لئے نہ کوئی اور نبی آئے گا نہ کوئی نئی امت۔ یہ نبی بھی آخری نبی ہے اور اس لئے امت بھی آخری امت ہے۔

(۱۸)……… "عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَنَا خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ وَمَسْجِدِیْ خَاتَمُ مَسَاجِدِ الْاَنْبِیَاءِ. رواہ الدیلمی و ابن النجار و البذار الکنزالعمال ج ١٢ ص ٢٧٠ حدیث نمبر ٣٤٩٩٩"

﴿حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں انبیاء میں آخری نبی ہوں اور میری مسجد انبیاء کی مسجدوں میں آخری مسجد ہے۔ اس حدیث کو دیلمی، ابن النجار اور بزار نے روایت کیا ہے۔ ﴾

اس حدیث سے مسلم کی حدیث کی شرح ہوگئی اور معلوم ہوگیا کہ آپ کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح پہلے انبیاء علیہم السلام کے ناموں سے دنیا میں مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ اب آئندہ چونکہ کوئی نیا نبی آنے والا نہیں ہے اس لئے کوئی نئی مسجد بھی کسی رسول کے نام سے تعمیر نہ ہوگی۔ بلکہ یہ مسجد نبوی ہی انبیاء علیہم السلام کی مسجدوں میں آخری مسجد رہے گی۔

قال الرب تبارك وتعالیٰ ليلة الاسراء انه جعله خاتم النبيين

(۱۹)………… ”عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا اُسْرِیَ لِیْ اِلَی السَّمَاءِ قَرَّبَنِیْ رَبِّیْ تَعَالٰی حَتّٰی کَانَ بَیْنِیْ وَبَیْنَهٗ کَقَابِ قَوْسَیْنِ اَوْاَدْنٰی لابل ادنٰی قَالَ یَا حَبِیْبِیْ یَا مُحَمَّدُ قُلْتُ لَبَّیْكَ یَا رَبِّ قَالَ هَلْ غَمَّكَ اِنْ جَعَلْتُكَ اٰخِرَ النَّبِیِّیْنَ قُلْتُ یَارَبِّ لَاقَالَ حَبِیْبِیْ هَلْ غَمَّ اُمَّتَكَ اِنْ جَعَلْتُهُمْ اٰخِرَ الْاُمَمِ قُلْتُ یَارَبِّ لَاقَالَ اَبْلِغْ امتك عَنِّیْ السَّلَامَ وَاَخْبِرْ هُمْ اَنِّیْ جَعَلْتُهُمْ اٰخِرَالْاُمَمِ۔ رواه الخطيب والديلمی‘ الكنزالعمال ج۱۱ ص۴٤۹ حديث نمبر ۳۲۱۱۱‘ خصائص الكبری ج۳ ص۱۵۳“

شبِ معراج میں پروردگار عالم کا راز و نیاز کے طور پر کہنا کہ اس نے آپ کو خاتم النبیین بنایا ہے

﴿حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب شبِ معراج میں مجھے آسمان پر لے گئے تو میرے پروردگار نے مجھے قریب بلایا اور بہت قریب بلایا اور کہا اے میرے حبیب! اے محمد ﷺ! میں نے کہا حاضر ہوں اے پروردگار! ارشاد ہوا! اگر ہم تمہیں آخر النبیین بنادیں تو تم ناخوش تو نہ ہو گے۔ میں نے عرض کیا اے پروردگار! نہیں۔ پھر ارشاد ہوا! اگر تمہاری امت کو آخری امت بنادیں تو وہ ناخوش تو نہ ہو گی۔ میں نے عرض کیا نہیں اے پروردگا۔ ارشاد ہوا کہ اچھا تو اپنی امت کو میرا سلام کہنا اور انہیں بتلا دینا کہ میں نے انہیں آخری امت بنادیا ہے۔ (کنزالعمال)﴾

قال الرب لادم علیه السلام ان ابنه احمد ﷺ هو الاول والآخر

(۲۰)……"عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ عَزَّوَ جَلَّ اٰدَمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَخْبَرَ بِبَنِیْهِ فَجَعَلَ یَرٰی فَضَائِلَ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ فَرَأٰی نُوْرًا سَاطِعًا فِیْ اَسْفَلِهِمْ قَالَ یَارَبِّ مَنْ هٰذَا قَالَ هٰذَا اِبْنُكَ اَحْمَدُ هُوَ الْاَوَّلُ وَهُوَ الْاٰخِرُ وَهُوَ شَافِعٌ وَاَوَّلُ مُشَفَّعٍ۔ رواه ابن عساكر كما فی الكنز العمال ج١١ ص ٤٣٧ حدیث ٣٢٠٥٦"

حضرت آدم سے حق تعالیٰ کا ارشاد کہ ان کے فرزند احمد و محمد ﷺ سب سے پہلے اور سب سے آخری نبی ہیں

﴿ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو انہیں ان کی اولاد بھی بتلائی۔ آدم علیہ السلام انہیں دیکھنے لگے کہ بعض بعض پر فضیلت رکھتے ہیں۔ ان سب کے آخر میں ایک بلند نور دیکھا تو عرض کیا اے میرے پروردگار! یہ کون ہیں۔ ارشاد ہوا یہ تمہارے فرزند احمد ﷺ ہیں۔ یہی سب سے پہلے نبی ہیں اور یہی سب سے آخر ہیں۔ یہی قیامت میں سب سے پہلے شفاعت کریں گے اور ان ہی کی شفاعت سب سے پہلے قبول ہو گی۔ اس حدیث کو ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔﴾

قال جبرئیل لادم ان محمد ﷺ اٰخر ولدك من الانبیاء

(۲۱)……"عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نَزَلَ اٰدَمُ بِالْهِنْدِ وَاسْتَوْ وَحَشَ فَنَزَلَ جِبْرِیْلُ فَنَادٰی بِاَذَانِ اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ مَرَّتَیْنِ اَشْهَدُ اَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مَرَّتَیْنِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَرَّتَیْنِ قَالَ

اٰدَمُ مَنْ مُحَمَّدٌ" قَالَ اٰخِرُوُلْدِكَ مِنَ الْاَنبیاءِ۔ رواہ ابن عساکر الکنز العمال ج۱۱ ص ۴۵۵ حدیث نمبر ۳۲۱۳۹ الخصائص ج۱ ص۲۱ باب ذکرہ فی الاذان فی عهد آدم"

حضرت آدم سے جبرائیل کا ارشاد کہ محمد ﷺ انبیاء میں آپ کے سب سے آخری بیٹے ہیں

﴿ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے آدم علیہ السلام جب ہندوستان میں نازل ہوئے (اور تنہائی کی وجہ سے) گھبرائے تو جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور اذان کہی۔ اللہ اکبر! اللہ اکبر! دو مرتبہ اشھد ان لا الہ الا اللہ! دو مرتبہ اشھد ان محمد رسول اللہ! دو مرتبہ (جب حضرت آدم علیہ السلام نے محمد ﷺ کا اسم گرامی سنا تو) فرمایا کہ یہ محمد ﷺ کون ہیں؟۔ جبرائیل نے کہا کہ انبیاء میں آپ کے سب سے آخری بیٹے ہیں۔ اس حدیث کو ابن عساکرؒ نے روایت کیا ہے۔﴾

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان ابتداء عالم میں بھی ہوئی ہے ضرورت ہے کہ اس حدیث کے طرق جمع کئے جائیں تاکہ اس کے تفصیلی کلمات کا پتہ بھی مل جائے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ اذان کا ایک نفع رفع وحشت بھی ہے۔ سوم یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی جائے نزول ہندوستان میں کوئی جگہ ہے۔ اگر یہ حدیث صحت کو پہنچ جائے تو تاریخی لحاظ سے یہ ایک بڑی حقیقت کا انکشاف ہوگا۔ ہم نے اس حدیث کو یہاں صرف آخری جز کی وجہ سے نقل کیا ہے۔

قال جبریل للنبی ﷺ انك خاتم النبیین كما ان ادم صفی الله

(۲۲)........ "عَنْ سَلْمَانَ فِیْ حَدِیْثٍ طَوِیْلٍ قَالَ قَالَ جِبْرِیْلُ لِلنَّبِیِّ ﷺ اِنَّ رَبَّكَ یَقُوْلُ اِنْ كُنْتُ اِصْطَفَیْتُ اٰدَمَ فَقَدْ خَتَمْتُ بِكَ الْاَنْبِیَاءَ

وَمَا خَلَقْتُ خَلْقًا اَكْرَمَ عَلَىَّ مِنْكَ. خصائص ج۳ ص۱۵۱، ۱۵۲، بحواله ابن عساكر"

آنحضرت ﷺ سے حضرت جبرائیل کا فرمان کہ جس طرح حضرت آدم کا لقب صفی اللہ تھا آپ کا لقب خاتم النبیین ہے

﴿سلمانؓ سے ایک طویل حدیث میں روایت ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے کہا آپ کا پروردگار کہتا ہے اگر میں نے آدم کو صفی اللہ کا خطاب دیا ہے تو آپ پر تمام انبیاء کو ختم کر کے (خاتم النبیین کا خطاب دیا ہے) اور میں نے کوئی مخلوق ایسی پیدا نہیں کی جو مجھے آپ سے زیادہ عزیز ہو۔﴾

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپ کا نبیوں میں آخر ہونا صرف ایک زمانی تاخر نہیں بلکہ خدا کے نزدیک وہ خاص فضیلت ہے جو دیگر انبیاء علیہم السلام کے خصوصیات کے بالمقابل آپ کو مرحمت ہوئی ہے۔ عالم کا تدریجی ارتقاء بھی اسی کو مقتضی تھا کہ اس کی آخری کڑی سب میں کامل و برتر ہو۔ اس لئے آخری نبی وہی ہونا چاہئے جو سب میں کامل اور سب سے اکرم ہو۔

مکتوب بین کتفی آدم محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین

(۲۳)........... "عَنْ جَابِرٍ قَالَ بَيْنَ كِتْفَىْ اٰدَمَ مَكْتُوْبٌ" مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَاتِمُ النَّبِيِّيْنَ. رواه ابن عساكر، خصائص الكبرىٰ ج۱ ص۱۹ باب خصوصية ﷺ"

حضرت آدم کے دونوں شانوں کے درمیان یہ لکھا ہوا تھا محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں

﴿جابرؓ سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں شانوں کے درمیان

یہ لکھا ہوا تھا: ”محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین“ ہیں۔ اس حدیث کو ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔ ﴿

آنحضرت ﷺ کی مہر نبوت بھی دونوں شانوں کے درمیان تھی مگر دجال کا کفر اس کی پیشانی پر لکھا ہوا ہو گا۔ یعنی مہر نبوت کا مقام دونوں شانوں کے درمیان اور مہر دجل و کفر کا محل پیشانی منتخب ہوا ہے۔ اس کی حکمتیں بھی علماء نے لکھی ہیں۔

الشهادة بختم النبوة جزء من الايمان كالشهادة بكلمة التوحيد

(۲۴)............ ”عَنْ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ فِىْ قِصَّةٍ طَوِيْلَةٍ لَهٗ حِيْنَ جَاءَ تْ عَشِيْرَتِىْ (مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بَعْدَ مَا اَسْلَمَ) فَقَالُوْ لَهٗ اِمْضِ مَعَنَا يَازَيْدُ فَقَالَ مَااُرِيْد بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بَدَلاً وَلاَ غَيْرَهٗ اَحَدًا فَقَالُوْا مُحَمَّدُ اِنَّا مَعْطُوْكَ بِهٰذَا الْغُلَامِ دِيَّاتٍ فَسَمِّ مَاشِئِتَ فَاِنَّا حَامِلُوْهُ اِلَيْكَ فَقَالَ اَسْأَلُكُمْ اَنْ تَشْهَدُوْا اَنْ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَاِنِّىْ خَاتِمُ اَنْبِيَائِهٖ وَرُسُلِهٖ وَاُرْسِلُهٗ مَعَكُمْ. الحديث اخرجه الحاكم مفصلاً فى المستدرك ج٤ ص٢٢٤، ٢٢٥ حديث ٤٩٩٩ باب تبنى رسول اللّٰه ﷺ زيد بن حارثه“

عقیدہ ختم نبوت کلمہ شہادت کی طرح ایمان کا جزء ہے

﴿زید بن حارثہؓ اپنے ایک طویل قصہ میں ذکر کرتے ہیں کہ جب میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آکر مسلمان ہو گیا تو میرا قبیلہ مجھے تلاش کرتا ہوا آپ ﷺ کے پاس آیا اور مجھ سے کہا۔ اے زید! ہمارے ساتھ چلو۔ زید بولے میں رسول اللہ ﷺ کے بدلہ میں کسی کو پسند نہیں کر سکتا اور نہ آپ کے سواء کسی دوسرے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا اے محمد (ﷺ) اس لڑکے کے عوض میں ہم آپ کو بہت مال دے سکتے ہیں۔ جو آپ چاہیں بتلا دیجئے ہم اسے ادا کر دیں گے۔ آپ نے

ارشاد فرمایا! میں تو تم سے صرف ایک چیز مانگتا ہوں۔ وہ یہ کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ خدا کوئی نہیں مگر اللہ اور اس کی کہ میں اس کے سب نبیوں اور رسولوں میں آخری نبی اور رسول ہوں۔ بس میں اس لڑکے کو ابھی تمہارے ساتھ بھیجے دیتا ہوں۔ (مستدرک)

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے جس طرح خدا کی توحید پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا ہے اسی طرح اپنی ختم نبوت پر بھی ایمان لانے کا مطالبہ کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی رسالت پر ایمان آپ کی ختم نبوت پر ایمان لائے بغیر حاصل ہی نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم میں: ”ولکن رسول اللّٰہ“ کے ساتھ: ” وخاتم النبیین“ کا لفظ اسی لئے رکھا گیا ہے کہ آپ صرف رسول اللہ نہیں ہیں بلکہ خاتم النبیین بھی ہیں۔

اس کے بر خلاف آپ سے پیشتر جتنے رسول ہوئے وہ صرف رسول اللہ تھے۔ اسی لئے کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ خاتم النبیین ہے۔ یہ آنحضرت ﷺ کا مخصوص لقب ہے اور آپ نے ہی اس کا دعویٰ کیا ہے۔ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا یہ لقب بطور مدح نہیں بلکہ بحیثیت عقیدہ کے ایک عقیدہ ہے۔ خاتم الشعراء اور خاتم المحدثین کی طرح صرف ایک محاورہ نہیں۔

ختم النبوۃ من خصائص النبی ﷺ

(۲۵)............ ”عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ فُضِلْتُ عَلَی الْاَنبِیَاءِ بِسِتٍّ اُعْطِیْتُ جَوَامِعُ الْکَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَاُحِلَّتْ لِیَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَطَھُوْرًا وَاُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَافَّۃً وَخُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ. رواہ مسلم ج۱ص۱۹۹ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ‘ مشکوٰۃ ص۵۱۲ باب فی فضائل نبینا ﷺ ‘تفسیر ابن کثیر ج۳ص۴۹۳ زیر آیت ماکان محمد ابااحدمن رجالکم“

ختم نبوت انبیاء علیہم السلام میں صرف آنحضرت ﷺ کا طغرۂ امتیاز ہے

﴿ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے انبیاء علیہم السلام پر چھ فضیلتیں دی گئی ہیں: (۱)...... مجھے مختصر کلمات معانی کثیرہ کے حامل دیئے گئے ہیں۔ (۲)...... دشمن پر رعب ڈالکر میری مدد کی گئی ہے۔ (۳)...... میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا ہے۔ (۴)...... تمام زمین میرے لئے مسجد اور پاک کرنے کا آلہ بنادی گئی ہے۔ (۵)...... تمام مخلوق کی طرف مجھے بھیجا گیا ہے۔ (۶)...... انبیاء کا سلسلہ میری ذات پر ختم کر دیا گیا ہے۔ (اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے)﴾

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کی چند خصوصیات شمار کی گئی ہیں۔ یہ خصوصیات صرف چھ تک محدود نہیں بلحہ بہت ہیں۔ حافظ سیوطیؒ نے اسی موضوع پر دو ضخیم جلدوں کی ایک کتاب لکھدی ہے۔ جو خصائص الکبریٰ کے نام سے مشہور ہے۔ مفہوم عدد علماء کے نزدیک معتبر نہیں۔ یہ متکلم کے وقتی استحضار اور اس کے ذہنی اعتبار کی بات ہوتی ہے۔ یہاں ۵و۶ خصوصیتیں زیر بحث ہیں۔ بقیہ خصوصیات پر اپنی اپنی جگہ بحث آئے گی۔ خصوصیت (۵) کا مطلب علماء کے نزدیک یہ ہے کہ آپؐ کی بعثت آپ کے زمانہ سے لیکر قیامت تک کے لئے ہے۔ لیکن شیخ تقی الدین سبکیؒ فرماتے ہیں کہ آپؐ کی بعثت آپؐ سے پیشتر اور آپؐ کے بعد دونوں زمانوں کو شامل ہے۔ آدم علیہ السلام سے لیکر قیامت تک آنیوالی دنیا سب آپؐ کی بعثت کے ماتحت ہے۔ جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ خاتم النبیین آپؐ کی ایک خصوصیت تھی صرف تعریفی لقب نہ تھا۔ جو مجازاً دوسروں پر بھی اطلاق ہو سکتا۔

خاتم النبوة كان دليلاً على كونه خاتم النبيين

(۲۶)........ ''عَنْ عَلِيٍّ قَالَ بَيْنَ كَتِفَيْهِ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ وَهُوَ خَاتِمُ

النَّبِيِّيْنَ۔ رواه الترمذى فى شمائله ص٣ باب خاتم النبوة"

مہر نبوت خود اس کی دلیل تھی کہ آپ خاتم النبیین ہیں

﴿حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔ کیونکہ آپ خاتم النبیین تھے۔ (اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے)﴾

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی اس معنوی خصوصیت کو حسی شکل میں بھی ظاہر کر دیا گیا تھا۔ کتب سابقہ میں بھی مہر نبوت آپ کی ایک علامت بتلائی گئی تھی۔ اسی لئے بعض طالبین حق نے منجملہ اور علامات کے آپ کی مہر نبوت کو بھی تلاش کیا ہے۔ اس حدیث سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خاتم النبیین آپ کا شاعرانہ لقب نہ تھا بلکہ مہر نبوت اور آخری نبی ہونے کی وجہ سے آپ کو خاتم النبیین کہا جاتا تھا۔

دعوىٰ النبى ﷺ انه خاتم النبيين واخرهم

(٢٧)............"عَنْ عِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنِّیْ عَبْدُاللّٰهِ وَخَاتِمُ النَّبِيِّيْنَ۔ رواه البيهقى والحاكم ج٣ ص١٩٤ حديث ٣٦١٩ باب انى عبدالله وخاتم النبيين وصححه كذافى الدرالمنثور ج٥ ص٢٠٧"

آنحضرت ﷺ کا دعویٰ کرنا کہ خاتم النبیین اور آخری نبی میں ہوں

﴿عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں عبداللہ ہوں۔ (اللہ کا بندہ) اور میں خاتم النبیین ہوں (آخری نبی) اس حدیث کو بیہقی اور حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے۔﴾

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ صرف معنی ترکیبی کے لحاظ سے "عبداللہ نہیں ہیں بلکہ انبیاء علیہم السلام میں "عبداللہ آپ کا لقب

قرآن کریم میں "عبداللہ بطور لقب صرف آپ کی ذات پر اطلاق ہوا ہے۔"

: "لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰہِ یَدْعُوْہُ کَادُوْا یَکُوْنُوْنَ عَلَیْہِ لِبَدًا۔ الجن ۱۹" جب عبداللہ (یعنی محمد) نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو قریب تھا کہ وہ تہ بہ تہ ہو کر آپ پر ٹوٹ پڑتے۔ حدیث میں ہے کہ آپ کو اختیار دیا گیا تھا۔ اگر چاہیں رسالت کے ساتھ ملوکیت پسند کر لیں۔ جیسا کہ سلیمان علیہ السلام تھے یا چاہیں تو عبدیت اختیار کر لیں۔ آپ نے عبدیت کو ہی پسند فرمالیا۔ اس کے بعد آپ کی نشست و برخاست۔ طعام و شراب سب میں عبدیت کا پہلو غالب تھا۔ دعاءِ تشہد میں بھی عبدہ ورسولہ تعلیم کیا گیا ہے۔ یعنی عبدیت کو مقدم رکھا گیا ہے۔ حتیٰ کہ ایک شخص نے اس ترتیب کو بدل کر جب رسولہ و عبدہ کہا تو آپ نے اس کی اصلاح فرمائی اور کہا کہ وہی عبدہ ورسولہ کہو شیخ اکبرؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ پر یہ مقام عبدیت سوئی کے ناکے کے برابر منکشف ہوا تھا تو میں اس کی بھی تاب نہ لا سکا اور قریب تھا کہ جل جاتا۔ اسی طرح آپ کا دوسرا لقب خاتم النبیین ہے۔ پہلا لقب آپ کی ذاتی صفت اور دوسرا بلحاظ انبیاء علیہم السلام ہے۔ آپ سے پہلے کسی رسول نے یہ دعویٰ نہیں کیا بلکہ دوسرے رسولوں کی آمد کی بشارت دی ہے۔ اگر یہ لقب صرف شاعرانہ مبالغہ ہوتا تو آپ سے پہلے انبیاء پر بھی اس کا اطلاق درست ہوتا۔ آنحضرت ﷺ کا دعویٰ کرنا بتلاتا ہے کہ پہلے صحف میں کسی خاتم النبیین کی بشارت موجود تھی۔ آپ بتلا رہے ہیں کہ اس مصداق میں ہوں۔

(۲۸)......... "عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ مَرْفُوْعًا اِنِّیْ خَاتِمُ اَلْفِ نَبِیٍّ اَوْاَکْثَرَ۔ رواہ فی المستدرک ج۳ص٤٩٢ حدیث ٤٢٢٤ باب بعث رسول اللہ ﷺ۔ الکنز ج۱۱ ص٤٨٣ حدیث ٣٢٢٨١"

﴿ابو سعیدؓ مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔ میں ایک ہزار نبی یا اس سے زیادہ کے آخر میں آیا ہوں۔ اس حدیث کو مستدرک میں روایت کیا ہے۔﴾

مشکوٰۃ میں ایک حدیث میں انبیاء علیہم السلام کا عدد ایک لاکھ چوبیس ہزار مذکور ہے۔ چونکہ یہاں راوی نے او اکثر کا لفظ کہہ دیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کو اصل عدد محفوظ نہیں رہا۔ اس لئے ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ۱۲۱

حدیث میں ہزار کے عدد سے کسی خاص شان کے نبی مراد لئے گئے ہوں۔

(۲۹)............ "عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَا اَبَاذَرٍّ اَوَّلُ الْاَنْبِیَاءِ اٰدَمُ وَاٰخِرُھُمْ مُحَمَّدٌ". رواه ابن حبان فی صحیحه وابونعیم فی الحلیه وابن عساکر والحکیم الترمذی الکنز ج١١ص٤٨٠ حدیث ٣٢٢٦٩باب ذکر الانبیاء واخرجه ابن حبان فی تاریخه فی السنة العاشرة ص٦٩مخطوط"

﴿ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابوذر انبیاء علیہم السلام میں سب سے پہلے نبی حضرت آدم اور سب کے آخر میں محمد ﷺ ہیں۔ اس حدیث کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور ابو نعیم نے الحلیہ میں اور ابن عساکر اور حکیم ترمذی نے روایت کیا ہے۔ نیز ابن حبان نے اپنی تاریخ میں ۱۰ھ کے احوال میں اس کو روایت کیا ہے۔ (از قلمی نسخہ)﴾

انبیاء علیہم السلام کے اول وآخر کی اس تحدید سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد اب کوئی شخص جس کو نبی کہہ کر پکارا جائے نہیں ہوگا۔ پہلے آدم علیہ السلام ہیں اور آخری آپ اور بس۔ نیز اس حدیث میں حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت کی تصریح میں موجود ہے اسی طرح مشکوۃ میں ہے جب آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ حضرت آدم نبی تھے تو آپ نے فرمایا: "نعم نبی مکلم" ہاں! خدا کے نبی تھے۔ خدا تعالیٰ ان سے باتیں کرتا تھا۔

وصیة النبی ﷺ انه لانبی بعده

(۳۰)............ "عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنَ عمرو بن العاص یَقُوْلُ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَوْمًا کَالْمُوَدِّعِ فَقَالَ اَنَا محمد النَّبِیُّ الْاُمِّیُّ ثَلَاثًا وَلَا نَبِیَّ بَعْدِیْ (الیٰ قوله) فَاسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا مَادُمْتُ فِیْکُمْ فَاِذَا ذُهِبَ بِیْ فَعَلَیْکُمْ بِکِتَابِ اللّٰہِ تَعَالٰی اَحِلُّوْا حَلَالَهٗ وَحَرِّمُوْا حَرَامَهٗ. رواه احمد فی مسنده ج٢

ص۱۷۲‘ ۱۱۲‘ تفسیر ابن کثیر ج۳ ص٤٩٤ زیر آیت ماکان محمد ۔"

آنحضرت ﷺ کی وصیت کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا

﴿ابن عمرؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے (اور اس طرح تقریر فرمائی) جیسے کوئی رخصت ہونے والا تقریر کیا کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نبی اُمی (جن کے آمد کی خبر تھی وہ) میں ہی ہوں اور میرے بعد اب کوئی نبی نہ ہوگا۔ (اسی تقریر میں یہ بھی فرمایا جب تک میں تمہارے اندر موجود ہوں میرے احکام سنو اور ان کی اتباع کرتے رہو اور جب مجھے دنیا سے اٹھالیا جائے تو تم کتاب اللہ کو مضبوط پکڑے رہنا جو اس میں حلال ہے اس کو حلال اور جو حرام ہے اس کو حرام سمجھتے رہنا۔ اس حدیث کو احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔﴾

(۳۱)........."عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ خُطْبَةِ یَوْمَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ اَیُّهَا النَّاسُ اَنَّهٗ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ وَلَا اُمَّةَ بَعْدَکُمْ فَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَصَلُّوْا خَمْسَکُمْ وَصُوْمُوْا شَهْرَکُمْ وَاَدُّوْا زَکٰوةَ اَمْوَالِکُمْ طَیِّبَةً بِهَا اَنْفُسُکُمْ وَاَطِیْعُوْا وُلَاةَ اُمُوْرِکُمْ تَدْخُلُوْا جَنَّةَ رَبِّکُمْ۔ الکنز ج۵ ص۲۹٤‘ ۲۹۵ حدیث نمبر ۱۲۹۲۲‘ مجمع الزوائد ج۸ ص۲٦٦ باب لانبی بعدہ ﷺ‘ تفسیر معالم التنزیل ج۱ ص۲۳۷ زیر آیت اطیعو اللہ واطیعو الرسول واولی الامر منکم"

﴿ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا۔ اے لوگو! نہ تو میرے بعد اب کوئی نبی ہوگا اور نہ تمہارے بعد کوئی امت۔ بس اپنے رب کی عبادت کرتے رہو اور اپنی پانچ نمازیں پڑھتے رہو اور رمضان کے روزے رکھے جاؤ۔ اور اپنے مالوں کی زکوٰۃ خوشی خوشی دیئے جاؤ اور اپنے حاکموں کی اطاعت کرتے رہو تو پروردگار کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ مطلب یہ ہے کہ نجات اب صرف ان فرائض اسلام پر عمل کرنے میں منحصر ہو گئی ہے۔ اگر پہلے زمانہ کی طرح آئندہ کوئی رسول آنے والا ہوتا تو اس پر

ایمان لانا بھی ضروری ہوتا۔ اب ایمان کا معاملہ تو مکمل ہو چکا ہے۔ صرف عمل کا مرحلہ باقی ہے۔ وہ بھی اتنا مختصر ہے کہ بس فرائض کے یہ چند قدم ہیں۔ انہیں طے کرو اور آگے جنت ہے۔ ﴿

(۳۲)............"عَنْ اَبِیْ قَبِیْلَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَانَبِیَّ بَعْدِیْ وَلَا اُمَّةَ بَعْدَکُمْ فَاعْبُدُوْ ارَبَّکُمْ وَاَقِیْمُوْا خَمْسَکُمْ وَصُوْمُوْا شَهْرَکُمْ وَاَطِیْعُوْا وُلَاةَ اَمْرِکُمْ تَدْخُلُوْا جَنَّةَ رَبِّکُمْ. رواه الطبرانی والبغوی کذافی الکنز العمال ج۱۵ ص۹۴۷ حدیث نمبر۴۳۶۳۸ باب جامع المواعظ من الاکمال مجمع الزوائد ج۳ ص۲۷۶ باب خطبه فی الحج"

﴾ابو قبیلہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد اب کوئی نبی نہیں ہو گا اور تمہارے بعد اب کوئی امت نہیں آئے گی۔ پس تم اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو اپنی پانچ نمازیں ٹھیک پڑھتے رہو۔ ماہ رمضان کے روزہ رکھتے رہو اور اپنے حکام کی اطاعت کئے جاؤ۔ اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ ﴿

(۳۳)............"عَنِ الضَّحَّاکِ بْنِ نَوْفَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَانَبِیَّ بَعْدِیْ وَلَااُمَّةَ بَعْدَ اُمَّتِیْ. رواه البیهقی فی کتاب الرؤیا وفی روایة ابی قبیلة فی کنزالعمال لانبی بعدی ولا امة بعدکم ص۹۴۷ ج۱۵ حدیث نمبر۴۳۶۳۸ باب جامع المواعظ من الاکمال"

﴾ضحاک بن نوفلؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد اب کوئی نبی نہ ہو گا اور میری امت کے بعد اب کوئی امت نہیں ہو گی۔ اس حدیث کو بیہقی نے کتاب الرؤیا میں روایت کیا ہے۔ ﴿

تصدیق ماهان عامل الروم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نبی بعده

(۳۴)............"عَنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِیْدِ فِیْ حَدِیْثٍ طَوِیْلٍ اَنَّهٗ سَاَلَهٗ

مَاهَانَ عَامِلُ مَلِكِ الرُّوْمِ عَلَى الشَّامِ هَلْ كَانَ رَسُوْلُكُمْ اَخْبَرَ اَنَّهٗ يَأْتِيْ بَعْدَهٗ رَسُوْلٌ قَالَ وَلٰكِنْ اَخْبَرَاَنَّهٗ لَانَبِيَّ بَعْدَهٗ وَاَخْبَرَ اَنَّ عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ قَدْ بَشَّرَبِهٖ قَوْمَهٗ قَالَ الرُّوْمِيُّ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ. خصائص الكبرىٰ ج۲ ص ٤١٢ باب ذكر آيات وقعت على اثر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوات"

ملک روم کے گورنر کی تصدیق کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا

خالد بن ولیدؓ نے ایک طویل حدیث میں کہا کہ ماہان نے جو شام پر شاہ روم کا عامل تھا۔ ان سے دریافت کیا' کیا تمہارے رسول نے تم سے یہ کہا ہے کہ ان کے بعد کوئی اور رسول آئے گا۔ انہوں نے کہا نہیں بلکہ یہ خبر دی ہے کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اور یہ بھی کہا کہ عیسیٰ بن مریم نے ان کی آمد کی بشارت اپنی قوم کی دی تھی۔ ماہان رومی نے کہا کہ میں بھی اس پر گواہی دینے والوں میں ہوں۔

حضرت ابو عبیدہؓ جب یرموک پہنچے تو روم کے لشکر کے سردار نے ان کے پاس ایک قاصد بھیجا۔ اس نے کہا کہ میں ماہان گورنر کے پاس سے آیا ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ اپنی جماعت میں سے ایک عقلمند شخص ہمارے پاس بھیج دیں تاکہ ہم اس سے گفتگو کر لیں۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے اس کام کے لئے خالد بن ولیدؓ کو منتخب فرمایا اور انہوں نے جو گفتگو کی جو اوپر مذکور ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلی بشارات میں نبی منتظر کی ایک علامت یہ بھی تھی کہ اس کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ اس لئے دوسری باتوں کے ساتھ اس کی تحقیق بھی کی جاتی تھی کہ اور انبیاء کی طرح آپ نے کسی نبی کی آمد کی خبر تو نہیں دی۔

شهادة الضب انه رسول الله وخاتم النبيين

(۳۵)........."عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِيْ حَدِيْثٍ طَوِيْلٍ فَقَالَ الْاَعْرَابِيُّ لاَ اٰمَنْتُ بِكَ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِكَ هٰذَا الضَّبُّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ اَنَا يَاضَبُّ فَقَالَ الضَّبُّ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ يَفْهَمُهُ الْقَوْمُ جَمِيْعًا لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ يَارَسُوْلَ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ قَالَ مَنْ تَعْبُدُ فَقَالَ الَّذِيْ فِي السَّمَاءِ

عَرْشُهٗ وَفِی الْاَرْضِ سُلْطَانُهٗ وَفِی الْبَحْرِ سَبِیْلُهٗ وَفِی الْجَنَّةِ رَحْمَتُهٗ وَفِی النَّارِ عَذَابُهٗ قَالَ فَمَنْ اَنَا قَالَ اَنْتَ رَسُوْلُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَخَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ۔ الحدیث اخرجه الطبرانی فی الاوسط والصغیر ج٢ص٦٤ باب المیم اسمه محمد وابن عدی والحاکم فی المعجزات والبیہقی وابونعیم وابن عساکر ولیس فی اسناده من ینظرفی حاله سوی محمد بن علی بن الولید البصری السملی شیخ الطبرانی وابن عدی وقال السیوطی فی الخصائص قلت لحدیث عمر طریق اٰخر لیس فیه محمد بن علی بن الولید اخرجه ابونعیم وروی عن عائشة وابی ہریرة وعلی رضی اللّٰه تعالیٰ عنہم مثله کمافی الخصائص ج٢ص٢٧٥ باب قصة الضب منتخب کنز العمال علی حاشیه مسند احمد ابن حنبل ج٤ص٢٧٨ باب شهادة الضب۔”

گوہ کی شہادت کہ آپ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں

﴿ حضرت عمرؓ ایک طویل قصہ میں روایت فرماتے ہیں (کہ آنحضرت ﷺ نے ایک دیہاتی آدمی کو اسلام کی دعوت دی) اس نے کہا جب تک یہ گوہ ایمان نہ لائے میں آپ پر ایمان نہیں لا سکتا۔ آپ نے فرمایا اے گوہ! بتلا میں کون ہوں۔ گوہ نے نہایت فصیح عربی میں جواب دیا جسے سب حاضرین نے سمجھا۔ اے رب العالمین کے رسول میں حاضر ہوں اور آپ کی فرماں بردار ہوں۔ آپ نے فرمایا بتلا تو کس کے نام کی تسبیح کرتی ہے۔ وہ بولی جس کا عرش آسمان پر ہے اور جس کا حکم زمین پر نافذ ہے جس نے سمندر میں راستے بنا دیئے جس کی رحمت کا مظہر جنت، جس کے عذاب کا مظہر دوزخ ہے۔ آپ نے فرمایا میں کون ہوں؟۔ اس نے جواب دیا۔ آپ جہان کے پروردگار کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ اس حدیث کو طبرانی نے معجم اوسط اور معجم صغیر میں اور ابن عدی نے اور حاکم نے معجزات اور بیہقی ابو نعیم اور ابن عساکر نے روایت کیا ہے اور اس کے راویوں میں سوائے محمد بن علی بن الولید کے کوئی راوی

ایسا نہیں ہے جس کے معاملہ میں غور کرنے کی ضرورت ہو۔ یہ طبرانی اور ابن عدی کے شیخ ہیں۔ سیوطیؒ خصائص الکبریٰ میں فرماتے ہیں کہ حدیث عمر کے لئے ایک اور طریقہ بھی ہے جس میں یہ راوی نہیں ہے۔ ابو نعیم نے اس کو بیان کیا ہے۔ نیز حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ اور .... حضرت علیؓ سے بھی اسی کے ہم معنی مضمون مروی ہے۔

حیوانات کی گفتگو اور ان کی شہادت دینا اگر بطور عادت و فطرت نقل کی جائے تو بے شک تعجب کرنا چاہئے۔ اگر بطریق معجزہ منقول ہو تو اس پر تعجب کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے معجزات تمام خارق عادات ہی ہوتے ہیں اور ان میں بہت سے تواتر سے بھی ثابت ہیں۔ لہذا صرف اس وجہ سے حدیث کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں! اگر اس کا روایتی پہلو ناقابل اعتبار ہوتا تو بے شک ایک بات ہو سکتی تھی۔ مگر اس کا روایتی پہلو بھی اتنا مخدوش نہیں ہے۔ یہاں حیوان کی شہادت میں لفظ رسول اللہ کے ساتھ خاتم النبیین کا لفظ ایسا ہی ہے جیسا کہ آیت قرآنی میں یہ دونوں لفظ یکجا رکھے گئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی رسالت کا صحیح اور پورا مفہوم اسی وقت ادا ہوتا ہے۔ جبکہ آپ کو خاتم النبیین بھی سمجھا جائے آپ کو صرف رسول اللہ کہنا اور خاتم النبیین نہ کہنا آپ کی حیثیت کے صرف ایک جز ہی کو ادا کرتا ہے اور وہ بھی مشترک جزء کو' آپ کے منصب عالی کا ممتاز جز خاتم النبیین ہے۔ لیکن چونکہ یہ دونوں حیثیتیں آپ کی ذات میں جمع تھیں اور اس طرح جمع تھیں۔ گویا ایک ذات کے دو عنوان ہیں اس لئے عام طور پر صرف اقرار رسالت ختم نبوت کے اقرار کے لئے کافی سمجھا گیا تھا جیسا کہ کلمہ توحید کا۔ اس کا اقرار گو رسالت کے اقرار سے ایک جداگانہ شے ہے مگر جو توحید کہ آپ کی حکم برداری میں تسلیم کی جائے وہ اقرار بالرسالت کے ہم معنی تھی۔ اس لئے بعض احادیث میں صرف کلمہ توحید کی شہادت کو مدار نجات قرار دیا گیا ہے اسی طرح آپ کی رسالت اور ختم نبوت کا مسئلہ سمجھنا چاہئے۔

شهادة زيد بن خارجةؓ بعد وفاته انه صلی اللہ علیہ وسلم لانبی بعده

(۳۶)............"عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَانَ زَيْدُ بْنُ خَارِجَةَ مِنْ سَرَاةِ الْاَنْصَارِ فَبَيْنَمَا هُوَ يَمْشِیْ فِیْ طَرِيْقٍ مِنْ طُرُقِ الْمَدِيْنَةِ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ اِذَا خَرَّفَتُوُفِّیَ فَاَعْلِمَتْ بِهِ الانْصَارُ فَاَتَوْهُ فَاحْتَمَلُوْهُ اِلٰى بَيْتِهٖ وَسَجَّوْهُ كِسَاءً وَبُرْدَيْنِ وَفِی الْبَيْتِ نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءِ الْاَنْصَارِ يَبْكِيْنَ عَلَيْهِ وَرِجَالٌ مِنْ رِجَالِهِمْ فَمَكَثَ عَلٰى حَالِهٖ حَتّٰى اِذَا كَانَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ اِذَا سَمِعُوْا صَوْتَ قَائِلٍ يَقُوْلُ اَنْصِتُوْا اَنْصِتُوْا فَنَظَرُوْا فَاِذَا الصَّوْتُ مِنْ تَحْتِ الثِّيَابِ فَحَسَرُوْا عَنْ وَجْهِهٖ وَصَدْرِهٖ فَاِذَا الْقَائِلُ يَقُوْلُ عَلٰى لِسَانِهٖ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ النَّبِیُّ الْاُمِّیُّ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَانَبِیَّ بَعْدَهٗ كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتَابِ الْاَوَّلِ صَدَقَ صَدَقَ ۔ هدية المهديين ص۱۱۴ معجم الكبير الطبرانی ج۵ ص۲۱۹ روایت نمبر۱۵۴۴ حافظ ابن ابی الدنیا کی کتاب من عاش بعد الموت ص۵۲"

وفات کے بعد زید بن خارجہ کی شہادت کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا

﴿نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ زید بن خارجہؓ انصار کے سرداروں میں تھے۔ ایک دن وہ ظہر و عصر کے درمیان مدینہ کے کسی راستہ پر جارہے تھے کہ یکایک گرے اور فوراً وفات ہوگئی۔ انصار کو اس واقعہ کی خبر ہوئی اور وہ آئے اور انہیں اٹھا کر گھر لے گئے اور ایک کمبل اور دو چادروں سے ان کو ڈھانک دیا۔ گھر میں انصار کی کچھ عورتیں اور مردان پر رورہے تھے۔ یہ گریہ وزاری ہوتا رہا حتی کہ جب مغرب و عشاء کا درمیان ہوا تو دفعۃً ایک غیبی آواز آئی "خاموش رہو، خاموش رہو" ادھر ادھر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ آواز ان کپڑوں کے نیچے

سے ہی آرہی ہے جس میں میت ہے۔ لوگوں نے ان کا منہ اور سینہ کھولا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ کوئی غیبی شخص ان کی زبان سے یہ کہہ رہا ہے "محمد رسول اللہ نبی امی خاتم النبیین ہیں۔" ان کے بعد اب کوئی نبی نہیں ہوگا۔ یہ تورات وانجیل میں موجود ہے۔ سچ ہے سچ ہے۔ ﴾

کرامت کے طور پر میت کا بولنا بھی کچھ تعجب کی بات نہیں تھی مگر راوی نے اس کی ایک اور توجیہہ بھی کر دی ہے اور وہ یہ کہ یہاں بولنے والا دراصل کوئی فرشتہ تھا۔ میت کی زبان ان کلمات کی ادائیگی کے لئے صرف ایک واسطہ کا کام دے رہی تھی۔ جمادات وحیوانات کے ان خارق عادت شہادات سے مقصود یہ ہے کہ بنی آدم کی فطرت زیادہ سے زیادہ متاثر ہو کر نصیحت وعبرت کرے اور حضور ﷺ کی تصدیق کے لئے اور زیادہ مستعد ہو جائے۔

کان النبی ﷺ رسولا الی اهل زمانه ومن بعدهم سواء

(۳۷)........"عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلاً قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنَا رَسُوْلُ مَنْ اُدْرِكُ حَيًّا وَمَنْ يُوْلَدُ بَعْدِیْ ۰ رواه ابن سعد الكنز العمال ج ۱۱ ص ٤٠٤ حديث ٣١٨٨٥"

آنحضرت ﷺ اپنے زمانہ اور بعد میں آنے والے سب انسانوں کے لئے یکساں رسول ہیں

﴿حضرت حسنؓ سے مرسلاً روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں ان کا بھی رسول ہوں جو اب زندہ ہیں اور ان کا بھی جو میرے بعد پیدا ہوں گے۔ اس حدیث کو ابن سعد نے روایت کیا ہے۔﴾

بعثت عام اور ختم نبوت کو بڑا گہرا ربط ہے۔ اسی لئے پہلی حدیث میں دونوں خصوصیتوں کو ایک جگہ ذکر کیا گیا ہے۔ اگر آپ کی بعثت عام نہ ہوتی اور نبوت ختم ہو جاتی تو آنے والی امت بلا رسول رہ جاتی۔ یہ بجائے نعمت کے اور ایک زحمت ہوتی۔ اس لئے جب

نبوت کا ختم ہونا مقدر ہوا تو آپ کی بعثت کا دامن قیامت تک کے انسانوں پر پھیلا دیا گیا تاکہ رہتی دنیا تک تمام انسان اس کامل و اکمل رسالت کے نیچے آجائیں اور کسی دوسرے رسول کے محتاج نہ رہیں۔ اور اگر آپ کی بعثت تو عام ہوتی مگر نبوت ختم نہ ہوتی تو اب آئندہ اگر کوئی اور کامل رسول آتا اور آپ کی بجائے اس کی اتباع لازم ہوتی تو آپ کا نقصان ثابت ہوتا اور اگر کوئی ناقص رسول آتا تو کامل کے ہوتے ہوئے ناقص کے دامن میں آنا بجائے رحمت کے زحمت بن جاتا (والعیاذ باللہ!) اس لئے بعثت عامہ کے بعد نبوت کا ختم ہونا ضروری اور لازم ہو گیا۔ ❁

توضیح النبی ﷺ ختم النبوۃ بمثال

(۳۸)........."عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ قَالَ اِنَّ مَثَلِیْ وَمَثَلَ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِیْ کَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی بَیْتًا فَاَحْسَنَہٗ وَاَجْمَلَہٗ اِلَّامَوْضِعَ لِبَنَۃٍ مِنْ زَاوِیَۃٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یَطُوْفُوْنَ بِہٖ وَیَعْجَبُوْنَ لَہٗ وَیَقُوْلُوْنَ ھَلاَّ وُضِعَتْ ھٰذِہِ اللَّبِنَۃُ قَالَ فَانَا لَبِنَۃُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ ۔ بخاری ص۵۰۱ ج۱ باب خاتم النبیین مسلم ج۲ ص۲٤۸ باب ذکر کونه خاتم النبیین واحمد ج۲ ص۲٥٦، درمنثور ج٥ ص۲۰٤ زیر آیت ماکان محمدابا احدمن رجالکم والنسائی والترمذی وفی بعض الفاظ فکنت انا سددت موضع اللبنة وختم بی البنیان وختم بی الرسل ۔ رواه ابن عساکر کما فی الکنز"

آنحضرت ﷺ کا ختم نبوت کو ایک مثال دیکر واضح کرنا

❁ ابوہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کسی شخص نے گھر بنایا اور اسے خوب آراستہ و پیراستہ کیا مگر اس کے ایک گوشہ میں صرف ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی......... لوگ آآکر اس کے اردگرد گھومنے لگے اور تعجب کرنے لگے اور کہنے لگے یہ اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی گئی (تاکہ یہ عیب بھی نہ رہتا) اس کے بعض الفاظ میں یہ ہے کہ میں نے آکر اس اینٹ کی جگہ کو پر

کر دیا ہے اور اب قصر نبوت میری آمد سے مکمل ہو گیا ہے اور مجھ پر تمام رسول ختم کر دیئے گئے۔ (کنز العمال)﴾

(۳۹)........."عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَثَلِیْ وَمَثَلُ الْاَنْبِیَاءِ کَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی دَارًا فَاَتَّمَهَا وَاَکْمَلَهَا وَاَحْسَنَهَا اِلاَّ مَوْضِعَ لَبِنَةٍ فجعل الناس یدخلونها وَیَقُوْلُوْنَ لَوْلَا مَوْضِعِ اللَّبِنَةِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَاَنَا مَوْضِعَ اللبَنَةِ جِئْتُ فَخُتِمَ بِیَ الْاَنْبِیَاءِ۔ مسلم ج۲ ص۲٤۸ باب ذکر کونه خاتم النبیین 'بخاری ج۱ ص۵۰۱ باب خاتم النبیین والترمذی ج۲ ص۱۱۳ باب ماجاء مثل النبی ولا نبیاء وابن ابی حاتم"

﴿جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے ایک گھر بنایا اور خوب عمدہ اور مکمل بنایا مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی جو شخص اس میں داخل ہوتا اور اسے دیکھتا تو کہتا تمام گھر کس قدر خوبصورت ہے مگر یہ ایک اینٹ کی جگہ (وہ اینٹ میں ہوں) اور انبیاء مجھ پر ختم کر دیئے گئے ہیں۔ (اس حدیث کو شیخین 'ترمذی ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے)﴾

(۴۰)........." عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَثَلِیْ وَمَثَلُ النَّبِیِّیْنَ فذکرنحوہ۔ رواہ مسلم ص۲٤۸ج۲ باب ذکر کونه خاتم النبیین واحمد"

﴿ابو سعید خدریؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا میری اور نبیوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے گھر بنایا اور اس کو پورا بنا دیا مگر ایک اینٹ کی جگہ رہنے دی میں آیا اور اس اینٹ کو بھی پورا کر دیا۔ اس حدیث کو مسلم و احمد نے روایت کیا ہے۔﴾

(۴۱)........." عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ مَثَلِیْ فِی النَّبِیِّیْنَ کَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی دَارًا فَاَحْسَنَهَا وَاَکْمَلَهَا وَاَجْمَلَهَا وَتَرَکَ مِنْهَا مَوْضِعَ لِبَنَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یَطُوْفُوْنَ بِالْبِنَاءِ وَیَعْجَبُوْنَ مِنْهُ وَیَقُوْلُوْنَ لَوْتَمَّ

مَوْضِعُ تِلْكَ اللِبَنَةِ وَاَنَا فِی النَّبِیِّیْنَ مَوْضِعُ تِلْكَ اللَبَنَةِ۔ رواہ الترمذی ج۲ ص۲۰۲ باب فی فضل النبی وقال ھذا حدیث حسن صحیح غریب"

﴿ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نبیوں میں میری مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے گھر بنایا اور نہایت خوشنما مکمل اور آراستہ بنایا۔ لیکن اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی لوگ اس محل کے اردگرد گھومتے اور اسے تعجب سے دیکھ دیکھ کر کہتے ہیں۔ کاش! اس اینٹ کی جگہ بھی پوری ہو جاتی۔ تو میں نبیوں میں ایسا ہی ہوں جیسے یہ اینٹ اس محل میں۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔﴾

ان تشبیہات کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح اس قصر میں جو ہر طرح مکمل ہو چکا ہے۔ اب کسی اور اینٹ کی کوئی گنجائش نہیں رہی اسی طرح میری آمد کے بعد اب کسی اور نبی کے آنے کا احتمال نہیں رہا۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ ختم نبوت کے اس موٹے سے مسئلہ کو پیرایہ بہ پیرایہ طریقہ بہ طریقہ آخر کیوں اتنا سمجھا رہے ہیں۔ آپ کا آخری نبی ہونا کوئی دقیق مسئلہ نہیں جس کے لئے اتنی تفہیم کی حاجت ہو پھر یہ اہمیت کیوں ہے۔ اس کا جواب آپ کو ان احادیث کے مطالعہ کے بعد خود واضح ہو جائے گا جن میں آنحضرت ﷺ کے بعد مدعین نبوت کے متعلق پیشگوئی کی گئی ہے۔

لانبی بعد النبی ﷺ وان کان من غیر تشریع

(۴۲)........."عَنْ سَعْدِبْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لِعَلِیٍّ اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ ھَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلاَّ اَنَّهٗ لَیْسَ نَبِیٌّ بَعْدِیْ۔ رواہ البخاری ومسلم فی غزوۃ تبوک ص۶۳۳ج۲ عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لِعَلِیٍّ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ ھَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلاَّ اِنَّهٗ لاَنَبِیَّ بَعْدِیْ وَفِیْ روایته وفی لفظ مسلم ج۲ ص۲۷۸ باب من فضائل علیؓ بن ابی طالب خَلَّفَهٗ عَلَیْهِ السَّلاَمُ فِیْ بَعْضِ مَغَازِیْهِ فَقَالَ لَهٗ عَلِیٌّ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ خَلَّفْتَنِیْ مَعَ النِّسَاءِ وَالصِّبْیَانِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ

اللّٰہِ ﷺ اَمَاتَرضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلاَّ اَنَّہٗ لاَنُبُوَّۃَ بَعْدِیْ وفی لفظ اٰخر عندہ اِلاَّ اِنَّکَ لَسْتَ نَبِیًّا ۔ ’’

آنخضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں خواہ غیر تشریعی نبی ہو

﴿سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنخضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تمہیں مجھ سے وہ نسبت ہے جو ہارون کو حضرت موسیٰ سے تھی اتنا فرق ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے غزوہ تبوک کے بیان میں روایت کیا ہے اور مسلم کے الفاظ یہ ہیں کہ آنخضرت ﷺ نے ایک جنگ کے موقعہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ نہ لیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں (حسرت سے) عرض کیا یارسول اللہ ﷺ مجھے آپ عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جا رہے ہیں؟۔ آپ ﷺ نے (ان کی تسلی کے لئے) فرمایا کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ تمہیں مجھ سے وہ نسبت حاصل ہو جو ہارون کو حضرت موسیٰ سے حاصل تھی مگر فرق یہ ہے کہ میرے بعد نبوت باقی نہیں اور مسلم کے دوسرے لفظ یہ ہیں مگر تم نبی نہیں ہو۔﴾

(۴۳)............ ’’عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ لَمَّا اَرَادَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَنْ یُّخَلِّفَ عَلِیًّا قَالَ قَالَ لَہٗ عَلِیٌّ مَایَقُوْلُ النَّاسُ فِیَّ اِذَا خَلَّفْتَنِیْ قَالَ فَقَالَ اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلاَّ اِنَّہٗ بَعْدِیْ نَبِیٌّ اولا یکون بعدی نبی ۔ رواہ احمد ج۳ ص۳۳۸ وابن ماجۃ ص۱۲ باب فضائل علی بن ابی طالب والترمذی ج۲ ص۲۱٤ باب مناقب علیؓ بن ابی طالب ۔ ’’

﴿جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنخضرت ﷺ نے جب یہ ارادہ کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں تو انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ اگر آپ مجھے (اپنے ہمراہ نہ لے جائیں گے اور) پیچھے چھوڑ جائیں گے تو بھلا لوگ میرے متعلق کیا کیا باتیں کہیں گے۔ راوی کہتا ہے کہ آپ نے فرمایا کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ میری تمہاری وہ نسبت رہے جو ہارون

وموسیٰ کی تھی اتنا فرق ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ اس حدیث کو احمد ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ ﴾

ان دونوں حدیثوں میں حضرت علیؓ کو حضرت ہارون علیہ السلام کی ذات سے تشبیہ دینا مقصود نہیں۔ اسی لئے "انت بمنزلته ہارون" نہیں فرمایا بلکہ اس نسبت اور علاقہ سے تشبیہ مقصود ہے جو حضرت موسیٰ وہارون علیہم السلام کے درمیان تھا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰ نے اپنی غیبت کے زمانہ میں اپنی قوم کی نگرانی کے لئے اپنے بھائی حضرت ہارون کا انتخاب کیا تھا۔ اسی طرح اپنی غیبت میں، میں تمہارا انتخاب کرتا ہوں اتنا فرق ضرور ہے کہ وہ نبی تھے تم نبی نہیں ہو۔ حضرت ہارون کو چونکہ نبوت کے ساتھ خلافت ملی تھی اس لئے اس مجمل تعبیر سے یہ وہم پیدا ہو سکتا ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت بھی کہیں خلافت نبوت نہ ہو۔ اس لئے اس احتمال کو بھی برداشت نہیں کیا گیا اور اس کو صاف طور پر صاف کر دیا گیا ہے تاکہ آنے والی امت محض الفاظ کے ابہام سے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر حضرت علیؓ کو نبوت ملتی تو وہ یقیناً آپ کے اتباع ہی کی بدولت ہوتی مگر جب اس احتمال کی بھی نفی کر دی گئی تو اب توسط یا بلا توسط کسی نبوت کا احتمال باقی نہیں رہا۔ اگرچہ نبوت کا کسی نبی کے اتباع سے ملنا خود ایسا مسئلہ ہے جس کے لئے قرآن وحدیث سے کوئی دلیل نہیں ہے اور اسی لئے دنیا کی تاریخ میں کوئی نبی ایسا نہیں بتلایا جا سکتا جو کسی نبی کے اتباع کے صلہ میں انعامی طور پر نبی بنا دیا گیا ہو یہ محض دماغی اختراع اور خود ساختہ خیال ہے۔

(۴۴)........." عَنْ زَیْدِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ (یاعلی) وَالذِیْ بَعَثَنِیْ بِالْحَقِّ مَااخْتَرْتُکَ اِلاَّ لِنَفْسِیْ وَاَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی غَیْرَ اِلاَّ اَنَّهٗ لاَنَبِیَّ بَعْدِیْ . ابن عساکر، الکنز العمال ج۹ ص۱٦٧ حدیث نمبر ٢٥٥٥٤ ج ١٢ ص ١٠٥، ١٠٦، حدیث نمبر ٣٦٣٤٥ باب فضائل علیؓ"

﴿ زید بن اوفیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے علیؓ اس ذات کی

قسم ہے جس نے مجھے دین حق دیکر بھیجا ہے۔ میں نے تم کو صرف اپنے لئے پسند کیا ہے اور تمہیں مجھ سے وہ نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے حاصل تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ (الکنز)۞

یہی مضمون ابو سعید خدریؓ، حبشی بن جنادہؓ، عقیل بن ابی طالبؓ اور ابن عمر سے بھی مروی ہے۔ دیکھو کنز العمال۔

(۴۵)........... "عَنْ عَلِيٍّ قَالَ وَجِعْتُ وَجْعًا فَاَتَيْتُ النَّبِىَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَاَقَامَنِیْ فِیْ مَكَانِهٖ وَقَامَ يُصَلِّیْ وَاَلْقٰى عَلَیَّ طَرَفَ ثَوْبِهٖ ثُمَّ قَالَ بَرِئْتَ يَا ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ فَلاَ بَأسَ عَلَيْكَ مَاسَأَلْتُ اللّٰهَ شَيْئًا اِلاَّ سَأَلْتُ لَكَ مِثْلَهٗ وَلاَ سَأَلْتُ اللّٰهَ شَيْئًا اِلاَّ اَعْطَانِيْهِ غَيْرَ اَنَّهٗ قِيْلَ لِیْ اَنَّهٗ لاَنَبِیَّ بَعْدِیْ فَقُمْتُ كَاَنِّیْ مَااشْتَكَيْتُ۔ رواه ابن جرير وابن شاهين فى السنة والطبرانى فى الا وسط وابونعيم فى فضائل الصحابة كذافى الكنز ج۱۳ص ۱۷۰ حديث۳۶۵۱۳"

۞حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے درد اٹھا۔ میں آپ کی خدمت میں آیا آپ نے مجھے اپنی جگہ کھڑا کر دیا اور خود نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو گئے اور اپنے لباس کا ایک کنارہ میرے اوپر ڈال دیا پھر فرمایا اے علیؓ تم شفایاب ہو گئے۔ اب تم میں کوئی مرض نہیں رہا۔ میں نے جو دعا اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے کی ہے وہی تمہارے لئے مانگی ہے اور جو دعا میں نے مانگی ہے وہ اس نے قبول فرمائی ہے۔ بجز اس کے کہ مجھ سے یہ کہہ دیا گیا ہے میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں اس طرح اٹھ کھڑا ہوا جیسے کبھی بیمار ہی نہ ہوا تھا۔ (کنز العمال)۞

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کے لئے نبوت کی دعا فرمائی تھی اور قبول ہو گئی تھی: " وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِیْ ۔ هَارُوْنَ اَخِی ۔ اشْدُدْ بِهٖ اَزْرِیْ ۔ وَاَشْرِكْهُ فِیْ اَمْرِیْ ۔ طه آيت ۲۹ "اور میرے خاندان میں میرے بھائی ہارون کو میرا مدد گار بنا دے ان کے ذریعہ سے میری کمر مضبوط فرما اور میرا شریک کار بنا

دے۔ اس دعا کے بموجب ان کو نبی بنا دیا گیا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے بعد چونکہ عالم تقدیر میں یہ طے پاچکا تھا کہ اب کوئی نبی نہ ہوگا۔ اس لئے یہ نامناسب تھا کہ دعا کے بعد آپ کو عالم تقدیر کے اس فیصلہ کی اطلاع دی جاتی۔ اس لئے اس سے قبل کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ حضرت علیؓ کے لئے نبوت کی دعا فرماتے یہ کہہ دیا گیا کہ آپ کی ہر دعا قبول ہو گی مگر نبوت کے لئے آپ دعا ہی نا فرمائیے۔

غور فرمائیے کہ حدیث مذکور میں موسیٰ وہارون علیہم السلام کے ایک معمولی تشبیہ کے اثرات کتنی دور دور تک پھیل رہے ہیں اور ہر گوشہ میں ختم نبوت کا عقیدہ کس کس طرح نظر آتا چلا جا رہا ہے۔ گویا یہ ایک بنیاد ہے اور بقیہ تمام تفریعات اسی عقیدہ پر قائم ہیں۔ اگر کہیں ذرا بھی اس بنیاد کو ٹھیس لگتی نظر آتی ہے تو فوراً صفائی کے ساتھ اس کی اصلاح کر دی جاتی ہے اور معمولی سے ابہام کو بھی برداشت نہیں کیا جاتا۔ تعجب ہے کہ جہاں نبوت ورسالت کی صریح پیشگوئیوں کی بجائے اتنی گنجائش بھی نہ ہو وہاں نبوت کے دروازے نہیں بلکہ پھاٹک کھول دیئے جائیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ جب اس میں سے گذرنے والوں کی تعداد دریافت کی جائے تو بمشکل ایک شخص کا نام پیش کیا جائے اور اس میں بھی ابھی تک یہ بحث جاری ہو کہ وہ امام تھا یا مجدد' یا نبی ورسول' اور اگر معتقدین کا حال چھوڑ کر کہیں خود اس کے دعاوی کو دیکھا جائے تو ایک صحیح الفہم شخص یہ اندازہ کر ہی نہ سکے کہ اتنے مختلف دعاوی کبھی ایک زبان سے ادا بھی ہو سکتے ہیں۔ واللہ المستعان!

لا یبقی من النبوة شئی الا لمبشرات

(۴۶)........ "عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ لَا یَبْقٰی بَعْدِیْ مِنَ النُّبُوَّةِ شَیْءٌ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ قَالَ الرُّؤْیَا الصَّالِحَةُ یَرَاهَا الْمُسْلِمُ اَوْتُرٰی لَهٗ. کذافی الکنز ج ١٥ ص ٣٧١ حدیث نمبر ٤١٤٢٣ وفی روایة البخاری عن ابی ہریرة ج ٢ ص ١٠٣٥ باب المبشرات مسند احمد ج ٦ ص ١٢٩"

آنحضرتﷺ کے بعد نبوت کا کوئی جزء باقی نہیں رہا صرف اچھے خواب باقی ہیں

﴿حضرت عائشہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتی ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے میرے بعد نبوت کا کوئی جزء باقی نہیں رہا۔ صرف مبشرات باقی ہیں۔ صحابہؓ نے پوچھا یارسول اللہ مبشرات کیا چیز ہیں۔ آپ نے فرمایا اچھے خواب جو مسلمان خود دیکھے یا اس کے لئے کوئی دوسرا دیکھے۔ (کنزالعمال)﴾

انبیاء علیہم السلام کی صفت انذار بھی ہے اور تبشیر بھی۔ اس لئے قرآن کریم میں فرمایا "رُسُلاً مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ." اس لحاظ سے رؤیاء صالحہ کی بھی دو قسمیں ہونا چاہئیں مبشرات اور منذرات مگر چونکہ رؤیاء صالحہ کی تفسیر میں صرف مبشرات کا لفظ فرمایا گیا ہے۔ نیز جامع ترمذی اور ابن ماجہ میں روایت ہے کہ آیت: "لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا." میں بشریٰ سے مراد رؤیا صالحہ ہیں۔ اس بناء پر بھی رؤیاء صالحہ کا عنوان مبشرات بن گیا ہے بہر حال یہ ضروری نہیں ہے کہ سچے خواب ہمیشہ خوشی و مسرت کے متعلق ہوں۔ رنج و غم کے متعلق بھی ہو سکتے ہیں مگر رویاء صالحہ میں یہ حصہ مغلوب ہوتا ہے اور بشارت کا حصہ غالب۔ اس کے برعکس شیطانی خواب بیشتر خوفناک ہوتے ہیں اور مسرت و خوشی کے شاذونادر۔ کیونکہ شیطان کا مقصود ہی تحزین مسلم ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے ایک مرفوع روایت ہے: "الرویا الحسنة من الرجل الصالح جزء من ستة واربعين جزء من النبوة" نیک آدمی کا اچھا خواب نبوت کا چھیالیسواں جزء ہوتا ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ حدیث مذکور میں مسلم سے ہر فاسق و فاجر مراد نہیں بلکہ صالح اور نیک شخص مراد ہے۔

اس لئے فاسق یا کافر کا خواب اگر سچا بھی ہو تو نبوت کا جزء نہیں کہا جا سکتا۔ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نیک آدمی کبھی شیطانی خواب دیکھتا ہی نہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ جو شخص بیداری میں انبیاء علیہم السلام کے نقش قدم پر چلتا ہے۔ صدق

واخلاص امانت ودیانت داری اس کا شیوہ ہے۔ اندر باہر دوست ودشمن کسی کے ساتھ جھوٹ بولنا روا نہیں رکھتا۔ اس کی فطرت پر صدق وسچائی کا پورا نقش قائم ہو چکا ہے۔ وہ سونے کے بعد بھی شیطانی تسلط و حکومت کے ماتحت نہیں آتا۔ اس لئے اس کا جو خواب ہوتا ہے وہ اکثر خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ اگر گاہے بگاہے اس کے خلاف ہو تو شاذونادر ہے۔ اس کے برخلاف جو شخص بحالت بیداری جھوٹ ودغابازی کا عادی ہے۔ وہ سونے کے حال میں بھی شیطان ہی کے زیر حکومت رہتا ہے۔ اس کے خواب بھی اکثر شیطانی اتصال وتصرف کا ثمرہ ہوتے ہیں۔ صحیح بخاری میں روایت ہے: "الرویاء الصالحه من الله والحلم من الشیطان" اچھے خواب (جو مومن صالح کا نصیب ہے) خدا کی طرف سے ہوتے ہیں اور برے خواب شیطان کی طرف سے۔ خلاصہ یہ کہ انسان بحالت خواب اپنے بیداری کے حالات کے تابع رہتا ہے۔ مشہور ہے کہ بلی کو خواب میں چھیچھڑے ہی نظر آتے ہیں۔ اگر اتنی بات آپ کے نزدیک معقول ہے تو یہ بھی سن لیجئے کہ جس طرح انسان حالت نوم میں بیداری کے حال کے تابع ہوتا ہے اسی طرح موت کے بعد اپنی حیات کے حالات کے تابع رہے گا: "وَمَنْ کَانَ فِیْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی." جو اس دنیا کی زندگی میں اندھا بنا رہا۔ وہ آخرت میں بھی اندھا اٹھے گا۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ حدیث میں یہ دعویٰ نہیں ہے کہ ہر سچا خواب نبوت کا جزء ہے بلکہ اس کا خواب نبوت کا جزء قرار دیا گیا ہے جو شریعت کی اصطلاح میں صالح کہا جا سکے۔ قرطبی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ صالح سے مراد وہ شخص ہے جو عبادات وعادات میں انبیاء علیہم السلام کے قدم بقدم ہو۔ کاہن اور نجومی بھی غیب کی خبریں دیتے ہیں مگر وہ خدا کی طرف سے نہیں ہوتیں۔ اس کا نام اطلاع علی الغیب نہیں۔ اس کے اسباب پر اپنی جگہ مفصل بحث موجود ہے۔ اطلاع علی الغیب نبوت کا خاصہ ہے۔ اس کی ابتداء اچھے اور سچے خواب ہیں اور اس کی انتہا وحی نبوت یعنی بحالت بیداری خدا تعالیٰ یا فرشتہ کے ساتھ مکالمہ۔ آنحضرت ﷺ بھی نبوت سے پیشتر سچے سچے خواب دیکھا کرتے تھے۔ ۶ ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد وحی کا دور شروع ہو گیا جس کی مدت تیئیس سال ہے۔ بعض علماء نے یہ دیکھ کر کہا ۲ ماہ ۲۳ سال کا چھیالیسواں جزء ہیں۔ یہ

کہہ دیا ہے کہ حضرت انسؓ کی حدیث میں رؤیاء مومن کو اسی لئے نبوت کا چھیالیسواں جزء کہا گیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس پر طویل گفتگو کی ہے۔ (اس پر سوال و جواب علماء کے دائرہ کی بحث ہے) باقی رہی یہ بحث کہ اگر مبشرات نبوت کا جزء ہیں تو کیا ان کو کوئی مختصر نبوت کہا جاسکتا ہے۔ اس پر آئندہ حدیث کے نوٹ میں کلام کیا جائے گا۔

ذهبت النبوة والرؤيا ليست بنبوة

(۴۷)............ ”عَنْ اُمِّ كُرْزٍ قَالَتْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ ذَهَبَتِ النُّبُوَّةُ وَبَقِيَتِ الْمُبَشِّرَاتِ۔ اخرجه احمد ج٦ ص٣٨١ وابن ماجة ص٢٧٨ باب الرؤيا صالحه............ الخ وصححه ابن خزيمة وابن حبان“

نبوت بالکل ختم ہو گئی اور صرف خواب نبوت نہیں ہیں

﴿ام کرزؓ روایت فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے خود سنا ہے نبوت تو ختم ہوئی۔ ہاں! صرف مبشرات باقی ہیں۔ اس حدیث کو امام احمد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اس کو صحیح کہا ہے۔﴾

(۴۸)............ ”عَنْ اَنَسٍ رفعه اَنَّ الرِسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدْ اِنْقَطَعَتْ فَلاَ رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلاَ نَبِيَّ .... وَلاكِنَ الْمُبَشِّرَاتِ فَقَالُوْا وَمَا الْمُبَشِّرَات قَالَ رُؤْيَا الْمُسْلِمِ جُزْءٌ مِنْ اَجْزَاءِ النُّبُوَّةِ۔ ترمذی ج٢ ص٥١ باب ذهبت النبوة وبقيت المبشرات كنز العمال ج١٥ ص٣٦٧ حديث ٤١٤٠٧ مسند احمد ج٣ ص٢٦٧“

﴿انسؓ آنحضرت ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ رسالت اور نبوت دونوں ختم ہو گئیں۔ اب میرے بعد نہ کوئی نبی ہو گا نہ رسول۔ لیکن مبشرات باقی ہیں۔ صحابہؓ نے پوچھا مبشرات کیا چیز ہیں۔ فرمایا مسلمانوں کے خواب۔ یہ اجزاء نبوت کا ایک جزء ہیں۔﴾

قرآن و حدیث اس پر متفق ہیں کہ نبوت ختم ہو چکی ہے۔ تشریعی ہو یا غیر تشریعی۔ نبوت کی کوئی قسم اب باقی نہیں رہی۔ ہاں! اس کے کمالات و برکات باقی رہنا چاہئیں اور وہ باقی

بھی ہیں۔ نبوت سے قبل عالم کا ظاہر وباطن تیرہ و تاریک ہوتا ہے۔ جب آفتاب نبوت طلوع کرتا ہے تو عالم کا گوشہ گوشہ اس کے انوار سے منور ہو جاتا ہے۔ ظاہر میں ظلم و فساد کی بجائے رشد و صلاح کی حکومت ہو جاتی ہے۔ انسانی عادات میں افراط و تفریط، عجلت و جلد بازی کی بجائے متانت و بردباری، وقار و میانہ روی پیدا ہو جاتی ہے۔ باطن کا رشتہ شیطان سے یکسر کٹ جاتا ہے اور عالم بالا سے ایسا رشتہ قائم ہو جاتا ہے کہ اس میں مغیبات کے انعکاس کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ان ہی کا نام اجزاء نبوت یا آثار و برکات نبوت ہے ان اوصاف کے وجود سے کوئی شخص نبی نہیں بنتا۔ ہاں! نبی سے مستفیض کہا جا سکتا ہے۔ رؤیاء صالحہ یعنی اچھے خواب دیکھنا باطن کے اسی تاثر کی نشانی ہے اور عادات کا انقلاب ظاہر کے تاثر کی......... احادیث میں ایک طرف رؤیاء صالحہ کو نبوت کا چھیالیسواں جزء کہا گیا ہے۔ دوسری طرف بعض بلند اخلاق کو چھبیسواں جزء قرار دیا گیا ہے۔ حدیث میں ہے: ”التوء دة والا قتصاد و حسن السمت من ستة وعشرين جزء من النبوة“ بردباری و متانت، میانہ روی اور اچھی روش نبوت کا چھبیسواں جزء ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان اخلاق کی وجہ سے کسی کو نبی نہیں کہا جا سکتا۔ جب چھبیسویں جزء کو نبوت نہیں کہا جاتا تو چھیالیسواں جزء کو نبوت کیسے کہا جا سکتا ہے۔ ابن جوزیؒ کہتے ہیں کہ رویاء صالحہ کو صرف تشبیہی لحاظ سے نبوت کا جزء کہا گیا ہے۔ ابن التینؒ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو غیب کی خبریں وحی کے ذریعہ سے دی جاتی ہیں۔ اب یہ سلسلہ تو منقطع ہوا۔ خواب کا سلسلہ باقی ہے۔ اس اعتبار سے رؤیاء کو اجزاء نبوت میں شمار کیا گیا ہے۔ غالباً اسی وجہ سے اس حدیث کے کسی طریقہ میں رؤیاء کو رسالتہ کا جزء نہیں کہا گیا۔ ہر جگہ نبوت کا جزء کہا گیا ہے۔ رسالتہ کا زیادہ تعلق احکام سے ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ جو خواب نبوت کا چھیالیسواں جزء ہے۔ وہ ہر شخص کا خواب نہیں بلکہ خود نبی کا خواب ہے مگر یہ جواب مخدوش ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہ جزء ہمیشہ اپنے کل کے مغائیر ہوتا ہے یہی کلمات جو مجموعی طور پر اذان کہے جاتے ہیں۔ علیحدہ علیحدہ اذان نہیں کہلاتے۔ عناصر اربعہ انسان کے اجزاء ہیں مگر ان میں سے کسی کو انسان نہیں کہا جاتا۔ مثلاً آب انسان کا 1/4 حصہ ہے مگر انسان نہیں تو رؤیاء صالحہ نبوت کا چھیالیسواں جزء ہو کر نبوت کیسے ہو سکتے ہیں۔ ہمارے

نزدیک یہ بات بالکل واضح ہے کہ رؤیاء صالحہ نبوت کے حقیقتاً اجزاء نہیں ہیں۔ کیونکہ نبوت کسی ایسی حقیقت مرکبہ کا نام نہیں جس کا تجزیہ و تحلیل ممکن ہو۔ وہ ایک منصب ہے جس کا تعلق صرف خدائی اصطفاء واجتباء پر موقوف ہے۔ ہاں! اس کے کچھ لوازم و خصائص ہیں جو اس کی ماہیت کا جزء نہیں ہوتے۔ ان خصائص و خصائل ہی کو مجازاً اجزء کہہ دیا جاتا ہے۔ یہ تنقیح بھی ہمیں اس لئے کرنی پڑتی ہے کہ اصطلاح میں خصائص واجزاء میں فرق ہے۔ ورنہ اہل عرف کے نزدیک یہ تدقیقات قطعاً غیر ضروری ہیں۔

ان کے نزدیک عوارض مختلفہ اور ذاتیات واجزامیں کوئی فرق نہیں۔

امام بخاریؒ کی دقت نظر مشہور ہے۔ انہوں نے یہاں بھی ایک جدت طرازی سے کام لیا ہے۔ پہلے ترجمۃ الباب میں یہ حدیث نقل کی ہے۔ اچھا خواب نبوت کا چھیالیسواں جزء ہے۔ اس کے بعد یہ حدیث روایت کی ہے کہ اچھے خواب خدا کی طرف سے ہوتے ہیں اور برے خواب شیطان کی طرف سے۔ شارحین کو بحث ہے کہ اس حدیث کو بظاہر باب سے کوئی مناسبت نہیں۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ یہاں امام بخاریؒ رؤیا صالحہ کے جزء نبوت ہونے کی ایک لطیف حکمت کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں: "انماكانت جزء من اجزء النبوة لكونها من الله تعالىٰ بخلاف التى من الشيطان فانهاليست من اجزء النبوة فتح البارى ج۱۲ ص۳۳۰ باب الرؤيا الصالحة جز من ستة واربعين جزء من النبوة" یعنی رؤیاء صالحہ کو اجزاء نبوۃ اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے ہوتے ہیں۔ اس کے بر خلاف وہ خواب جو شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اجزاء نبوت نہیں ہیں۔ بظاہر امام بخاریؒ کی مراد یہ ہے کہ جس طرح حالت بیداری میں وحی دو قسم پر ہے۔ ایک وحی نبوت جو خدا کی طرف سے ہوتی ہے۔ دوسری ایحاء شیطان: "وَاِنَّ الشَّيَاطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰى اَوْلِيَائِهِمْ." اسی طرح خواب کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک من اللہ دوسرے میں الشیطان جو رؤیاء من اللہ ہیں۔ ان کا رشتہ نبوت سے ہے۔ وہ بھی خدا کی طرف سے ہوتی ہے اور جو من الشیطان ہے۔ اس کا تعلق وحی شیطان سے ہے۔ حدیث نے بھی اس مشتبہ حقیقت کا فرق واضح کیا ہے۔ یعنی جو خواب من اللہ ہیں۔ ان کا نام

رؤیاء رکھا ہے اور جو شیطان کے تصرف سے ہیں ان کا نام حلم رکھا ہے۔ غالباً اسی لئے سورۃ یوسف میں فرمایا: ”وَمَانَحْنُ بتاْ وِیْلِ الْاَحْلَامِ بِعَالِمِیْنَ“ یعنی انبیاء کو ”احلام“ شیطانی خوابوں کی تعبیر کا علم نہیں دیا جاتا۔ ہاں ”رؤیا“ عالم قدس کی ایک حقیقت ہے ان کی تعبیر کا علم شان نبوت کے مناسب ہے اور احلام بے حقیقت شئے ہے ان سے انبیاء علیہم السلام کا کوئی واسطہ نہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ رؤیاء صالحہ نبوت نہیں بلکہ نبوت کا حقیقی جزء بھی نہیں۔ اس لئے ان احادیث میں پہلا عنوان بدل کر نبوت کو بالکل ختم کہا گیا ہے اور رؤیاء صالحہ کو جداگانہ ایک چیز قرار دیا گیا ہے۔ اصطلاح نحو کے مطابق پہلی حدیث میں استثناء کو منقطع کہا جائے گا یا اجزاء سے خصائص و آثار مراد ہوں گے۔ اگر سب کچھ تسلیم کر لیا جائے تو نبوت کے اس جزء میں کسی بڑی رتبہ باکمال یا دعویٰ کی شرط نہیں۔ بلکہ ہر مرد صالح کا اس میں حصہ ہے۔

الالهام والتحديث مع الملائكة ليس بنبوة

(۴۹)......... ”عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَقَدْکَانَ فِیْمَا کَانَ قَبْلَکُمْ مِنَ الْاُمَمِ نَاسٌ مُحَدَّثُوْنَ فَاِنْ یَکُ فِیْ اُمَّتِیْ اَحَدٌ فَاِنَّہٗ عُمَرُ وفی روایة لَقَدْ کَانَ فِیْمَنْ قَبْلَکُمْ مِنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ رِجَالٌ یُکَلَّمُوْنَ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَکُوْنُوْا اَنْبِیَاءَ فَاِنْ یَکُ فِیْ اُمَّتِیْ مِنْهُمْ اَحَدٌ فَعُمَرُ. بخاری ج١ ص٥٢١ باب مناقب عمر بن الخطاب وفی روایة مسلم عن عائشة ج٢ ص٢٧٦ باب فضائل عمر.“

الہام اور فرشتوں کے ساتھ باتیں کرنا بھی نبوت نہیں ہے

﴿حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے تم سے پہلی امتوں میں محدث ہوا کرتے تھے۔ اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمرؓ ہے اور بعض روایات میں ہے کہ تم سے پہلے بنی اسرائیل میں کچھ لوگ ایسے ہوا کرتے تھے جن سے غیبی طور پر باتیں کی جاتی تھیں مگر وہ نبی نہ ہوتے تھے۔ اگر میری امت میں کوئی شخص ایسا ہے تو وہ عمرؓ ہے۔ (متفق علیہ)﴾

محدث اور مکلم دونوں لفظ بصیغہ اسم مفعول ہیں۔ صحیح مسلم کے بعض طرق دثون کی بجائے "ملھمون" اور مسند حمیدی میں حضرت عائشہؓ کی حدیث میں الملھم اب کا لفظ ہے اور ابن عینیہ کے شاگردوں نے اس کی تفسیر میں "مفھمون" کا لفظ نقل ہے۔ ابو سعید خدریؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا محدث کیسا ا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں کہ فرشتے ان کی زبان سے بولتے ہیں۔ علماء نے کی مختلف تفصیلات کی ہیں۔ اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ: "ھوالرجل الصادق لظن" یہ وہ شخص ہے جس کا خیال اکثر صحیح ہو" وھومن القی فی روعه شئی من لملاء الا علیٰ فیکون کالذی حدثه غیره" یہ شخص وہ ہے جس کے قلب میں ملائکہ مقربین کی جانب سے کوئی بات اس طرح ڈالی جائے گویا اس سے کسی نے کہہ دی ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ محدث اسے کہتے ہیں جس کی زبان سے صدق وصواب بلا قصد نکلے۔ کسی نے تحدیث کا ترجمہ فراست کیا ہے۔ علماء محققین میں سے حضرت شاہ ولی اللہؒ وغیرہ نے بھی اس پر کافی کلام کیا ہے۔ ہمارے نزدیک تمام علماء نے حضرت عمرؓ کی ذات کو پیش نظر رکھا ہے۔ پھر ان کی ایک ایک خصوصیت کو اپنے خیال کے مطابق چنا ہے اور اس کو محدث کی تعریف میں شامل کر دیا ہے۔ ہمارے نزدیک مناسب یہ ہے کہ ان سب اوصاف کو یکجائی طور پر محدث کی تعریف میں داخل کر لینا چاہئیے۔ یہ حقیقت حدیث سے تجاوز کر کے قرآن تک پہنچ گئی ہے۔ چنانچہ آیت: "وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلاَ نَبِيٍّ" میں ابن عباسؓ "ولا محدث" کا لفظ اور پڑھا کرتے تھے۔ قرآن کریم میں محدث کو نبی کے بالمقابل رکھا گیا ہے۔ اسی لئے حدیث میں بھی: "من غیران یکونوا انبیاء۔ فتح الباری ج۷ص ٤١ باب فضائل عمرؓ" سے ان کے ہی نہ ہونے کی تصریح کر دی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اگر حضرت عمرؓ کے متعلق اس حدیث کو پیش نظر رکھا جائے: "لوکان بعدی نبی لکان عمرؓ" اگر میرے بعد کوئی نبی ہو سکتا تو عمرؓ ہوتا تو یہ بات اور زیادہ صاف ہو جاتی ہے کہ محدث اور مکلم نبی نہیں ہوتا۔ حضرت عمرؓ کا محدث ہونا اور نبی نہ ہونا دونوں باتیں حدیث سے ثابت ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ صرف ملائکۃ اللہ کا کسی سے ہم کلام ہونا یا صدق وصواب [illegible]

جاری ہو جانا نبوت نہیں ہے۔ جیسا کہ صرف غیب کی خبریں دینا نبوت نہیں یا جیسا کہ سچے خواب دیکھنا نبوت نہیں ہے۔ یہ سب باتیں انبیاء اور غیر انبیاء بلکہ مسلم و کافر میں بھی پائی جا سکتی ہیں۔ اولیاء کے مکالمات کو الہام کہتے ہیں اور نبی کے مکالمات کو وحی' یہ صرف اصطلاحی فرق ہے اس سے پوری حقیقت نہیں نکھرتی۔ اسی طرح قطعیت و ظنیت کے فرق سے بھی ان کی حقیقت پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔ یہ صرف صاحب وحی جانتا ہے کہ وحی یہ ہے اور الہام یہ۔ یہاں بھی علماء نے احادیث میں وحی کے لوازم و خصائص تلاش کر کے بہت کچھ لکھا ہے مگر انصاف یہ ہے کہ نبوت و وحی کی حقیقت سوائے نبی کے دوسرا نہیں سمجھ سکتا۔ جب اشیاء خارجہ کے متعلق علماء کا فیصلہ یہ ہے کہ ان کی حدود حقیقی یا تو غیر ممکن ہیں ورنہ دشوار ضرور ہیں۔ تو روحانیات کے صحیح حدود کیسے ممکن ہیں۔ (دیکھو فتح الباری فضائل عمرؓ)

(۵۰)............" عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّہٗ لَمْ یُبْعَثْ نَبِیٌّ قَطُّ اِلاَّ کَانَ فِیْ اُمَّتِہٖ مَنْ یُحَدَّثُ وَاِنْ یَّکُنْ فِیْ اُمَّتِیْ مِنْھُمْ اَحَدٌ فَھُوَ عُمَرُ ۰ رواہ ابن عساکر ' کنز العمال ج۱۱ ص۵۸۵ حدیث نمبر۳۲۷۸۸"

﴿ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا مجھ سے پہلے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا گیا جس کی امت میں کوئی نہ کوئی محدث نہ ہو۔ اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمرؓ ہے۔ (کنز)﴾

(۵۱)............" عَنْ عَائِشَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ مَاکَانَ نَبِیٌّ اِلاَّ کَانَ فِیْ اُمَّتِہٖ مُعَلَّمٌ اَوْمُعَلَّمَانِ فَاِنْ یَّکُنْ فِیْ اُمَّتِیْ مِنْھُمْ اَحَدٌ فَھُوَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ۰ خصائص ج٢ ص٤٦١ باب اخبارہ بان عمرؓ المحدثین"

﴿حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ایسا کوئی نبی نہیں گذرا جس کی امت میں ایک دو معلم (محدث) نہ گذرے ہوں۔ اگر میری امت میں کوئی معلم ہے تو وہ عمر بن الخطابؓ ہے۔﴾

سیاستہ الامۃ واصلاح مافیہا من تغییر الدین لیس بنبوۃ

(۵۲)............ ”عَنْ اَبِیْ حَازِمٍ قَالَ قَاعَدْتُ اَبَاهُرَیْرَةَ خَمْسَ سِنِیْنَ فَسَمِعْتُهٗ یُحَدِّثُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ کَانَتْ بَنُوْاِسْرَائِیْل تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِیَاءُ کُلَّمَا هَلَکَ نَبِیٌّ خَلَفَهٗ نَبِیٌّ وَاِنَّهٗ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ وَسَیَکُوْنُ خُلَفَاءُ فَیَکْثُرُوْنَ قَالُوْا مَاتَاْ مُرُنَا یارسول اللّٰه ﷺ قَالَ فُوْابَیْعَةَ الْاَوَّلِ فَالْاَوَّلِ اَعْطُوْهُمْ حَقَّهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ. الخصائص الکبریٰ ص٤١٤ ج٢ باب اخباره ﷺ بالخلفاء بعده ثم الملوك. رواه البخاری ج١ ص٤٩١ باب ماذکر عن بنی اسرائیل ‘ومسلم ج٢ ص١٦٢ باب وجوب الوفاء بیعته الخلیفه الاول فالاول واحمد وابن ماجة ص٢٠٦ باب الوفاء بالبیعة وابن جریر وابن ابی شیبه کنزالعمال ج٦ ص٥١ حدیث نمبر ١٤٨٠٥ باب فی اطاعت الامیر“

امت کا انتظام اور ان کے دینی تحریفات کی اصلاح کرنا بھی نبوت نہیں

﴿ابو حازمؒ کہتے ہیں کہ میں ابو ہریرہؓ کے ساتھ ۵ سال رہا ہوں میں نے انہیں یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا بنی اسرائیل کا انتظام خود ان کے انبیاء فرمایا کرتے تھے۔ جب ایک نبی کی وفات ہو جاتی دوسرا اس کا جانشین آجاتا لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ ہاں! خلفا ہوں گے اور وہ بہت ہوں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا پھر ان کے متعلق ہمیں کیا حکم ہے۔ فرمایا جو پہلا خلیفہ ہو اس کی بیعت پوری کرنا۔ تم تو ان کا حق ادا کرتے رہنا اور اس نگرانی کی باز پرس جو اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کی ہے وہ خود فرمائے گا۔ (بخاری و مسلم واحمد وغیرھم)﴾

حافظ ابن حجرؒ انبیاء بنی اسرائیل کی سیاست کی تشریح میں لکھتے ہیں: ”انہم کانو اذا ظہر فیہم فساد بعث اللہ لہم نبیاً یقیم لہم امرہم ویزیل ما غیر وامن احکام التوارت فتح الباری ج٦ ص ٣٦٠ باب ماذکر عن بنی اسرائیل “یعنی بنی اسرائیل میں جب کوئی فساد رونما ہوتا تو اللہ تعالیٰ کسی نبی کو ان میں بھیج دیتا جو ان کی اصلاح کرتا۔ اور شریعت تورات میں ان کی تحریفات کو دور کر دیتا۔ امت محمدیہ میں یہ خدمات خلفاء کے سپرد کر دی گئی ہیں۔ ان احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اچھے خواب دیکھنا الہام اور فرشتوں کے ساتھ مکالمہ کرنا امت کا دینی اور دنیوی نظم و نسق قائم رکھنا۔ یہ سب محدثین اور خلفاء کے وظائف ہیں۔ منصب نبوت اب ختم ہو گیا اور یہ وظائف نبوت امت محمدیہ کے خلفاء کی طرف منتقل کر دیئے گئے۔ اس سے امت محمدیہ کے کمالات اور عظمت کا اندازہ کرنا چاہئے کہ جن خدمات کے لئے پہلے انبیاء علیہم السلام بھیجے جاتے تھے اس امت کے علماء و خلفاء انہیں انجام دیا کریں گے۔

سوچو کہ امت محمدیہ کی ہتک عزت اس میں ہے کہ اسے نااہل قرار دیکر اس میں نبی پیدا کیا جائے یا اس میں کہ اس کے خلفاء وہ خدمات انجام دیں جو پہلے کبھی انبیاء علیہم السلام ادا فرمایا کرتے تھے۔ ابن عساکر نے حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ” لی النبوۃ ولکم الخلافۃ “نبوت صرف میرے لئے ہے اور تمہارے لئے خلافت ہے۔ (کنزالعمال ج ۱۱ ص ۷۰۶ حدیث نمبر ۳۳۴۳۸) اس روایت میں آنحضرت ﷺ نے تقسیم کر کے اپنا اور امت کا حصہ علیحدہ علیحدہ بیان کر دیا ہے۔ اچھے خواب میں ہماری شرکت ہے۔ الہام اور فرشتوں سے بات چیت میں ہماری شرکت ہے۔ امت کا نظم ان کی تحریفات کی اصلاح ہمارا حصہ ہے مگر نبوت میں ہماری کوئی شرکت نہیں۔ اسی لئے حضرت علیؓ سے حضرت ہارون علیہ السلام کو تشبیہ دیتے ہوئے یہ صاف فرما دیا گیا تھا کہ تم میرے جانشین ضرور ہو مگر نبی نہیں ہو۔ نبوت میرا حق ہے اور خلافت تمہارا۔ عمر فاروقؓ کون، وہ کہ جب بولتے تھے تو وحی ان کے موافقت میں بولتی تھی محدث ہو سکتے ہیں مگر یہ بات ان سے بھی صاف کہہ دی گئی تھی کہ نبوت میرا حق ہے اور

محدثیت تمہارا۔ حالانکہ ان کے خواب ان کے الہام ان کی امت کی نگہداشت و حفاظت اس کی سفارش کر رہی تھیں کہ اگر اس امت میں کوئی ہلکی سے ہلکی نبوت بھی جاری ہو تو وہ ان کو دے دی جائے۔ شب ہجرت میں حضرت علیؓ آپ کے بستر پر ساری رات آپ کی جگہ قربان ہونے کے شوق میں پڑے ہوئے ہیں۔ صدیق اکبرؓ راہ کے ہر ہر خطرناک موقع پر سربکف حاضر ہیں مگر فنافی الرسول کے سمندر کے ان شناوروں کو نبوت کا چھوٹا سا چھوٹا موتی بھی ہاتھ نہ آیا بلکہ اگر کسی کے متعلق سیاق کلام میں نبوت کا کوئی ادنیٰ احتمال بھی پیدا ہوتا نظر آیا تو اس کو بڑی صفائی سے دور کر دیا گیا۔ حتی کہ کسی کے لئے لفظ نبی کی کوئی بھی گنجائش نہیں دی گئی۔ اس لئے یہاں ظلی و بروزی نبوت کی بحث کرنا بھی بالکل بے معنی ہے۔ یہ بحث اس وقت قابل توجہ ہو سکتی ہے جبکہ شریعت میں کہیں امت کے کاملین پر نبی کا اطلاق درست تسلیم کیا جائے لیکن جب بلا تفصیل: ”لا نبی بعدی“ میرے بعد کوئی نبی نہیں کہہ دیا گیا ہے تو اب ہمیں بلاوجہ ظلی و بروزی کی تقسیم کی دردسری اٹھانے کی حاجت نہیں ہے۔ اس کے ماسوا یہ بھی قابل غور ہے کہ جب تاریخ نبوت میں صرف دو ہی قسم کی نبوتیں ملتی ہیں۔ تشریعی، غیر تشریعی، اور یہ دونوں براہ راست نبوتیں ہیں تو نبوت کی اب ایک اور تیسری قسم تراشنا تاریخ نبوت کے خلاف ہے۔ اس کے لئے بہت زبردست شرعی ثبوت درکار ہیں۔ پورے وثوق و تحدی کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن و حدیث میں ایک آیت اور کوئی ایک حدیث بھی دستیاب نہیں ہو سکتی جس میں آنے والی امت کو انبیاء کہا گیا ہو۔ پھر خاتم النبیین کے عموم میں محض اپنی افتراعی تقسیم کی وجہ سے تخصیص پیدا کرنا قرآن دانی کا ثبوت نہیں بلکہ کھلی ہوئی تحریف ہے۔

لوکان بعدالنبی صلی اللہ علیہ وسلم نبی لکان عمرؓ

(۵۳)......... ”عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَوْكَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ“ لَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ۔ رواہ الترمذی ج۲ص۲۰۹ باب مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب والخطیب عن مالك والطبرانی ج۱۷

ص ۱۸۰ حدیث نمبر ٤٧٥ عن عصمة بن مالك كما فی الكنز ج۱۱ ص۵۷۸ حدیث نمبر ٣٢٧٤٥ باب فضل عمر بن الخطاب"

اگر آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی ہوتا تو حضرت عمرؓ ہوتے

﴿عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطابؓ ہوتے۔﴾

حضرت علیؓ کو آنحضرت ﷺ سے نسبت اخوت حاصل تھی اس کے باوجود وہ نبی نہیں بن سکے۔ نسبت اخوت سے بڑھ کر ابنیت کی نسبت ہے۔ گمان ہو سکتا تھا کہ آپ کا کوئی فرزند ہوتا تو شاید وہ نبی ہو جاتا مگر ان کے متعلق بھی حدیث میں یہ ارشاد ملتا ہے:" لوعاش ابراهيم لكان صديقا نبيا۔ ابن ماجه ص۱۰۸ كنز العمال ج۱۱ ص٤٦٩ حديث نمبر ٣٢٢٠٤ "اگر ابراہیم جیتا تو صدیق نبی ہوتا۔ یعنی جس نے ختم نبوت مقدر فرمائی تھی اس نے ان کے لئے عالم تقدیر میں اتنی عمر بھی نہیں لکھی کہ ان کی علو استعداد ظاہر ہو اور ختم نبوت سے ٹکرائے۔ اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ آپ کے بعد نبوت باقی ہے۔ ورنہ حضرت ابراہیم (فرزند نبی کریم ﷺ) کیسے نبی ہو سکتے تھے۔

یہاں شیخ محی الدین نووی تو اپنی مشہور کتاب تہذیب الاسماء میں حضرت ابراہیم کا تذکرہ کرتے ہوئے اس حدیث کے متعلق یہ لکھ گئے ہیں:" اماماروی عن بعض المتقدمين لوعاش ابراهيم لكان نبيا فباطل وجارة على الكلام فی المغيبات مجازفة وهجوم على عظيم من الذلات والله المستعان (ج۱ ص۱۰۳)" بعض متقدمین سے حضرت ابراہیم کی نبوت کے متعلق جو حدیث مروی ہے وہ بالکل بے اصل اور غیب کے معاملات میں بڑی دلیری اور اٹل کے تیر اور بڑی لغزش ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ فتح الباری ج۱۰ ص۴۷۷ باب من سمی باسماء الانبیاء کے ذیل میں اسی کے ہم معنی اور چند احادیث نقل کر کے تحریر فرماتے ہیں:" فهذه عدة أحاديث صحيحته عن هولاء الصحابة انهم اطلقو اذالك فلا ادری مالذی

حمل النووی ...... علی استنکار ذلك "ان چند صحابہ سے کئی حدیثیں اس مضمون کی ثابت ہیں جن میں حضرت ابراہیم کی زندگی کی تقدیر پر ان کے نبی ہونے کا ذکر موجود ہے۔ پھر معلوم نہیں کہ نووی کو اس کے انکار کی کیا وجہ پیش آئی۔ اس لئے اس حدیث میں پس و پیش کرنے کی تو کوئی وجہ نہیں ہے۔ جن حضرات کو اس حدیث میں تشویش لاحق ہوئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث آیت خاتم النبیین کے بظاہر مخالف معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے قرآن کے قطعی آیت کے بامقابل قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ ہمارے نزدیک ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ آیت خاتم النبیین کا تعلق عالم کے ان نبوتوں کے ساتھ ہے جو اپنی جگہ ایک حقیقت ثابتہ ہیں۔ اس کے برخلاف حضرت ابراہیم کی نبوت صرف فرضی ہے۔ فرضی بات چونکہ محض ایک اعتبار ذہنی کا نام ہے۔ اس لئے اسے عالم کے واقعی نبوتوں کے ساتھ کوئی تعارض نہیں ہو سکتا۔ اس کی ایک منطقی مثال یہ ہے: "ان کان زید حمارا کان ناهقا" اگر زید گدھا ہوتا تو وہ گدھے ہی کی طرح بولتا۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ زید انسان ہے اور اس لئے وہ گدھے کی آواز نہیں بولتا۔ یہ واقعہ بھی اپنی جگہ درست ہے۔ ہاں! اگر زید کی انسانیت کے ساتھ ہی ساتھ اس کی حماریت کو مان لیا جائے تو اب یقیناً تعارض پیدا ہو جائے گا کیونکہ بیک وقت وہ ناطق اور ناہق دونوں نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ختم نبوت اپنی جگہ ایک حقیقت ثابتہ ہے اگر حضرت ابراہیم کی نبوت اسی درجہ میں مان لی جائے۔ تو یقیناً تعارض پیدا ہو جائے گا ورنہ دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ درست رہیں گی۔ ختم نبوت خارج میں 'اور نبوت ابراہیم فرضی طور پر' اصل یہ ہے کہ جب کوئی متکلم کسی بات کا کوئی پہلو واقعات عالم کے برخلاف فرض کرتا ہے تو اس فرض سے اس کا کچھ مقصد ہوتا ہے۔ پہلے اس کے اس مقصد کو سمجھنے کی کوشش کرنا چاہئے اور صرف ایک فرضی پہلو کی وجہ سے اس کے تمام پہلوؤں کی فرضی تفصیلات میں جانا نہیں چاہئے۔ ظاہر ہے کہ جب عالم میں واقعات کی ایک ترتیب پہلے سے موجود ہے۔ اب اگر اس ترتیب کے خلاف کوئی امر فرض کیا جائے اور اس کو واقعات کی اسی مرتب صف میں ٹھونسنے کی کوشش کی جائے تو یقیناً اس مرتب سلسلہ میں اختلال و بدنظمی پیدا ہو جائے گی۔ یہاں واقعہ تو یہ ہے کہ

آنحضرت ﷺ پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔ آپ کے فرزند بھی انتقال فرما گئے ہیں۔ عالم کے ان دونوں واقعات میں کوئی تعارض نہیں کوئی اختلاف نہیں۔ اب اگر صرف آپ کی عظمت شان اور ان کا جوہر استعداد سمجھانے کے لئے فرضی طور پر یہ کہہ دیا جائے کہ وہ جیتے تو نبی ہوتے تو اس میں بھی کوئی اشکال کی بات نہیں لیکن اسی فرضی نبوت کو اگر عالم کے ان واقعات کے ساتھ رکھ دو جو بلا فرض کئے ہوئے موجود ہیں تو یقیناً وہ خارجی ترتیب بگڑ جائے گی۔ اب غور طلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کی فرضی نبوت کی وجہ سے ختم نبوت کے واقعی عقیدہ کو فرضی کہہ دیا جائے یا اس کو واقعی اور اس کو فرضی کہہ دیا جائے۔ مقصود قائل سے یہ کتنا بعید ہوگا کہ وہ اپنی ختم نبوت کے ساتھ ایک ہستی کا اور اعتقاد عظمت قائم کرنا چاہتا ہے۔ آپ ختم نبوت کا انکار کر کے اسی کا احترام ختم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ایک فرضی نبوت کا تصور آپ کے سامنے لاتا ہے۔ آپ اسے واقعی بنا کر ختم نبوت کا عقیدہ ہی فرضی بنائے دیتے ہیں۔ اچھا آپ کے بقول مان لیجئے کہ حضرت ابراہیم اگر زندہ رہتے تو نبی ہوتے۔ آیئے دیکھیں کہ جن کی فطرت ابراہیمی فطرت سے بہت ہی ملتی جلتی تھی اور وہ زندہ بھی رہے پھر کیا نبی بنے۔ ترمذی کی حدیث آپ کے سامنے ہے۔ عمر فاروقؓ کی فطرت کو نبوت سے جتنی مناسبت ہے وہ خود آنحضرت ﷺ کے بیان سے ظاہر ہے۔ یہ زندہ بھی رہے مگر نبی نہ بنے۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ کسی مستعد نبوت کے نبی نہ ہونے کی اصل وجہ صرف اس کی موت نہیں ہے۔ ورنہ جہاں یہ وجہ نہ تھی وہاں نبوت مل جانا چاہئے تھی۔ غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی منصب پر تقرر کے لئے ذاتی استعداد وصلاحیت کے علاوہ دو باتوں کی اور بھی ضرورت ہے۔ عمر Age ہر شعبہ میں عمر کی بحث ضروری سمجھی جاتی ہے۔ دوم تقرر کی جگہ Vacancy خالی ہونا بھی شرط ہے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ دونوں نبی نہیں ہوئے۔ اگر اس کی وجہ یہ ہوتی کہ ان حضرات میں اتنی لیاقت واستعداد ہی نہ تھی تو یقیناً یہ اس امت کا نقصان شمار ہوتا لیکن اگر کوئی Vacancy تقرر کی جگہ ہی نہیں ہے تو اس میں امت کا کوئی قصور نہیں نکلتا۔ یہ بات حکومت کے نظم ونسق کے متعلق ہے کہ وہ کسی عہدہ پر کتنے اشخاص کا تقرر کرنا چاہتی ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم کو بھی نبوت نہیں ملی۔ کیوں نہیں ملی؟۔ کیا

اس لئے کہ خاتم الانبیاء علیہم السلام کے اس جگر پارہ میں استعداد کا کوئی نقصان تھا۔ انہیں اس لئے کہ ان میں عمر Age کی کمی تھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ نبی کی ذریت اس کا قبیلہ بلکہ اس کی عام امت میں بھی استعداد نبوت تو موجود ہے۔ انسانی بلند سے بلند کمال اسے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس لئے ختم نبوت کا کوئی شخص یہ مطلب تو نہ سمجھے کہ یہ امت کمالات سے محروم ہو گئی ہے۔ بلکہ تمام تر کمالات اور پوری لیاقت کے باوجود چونکہ اب کوئی Vacancy نہیں رہی۔

اس لئے اس منصب پر کسی کا تقرر نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابراہیم کے معاملہ میں تقرر کی جگہ ہونے نہ ہونے کی بحث سے پہلے عمر کی بحث حائل ہو گئی تھی۔ اس لئے ان کے حق میں Vacancy کی بحث دوسرے نمبر کی بحث تھی۔ حضرت عمرؓ کے معاملہ میں عمر کی بحث نہ تھی تو منصب نبوت ختم ہونے کا مرحلہ سامنے آگیا۔ بہر صورت ان مختلف اسباب و وجوہ کے باوجود جو واقعہ تھا وہ اپنی جگہ واقعہ رہا۔ یعنی ختم نبوت بلا تخصیص اپنے پورے عموم پر باقی رہی اور یہ بعد کی بحثیں اب صرف ذہنی رہ گئیں کہ فلاں کو نبوت کیوں نہیں ملی۔ اگر آنحضرت ﷺ کے بعد درحقیقت نبوت جاری تھی تو پھر کیا وجہ ہے کہ آپ کی تئیس سالہ پیہم سعی کے بعد بھی کسی ایک کو نبوت نہ مل سکی۔ اگر حضرت ابراہیم کے لئے کوئی عذر درپیش تھا تو کیا تمام کے تمام صحابہ معذور ہو گئے تھے۔ پھر حضرت ابراہیم کے معاملہ میں ان کی حیات کا عذر اس لئے نہیں ہے کہ دراصل نبوت سے وہی ایک بات مانع تھی بلکہ یہاں اس بات کو بتلانا مقصود ہے جو خاص ان کے حق میں نبوت سے مانع آگئی۔ اگر یہ کہا جاتا کہ ابراہیم اگر جیتے تو بھی نبی نہ ہوتے تو ممکن تھا کہ کوئی شخص اسے ان کی قصور استعداد و لیاقت پر محمول کر لیتا۔ حالانکہ یہاں لیاقت و استعداد میں کوئی کمی نہ تھی۔ اس لئے ایسے پیرایہ بیان سے احتراز کر کے وہ پیرایہ اختیار کیا گیا ہے جو ان کی لیاقت پر روشنی ڈالے۔ یہاں ملا علی قاریؒ بلا وجہ حضرت ابراہیم کی فرضی نبوت کے اور دوسرے فرضی پہلوؤں کی تفصیلات میں بھی پڑ گئے ہیں۔ یعنی انہوں نے یہ بحث شروع کر دی ہے کہ اگر وہ زندہ رہتے اور فرض کر لو کہ نبی ہو جاتے تو آخر کس قسم کے نبی ہوتے۔ تشریعی یا غیر تشریعی۔ یہ سب بحثیں ہمارے نزدیک بے محل ہیں۔ حضرت ابراہیم کی فرضی نبوت کا پہلو یہاں صرف ایک خاص مقصد کے پیش

نظر ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی بقیہ تفصیلات میں جانا قطعاً غیر ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ تاریخ نبوت بتلاتی ہے کہ نبوت افراد و اشخاص سے منتقل ہو کر ذریت ابراہیم علیہ السلام میں پھر ذریت ابراہیم سے ذریت اسماعیل میں منتقل ہوئی۔ اب اگر نبوت آئندہ جاری رہتی تو اس کو طبعًا آنحضرت ﷺ کی ذریت میں منتقل ہونا چاہئے تھا۔ اگرچہ یہ لزوم نہ عقلی ہے نہ نقلی۔ لیکن صرف نبوت کی تاریخ کی مناسبت یہ چاہتی ہے کہ اگر آئندہ نبوت منتقل ہو تو حضور ﷺ کے بعد اب آپ کے فرزند مبارک کی طرف منتقل ہو۔ اس استعداد و مناسبت کے اظہار کے لئے یہ فرمایا گیا تھا کہ اگر حضرت ابراہیم زندہ رہتے تو نبی ہوتے۔ ان مقاصد کے پیش نظر یہ کہنا کہ اگر آپ جیتے جب بھی نبی نہ ہوتے بالکل بے معنی بات تھی یہ اس وقت مناسب تھا۔ جبکہ آپ کو ختم نبوت کا مسئلہ بیان کرنا مقصود ہوتا۔ یہاں تو یہ بتلانا مقصود تھا کہ تاریخ نبوت جس بات کو چاہ رہی تھی اس کا اقتضاء یہاں پورا ہے۔ خاتم النبیین کے فرزند گرامی کے متعلق جتنی بلندی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے وہ اس سے آگے ہیں۔ چونکہ انتقال نبوت کا یہ مخصوص تخیل حضرت عمرؓ کے حق میں قائم کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ اس لئے ان کا جوہر استعداد بتلانے کے لئے دوسرا عنوان اختیار کیا گیا اور وہاں ختم نبوت ہی پر زور دیا گیا۔ یعنی اگر کہیں نبوت ختم نہ ہوتی تو یہ اپنے کمالات و لیاقت کے لحاظ سے اس کے اہل تھے کہ انہیں منصب نبوت سے سرفراز کر دیا جاتا جنہیں موارد کلام سمجھنے کا سلیقہ حاصل تھا۔ انہوں نے اس فرق کو خوب سمجھ لیا تھا۔ وہ حضرت ابراہیم کے متعلق اس حدیث سے یہ نہیں سمجھے کہ آپ کے بعد نبوت جاری ہے بلکہ انہوں نے اس کو یوں حل کر لیا کہ جب عالم تقدیر میں ختم نبوت مقدر ہو چکی تھی تو اس کے مناسب یہی تھا کہ عالم تکوین میں حضرت ابراہیم کو عمر نبوت نہ دی جائے تاکہ جوان ہو کر پھر آپ کا نبی ہونا مناسب ہو اور آپ کا جوہر استعداد سمجھانے کے لئے آپ کی حیات فرض کر کے یہ کہلا دیا جائے کہ آپ کی فطرت تو نبیؑ کی فطرت تھی مگر چونکہ زمانہ نبوت باقی نہ تھا۔ اس لئے عمر نبوت مقدر نہ ہوئی۔

خلاصہ یہ کہ یہاں ختم نبوت کا مسئلہ چھیڑنا مقصود نہیں تھا۔ اگر آپ کو اس بحث میں پڑنا ہے تو پہلے اس پر بھی غور کیجئے کہ مشیت ایزدی نے حضرت ابراہیم کی حیات کا آخر

اراده کیوں نہیں کیا۔ عطاء فرماتے ہیں: "ان الله تعالیٰ لما حکم ان لا نبی بعده لم یعطه ولد ذکر ایصیر رجلا۔ معالم التنزیل ج۳ص۱۷۸ زیر آیت ماکان محمد........الخ" جب اللہ تعالیٰ نے یہ مقدر فرمایا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہو تو آپ کو کوئی ایسی نرینہ اولاد بھی نہ دی جو جوانی کی عمر کو پہنچتی: "عامر شعبی آیة ماکان محمد........الخ" کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "ماکان لیعیش له فیکم ولد ذکر۔ ترمذی ج۲ص۱۵۲ تفسیر احزاب "یہ آپ کی شان (ختم نبوت) کے مناسب ہی نہ تھا کہ آپ کی کوئی نرینہ اولاد زندہ رہتی۔ اسماعیل فرماتے ہیں: "قلت لابن ابی اوفی رائیت ابراہیم بن النبی ﷺ قال مات صغیر ولو قدران یکون بعد محمد ﷺ نبی عاش ابنه لکن لا نبی بعده بخاری ج۲ص۹۱٤ باب من سمی بااسماء الانبیاء" میں نے ابن اوفی سے پوچھا آپ نے ابراہیم آپ ﷺ کے فرزند مبارک کو دیکھا ہے۔ انہوں نے کہا ان کا لڑکپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔ اگر آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی اور نبی مقدر ہوتا تو آپ کے فرزند مبارک جیتے رہتے لیکن آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے: "عن انسؓ قال لوبقی لکان نبیاً ولکن لم یکن لیبقی لان نبیکم اخرالانبیاء۔ مسند احمد، الحاوی للفتاوی ج۲ص۹۹ فتح الباری ج۱۰ص٤۷۷ باب من سمی باسماء الانبیاء" انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم اگر جیتے تو نبی ہوتے لیکن وہ کیسے جیتے۔ جبکہ آپ نبیوں میں آخری نبی قرار پا چکے تھے۔ شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں: "الا تراه صلی الله علیه وسلم ماعاش له ولدذکر من ظهره تشرتفاله لکونه سبق فی علم الله انه خاتم النبیین۔ فتوحات مکیه ج۳ص۵۱۲ باب۳۸۲ "کیا تم نہیں دیکھتے کہ صرف آپ کی تشریف و تکریم کے لئے آپ کی نرینہ اولاد زندہ نہ رہی۔ کیونکہ خدا کے علم میں یہ طے پا چکا تھا کہ آپ خاتم النبیین اور آخری نبی ہیں۔ اگر وہ زندہ رہتے اور نبی نہ ہوتے تو ایک لحاظ سے یہ بھی آپ کی شان کے مناسب نہ تھا اور اگر نبی ہوتے تو یہ آپ کے خاتم النبیین ہونے کے مناسب نہ ہوتا۔ اس لئے ان کے لئے عمر نبوت ہی مقدر نہ ہوئی۔

ان بیانات سے ثابت ہے کہ صحابہ و تابعین اور علماء محققین کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نبی نہ ہونے کا اصل سبب وہی تھا کہ اب منصب نبوت کے تقرر کے لئے کوئی Vacancy جگہ ہی باقی نہیں رہی مگر جو مخصوص عنوان یہاں اختیار کیا گیا ہے۔ اس کی مصلحت اور ہے۔

من زعم بعد النبی ﷺ انہ نبی فھو کذاب

(۵۴)..........”عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّهٗ سَيَكُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ كَذَّابُوْنَ ثَلاثُوْنَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ اَنَّهٗ نَبِیٌّ وَاَنَا خَاتِمُ النَّبِيِّيْنَ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ۔ رواہ مسلم عن ابوہریرۃؓ ج۲ص۳۹۷ کتاب الفتن واشراط الساعۃ ترمذی ج۲ ص۴۵ باب ماجاء لاتقوم الساعۃ حتّٰی یخرج کذابون، مسند احمد ج۵ص۲۷۸ درمنثور ج۵ص۲۰۴ زیر آیت ماکان محمد ابا احدمن رجالکم“

جو شخص آنحضرت ﷺ کے بعد یہ گمان رکھتا ہے کہ وہ نبی ہے وہ پرلے درجہ کا جھوٹا ہے

﴿ثوبان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے آئندہ میری امت میں تیس سخت جھوٹے پیدا ہوں گے۔ ان میں ہر ایک اپنے متعلق گمان کرے گا کہ وہ نبی ہے۔ حالانکہ میں سب نبیوں کے آخر میں آیا ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔﴾

(۵۵)..........”عَنْ اَبِیْ بَكْرَةَ قَالَ اَكْثَرَ النَّاسُ فِیْ اَمْرِمُسَيْلَمَةَ الْكَذَّابِ قَبْلَ اَنْ يَّقُوْلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْهِ شَيْئًا ثُمَّ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِی النَّاسِ فَاَثْنٰی عَلَی اللّٰهِ بِمَا هُوَ اَهْلُهٗ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فِیْ شَاْنِ هٰذَا الرَّجُلِ الَّذِیْ قَدْ اَكْثَرْتُمْ فِیْ شَأْنِهٖ فَاِنَّهٗ كَذَّابٌ مِنْ ثَلاَثِيْنَ يَخْرُجُوْنَ قَبْلُ الدَّجَّالِ۔ رواہ الطحاوی فی مشکل الاثار ج۲ ص۱۰۴ مسند احمد ج۵ص۳۶“

﴿حضرت ابو بکرؓ سے روایت ہے کہ مسیلمہ کذاب کے معاملہ میں آنحضرت ﷺ کے کچھ فرمانے سے پیشتر لوگوں میں بڑی چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ ایک دن آپ نے خطبہ دیا اور بعد حمد و صلوٰۃ کے فرمایا! جس شخص کے بارے میں تم رائے زنی کر رہے ہو وہ ان تیس جھوٹوں میں ایک جھوٹ ہے جو دجال اکبر سے پہلے آئیں گے۔ (مشکل الا آثار)﴾

(۵۶)........"عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَخْرُجَ ثَلَاثُوْنَ كَذَّابًا دَجَّالاً مِنْهُمُ الْمُسَيْلَمَةُ وَالْعَنَسِيُّ وَلْمُخْتَارُ. ابويعلىٰ فتح البارى ج٦ص٤٥٤ باب علامات النبوة وفى رواية كنزالعمال عن الزهرى ج١٤ ص١٩٩ حديث نمبر ٣٨٣٧٤"

﴿عبداللہ بن الزبیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ قیامت اس وقت تک نہیں آسکتی جب تک کہ تیس جھوٹے دجال نہ نکل آئیں جن میں مسیلمہ، عنسی اور مختار بھی ہیں۔﴾

انبیاء علیہم السلام کے بیان میں ان کے اندازہ علم و یقین کے مطابق ایک طاقت و شوکت ہوتی ہے۔ وہی یہاں ظاہر ہو رہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ چونکہ علم ازلی میں دجالین کی آمد ثابت ہو چکی ہے۔ اس لئے قیامت کے آنے سے پہلے ان کی آمد یقینی امر ہے۔ دنیا کو چاہئے کہ وہ ان کا انتظار کر کے تھک نہ جائے۔ رہی یہ بات کہ اس امت میں دجالوں کی اتنی کثرت کیوں ہے تو جو اور فتنوں کے متعلق جواب دیا جائے گا۔ وہی جواب اس فتنے کے متعلق بھی ہو جائے گا۔ ایک سطحی بات یہ ضرور معلوم ہوتی ہے کہ جب اس امت میں نبوت کا ختم ہونا مقدر ہوا تو اس کا مقابلہ بھی شیطانی طاقتوں کے لئے ضروری ہو گیا۔ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ دنیا کے آخری دور میں پھر ایک ایسی عام وحدت پیدا کر دے جیسا آغاز عالم میں ایک مرتبہ ظاہر ہو چکی ہے۔ نسل انسانی ایک ہی باپ کی اولاد تھی جیسا روز اول وہ ایک ہی زمین پر تھی۔ آخر میں پھر اس کا ایک ہی کلمہ ایک ہی قبلہ اور ایک ہی دین ہو جائے۔ درمیان میں نبوتوں اور رسالتوں کے تفاوت سے شریعت اور منہاج کا جو تفاوت پیدا ہو گیا تھا وہ سب ختم ہو کر صرف ایک شریعت اسلام باقی رہ جائے۔ اتنی عظیم وحدت کو شکست دینے کے لئے شیطانی

لشکروں کو بھاگ دوڑ کرنا ضروری تھا۔ اس لئے اس عام نبوت کے بالمقابل نبوت کا دعویٰ کرنا لازم ہو گیا۔ اس پیشگوئی کا ظہور آپ کے عہد مبارک سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ مسیلمہ اور عنسی آپ ﷺ کے زمانہ میں ہی ظاہر ہوئے اور آپ ﷺ کے حکم کے ماتحت صحابہؓ نے ان کو کاذب سمجھا اور آخر کار جو دجالین کے ساتھ برتاؤ چاہئے تھا وہی ان کے ساتھ کیا گیا۔ رہی یہ بحث کہ دجالوں کے تیس ہونے میں ہی کیا حکمت ہے وحافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

"ولیس المراد بالحدیث من ادعی النبوۃ مطلقا فانھم لا یحصون کثرۃً لکون غالبھم ینشالھم ذلک عن جنون وسوداء وانما المراد من قامت لہ شوکتہ. فتح الباری ج٦ ص٤٥٥ باب علامات النبوۃ فی الاسلام"

﴿حدیث مذکور میں مدعین نبوت سے ہر مدعی نبوت مراد نہیں۔ کیونکہ مدعی نبوت تو بے شمار ہیں۔ بیشتر یہ دعوے جنون یا سودادیت کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہاں مراد وہ مدعین نبوت ہیں جو باشوکت ہوں گے۔ ان کا مذہب تسلیم کیا جائے گا۔ ان کے متبعین کی تعداد زیادہ ہو گی۔﴾

نیز یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جس امت میں لاکھوں اور کروڑوں سے متجاوز اولیاء و اقطاب گزر گئے ہوں۔ اس میں تیس دجالوں کا عدد کچھ زیادہ بھی نہیں ہے۔ غور طلب تو یہ ہے کہ اگر آپ کے بعد نبوت کی کوئی چھوٹی سے چھوٹی قسط بھی باقی تھی تو اس کی بشارت کے لئے آخر ایک حدیث بھی کیوں نہیں آئی اور کذابین ودجالین کے متعلق دسیوں حدیثیں کیوں آگئیں پھر حدیث نمبر ۱۶۶ میں ان کے کاذب ہونے کی وجہ یہ نہیں بتلائی گئی کہ وہ در حقیقت نبی نہ ہوں گے بلکہ یہ قرار دی گئی کہ میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ ایک طرف تو احادیث میں ہر قسم کی نبوت کی نفی آرہی ہے۔ ہر مدعی نبوت کو کذاب ودجال کہا جارہا ہے۔ دوسری طرف کسی حدیث سے ظلی و بروزی کی تقسیم ثابت نہیں ہوتی۔ تاریخ نبوت میں ظلی نبی کوئی نظر نہیں آتا۔ پھر آخر کس دلیل سے نبوت کی ایک تیسری قسم مان کر اس کو جاری قرار دیا جائے۔ یہاں یہ تفتیش بھی ضروری ہے کہ نبوت کی جو قسم بھی تسلیم کی جائے اس کا آغاز کب سے ہوا۔ تاریخی لحاظ سے وہ

افراد کون سے تھے جن کو ظلی نبی کہا جا سکتا ہے اور کیا یہ ثابت ہے کہ انہوں نے اپنی نبوت پر ایمان لانے کی امت کو دعوت دی ہو اور کیا کسی ایسے نبی کی امت نے کبھی تصدیق کی ہے۔ اگر ایسا کوئی نبی اب تک نہیں گزرا اور اگر گزرا ہے تو امت نے ہمیشہ اس کی تکذیب ہی کی ہے تو پھر کس دلیل سے یہ تسلیم کر لیا جائے کہ در حقیقت اس امت میں نبوت کی کوئی قسم جاری ہے اور اتنی کثرت کے ساتھ جاری ہے کہ ان کی آمد دجالین کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ یہاں انجیل کا بیان بھی حدیث ہی کے موافق ہے۔

”جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو جو تمہارے پاس بھیڑوں کے بھیس میں آتے ہیں مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیے ہیں۔ ان کے پھلوں سے تم انہیں پہچان لو گے۔ کیا جھاڑیوں سے انگور یا اونٹ کٹاروں سے انجیر توڑتے ہیں۔“ (متی باب ۷ آیت ۱۵، ۱۶)

جس قدرت نے اس عالم کو تماشا گاہ اضداد بنایا ہے نور کے مقابلہ میں ظلمت تری کے مقابلہ میں خشکی، صحت کے مقابلہ میں مرض، بلندی کے مقابلہ میں پستی پیدا فرمائی ہے۔ اسی نے عالم روحانیت میں ہدایت کے مقابلہ میں ضلالت، ملائکہ کے مقابلہ میں شیاطین، انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں دجالین بنائے ہیں۔ پس جس طرح خاتم الرسل کی آمد سب رسولوں کے بعد ہوئی ہے اسی طرح مناسب ہے کہ دجال اکبر کے ظہور سے پہلے جو دجالین آنا ہیں آجائیں۔ یہی وجہ ہے کہ دجال اکبر یعنی خاتم الدجاجلہ کا ظہور خاتم الرسل کے عہد میں ہی مقدر ہوا۔ تاکہ دنیا کے خاتمہ پر ہدایت و ضلالت کی آخری طاقتیں زور آزمائی کر کے ختم ہو جائیں پھر قیامت آجائے۔ ولله الحكمة البالغه!

خاتم النبیین

جہان کا سردار آگیا۔ اب کوئی رسول یا نبی نہیں آئے گا۔ دنیا اس کے زیر رسالت و سیادت ختم ہو جائے گی۔ عالم کی آبادی کا دار و مدار اس کی ہدایت پر ہے اور کارخانہ ہدایت تمام کا تمام رسولوں کی ذات سے وابستہ ہے۔ اس لئے عالم کی ابتداء و انتہاء اور رسالت کی ابتداء و انتہاء میں بڑا گہرا ربط ہے۔ پروردگار عالم نے جب ایک طرف عالم کی بنیاد رکھی تو اس کے ساتھ

ساتھ دوسری طرف قصر نبوت کی پہلی اینٹ بھی رکھ دی۔ یعنی عالم میں جس کو اپنا خلیفہ بنایا تھا اسی کو قصر نبوت کی خشت اول قرار دیدیا۔ ادھر عالم بتدریج پھیلتا رہا ادھر قصر نبوت کی تعمیر ہوتی رہی۔ آخر کار عالم کے لئے جس عروج پر پہنچنا مقدر تھا پہنچ گیا ادھر ہر قصر نبوت بھی اپنے جملہ محاسن اور خوبیوں کے ساتھ مکمل ہو گیا اور اس لئے ضروری ہوا کہ جس طرح عالم کی ابتداء میں رسولوں کی بعثت کی اطلاع دی گئی تھی اس کی انتہاء پر رسولوں کے خاتمہ کا بھی اعلان کر دیا جائے۔ تاکہ قدیم سنت کے مطابق آئندہ اب کوئی شخص رسول کی آمد کا انتظار نہ کرے:

”یٰبَنِیْ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ الاعراف آیت ۳۵“

﴿اے آدم کی اولاد! (دیکھو) تمہارے پاس تم میں سے ہی رسول آئیں گے جو میری آیتیں تمہیں پڑھ پڑھ کر سنائیں گے۔ جس نے تقویٰ کی راہ اختیار کی اور نیک رہا تو اس پر نہ گزشتہ کا خوف نہ آئندہ کا غم۔﴾

اس اعلان کے مطابق خدا کی زمین پر بہت سے رسول آئے مگر کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ خاتم النبیین ہے بلکہ ہر رسول نے اپنے بعد دوسرا رسول آنے کی بشارت سنائی۔ حتیٰ کہ وہ زمانہ آ گیا جبکہ اسرائیلی سلسلہ کے آخری رسول نے اسماعیلی سلسلہ کے اس رسول کی بشارت دے دی۔ جس کا اسم مبارک احمد تھا: ” وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَدُ۔ آیت الصف ٦“

عالم کے اس منتظر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس مبشر رسول نے دنیا میں آ کر ایک نیا اعلان کیا اور وہ یہ تھا کہ میں اب آخری رسول ہوں۔ خود عالم کا زمانہ بھی آخر ہے اور ہاتھ کی دو انگلیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح قریب ہیں۔ عالم اپنے پورے عروج کو پہنچ چکا ہے۔ قصر نبوت میں ایک ہی اینٹ کی کسر باقی تھی۔ وہ میری آمد سے پوری ہو گئی ہے۔ دونوں تعمیریں مکمل ہو گئیں ہیں۔ اب صلاح و تقویٰ کا نتیجہ دیکھنے کا زمانہ آتا ہے۔ قرآن کریم میں آپ کی ختم نبوت کا اعلان ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

"مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ۔ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ۔ احزاب آیت ۔ ٤" یعنی اب تک جتنے رسول آئے وہ صرف رسول اللہ تھے۔ آپ رسول اللہ ہونے کے علاوہ خاتم النبیین بھی ہیں۔ اس بنا پر آنحضرت ﷺ کے تصور کے لئے دو باتوں کا تصور ضروری ہے۔ یہ کہ آپ رسول اللہ ہیں اور یہ کہ آپ خاتم النبیین بھی ہیں۔ آپ کے متعلق صرف رسول اللہ کا تصور آپ کی ذات کا ادھورا اور ناتمام تصور ہے۔ بلکہ ان ہر دو تصورات میں آپ کا امتیازی تصور خاتم النبیین ہی ہے۔ ختم نبوت کی اسی اہمیت کی وجہ سے گزشتہ احادیث میں آپ مطالعہ فرما چکے ہیں کہ اس مسئلہ کی نشر واشاعت نبوت آدم بلکہ وجود آدم علیہ السلام سے بھی پہلے لوح محفوظ اور عرش عظیم پر کر دی گئی تھی اور کاتب تقدیر نے حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں شانوں کے درمیان آپ کے اسم مبارک کے ساتھ آپ کی خاتم النبیین ہونے کی صفت بھی بصورت حروف نقش کر دی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام نسل انسانی کی بنیاد تھے۔ لوح محفوظ جملہ حوادث عالم کی بنیاد ہے اور عرش ان اصول کے اعلان کا سب سے بلند بورڈ ہے جو دربار الٰہی میں طے شدہ اور ناقابل ترمیم تصور کئے گئے ہیں۔ اس لئے ان مقامات پر اعلان کا یہ مطلب تھا کہ ختم نبوت بھی عالم کے ان بنیادی اور بدیہی مسائل میں داخل ہے جن کا علم سب پر فرض ہے اور جن میں اب کسی تبدیل و ترمیم کی گنجائش نہیں۔ اسی لئے آسمانوں پر فرشتوں نے، زمین پر حیوانات نے، محشر میں انبیاء علیہم السلام نے، غرض ابتداء سے لے کر انتہا تک، عالم بالا سے لیکر عالم اسفل تک ہر ذی شعور اور غیر ذی شعور نے آپ کی ختم نبوت کا نغمہ بلند کیا ہے۔ جب آپ عالم ناسوت میں جلوہ افروز ہوئے تو آپ کی یہ امتیازی شان مہر نبوت کی صورت میں بھی نمایاں کر دی گئی۔ تاکہ جس کی آمد کا غلغلہ اب تک عالم میں بلند ہو رہا تھا اس کی شناخت میں کوئی دشواری نہ رہے۔

قرطبیؒ شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ خاتم نبوت کو اسی لئے خاتم نبوت کہا جاتا ہے کہ یہ بھی منجملہ اور علامات کے آپ کی نبوت کی ایک علامت تھی۔ اسی لئے حضرت سلمان فارسیؓ آپ کی غائبانہ تلاش میں جب آپ کی خدمت میں پہنچ گئے تو نہایت متجسسانہ

نظروں سے خاتم نبوت کو تلاش کرنے لگے۔ آپ نے ان کے طور و طریق سے ان کا مقصد پہچان لیا اور چادر مبارک خاتم نبوت سے ہٹادی۔ پھر کیا تھا سلمان دیکھ کر بیخود ہو گئے اور اسی عالم بیخودی میں اس کو بوسہ دینے لگے اور فوراً حلقہ بگوش اسلام بن گئے۔ بحیرہ راہب کے قصہ میں بھی موجود ہے، کہ اس نے کہا: "انی اعرفه بخاتم النبوة" میں خاتم نبوت کی وجہ سے آپ کو پہچانتا ہوں۔ غرض علماء اہل کتاب کے نزدیک نبی منتظر کی یہ ایک بڑی علامت تھی۔ (دیکھو زرقانی شرح مواہب)

خدا تعالیٰ کی یہ عجب حکمت ہے کہ مہر نبوت کے ظہور کے لئے آپ کے جسم مبارک میں بھی وہی جگہ منتخب ہوئی جو حضرت آدم علیہ السلام کے جسم مبارک میں منتخب ہوئی تھی۔

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کا عقیدہ ہر رسول کی دعوت کا جزء اہم رہا ہے اس لئے قیاس کہتا ہے کہ جس رسول کے زمانہ سے قیامت کی آمد مربوط ہے اس کا تذکرہ بھی ان کا فرض منصبی رہا ہوگا۔ گویا ختم نبوت کا عقیدہ قیامت کے عقیدہ کے دوش بدوش ہمیشہ تعلیم دیا گیا ہے۔ شفاء قاضی عیاض اور کنز العمال میں ایک ضعیف اسناد کے ساتھ مروی ہے کہ خدا کے سب رسولوں نے خاتم الانبیاء کی آمد کی بشارت سنائی ہے:

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ:

"وقد اخبر الله تبارك وتعالیٰ فی کتابه ورسوله ﷺ فی السنة المتواترة عنه انه لانبی بعده لیعلموا ان کل من ادعی هذا المقام فهوکذاب' افاك' دجال' ضال: تفسیر ابن کثیر ج۳ ص٤٩٤ زیر آیت ماکان محمد اباا حد............الخ"

﴿الله تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور اس کے رسول نے احادیث متواترہ میں ختم نبوت کا اعلان اس لئے فرمایا ہے تاکہ معلوم ہو جائے جو شخص اب اس منصب کا دعویٰ کرے گا وہ جھوٹا افتراء پرداز' دجال اور پرلے درجہ کا گمراہ ہوگا۔﴾

علماء محققین لکھتے ہیں کہ ختم نبوت کے اعلان میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ دنیا

متنبہ ہو جائے کہ اب یہ پیغمبر آخری پیغمبر ہے اور یہ دین آخری دین ہے جس کو جو حاصل کرنا ہے کر لے۔ اس کے بعد دنیا کی یہ پیٹھ اجڑنے والی ہے جیسا شام کے وقت ایک دکاندار اعلان کرتا ہے کہ میں اب دکان بڑھاتا ہوں جسے سودا لینا ہے لے لے یا جیسا ایک حاکم بوقت آخری اسپیچ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میری تم سے اب یہ آخری ملاقات ہے جو کہتا ہوں خوب غور سے سن لو۔ اسی طرح خالق زمین و زماں کو جو آخری ہدایات دینا تھیں وہ آنحضرت ﷺ کی معرفت دے دیں اور اعلان کر دیا کہ اب یہ رسول آخری رسول ہے۔ ایمانیات، اخلاقیات، معیشت، تمدن کے سب اصول مکمل کر دیئے گئے۔ اس لئے یہ دین آخری دین ہے جسے جو عمل کرنا ہے کر لے۔ حیلہ و حجت کا وقت نہیں رہا۔ بحث و جدل کی جائے عمل کی فرصت نکالنی چاہئے۔ وقت تھوڑا رہ گیا ہے اور حساب کی ذمہ داری سر پر ہے۔

اب نہ کوئی رسول آئے گا نہ نبی نہ تشریعی نہ غیر تشریعی نہ ظلی نہ بروزی مگر اس معنی سے نہیں کہ آئندہ نفوس انسانیہ کو کمال و تکمیل سے محروم کر دیا گیا ہے۔ بلکہ اس معنی سے کہ اب یہ منصب ہی ختم ہو گیا ہے۔ پہلے عالم کی عمر میں بہت وسعت تھی اور اس منصب پر تقرر کی گنجائش بھی کافی تھی۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام برابر آتے رہے۔ اب دنیا کی عمر ہی اتنی باقی نہیں رہی کہ اس میں اور تقرر کی گنجائش ہوتی۔ اس لئے اس کے خاتمہ پر آپ کو بھیج کر یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ اب نبی نہیں آئیں گے قیامت آئے گی۔

چونکہ سنت الٰہیہ یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو ختم فرمانے کا ارادہ کرتا ہے تو کامل کر کے ختم کرتا ہے ناقص ختم نہیں کرتا نبوت بھی اب اپنے کمال کو پہنچ چکی تھی۔ اس لئے مقدر یوں ہوا کہ اس کو بھی ختم کر دیا جائے۔ اگر آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت جاری ہو تو لازم آئے گا کہ اس کا خاتمہ نقصان پر ہو۔ ظاہر ہے کہ ایک نہ ایک دن عالم کا فناء ہونا ضروری ہے۔ اس سے قبل کسی نہ کسی نبی کا آخری نبی ہونا بھی عقلاً لازم ہے۔ اب اگر وہ آپ سے زیادہ کامل ہو تو اس کے لئے اسلامی عقیدہ میں گنجائش نہیں اور اگر ناقص ہو تو نبوت کا خاتمہ نقصان پر تسلیم کرنا لازم ہو گا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب تم فطرت عالم پر غور کرو گے تو تم کو جزو کل میں ایک

حرکت نظر آئے گی۔ ہر حرکت ایک ارتقاء اور کمال کی متلاشی ہوتی ہے۔ پھر ایک حد پر پہنچ کر یہ حرکت ختم ہو جاتی ہے اور جہاں ختم ہوتی ہے وہی اس کا نقطۂ کمال کہا جاتا ہے۔ انواع پر نظر ڈالئے تو جمادات سے نباتات اور نباتات سے حیوانات پھر حیوانات سے انسان کی طرف ایک ارتقائی حرکت نظر آرہی ہے مگر انسان پر پہنچ کر یہ ارتقائی حرکت ختم ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ انسان تمام انواع میں کامل ترنوع ہے خود انسان کی حقیقت پر اگر غور کیا جائے تو وہ بھی نطفہ سے متحرک ہو کر دم و علقہ و مضغہ کے قالب طے کرتا ہوا خلق آخر پر جا کر ٹھہر جاتا ہے اور اسی کو اس کی استعداد فطرت کا آخری کمال کہا جاتا ہے۔ پیدا ہونے کے بعد اس کے اعضاء میں پھر ایک حرکت اور ایک نشو ونما نظر آتا ہے۔ وہ دور شباب پر جا کر ختم ہو جاتا ہے اور اسی کو اس کا زمانہ کمال کہا جاتا ہے نباتات و اشجار کو دیکھئے تو وہ بھی ایک چھوٹی سی گٹھلی سے حرکت کرتے کرتے ایک تناور درخت بن جاتے ہیں۔ آخر کار اس پر پھل نمودار ہوتے ہیں اور جب پھل نمودار ہو جاتے ہیں تو یہ اس کا کمال سمجھا جاتا ہے۔ اس کمال پر پہنچ کر درخت کا ایک دور حیوۃ ختم ہوتا ہے آئندہ اپنے دور حیوۃ کے لئے پھر اس کو بہت سے انہیں ادوار کو دہرانا پڑتا ہے جن میں گذر کر وہ اس منزل تک پہنچا تھا۔ یعنی موسم خزاں آتا ہے اور اس کے ایک دورۂ حیوۃ کو ختم کر جاتا ہے۔ اگر قدرت کو اس کی پھر نشاۃ ثانیہ منظور نہ ہوتی تو وہ یونہی سوکھ کر ختم ہو گیا ہوتا مگر چونکہ اس کو ابھی باقی رکھنا منظور ہوتا ہے اس لئے پھر اسے وہی سبز سبز پتیاں، وہی ہری ہری لچک دار ڈالیاں مل جاتی ہیں۔ پھر اس پر پھول آتے ہیں اور آخر میں پھر پھل نمودار ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جب تک یہ درخت موجود رہتا ہے اپنے ارتقائی مدارج کو ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک دوہرایا کرتا ہے جو درخت اپنی ابتدائی کڑیوں کو پھر نہیں دہراتے وہ ایک مرتبہ پھل دیکر اپنی زندگی ختم کر جاتے ہیں۔ جیسا کیلہ کا درخت۔

اگر یہ سچ ہے تو عالم نبوت میں بھی ایک تدریج نمایاں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تمام شریعتوں پر نظر ڈالئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ تمام نبوتیں کسی ایک کمال کی جانب متحرک ہیں۔ ہر پچھلی شریعت پہلی سے نسبتاً ارتقائی شکل میں نظر آتی ہے۔

اس لئے طبعی اصول کے مطابق ضروری ہے کہ یہ حرکت بھی کسی نقطہ پر جا کر ختم ہو جس کو اس کا کمال کہا جائے۔ لیکن جب خود نبوت ہمارے ادراک سے بالاتر حقیقت ہے تو اس کے آخری نقطۂ کمال کا ادراک بدرجہ اولیٰ ہماری پرواز سے باہر ہونا چاہئے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ قدرت خود ہی اس کا تکفل فرمائے اور خود ہی اس کا اعلان کر دے کہ نبوت کا ارتقاء جہاں ختم ہوا ہے وہ مرکزی اور کامل ہستی آنحضرت ﷺ کی مبارک ہستی ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں: "وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّنَ" کے بعد فرمایا ہے: "وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا۔ " یعنی اللہ تعالیٰ ہی کو ہر چیز کا علم ہے وہی یہ جانتا ہے کہ نبیوں میں خاتم النبیین اور آخری کون ہے۔ یہ بات تمہاری دریافت سے باہر ہے کہ تم معلوم کر سکو کہ اس کے رسولوں کی مجموعی تعداد کتنی ہے۔ ان میں اول کون ہے اور آخر کون۔ اگر اسے عالم کا بقا اور منظور ہوتا تو شاید وہ آپ کی آمد ابھی کچھ دن کے لئے اور مؤخر کر دیتا لیکن چونکہ دنیا کی اجل مقدر پوری ہو چکی تھی۔ اس لئے ضروری تھا کہ نبوت کی آخری اینٹ بھی لگا دی جائے اور اعلان کر دیا جائے کہ دنیا کی عمر کے ساتھ ساتھ قصر نبوت کی بھی تکمیل ہو گئی ہے۔ نبوت نے اپنا مقصد پا لیا ہے۔ آپ ﷺ کے بعد اب کوئی رسول نہیں آئے گا۔ کیونکہ اگر کوئی رسول آئے تو یا وہ آپ ﷺ سے افضل ہو گا یا مفضول۔ اگر افضل ہو تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ نبوت نے ابھی تک اپنے اس کمال کو نہیں پایا جس کے لئے وہ متحرک ہوئی تھی اور اگر مفضول ہو تو کمال کے بعد پھر یہ نزولی حرکت اسی وقت مناسب ہو سکتی ہے۔ جبکہ عالم کی پھر نشاۃ ثانیہ تسلیم کی جائے۔ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ نبوت اب اپنے ارتقائی کمال کو پہنچ چکی ہے۔ اب کوئی اور کمال منتظر اس کے لئے باقی نہیں رہا۔ اس لئے اس فطری اصول کے مطابق اسے ختم ہو جانا چاہئے۔

"اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ مائدہ آیت ۳" یعنی تمہارا دین کمال کو پہنچ چکا ہے۔ اب ناقص نہ ہو گا۔ خدا کی نعمت پوری ہو چکی ہے۔ اب آئندہ اس سے زیادہ اس کے تمام کی توقع غلط ہے اور نظر ربوبیت اب ہمیشہ کے لئے دین اسلام کو پسند کر چکی ہے۔ اس لئے کوئی دین اس کا ناسخ بھی

نہیں آئے گا۔ عربی زبان میں کمال و تمام دونوں لفظ نقصان کے مقابل ہیں۔ ان میں فرق یہ ہے کہ کمال اوصاف خارجیہ کے نقصان کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے اور تمام اجزاء کے لحاظ سے مثلاً اگر انسان کا ایک ہاتھ نہ ہو وہ ناقص ہے۔ یعنی اسے ناتمام انسان کہا جائے گا۔ خواہ کتنا ہی حسین کیوں نہ ہو اور اگر اس کے اعضاء پورے ہیں مگر صورت اچھی نہیں اخلاق نادرست ہیں، خصائل درشت و ناہموار ہیں تو اس کو بجائے ناتمام کے نامکمل انسان کہا جائے گا۔ آیت بالا میں یہاں دونوں لفظوں کو جمع کر کے یہ بتلادیا گیا ہے کہ دین اسلام اب ہر پہلو سے مکمل ہو چکا ہے۔ نہ اس میں اجزاء کا نقصان باقی ہے نہ اوصاف کا۔ اس لئے اب اس کی حرکت ارتقائی ختم ہو گئی ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ آپ ﷺ کا آخری نبی ہونا صرف ایک تاخر زمانی نہیں ہے۔ کسی شخصیت کا صرف آخر میں آنا فضیلت کی کوئی دلیل نہیں ہوتی بلکہ سنت اللہ چونکہ یہ ہے کہ ہر شے کا خاتمہ کمال پر کیا جائے۔ اس لئے یہاں آپ ﷺ کا تاخر زمانی آپ ﷺ کے انتہائی کمال کی دلیل ہے۔ اسی حقیقت کو آنحضرت ﷺ نے قصر نبوۃ سے ایک بلیغ تشبیہ دیکر واضح فرمادیا تھا۔ یہود کو جب خدا کے اس اکمال واتمام کی خبر پہنچی تو ان سے رہا نہ گیا اور انہوں نے ازراہ حسد کہا اے عمرؓ اگر کہیں یہ آیت ہمارے حق میں اترتی ہم تو اس دن کو عید کا دن بنالیتے۔ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

"هذه اكبر نعم الله على هذه الامة حيث اكمل تعالى لهم دينهم فلا يحتاجون الى دين غيره ولا الى نبى غير نبيهم صلوات الله وسلامه عليه ولهذا جعله الله تعالىٰ خاتم الانبيا وبعثه الى الانس والجن۔ تفسير ابن كثير ج ٢ ص ١٢ زير آيت اليوم اكملت لكم"

﴿اللہ تعالیٰ کا اس امت پر یہ بہت بڑا انعام ہے کہ اس نے اس امت کا دین کامل کر دیا ہے کہ اب اسے نہ کسی اور دین کی ضرورت رہی نہ کسی اور نبی کی۔ اسی لئے آپ ﷺ کو خاتم النبیین بنایا ہے اور انسان و جن سب کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے۔﴾

معلوم ہوا کہ ختم نبوت دینی ارتقاء اور خدائے تعالیٰ کے انتہائی انعام کا اقتضاء ہے اور وہ کمال ہے کہ اس سے بڑھ کر امت کے لئے کوئی اور کمال نہیں ہو سکتا۔ حتیٰ کہ یہود کو

بھی ہمارے اس کمال پر حسد ہے پھر حیرت ہے کہ اتنے عظیم الشان کمال کو برعکس محرومی سے کیسے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ختم نبوت کا صحیح مفہوم سمجھنے ہی میں چند غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ شاید اس کا مفہوم یہ سمجھا گیا ہے کہ نبوت پہلی امتوں کے لئے ولایت و صدیقیت کی طرح ایک ممکن الحصول کمال تھا۔ اب یہ امت دوسرے اور مراتب تو حاصل کر سکتی ہے مگر کمال نبوت کو حاصل نہیں کر سکتی۔ یہ سخت غلط فہمی اور حقیقت نبوت سے قطعی جہالت کی دلیل ہے۔ نبوت ان کمالات ہی میں نہیں ہے جو ریاضات و مجاہدات کے صلہ میں بطور انعام کسی وقت بھی بخشا گیا ہو بلکہ ایک الٰہی منصب ہے جس کا تعلق تشریعی ضرورت اور براہ راست خدائے تعالیٰ کی صفت اجتباء و اصطفاء کے ساتھ ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے اس منصب کے لئے چن لیتا ہے۔ اگر نبوت ان کمالات میں ہوتی جو مجاہدات و ریاضات۔ پاکبازی و حسن نیت کے صلہ میں انعامی طور پر ملتے ہیں تو یقیناً اس کے لئے سب سے موافق زمانہ خود نبی کی موجودگی کا زمانہ ہوتا کیونکہ جتنی عملی جدوجہد' اتباع شریعت کا جتنا جذبہ خود اس کے زمانہ میں ہوتا ہے اس کے بعد نہیں ہوتا مگر نبوت کی تاریخ اس کے برخلاف ہے۔ یعنی جب خدائے تعالیٰ کی زمین شر و فساد' طغیان و سرکشی' تکبر و تمرد سے بھر گئی ہے۔ صلاح و تقوی کا تخم فاسد ہو گیا ہے' رشد و ہدایت کے آثار محو ہو گئے ہیں۔ وہی انبیاء کی آمد کا سب سے زیادہ موزوں زمانہ سمجھا گیا ہے۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نکالنا آسان نہیں کہ نبوت وہ انعام نہیں ہے جو ولایت و صدیقیت کی طرح امتوں میں تقسیم کی جائے بلکہ دنیا کے انتہائی دور ضلالت میں خدا کی صفت ہدایت کا ذاتی اقتضاء ہے۔ ذاتی اقتضاء سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ یہاں کسب و اکتساب' ماحول کی مساعدت و نامساعدت کا کوئی دخل نہیں نبوت کا ماحول تو چاہتا ہے کہ خدائی رحمت کی بجائے خدا کا قہر ٹوٹے مگر اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں ایک اسم ہادی بھی ہے یہ اس کا اقتضاء ہے کہ جب ملک کا ملک اور قوم کی قوم اس کا راستہ گم کر دے اور بھولے سے نہیں بلکہ شرارت و شیطنت کی بناء پر تو وہ اپنی طرف سے پھر ان کی ہدایت کے لئے ایک دروازہ کھول دے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب منصب رسالت سے سرفراز کیا گیا ان کا زمانہ انسانی کمالات کے عروج وارتقاء کا زمانہ، نہ تھا بلکہ دنیا فطری پستی، دنائت وخست اور احسان فراموشی کے اس تاریک گڑھے میں پڑی ہوئی تھی کہ ایک کمزور انسان کو خدائی کا دعویٰ کرتے بھی شرم نہ آتی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ خیال بھی نہ تھا کہ انہیں اس دعویٰ کے ابطال کے لئے مامور کیا جائے گا۔ اچانک کوہ طور کے ایک گوشے سے روحانیت کے بادل اٹھے اور حقیقت موسویہ پر اس طرح برسے کہ دم کے دم میں موسیٰ بن عمران حضرت موسیٰ کلیم اللہ بن گئے بیوی کے لئے آگ لینے کی فکر میں آئے تھے اور سب بھول بھال کر اب آتش کفر بجھانے کی فکر میں جا رہے ہیں۔ اس مدعی الوہیت کا مقابلہ کرنا ہے جس کے پاس سلطنت کی ساری مادی طاقتیں جمع ہیں اور اپنے پاس قوت بیان بھی ناقص ہے۔ اس لئے دبے لہجے میں فرماتے ہیں :

”رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ۰ وَیَسِّرْلِیْ اَمْرِیْ ۰ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ۰ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ۰ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ ۰ هٰرُوْنَ اَخِی ۰ اشْدُدْ بِهٖ اَزْرِیْ ۰ وَاَشْرِكْهُ فِیْ اَمْرِیْ ۰ طه آیت ۲۵ تا ۳۲“

دوسری جگہ سورۃ القصص ۳۴ میں فرمایا :

”وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْ اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ۰“

ان دعاؤں کا حاصل یہ ہے کہ اے اللہ ! میرا سینہ کشادہ فرما اور مجھے ایسا حوصلہ مند بنا دے کہ خلاف طبع معاملات کو خندہ پیشانی سے برداشت کر سکوں اور میرے لئے ایسے سامان فراہم کر کہ یہ عظیم الشان خدمت آسان ہو جائے اور لڑکپن میں زبان جل جانے کی وجہ سے میری گفتگو میں جو لکنت پیدا ہو گئی ہے اس کو دور فرما کہ وہ میری بات تو سمجھ لیں اور میرے گھر میں میرے بھائی کو میرا معین بنا دے کہ وہ میرا کام بٹائیں اور ان کی وجہ سے مجھے سہارا بھی رہے۔ سورہ قصص میں اس کی تفصیل اور ہے کہ میرے بھائی مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہیں۔ انہیں میرے ہمراہ کر دے تا کہ وہ میری اعانت میں میری تصدیق کرتے

رہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ میرے پہلے معاملات کی وجہ سے کہیں وہ سب میری تکذیب نہ کر دیں۔ اس وقت کم از کم ایک ایسا شخص تو میرے ساتھ ہو جو میری تصدیق کر دے اور اگر مناظرہ کی نوبت آجائے تو ان سے مناظرہ بھی کر لے اس دعا سے اس پر کافی روشنی پڑتی ہے کہ نبوت کو ان کمالات میں سمجھ لینا جو پہلی امتوں کو کسی عبادت وریاضت کے صلہ میں یا انعام کے طور پر تقسیم کئے گئے ہیں سخت غلط فہمی ہے بلکہ یہ صرف تشریعی ضرورتوں کی تکمیل کا ایک منصب ہے جس میں قدرت اس کی صلاحیت پیدا کرتی ہے۔ اسی کو اس منصب کے لئے انتخاب کر لیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی درخواست میں یہاں حضرت ہارون علیہ السلام کی کسی ایسی جدوجہد کا ذکر نہیں کیا جو ان کی نبوت کی سفارش کر سکتی بلکہ ان صلاحیتوں کا ذکر کیا ہے جو اس منصب کے لئے درکار تھیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور کے بعد ذرا اور آگے چلیں تو پھر ضلالت وہدایت میں یہی کشمکش نظر آتی ہے۔ کبھی ضلالت کے جھکڑ ہدایت کی شمعوں کو گل کر دیتے تھے کبھی نور ہدایت کفر کی تاریکیوں کے ٹکڑے کر ڈالتا تھا۔ حتیٰ کہ دنیا کے آخری دور میں پھر ضلالت کا ابر محیط اٹھا اور اس شان سے اٹھا کہ تمام کرہ ارضی پر تاریکی چھا گئی کوئی خطہ نہ رہا۔ جہاں آفتاب ہدایت کی کوئی معمولی کرن بھی چمکتی۔ عالم کا وہ مرکزی نقطہ بھی جس کو ام القریٰ کہا جاتا تھا تیرہ وتاریک ہو گیا اور خانہ خدا پر کفر کا پرچم لہرانے لگا تو اس عام گمراہی کے ماحول میں اسم ہادی کا پھر تقاضہ ہوا کہ اس کے مقابلہ کے لئے ایسی ہی عام ہدایت بھیجے جو خطہ وملک اور قوم وزمان کی قید سے آزاد ہو۔ وہ ہدایت بصورت محمد ﷺ دنیا میں ظاہر ہوئی اور تھوڑے ہی عرصہ میں کفر نے شکست کھائی کفر کا پھریرا اتار کر پھینک دیا گیا اور اس کی بجائے خدائی نصرت وفتح کا جھنڈا نصب کر دیا گیا اور یہ اعلان کر دیا گیا کہ اب کفر ہمیشہ کے لئے شکست کھا چکا ہے ایسا کبھی نہیں ہو گا کہ کلمہ توحید مٹ جائے اور ہدایت کے آثار ونشانات اس طرح تباہ وبرباد ہو جائیں کہ خدا کی زمین پھر کسی نبی کو پکارنے لگے۔ مکہ مکرمہ اب اسلامی دارالسلطنت بن گیا ہے اور اسی لئے اب یہاں سے ہجرت کرنا منسوخ ہو گیا ہے۔ شیطان جو سرچشمہ کفر تھا۔ اب مایوس ہو گیا ہے کہ مصلین جزیرۂ عرب میں اس کی عبادت کریں گے۔ دین اسلام کا

ل ہو چکا ہے اس کی روشنی اقصائے عالم میں پھیل چکی ہے۔ خدائی نعمت پوری ہونے میں کوئی کسر باقی نہیں رہی اور ہمیشہ کے لئے ایک اسلام ہی پسندیدہ دین ٹھہر چکا ہے۔ اس لئے آئندہ نہ گمراہی اتنا تسلط حاصل کر سکتی ہے کہ ہدایت کو فنا کر دے اس کے تمام چشمے خشک ہو جائیں۔ اس کی ایک کرن بھی چمکتی نہ رہے اور نہ اس لئے کسی رسول کے آنے کی ضرورت باقی ہے۔ پھر ختم نبوت در حقیقت اس کا اعلان ہے کہ نور نبوت اب تمام عالم کو اس طرح روشن کر چکا ہے کہ کفر کتنا ہی سر ٹپکے مگر وہ اس کے بجھائے بجھ نہیں...... سکتا۔ خدا کا اقرار، اس کے صفات کی معرفت غیب کا یقین، مجموعہ عالم کا اس طرح جزء بن گیا کہ اگر کہیں اس مرتبہ پھر یہ معرفت ختم ہو گئی تو اس کے ساتھ ہی عالم کی روح بھی نکل جائے گی۔ فضاء عالم میں بیماریاں پھیلیں اور صحت عامہ کو خطرہ میں ڈال دیں پھر کوئی ڈاکٹر نہ ملے شفاخانہ نہ ہو تو یقیناً یہ دوہری مصیبت ہے لیکن اگر کسی ملک کی آب وہوا ہی صاف ہو۔ وہاں کے باشندے شفاخانے اور ڈاکٹر کے محتاج ہی نہ ہوں تو بتلاؤ کہ یہاں بھی کسی شفاخانہ کے قیام کی حاجت ہے؟۔ کیا ایسی صحت و تندرستی کے ماحول میں بیماروں کے قیام کے لئے مکانات ڈاکٹروں اور شفاخانوں کا وجود مقامی ضروریات میں داخل سمجھا جائے گا اور اگر یہ بھی فرض کر لو کہ اس خطہ کے باشندوں کو علم طب کی باضابطہ تعلیم دی گئی ہو تو کیا یہ شکوہ بجا ہو گا کہ جس طرح فلاں ملک کے لئے ڈاکٹر مقرر کر کے بھیجا گیا ہے۔ ہمارے لئے بھی اسی طرح ڈاکٹر کیوں نہیں بھیجا گیا:

”لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ ۰ آل عمران آیت ١٦٤“

یعنی آنحضرت ﷺ نے اس عام گمراہی کے بعد تشریف لا کر صرف خدائی آیات پڑھ کر ہی نہیں سنائیں بلکہ اس کو سمجھا بھی دیا اور اس پر پریکٹیکل طور سے عمل کرا دیا ہے۔ اس لئے اب آپ ﷺ کی اس ہمہ گیر تعلیم کے بعد اول تو یہ ممکن ہی نہیں کہ جراثیم کفر اس طرح غالب آجائیں کہ عالم کی صحت عامہ کسی بیرونی ڈاکٹر کی محتاج ہو جائے دوم ان کو اس حد

تک اصول طب کی تعلیم بھی دیدی گئی ہے کہ اگر کہیں کفر سر نکالے تو اس کا آئینی علاج وہ خود کر سکتے ہیں۔ اگر اس پر وہ کاربند نہ ہوں تو یہ ان کا قصور رہے گا۔ پس یہ بڑی غلط فہمی ہے کہ ختم نبوت کو کمالات کے ختم کے ہم معنی سمجھ لیا گیا ہے۔ ہمارے اس بیان سے روشن ہو گیا کہ نبوت کا ختم ہونا تو خدائی نعمت کے اتمام اور دین کے انتہائی ارتقاء و عروج کی دلیل ہے۔ البتہ کمالات و برکات کا خاتمہ بلاشبہ محرومی اور بڑی محرومی ہے مگر یہ روایات سے ثابت ہے کہ امت مرحومہ کے کمالات تمام امتوں سے زیادہ ہیں اور اتنے زیادہ ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے نبی کو بھی اس امت کے کمالات سن کر تمناء ہو سکتی ہے کہ وہ بھی اس امت کے ایک فرد ہوتے۔

خفاجی فرماتے ہیں رواہ ابو نعیم فی الحلیة وورد بمعناہ من طرق کثیرة کمافی الحضائص (نسیم الریاض ج ۱ ص ۲۰۳)

خفاجی الشفاء کی شرح میں حضرت انسؓ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی جو شخص احمد (ﷺ) کا انکار کر کے میرے پاس آئے گا میں اسے دوزخ میں ڈالوں گا انہوں نے عرض کیا یہ احمد (ﷺ) کون ہیں؟۔ ارشاد ہوا یہ ہو ہیں جن سے زیا مجھے اپنی مخلوق میں کوئی عزیز نہیں۔ زمین و آسمان سے قبل ہی میں نے ان کا نام اپنے نام کے ساتھ ساتھ عرش پر لکھ دیا تھا اور یہ بات طے کر دی تھی کہ جب تک وہ اور ان کی امت جنت میں داخل نہ ہو لیں کوئی اور جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس امت کے اوصاف پوچھے۔ ارشاد ہوا کہ وہ امت ہر وقت ہماری تعریف کرے گی۔ بلندی پر چڑھے گی تو تعریف کرتی ہوئی۔ پستی میں اترے گی تو تعریف کرتی ہوئی۔ غرض ہر حال میں ہماری حمد و ثناء کرے گی۔ اپنی کمریں باندھنے والی اپنے اعضاء دھونے والی دن کی روشنی میں شیر کی طرح (بہادر) اور رات کی تاریکیوں میں درویش صفت ہو گی۔ ان کا تھوڑا سا عمل میں قبول کروں گا اور کلمہ شہادت پر انہیں جنت میں داخل کروں گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے اللہ تو مجھے اسی امت کا نبی بنا دے ارشاد ہوا کہ اس کا نبی تو خود ان ہی میں سے ہو گا۔ عرض کیا اچھا تو پھر اس نبی کی امت ہی

میں بنادے۔ ارشاد ہوا کہ تم ان سے پہلے ہو۔ وہ تمہارے بعد آئیں گے۔ البتہ میں اپنے دار جلال میں تمہیں ان کے ساتھ جمع کروں گا۔ مسند ابو داؤد طیالسی واحمد اور ابو یعلی میں ہے :

”كادت هذه الامة ان تكونوا انبياء كلها“

﴿یہ امت مجموعی اعتبار سے بلحاظ کمالات انبیاء ہونے کے قریب ہے۔﴾

شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اسی مضمون کو حوالہ تورات وانجیل کعب احبار سے نقل کیا ہے۔ کنز العمال میں اسی کے ہم معنی روایت آنحضرت ﷺ سے بھی مروی ہے۔ جامع ترمذی میں حضرت عمرؓ کے متعلق آپ پڑھ ہی چکے ہیں۔ اگر نبوت باقی ہوتی تو ان کو اس منصب پر فائز کر دیا جاتا۔ مبشرات' الہام' تحدیث مع الملائکہ' نظم ونسق امت بدعت اور تحریف فی الدین کی اصلاح حتیٰ کہ خلافت حقہ کا صحیح قیام یہ سب اس امت کے مناصب وکمالات میں داخل ہیں۔ کتاب اللہ کی حفاظت' دین کی تکمیل ایک ایسی مضبوط جماعت کا بقاجو ہمیشہ جادۂ مستقیم پر قائم رہنے والی ہو' اور حسب ضرورت ایسے افراد وجماعات کی بعثت جو پوری ذمہ داری کے ساتھ تحریفات کی اصلاح کرتی رہیں۔ ان سب امور کا خود قدرت ایزدی تکفل فرما چکی ہے۔ آپ ہی سوچئے کہ اس کے بعد اب کونسا کمال باقی ہے جو پہلی امتوں میں تھا اور اس امت میں نہیں ہے اور جس کے لئے نبوت کی ضرورت ہے بلکہ صحیح بخاری کی حدیث میں تو یہ ہے کہ سیاست امت کی جو خدمت پہلے انبیاء علیہم السلام انجام دیا کرتے تھے۔ اب وہ خدمات اس امت کے خلفاء انجام دیا کریں گے۔ پس پہلی امتوں کا ایسا کوئی کمال نہیں ہے جو اس امت کو نہ ملا ہو۔ ہاں اس امت کے بہت سے ایسے خصائص ہیں جن سے پہلی امتیں محروم ہیں۔

دوسرا مغالطہ یہ ہے کہ ختم نبوت کا مطلب یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ نبوت کی بندش گویا ختم نبوت کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اگر آپ تشریف نہ لاتے تو شاید کچھ اور افراد کو نبوت مل جاتی۔ یہ بھی انتہائی جہل ہے خاتم النبیین کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ سلسلہ انبیاء علیہم السلام میں آپ ﷺ سب سے آخری نبی ہیں۔ اس لئے آپؐ کی آمد ہی اس وقت ہوئی ہے جبکہ انبیاء علیہم السلام کا ایک ایک فرد آچکا تھا۔ اس لئے آپؐ کی آمد نے نبوت کو بند نہیں کیا بلکہ جب

نبوت ختم ہو گئی ہے تو اس کی دلیل بن کر آپؐ تشریف لائے ہیں اور اسی معنی سے آپ کو خاتم النبیین کہا گیا ہے۔ اگر علم ازلی میں کچھ اور افراد کے لئے نبوت مقدر ہوتی تو یقیناً آپ کی آمد کا زمانہ بھی ابھی اور مؤخر ہو جاتا۔ آپ کا لقب خاتم النبیین اسی وقت واقع کے مطابق ہو سکتا ہے۔ جبکہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہ آئے۔ اگر آپؐ کے بعد بھی کوئی نبی آتا ہے تو آپ کو آخری نبی کہنا ایسا ہی ہو گا جیسا درمیانی اولاد کو آخری اولاد کہنا۔ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام خدا کے پہلے رسول تھے۔ پس جس طرح ان سے پہلے کوئی رسول نہ تھا۔ نہ ظلی نہ بروزی۔ اسی طرح آپ آخر النبیین ہیں۔ آپ کے بعد بھی نہ کوئی ظلی نبی ہونا چاہئے نہ بروزی۔

تیسری غلطی یہاں سب سے زیادہ فاحش یہ ہے کہ اس پر غور ہی نہیں کیا گیا کہ پہلے ایک نبی کے بعد دوسرا نبی کیوں آتا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی نبوتیں خاص قوم اور خاص زمانہ کے لئے ہوتی تھیں۔ اس لئے ہر نبی کے بعد لامحالہ دوسرے نبی کی ضرورت باقی رہتی تھی لیکن جب وہ نبی آ گیا جس کی نبوت کسی خطہ، کسی قوم اور کسی زمانے کے ساتھ مقید نہیں تو اب اس کے بعد نبوت کا سوال ایسا ہی ہے جیسا کہ اس کی موجودگی کے زمانہ میں۔ اگر اس وقت یہ سوال بجا تھا تو اب بھی بجا ہے اور اگر اس وقت نامعقول تھا تو اب بھی نامعقول ہے۔ یہاں ذہن اس طرف جاتا ہی نہیں کہ آپ کا دورۂ نبوت دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح ختم نہیں ہوا۔ پس درحقیقت نبوت تو اب بھی باقی ہے اور وہ نبوت باقی ہے جو تمام نبوتوں سے کامل تر ہے۔ ہاں نبی کوئی اور باقی نہیں رہا۔ عجب بات ہے کہ یہاں بقاء نبوت ہی ختم نبوت کو مستلزم ہے۔ یعنی آپ کی نبوت کا بقاء اس کو مستلزم ہے کہ کوئی اور نبی نہ ہو نافہم الٹا یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کی ختم نبوت دوسروں کی نبوت کے بقاء کر مستلزم ہے۔ یہ اس وقت تو معقول ہوتا جبکہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح آپ کی نبوت بھی ختم ہو جاتی لیکن جب آپ کی نبوت باقی ہے تو اب جدید نبوت کا سوال خود بخود ختم ہو جاتا؟۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صرف خاتم النبیین نہیں بنایا بلکہ رحمتہ للعالمین بھی بنایا ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اب خاتم بذات خود تمام جہان کے لئے رحمت بن کر آ گیا ہے۔ اتنی بڑی رحمت کہ اس کے بعد کسی اور رحمت کی ضرورت نہیں ہو گی۔ آج تک ہر رسول کے بعد دوسرے رسول کے انکار سے کفر کا خطرہ

لگا رہتا تھا۔ خاتم النبیین کی آمد سے یہ کتنی بڑی رحمت ہوئی کہ اس راہ سے اب کفر کا کوئی خطرہ باقی نہیں رہا نہ کسی اور رسول کے آنے کا امکان ہے نہ کسی کے انکار سے کفر کا اندیشہ باقی ہے۔ پہلے ہر امت کی داستان اطاعت وعصیان دوسری امتوں کے سامنے رکھی جاتی تھی مگر اس امت مرحومہ کی داستان عمل اب کسی امت کے سامنے نہیں رکھی جائے گی۔ خلاصہ یہ کہ ختم نبوت ایک رحمت نہیں بلکہ اس کے دامن میں بیشمار رحمتوں اور کمالات کا دریا بہہ رہا ہے۔ اس لئے اس امت کو نبی بننے کی ضرورت نہیں۔ اب یہ وہ زمانہ ہے جس میں ایک اسرائیلی نبی کے امتی بن کر آنے کا انتظار ہو رہا ہے کمالات نبوت ختم نہیں۔ ہاں ! وہ دور ضلالت وگمراہی ختم ہو گیا ہے جس کے لئے جدید نبوت کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یا درکھواب نبی نہیں آئیں گے بلکہ قیامت آئے گی یا وہ جھوٹے نبی آئیں گے جن کو زبان نبوت نے دجال کہا ہے۔ انجیل میں سے جھوٹے نبیوں سے خبردار ہو جو تمہارے پاس بھیڑوں کے بھیس میں آتے ہیں مگر باطن میں پھاڑنے والے بھڑیے ہیں ان کے پہلوں سے تم انہیں پہچان لو گے۔ (متی باب ۷ آیت ۱۵، ۱۶)

اس کی طرف سے دل نہ پھریگا کہ دوستو
وہ ہو چکا ہے جس کا طرفدار ہو چکا

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

سیدنا مہدی علیہ الرضوان

محدث کبیر

حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی رح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!

تعارف

الحمدللّٰه وكفى وسلام علىٰ خاتم الانبياء. اما بعد!

محدث کبیر حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی ؒ کی معروف کتاب ترجمان السنۃ کی جلد اول ص ۳۷۲ سے ۴۲۸ تک "سیدنا مہدی علیہ الرضوان" کی ولادت و ظہور سے وفات تک کے واقعات کو حدیث شریف کی روشنی میں بیان فرمایا ہے۔ چالیس احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ کرامؓ سے مدلل فرمایا گیا ہے۔ تصنیف زمانہ ترجمان السنۃ تک پوری امت کی طرف سے اس مسئلہ پر جو کچھ تحریر کیا گیا تھا۔ اس کا نچوڑ آپ نے اس میں سمو دیا ہے۔ اس کتاب میں شامل کرنے پر رب کریم کے حضور سجدہ شکر بجالاتے ہیں۔ کہ منکرین سیدنا مہدی علیہ الرضوان خوارج اور جھوٹے مدعی مہدویت مرزا قادیانی کے پیروان کے لئے شاید ہدایت کا سامان بن جائے۔ وماذالك على الله بعزيز!

فقیر اللہ وسایا

۷/۶/۱۴۲۲ھ

۲۷/۸/۲۰۰۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت امام مہدی کی احادیث مطالعہ فرمانے سے قبل ان کا مختصر تذکرہ معلوم کر لینا ضروری ہے۔ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں :

حضرت امام مہدی کا نام ونسب اور ان کا حلیہ شریفہ

حضرت امام مہدی سید اور اولاد فاطمۃ الزہراؓ میں سے ہیں۔ آپ کا قدو قامت قدرے لانباء‘ بدن چست‘ رنگ کھلا ہوا اور چہرہ پیغمبر خدا ﷺ کے چہرے کے مشابہ ہو گا۔ نیز آپ کے اخلاق پیغمبر خدا ﷺ سے پوری مشابہت رکھتے ہوں گے۔ آپ کا اسم شریف محمد‘ والد کا نام عبداللہ‘ والدہ صاحبہ کا نام آمنہ ہو گا۔ زبان میں قدرے لکنت ہو گی۔ جس کی وجہ سے تنگدل ہو کر کبھی کبھی ران پر ہاتھ ماریں گے۔ آپ کا علم لدنی (خداداد) ہو گا سید برزنجیؒ اپنے رسالہ الاشاعت میں تحریر کرتے ہیں کہ تلاش کے باوجود مجھ کو آپ کی والدہ کا نام روایات میں کہیں نہیں ملا۔

آپ کے ظہور سے قبل سفیانی کا خروج‘ شاہ روم اور مسلمانوں میں جنگ اور قسطنطنیہ کا فتح ہونا

آپ کے ظہور سے قبل ملک عرب وشام میں ابوسفیان کی اولاد میں سے ایک شخص پیدا ہو گا جو سادات کو قتل کرے گا۔ اس کا حکم ملک شام ومصر کے اطراف میں چلے گا اس درمیان میں بادشاہ روم کی عیسائیوں کے ایک فرقہ سے جنگ اور دوسرے فرقہ سے صلح ہو گی۔ لڑنے والا فریق قسطنطنیہ پر قبضہ کرلے گا۔ بادشاہ روم دارالخلافہ کو چھوڑ کر ملک شام میں

پہنچ جائے گا اور عیسائیوں کے دوسرے فریق کی اعانت سے اسلامی فوج ایک خونریز جنگ کے بعد فریق مخالف پر فتح پائے گی۔ دشمن کی شکست کے بعد موافق فریق میں سے ایک شخص نعرہ لگائے گا۔ کہ صلیب غالب ہو گئی اور اسی کے نام سے یہ فتح ہوئی۔ یہ سن کر اسلامی لشکر میں سے ایک شخص اس سے مار پیٹ کرے گا اور کہے گا نہیں دین اسلام غالب ہوا اور اسی کی وجہ سے یہ فتح نصیب ہوئی۔ یہ دونوں اپنی اپنی قوم کو مدد کے لئے پکاریں گے جس کی وجہ سے فوج میں خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔

(حسب بیان سید برزنجیؒ یہ شخص خالد بن یزید بن ابی سفیان کی نسل سے ہو گا۔ امام قرطبیؒ نے اپنے تذکرہ میں اس کا نام عروۃ تحریر فرمایا ہے۔ سید برزنجیؒ نے اپنے رسالہ الاشاعت میں اس کا حلیہ اور اس کے دور کی پوری تاریخ تحریر فرمائی ہے مگر اس کا اکثر حصہ موقوف روایات سے ماخوذ ہے۔ اسی لئے ہم نے شاہ صاحب کے رسالہ سے اس کا مختصر تذکرہ نقل کیا ہے۔ امام قرطبیؒ نے بھی امام مہدی علیہ الرضوان کے دور کی پوری تاریخ نقل فرمائی ہے۔ تذکرہ قرطبیؒ گو اس وقت دستیاب نہیں مگر اس کا مختصر مئولفہ "امام شعرانیؒ" عام طور پر ملتا ہے۔ قابل ملاحظہ ہے۔

سید برزنجیؒ کے رسالہ میں امام مہدی علیہ الرضوان کے زمانے کی مفصل اور مرتب تاریخ کے علاوہ اس باب کی مختصر حدیثوں میں جمع و تطبیق کی پوری کوشش کی گئی ہے لیکن چونکہ اس باب کی اکثر روایات ضعیف تھیں۔ اس لئے ہم نے ان کے درمیان تطبیق نقل کرنے کی چنداں اہمیت محسوس نہیں کی۔)

بادشاہ اسلام شہید ہو جائے گا عیسائی ملک شام پر قبضہ کر لیں گے اور آپس میں ان دونوں عیسائی قوموں کی صلح ہو جائے گی۔ باقی مسلمان مدینہ منورہ چلے آئیں گے عیسائیوں کی حکومت خیبر تک (جو مدینہ منورہ سے قریب ہے) پھیل جائے گی۔ اس وقت مسلمان اس فکر میں ہوں گے کہ امام مہدی کو تلاش کرنا چاہئے تاکہ ان کے ذریعے سے یہ مصیبتیں دور ہوں۔ اور دشمن کے پنجے سے نجات ملے۔

امام مہدی کی تلاش اور ان سے بیعت کرنا

حضرت امام مہدی اس وقت مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوں گے مگر اس ڈر سے کہ مبادا لوگ مجھ جیسے ضعیف کو اس عظیم الشان کام کی انجام دہی کی تکلیف دیں مکہ معظّمہ چلے جائیں گے۔ اس زمانے کے اولیاء کرام اور ابدال عظام آپ کو تلاش کریں گے۔ بعض آدمی مہدی ہونے کے جھوٹے دعوے بھی کریں گے۔ حضرت مہدی علیہ السلام رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوں گے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت آپ کو پہچان لے گی اور آپ کو مجبور کر کے آپ سے بیعت کر لے گی۔ اس واقعہ کی علامت یہ ہے کہ اس سے قبل گزشتہ ماہ رمضان میں چاند اور سورج کو گرہن لگ چکے گا اور بیعت کے وقت آسمان سے یہ آواز آئے گی: "هذا خليفةا لله المهدى فاستمعواله واطيعوا" اس آواز کو اس جگہ کے تمام خاص و عام من لیں گے۔ بیعت کے وقت آپ کی عمر چالیس سال کی ہوگی۔ خلافت کے مشہور ہونے پر مدینہ کی فوجیں آپ کے پاس مکہ معظّمہ چلی آئیں گی۔ شام و عراق اور یمن کے اولیائے کرام و ابدال عظام آپ کی صحبت میں اور ملک عرب کے لاتعداد لوگ آپ کے لشکر میں داخل ہو جائیں گے اور اس خزانہ کو جو کعبہ میں مدفون ہے۔ (جس کو "رتاج الکعبہ" کہتے ہیں) نکال کر مسلمانوں میں تقسیم فرمائیں گے۔

خراسانی سردار کا امام مہدی کی اعانت کے لئے فوج روانہ کرنا اور سفیانی کے لشکر کا ہلاک و تباہ ہو جانا

جب یہ خبر اسلامی دنیا میں پھیلے گی تو خراسان سے ایک شخص ایک بہت بڑی فوج لیکر آپ کی مدد کے لئے روانہ ہوگا۔ جو راستہ میں بہت سے عیسائیوں اور بد دینوں کا صفایا کر دے گا' اس لشکر کے مقدمتہ الجیش کی کمان منصور نامی ایک شخص کے ہاتھ میں ہوگی۔ وہ سفیانی (جس کا ذکر اوپر گزر چکا) اہل بیت کا دشمن ہوگا اس کی ننہال قوم بنو کلب ہوگی۔ حضرت امام مہدی کے مقابلہ کے واسطے اپنی فوج بھیجے گا۔ جب یہ فوج مکہ و مدینہ کے درمیان

ایک میدان میں پہاڑ کے دامن میں مقیم ہو گی تو اسی جگہ اس فوج کے نیک و بد سب کے سب دھنس جائیں گے اور قیامت کے دن ہر ایک کا حشر اس کے عقیدے اور عمل کے مطابق ہو گا۔ ان میں سے صرف دو آدمی بچیں گے۔ ایک حضرت امام مہدی کو اس واقعہ کی اطلاع دے گا اور دوسرا سفیانی کو۔

عیسائیوں کا مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے اجتماع اور امام مہدی کے ساتھ خونریز جنگ اور آخر میں امام مہدی کی فتح مبین

عرب کی فوجوں کے اجتماع کا حال سن کر عیسائی بھی چاروں طرف سے فوجوں کے جمع کرنے کی کوشش میں لگ جائیں گے اور اپنے اور روم کے ممالک سے فوج کثیر لے کر امام مہدی علیہ السلام کے مقابلہ کے لئے شام میں جمع ہو جائیں گے ان کی فوج کے اس وقت ستر جھنڈے ہوں گے اور ہر جھنڈے کے نیچے بارہ بارہ ہزار سپاہ ہو گی (جس کی کل تعداد ۸۴۰۰۰۰ ہو گی) حضرت امام مہدی مکہ مکرمہ سے روانہ ہو کر مدینہ منورہ پہنچیں گے اور پیغمبر خدا ﷺ کے روضہ کی زیارت سے مشرف ہو کر شام کی جانب روانہ ہو جائیں گے۔ دمشق کے پاس آکر عیسائیوں کی فوج سے مقابلہ ہو گا۔ اس وقت حضرت امام مہدی کی فوج کے تین گروہ ہو جائیں گے۔ ایک گروہ تو نصاریٰ کے خوف سے بھاگ جائے گا۔ خداوند کریم ان کی توبہ ہرگز قبول نہ فرمائے گا۔ باقی فوج میں سے کچھ تو شہید ہو کر بدر و احد کے شہداء کے مراتب کو پہنچیں گے اور کچھ بتوفیق ایزدی فتح یاب ہو کر ہمیشہ کے لئے گمراہی اور انجام بد سے چھٹکارا پالیں گے۔ حضرت امام مہدی دوسرے روز پھر نصاریٰ کے مقابلہ کے لئے نکلیں گے اس روز مسلمانوں کی ایک جماعت یہ عہد کر کے نکلے گی کہ یا میدان جنگ فتح کریں گے یا مر جائیں گے یہ جماعت سب کی سب شہید ہو جائے گی۔ حضرت امام مہدی باقی ماندہ قلیل جماعت کے ساتھ لشکر میں واپس آئیں گے۔ دوسرے دن پھر ایک بڑی جماعت یہ عہد کرے گی کہ فتح کے بغیر میدان جنگ سے واپس نہیں آئیں گے یا مر جائیں گے اور حضرت امام مہدی کے ہمراہ بڑی بہادری کے ساتھ جنگ کریں گے اور آخر یہ بھی جام شہادت نوش

کریں گے۔ شام کے وقت حضرت امام مہدی تھوڑی سی جماعت کے ساتھ لوٹیں گے تیسرے روز اسی طرح ایک بڑی جماعت قسم کھا کر نکلے گی اور وہ بھی شہید ہو جائے گی اور حضرت امام مہدی تھوڑی سی جماعت کے ساتھ اپنی قیام گاہ پر واپس تشریف لے آئیں گے۔ چوتھے روز حضرت امام مہدی رسد گاہ کی محافظ جماعت کو لے کر دشمن سے پھر نبرد آزما ہوں گے۔ یہ جماعت تعداد میں بہت کم ہو گی مگر خداوند کریم ان کو فتح مبین عطا فرمائے گا۔ عیسائی اس قدر قتل ہوں گے کہ باقیوں کے دماغ سے حکومت کی بو نکل جائے گی اور بے سروسامان ہو کر نہایت ذلت و رسوائی کے ساتھ بھاگ جائیں گے مسلمان ان کا تعاقب کر کے بہتوں کو جہنم رسید کر دیں گے۔ اس کے بعد حضرت امام مہدی بے انتہا انعام واکرام اس میدان کے شیروں جانبازوں پر تقسیم فرمائیں گے مگر اس مال سے کسی کو خوشی حاصل نہ ہو گی کیونکہ اس جنگ کی بدولت بہت سے خاندان و قبیلے ایسے ہوں گے۔ جن میں فی صدی صرف ایک ہی آدمی بچا ہو گا۔ اس کے بعد حضرت امام مہدی بلاد اسلام کے نظم ونسق اور فرائض و حقوق العباد کی انجام دہی میں مصروف ہوں گے۔ چاروں طرف اپنی فوجیں پھیلا دیں گے۔

ستر ہزار فوج کے ساتھ امام مہدی کی فتح قسطنطنیہ کے لئے روانگی اور ایک نعرہ تکبیر سے شہر کا فتح ہو جانا

اور مہمات سے فارغ ہو کر فتح قسطنطنیہ کے لئے روانہ ہو جائیں گے۔ بحیرہ روم کے کنارے پر پہنچ کر قبیلہ بنو اسحاق کے ستر ہزار بہادروں کو کشتیوں پر سوار کر کے اس شہر کی خلاصی کے لئے جس کو آج کل استنبول کہتے ہیں۔ مقرر فرمائیں گے۔ جب یہ فصیل شہر کے قریب پہنچ کر نعرۂ تکبیر بلند کریں گے تو اس کی فصیل نام خدا کی برکت سے یکایک گر جائے گی۔ مسلمان ہلا کر کے شہر میں داخل ہو جائیں گے۔ سرکشوں کو ختم کر کے ملک کا انتظام نہایت عدل وانصاف کے ساتھ کریں گے۔ ابتدائی بیعت سے اس وقت تک چھ سات سال کا عرصہ گزرے گا۔ امام مہدی ملک کے بندوبست ہی میں مصروف ہوں گے۔

امام مہدی کا دجال کی تحقیق کے لئے ایک مختصر دستہ روانہ فرمانا اور ان کی افضلیت کا حال

افواہ اڑے گی کہ دجال نکل آیا اور مسلمانوں کو تباہ کر رہا ہے۔ اس خبر کے سنتے ہی حضرت امام مہدی ملک شام کی طرف واپس ہوں گے اور اس خبر کی تحقیق کے لئے پانچ یا نو سوار جن کے حق میں حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں ان کے ماں، باپوں و قبائل کے نام اور ان کے گھوڑوں کا رنگ جانتا ہوں۔ وہ اس زمانے کے روئے زمین کے آدمیوں سے بہتر ہوں گے۔ لشکر کے آگے بطور طلیعہ روانہ ہو کر معلوم کر لیں گے کہ یہ افواہ غلط ہے۔ پس امام مہدی عجلت کو چھوڑ کر ملک کی خبر گیری کی غرض سے آہستگی اختیار فرمائیں گے۔ اس میں کچھ عرصہ نہ گزرے گا کہ دجال ظاہر ہو جائے گا اور قبل اس کے کہ وہ دمشق پہنچے حضرت امام مہدی دمشق آ چکے ہوں گے اور جنگ کی پوری تیاری و ترتیب فوج کر چکے ہوں گے اور اسباب حرب و ضرب تقسیم کرتے ہوں گے کہ مؤذن عصر کی اذان دے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اترنا اور اس وقت کی نماز امام مہدی کی امامت میں ادا کرنا

لوگ نماز کی تیاری ہی میں ہوں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو فرشتوں کے کاندھوں پر تکیہ لگائے ہوئے آسمان سے دمشق کی جامع مسجد کے مشرقی منارہ پر جلوہ افروز ہو کر آواز دیں گے کہ سیڑھی لے آؤ پس سیڑھی حاضر کر دی جائے گی۔ آپ اس کے ذریعہ سے نازل ہو کر امام مہدی سے ملاقات فرمائیں گے۔ امام مہدی نہایت تواضع و خوش خلقی سے آپ کے ساتھ پیش آئیں گے اور فرمائیں گے یا نبی اللہ امامت کیجئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارشاد فرمائیں گے کہ امامت تم ہی کرو کیونکہ تمہارے بعض بعض کے لئے امام ہیں اور یہ عزت اسی امت کو خدا نے دی ہے۔ پس امام مہدی نماز پڑھائیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اقتداء کریں گے۔ نماز سے فارغ ہو کر امام مہدی پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے

کہیں گے کہ یا نبی اللہ اب لشکر کا انتظام آپ کے سپرد ہے جس طرح چاہیں انجام دیں۔ وہ فرمائیں گے نہیں یہ کام بدستور آپ ہی کے تحت میں رہے گا۔ میں تو صرف قتل دجال کے واسطے آیا ہوں جس کا مارا جانا میرے ہی ہاتھ سے مقدر ہے۔

امام مہدی کے عہد خلافت کی خوشحالی اس کی مدت اور ان کی وفات

تمام زمین حضرت امام مہدی علیہ السلام کے عدل و انصاف سے (بھر جائے گی) منور و روشن ہو جائے گی ظلم و بے انصافی کی بیخ کنی ہو گی۔ تمام لوگ عبادت و اطاعت الٰہی میں سرگرمی سے مشغول ہوں گے۔ آپ کی خلافت کی میعاد سات یا آٹھ یا نو سال ہو گی۔ واضح رہے کہ سات سال عیسائیوں کے فتنے اور ملک کے انتظام میں، آٹھواں سال دجال کے ساتھ جنگ و دجال میں اور نواں سال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معیت میں گزرے گا۔ اس حساب سے آپ کی عمر ۴۹ سال ہو گی۔ بعد ازاں امام مہدی علیہ السلام کی وفات ہو جائے گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کے جنازے کی نماز پڑھا کر دفن فرمائیں گے۔ اس کے بعد تمام چھوٹے بڑے انتظامات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں آجائیں گے۔ (رسالہ علامات قیامت مؤلفہ حضرت مولانا شاہ رفیع الدینؒ)

اس موقع پر یہ بات یاد رکھنی ضروری ہے کہ شاہ صاحبؒ موصوف نے یہ تمام سرگزشت گو حدیثوں کی روشنی ہی میں مرتب فرمائی ہے۔ جیسا کہ احادیث کے مطالعہ سے واضح ہے مگر واقعات کی ترتیب اور بعض جگہ ان کی تعیین یہ دونوں باتیں خود حضرت موصوف ہی کی جانب سے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حدیث و قرآن میں جو قصص و واقعات بیان کئے گئے ہیں خواہ وہ گزشتہ زمانے سے متعلق ہوں یا آئندہ سے، ان کا اسلوب بیان تاریخی کتابوں کا سا نہیں بلکہ حسب مناسبت مقام ان کا ایک ایک ٹکڑا متفرق طور پر ذکر میں آگیا ہے پھر جب ان سب ٹکڑوں کو جوڑا جاتا ہے تو بعض مقامات پر کبھی اس کی کوئی درمیانی کڑی نہیں ملتی کہیں ان کی ترتیب میں شک و شبہ رہ جاتا ہے۔ ان وجوہات کی بناء پر بعض خام طبائع تو اصل واقعہ کے ثبوت ہی سے دست بردار ہو جاتی ہیں حالانکہ غور یہ کرنا چاہئے کہ جب

قرآن و حدیث کا اسلوب بیان ہی وہ نہیں جو آج ہماری تصانیف کا ہے تو پھر حدیثوں میں اس کو تلاش ہی کیوں کیا جائے؟۔ نیز جب ان متفرق ٹکڑوں کی ترتیب صاحب شریعت نے خود بیان ہی نہیں فرمائی تو اس کو صاحب شریعت کے سر کیوں رکھ دیا جائے۔ لہذا اگر اپنی جانب سے کوئی ترتیب قائم کرلی گئی ہے تو اس پر جزم کیوں کیا جائے؟۔ ہو سکتا ہے کہ جو ترتیب ہم نے اپنے ذہن سے قائم کی ہے۔ حقیقت اس کے خلاف ہو۔ اس قسم کے اور بھی بہت سے امور ہیں جو قرآنی اور حدیثی قصص میں تشنہ نظر آتے ہیں۔ اس لئے یہاں جو قدم اپنی رائے سے اٹھایا جائے اس کو کتاب و سنت کے سر رکھ دینا ایک خطرناک اقدام ہے اور اس ابہام کی وجہ سے اصل واقعہ ہی کا انکار کر ڈالنا یہ اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ واقعات کی پوری تفصیل اور اس کے اجزاء کی پوری پوری ترتیب بیان کرنی رسول کا وظیفہ نہیں۔ یہ ایک مؤرخ کا وظیفہ ہے۔ رسول آئندہ واقعات کی صرف بقدر ضرورت اطلاع دے دیتا ہے پھر جب ان کے ظہور کا وقت آتا ہے تو وہ خود اپنی تفصیل کے ساتھ آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں اور اس وقت یہ ایک کرشمہ معلوم ہوتا ہے کہ اتنے بڑے واقعات کے لئے جتنی اطلاع حدیثوں میں آچکی تھی وہ بہت کافی تھی اور قبل از وقت اس سے زیادہ تفصیلات دماغوں کے لئے بالکل غیر ضروری بلکہ شاید اور زیادہ الجھاؤ کا موجب تھیں۔ علاوہ ازیں جس کو ازل سے ابد تک کا علم ہے وہ یہ خوب جانتا تھا کہ امت میں دین روایت اور اسانید کے ذریعہ پھیلے گا۔ اور اس تقدیر پر راویوں کے اختلافات سے روایتوں کا اختلاف بھی لازم ہوگا۔ پس اگر غیر ضروری تفصیلات کو بیان کر دیا جاتا تو یقیناً ان میں بھی اختلاف پیدا ہونے کا امکان تھا اور ہو سکتا تھا کہ امت اس اجمالی خبر سے جتنا فائدہ اٹھا سکتی تھی تفصیلات بیان کرنے سے وہ بھی فوت ہو جاتا۔ لہذا امام مہدی کی حدیثوں کے سلسلہ میں نہ تو ہر گوشہ کی پوری تاریخ معلوم کرنے کی سعی کرنی صحیح ہے اور نہ صحت کے ساتھ منقول شدہ منتشر ٹکڑوں میں جزم کے ساتھ ترتیب دینی صحیح ہے اور نہ اس وجہ سے اصل پیشگوئی میں تردد پیدا کرنا علم کی بات ہے۔ یہاں جملہ پیشگوئیوں میں صحیح راہ صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ جتنی بات حدیثوں میں صحت کے ساتھ آچکی ہے اس کو اسی حد تک تسلیم کر لیا جائے اور زیادہ

تفصیلات کے درپے نہ ہوا جائے اور اگر مختلف حدیثوں میں کوئی ترتیب اپنے ذہن سے قائم کرلی گئی ہے تو اس کو حدیثی بیان کی حیثیت ہرگز نہ دی جائے۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ اس سلسلہ کی حدیثیں مختلف اوقات میں مختلف صحابہؓ سے روایت ہوئی ہیں اور ہر مجلس میں آپ ﷺ نے اس وقت کے مناسب اور حسب ضرورت تفصیلات بیان فرمائی ہیں۔ یہاں یہ امر بھی یقینی نہیں کہ ان تفصیلات کے براہ راست سننے والوں کو ان سب کا علم حاصل ہو، بہت ممکن ہے کہ جس صحابیؓ نے امام مہدی کی پیشگوئی کا ایک حصہ ایک مجلس میں سنا ہو اس کو اس کے دوسرے حصے کے سننے کی نوبت ہی نہ آئی ہو جو دوسرے صحابیؓ نے دوسری مجلس میں سنا ہے اور اس لئے یہ بالکل ممکن ہے کہ وہ واقعہ کے الفاظ بیان کرنے میں ان تفصیلات کی کوئی رعایت نہ کرے جو دوسرے صحابیؓ کے بیان میں موجود ہے۔

یہاں بعد کی آنے والی امت کے سامنے چونکہ یہ ہر دو بیانات موجود ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ فرض اس کا ہے کہ اگر وہ ان تفصیلات میں کوئی لفظی بے ارتباطی دیکھتی ہے تو اپنی جانب سے کوئی تطبیق کی راہ نکال لے۔ اس لئے بسا اوقات ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ یہ توجیہات راویوں کے بیانات پر پوری پوری راست نہیں آتیں۔ اب راویوں کے الفاظ کی یہ کشاکش اور تاویلات کی ناسازگاری کا یہ رنگ دیکھ کر بعض دماغ اس طرف چلے جاتے ہیں کہ ان تمام دشواریوں کے تسلیم کر لینے کی بجائے اصل واقعہ کا ہی انکار کر دینا آسان ہے۔ اگر کاش وہ اس پر بھی نظر کر لیتے کہ یہ تاویلات خود صاحب شریعت کی جانب سے نہیں بلکہ واقعہ کے خود راویوں کی جانب سے بھی نہیں یہ صرف ان دماغوں کی کاوش ہے جن کے سامنے اصل واقعہ کے وہ سب متفرق ٹکڑے جمع ہو کر آگئے ہیں جن کو مختلف صحابہؓ نے مختلف زبانوں میں روایت کیا ہے اور اس لئے ہر ایک نے اپنے الفاظ میں دوسرے کی تعبیر کی کوئی رعایت نہیں کی اور نہ وہ کر سکتا تھا تو پھر نہ تو ان پر راویوں کے الفاظ کی اس بے ارتباطی کا کوئی اثر پڑتا اور نہ ایک ثابت شدہ واقعہ کا انکار صرف اتنی سی بات پر ان کو آسان نظر آتا۔

یہاں جب آپ اس خاص تاریخ سے علیحدہ ہو کر نفس مسئلہ کی حیثیت سے

احادیث پر نظر کریں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ امام مہدی کا تذکرہ سلف سے لے کر محدثین کے دور تک بڑی اہمیت کے ساتھ ہمیشہ ہوتا رہا ہے۔ حتیٰ کہ امام ترمذی، ابو داؤد ابن ماجہ وغیرہ نے امام مہدی کے عنوان سے ایک ایک باب ہی علیحدہ قائم کر دیا ہے۔ ان کے علاوہ وہ آئمہ حدیث جنہوں نے امام مہدی کے متعلق حدیثیں اپنی اپنی مؤلفات میں ذکر کی ہیں ان میں سے چند کے اسمائے مبارکہ حسب ذیل ہیں۔ امام احمد، البزار، ابن ابی شیبہ، الحاکم، الطبرانی، ابو یعلی موصلی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ جن جن صحابہ کرامؓ سے اس باب میں روایتیں ذکر کی گئی ہیں۔ ان کے اسمائے مبارکہ یہ ہیں: حضرت علی، ابن عباس، ابن عمر، طلحہ، عبداللہ بن مسعود، ابو ہریرہ، انس، ابو سعید، ام حبیبہ، ام سلمہ، ثوبان، قرۃ بن ایاس، علی الہلالی، عبداللہ ابن الحارث بن جزء رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

شارح عقیدہ سفارینی نے امام مہدی کی تشریف آوری کے متعلق معنوی تواتر کا دعویٰ کیا ہے اور اس کو اہل سنت والجماعۃ کے عقائد میں شمار کیا ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

"امام مہدی کے خروج کی روایتیں اتنی کثرت کے ساتھ موجود ہیں کہ اس کو معنوی تواتر کی حد تک کہا جا سکتا ہے اور یہ بات علمائے اہل سنت کے درمیان اس درجہ مشہور ہے کہ اہل سنت کے عقائد میں ایک عقیدے کی حیثیت سے شمار کی گئی ہے۔ ابو نعیم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی وغیرہم نے صحابہؓ و تابعینؒ سے اس باب میں متعدد روایتیں بیان کی ہیں جن کے مجموعے سے امام مہدی کی آمد کا قطعی یقین حاصل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا امام مہدی کی تشریف آوری پر حسب بیان علماء اور حسب عقائد اہل سنت والجماعت یقین کرنا ضروری ہے۔" (شرح عقیدہ السفارینی ص ۷۹، ۸۰)

اسی طرح حافظ سیوطیؒ نے بھی یہاں تواتر معنوی کا دعویٰ کیا ہے۔ قاضی شوکانیؒ نے اس سلسلہ کی جو حدیثیں جمع کی ہے ان میں مرفوع حدیثوں کی تعداد پچاس اور آثار کی اٹھائیس تک پہنچتی ہے۔ شیخ علی متقیؒ نے بھی منتخب کنز العمال میں اس کا بہت مواد جمع کر دیا ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ منہاج السنہ اور حافظ ذہبیؒ مختصر منہاج السنہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"الا حادیث التی تحتج بها علی خروج المهدی صحاح

رواهاالحمد، وابوداؤد والترمذی منها حدیث ابن مسعودؓ و ام سلمةؓ وابی سعیدؓ وعلیؓ. مختصر منهاج ص ٥٣٤"

﴿یعنی جن حدیثوں سے امام مہدی کے خروج پر استدلال کیا گیا ہے۔ وہ صحیح ہیں۔ ان کو امام احمدؒ، امام ابو داؤدؒ، اور امام ترمذیؒ نے روایت فرمایا ہے۔﴾

یہ امر بھی واضح رہنا چاہئے کہ صحیح مسلم کی احادیث سے یہ امر ثابت ہے کہ :

(۱)...... آخری زمانے میں مسلمانوں کا ایک خلیفہ ہوگا جس کے زمانے میں (۲)...... غیر معمولی برکات ظاہر ہوں گی۔ (۳)...... وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل پیدا ہوگا۔ (۴)...... دجال اسی کے عہد میں ظاہر ہوگا۔ مگر اس کا قتل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دست مبارک سے ہوگا۔ (۵)...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب آسمان سے تشریف لائیں گے تو وہ خلیفہ نماز کے لئے مصلے پر آچکا ہوگا۔ (٦)...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر وہ مصلے چھوڑ کر پیچھے ہٹے گا۔ مگر عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سے فرمائیں گے چونکہ آپ مصلے پر جا چکے ہیں۔ اس لئے اب امامت آپ ہی کا حق ہے اور یہ اس امت کی ایک بزرگی ہے۔ لہٰذا یہ نماز تو آپ انہیں کی اقتدا میں ادا فرمائیں گے۔

یہ تمام صفات ان صحیح حدیثوں سے ثابت ہیں جن میں محدثین کو کوئی کلام نہیں۔ اب گفتگو ہے تو صرف اتنی بات میں ہے کہ یہ خلیفہ کیا امام مہدی ہیں یا کوئی اور دوسرا خلیفہ ؟۔ دوسرے نمبر کی حدیثوں میں یہ تصریح موجود ہے کہ یہ خلیفہ امام مہدی ہوں گے۔ ہمارے نزدیک صحیح مسلم کی حدیثوں میں جب اس خلیفہ کا تذکرہ آچکا ہے تو پھر دوسرے نمبر کی حدیثوں میں جب وہی تفصیلات اس کے نام کے ساتھ مذکور ہیں تو ان کو بھی صحیح مسلم ہی کی حدیثوں کے حکم میں سمجھنا چاہئے۔ اس لئے اب اگر یہ کہہ دیا جائے کہ امام مہدی کا ثبوت خود صحیح مسلم میں موجود ہے تو اس کی گنجائش ہے۔ مثلاً جب صحیح مسلم میں موجود ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جب اتریں گے تو اس وقت مسلمانوں کا ایک امیر امامت کے لئے مصلے پر آچکا ہوگا تو اب جن حدیثوں میں اس خلیفہ کا نام امام مہدی بتایا گیا ہے۔ یقیناً وہ اسی مبہم خلیفہ کا بیان کہا جائے گا۔ یا مثلاً صحیح مسلم میں ہے کہ آخر زمانے میں ایک خلیفہ ہوگا جو بے حساب مال

تقسیم کرے گا۔ اب اگر دوسری حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مال کی یہ داد و دہش امام مہدی کے زمانے میں ہوگی تو صحیح مسلم کی اس حدیث کا مصداق امام مہدی کو قرار دینا بالکل بجا ہوگا۔ اسی طرح جنگ کے جو واقعات صحیح مسلم میں ابہام کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں۔ اگر دوسری حدیثوں میں وہی واقعات امام مہدی کے زمانے میں ثابت ہوتے ہیں تو یہ کہنا بالکل قرین قیاس ہوگا کہ صحیح مسلم میں جنگ کے جو واقعات مذکور ہیں وہ امام مہدی ہی کے دور کے واقعات ہیں۔ غالباً ان ہی وجوہات کی بناء پر محدثین نے بعض مبہم حدیثوں کو امام مہدی ہی کے حق میں سمجھا ہے اور اسی باب میں ان کو ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ امام ابوداؤد نے بارہ خلفاء کی حدیث کو امام مہدی کے باب میں ذکر فرما کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ بارہواں خلیفہ یہی امام مہدی ہیں۔

اب سب سے پہلے آپ ذیل کی حدیثیں پڑھئے تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ امام مہدی کی آمد کی صحابہؓ و تابعینؒ کے درمیان کس درجہ شہرت تھی۔ اس کے بعد پھر مرفوع حدیثوں پر نظر ڈالئے تو بشرط اعتدال و انصاف آپ کو یقین ہو جائے گا کہ امام مہدی کی آمد کا مسئلہ بیشک ایک مسلم عقیدہ رہا ہے۔ البتہ روافض نے جو اور بے تکی باتیں اس میں اپنی جانب سے شامل کر لی ہیں ان کا نہ تو کوئی ثبوت نقل میں ملتا ہے نہ عقل ان کو باور کر سکتی ہے۔ صرف ان کی تردید میں کسی ثابت شدہ مسئلہ کا انکار کر دینا یہ کوئی صحیح طریقہ نہیں ہے :

(۱)............ ”عَنْ حَكِيْمِ بْنِ سَعْدٍ: قَالَ لَمَّا قَامَ سُلَيْمَانُ فَاَظْهَرَمَا اَظْهَرَ قُلْتُ لِاَ بِیْ يَحْيٰى هٰذَا الْمَهْدِیُّ الَّذِیْ يُذْكَرُ قَالَ لَاَ۔ اخرجه ابن ابی شیبه الحاوی ص ۸۰ ج ۲“

﴿حکیم بن سعد کہتے ہیں کہ جب سلیمان خلیفہ بنے اور انہوں نے عمدہ عمدہ خدمات انجام دیں تو میں نے ابو یحییٰ سے کہا وہ مہدی یہی ہیں جن کی شہرت ہے؟۔ انہوں نے کہا نہیں۔﴾

(۲)............ ”عَنِ الْوَلِيْدِ بْنِ مُسْلِمٍ قَالَ سَمِعْتُ رَجُلاً يُحَدِّثُ قَوْماً فقال بد يُوْن ثَلَاثَةٌ مَهْدِیُّ الْخَيْرِ عُمَرُ ابْنُ عَبْدِالْعَزِيْزِ وَمَهْدِیُّ الدَّمِ

وَهُوَالَّذِیْ تَسْکُنُ عَلَیْهِ الدِّ مَاءُ وَمَهْدِیُّ الدِّین عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ تُسْلِمُ اُمَّتَهٗ فِیْ زَمَانِهٖ کذافی الحاوی ص۷۸ج۲ وَفِیْهِ عَنْ کَعْبٍ قَالَ مَهْدِیُّ الْخَیْرِ یَخْرُجُ بَعْدَ السُّفْیَانِیْ ․"

﴿ولید بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص سے سنا جو لوگوں سے کہہ رہا تھا کہ مہدی تین ہوں گے: (۱)...... مہدی خیر' یہ تو عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں۔ (۲)...... مہدی دم' یہ وہ شخص ہے جس کے زمانے میں خونریزی ختم ہو جائے گی۔ (۳)...... مہدی دین' یہ عیسیٰ بن مریم ہیں۔ ان کے زمانے میں نصاریٰ بھی اسلام قبول کرلیں گے کعب بیان کرتے ہیں کہ مہدی خیر کا ظہور سفیانی کے بعد ہوگا۔﴾

(۳)........."عن ابن عمر اَنَّهٗ قَالَ لاِبْنِ الْحَنَفِیَّةِ اَلْمَهْدِیُّ الَّذِیْ یَقُوْلُوْنَ کَمَا یَقُوْلُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ اِذَ اکَانَ الرَّجُلُ صَالِحًا قِیْلَ لَهٗ الْمَهْدِیُّ ․ الحاوی ص۷۸ج۲"

﴿ابن عمرؓ نے ابن حنفیہ سے کہا المهدی کا لقب ایسا ہے جیسا کہ کسی نیک آدمی کو: "رجل صالح" کہہ دیں۔ (اس لحاظ سے مہدی کا اطلاق متعدد اشخاص پر ہو سکتا ہے۔)﴾

(۴)........."عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ یُبْعَثُ الْمَهْدِیُّ بَعْدَ ایَاسٍ حَتّٰی یَقُوْلَ النَّاسُ لاَمَهْدِیَّ ․ کذا فی الحاوی ص۷٦ج۲"

﴿ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ مہدی کا ظہور اس وقت ہوگا جب لوگ مایوس ہو کر یہ کہیں گے کہ اب مہدی کیا آئے گا؟۔﴾

(۵)........."عَنْ کَعْبٍ قَالَ اِنِّیْ اَجِدُ الْمَهْدِیَّ مَکْتُوْبًا فِیْ اَسْفَارِ الْاَنْبِیَاءِ مَافِیْ عَمَلِهٖ ظُلْمٌ وَلاَ عَیْبٌ ․ الحاوی ص۷۷ج۲"

﴿کعبؓ کہتے ہیں کہ میں نے انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں مہدی کی یہ صفت دیکھی ہے کہ اس کے عمل میں نہ ظلم ہوگا نہ عیب۔﴾

(٦)........."عَنْ مطَرٍ اَنَّهٗ ذُکِرَ عِنْدَهٗ عُمَرُ بْنُ عَبْدِالْعَزِیْزِ فقال بلغنا

اَنَّ الْمَھْدِیَّ یَصْنَعُ شَیْئاً لَمْ یَصْنَعْهُ عُمَرُ بْنُ عَبْدِالْعَزِیْزِ قُلْنَا مَاھُوَ؟ قَالَ یَأْتِیْهِ رَجُلٌ فَیَسْأَ لُهٗ فَیَقُوْلُ اُدْخُلْ بَیْتَ الْمَالِ فَخُذْ فَیَدْخُلُ وَیَخْرُجُ وَیَرَی النَّاسَ شَبَاعًا فَیَنْدَمُ فَیَرْجِعُ اِلَیْهِ فَیَقُوْلُ خُذْمَا اَعْطَیْتَنِیْ فَیَأْبٰی وَیَقُوْلُ اِنَّا نُعْطِیْ وَلاَ نَاخُذُ. الحاوی ص۷۷ ج۲"

﴿مطر کے سامنے عمر بن عبدالعزیزؒ کا ذکر آیا تو انہوں نے کہا ہم کو معلوم ہوا ہے کہ مہدی آکر ایسے ایسے کام کریں گے جو عمر بن عبدالعزیز سے نہیں ہو سکے ہم نے پوچھا وہ کیا؟۔ انہوں نے کہا کہ ان کے پاس ایک شخص آکر سوال کرے گا۔ وہ کہیں گے بیت المال میں جا اور جتنا چاہے مال لے لے۔ وہ اندر جائے گا اور جب باہر آئے گا تو دیکھے گا کہ سب لوگ نیت سیر ہیں تو اس کو شرم آئے گی اور یہ لوٹ کر کہے گا کہ جو مال آپ نے دیا تھا وہ آپ لے لیجئے تو وہ فرمائیں گے ہم دینے کے لئے ہیں لینے کے لئے نہیں۔﴾

(۷) ...... "عَنْ اِبْرَاھِیْمَ بْنِ مَیْسَرَةَ قَالَ قُلْتُ لِطَاؤُسٍ عُمَرُ بْنُ عَبْدِالْعَزِیْزِ ھُوَ الْمَھْدِیُّ؟ قَالَ ھُوَ الْمَھْدِیُّ وَلَیْسَ بِهٖ اِنَّهٗ لَمْ یَسْتَکْمِلِ الْعَدْلَ کُلَّهٗ اَخْرَجَهٗ اَبُوْ نُعَیْمٍ فِی الْحِلْیَةَ. الحاوی ص۸۰ ج۲"

﴿ابراہیم بن میسرہ کہتے ہیں کہ میں نے طاؤس سے پوچھا کیا عمر بن عبدالعزیز وہی مہدی ہیں؟۔ انہوں نے کہا ایک مہدی وہ بھی ہیں لیکن وہ خاص مہدی نہیں۔ ان کے دور کا سا کامل انصاف ان کے دور میں کہاں ہے؟۔﴾

(۸)......... "عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ قَالَ یَزْعُمُوْنَ اَنِّیْ اَنَا الْمَھْدِیُّ وَاِنِّیْ اِلٰی اَجَلٍ اَدْنٰی مِنِّیْ اِلٰی مَایَدَّعُوْنَ. اخرجه المحاملی فی امالیه. الحاوی ص۸۱ ج۲"

﴿ابو جعفر فرماتے ہیں کہ لوگ میرے متعلق یہ گمان رکھتے ہیں کہ وہ مہدی میں ہوں حالانکہ مجھے ان کے دعووں سے اپنا مر جانا نزدیک تر نظر آتا ہے۔﴾

(۹) ...... "عَنْ سَلْمَةَ بْنِ زُفَرٍ قَالَ قِیْلَ یَوْمًا عِنْدَ حُذَیْفَةَ قَدْ خَرَجَ الْمَھْدِیَ قَالَ لَقَدْ اَفْلَحْتُمْ اِنْ خَرَجَ وَاَصْحَابُ مَحَمَّدٍ بَیْنَکُمْ اِنَّهٗ لاَ یَخْرُجُ حَتّٰی

لَا یَکُوْنَ غَائِبٌ اَحَبَّ اِلَی النَّاسِ مِنْهُ مِمَّا یَلْقَوْنَ مِنَ الشَّرِّ اَخْرَجَهُ الدَّانی ۔ الحاوی ص۸۱ج۲"

﴿سلمہ بن زفر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حذیفہ کے سامنے کسی نے کہا کہ مہدی ظاہر ہو چکے ہیں۔ انہوں نے فرمایا اگر ایسا ہے جبکہ نبی کریم ﷺ کے صحابہؓ تمہارے درمیان موجود ہیں تو تم نے بڑی فلاح پائی یاد رکھو کہ وہ اس وقت ظاہر ہوں گے جبکہ مصائب کی وجہ سے کوئی غائب شخص لوگوں کو ان سے پیارا معلوم نہ ہوگا (یعنی ان کا شدید انتظار ہوگا)﴾

ان آثار کی روشنی میں: "لا مهدی الا عیسٰی" کی شرح بھی بخوبی ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ ابن ماجہ کی اس حدیث کو کسی درجہ میں حسن تسلیم کر لیا جائے۔

رب العالمین کی یہ عجیب حکمت ہے کہ جب کسی اہم شخصیت کے متعلق کوئی پیشگوئی کی گئی ہے تو اس کی اس آزمائشی زمین پر ہمیشہ اس نام کے کاذب مدعی چاروں طرف سے پیدا ہونے شروع ہو گئے ہیں اور اس طرح ایک سیدھی بات آزمائشی منزل بن کر رہ گئی ہے۔ مثلاً حضرت عیسٰی علیہ السلام کے متعلق صریح سے صریح الفاظ میں پیشگوئی کی گئی جس میں کسی دوسرے شخص کی آمد کا کوئی احتمال ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے باوجود نہ معلوم کتنے مدعی مسیحیت پیدا ہو گئے۔ آخر یہ ایک سیدھی پیشگوئی ایک معمہ بن کر رہ گئی۔ اسی طرح جب حضرت امام مہدی کے حق میں پیشگوئی کی گئی تو گزشتہ زمانے میں یہاں بھی بہت سے اشخاص مہدویت کے مدعی پیدا ہو گئے۔ چنانچہ محمد بن عبداللہ یہ النفس الزکیہ کے لقب سے مشہور تھا۔ اسی طرح محمد بن مرتوت، عبیداللہ بن میمون قداح، محمد جونپوری وغیرہ نے اپنے اپنے زمانے میں مہدویت کا دعویٰ کیا۔ شیخ سید برزنجیؒ لکھتے ہیں کہ ان کے زمانے میں مقام ازبک میں بھی ایک شخص نے مہدویت کا دعویٰ کیا۔ سید موصوف نے ایک اور "کردی" شخص کے متعلق بھی لکھا ہے کہ عقر کے پہاڑوں میں اس نے بھی مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ ان سب اشخاص کے واقعات تاریخ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں اور وہ تمام مصائب و آلام بھی مذکور ہیں جو ان بدبختوں کے ہاتھوں مسلمانوں پر توڑے گئے تھے۔

رافضی جماعت کا مستقل یہ ایک عقیدہ ہی ہے کہ محمد بن حسن عسکری مہدی

موعود ہے۔ ان کے خیالات کے مطابق وہ اپنے طفولیت کے زمانے ہی سے لوگوں کی نظروں سے غائب ہو کر کسی مخفی غار میں پوشیدہ ہیں اور یہ جماعت آج تک انہی کے ظہور کی منتظر ہے اور مصیبتوں میں انہی کو پکارتی پھرتی ہے ان مفترین کی تاریخ اور روافض کی اس وہم پرستی اور بے بنیاد عقیدہ کی وجہ سے بعض اہل علم کے ذہن اس طرف منتقل ہو گئے کہ اگر علمی لحاظ سے مہدی کے وجود ہی کا انکار کر دیا جائے تو اس تمام بحث وجدل سے امت مسلمہ کی جان چھوٹ جائے اور روز مرہ نئی نئی آزمائشوں کا اس کو مقابلہ نہ کرنا پڑے۔ چنانچہ ابن خلدون مؤرخ نے اسی پر پورا زور صرف کیا ہے اور چونکہ تاریخی اور تحقیقی لحاظ سے علمی طبقہ میں اس کو اونچا مقام حاصل ہے۔ اس لئے اس قسم کے مزاجوں کے لئے اس کا انکار کرنا اور تقویت کا باعث بن گیا پھر بعد میں اسی کے اعتماد پر اس مسئلہ کا انکار چلتا رہا ہے۔ محدثین علماء نے ہمیشہ اس انکار کو تسلیم نہیں کیا اور خود مؤرخ موصوف کے زمانے میں بھی اس پیشگوئی کے اثبات پر تالیفات کی گئیں جن میں سے اس وقت: "ابراز الوہم المکنون من کلام ابن خلدون" کا نام ہمارے علم میں بھی ہے مگر یہ رسالہ ہم کو دستیاب نہیں ہو سکا۔ امام قرطبیؒ، شیخ جلال الدین سیوطیؒ، سید برزنجی، شیخ علی متقی، علامہ شوکانی، نواب صدیق حسن خاں، شارح عقیدہ سفارینی کی تصنیفات ہماری نظر سے بھی گزری ہیں۔ ان کے مؤلفات کے علاوہ بھی اس موضوع پر بہت سے رسائل لکھے گئے ہیں۔

اصل یہ ہے کہ جب کسی خاص ماحول کی وجہ سے وضع حدیث کے دواعی پیدا ہو گئے ہیں تو اس دور کی حدیثوں پر محدثین کی نظریں بھی ہمیشہ سخت ہو گئی ہیں اور اس لئے بعض صحیح حدیثیں بھی مشتبہ ہو گئیں جیسا کہ بنی امیہ کے دور میں فضائل اہل بیت کی بہت سی حدیثیں مشتبہ ہو گئی تھیں پھر جب محدثین نے ان کو چھانٹنا شروع کیا تو بعض متشدد نظروں میں اچھی خاصی حدیثیں بھی اس کی لپیٹ میں آگئیں۔ آخر جب اس فضا سے ہٹ کر علماء نے دوبارہ اس پر نظر ڈالی تو انہوں نے بہت سی ساقط شدہ حدیثوں میں کوئی سقم نہ پایا اور آخر ان کو قبول کیا۔ اسی طرح یہاں بھی چونکہ ایک فرقے نے محمد بن حسن عسکری کے مہدی منتظر ہونے کا دعویٰ کر دیا تو پھر وہی وضع حدیث کے جذبات ابھرے اور جب علماء نے غلط ذخیرہ کو

ذرا تشدد کے ساتھ الگ کرنے کا ارادہ کیا تو لازمی طور پر یہاں بھی کچھ حدیثیں اس کی زد میں آ گئیں۔ یہ ظاہر ہے کہ اس باب کی صریح حدیثوں میں کوئی حدیث بھی صحیحین کی نہ تھی۔ گو صحت کے لئے صحیحین کی حدیث ہونا کسی کے نزدیک بھی شرط نہیں۔ اس لئے محدثانہ ضابطہ کے مطابق نقد و تبصرہ کو یہاں کچھ نہ کچھ وسعت مل گئی لیکن یہ بات کچھ اسی باب کی حدیثوں ہی کے ساتھ خاص نہیں ہر کتاب پر شیخین کی کتابوں کے سوا جب صرف ضابطہ کی تنقید شروع کر دی جائے اور صرف راویوں پر جرح و تعدیل کو لیکر اس باب کے دیگر امور مہمہ کو نظر انداز کر ڈالا جائے تو پھر نقد کرنا کچھ مشکل نہیں رہتا۔ اس تشدد وافراط کا ثمرہ گو وقتی طور پر کچھ مفید ہو تو ہو لیکن دوسری طرف اس کا نقصان بھی ضرور ہوتا ہے اور وقتی فتنے ختم ہو جانے کے بعد آئندہ امت کی نظروں میں یہ اختلاف اچھی حدیثوں میں بھی شک و تردد کا موجب بن جاتا ہے۔ یہاں جب آپ خارجی عوارض اور ماحول کے خاص حالات سے علیحدہ ہو کر نفس مسئلہ کی حیثیت سے اس موضوع کی احادیث پر نظر فرمائیں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ امام مہدی کا تذکرہ سلف سے لے کر محدثین کے دور تک ہمیشہ بڑی اہمیت کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔

محقق ابن خلدون کے کلام کو جہاں تک ہم نے سمجھا ہے اس کا خلاصہ تین باتیں معلوم ہوتی ہیں: (۱)...... جرح و تعدیل میں جرح کو ترجیح ہے۔ (۲) امام مہدی کی کوئی حدیث صحیحین میں موجود نہیں۔ (۳)...... اس باب کی جو صحیح حدیثیں ہیں ان میں امام مہدی کی تصریح نہیں۔

فن حدیث کے جاننے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ تینوں باتیں کچھ وزن نہیں رکھتیں کیونکہ ہمیشہ اور ہر جرح کو ترجیح دینا یہ بالکل خلاف واقع ہے۔ چنانچہ خود محقق موصوف کو جب اس کا تنبہ ہوا کہ اس قاعدے کے تحت تو صحیحین کی حدیثیں بھی مجروح ہو جاتی ہیں تو اس کا جواب انہوں نے صرف یہ دے دیا ہے کہ یہ حدیثیں چونکہ علماء کے درمیان مسلم ہو چکی ہیں۔ اس لئے وہ مجروح نہیں کہی جا سکتیں مگر سوال تو یہ ہے کہ جب قاعدہ یہ ٹھرا تو پھر علماء کو وہ مسلم ہی کیوں ہوئیں؟۔

رہا امام مہدی کی حدیثوں کا صحیحین میں مذکور نہ ہونا تو یہ اہل فن کے نزدیک کوئی جرح نہیں ہے۔ خود ان ہی حضرات کا اقرار ہے کہ انہوں نے جتنی صحیح حدیثیں ہیں وہ سب کی سب اپنی کتابوں میں درج نہیں کیں، اسی لئے بعد میں ہمیشہ محدثین نے متدرکات لکھی ہیں۔ اب رہی تیسری بات تو یہ دعویٰ بھی تسلیم نہیں کہ صحیح حدیثوں میں امام مہدی کا نام مذکور نہیں ہے۔ کیا وہ حدیثیں جن کو امام ترمذی وابوداؤد وغیرہ جیسے محدثین نے صحیح و حسن کہا ہے صرف محقق موصوف کے بیان سے صحیح ہونے سے خارج ہو سکتی ہیں؟۔ دوم یہ کہ جن حدیثوں کو محقق موصوف نے بھی صحیح تسلیم کر لیا ہے۔ اگر وہاں ایسے قوی قرائن موجود ہیں جن سے اس شخص کا امام مہدی ہونا تقریبا یقینی ہو جاتا ہے تو پھر امام مہدی کے لفظ کی تصریح ہی کیوں ضروری ہے؟۔ سوم یہاں اصل بحث مصداق میں ہے۔ مہدی کے لفظ میں نہیں۔ پس اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک خلیفہ ہونا اور ایسی خاص صفات کا حامل ہونا جو بقول روایت عمر بن عبدالعزیزؒ جیسے شخص میں بھی نہ تھیں ثابت ہے تو بس اہل سنت کا مقصد اتنی بات سے پورا ہو جاتا ہے کیونکہ مہدی تو صرف ایک لقب ہے۔ علم اور نام نہیں، اور یہ آپ ابھی معلوم کر چکے ہیں کہ مہدی کا لفظ بطور لقب دوسرے اشخاص پر بھی اطلاق کیا گیا ہے۔ اگرچہ سب میں کامل مہدی وہی ہیں جن کا ظہور آئندہ زمانے میں مقدر ہے۔ یہ ایسا سمجھئے جیسا دجال کا لفظ حدیثوں میں ستر مدعیان نبوت کو دجال کہا گیا ہے مگر دجال اکبر وہی ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے قتل ہوگا۔ ہاں! اس لقب کی زد اگر پڑتی ہے تو ان اصحاب پر پڑتی ہے جو مہدی کے سانھ ساتھ کسی قرآن کے منتظر بیٹھے ہیں۔

محقق موصوف کی پوری بحث پڑھنے کے بعد یہ یقین ہو جاتا ہے کہ محقق موصوف کی اصل نظر اسی فتنہ کی طرف ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ حدیثوں سے کسی ایسے مہدی کا وجود ثابت نہ ہو جس پر ایمان و قرآن کا دارومدار ہو اور جیسا کہ نقد و تبصرہ کے وقت ہر شخص اپنے طبعی اور علمی تاثرات سے بمشکل بری رہ سکتا ہے۔ اسی طرح محقق موصوف بھی یہاں اس سے بچ نہیں سکے اور فن تاریخ کی سب سے کٹھن منزل یہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث پر کلام کرتے ہوئے بڑے سے بڑے علماء کی توثیق نقل کرنے کے بعد بھی ان کا رجحان طبع انہیں علماء کی

جانب رہا ہے جنہوں نے کوئی نہ کوئی جرح ان حدیثوں میں نکال کھڑی کی ہے اور صرف جرح کے مقدم ہونے کو ایک قاعدہ کلیہ بنا کر بس اسی سے کام لیا ہے۔ اگر محقق موصوف جرح کے اسباب و مراتب پر غور فرما لیتے تو شاید ہر مقام پر ان کا رحجان اس طرف نہ رہتا۔

اسم المهدی ونسبه وحلية الشريفه

(۱)........... "عَنْ عَبْدِاللّٰہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تَذْھَبُ الدُّنْیَا حَتّٰی یَمْلِکُ الْعَرَبَ رَجُلٌ مِّنْ اَھْلِ بَیْتِیْ یُوَاطِئُ اِسْمُہٗ اِسْمِیْ رَوَاہُ الترمذی قَالَ وَفِی الْبَابِ عَنْ عَلِیٍّ وَاَبِیْ سَعِیْدٍ وَاُمِّ سَلَمَۃَ وَاَبِیْ ہُرَیْرَۃَ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ قُلْتُ وَاَخْرَجَہٗ اَبُوْدَاوُدُ وَسَکَتَ عَنْہُ ھُوَ وَالْمُنْذِرِیُّ وَابْنُ الْقَیِّمِ وَقَالَ الْحَاکِمُ رَوَاہُ الثَّوْرِیُّ وَشُعْبَۃُ وَزَائِدَۃُ وَغَیْرُھُمْ مِّنْ اَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ عَنْ عَاصِمٍ قَالَ وَطُرُقُ عَاصِمٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ کُلُّھَا صَحِیْحَۃٌ۔"

امام مہدی کا نام و نسب اور ان کا حلیہ شریف

﴿عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دنیا کا اس وقت تک خاتمہ نہیں ہو گا جب تک کہ میرے اہل بیت سے ایک شخص عرب پر حاکم نہ ہو جو میرے ہم نام ہو گا۔ (ترمذی باب ماجاء فی المهدی ص ۴۷ ج ۲)﴾

(۲)........... "عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ قَالَ لَوْلَمْ یَبْقَ مِنَ الدُّنْیَا اِلاَّ یَوْمًا لَطَوَّلَ اللّٰہُ ذٰلِکَ الْیَوْمَ حَتّٰی یَلِیَ۔ الترمذی ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔"

﴿ابو ہریرہؓ سے روایت ہے اگر دنیا کے خاتمہ میں صرف ایک ہی دن باقی رہ جائے تو اللہ تعالیٰ اسی ایک دن کو اور دراز فرما دے گا۔ یہاں تک کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص عرب کا حاکم ہو کر رہے گا۔ (ترمذی شریف ص ۴۷ ج ۲)﴾

(۳)........... "عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ قَالَ قَالَ عَلِیٌّ وَنَظَرَ اِلٰی ابْنِہٖ الْحَسَنِ فَقَالَ اِنَّ ابْنِیْ ھٰذَا سَیِّدٌ کَمَا سَمَّاہُ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَسَیَخْرُجُ مِنْ صُلْبِہٖ رَجُلٌ یُسَمّٰی بِاسْمِ نَبِیِّکُمْ صلی اللہ علیہ وسلم یَشْبَہُہٗ فِی الْخُلُقِ وَلَا یَشْبَہُہٗ فِی الْخَلْقِ ثُمَّ ذَکَرَ

قِصَّةَ يَمْلَأُ الْاَرْضَ عَدْلاً رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَقَالَ اَبُوْدَاؤُدَ فِيْ عَمْرِ وبْنِ قَيْسٍ لاَ بَاْسَ بِهٖ فِيْ حَدِيْثِهٖ خَطَاءٌ وَّقَالَ الذَّهَبِيُّ صَدُوْقٌ لَهٗ اَوْهَامٌ وَاَمَّا اَبُوْ اِسْحٰقَ السَّبِيْعِيُّ فَرِوَايَتُهٗ عَنْ عَلِيٍّ مُنْقَطِعَةٌ۔ ‘‘

﴿حضرت علیؓ نے اپنے فرزند حضرت حسنؓ کی طرف دیکھ کر فرمایا میرا یہ فرزند سید ہوگا جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے اس کے متعلق فرمایا ہے اور اس کی نسل سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام تمہارے نبی کے نام پر ہوگا وہ عادات میں آپ ﷺ کے مشابہ ہوگا لیکن صورت میں مشابہ نہ ہوگا۔ اس کے بعد ان کے عدل و انصاف کا حال ذکر فرمایا۔ (ابو داؤد کتاب المہدی ص ۱۳۱ ج ۲)﴾

(۴)......... ’’عَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَوْلَمْ يَبْقَ مِنَ الدَّهْرِ اِلاَّ يَوْمٌ لَبَعَثَ اللّٰهُ رَجُلاً مِّنْ اَهْلِ بَيْتِيْ يَمْلَأُهَا قِسْطًا وَّعَدْلاً كَمَامُلِئَتْ جَوْرًا۔ رواه ابوداؤد وَفِيْ اِسْنَادِهٖ فطرُ بْنُ خَلِيْفَةَ الْكُوْفِيُّ وَثَّقَهٗ اَحْمَدُ وَيَحْيٰى بْنُ سَعِيْدِ الْقَطَّانُ وَيَحْيٰى بْنُ مَعِيْنٍ وَالنَّسَائِيُّ وَالْعِجْلِي وَابْنُ سَعْدٍ وَالسَّاجِيُّ وَقَالَ اَبُوْحَاتِمٍ صَالِحُ الْحَدِيْثِ وَاَخْرَجَ لَهُ الْبُخَارِيُّ فَالْحَدِيْثُ قَوِيٌّ۔ ‘‘

﴿حضرت علیؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے۔ اگر قیامت میں صرف ایک ہی دن باقی رہ جائے تو بھی اللہ تعالیٰ میرے اہل بیت میں سے ضرور ایک شخص کو کھڑا کرے گا جو دنیا کو عدل و انصاف سے پھر اسی طرح بھر دے گا جیسے وہ اس سے قبل ظلم سے بھر چکی ہوگی۔ (ابو داؤد ص ۱۳۱ ج ۲)﴾

(۵)......... ’’عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ كُنَّا عِنْدَاُمِّ سَلَمَةَ فَتَذَاكَرْنَا الْمَهْدِيَّ فَقَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ الْمَهْدِيُّ مِنْ وُّلْدِ فَاطِمَةَ۔ رواه ابن ماجة وَفِيْهِ عَلِيُّ بْنُ النُّفَيْلِيُّ الْهِنْدِيُّ قَالَ اَبُوْحَاتِمٍ لاَبَاْسَ بِهٖ اَخْرَجَ لَهٗ ابوداؤد وابن ماجة كَذَافِي الْاِذَاعَةِ۔ ‘‘

﴿سعید بن المسیبؒ بیان کرتے ہیں کہ ہم ام سلمہؓ کے پاس حاضر تھے ہم نے امام مہدی کا تذکرہ کیا تو انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا ہے آپ ﷺ

فرماتے تھے کہ امام مہدی حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں ہوں گے۔ (ابن ماجہ باب خروج المہدی ص ۳۰۰)﴾

(٦)..........”عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ نَحْنُ وُلْدُ عَبْدِالْمُطَّلِبِ سَادَةُ اَهْلِ الْجَنَّةِ اَنَا وَحَمْزَةُ وَعَلِیٌّ وَجَعْفَرٌ وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ وَالْمَهْدِیُّ ۰ رواه ابن ماجة وفی الزوائد وفی اسناده مقال وعلی بن زيادلم ارمن وثقه ولا من جرح وباقی رجال اسناده موثقون وراجع له الا ذاعة ۰“

﴿حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ ہم عبدالمطلب کی اولاد واہل جنت کے سردار ہوں گے۔ یعنی میں حمزہ، علی، جعفر، حسن حسین اور مہدی رضی اللہ عنہم اجمعین (ابن ماجہ ص ۳۰۰)﴾

(۷)..........”عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمَهْدِیُّ مِنِّیْ اَجْلَی الْجَبْهَةِ اَقْنَی الْاَنْفِ يَمْلَأُ الْاَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلاً كَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَجَوْرًا وَيَمْلِكُ سَبْعَ سِنِيْنَ (رواه ابوداؤد) قال المنذری فی اسناده عمران القطان وهو ابوالعوام عمران بن داور القطان البصری استشهد به البخاری ووثقه عفان بن مسلم واحسن عليه الثناء يحيیٰ بن سعيد القطان“

﴿ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مہدی میری اولاد میں سے ہوگا جس کی پیشانی کشادہ اور ناک بلند ہوگی اور جو دنیا کو عدل وانصاف سے پھر بھر دے گا۔ جبکہ اس وقت وہ ظلم وستم سے بھر چکی ہوگی ان کی حکومت سات سال تک رہے گی۔ (ابوداؤد ص ۱۳۱ ج ۲)﴾

(۸)..........”عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَتَكُوْنُ بَعْدِیْ بُعُوْثٌ كَثِيْرَةٌ فَكُوْنُوْافِیْ بَعْثِ خُرَاسَانَ ۰ رواه ابن عدی وابن عساكر والسيوطی فی الجامع الصغير ۰“

﴿بریدہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے بعد بہت سے لشکر ہوں گے تم اس لشکر میں شامل ہونا جو خراسان سے آئے گا۔ (جامع الاحادیث للسیوطی ص ۱۴۱ ج ٦ حدیث نمبر ١٣٠٧٠)﴾

(۹)...........”عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَخْرُجُ مِنْ خُرَاسَانَ رَأیَاتٌ سُوْدٌ فَلاَ یَرُدُّ ھَاشَیٌٔ حَتّٰی تُنْصَبُ بِاِیْلِیَاءَ. الترمذی“

﴿ابوہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے خراسان کی طرف سے سیاہ سیاہ جھنڈے آئیں گے کوئی طاقت ان کو واپس نہیں کر سکے گی۔ یہاں تک کہ وہ بیت مقدس میں نصب کر دیئے جائیں گے۔ (ترمذی شریف ابواب الفتن ص ۵۲ ج ۲)﴾

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ سیاہ جھنڈے وہ نہیں ہیں جو ایک مرتبہ ابو مسلم خراسانی لیکر آیا تھا جس نے بنوامیہ کا ملک چھین لیا تھا بلکہ یہ دوسرے ہیں جو امام مہدی کے عہد میں ظاہر ہوں گے۔ کذا فی الحاوی ج ۲ ص ٦۰ نعیم بن حماد حضرت حمزہؓ سے روایت فرماتے ہیں کہ یہ جھنڈے چھوٹے چھوٹے ہوں گے۔ (حاوی ص ٦٨، ٦٩ ج ۲)

(۱۰)...........”عَنْ سَعِیْدِ ابْنِ الْمُسَیَّبِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ تَخْرُجُ مِنَ الْمَشْرِقِ رَأیَاتٌ سُوْدٌ لِبَنِی الْعَبَّاسِ ثُمَّ یَمْکُثُوْنَ مَاشَاءَ اللّٰہُ ثُمَّ تَخْرُجُ رَأیَاتٌ سُوْدٌ صِغَارٌ تُقَاتِلُ رَجُلاً مِنْ وُلْدِ اَبِیْ سُفْیَانَ وَاَصْحَابِہٖ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ یُؤَدُّوْنَ الطَّاعَۃَ لِلْمَھْدِیِّ کذافی الحاوی ص٦٩ج٢ وَفِیْہِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِیَّۃِ قَالَ تَخْرُجُ رَأیَاتٌ سُوْدٌ لِبَنِی الْعَبَّاسِ ثُمَّ تَخْرُجُ مِنْ خُرَاسَانَ اُخْرٰی سُوْدٌ قَلاَ نِسُھُمْ وَثِیَابُھُمْ بِیْضٌ عَلٰی مُقَدِّمَتِھِمْ رَجُلٌ یُقَالُ لَہٗ شُعَیْبُ بْنُ صَالِحٍ مِنْ تَمِیْمٍ یَھْزِمُوْنَ اَصْحَابَ السُّفْیَانِیْ ....الخ. الحاوی ص٦٨ج٢“

﴿سعید بن المسیب روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مشرق کی سمت ایک مرتبہ بنو العباس سیاہ جھنڈے لے کر نکلیں گے پھر جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا رہیں گے۔ اس کے بعد پھر چھوٹے چھوٹے جھنڈے نمودار ہوں گے جو ابو سفیان کی

اولاد اور اس کے رفقاء کے ساتھ جنگ کریں گے اور مہدی کی تابعداری کریں گے۔﴾

ظہور المهدی ومبایعة اهل مكة ایاه بین الركن والمقام

(۱۱)............"عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ یَكُوْنُ اخْتِلَافٌ عِنْدَمَوْتِ خَلِیْفَةٍ فَیَخْرُجُ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ هَارِبًا اِلٰی مَكَّةَ فَیَأْتِیْهِ نَاسٌ مِّنْ اَهْلِ مَكَّةَ فَیَخْرِ جُوْنَهٗ وَهُوَكَارِهٌ فَیُبَایِعُوْنَهٗ بَیْنَ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ وَیُبْعَثُ اِلَیْهِ بَعْثٌ مِّنَ الشَّامِ فَیُخْسَفُ بِهِمْ بِالْبَیْدَاءِ بَیْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِیْنَةِ فَاِذَا رَأَالنَّاسُ ذَالِكَ اَتَاهُ اَبْدَالُ الشَّامِ وَعَصَائِبُ اَهْلِ الْعِرَاقِ فَیُبَایِعُوْنَهٗ بَیْنَ الرُّكْنِ وَالْمَقَامُ ثُمَّ یَنْشَأُرَجُلٌ مِنْ قَرِیْشٍ اَخْوَالُهٗ كَلْبٌ فَیَبْعَثُ اِلَیْهِمْ بَعْثًا فَیَظْهَرُوْنَ عَلَیْهِمْ وَذَالِكَ بَعْثُ كَلْبٍ وَالْخَیْبَةُ لِمَنْ لَّمْ یَشْهَدْ غَنِیْمَةَ كَلْبٍ فَیَقْسِمُ الْمَالَ وَیَعْمَلُ فِی النَّاسِ بِسُنَّةِ نَبِیِّهِمْ وَیُلْقِی الْاِسْلَامُ بِجِرَانِهٖ اِلَی الْاَرْضِ فَیَلْبَثُ سَبْعَ سِنِیْنَ ثُمَّ یَتَوَفّٰی وَیُصَلِّیْ عَلَیْهِ الْمُسْلِمُوْنَ۔ رواه ابوداؤد والحدیث ادخله ابوداؤد فی باب المهدی واشارالیه الترمذی بما فی الباب والحدیث سكت عنه ابو داؤد ثم المنذری وابن القیم وفی الا ذاعة رجاله رجال الصحیحین لا مطعن فیهم ولا مغمز۔ العون ص۱۷۶ج ٤"

امام مہدی کا ظہور اور حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان اہل مکہ کی ان سے بیعت کرنا

﴿حضرت ام سلمہؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت فرماتی ہیں کہ ایک خلیفہ کے انتقال کے بعد کچھ اختلاف رونما ہوگا۔ اس وقت ایک شخص مدینہ کا باشندہ بھاگ کر مکہ مکرمہ آئے گا۔ مکہ مکرمہ کے کچھ لوگ اس کے پاس آئیں گے اور اس کو مجبور کر کے حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان اس سے بیعت کرلیں گے پھر شام سے اس کے مقابلے کے لئے

ایک لشکر بھیجا جائے گا۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان ایک میدان میں دھنسا دیا جائے گا۔ جب لوگ ان کی یہ کرامت دیکھیں گے تو شام کے ابدال اور عراق کی جماعتیں بھی آ آکر ان سے بیعت کریں گی۔ اس کے بعد پھر قریش میں ایک شخص ظاہر ہو گا جس کے ماموں قبیلہ کلب کے ہوں گے۔ وہ ظاہر ہو کر ان کے مقابلہ کے لئے لشکر بھیجے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو (امام مہدی کو) ان کے اوپر غالب فرمائے گا اور یہ بنو کلب کا لشکر ہو گا۔ وہ شخص بڑا بد نصیب ہے جو اس قبیلہ کلب کی غنیمت میں شریک نہ ہو۔ کامیابی کے بعد وہی شخص اس مال کو تقسیم کرے گا اور سنت کے مطابق لوگوں سے عمل کرائے گا اور اس کے عہد میں تمام روئے زمین پر اسلام ہی اسلام پھیل جائے گا اور سات برس تک وہ زندہ رہے گا۔ اس کے بعد اس کی وفات ہو جائے گی اور مسلمان اس کی نماز پڑھیں گے۔ (ابو داؤد ص ۱۳۱ ج ۲)

ابو داؤد نے اس روایت کو امام مہدی کے باب میں ذکر فرمایا ہے اور امام ترمذی نے جب امام مہدی کی حدیثیں روایت کرنے والے صحابہؓ کے اسماء شمار کرائے ہیں تو انہوں نے بھی حضرت ام سلمہؓ کی اس روایت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ نیز اس باب کی دوسری حدیثوں پر نظر کر کے یہ جزم حاصل ہو جاتا ہے کہ اس روایت میں اگرچہ اس شخص کا نام مذکور نہیں۔ مگر یقیناً وہ امام مہدی ہی ہیں کیونکہ مجموعی لحاظ سے یہ وہی اوصاف ہیں جو امام مہدی میں ہوں گے اور اسی وجہ سے ابو داؤد نے اس حدیث کو امام مہدی کی حدیثوں کے باب میں درج فرمای ہے۔ ابن خلدون بھی اس پر کوئی خاص جرح نہ کر سکا صرف یہ کہہ سکا کہ اس روایت میں اما مہدی کا نام مذکور نہیں۔

(۱۲)............ ”عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَلاَ يُصِيْبُ هٰذِهِ الْاُمَّةَ حَتّٰى لاَيَجِدَالرَّجُلُ مَلْجَاءً يَلْجَاءُ اِلَيْهِ مِنَ الظُّلْمِ فَيَبْعَثُ اللّٰ رَجُلاً مِّنْ عِتْرَتِیْ وَاَهْلِ بَيْتِیْ فَيَمْلَاُ بِهِ الْاَرْضَ قِسْطًا وَّعَدْلاً كَمَا مُلِئَتْ ظُلْ وَّجَوْرًا يَرْضٰى عَنْهُ سَاكِنُ السَّمَاءِ وَسَاكِنُ الْاَرْضِ لاَتَدَعُ السَّمَاءُ مِ قَطْرِهَا شَيْئًا اِلاَّ صَبَّتْهُ مِدْرَارًا وَلاَ تَدَعُ الْاَرْضُ مِنْ نَبَاتِهَا شَيْئًا اِلاَّ اَخْرَجَ حَتّٰى يَتَمَنَّى الْاَحْيَاءُ الْاَمْوَاتَ يَعِيْشُ فِیْ ذَالِكَ سَبْعَ سِنِيْنَ اَوْثَمَانَ سِنِيْ

اَوْتسعَ سِنِیْنَ۔ رواہ الحاکم فی مستدرکہ کما فی المشکوٰۃ“

ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک بڑی آزمائش کا ذکر فرمایا جو اس امت کو پیش آنے والی ہے۔ ایک زمانے میں اتنا شدید ظلم ہوگا کہ کہیں پناہ کی جگہ نہ ملے گی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ میری اولاد میں ایک شخص کو پیدا فرمائے گا جو زمین کو عدل و انصاف سے پھر ویسا ہی بھر دے گا جیسا وہ پہلے ظلم وجور سے بھر چکی ہوگی زمین اور آسمان کے باشندے سب اس سے راضی ہوں گے۔ آسمان اپنی تمام بارش موسلا دھار برسائے گا اور زمین اپنی سب پیداوار نکال کر رکھ دے گی یہاں تک کہ زندہ لوگوں کو تمنا ہوگی کہ ان سے پہلے جو لوگ تنگی و ظلم کی حالت میں گزر گئے ہیں کاش وہ بھی اس سماں کو دیکھتے۔ اسی برکت کے حال پر وہ سات یا آٹھ یا نو سال تک زندہ رہے گا۔ (مشکوٰۃ باب اشراط الساعۃ ص ۴۷۱، مستدرک بتغسیر یسر ص ۶۵۹ ج ۵ حدیث نمبر ۸۴۸۶)

(۱۳)……… ”عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ بَیْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اِذَا قَبَلَ فِتْیَۃٌ مِّنْ بَنِیْ ہَاشِمٍ فَلَمَّا رَاٰھُمُ النَّبِیُّ ﷺ اِغْرَوْرَقَتْ عَیْنَاہُ وَتَغَیَّرَ لَوْنُہٗ قَالَ فَقُلْتُ مَانَزَالُ نَرٰی فِیْ وَجْھِكَ شَیْئًا نَکْرَھُہٗ فَقَالَ اِنَّا اَھْلَ الْبَیْتِ اِخْتَارَ اللّٰہُ لَنَا الْاٰخِرَۃَ عَلَی الدُّنْیَا وَاِنَّ اَھْلَ بَیْتِیْ سَیَلْقَوْنَ بَعْدِیْ بَلَاءً وَّتَشْدِیْدًا وَّتَطْرِیْدًا حَتّٰی یَاْتِیَ قَوْمٌ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ مَعَھُمْ رَاٰیَاتٌ سُوْدٌ فَیَسْئَلُوْنَ الْخَیْرَ فَلَا یُعْطَوْنَہٗ فَیُقَاتِلُوْنَ فَیُنْصَرُوْنَ فَیُعْطَوْنَ مَاسَاَلُوْافَلَا یَقْبَلُوْنَہٗ حَتّٰی یَدْفَعُوْھَا اِلٰی رَجُلٍ مِنْ اَھْلِ بَیْتِیْ فَیَمْلَؤُھَا قِسْطًا کَمَا مَلَؤُھَا جَوْرًا فَمَنْ اَدْرَكَ ذَالِكَ مِنْکُمْ فَلْیَاْتِھِمْ وَلَوْحَبْوًا عَلَی الثَّلْجِ(رواہ ابن ماجہ قال السندھی الظاہر انہ اشارۃ الی المہدی الموعود ولذالك ذکر المصنف ھذا الحدیث فی ھذالباب واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب وفی الزوائد اسنادہ ضعیف لضعف یزیدبن ابی زیادالکوفی لکن مم ینفرد یزید ابن ابی زیاد عن ابراھیم فقد رواہ الحاکم فی المستدرك من طریق عمروبن قیس عن الحکم عن ابراھیم قلت ورواہ السیوطی فی الحاوی

ص٦٠ ج٢ برواية ابن ابى شيبة ونعيم بن حماد وابى نعيم وفى اٰخره فانه المهدى”

﴿عبد اللہؓ بیان فرماتے ہیں ہم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ بنو ہاشم کے چند نوجوان آپ ﷺ کے سامنے آئے۔ جب آپ ﷺ نے ان کو دیکھا تو آپ ﷺ کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈب ڈبا گئیں اور آپ کا رنگ بدل گیا۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا بات ہے۔ ہم آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر وہ آثار غم دیکھتے ہیں جس سے ہمارا دل آزردہ ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہمارے گھرانوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی بجائے آخرت عنایت فرمائی ہے۔ میرے بعد میرے اہل بیت کو بڑی آزمائشوں کا سابقہ پڑے گا۔ ہر طرف سے بھگائے اور نکالے جائیں گے۔ یہاں تک کہ ایک قوم مشرق کی طرف سے کالے جھنڈے لئے ہوئے آئے گی۔ میرے اہل بیت ان سے طالب خیر ہوں گے لیکن وہ ان کو نہیں دیں گے۔ اس پر سخت جنگ ہوگی۔ آخر وہ شکست کھائیں گے اور جو ان سے طلب کیا تھا پیش کریں گے مگر وہ اس کو قبول نہ کر سکیں گے۔ آخر کار وہ ان جھنڈوں کو ایک ایسے شخص کے حوالہ کریں گے جو میرے اہل بیت سے ہوگا۔ وہ زمین کو عدل وانصاف سے پھر اسی طرح بھر دے گا جیسا لوگوں نے اس سے قبل ظلم وتعدی سے بھر دیا ہوگا۔ لہذا تم میں سے جس کو اس کا زمانہ ملے وہ ضرور اس کے ساتھ ہو جائے۔ اگرچہ اس کو برف پر گھسٹ کر چلنا پڑے۔ (ابن ماجہ ص ۲۹۹)﴾

(۱۴)............“عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُقْتَلُ عِنْدَ كِبَرِكُمْ ثَلَاثَةٌ كُلُّهُمْ اِبْنُ خَلِيْفَةٍ ثُمَّ لَايَصِيْرُاِلٰى وَاحِدٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَطْلُعُ الرَّاْيَاتُ السُّوْدُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ فَيَقْتُلُوْنَكُمْ قَتْلاً لَمْ يَقْتُلْهُ قَوْمٌ ثُمَّ ذَكَرَ شَيْئًا لَا اَحْفَظُهٗ فَقَالَ اِذَا رَأَيْتُمُوْهُ فَبَايِعُوْهُ وَلَوْ حَبْوًا عَلَى الثَّلْجِ فَاِنَّهٗ خَلِيْفَةُ اللّٰهِ الْمَهْدِىُّ (رواه ابن ماجه) قال السندهى اخرجا ابوالحسن بن سفيان فى مسنده وابو نعيم فى كتاب المهدى من طريق ابراهيم بن سويد الشامى فى الزوائد هذا اسناده صحيح رجاله ثقات ورواه الحاكم فى المستدرك”

﴿ثوبانؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے بڑھاپے میں تین آدمی خلفاء کی اولاد میں سے قتل ہوں گے پھر ان کے خاندان میں سے کسی کو امارت نہیں ملے گی پھر مشرق کی طرف سے کالے جھنڈے نمایاں ہوں گے اور تم کو اس بری طرح سے قتل کریں گے کہ کسی قوم نے اس طرح قتل عام نہ کیا ہو گا۔ اس کے بعد انہوں نے کچھ اور بیان فرمایا جو مجھ کو یاد نہیں ہے پھر فرمایا جب اس شخص کو تم دیکھو تو اس سے بیعت کر لینا۔ اگرچہ برف کے اوپر گھسٹ کر چلنا پڑے کیونکہ وہ اللہ کا خلیفہ مہدی ہو گا۔ (ابن ماجہ ص ۳۰۰)﴾

(۱۵)............"عَنْ ثَوْبَانَ مَوْلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَارَأَیْتُمُ الرَّأیَاتِ السُّوْدَ قَدْ جَائَتْ مِنْ قِبَلِ خُرَاسَانَ فَأْتُوْهَا وَلَوْ حَبْوًا عَلَی الثَّلْجِ فَاِنَّ فِیْهَا خَلِیْفَةَ اللّٰهِ الْمَهْدِیَّ۔ رواه احمد والبیهقی فی الدلائل وسنده صحیح کذافی الاذاعة ص۶۸"

﴿ثوبانؓ جو آنحضرت ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جب تم دیکھو کہ سیاہ جھنڈے خراسان کی جانب سے آ رہے ہیں تو ان میں شامل ہو جانا۔ اگرچہ برف کے اوپر گھٹنوں کے بل چلنا ہی کیوں نہ پڑے کیونکہ ان میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ مہدی ہو گا۔ (احمد ص ۲۷۷ ج ۵)﴾

(۱۶)............"عَنْ اَبِی الصِّدِّیْقِ النَّاجِیْ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ یَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیَ الْمَهْدِیُّ اِنْ قَصُرَفَسَبْعٌ وَّاِلاَّ فَتِسْعٌ تَنْعُمُ اُمَّتِیْ فِیْهِ نِعْمَةً لَّمْ یَنْعَمُوْا مِثْلَهَا قَطُّ تُؤْتِی الْاَرْضُ اُکُلَهَا لاَ تَدَّخِرُعَنْهُمْ شَیْئًا وَالْمَالُ یَوْمَئِذٍ کُدَاسٌ یَقُوْمُ الرَّجُلُ فَیَقُوْلُ یَامَهْدِیُّ اَعْطِنِیْ فَیَقُوْلُ خُذْ۔ رواه الحاکم فی المستدرک واخرج حدیث ابی سعید من طرق متعددة وحکم علی بعضها بانه علی شرط الشیخین ورواه ابن ماجه وفیه زید العمی ص۵۵۸ ج ٤"

﴿ابو الصدیق ناجی بیان کرتے ہیں کہ ابو سعید خدریؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت

کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے میری امت میں مہدی ہوگا جو کم سے کم سات سال ورنہ نو سال تک رہے گا۔ ان کے زمانے میں میری امت اتنی خوشحال ہوگی کہ اس سے قبل کبھی ایسی خوشحال نہ ہوئی ہوگی۔ زمین اپنی ہر قسم کی پیداوار ان کے لئے نکال کر رکھ دے گی اور کچھ بچا کر نہ رکھے گی اور مال اس زمانے میں کھلیان میں اناج کے ڈھیر کی طرح پڑا ہوگا۔ حتیٰ کہ ایک شخص کھڑا ہو کر کہے گا۔ اے مہدی! مجھے کچھ دیجئے وہ فرمائیں گے۔ جتنا مرضی میں آئے اٹھالے۔ (ابن ماجہ ص ۳۰۹)﴾

(۱۷)........ ”عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ خَشِیْنَا اَنْ یَّکُوْنَ بَعْدَ نَبِیِّنَا حَدَثٌ فَسَأَلْنَا نَبِیَّ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّ فِیْ اُمَّتِی الْمَهْدِیَّ یَخْرُجُ یَعِیْشُ خَمْسًا اَوْ سَبْعًا اَوْ تِسْعًا زَیْدُ الشَّاكُّ قَالَ قُلْنَا وَمَاذَاكَ قَالَ سِنِیْنَ قَالَ فَیَجِئُ اِلَیْهِ الرَّجُلُ فَیَقُوْلُ یَامَهْدِیُّ اَعْطِنِیْ اَعْطِنِیْ قَالَ فَیُحْثِیْ لَهٗ فِیْ ثَوْبِهٖ مَااسْتَطَاعَ اَنْ یَّحْمِلَهٗ . رواه الترمذی وقال هذا حدیث حسن وقدروی من غیر وجه عن ابی سعید عن النبی ﷺ وابوالصدیق الناجی اسمه بکر بن عمرو ویقال بکر بن قیس وفی اسناده زید العمی وروی البزار نحوه ورجاله ثقات کما فی الاذاعة .“

﴿ابو سعید خدریؓ بیان فرماتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت ﷺ کے بعد وقوع حوادث کے خیال سے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ آپ ﷺ کے بعد کیا ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا میری امت میں مہدی ہوگا جو پانچ یا سات یا نو تک حکومت کرے گا۔ (زید راوی حدیث کو ٹھیک مدت میں شک ہے) میں نے پوچھا کہ اس عدد سے کیا مراد ہے؟۔ انہوں نے فرمایا سال۔ ان کا زمانہ ایسی خیر و برکت کا ہوگا کہ ایک شخص ان سے آکر سوال کرے گا اور کہے گا کہ اے مہدی! مجھ کو کچھ دیجئے مجھ کو کچھ دیجئے یہ کہتے ہیں کہ امام مہدی ہاتھ بھر بھر کر اس کو اتنا مال دیں گے جتنا اس سے اٹھ سکے گا۔ (ترمذی ص ۴۷ ج۲)﴾

(۱۸)........ ”عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَخْرُجُ فِیْ اٰخِرِ اُمَّتِی الْمَهْدِیُّ یَسْقِیْهِ اللّٰهُ الْغَیْثَ وَتَخْرُجُ الْاَرْضُ نَبَاتَهَا

وَيُعْطِي الْمَالَ صِحَاحًا وَتَكْثُرُ الْمَا شِيَةُ وَتَعْظُمُ الْأُمَّةُ وَيَعِيْشُ سَبْعًا اَوْثَمَانِيًا يَعْنِي حِجَجًا۔ اخرجه الحاكم فی المستدرك وفيه سليمان بن عبيد ذکر ابن حبان فی الثقات ولم يروان احد اتكلم فيه۔ كذافی الاذاعة"

﴿ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کے آخر میں ایک شخص مہدی ظاہر ہو گا جس کے دور میں اللہ تعالیٰ خوب بارش نازل فرمائے گا۔ اور زمین کی پیداوار بھی خوب ہو گی اور مال حصہ رسد سب کو برابر تقسیم کرے گا اور مویشیوں کی کثرت ہو جائے گی اور امت کو بہت عظمت حاصل ہو گی۔ سات یا آٹھ سال تک اس فراوانی سے رہے گا۔ راوی کہتا ہے کہ سات یا آٹھ سے آپ ﷺ کی مراد "سال" تھے۔ (مستدرک ص ۲۷۷ ج ۵ حدیث نمبر ۸۷۱۶)﴾

(۱۹)........... "عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أُبَشِّرُكُمْ بِالْمَهْدِیِّ يُبْعَثُ فِیْ أُمَّتِیْ عَلَى اخْتِلَافٍ مِّنَ النَّاسِ وَزَلَازِلَ فَيَمْلَأُ الْأَرْضُ قِسْطًا وَّعَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ جَوْرًا وَّظُلْمًا يَرْضٰى عَنْهُ سَاكِنُ السَّمَا وَسَاكِنُ الْأَرْضِ يَقْسِمُ الْمَالَ صِحَاحًا فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ مَاصِحَاحًا؟ قَالَ بِالسَّوِيَّةِ بَيْنَ النَّاسِ قَالَ وَيَمْلَأُ قُلُوْبَ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ غِنًی وَيَسَعُهُمْ عَدْلُهٗ حَتّٰى يَأْمُرَمُنَادِيًا يُّنَادِیْ فَيَقُوْلُ مَنْ لَهٗ فِیْ مَالٍ حَاجَةٌ فَمَا يَقُوْمُ مِنَ النَّاسِ اَحَدٌ اِلاَّ رَجُلٌ وَاحِدٌ فَيَكُوْنُ كَذَالِكَ سَبْعَ سِنِيْنَ۔ قال السيوطی فی الحاوی رواه احمد فی مسنده وابويعلی بسند جيد وفی الاذاعة رجالهما ثقات"

﴿ابو سعید خدریؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا میں تم کو مہدی کی بشارت دیتا ہوں جو ایسے زمانے میں ظاہر ہوں گے جبکہ لوگوں میں بڑا اختلاف ہو گا اور بڑے زلزلے آئیں گے وہ آکر پھر زمین کو عدل وانصاف سے اسی طرح بھر دیں گے جیسا کہ وہ اس کی آمد سے قبل ظلم وجور سے بھر چکی ہو گی آسمان کے فرشتے اور زمین کے باشندے سب اس سے راضی ہوں گے اور مال تقسیم کریں گے صحاحاً۔ سوال کیا گیا صحاح معنی کیا ہیں؟ فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ انصاف کے ساتھ سب میں برابر (مال تقسیم

کریں گے) اور امت محمدیہ کے دل غنا سے بھر دیں گے اس کا انصاف بلا تخصیص سب میں عام ہوگا (اس کے زمانے میں فراغت کا یہ عالم ہوگا کہ) وہ ایک اعلان کرنے والے کو حکم دیں گے وہ اعلان کرے گا کسی کو مال کی ضرورت باقی ہے؟ تو صرف ایک شخص کھڑا ہوگا اسی حالت پر سات سال کا عرصہ گزرے گا۔ (احمد ص ۳۷ ج ۳)﴾

(۲۰)……… "عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ قَالَ حَدَّثَنِیْ خَلِیْلِیْ اَبُوالْقَاسِمِ صلی اللہ علیہ وسلم لَاتَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی یَخْرُجَ عَلَیْہِمْ رَجُلٌ مِنْ اَہْلِ بَیْتِیْ فَیَضْرِبُہُمْ حَتّٰی یَرْجِعُوْا اِلَی الْحَقِّ قَالَ قُلْتُ وَکَمْ یَمْلِکُ قَالَ خَمْسًا وَّاثْنَیْنِ قَالَ قُلْتُ وَمَا خَمْسًا وَّاثْنَیْنِ قَالَ لَاَادْرِیْ. اخرجه ابويعلى وفيه الرجاابن الرجا. وثقه ابوزرعة وضعفه ابن معين وبقية رجاله ثقات قاله الشوكانى كذافى الاذاعة"

﴿ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ مجھ سے میرے خلیل ابوالقاسم ﷺ نے بیان فرمایا (ابوالقاسم رسول اللہ ﷺ کی کنیت ہے) قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص ظاہر نہ ہو۔ وہ اہل دنیا کو زبردستی راہ حق پر قائم کرے گا۔ راوی کہتے ہیں میں نے پوچھا اس کی حکومت کتنے دن قائم رہے گی۔ انہوں نے فرمایا پانچ اور دو (یعنی سات) یہ کہتے ہیں میں نے پوچھا ۵ اور دو کیا؟۔ انہوں نے کہا یہ میں نہیں جانتا کہ مراد سات سال تھے یا مہینے گزشتہ روایات سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ یہاں سال ہی مراد ہیں۔ (مسند ابویعلی)﴾

(۲۱)……… "عَنْ یُسَیْرِبْنِ جَابِرٍ قَالَ ہَاجَتْ رِیْحٌ حَمْرَاءُ بِالْکُوْفَۃِ فَجَاءَ رَجُلٌ لَیْسَ لَہٗ ہِجِّیْرٰی اِلَّا یَاعَبْدَاللّٰہِ بْنَ مَسْعُوْدٍ جَاءَ تِ السَّاعَۃُ قَالَ فَقَعَدَ وَکَانَ مُتَّکِئًا فَقَالَ اِنَّ السَّاعَۃَ لَاتَقُوْمُ حَتّٰی لَایُقْسَمُ مِیْرَاثٌ وَلَا یُفْرَحُ بِغَنِیْمَۃٍ ثُمَّ قَالَ بِیَدِہٖ ہٰکَذَا وَنَحَّاہَا نَحْوَ الشَّامِ فَقَالَ عَدُوٌّ یَجْمَعُوْنَ لِاَہْلِ الشَّامِ وَیَجْمَعُ لَہُمْ اَہْلُ الْاِسْلَامِ قُلْتُ الرُّوْمَ تَعْنِیْ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَیَکُوْنُ عِنْدَ ذَاکُمُ الْقِتَالُ رِدَّۃً شَدِیْدَۃً فَیَتَشَرَّطُ الْمُسْلِمُوْنَ شُرْطَۃً لِلْمَوْتِ لَاتَرْجِعُ اِلَّا

غَالِبَةً فَيَقْتَتِلُوْنَ حَتّٰى يَحْجُزَ بَيْنَهُمُ اللَّيْلُ فَيَفِئُى هٰؤُلَاءِ وَهٰؤُلَاءِ كُلٌّ غَيْرُ غَالِبٍ وَتَفْنَى الشُّرْطَةُ ثُمَّ يَشْتَرِطُ الْمُسْلِمُوْنَ شُرْطَةً لِلْمَوْتِ لَاتَرْجِعُ اِلاَّ غَالِبَةً فَيَقْتَتِلُوْنَ حَتّٰى يَحْجُزَ بَيْنَهُمُ اللَّيْلُ فَيَفِئُ هٰؤُلَاءِ وَهٰؤُلَاءِ كُلٌّ غَيْرَ غَالِبٍ وَتَفْنَى الشُّرْطَةُ ثُمَّ يَشْتَرِطُ الْمُسْلِمُوْنَ شُرْطَةً لِلْمَوْتِ لَا تَرْجِعُ اِلاَّ غَالِبَةً فَيَقْتَتِلُوْنَ حَتّٰى يُمْسَوْا فَيَفِئُ هٰؤُلَاءِ وَهٰؤُلَاءِ كُلٌّ غَيْرَ غَالِبٍ وَتَفْنَى الشُّرْطَةُ فَاِذَا كَانَ الْيَوْمُ الرَّابِعُ نَهَدَاِلَيْهِمْ بَقِيَّةُ اَهْلِ الْاِسْلَامِ فَيَجْعَلُ اللّٰهُ الدَّابِرَةَ عَلَيْهِمْ فَيَقْتَتِلُوْنَ مَقْتَلَةً اِمَّا قَالَ لَايُرٰى مِثْلُهَا وَاِمَّا قَالَ لَمْ يُرَ مِثْلُهَا حَتّٰى اِنَّ الطَّائِرَ لَيَمُرُّ بِجَنَبَا تِهِمْ فَمَا يَخْلِفُهُمْ حَتّٰى يَخِرَّ مَيِّتًا فَيُتَعَادُّ بَنُوا لْاَبِ كَانُوْا مِائَةً فَلَا يَجِدُوْنَهٗ بَقِيَ مِنْهُمْ اِلاَّ الرَّجُلُ الْوَاحِدُ فَبِاَيِّ غَنِيْمَةٍ يُفْرَحُ اَوْاَيِّ مِيْرَاثٍ يُقَاسَمُ فَبَيْنَا هُمْ كَذَالِكَ اِذْ سَمِعُوْا بِبَأْسٍ هُوَاَكْبَرُ مِنْ ذٰلِكَ فَجَاءَ هُمُ الصَّرِيْخُ اِنَّ الدَّجَّالَ قَدْخَلَّفَهُمْ فِيْ ذَرَارِيِّهِمْ فَيَرْفُضُوْنَ مَافِيْ اَيْدِيْهِمْ وَيُقْبِلُوْنَ فَيَبْعَثُوْنَ عَشَرَ فُوَارِسَ طَلِيْعَةً قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنِّيْ لَاَعْرِفُ اَسْمَاءَ هُمْ وَاَسْمَاءَ اٰبَائِهِمْ وَاَلْوَانَ خُيُوْلِهِمْ هُمْ خَيْرُ فَوَارِسَ عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ يَوْمَئِذٍ اَوْمِنْ خَيْرِ فَوَارِسَ عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ يَوْمَئِذٍ۔ رواہ مسلم”

۞ یسیر بن جابر سے روایت ہے کہ ایک بار کوفہ میں لال آندھی آئی۔ ایک شخص آیا جس کا تکیہ کلام یہی تھا۔ اے عبداللہ بن مسعودؓ قیامت آئی۔ یہ سن کر عبداللہ بن مسعودؓ بیٹھ گئے پہلے تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ قیامت نہ قائم ہو گی۔ یہاں تک کہ ترکہ نہ بٹے گا اور مال غنیمت سے کچھ خوشی نہ ہو گی (کیونکہ جب کوئی وارث ہی نہ رہے گا تو ترکہ کون بانٹے گا اور جب کوئی لڑائی سے زندہ نہ بچے گا تو مال غنیمت کی کیا خوشی ہو گی) پھر شام کے ملک کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمایا اور کہا (نصاریٰ) دشمن مسلمانوں سے جنگ کے لئے جمع ہوں گے اور مسلمان بھی ان سے لڑنے کے لئے جمع ہوں گے۔ میں نے کہا دشمن سے آپ کی مراد نصاریٰ ہیں؟۔ انہوں نے فرمایا ”ہاں“ اور اس وقت لڑائی شروع ہو گی۔ مسلمان ایک لشکر کو آگے بھیجیں گے جو مرنے کی شرط لگا کر آگے بڑھے گا۔ یعنی اس قصد سے

لڑے گا کہ یا مر جائیں گے یا فتح کر کے آئیں گے پھر دونوں لشکروں میں جنگ ہو گی۔ یہاں تک کہ رات ہو جائے گی اور دونوں طرف کی فوجیں لوٹ جائیں گی۔ کسی کو غلبہ نہ ہو گا اور جو لشکر لڑائی کے لئے بڑھا تھا وہ بالکل فنا ہو جائے گا۔ (یعنی سب مارا جائے گا) دوسرے دن پھر مسلمان ایک لشکر آگے بڑھائیں گے جو مرنے کے لئے اور غالب ہونے کے لئے جائے گا اور لڑائی ہوتی رہے گی۔ یہاں تک کہ رات ہو جائے گی پھر دونوں طرف کی فوجیں لوٹ جائیں گی اور کسی کو غلبہ نہ ہو گا جو لشکر آگے بڑھا تھا وہ فنا ہو جائے گا پھر تیسرے دن مسلمان ایک لشکر آگے بڑھائیں گے۔ مرنے یا غالب ہونے کی نیت سے اور شام تک لڑائی رہے گی پھر دونوں کی طرف کی فوجیں لوٹ جائیں گی اور کسی کو غلبہ نہ ہو گا اور وہ لشکر بھی فنا ہو جائے گا۔ جب چوتھا دن ہو گا جو جتنے مسلمان باقی رہ جائیں گے وہ سب آگے بڑھیں گے۔ اس دن اللہ تعالیٰ کافروں کو شکست دے گا اور ایسی لڑائی ہو گی کہ ویسی کوئی نہ دیکھے گا یا ویسی لڑائی کسی نے نہ دیکھی ہو گی۔ (راوی کو لفظ میں شک ہے) یہاں تک کہ پرندہ ان کے اوپر یا ان کی نعشوں سے پرواز کرے گا پر آگے نہیں بڑھے گا کہ وہ مردہ ہو کر گر جائے گا (یعنی اس کثرت کے ساتھ لاشیں ہی لاشیں ہو جائیں گی) اور جب ایک دادا کی اولاد کی مردم شماری کی جائے گی تو فیصدی ۹۹ آدمی مارے جا چکے ہوں گے اور صرف ایک بچا ہو گا۔ ایسی حالت میں کون سے مال غنیمت سے خوشی ہو گی اور کون سا ترکہ تقسیم ہو گا۔ پھر مسلمان اسی حالت میں ہوں گے کہ ایک اور بڑی آفت کی خبر سنیں گے اور وہ یہ کہ شور مچے گا کہ ان کے بال بچوں میں دجال آگیا ہے۔ یہ سنتے ہی جو کچھ ان کے ہاتھوں میں ہو گا سب چھوڑ کر روانہ ہو جائیں گے اور دس سواروں کو لین ڈوری کے طور پر روانہ کریں گے (تاکہ دجال کی خبر کی تحقیق کر کے لائیں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ان سواروں کے اور ان کے باپوں کے نام جانتا ہوں اور ان کے گھوڑوں کے رنگ بھی جانتا ہوں۔ وہ اس وقت تمام روئے زمین کے بہتر سوار ہوں گے یا بہتر سواروں میں سے ہوں گے۔ (مسلم شریف' کتاب الفتن واشراط الساعۃ ص۳۹۲ج۲)

(۲۲)......... "عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ ھَلْ سَمِعْتُمْ بِمَدِ

يُنَةٍ جَانِبٌ مِنهَا فِى الْبَرِّ وَجَانِبٌ مِنهَا فِى الْبَحْرِ قَالُوْا نَعَمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَغْزُوْهَا سَبْعُوْنَ اَلْفًا مِنْ بَنِىْ اِسْحَاقَ فَاِذَا جَاؤُهَا نَزَلُوْا فَلَمْ يُقَاتِلُوْ بِسَلَاحٍ وَلَمْ يَرْمُوْا بِسَهْمٍ قَالُوْا لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ فَيَسْقُطُ اَحَدُ جَانِبَيْهَا قَالَ ثَوْرُ (ابن يزيد الراوى) لَا اَعْلَمُهٗ اِلاَّ قَالَ الَّذِىْ فِى الْبَحْرِ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ الثَّانِيَةَ لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ فَيَسْقُطُ جَانِبُهَا الاٰخَرُ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ الثَّالِثَةَ لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ فَيُفَرَّجُ لَهُمْ فَيَدْخُلُوْنَهَا فَيَغْنَمُوْنَ فَبَيْنَا هُمْ يَقْتَسِمُوْنَ الْمَغَانِمَ اِذَا جَاءَهُمُ الصَّرِيْخُ فَقَالَ اَنَّ الدَّجَّالَ قَدْ خَرَجَ فَيَتْرُكُوْنَ كُلَّ شَىْءٍ وَيَرْجِعُوْنَ ۰ مسلم"

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے وہ شہر سنا ہے جس کی ایک جانب خشکی میں اور دوسری جانب سمندر میں ہے ؟۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ سنا ہے۔ آپ نے فرمایا قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی۔ جب تک کہ بنو اسحاق کے ستر ہزار مسلمان اس پر چڑھائی نہ کریں۔ جب وہ اس شہر کے پاس جاکر اتریں گے تو نہ کسی ہتھیار سے لڑیں گے نہ کوئی تیر چلائیں گے۔ بلکہ ایک نعرہ تکبیر لگائیں گے جس کی برکت سے شہر کی ایک جانب گر پڑے گی تو ابن یزید جو اس حدیث کا ایک راوی ہے۔ کہتا ہے جہاں تک مجھے یاد ہے مجھ سے بیان کرنے والے نے اس جانب کے متعلق یہ بیان کیا تھا کہ وہ جانب سمندر کے رخ والی ہو گی۔ اس کے بعد پھر دوبارہ نعرہ تکبیر لگائیں گے تو اس کی دوسری جانب بھی گر جائے گی، اس کے بعد جب تیسری بار نعرہ تکبیر بلند کریں گے تو دروازہ کھل جائے گا اور وہ اس میں داخل ہو جائیں گے اور مال غنیمت حاصل کریں گے۔ اس درمیان میں کہ وہ مال غنیمت تقسیم کر رہے ہوں گے کہ آواز آئے گی۔ دیکھو وہ دجال نکل پڑا۔ یہ سنتے ہی وہ سب مال و متاع چھوڑ کر لوٹ پڑیں گے۔ (مسلم ص ۳۹۶ ج ۲ کتاب الفتن واشراط الساعۃ)

دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ قسطنطنیہ کا ہے۔ یہاں نعرہ تکبیر سے شہر کے فتح ہو جانے پر تعجب کرنے والے مسلمان ذرا غور و فکر کے ساتھ ایک بار اپنی گزشتہ تاریخ کا مطالعہ کریں تو ان کو معلوم ہو گا کہ مسلمانوں کی فتوحات کی تاریخ اس قسم کے

عجائبات سے معمور ہے اور سچ یہ ہے کہ اگر اس قسم کی غیبی امدادیں ان کے ساتھ نہ ہوتیں تو اس زمانے میں جبکہ نہ دخانی جہاز تھے نہ فضائی طیارے اور نہ موٹر، پھر ربع سکوں میں اسلام کو پھیلا دینا یہ کیسے ممکن تھا۔ آج جبکہ مادی طاقتوں نے سیر و سیاحت کا مسئلہ بالکل آسان کر دیا ہے جس حصہ زمین میں ہم پہنچتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ہم سے پہلے وہاں پہنچ چکا تھا۔ علاء بن حضرمی صحابیؓ اور ابو مسلم خولانیؒ کا معہ اپنی فوج کے سمندر کو خشکی کی طرح عبور کر جانا تاریخ کا واقعہ ہے۔ خالد بن ولیدؓ کے سامنے مقام حیرہ میں زہر کا پیالہ پیش ہونا اور ان کا بسم اللہ کہہ کر نوش کر لینا اور اس کا نقصان نہ کرنا بھی تاریخ کی ایک حقیقت ہے۔ سفینہ آپ ﷺ کے غلام کا نام ہے کا روم میں ایک جگہ گم ہو جانا اور ایک شیر کا گردن جھکا کر ان کو لشکر تک پہنچانا اور حضرت عمرؓ کا مدینہ میں منبر پر اپنے جنرل ساریہ کو آواز دینا اور مقام نہاوند میں ان کا سن لینا اور حضرت عمرؓ کے خط سے دریائے نیل کا جاری ہو جانا۔ یہ تمام تاریخ کے مستند حقائق ہیں۔ ان واقعات کے سوا جو بسلسلہ سند ثابت ہیں۔ ہندوستان کے بہت سے عجیب واقعات ایسے بھی ثابت ہیں جن میں سے کسی کسی کی شہادت تو انگریزوں کی زبان سے بھی ثابت ہے۔

(۲۳)........."عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَخِیْسُ الرُّوْمُ عَلٰی وَالٍ مِنْ عِتْرَتِیْ یُوَاطِئُ اِسْمُہٗ اِسْمِیْ فَیَقْتَتِلُوْنَ بِمَکَانٍ یُقَالُ لَہٗ الْعِمَاقُ فَیَقْتَتِلُوْنَ فَیُقْتَلُ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ الثُّلُثُ اَوْنَحْوَ ذٰلِکَ ثُمَّ یَقْتَتِلُوْنَ الْیَوْمَ الْاٰ خَرَفَیُقتَلُ مِنَ الْمُسْلِمِیْن نَحْوُذٰلِکَ ثُمَّ یَقْتَتِلُوْنَ الثَّالِثَ فَیَکِرُّوْنَ اَھْلَ الرُّوْمِ فَلَا یَزَالُوْنَ حَتّٰی یَفْتَحُوْنَ الْقُسْطَنْطِنُیَۃَ فَبَیْنَمَاھُمْ یَقْتَسِمُوْنَ فِیْھَا بِالْاَتْرَاسِ اِذَا تَاھُمْ صَارِخٌ اَنَّ الدَّجَّالَ قَدْ خَلَّفَکُمْ فِیْ ذَرَارِیِّکُمْ ۰ اخرجه الخطیب فی المتفق والمقترق کذافی الا ذاعة ص٢٦"

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رومی میرے خاندان کی ایک ولی سے عہد شکنی کریں گے۔ جس کا نام میرے ہی نام کی طرح ہو گا۔ پھر وہ عماق نامی جگہ پر جنگ کریں گے اور مسلمانوں کا تہائی لشکر تقریباً اتنا ہی شہید کر دیا جائے

گا۔ پھر دوسرے دن جنگ کریں گے اور اتنی ہی مقدار شہید کر دی جائے گی۔ پھر تیسرے دن جنگ کریں گے اور مسلمان پلٹ کر رومیوں پر حملہ آور ہوں گے اور جنگ کا یہ سلسلہ قائم رہے گا۔ حتی کہ وہ قسطنطنیہ فتح کرلیں گے پھر اس دوران میں کہ وہ ڈھالیں بھر بھر کر مال غنیمت تقسیم کر رہے ہوں گے کہ ایک آواز لگانے والا یہ آواز لگائے گا کہ دجال تمہاری اولاد کے پیچھے لگ گیا ہے۔ ۞

(۲۴)............ ”عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ مَرْفُوْعًا قَالَ سَتَکُوْنَ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَ الرُّوْمِ اَرْبَعُ هُدَنٍ یَوْمُ الرَّابِعَةِ عَلٰی یَدِرَجُلٍ مِنْ اٰلِ هَارُوْنَ یَدُوْمُ سَبْعَ سِنِیْنَ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ اِمَامُ النَّاسِ یَوْمَئِذٍ قَالَ مِنْ وُلْدِیْ اِبْنُ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً کَاَنَّ وَجْهَهٗ کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ فِیْ خَدِّهِ الْاَیْمَنِ خَالٌ اَسْوَدُ عَلَیْهِ عَبَایَتَانِ قَطْوَانِیَّتَانِ کَاَنَّهٗ مِنْ رِجَالِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ یَمْلَكُ عِشْرِیْنَ سَنَةً یَسْتَخْرِجُ الْکُنُوْزَ وَیَفْتَحُ مَدَائِنَ الشِّرْكِ. کنزل العمال ج ١٤ ص ٢٦٨ حدیث نمبر ٣٨٦٨٠“

۞ ابو امامہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے اور روم کے درمیان چار مرتبہ صلح ہوگی۔ چوتھی صلح ایسے شخص کے ہاتھ پر ہوگی جو آل ہارون سے ہوگا اور یہ صلح سات سال تک برابر قائم رہے گی۔ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اس وقت مسلمانوں کا امام کون شخص ہوگا۔ آپ نے فرمایا وہ شخص میری اولاد میں سے ہوگا جس کی عمر چالیس سال کی ہوگی۔ اس کا چہرہ ستارہ کی طرح چمکدار اس کے دائیں رخسار پر سیاہ تل ہوگا۔ اور دو قطوانی عبائیں پہنے ہوگا۔ بالکل ایسا معلوم ہوگا جیسا بنی اسرائیل کا شخص بیس سال حکومت کرے گا۔ زمین سے خزانوں کو نکالے گا اور مشرکین کے شہروں کو فتح کرے گا۔ ۞

(۲۵)............ ”عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ فِیْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ وَهُوَ فِیْ قُبَّةٍ مِنْ اَدَمٍ فَقَالَ اُعْدُدْ سِتًّا بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَةِ مَوْتِیْ ثُمَّ فَتْحُ بَیْتِ الْمَقْدِسِ ثُمَّ مُوْتَانٌ یَاْخُذُ فِیْکُمْ کَقُعَاصِ الْغَنَمِ ثُمَّ اسْتِفَاضَةُ الْمَالِ حَتّٰی یُعْطَی الرَّجُلُ مِائَةَ دِیْنَارٍ فَیَظَلُّ سَاخِطًا ثُمَّ فِتْنَةٌ لَا یَبْقٰی بَیْتٌ مِنَ الْعَرَبِ اِلَّا دَخَلَتْهُ ثُمَّ هُدْنَةٌ تَکُوْنُ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَ بَنِی الْاَصْفَرِ فَیَغْدُرُوْنَ فَیَاْتُوْنَکُمْ تَحْتَ

ثَمَانِيْنَ غَايَةً تَحْتَ كُلِّ غَايَةٍ اِثْنَا عَشَرَ اَلْفًا. رواه البخاری ج۱ ص ۴۵۰ باب مایحضرمن الغدر.“

﴿عوف بن مالکؓ سے روایت ہے کہ میں غزوہ تبوک میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ﷺ چمڑے کے خیمہ میں تشریف فرماتھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے چھ باتیں گن رکھو۔ سب سے پہلے میری وفات۔ پھر بیت المقدس کی فتح۔ پھر تم میں عام موت ظاہر ہو گی جس طرح کہ بکریوں میں وبائی مرض پھیل جائے (اور ان کی تباہی کا باعث بن جائے) پھر مال کی بہتات ہو گی۔ حتی کہ ایک شخص کو سو سو دینار دیئے جائیں گے اور وہ خوش نہ ہو گا پھر فتنہ و فساد پھیل پڑے گا اور عرب کا کوئی گھر اس سے باقی نہ رہے گا۔ پھر صلح کی زندگی ہو گی اور یہ تمہارے اور بنی الاصفر (رومی) کے درمیان قائم رہے گی۔ پھر وہ تم سے عہد شکنی کریں گے اور اسی جھنڈوں کے ساتھ تم پر چڑھائی کر دیں گے اور ہر جھنڈے کے نیچے بارہ ہزار کا لشکر ہو گا۔﴾

اس حدیث میں قیامت سے قبل چھ علامات کا ذکر کیا گیا ہے۔ جن کی تعیین میں اگرچہ بہت کچھ اختلافات ہیں اور ان کے ابہام کی وجہ سے ہونے چاہئیں لیکن یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ حدیث مذکور کے بعض الفاظ حضرت امام مہدی کے خروج کی علامات سے اتنے ملتے جلتے ہیں کہ اگر ان کو ادھر ہی اشارہ قرار دیدیا جائے تو ایک قریبی احتمال یہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے اس حدیث کو حضرت امام مہدی علیہ السلام کی بحث میں لکھ دیا گیا ہے۔ یہ لحاظ کئے بغیر کہ محقق ابن خلدون اور ان کے اذناب اس کے معتقد ہیں یا نہیں۔

تنبیہ

یہ بات قابل تنبیہ ہے کہ علماء کے نزدیک مفہوم عدد معتبر نہیں ہے۔ اس لئے مجھ کو اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے کہ قیامت سے قبل اس کے ظہور کی چھ علامات ہیں یا بیش و کم۔ یہ وقت اور علامات کی حیثیت شمار کرنے سے مختلف ہو سکتی ہیں۔ ان کا کسی حیثیت سے چھ ہونا بھی ممکن ہے اور کسی لحاظ سے وہ کم اور زیادہ بھی ہو سکتی ہیں۔ ممکن ہے کہ

وقتی لحاظ سے جن علامات کو آپ ﷺ نے یہاں شمار کرایا ہے۔ ان کا عدد کسی خصوصیت پر مشتمل ہو۔ یہ بات صرف یہاں نہیں بلکہ دیگر حدیثوں کے موضوع میں بھی اگر آپ کے پیش نظر رہے تو بہت سی مشکلات کے لئے موجب حل ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ فضل اعمال کی حدیثوں میں اختلاف ملتا ہے۔ اس کو پیچیدگیوں میں ڈال دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ اختلاف بھی صرف وقتی اور شخصی اختلاف کے لحاظ سے پیدا ہو جانا بہت قرین قیاس ہے۔ مگر کیا کہا جائے منطقی عادات نے ہمارے ذہنی ساخت کو بدل دیا ہے۔ چوں ندید ند حقیقت رہ افسانہ زدند۔

(۲۶)............ "عَنْ ذِیْ مخبر (ھوابن اخی النجاشی خادم رسول اللہ ﷺ) قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ سَتُصَالِحُوْنَ الرُّوْمَ صُلْحًا اٰمِنًا فَتَغْزُوْنَ اَنْتُمْ وَھُمْ عَدُوًّمِنْ وَرَائِکُمْ فَتُنْصَرُوْنَ وَتَغْنِمُوْنَ وَتُسْلِمُوْنَ ثُمَّ تُرْجِعُوْنَ حَتّٰی تَنْزِلُوْا بِمَرْجٍ ذِیْ تُلُوْلٍ فَیَرْفَعُ رَجُلٌ مِنْ اَھْلِ النَّصْرَانِیَۃِ الصَّلِیْبَ فَیَقُوْلُ غَلَبَ الصَّلِیْبُ فَیَغْضَبُ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ فَیَدُ قُّہٗ فَعِنْدَ ذٰلِکَ تَغْدُرُ الرُّوْمُ وَتَجْمَعُ لِلْمَلْحَمَۃِ۔ رواہ ابوداؤد"

﴿ذی مخبرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ تم روم سے صلح کرو گے پوری صلح اور دونوں مل کر اپنے دشمن سے جنگ کرو گے اور تم کو کامیابی ہوگی اور مال غنیمت ملے گا۔ یہاں تک کہ جب ایک زمین پر آکر لشکر اترے گا جس میں ٹیلے ہوں گے اور سبزہ ہوگا تو ایک شخص نصرانیوں میں سے صلیب اونچی کر کے کہے گا کہ صلیب کا بول بالا ہوا۔ اس پر ایک مسلمان کو غصہ آجائے گا۔ وہ اس صلیب کو لے کر توڑ ڈالے گا اور اس وقت نصاریٰ غداری کریں گے اور جنگ عظیم کے لئے سب ایک محاذ پر جمع ہو جائیں گے۔ (ابوداؤد باب مایذکر من ملاحم روم ص ۲۳۲ ج ۲)﴾

(۲۷)............ "عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ اِبْنُ مَرْیَمَ فِیْکُمْ وَاِمَا مُکُمْ مِنْکُمْ (رواہ الشیخان) وفی لفظ لمسلم فَاَمَّکُمْ وفی لفظۃ اخری فامکم منکم"

﴿ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس وقت تمہارا کیا حال

ہو گا جبکہ تمہارے اندر عیسیٰ بن مریم اتریں گے اور اس وقت تمہارا امام وہ شخص ہو گا جو خود تم میں سے ہو گا۔ (بخاری و مسلم) مسلم کے ایک لفظ میں ہے کہ ایک شخص جو تم ہی میں سے ہو گا اور اس وقت کی نماز میں تمہارا امام وہی ہو گا۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۴۹۰ باب نزول عیسیٰ بن مریم، مسلم ج ۱ ص ۸۷ باب نزول عیسیٰ بن مریم)﴾

حدیث مذکور میں: "و امامکم منکم" کی شرح بعض علماء نے یہ بیان کی ہے کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جب نازل ہوں گے تو وہ شریعت محمدیہ ہی پر عمل فرمائیں گے۔ اس لحاظ سے گویا وہ ہم ہی میں سے ہوں گے۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ یہاں امام سے مراد امام مہدی ہیں اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسے زمانے میں نازل ہوں گے جبکہ ہمارا امام خود ہم ہی میں کا ایک شخص ہو گا۔ ان دونوں صورتوں میں امامت سے مراد امامت کبریٰ یعنی امیر و خلیفہ ہے۔

اس مضمون کے ساتھ صحیح مسلم میں "فیقول امیر ہم تعال صل لنا" کا دوسرا مضمون بھی آیا ہے۔ یعنی یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو نماز کا وقت ہو گا اور امام مصلی پر جا چکا ہو گا۔ عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر وہ امام پیچھے ہٹنے کا ارادہ کرے گا اور عرض کرے گا۔ آپ آگے تشریف لائیں اور نماز پڑھائیں مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی کو امامت کا حکم فرمائیں گے اور یہ نماز خود اسی کے پیچھے ادا فرمائیں گے۔ یہاں امامت سے مراد امامت صغریٰ یعنی نماز کا امام مراد ہے۔

اب ظاہر ہے کہ یہ دونوں مضمون بالکل علیحدہ علیحدہ ہیں اور آنحضرت ﷺ سے اسی طرح علیحدہ علیحدہ منقول ہوئے ہیں۔ ابو ہریرہؓ کی حدیث میں لفظ: "وامامکم منکم" سے پہلا مضمون مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے زمانے میں مسلمانوں کا امیر ایک نیک شخص ہو گا جیسا کہ ابن ماجہ کی حدیث میں۔ اس کی وضاحت آچکی ہے۔ (ملاحظہ فرمایئے ترجمان السنہ ص ۵۸۶ ج ۳) اس میں: "وامامکم منکم" کی بجائے: "وامامکم رجل صالح" صاف موجود ہے۔ یعنی تمہارا امام ایک مرد صالح ہو گا۔ اب بعد میں کسی راوی نے اس کو دوسری روایت پر حمل کر کے امام سے مراد امامت

صغریٰ یعنی نماز کی امامت مراد لے لی ہے اور اس لئے اس کو بلفظ : ''امکم'' ادا کر دیا ہے۔ اس کے بعد کسی نے اس کے ساتھ : ''منکم'' کا لفظ اور اضافہ کر دیا ہے اور جب ''امکم'' کے ساتھ لفظ'' منکم'' کی مراد واضح نہ ہو سکی تو پھر اس کی تاویل شروع ہو گئی ہے۔ ورنہ :''امامکم منکم'' کا اصل لفظ بالکل واضح ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی اجمال نہیں ہے۔ ابن ماجہ کی قوی حدیث نے اس کی پوری تشریح بھی کر دی ہے۔ لہٰذا جب صحیح مسلم کی مذکورہ بالا حدیث میں یہ متعین ہو گیا کہ امام سے امیر و خلیفہ مراد ہے تو اب بحث طلب بات صرف یہ رہتی ہے کہ یہ امام اور رجل صالح کیا وہی امام مہدی ہی ہیں یا کوئی دوسرا شخص ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر دوسری روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس امام اور رجل صالح سے مراد ہی امام مہدی ہیں تو پھر امام مہدی کی آمد کا ثبوت خود صحیحین میں ماننا پڑے گا۔ اس کے بعد اب آپ وہ روایات ملاحظہ فرمائیں جن میں یہ مذکور ہے کہ یہاں امام سے مراد امام مہدی ہی ہیں۔ یہ واضح رہنا چاہئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے زمانے میں کسی امام عادل کا موجود ہونا جب صحیحین سے ثابت ہے اور اس دعویٰ کے لئے کوئی ضعیف حدیث بھی موجود نہیں کہ وہ امام' امام مہدی نہ ہوں گے بلکہ کوئی اور امام ہوگا تو اب اس امام کے امام مہدی ہونے کے انکار کیلئے کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ بالخصوص جبکہ دوسری روایات میں اس کے امام مہدی ہونے کی تصریح موجود ہے۔ اسی کے ساتھ جب صحیح مسلم کی حدیثوں میں اس امام کے صفات وہی ہیں جو حضرت امام مہدی کی صفات ہیں تو پھر ان حدیثوں کو بھی امام مہدی کی آمد کا ثبوت تسلیم کر لینا چاہئے۔ اس کے علاوہ حدیثوں کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے جو اگرچہ بلحاظ اسناد ضعیف سہی لیکن صحیح و حسن حدیثوں کے ساتھ ملا کر وہ بھی امام مہدی کی آمد کی حجت کہا جا سکتا ہے۔

(۲۸)..........''عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ الْمَهْدِیُّ یَنْزِل عَلَیْهِ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ وَیُصَلّٰی خَلْفَهٗ عِیْسٰی ۰ اخرجه نعیم بن حماد کذافی الحاوی ص۷۸ ج۲''

﴿ عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم امام مہدی کے بعد نازل ہوں گے اور

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے پیچھے (ایک) نماز ادا فرمائیں گے۔ ﴾

(۲۹)........ "عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مِنَّا الَّذِیْ یُصَلِّیْ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ خَلْفَهٗ. اخرجه ابونعيم كذافى الحاوى ص ٦٤ ج ٢"

﴿ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسی امت میں سے ایک شخص ہوگا جس کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم اقتداء فرمائیں گے۔ ﴾

(۳۰)........ "عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَاتَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ تُقَاتِلُ عَلَی الْحَقِّ حَتّٰی یَنْزِلُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ عِنْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ بِبَیْتِ الْمَقْدِسِ یَنْزِلُ عَلَی الْمَهْدِیِّ فَیُقَالُ تَقَدَّمْ یَانَبِیَّ اللّٰهِ فَصَلِّ بِنَا فَیَقُوْلُ هٰذِهِ الْاُمَّةُ امراءُ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ. اخرجه ابوعمر الدانى فى سننه الحاوى ص۸۳ ج۲ ورواه مسلم ج۱ ص۸۷ باب نزول عيسىٰ بن مريم ايضا ولكن فيه فينزل عيسىٰ بن مريم فيقول اميرهم تعال صل لنا كما فى ترجمان السنه ص٥٨٨ ج۳"

﴿جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کا ایک طائفہ حق کے لئے ہمیشہ مقابلہ کرتا رہے گا۔ یہاں تک کہ عیسیٰ بن مریم امام مہدی کی موجودگی میں بیت المقدس میں طلوع فجر کے وقت اتریں گے۔ ان سے عرض کیا جائے گا یا نبی اللہ آگے تشریف لائیے اور ہم کو نماز پڑھا دیجئے وہ فرمائیں گے یہ امت خود ایک دوسرے کے لئے امیر ہے (اس لئے اس وقت کی نماز تو یہی پڑھائیں) یہ روایت صحیح مسلم میں بھی ہے۔ مگر اس میں "مہدی" کی بجائے "امیر ہم" کا لفظ یعنی مسلمانوں کا امیر عرض کرے گا کہ آپ ہم کو نماز پڑھا دیجئے۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وہی جواب مذکور ہے۔ ﴾

(۳۱)........ "عَنْ حُذَیْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَلْتَفِتُ الْمَهْدِیُّ وَقَدْ نَزَلَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ کَاَنَّمَا یَقْطُرُ مِنْ شَعْرِهِ الْمَاءُ فَیَقُوْلُ الْمَهْدِیُّ تَقَدَّمْ صَلِّ بِالنَّاسِ فَیَقُوْلُ عِیْسٰی اِنَّمَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوةُ لَكَ فَیُصَلِّیْ

خَلْفَ رَجُلٍ مِنْ وُلْدِیْ ۰ اخرجه ابو عمر الدانی فی سننه کذافی الحاوی ص ۸۱ ج ۲"

﴿حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام اتر چکے ہوں گے۔ ان کو دیکھ کر یوں معلوم ہو گا گویا ان کے بالوں سے پانی ٹپک رہا ہے۔ اس وقت امام مہدی ان کی طرف مخاطب ہو کر عرض کریں گے تشریف لائیے اور لوگوں کو نماز پڑھا دیجئے۔ وہ فرمائیں گے اس نماز کی اقامت تو آپ کے لئے ہو چکی ہے اور نماز تو آپ ہی پڑھائیں۔ چنانچہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) یہ نماز میری اولاد میں سے ایک شخص کے پیچھے ادا فرمائیں گے۔﴾

(۳۲)......... "عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَنْزِلُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ فَيَقُوْلُ اَمِيْرُ هُمُ الْمَهْدِيُّ تَعَالَ صَلِّ بِنَا فَيَقُوْلُ وَاِنَّ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ اُمَرَاءُ تَكْرِمَةَ اللّٰهِ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ ۰ اخرجه السیوطی فی الحاوی ص ٦٤ ج ٢ عن ابی نعیم"

﴿جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور لوگوں کے امیر مہدی .... فرمائیں گے کہ آئیے اور ہم کو نماز پڑھائیے۔ وہ جواب دیں گے کہ تم ہی میں سے ایک دوسرے کا امیر ہے اور یہ اس امت کا اعزاز ہے۔﴾

(۳۳)......... "عَنْ ابْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ الْمَهْدِيُّ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَهُوَالَّذِيْ يَؤُمُّ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ ۰ اخرجه ابن ابی شیبة کذافی الحاوی ص ٦٥ ج ٢"

﴿ابن سیرین سے روایت ہے کہ مہدی .... اسی امت سے ہوں گے اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی امامت انجام دیں گے۔﴾

(۳۴)......... "عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَذَكَرَ الدَّجَّالَ وَقَالَ فَتَنْفِي الْمَدِيْنَةُ الْخَبَثَ مِنْهَا كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ

وَيُدْعٰى ذٰلِكَ الْيَوْمُ يَوْمُ الْخَلَاصِ فَقَالَتْ اُمُّ شَرِيْكٍ فَاَيْنَ الْعَرَبُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ۔ قَالَ هُمْ يَوْمَئِذٍ قَلِيْلٌ وَجُلُّهُمْ بَيْتُ الْمَقْدِسِ وَاِمَامُهُمُ الْمَهْدِیُّ رَجُلٌ صَالِحٌ فَبَيْنَمَا اِمَامُهُمْ قَدْ تَقَدَّمَ يُصَلِّیْ بِهِمُ الصُّبْحَ اِذْ نَزَلَ عَلَيْهِمْ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ الصُّبْحَ فَرَجَعَ ذٰلِكَ الْاِمَامُ يَنْكُصُ يَمْشِیْ الْقَهْقَرٰی لِيَتَقَدَّمَ عِيْسٰی فَيَضَعُ عِيْسٰی يَدَهٗ بَيْنَ كَتِفَيْهِ ثُمَّ يَقُوْلُ لَهٗ تَقَدَّمْ فَاِنَّهَا لَكَ اُقِيْمَتْ فَيُصَلِّیْ بِهِمْ اِمَامُهُمْ۔ ابن ماجه ص۲۹۸ باب فتنة الدجال والرويانی وابن خزيمه وابوعوانة والحاكم واللفظ له كذافی الحاوی ص٦٥ ج٢“

﴿ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا اور دجال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ مدینہ گندگی کو اس طرح دور کر دے گا جس طرح کہ بھٹی لوہے کی گندگی کو دور کر دیتی ہے اور یہ دن یوم الخلاص (پاک اور ناپاک کی جدائی کا دن کہلائے گا۔) ام شریکؓ نے دریافت کیا کہ اے رسول اللہ ﷺ اس وقت عرب کہاں ہوں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت ان کی تعداد کم ہوگی اور ان میں بیشتر بیت المقدس میں ہوں گے اور ان کے امام ایک مرد صالح مہدی ہوں گے۔ وہ ایک نیک انسان ہوں گے۔ وہ ایک دن صبح کی نماز کی امامت کے لئے آگے بڑھیں گے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہو جائے گا۔ اور یہ امام (مہدی علیہ السلام) الٹے پاؤں لوٹیں گے تا کہ عیسیٰ علیہ السلام (امامت کیلئے) آگے بڑھیں۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام اپنا ہاتھ ان کے شانوں کے درمیان رکھ دیں گے اور فرمائیں گے کہ آپ آگے بڑھئے اور یہ آپ ہی کے لئے اقامت کہی گئی ہے اور ان کے امام (مہدی..........) نماز پڑھائیں گے۔﴾

(۳۵)..........”عَنْ اَبِیْ نَضْرَةَ قَالَ كُنَّا عِنْدَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ فَقَالَ يُوْشِكُ اَهْلُ الْعِرَاقِ اَنْ لَايَجِئَ اِلَيْهِمْ قَفِيْزٌ وَلَادِرْهَمٌ قُلْنَا مِنْ اَيْنَ ذَاكَ فَقَالَ مِنْ قِبَلِ الْعَجَمِ يَمْنَعُوْنَ ذَاكَ ثُمَّ قَالَ يُوْشِكُ اَهْلُ الشَّامِ اَنْ لَايَجِئَ اِلَيْهِمْ دِيْنَارٌ وَّلَامُدْی قُلْنَا لَهٗ مِنْ اَيْنَ ذَاكَ فَقَالَ مِنْ قِبَلِ الرُّوْمِ ثُمَّ سَكَتَ هُنَيْهَةً ثُمَّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَكُوْنُ فِیْ اٰخِرِ اُمَّتِیْ خَلِيْفَةٌ يَحْثِی الْمَالَ حَثْيًا

وَلاَ يَعُدُّهٗ عَدًّا قِيْلَ لِاَبِىْ نَضْرَةَ وَاَبِى الْعَلاَءِ اَتَرَيَانِ اَنَّهٗ عُمَرُ بْنُ عَبْدِالْعَزِيْزِ قَالَ لاَ ۰ رواه مسلم"

﴿ابو نضرۃؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم جابر بن عبداللہؓ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے فرمایا عنقریب ایسا ہو گا کہ اہل عراق کو نہ غلہ ملے گا نہ پیسہ ' ہم نے دریافت کیا یہ مصیبت کس کے سبب سے آئے گی۔ انہوں نے فرمایا عجم کے سبب سے ' وہ نہ غلہ آنے دیں گے نہ پیسہ ' پھر فرمایا عنقریب ایک وقت آئے گا کہ اہل شام کو نہ دینار ملے گا نہ کسی قسم کا ذرا سا غلہ ' ہم نے ان سے پوچھا یہ مصیبت کدھر سے آئے گی۔ فرمایا روم کی جانب سے ' یہ فرما کر تھوڑی دیر تک خاموش رہے۔ اس کے بعد فرمایا ' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میری امت کے آخر میں ایک خلیفہ ہو گا۔ جو لپ بھر بھر کر مال دے گا اور شمار نہیں کرے گا۔ ابو نضرۃؒ سے جو صحابیؓ سے حدیث کا راوی ہے اور ابو العلاء سے پوچھا گیا آپ کا کیا خیال ہے۔ کیا اس خلیفہ کا مصداق عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں۔ ان دونوں نے بالا تفاق جواب دیا۔ نہیں۔ (مسلم شریف ص ۳۹۵ ج ۲ کتاب الفتن واشراط الساعۃ)﴾

(۳۶)........."عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَكُوْنُ فِىْ اٰخِرِ اُمَّتِىْ خَلِيْفَةٌ يَحْثِى الْمَالَ حَثْيًا وَلاَ يَعُدُّهٗ عَدًّا ۰ رواه مسلم ص ۳۹۵ ج ۲ کتاب الفتن واشراط الساعة"

﴿جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کے آخر میں ایک خلیفہ ہو گا جو مال دونوں ہاتھ بھر بھر کر دے گا اور اس کو شمار نہیں کرے گا۔﴾

صحیح مسلم کی مذکورہ بالا ہر دو حدیثوں میں ایک خلیفہ کے دور میں مال کی خاص بہتات کا تذکرہ ہے اور ابو نضرۃؒ کی حدیث میں اس خلیفہ کے مصداق کے متعلق بھی کچھ بحث ہے مگر ابو نضرۃؒ راوی حدیث اور ابو العلاء کی رائے یہ ہے کہ اس کا مصداق عمر بن عبدالعزیزؒ جیسا ضرب المثل عادل خلیفہ بھی نہیں بلکہ ان کے بعد کوئی اور خلیفہ ہے

مگر جب امام ترمذی ' امام احمد اور ابو یعلی کی صحیح حدیثوں میں مال کی یہی بہتات تقریباً ایک ہی الفاظ کے ساتھ امام مہدی کے عہد میں ان کے نام کے ساتھ مذکور ہے تو پھر

صحیح مسلم میں جس خلیفہ کا تذکرہ موجود ہے اس کا امام مہدی ہونا قطعی نہیں تو کیا ظنی بھی نہیں کہا جا سکتا۔

خروج السفیانی وهلاکه مع جنوده بالبیداء

(۳۷) ……… "عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَخْرُجُ رَجُلٌ یُقَالُ لَهٗ السُّفْیَانِیُّ فِیْ عُمْقِ دِمَشْقَ وَعَامَّةُ مَنْ یَتَّبِعُهٗ مِنْ کَلْبٍ فَیَقْتُلُ حَتّٰی یَبْقُرُ بُطُوْنَ النِّسَاءَ وَیَقْتُلُ الصِّبْیَانَ فَتَجْمَعُ لَهُمْ قَیْسٌ فَیَقْتُلُهَا حَتّٰی لَایَمْنَعُ ذَنَبَ تَلْعَةٍ وَیَخْرُجُ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ بَیْتِیْ فِی الْحَرَّةِ فَیَبْلُغُ السُّفْیَانِیَّ فَیَبْعَثُ اِلَیْهِ جُنْدًا مِنْ جُنْدِهٖ فَیَهْزِمُهُمْ فَیَسِیْرُ اِلَیْهِ السُّفْیَانِیْ بِمَنْ مَعَهٗ حَتّٰی اِذَا صَارَ بِبَیْدَاء مِنَ الْاَرْضِ خُسِفَ بِهِمْ فَلَاَ یَنْجُوْمِنْهُمْ اِلاَّ الْمُخْبِرُ عَنْهُمْ۔ رواہ الحاکم، کذافی الحاوی ص ٦٥ ج ٢"

سفیانی کا نکلنا اور مقام بیداء میں اپنی فوج کے ساتھ ہلاک ہونا

﴿ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے دمشق کی بستی پر ایک سفیانی شخص حملہ آور ہوگا۔ جس کی عام طور پر اتباع کرنے والے قبیلہ کلب کے لوگ ہوں گے۔ وہ عورتوں کے پیٹ پھاڑ ڈالے گا اور بچوں کو قتل کرے گا اس کے مقابلہ کے لئے قیس کے قبیلہ کے لوگ جمع ہوں گے پھر وہ ان کو قتل کرے گا۔ حتی کہ کسی ٹیلے کی گھاٹی ان کو بچا نہ سکے گی۔ آہ! میرے اہل بیت میں سے مدینہ میں ایک شخص ظاہر ہوگا۔ اس سفیانی کو اس کی خبر پہنچے گی تو وہ اپنے لشکر میں سے ایک دستہ ان کے مقابلہ کے لئے روانہ کرے گا۔ وہ شخص ان کو شکست دے گا۔ اس پر سفیانی اپنے ہمراہیوں کو لیکر خود ان کے مقابلہ کے لئے چلے گا۔ یہاں تک کہ جب بیداء کے میدان میں پہنچے گا تو سب زمین میں دھنس جائیں گے اور ان میں سے کوئی شخص بھی نہ بچے گا۔ مگر صرف ایک شخص جو ان لوگوں کی خبر اپنی جماعت کو جا کر دے گا۔ (حاکم حدیث نمبر ۸۶۳۳ ص ۷۲۷ ج ۵ باب ذکر خروج السفیانی من دمشق وهلاکه﴾

(۳۸)............ ”عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلْعَجَبُ اَنَّ نَاسًا مِنْ اُمَّتِیْ یَؤُمُّوْنَ الْبَیْتَ لِرَجُلٍ مِّنْ قُرَیْشٍ قَدْلَجَأَ بِالْبَیْتِ حَتّٰی کَانُوْا بِالْبَیْدَاءِ خُسِفَ بِھِمْ فیھم الْمُتَنَفِّرُ وَالْمَجْبُوْرُ وَابْنُ السَّبِیْلِ یَھْلِکُوْنَ مَھْلَکًا وَّاحِدًا وَّیَصْدُرُوْنَ مَصَادِرَ شَتّٰی یَبْعَثُھُمُ اللّٰہُ عَلٰی نِیَّاتِھِمْ. رواہ مسلم“

﴿حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تعجب کی بات ہے کہ میری امت کے کچھ لوگ بیت اللہ شریف کی طرف ایسے قریشی شخص کے مقابلے کا قصد کریں گے جس نے بیت اللہ کی پناہ لے رکھی ہو گی اور میری امت ہی کے چند لوگ اس سے جنگ کا قصد کریں گے۔ یہاں تک کہ جب بیداء میں پہنچیں گے تو سب کے سب زمین میں دھنس جائیں گے۔ ان میں اپنی خوشی سے آنے والے اور زبردستی سے آنے والے اور مسافر سب ہی قسم کے لوگ ہوں گے یہ سب ایک ہی جگہ ہلاک ہو جائیں گے مگر محشر میں اپنی اپنی نیت کے مطابق اٹھیں گے (مسلم شریف ص ۳۸۸ ج ۲ کتاب الفتن)﴾

(۳۹)............ ”عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ لَاتَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی تَنْزِلَ الرُّوْمُ بِالْاَعْمَاقِ اَوْبِدَابِقَ فَیَخْرُجُ اِلَیْھِمْ جَیْشٌ مِّنَ الْمَدِیْنَۃِ مِنْ خِیَارِ اَھْلِ الْاَرْضِ یَوْمَئِذٍ فَاِذَا تَصَافُّوْا قَالَتِ الرُّوْمُ خَلُّوْا بَیْنَنَا وَبَیْنَ الَّذِیْنَ سَبُوْا مِنَّانُقَاتِلْھُمْ فَیَقُوْلُ الْمُسْلِمُوْنَ لَاوَاللّٰہِ لَانُخَلِّیْ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَ اِخْوَانِنَا فَیُقَاتِلُوْنَھُمْ فَیَنْھَزِمُ ثُلُثٌ لَایَتُوْبُ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ اَبَدًا وَیُقْتَلُ ثُلُثٌ ھُمْ اَفْضَلُ الشُّھَدَاءِ عِنْدَاللّٰہِ وَیَفْتَتِحُ الثُّلُثُ لَایُفْتَتَنُوْنَ اَبَدًا فَیَفْتَتِحُوْنَ قَسْطُنْطِیْنِیَّۃَ فَبَیْنَمَا ھُمْ یَقْتَسِمُوْنَ الْغَنَائِمَ قَدْ عَلَّقُوْا سُیُوْفَھُمْ بِالزَّیْتُوْنِ اِذْصَاحَ فِیْھِمُ الشَّیْطَانُ اَنَّ الْمَسِیْحَ قَدْ خَلَفَکُمْ فِیْ اَھْلِیْکُمْ فَیَخْرُجُوْنَ وَذٰلِکَ بَاطِلٌ فَاِذَا جَاؤُا الشَّامَ خَرَجَ فَبَیْنَمَا ھُمْ یَعُدُّوْنَ لِلْقِتَالِ یُسَوُّوْنَ الصُّفُوْفَ اِذْ اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَیَنْزِلُ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ فَیَؤُمُّھُمْ فَاِذَا رَآہُ عَدُوُّاللّٰہِ ذَابَ کَمَا یَذُوْبُ الْمِلْحُ فِی الْمَاءِ فَلَوْ تَرَکَہٗ لَانْذَابَ حَتّٰی یَھْلِکَ وَلٰکِنْ یَقْتُلُہُ اللّٰہُ بِیَدِہٖ فَیُرِیْھِمْ دَمَہٗ فِیْ حَرْبَتِہٖ. رواہ مسلم“

﴾ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت نہ قائم ہو گی یہاں تک کہ روم کے نصاریٰ کا لشکر اعماق میں یا دابق میں اترے گا۔ (یہ دونوں مقام حلب کے قریب ملک شام میں ہیں) تو مدینہ سے ایک ایسا لشکر نکلے گا جو اس وقت تمام روئے زمین میں افضل ہو گا جب دونوں لشکر صف آرا ہو جائیں گے تو نصاریٰ کہیں گے تم ان مسلمانوں سے الگ ہو جاؤ۔ جنہوں نے ہمارے بال بچے گرفتار کر لئے ہیں اور غلام بنا لئے ہیں ہم ان سے لڑیں گے۔ مسلمان کہیں گے نہیں خدا کی قسم ہم اپنے بھائیوں کو کبھی تنہا نہیں چھوڑ سکتے۔ پھر لڑائی ہو گی تو مسلمانوں کا ایک تہائی لشکر بھاگ نکلے گا۔ ان کی توبہ اللہ تعالیٰ کبھی قبول نہ کرے گا اور تہائی لشکر شہید ہو جائے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام شہیدوں میں افضل ہو گا اور تہائی لشکر فتح یاب ہو گا وہ عمر بھر کبھی کسی فتنے اور بلا میں نہ پڑیں گے پھر وہ قسطنطنیہ کو فتح کریں گے جو اس وقت نصاریٰ کے قبضہ میں آگیا ہو گا۔ (اب تک یہ شہر مسلمانوں کے قبضہ میں ہے) وہ مال غنیمت کی تقسیم میں ابھی مشغول ہوں گے اور اپنی تلواروں کو زیتون کے درختوں میں لٹکا چکے ہوں گے۔ اتنے میں شیطان آواز دے گا کہ دجال تمہارے پیچھے تمہارے بال بچوں میں نکل آیا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی مسلمان وہاں سے چل پڑیں گے حالانکہ یہ افواہ غلط ہو گی۔ جب شام کے ملک میں پہنچیں گے اس وقت دجال نکلے گا اور جب مسلمان جنگ کے لئے مستعد ہوں گے اور صف آرائی کر رہے ہوں گے کہ نماز کا وقت آجائے گا۔ اسی وقت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے اور ان کی امامت کریں گے جب خدا کا دشمن دجال ان کو دیکھے گا تو مارے خوف کے اس طرح پگھل جائے گا جیسے نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام اس کو یونہی چھوڑ دیں تو بھی وہ خود بخود گھل گھل کر ہلاک ہو جاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کا قتل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے مقدر فرمایا ہے۔ اس لئے وہ اس کو قتل فرمائیں گے اور اپنے نیزہ میں اس کے قتل کا خون دکھائیں گے۔ (مسلم ج ۲ ص ۳۹۱، ۳۹۲ کتاب الفتن)﴿

سید برزنجیؒ نے حضرت ابن مسعودؓ سے ایک مفصل روایت نقل کی ہے جس سے اس بات کے واقعات کی ترتیب پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل اسلام

رومیوں کے ساتھ مل کر پہلے ایک بار رومیوں کے کسی دشمن سے جنگ کریں گے جس کے نتیجہ میں ان کی فتح ہوگی اور دشمن سے حاصل شدہ مال یہ دونوں باہم تقسیم کرلیں گے۔ اس کے بعد پھر یہ دونوں مل کر فارس سے جنگ کریں گے اور پھر ان ہی کو فتح ہوگی۔ رومی مسلمانوں سے کہیں گے کہ جس طرح پہلی بار ہم نے مال غنیمت تقسیم کر کے تم کو دیدیا تھا اسی طرح اس بار تم بھی مال اور قیدی سب ہم کو برابر تقسیم کر کے ہم کو دیدو۔ اس پر اہل اسلام حاصل شدہ مال اور مشرک قیدیوں کی تو تقسیم کرلیں گے مگر جو مسلمان قیدی ان کے پاس ہوں گے۔ وہ تقسیم نہ کریں گے۔ رومی کہیں گے کہ ہم سے جنگ کرنے اور ہمارے بچوں کو قید کرنے کے یہ بھی مجرم ہیں۔ اس لئے ان کو بھی ہمارے حوالہ کرو۔ مسلمان کہیں گے یہ نہیں ہو سکتا ہم اپنے مسلمان بھائیوں کو ہرگز تمہارے حوالہ نہیں کریں گے۔ رومی کہیں گے کہ یہ خلاف معاہدہ بات ہے۔ آخر کار رومی صاحب رومیہ کے پاس یہ شکایت لے کر جائیں گے۔ وہ اسی (۸۰) جھنڈے کا ایک بڑا لشکر سمندری راہ سے ان کے ہمراہ کردے گا جس کے ہر جھنڈے کے نیچے بارہ ہزار سپاہی ہوں گے۔ یہ لشکر شام کا تمام ملک فتح کرلے گا صرف دمشق اور معتق کا پہاڑ بچ رہے گا اور بیت مقدس کو برباد کر ڈالے گا۔ یہاں ایک سخت جنگ ہوگی مسلمانوں کے بچے معتق پہاڑ کے اوپر ہوں گے اور مسلمان نہر اریط پر صبح و شام ان سے نبرد آزما ہوں گے۔ جب شاہ قسطنطنیہ یہ نقشہ دیکھے گا تو وہ قنسرین کے پاس تین لاکھ فوج خشکی کی راہ سے روانہ کرے گا اور یمن کے ساتھ چالیس ہزار قبیلہ حمیر کے لوگ ان سے آملیں گے۔ یہاں تک کہ بیت مقدس پہنچیں گے اور وہ بھی روم سے جنگ کریں گے۔ آخر ان کو شکست دیں گے۔

ایک اور لشکر آزاد شدہ غلاموں کا بھی عرب کی مدد کے لئے آئے گا اور کہے گا کہ اے عرب تم تعصب کی بات چھوڑ دو ورنہ کوئی تمہارا ساتھ نہ دے گا اور پھر ان کی مشرکین سے جنگ ہوگی مگر مسلمانوں کے کسی لشکر کو فتح نصیب نہ ہوگی۔ ایک تہائی مسلمان شہید ہو جائیں گے اور ایک تہائی بھاگ نکلیں گے اور ایک تہائی باقی رہ جائیں گے۔ ان میں سے پھر ایک تہائی مرتد ہو کر روم سے جاملیں گے اور ایک تہائی عراق و یمن اور حجاز کی طرف بھاگ

جائیں گے اور بقیہ ایک تہائی کہیں گے کہ واقعی اب عصبیت چھوڑ کر سب متفق ہو جاؤ اور سب مل کر دشمن سے جنگ کرو اور اب اس عزم کے ساتھ جنگ کریں گے کہ یا ہم فتح کر لیں گے ورنہ مر جائیں گے۔

جب رومی لشکر مسلمانوں کی اس قلت کا احساس کرے گا تو ایک شخص صلیب لے کر کھڑا ہو گا اور کہے گا کہ صلیب کا بول بالا ہوا۔ اس پر ایک مسلمان جھنڈا لے کر نعرہ لگائے گا کہ اللہ کے انصار کا غلبہ ہوا۔ رومیوں کے اس کلمہ پر اللہ تعالیٰ کو غصہ آئے گا اور وہ مسلمانوں کی دو لاکھ فرشتوں کے ساتھ مدد فرمائے گا اور مسلمانوں کو کامیاب کر دے گا۔ اس کے بعد مسلمان رومیوں کے ملک میں داخل ہو جائیں گے اور وہاں کے لوگ ان سے امن طلب کر کے جزیہ دینے پر راضی ہو جائیں گے پھر ارد گرد کے رومی یہ افواہ اڑائیں گے کہ دجال نکل آیا ہے مسلمان ادھر بھاگ پڑیں گے۔ بعد میں ان کو معلوم ہو گا کہ یہ خبر غلط تھی ادھر باقی ماندہ مسلمانوں پر رومی ٹوٹ پڑیں گے اور ان کو بیخ وبنیاد سے قتل کر ڈالیں گے۔ یہاں تک کہ روم میں عرب کے زن و مرد میں سے کوئی نہ بچے گا مسلمان واپس ہو کر جب یہ ماجرا دیکھیں گے تو پھر ان سے جنگ کریں گے اور جس قلعہ پر گزریں گے۔ تین دن کے اندر اندر اللہ تعالیٰ ان کو کامیاب کر دے گا۔ یہاں تک کہ جب خلیج کے پاس پہنچیں گے تو نصاریٰ کہیں گے مسیح ہمارا مددگار ہے اور صلیب کی برکت خلیج سمندر سے بچاؤ کے لئے ہماری مددگار ہے۔

جب صبح ہو گی تو کیا دیکھیں گے کہ خلیج خشک ہو گئی ہے اور سمندر رپٹ چکا ہے۔ بس فورا اس میں اپنے خیمے لگا دیں گے ادھر مسلمان جمعہ کی شب میں کفر کے اس شہر کا محاصرہ کر لیں گے اور رات سے لیکر صبح تک حمد اور اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کا ذکر کرتے رہیں گے۔ نہ کوئی شخص سوئے گا اور نہ بیٹھے گا جب صبح ہو گی تو تمام مسلمان مل کر ایک بار اللہ اکبر کا نعرہ لگائیں گے اسی وقت شہر کی ایک جانب گر پڑے گی اس پر حیران ہو کر روم کہیں گے کہ پہلے تو ہماری جنگ عرب سے تھی۔ اب تو جنگ کرنی خود پروردگار عالم ہی سے جنگ معلوم ہوتی ہے۔ دیکھو مسلمانوں کے لئے ہمارا شہر خود بخود گر کر برباد ہو گیا۔ اس کے بعد مال غنیمت کا سونا ڈھالوں میں بھر بھر کر تقسیم ہو گا اور عورتیں اس کثرت سے ہوں گی کہ ایک ایک شخص کے

حصہ میں تین تین سو عورتیں آئیں گی۔ اس کے بعد پھر دجال حقیقتاً نکل آئے گا اور قسطنطنیہ ایسے لوگوں کے ہاتھوں فتح ہوگا جو زندہ و سلامت رہیں گے۔ نہ بیمار پڑیں گے اور نہ کوئی مرض ان کو ستائے گا۔ یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے اور ان کے ہمراہ یہ جماعت دجال کے لشکر (یہود) کے ساتھ جنگ میں شریک ہوگی۔ یہ روایت اس تفصیل کے ساتھ امام سیوطیؒ نے جامع کبیر میں ذکر فرمائی ہے۔

بعض حدیثوں میں امام مہدی کے متعلق " یصلحه الله فی الیلة "کا لفظ بھی ملتا ہے۔ جو ضابطہ حدیث کے اعتبار سے خواہ صحت کے درجہ پر نہ کہا جائے مگر ایک عمیق حقیقت اس سے حل ہو جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہاں پر بعض ضعیف الایمان قلوب میں یہ سوال اٹھ سکتا ہے کہ جب امام مہدی ایسی کھلی ہوئی شہرت رکھتے ہیں تو پھر ان کا تعارف عوام و خواص میں کیسے مخفی رہ سکتا ہے۔ اس لئے مصائب و آلام کے وقت ان کے ظہور کا انتظار معقول معلوم نہیں ہوتا لیکن اس لفظ نے یہ حل کر دیا کہ یہ صفات خواہ کتنے ہی اشخاص میں کیوں نہ ہوں لیکن ان کے وہ باطنی تصرفات اور روحانیت مشیت الٰہیہ کے ماتحت اوجھل رکھی جائے گی یہاں تک کہ جب ان کے ظہور کا وقت آئے گا تو ایک ہی شب کے اندر اندر ان کی اندرونی خصوصیات منظر عام پر آ جائیں گی۔ گویا یہ بھی ایک کرشمۂ قدرت ہوگا کہ ان کے ظہور کے وقت سے قبل کوئی شخصیت ان کو پہچان نہ سکے گی اور جب وقت آئے گا تو قدرت الٰہیہ شب بھر میں وہ تمام صلاحیتیں ان میں پیدا کر دے گی جن کے بعد ان کا امام مہدی ہونا ایک نابینا پر بھی منکشف ہو جائے گا۔ دیکھئے کہ دجال کا خروج احادیث صحیحہ سے کیسا ثابت ہے لیکن یہ ثابت شدہ حقیقت اس کے خروج سے پہلے پہلے کتنی مخفی ہے اور جب کہ یہ داستان دور فتن کی ہے تو اب امام مہدی کے ظہور اور دجال کے وجود میں انکشاف کا مطالبہ کرنا یا اس بحث میں پڑنا یہ مستقل خود ایک فتنہ ہے۔

اس قسم کے عجائبات کی مثالیں شریعت میں بہت ملتی ہیں۔ یوم جمعہ میں ساعت محمودہ کا ہونا تو یقینی ہے مگر وہ بھی اختلافات کے جھرمٹ میں ایسی مبہم ہو کر رہ گئی ہے کہ اس کا متعین کرنا اہل علم کو بھی مشکل پڑ گیا ہے۔ یہی حال شب قدر میں ہے اور اس سے زیادہ ابہام

دور فتن کی احادیث میں نظر آتا ہے۔ غالباً یہ بھی مشیت الہیہ کا ایک سر ہے کہ فتنہ اپنے وقت پر ظاہر ہو پھر اس کا متعین کرنا مشکل ہو جائے۔ دجال کی حدیثوں میں آپ پڑھیں گے کہ اس میں دجالیت کا ثبوت واضح سے واضح صورت میں موجود ہوگا لیکن اس پر بھی ایک جماعت ہوگی جو اس کو خدا اور رسول ماننے پر مجبور ہوگی۔ کیونکہ اس کے ہمراہ دجالیت کے ثبوت کے ساتھ ساتھ ایسے شبہات کی دنیا ہوگی جن کا ظہور اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ گو شبہات کسی کے دعوے کے ثبوت کے لئے کتنے ہی ناکافی ہوں مگر اس وقت کے ایمانوں کو متزلزل کرنے کے لئے کافی سے زیادہ ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے ظہور کے لئے قدرت الہیہ نے وہ زمانہ مقرر فرمایا ہے جبکہ ایمانوں کی قوت مسلوب ہو چکی ہوگی اور یہی راز ہے کہ اس کا ظہور خیر القرون میں نہ ہو سکا اور نہ اولیاء کرام کی کثرت کے ساتھ موجودگی میں ہو سکتا ہے۔ ہاں! مسلمانوں کے ایسے دور میں ہوگا جبکہ وہ بھیڑوں کی شکل میں مارے مارے پھرتے ہوں گے اور یہی حقیقت ہے کہ دنیا کے جس گوشہ میں ایمان کے پختہ لوگ بستے ہیں۔ وہاں جناتی اثرات کا ظہور بہت مضمحل نظر آتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

دجال اکبر

محدث کبیر

حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی رح

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

تعارف

الحمدللہ وکفی وسلام علیٰ خاتم الانبیاء۔ اما بعد!

رحمت مجسم، نبی مکرم، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دجال اکبر کا فتنہ ابتدائے آفرینش سے قیام قیامت تک کا سب سے بڑا فتنہ ہے۔ جو اہل اسلام کے ایمان کے لئے خطرناک ترین امتحان ہوگا۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے دجال کے فتنہ کی ہلاکت خیزیوں سے اپنی اپنی امت کو باخبر کیا لیکن اس فتنہ کی تفصیلات اور واضح علامات آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائیں۔ احادیث کی روشنی میں ”دجال اکبر“ پر حضرت مولانا سید محمد بدر عالم مہاجر مدنی ؒ کی اس کاوش نے پوری امت کی طرف سے فرض کفایہ کا کام کیا ہے۔ پچیس احادیث مبارکہ بمع ترجمہ توضیح وتشریح کے آپ نے قلمبند فرماکر امت محمدیہ پر احسان فرمایا ہے۔

اللھم انا اعوذبک من فتنۃ المسیح الدجال۔ آمین!

فقیر اللہ وسایا

۷/۶/۱۴۲۲ھ

۲۷/۸/۲۰۰۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱)..........”عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ يَقُوْلُ مَابَيْنَ خَلْقِ اٰدَمَ اِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ اَمْرٌ (وفى رواية خلق) اَكْبَرَ مِنَ الدَّجَالِ۔ مسلم ج۲ص٤٠٥ باب بقية من احاديث الدجال“

﴿عمران بن حصینؓ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر قیامت آنے تک دجال سے زیادہ بڑا اور کوئی فتنہ نہیں ہے۔﴾

(۲)..........”عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ الدَّجَّالُ اَعْوَرُا لْعَيْنِ الْيُسْرٰى جُفَالُ الشَعْرِ مَعَهٗ جَنَّتُهٗ وَنَارُهٗ فَنَارُهٗ جَنَّةٌ وَجَنَّتُهٗ نَارٌ۔ مسلم ص٤٠٠ج۲ باب ذکر الدجال“

﴿حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، دجال بائیں آنکھ سے کانا ہو گا اس کے جسم پر بہت گھنے بال ہوں گے اور اس کے ساتھ اس کی جنت اور دوزخ بھی ہو گی لیکن جو اس کی جنت نظر آئے گی دراصل وہ دوزخ ہو گی اور جو دوزخ نظر آئے گی وہ اصل میں جنت ہو گی۔ (لہذا جس کو وہ جنت بخشے گا وہ دوزخی ہو گا اور جس کو اپنی دوزخ میں ڈالے گا وہ جنتی ہو گا۔)

(۳)..........”عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ الا اُخْبِرُكُمْ عَنِ الدَّجَّالِ حَدِيثاً مَاحَدَّثَهٗ نَبِىٌّ قَوْمَهٗ اَنَّهٗ اَعْوَرُوَ اِنَّهٗ يَجِئُ مَعَهٗ مثل الْجَنَّةِ وَالنَّارِ فَالَّتِىْ يَقُوْلُ اَنَّهَا الجَنَّةُ هِىَ النَّارُ وَاِنِّىْ اُنْذِرُكُمْ بِهٖ كَمَا انذرَ بِهٖ

نُوحٌ قَوْمَهُ. متفق عليه واللفظ للمسلم ج ٢ص ٤٠٠ باب ذكر الدجال"

﴿ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو دجال کے متعلق ایسی بات نہ بتادوں جو حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر آج تک کسی نبی نے اپنی امت کو نہ بتائی ہو۔ دیکھو وہ کانا ہوگا اور اس کے ساتھ جنت اور دوزخ کے نام سے دو شعبدے بھی ہوں گے۔ تو جس کو وہ جنت کہے گا وہ درحقیقت دوزخ ہوگی۔ دیکھو دجال سے میں بھی تم کو اسی طرح ڈراتا ہوں جیسا کہ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ڈرایا تھا۔﴾

(۴)............ "عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ سَمِعَ بِالدَّجَّالِ فَلْيَنَاءْ مِنْهُ فَوَاللّٰهِ اِنَّ الرَّجُلَ لَيَاءْ تِيْهِ وَهُوَ يَحْسَبُ اَنَّهٗ مُؤْمِنٌ فَيَتَّبِعُهٗ مِمَّا يُبْعَثُ مَعَهٗ مِنَ الشُّبُهَاتِ. رواه ابوداؤد ج ٢ص ١٣٤ باب خروج الدجال"

﴿عمران بن حصینؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دیکھو جو شخص دجال کی خبر سنے اس کو چاہئے کہ وہ اس سے دور ہی دور رہے بخدا کہ ایک شخص کو اپنے دل میں یہ خیال ہوگا کہ وہ مومن آدمی ہے لیکن ان عجائبات کو دیکھ کر جو اس کے ساتھ ہوں گے۔ وہ بھی اس کے پیچھے لگ جائے گا۔﴾

(۵)............ "وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِؓ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنِّیْ قَدْ حَدَّثْتُكُمْ عَنِ الدَّجَّالِ حَتّٰى خَشِيْتُ اَنْ لَاتَعْقِلُوْا اَنَّ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ رَجُلٌ قَصِيْرٌ اَفْحَجُ جَعْدٌ اَعْوَرُ مَطْمُوْسُ الْعَيْنِ لَيْسَ بِنَاءْ تِيَةٍ وَلَا حَجْرَاءَ فَاِنْ اُلْبِسَ عَلَيْكُمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِاَعْوَرَ. رواه ابوداؤدج ٢ص ١٣٤ باب خروج الدجال"

﴿عبادۃ بن صامتؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا میں نے دجال کے متعلق کچھ تفصیلات تم لوگوں سے بیان کیں لیکن مجھ کو خطرہ ہے کہ کہیں تم پورے طور پر اس کو نہ سمجھے ہو۔ دیکھو مسیح دجال کا قد ٹھنگنا ہوگا۔ اس کے دونوں پیر ٹیڑھے، سر کے بال شدید خمیدہ، یک چشم مگر ایک آنکھ بالکل چٹ صاف، نہ اوپر کو ابھری ہوئی نہ اندر کو

دھنسی ہوئی۔ اگر اب بھی تم کو شبہ رہے تو یہ بات یاد رکھنا کہ تمہارا رب یقیناً کانا نہیں ہے۔ ﴾

(۶)........... ”وَعَنْ اَبِیْ عُبَیْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ اِنَّہٗ لَمْ یَکُنْ نَبِیٌّ بَعْدَ نُوْحٍ اِلَّا قَدْ اَنْذَرَ قَوْمَہُ الدَّجَّالَ وَاِنِّیْ اُنْذِرُکُمُوْہُ فَوَصَفَہٗ لَنَا قَالَ لَعَلَّہٗ سَیُدْرِکُہٗ بَعْضُ مَنْ رَاٰنِیْ اَوْسَمِعَ کَلَامِیْ قَالُوْا یَارَسُوْلَ للّٰہِ فَکَیْفَ قُلُوْبُنَا یَوْمَئِذٍ فَقَالَ مِثْلُھَا یعنی اَلْیَوْمَ اَوْخَیْرٌ۔ رواہ الترمذی ج ۲ ص ۴۷ باب ماجاء فی الدجال“

﴿ابو عبیدہ بن جراحؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ نوح علیہ السلام کے بعد جو نبی آیا ہے۔ اس نے اپنی قوم کو دجال سے ضرور ڈرایا ہے اور میں بھی تم کو اس سے ڈراتا ہوں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کی صورت وغیرہ بیان فرمائی اور کہا ممکن ہے جنہوں نے مجھ کو دیکھا ہے یا میرا کلام سنا ہو اس میں کوئی ایسا نکل آئے جو اس کا زمانہ پا سکے۔ انہوں نے پوچھا اس دن ہمارے دلوں کا حال کیسا ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا! ایسا ہی جیسا آج ہے یا اور بھی بہتر۔ ﴾

پیشگوئی میں اقسام کا ابہام رہ جاتا ہے اور وہ تکوینی امر ہے۔ دیکھئے یہاں پر: ”لعلہ سیدرکہ بعض من رأنی۔“ کے لفظ نے کتنا ابہام پیدا کر دیا ہے۔ پھر: ”او خیر“ میں یہ ابہام کہاں تک جا پہنچتا ہے۔

(۷)........... ”عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ حَدَّثَنَا النَّبِیُّ ﷺ یَوْمًا حَدِیْثًا طَوِیْلاً عَنِ الدَّجَّالِ فَکَانَ فِیْمَا یُحَدِّثُنَا بِہٖ اَنَّہٗ قَالَ یَاْتِی الدَّجَّالُ وَھُوَ مُحَرَّمٌ عَلَیْہِ اَنْ یَدْخُلَ نِقَابَ الْمَدِیْنَةِ فَیَنْزِلُ بَعْضَ السِّبَاخِ الَّتِیْ تَلِیَ الْمَدِیْنَةَ فَیَخْرُجُ اِلَیْہِ یَوْمَئِذٍ رَجُلٌ وَھُوَ خَیْرُ النَّاسِ اَوْمِنْ خِیَارِ النَّاسِ فَیَقُوْلُ اَشْھَدُ اِنَّکَ الدَّجَّالُ الَّذِیْ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ حَدِیْثَہٗ فَیَقُوْلُ الدَّجَّالُ اَرَاءَ یْتُمْ اَنْ قَتَلْتُ ھٰذَا ثُمَّ اَحْیَیْتُہٗ ھَلْ تَشُکُّوْنَ فِی الْاَمْرِ فَیَقُوْلُوْنَ لَافَیَقْتُلُہٗ ثُمَّ یُحْیِیْہِ فَیَقُوْلُ وَاللّٰہِ مَاکُنْتُ فِیْکَ اَشَدَّبَصِیْرَةً مِنِّی الْیَوْمَ فَیُرِیْدُ الدَّجَّالُ اَنْ یَقْتُلَہٗ فَلَا یُسَلَّطُ عَلَیْہِ۔ رواہ البخاری ج ۲ ص ۱۰۵۶ باب لایدخل الدجال المدینة“

﴾حضرت ابی سعید الخدریؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم سے جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ایک طویل حدیث دجال کے بارہ میں بیان فرمائی تو جو باتیں آپ نے ہم سے اس کے متعلق بتائیں۔ ان میں یہ بھی فرمایا تھا کہ دجال آئے گا مگر مدینہ کے راستوں میں گھس آنا اس کے لئے حرام اور ناممکن ہوگا تو وہ مدینہ کے آس پاس کی بنجر زمین میں کسی جگہ آکر اترے گا تو .... اس کے مقابلہ کے لئے اس دن ایک شخص نکلے گا جو تمام انسانوں میں سب سے بہتر (یا بہتر انسانوں میں سے) ہوگا۔ وہ کہے گا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جس کی بات ہم کو جناب رسول اللہ ﷺ نے سنائی تھی، تو دجال کہے گا۔ لوگو! بتاؤ اگر میں اس شخص کو قتل کر دوں اور پھر اسے زندہ کر دوں تب تو تم کو میرے معاملے میں کوئی شک شبہ باقی نہ رہے گا۔ وہ کہیں گے کہ نہیں۔ تو وہ ان کو قتل کر دے گا پھر ان کو زندہ کر دے گا۔ تو وہ بزرگ کہیں گے خدا کی قسم! اب تو مجھ کو تیرے بارے میں اور بھی یقین اور بصیرت حاصل ہو گئی کہ آج سے زیادہ ایسی بصیرت پہلے نہ تھی۔ تو دجال پھر ان کو قتل کرنا چاہے گا مگر اس کا قابو ان پر نہ چل سکے گا۔﴿

حدثا رسول اللہ ﷺ سے وہ مسئلہ بھی مستنبط ہو سکتا ہے جو اصول حدیث میں مندرج ہے۔ اس کی تفصیل کا نہ یہاں موقعہ ہے نہ مناسب۔ کہتے ہیں کہ یہ شخص عجب نہیں کہ خضر علیہ السلام ہوں واللہ تعالیٰ اعلم بہر حال حدثا میں جمع کے صیغہ میں بہت سے امور کی طرف اشارات ممکن ہیں۔

(۸) .... "عَنْ اَنسِ بْنِ مَالِكٍؓ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ یَجِیءُ الدَّجَّالُ حَتّٰی یَنزِلَ فِیْ نَاحِیَةِ الْمَدِیْنَةِ تَرْجُفُ ثَلَاثَ رَجَفَاتٍ فَیَخْرُجُ اِلَیْهِ كُلُّ كَافِرٍ وَمُنَافِقٍ رواه البخاری وفی روایته عنده لایدخل المدینة رعب المسیح الدجال ولها یومئذ سبعة ابواب علی كل باب ملكان وفی روایة علی انقاب المدینة ملائكة وفی روایة المدینة یاتیها الدجال فیجد الملائكة یحرسونها فلا یقربها كلها فی البخاری ج۲ ص ۱۰۵۵ باب ذكر الدجال"

﴾حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دجال

آئے گا یہاں تک کہ مدینہ کے ایک کنارے آکر اترے گا تو تین بار زلزلے آئیں گے۔ اس وقت جتنے کافر اور جتنے منافق ہوں گے سب نکل نکل کر اس کے ساتھ ہو جائیں گے۔

ان کی ایک اور روایت میں ہے کہ مدینہ کے اندر مسیح دجال کا رعب بھی نہ آنے پائے گا۔ اس وقت مدینہ کے سات دروازے ہوں گے۔ ہر دروازے پر دو دو فرشتے ہوں گے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ مدینہ کے بڑے بڑے راستوں پر بہت سے فرشتے ہوں گے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ مدینہ کے پاس دجال آئے گا تو فرشتوں کو اس کی نگرانی کرتے پائے گا۔ لہٰذا ان کے پاس بھی نہ بھٹک سکے گا۔

(۹)............ ”عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍؓ قَالَتْ سَمِعْتُ نِدَاءَ الْمُنَادِی مُنَادِی رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُنَادِی الصَّلٰوةُ جَامِعَةٌ فَخَرَجْتُ اِلَی الْمَسْجِدِ فَصَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم .... فَلَمَّا قَضٰی صَلٰوتَهٗ جَلَسَ عَلَی الْمِنْبَرِ وَهُوَ يَضْحَكُ فَقَالَ لِيَلْزَمْ كُلُّ اِنْسَانٍ مُصَلَّاهُ ثُمَّ قَالَ اَتَدْرُوْنَ لِمَ جَمَعْتُكُمْ قَالُوْا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ اِنِّیْ وَاللّٰهِ مَا جَمَعْتُكُمْ لِرَغْبَةٍ وَّلَا لِرَهْبَةٍ وَلٰكِنْ جَمَعْتُكُمْ لِاَنَّ تَمِيْمَانِ الدَّارِیَّ كَانَ رَجُلًا نَصْرَا نِيًّا فَجَاءَ فَبَايَعَ وَاَسْلَمَ وَحَدَّ ثَنِیْ حَدِيْثًا وَافَقَ الَّذِیْ كُنْتُ اُحَدِّثُكُمْ بِهٖ عَنِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ حَدَّثَنِیْ اَنَّهٗ رَكِبَ فِیْ سَفِيْنَةٍ بَحْرِيَّةٍ مَعَ ثَلٰثِيْنَ رَجُلًا مِنْ لَخْمٍ وَجُذَامٍ فَلَعِبَ بِهِمُ الْمَوْجُ شَهْرًا فِی الْبَحْرِ فَاَرْفَاءُ وْا اِلٰی جَزِيْرَةٍ حِيْنَ تَغْرُبُ الشَّمْسُ فَجَلَسُوْا فِیْ اَقْرُبِ السَّفِيْنَةِ فَدَخَلُوا الْجَزِيْرَةَ فَلَقِيَتْهُمْ دَابَّةٌ اَهْلَبُ كَثِيْرُ الشَّعْرِ لَا يَدْرُوْنَ مَا قُبُلُهٗ مِنْ دُبُرِهٖ مِنْ كَثْرَةِ الشَّعْرِ قَالُوْا وَيْلَكِ مَا اَنْتِ قَالَتْ اَنَا الْجَسَّاسَةُ اِنْطَلِقُوْا اِلٰی هٰذَا الرَّجُلِ فِی الدَّيْرِ فَاِنَّهٗ اِلٰی خَبَرِكُمْ بِالْاَشْوَاقِ قَالَ لَمَّا سَمَّتْ لَنَا رَجُلًا فَرِقْنَا مِنْهَا اَنْ تَكُوْنَ شَيْطَانَةً قَالَ فَانْطَلَقْنَا سِرَاعًا حَتّٰی دَخَلْنَا الدَّيْرَ فَاِذَا فِيْهِ اَعْظَمُ اِنْسَانٍ مَارَاَءْ يْنَاهُ قَطُّ خَلْقًا وَاَشَدَّهٗ وِثَاقًا مَجْمُوْعَةٌ يَدَاهٗ عَلٰی عُنُقِهٖ مَا بَيْنَ رُكْبَتَيْهِ اِلٰی كَعْبَيْهِ بِالْحَدِيْدِ قُلْنَا وَيْلَكَ مَا اَنْتَ؟ قَالَ قَدْ قَدَرْتُمْ عَلٰی خَبَرِیْ فَاَخْبِرُوْنِیْ مَا اَنْتُمْ قَالُوْا نَحْنُ اُنَاسٌ مِنَ الْعَرَبِ

رَكِبْنَا فِیْ سَفِیْنَةٍ بَحْرِیَّةٍ.......... فَلَعِبَ بِنَا الْمَوْجُ شَهْرًا فَدَخَلْنَا الْجَزِیْرَةَ فَلَقِیَتْنَا دَابَّةٌ اَهْلَبُ فَقَالَتْ اَنَا الْجَسَّاسَةُ اِعْمَدُوْا اِلٰی هٰذَا الرَّجُلِ فِی الدَّیْرِ فَاَقْبَلْنَا اِلَیْكَ سِرَاعًا فَقَالَ اَخْبِرُوْنِیْ عَنْ نَخْلِ بَیْسَانَ هَلْ تُثْمِرُ؟ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ اَمَا اَنَّهَا تُوْشِكُ اَنْ لَا تُثْمِرَ قَالَ اَخْبِرُوْنِیْ عَنْ بُحَیْرَةِ الطَّبْرِیَّةِ هَلْ فِیْهَا مَاءٌ" ؟ قُلْنَا هِیَ كَثِیْرَةُ الْمَاءِ قَالَ اِنَّ مَاءَ هَا یُوْشِكُ اَنْ یَّذْهَبَ قَالَ اَخْبِرُوْنِیْ عَنْ عَیْنِ زُغَرَهَلْ فِی الْعَیْنِ مَاءٌ" وَهَلْ یَزْرَعُ اَهْلُهَا بِمَاءِ الْعَیْنِ قُلْنَا نَعَمْ هِیَ كَثِیْرَةُ الْمَاءِ وَاَهْلُهَا یَزْرَعُوْنَ مِنْ مَّائِهَا قَالَ اَخْبِرُوْنِیْ عَنْ نَّبِیِّ الْاُمِّیِّیْنَ مَافَعَلَ قُلْنَا قَدْ خَرَجَ مِنْ مَكَّةَ وَنَزَلَ یَثْرِبَ قَالَ اَقَاتَلَهُ الْعَرَبُ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ كَیْفَ صَنَعَ بِهِمْ ؟ فَاَخْبَرْنَاهُ اَنَّهٗ قَدْ ظَهَرَ عَلٰی مَنْ یَّلِیْهِ مِنَ الْعَرَبِ وَاَطَاعُوْهُ قَالَ اَمَا اِنَّ ذٰلِكَ خَیْرٌ لَّهُمْ اَنْ یُّطِیْعُوْهُ وَاِنِّیْ مُخْبِرُكُمْ عَنِّیْ اَنَاالْمَسِیْحُ الدَّجَّالُ وَاِنِّیْ یُوْشِكُ اَنْ یُّوْذَنَ لِیْ مِنَ الْخُرُوْجِ فَاَخْرُجُ فَاَسِیْرُ فِی الْاَرْضِ فَلَا اَدَعُ قَرْیَةً اِلَّا هَبَطْتُّهَا فِیْ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً غَیْرَ مَكَّةَ وَطَیْبَةَ مُحَرَّمَتَانِ عَلَیَّ كِلْتَا هُمَا كُلَّمَا اَرَدْتُّ اَنْ اَدْخُلَ وَاحِدًامِنْهُمَا اِسْتَقْبَلَنِیْ مَلَكٌ" بِیَدِهِ السَّیْفُ صَلْتًا یَصُدُّنِیْ عَنْهَا وَاِنَّ عَلٰی كُلِّ نَقْبٍ مَلَائِكَةً یَحْرُسُوْنَهَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَطَعَنَ بِمِخْصَرَتِهٖ فِی الْمِنْبَرِهٰذِهٖ طَیْبَةُ هٰذِهٖ طَیْبَةُ یَعْنِیْ مَدِیْنَةَ اَلَا هَلْ كُنْتُ حَدَّثْتُكُمْ ذٰلِكَ فَقَالَ النَّاسُ نَعَمْ.......... اَلَا اِنَّهٗ فِیْ بَحْرِ الشَّامِ اَوْبَحْرِ الْیَمَنِ لَابَلْ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ مَاهُوَ وَاَوْمَاءَ بِیَدِهٖ اِلَی الْمَشْرِقِ (رواه مسلم ج٢ ص ٤٠٤، ٤٠٥ باب ذكرالدجال)وَرَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ مُخْتَصِرًا قَالَ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ عِنْدَ شَرْحِ حَدِیْثِ جَابِرٍ مِّنْ كِتَابِ الْاِعْتِصَامِ وَقَدْتَوَهَّمَ بَعْضُهُمْ اَنَّهٗ غَرِیْبٌ" فَرْدٌ 'لَیْسَ كَذَالِكَ فَقَدْ رَوَاهُ مَعَ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَیْسٍ اَبُوْهُرَیْرَةَ كَمَا عِنْدَ اَحْمَدَ وَاَبِیْ یَعْلٰی وَعَائِشَةُ كَمَا عِنْدَ اَحْمَدَ وَجَابِرٌ" كَمَا عِنْدَ اَبِیْ دَاؤُدَ فَتْحُ الْبَارِیْ وَذَكَرَ اَنَّ الْبُخَارِیَّ اِنَّمَالَمْ یُخَرِّجْهُ لِشِدَّةِ الْتِبَاسِ الْاَمْرِفِیْ ذَالِكَ فَتَنَبَّهْ ۔"

﴿ فاطمہ بنت قیسؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے اعلان کرنے

والے کو سنا۔ وہ اعلان کر رہا تھا چلو نماز ہونے والی ہے۔ میں نماز کے لئے نکلی اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی۔ آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو کر منبر پر بیٹھ گئے اور آپ ﷺ کے چہرہ پر اس وقت مسکراہٹ تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہر شخص اپنی اپنی جگہ بیٹھا رہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا جانتے ہو میں نے تم کو کیوں جمع کیا ہے۔ انہوں نے عرض کی اللہ اور اس کے رسول ہی کو معلوم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا بخدا میں نے تم کو نہ تو مال وغیرہ کی تقسیم کے لئے جمع کیا ہے نہ کسی جہاد کی تیاری کے لئے۔ بس صرف اس بات کے لئے جمع کیا ہے کہ تمیم داری پہلے نصرانی تھا۔ وہ آیا ہے اور مسلمان ہو گیا ہے اور مجھ سے ایک قصہ بیان کرتا ہے جس سے تم کو میرے اس بیان کی تصدیق ہو جائے گی جو میں نے کبھی دجال کے متعلق تمہارے سامنے ذکر کیا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ وہ ایک بڑی کشتی پر سوار ہوا جس پر سمندروں میں سفر کیا جاتا ہے اور ان کے ساتھ قبیلہ لخم اور جذام کے تیس آدمی اور تھے۔ سمندر کا طوفان ایک ماہ تک ان کا تماشا بناتا رہا۔ آخر مغربی جانب ان کو ایک جزیرہ نظر پڑا جس کو دیکھ کر وہ بہت مسرور ہوئے اور چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر اس جزیرہ پر اتر گئے۔ سامنے سے ان کو جانور کی شکل کی ایک چیز نظر پڑی جس کے سارے جسم پر بال ہی بال تھے کہ ان میں اس کے اعضائے مستورہ تک کچھ نظر نہ آتے تھے۔ لوگوں نے اس سے کہا کم بخت تو کیا بلا ہے؟۔ وہ بولی میں دجال کی جاسوس ہوں۔ چلو اس گرجے میں چلو۔ وہاں ایک شخص ہے جس کو تمہارا بڑا انتظار لگ رہا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ جب اس نے ایک آدمی کا ذکر کیا تو اب ہم کو ڈر لگا کہ کہیں وہ کوئی جن نہ ہو۔ ہم لپک کر گرجے میں پہنچے تو ہم نے ایک بڑا قوی ہیکل شخص دیکھا کہ اس سے قبل ہم نے ویسا کوئی شخص نہیں دیکھا تھا۔ اس کے ہاتھ گردن سے ملا کر اور اس کے پیر گھٹنوں سے لے کر ٹخنوں تک لوہے کی زنجیروں سے نہایت مضبوطی سے جکڑے ہوئے تھے۔ ہم نے اس سے کہا تیرا ناس ہو تو کون ہے؟۔ وہ بولا تم کو تو میرا پتہ کچھ نہ کچھ لگ ہی گیا۔ اب تم بتاؤ تم کون لوگ ہو۔ انہوں نے کہا ہم عرب کے باشندے ہیں۔ ہم ایک بڑی کشتی میں سفر کر رہے تھے۔ سمندر میں طوفان آیا اور ایک ماہ تک رہا۔ اس کے بعد ہم اس جزیرہ میں آئے تو یہاں ہمیں ایک جانور نظر پڑا جس کے تمام جسم پر بال ہی بال تھے۔ اس نے کہا میں جساسہ

(جاسوس، خبر رساں) ہوں۔ چلو اس شخص کی طرف چلو جو اس گرجے میں ہے۔ اس لئے ہم جلدی جلدی تیرے پاس آ گئے۔ اس نے کہا مجھے یہ بتاؤ کہ بیسان (شام میں ایک بستی کا نام ہے) کی کھجوروں میں پھل آتا ہے یا نہیں۔ ہم نے کہا ہاں آتا ہے۔ اس نے کہا وہ وقت قریب ہے جب اس میں پھل نہ آئیں۔ پھر اس نے پوچھا اچھا بحیرہ طبریہ کے متعلق بتاؤ اس میں پانی ہے یا نہیں۔ ہم نے کہا بہت ہے۔ اس نے کہا وہ زمانہ قریب ہے جبکہ اس میں پانی نہ رہے گا۔ پھر اس نے پوچھا زغر (شام میں ایک بستی) کے چشمہ کے متعلق بتاؤ اس میں پانی ہے یا نہیں اور اس بستی والے اپنی کھیتوں کو اس کا پانی دیتے ہیں یا نہیں۔ ہم نے کہا اس میں بھی بہت پانی ہے اور بستی والے اسی کے پانی سے کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں۔ پھر اس نے کہا اچھا "نبی الامیین" کا کچھ حال سناؤ۔ ہم نے کہا وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے ہیں۔ اس نے پوچھا کیا عرب کے لوگوں نے ان کے ساتھ جنگ کی ہے۔ ہم نے کہا ہاں۔ اس نے پوچھا اچھا پھر کیا نتیجہ رہا؟ ہم نے بتایا کہ وہ اپنے گردونواح پر تو غالب آ چکے ہیں اور لوگ ان کی اطاعت قبول کر چکے ہیں۔ اس نے کہا سن لو ان کے حق میں یہی بہتر تھا کہ ان کی اطاعت کر لیں اور اب میں تم کو اپنے متعلق بتاتا ہوں۔ میں مسیح دجال ہوں اور وہ وقت قریب ہے جبکہ مجھ کو یہاں سے باہر نکلنے کی اجازت مل جائے گی۔ میں باہر نکل کر تمام زمین پر گھوم جاؤں گا اور چالیس دن کے اندر اندر کوئی بستی ایسی نہ رہ جائے گی جس میں میں داخل نہ ہوں۔ بجز مکہ اور طیبہ کے کہ ان دونوں مقامات میں میرا داخلہ ممنوع ہے۔ جب میں ان دونوں میں سے کسی بستی میں داخل ہونے کا ارادہ کروں گا اس وقت ایک فرشتہ ہاتھ میں ننگی تلوار لئے سامنے سے آ کر مجھ کو داخل ہونے سے روک دے گا اور ان مقامات (مقدسہ) کے جتنے راستے ہیں۔ ان سب پر فرشتے ہوں گے کہ وہ ان کی حفاظت کر رہے ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی لکڑی منبر پر مار کر فرمایا کہ وہ طیبہ یہی مدینہ ہے یہ جملہ تین بار فرمایا۔ دیکھو کیا یہی بات میں نے تم سے بیان نہیں کی تھی۔ لوگوں نے کہا جی ہاں! آپ نے بیان فرمائی تھی۔ اس کے بعد فرمایا! دیکھو وہ بحر شام یا بحر یمن (راوی کو شک ہے) بلکہ مشرق کی جانب ہے اور اسی طرف ہاتھ سے ارشاد فرمایا۔

امام قرطبی نے اپنی مشہور کتاب التذکرہ میں لکھا ہے کہ دجال کی بابت جن سوالات کے تفصیلی جوابات حدیث میں آچکے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ اس کی حقیقت سبب خروج، محل خروج، وقت خروج، شکل وصورت، ساحرانہ کرشمے اس کا دعویٰ اس کے قاتل اور وقت قتل کی تعیین اور یہ بحث بھی کہ وہ ابن صیاد ہے یا کوئی اور۔ اس بحث سے اس مسئلہ کا فیصلہ بھی ہو جاتا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں موجود تھا یا نہیں۔ (دیکھو فتح الباری)

ابن صيّاد واسمه وحلية ابيه ومافيه من صفاته الغريبة

(۱۰)........"وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَمْکُثُ اَبُوالدَّجَّالِ وَاُمُّہٗ ثَلٰثِیْنَ عَامًا لَایُوْلَدُ لَھُمَا وَلَدٌ، ثُمَّ یُوْلَدُ لَھُمَا غُلَامٌ، اَعْوَرُ اَضْرَسُ وَاَقَلُّہٗ مَنْفَعَۃً تَنَامُ عَیْنَاہُ وَلَا یَنَامُ قَلْبُہٗ ثُمَّ نَعَتَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَبَوَیْہِ فَقَالَ اَبُوْہُ طِوَالٌ ضَرْبُ اللَّحْمِ کَاَنَّ اَنْفَہٗ مِنْقَارٌ وَاُمَّہٗ اِمْرَأَۃٌ فِرْضَاخِیَّۃٌ طَوِیْلَۃُ الثَّدْیَیْنِ فَقَالَ اَبُوْبَکْرَۃَ فَسَمِعْنَا بِمَوْلُوْدٍ فِی الْیَھُوْدِ بِالْمَدِیْنَۃِ فَذَھَبْتُ اَنَا وَالزُّبَیْرُبْنُ الْعَوَّامِ حَتّٰی دَخَلْنَا عَلٰی اَبَوَیْہِ فَاِذَا نَعْتُ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فِیْھِمَا فَقُلْنَا ھَلْ لَکُمَا وَلَدٌ فَقَالَا مَکَثْنَا ثَلٰثِیْنَ عَامًالَا یُوْلَدُلَنَا وَلَدٌ ثُمَّ وُلِدَلَنَا غُلَامٌ اَعْوَرًا ضِرْسٌ وَاَقَلُّہٗ مَنْفَعَۃً تَنَامُ عَیْنَاہُ وَلَا یَنَامُ قَلْبُہٗ قَالَ فَخَرَجْنَا مِنْ عِنْدِھِمَا فَاِذَاھُوَ مُنْجَدِلٌ فِی الشَّمْسِ فِیْ قَطِیْفَۃٍ وَلَہٗ ھَمْھَمَۃٌ فَکَشَفَ عَنْ رَّاْسِہٖ فَقَالَ مَاقُلْتُمَا؟ قُلْنَا وَھَلْ سَمِعْتَ مَاقُلْنَا؟ قَالَ نَعَمْ تَنَامُ عَیْنَایَ وَلَایَنَامُ قَلْبِیْ۔ رواہ ترمذی ج۲ ص۵۰ باب ماجاء فی ذکر ابن صیاد"

ابن صیاد کا نام اس کا اور اس کے باپ کا حلیہ اور اس کی عجیب وغریب صفات کا بیان

ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دجال کے ماں باپ کے گھر

تیس سال تک کوئی بچہ پیدا نہ ہو گا پھر ایک لڑکا پیدا ہو گا جس کی ایک آنکھ خراب ایک دانت باہر نکلا ہوا ہو گا وہ بالکل نکما ہو گا۔ سوتے میں اگر چہ اس کی آنکھیں بند ہوں گی مگر اس کا دل ہوشیار رہے گا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس کے ماں باپ کا نقشہ بیان فرمایا کہ اس کا باپ لانبا، چھریرے جسم والا، چونچ کی طرح اس کی ناک ہو گی۔ اس کی ماں کے دونوں پستان بڑے بڑے لٹکے ہوئے۔ ابو بکرہؓ کہتے ہیں کہ ہم نے مدینہ میں یہود کے گھر اسی قسم کے ایک لڑکے کی پیدائش سنی تو میں اور زبیر بن عوام اس کے دیکھنے کے لئے گئے۔ جب اس کے ماں باپ کے پاس پہنچے دیکھا تو وہ ٹھیک اسی صورت کے تھے جو رسول اللہ ﷺ نے ان کی صورت بیان فرمائی تھی۔ ہم نے پوچھا تمہارے کوئی بچہ ہے ؟۔ انہوں نے کہا تیس سال تک تو ہمارے کوئی بچہ نہیں تھا اس کے بعد اب ایک لڑکا پیدا ہوا ہے جس کی ایک آنکھ خراب ہے۔ اس کا ایک دانت باہر نکلا ہوا ہے۔ وہ بالکل نکما ہے۔ اس کی آنکھیں سوتی ہیں مگر اس کا دل خبردار رہتا ہے۔ ہم جو ان کے گھر سے باہر نکلے کیا دیکھتے ہیں کہ وہ دھوپ میں اپنی چادر میں لپٹا ہوا کچھ گنگنا رہا ہے۔ اس نے اپنا سر کھول کر کہا۔ تم کیا باتیں کر رہے تھے ؟۔ ہم نے کہا کیا تو نے ہماری باتیں سن لیں۔ وہ بولا ہاں! میری آنکھیں ہی سوتی ہیں۔ ورنہ میرا دل جاگتا رہتا ہے۔

جزری کہتے ہیں کہ روایت مذکورہ میں لفظ اضرس کاتب کی تصحیف ہے۔ اصل میں "اضر شی" ہے جیسا کہ ترمذی کی روایت میں موجود ہے۔ اس بناء پر اس کا ترجمہ یہ ہو گا کہ وہ سر تاپا مضرت ہی مضرت اور نقصان ہی نقصان ہے۔ احقر کا خیال ہے کہ "ضرس" لغت میں اگر چہ ڈاڑھ کو کہتے ہیں مگر توسعاً اس سے کیلہ یعنی کنارے کا لمبا نوکیلا دانت مراد ہو سکتا ہے اور اضرس کا ترجمہ لمبے کیلے والا ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ آئندہ روایت میں لفظ "طالعة نابه" موجود ہے۔ اس کا ترجمہ بھی یہی ہے کہ اس کا ایک کیلہ باہر کی جانب نکلا ہوا ہو گا۔ اس بنا پر تصحیف کہنے کی ضرورت نہ ہو گی۔

ابن صیاد کی صفات میں ایک صفت یہ بھی ہے کہ "تنام عيناه" ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ دل کی بیداری محمود صفت بھی ہے اور مذموم بھی جس کا علاقہ عالم ملکوت سے قائم ہوتا ہے وہ تو اس بیداری کی وجہ سے عالم علوی یعنی عالم ملکوت سے وابستہ رہتا ہے اور جس کا علاقہ

شیاطین اور جنوں کے ساتھ ہوتا ہے وہ عالم سفلی یعنی عالم شیاطین سے وابستہ رہتا ہے اور اس طرح مرکز ہدایت اور مرکز ضلالت دونوں کو اپنے اپنے عالموں سے مدد پہنچتی رہتی ہے: ”کلا نمد ھؤلاء وھؤلاء من عطاء ربك۔ وما کان عطاء ربك محذورا۔“

روایت مذکورہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے دجال اور اس کے ماں باپ کا نقشہ اور حلیہ بھی بیان فرمادیا تھا اور چونکہ وہ ابن صیاد اور اس کے ماں باپ میں بھی موجود تھا اس لئے ابن صیاد کا معاملہ شروع میں باعث تحیر بن گیا تھا کہ کہیں یہ وہی دجال تو نہیں کیونکہ جلد اول کی ختم نبوت کی بحث میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ آپ ﷺ نے دجال اکبر کے علاوہ تیس سے ستر دجالوں تک کی اور خبر دی ہے جو اسی امت میں پیدا ہوں گے اور دعویٰ نبوت کریں گے۔ بہر حال چونکہ اس بچہ میں دجال کا اور اس کے ماں باپ میں دجال کے ماں باپ کا اکثر نقشہ موجود تھا۔ اس لئے اس کے دجال ہونے میں خائف قلوب کو تردد پیدا ہو جانا ایک بالکل فطری اور معقول بات تھی۔

(۱۱)........”عَنْ نَافِعٍؒ قَالَ لَقِيَ ابْنُ عُمَرَ ابْنَ صَيَّادٍ فِيْ بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ لَهٗ قَوْلاً اَغْضَبَهٗ فَانْتَفَخَ حَتّٰى مَلأَ السِّكَّةَ فَدَخَلَ ابْنُ عُمَرَ عَلٰى حَفْصَةَ وَقَدْ بَلَغَهَا فَقَالَتْ لَهٗ رَحِمَكَ اللّٰهُ مَااَرَدْتَّ مِنْ اِبْنِ صَيَّادٍ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّمَا يَخْرُجُ مِنْ غَضْبَةٍ يَغْضِبُهَا۔ مسلم ج۲ ص۳۹۹ باب ذکر ابن صیاد“

﴿نافعؒ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ مدینہ کی کسی گلی میں ابن عمرؓ کی ابن صیاد سے مڈھ بھیڑ ہو گئی تو انہوں نے اسے کوئی ایسی بات کہہ دی جس سے اسے غصہ آگیا تو وہ پھولنے لگا اور ایسا پھولا کہ ساری گلی اس سے بھر گئی۔ اس کے بعد ابن عمرؓ اپنی ہمشیرہ حضرت سیدہ حفصہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کو کہیں یہ قصہ پہلے ہی پہنچ چکا تھا۔ انہوں نے فرمایا! اے ابن عمرؓ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے تم نے اسے فضول چھیڑا تمہارا کیا مطلب تھا؟۔ کیا تم کو یہ بات معلوم نہیں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ دجال جب نکلے گا تو کسی بات پر غضبناک ہونے کی وجہ سے ہی نکلے گا۔﴾

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن صیاد میں بعض باتیں غیر معمولی بھی تھیں۔ مثلاً پھول کر کپہ ہونا تو ایک مجاز اور اردو کا محاورہ ہے مگر حقیقتاً وہ اس طرح پھول جاتا تھا کہ ساری گلی اس سے بھر جائے۔ یہ جنات کے خواص میں سے ہے اس کے بعد ابن عمرؓ کی جو گفتگو حضرت حفصہؓ سے ہوئی اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اگر دجال یہی ابن صیاد ہے تو بھی اس کے خروج کا وقت یہ نہیں ہے۔ اب یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ یہی ابن صیاد کن کن حالات سے گزرے گا اور پھر اپنے وقت مقرر پر ان فتنہ سامانیوں کے ساتھ ظاہر ہوگا جو احادیث میں مذکور ہیں۔

(۱۲)........ ”عَنْ نَافِعٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُوْلُ وَاللّٰهِ مَا اَشُكُّ اَنَّ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ ابْنُ صَيَّادٍ۔ رواہ داؤد ج۲ ص۱۳۶ باب فی خبر ابن صیاد، والبیہقی فی کتاب البعث والنشور“

﴿نافعؓ روایت کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ مجھ کو اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ مسیح دجال وہ ابن صیاد ہی ہے۔﴾

مذکورہ بالا حالات کی بناء پر ابن عمرؓ کا ایسا یقین کر لینا کچھ بعید نہیں ہے مگر ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اتنی بات سے بقیہ تفصیلات پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ابن صیاد کا دجال ہونا پھر اپنے وقت پر اس کا ظاہر ہونا بہت آسان ہے اور یہ مختلف نقول اور آئندہ بھی جو آپ کے سامنے پیش ہوں گی۔ ان کا ابہام اس کے فتنہ در فتنہ ہونے کا سبب بن گئی ہیں۔

(۱۳)........ ”عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَدْ فَقَدْنَا ابْنَ صَيَّادٍ يَوْمَ الْحَرَّةِ۔ رواہ ابوداؤد ج۲ ص۱۳۶ باب فی خبر ابن صیاد“

﴿جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ جب جنگ حرہ ہوئی تھی اس دن کے بعد سے ہم کو ابن صیاد کا پتہ ہی نہیں چلا کہ وہ چلا کہاں گیا؟۔﴾

ابن صیاد کے حالات زندگی جتنے گوناگوں اختلافات اور ابہام میں پڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اتنے ہی اس کے حالات سے گم گشتگی بھی ہے حتیٰ کہ کوئی تو اس کا گم ہونا نقل کرتا ہے اور کوئی اس کی موت بھی بیان کرتا ہے۔ بہر حال یہ تمام بیانات آپ ﷺ کے بعد ہی کے

ہیں۔ ان تمام اختلافات کو بھی آپ ﷺ کے سر کیسے لگایا جا سکتا ہے ؟۔ آنحضرت ﷺ کی جانب سے اس کے بارہ میں ابتدائی تردد کے جو اسباب تھے اس کی حقیقت پہلے بیان ہو چکی ہے۔ اس کے بعد پھر جو آخری بات ہے وہ آئندہ حدیث میں آرہی ہے۔

(۱۴)………… ”وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ ن الْخُدُرِیَ قَالَ صَحِبْتُ ابْنَ صَیَّادٍ اِلیٰ مَکَّۃَ فَقَالَ لِیْ مَالَقِیْتُ مِنَ النَّاسِ یَزْعُمُوْنَ اَنِّی الدَّجَّالُ اَلَسْتَ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ اِنَّہٗ لَایُوْلَدُلَہٗ وَقَدْ وُلِدَلِیْ اَلَیْسَ قَدْ قَالَ ھُوَ کَافِرٌ وَاَنَامُسْلِمٌ اَوَلَیْسَ قَدْ قَالَ لَایَدْخُلُ الْمَدِیْنَۃَ وَلَا مَکَّۃَ وَقَدْ اَقْبَلْتُ مِنَ الْمَدِیْنَۃِ وَاَنَا اُرِیْدُ مَکَّۃَ ثُمَّ قَالَ لِیْ فِیْ اٰخِرِ قَوْلِہٖ اَمَا وَاللّٰہ اِنِّیْ لَاَعْلَمُ مَوْلِدَہٗ وَمَکَانَہٗ وَاَیْنَ ھُوَ وَاَعْرِفُ اَبَاہُ وَاُمَّہٗ قَالَ فَلَبَّسَنِیْ قَالَ قُلْتُ لَہٗ تَبًّالَکَ سَائِرَ الْیَوْمِ قَالَ وَقِیْلَ لَہٗ اَیَسُرُّکَ اَنَّکَ ذَاکَ الرَّجُلُ فَقَالَ لَوْ عُرِضَ عَلَیَّ مَاکَرِھْتُ۔ مسلم ج۲ ص۳۹۷ باب ذکر ابن صیاد“

﴿ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مکہ کے سفر میں میر اور ابن صیاد کا ساتھ ہو گیا۔ تو وہ مجھ سے کہنے لگا لوگوں سے مجھ کو کتنی تکلیف پہنچ رہی ہے۔ میرے متعلق یہ گمان رکھتے ہیں کہ وہ دجال میں ہوں۔ کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے نہیں سنا کہ اس کے اولاد نہ ہو گی اور میرے تو اولاد ہے۔ کیا آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ کافر ہو گا اور میں تو مسلمان ہوں۔ کیا آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ نہ مدینہ میں داخل ہو سکے گا نہ مکہ میں اور دیکھو میں مدینہ سے تو آہی رہا ہوں اور اب مکہ مکرمہ جارہا ہوں۔ یہ سب کچھ کہہ سن کر آخر میں کہنے لگا۔ خدا کی قسم! البتہ میں جانتا ہوں کہ وہ (دجال) کہاں پیدا ہوا؟ اور اب وہ کہاں ہے ؟۔ میں اس کے ماں باپ کو بھی خوب پہچانتا ہوں۔ ابو سعیدؓ فرماتے ہیں کہ یہ دورخی باتیں بنا کر اس نے مجھ کو شبہ میں ڈال دیا۔ میں نے اس سے کہا خدا تجھے ہلاک کرے۔ پھر کسی نے اس سے کہا کہ اگر وہ دجال تو ہی ہو تو کیا یہ بات تجھے پسند ہو گی۔ اس پر وہ بولا اگر مجھ کو دجال بنا دیا جائے تو مجھے کچھ برا ابھی نہیں معلوم ہو گا۔﴾

ابن صیاد کے یہ عجیب حالات سب حدیثوں سے ثابت ہیں اور ان سب سے ابہام

کے سوا کوئی صاف نتیجہ بر آمد نہیں ہوتا حتیٰ کہ اس نے خود جو بیان اپنی صفائی کے لئے پیش کیا تھا اس کو پھر خود ہی اپنی آخر گفتگو سے مبہم بنا دیا۔ حتیٰ کہ ابو سعیدؓ کے دل میں اس کی طرف سے اس کی پہلی تقریر سے جو قدرے اطمینان پیدا ہو گیا تھا وہ پھر جاتا رہا۔ پس جبکہ اس کی ذات اور اس کے اقوال میں خود اس درجہ ابہام کے سامان موجود ہیں کہ اس کی موجودگی میں بھی اس کی طرف سے اطمینان حاصل ہونا مشکل مسئلہ بن رہا ہے۔ تو بعد میں اگر روایات کے اختلافات سے اس ابہام کو کچھ اور مدد مل گئی ہو تو اندازہ فرمائیے کہ اب اس کا معاملہ کتنا پیچیدہ ہو جانا چاہئے۔ انسان کے سامنے جزم و یقین کی حالت میں بھی جب کوئی خوفناک منظر آجاتا ہے تو اس کی فطرت غیر اختیاری طور پر ہراساں ہونے لگتی ہے۔

دیکھئے قیامت کا آنا جتنی یقینی بات ہے۔ اتنی ہی یقینی یہ بات بھی ہے کہ قیامت حضور ﷺ کی حیات میں نہیں آئے گی۔ لیکن اس کے باوجود جب دنیا کے معمول کے مطابق ورج کو گہن لگتا تو آنحضرت ﷺ کی آنکھوں کے سامنے قیامت کا نقشہ گھومنے لگتا تھا۔ اسی رح جب آسمان پر سیاہ بادل منڈلاتے نظر آتے تو آپ ﷺ کے سامنے قوموں کی ہلاکت کا ماں بندھ جاتا اور آپ ﷺ پر کرب و بے چینی کا یہ عالم اس وقت تک برابر رہتا جب تک کہ ش ہو کر بادل صاف نہ ہو جاتے۔ پس خوف کے مقامات میں جو غیر اختیاری تردد لاحق ہونا سانی فطرت ہے۔ اس کو جزم و یقین کے خلاف سمجھنا خود بڑی نافہمی ہے۔ اسی طرح ابن صیاد کے حالات تھے۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ اس کے حالات دجال اکبر سے کتنے ملتے جلتے تھے۔ اس لئے اگر اس کے معاملہ میں آپ ﷺ سے ابتداً غیر اختیاری تردد کے جو الفاظ منقول ہیں۔ ان ی حقیقت اس سے زیادہ نہیں سمجھنا چاہئے جو ابھی ہم نے آپ سے بیان کی ہے۔ یہاں جن کو ابھی تک یہ تمام حقائق رام کہانیاں معلوم ہوتی ہیں جن کو خسوف شمس جیسے معمولی تغیر سے قیامت اور بادلوں کی آمد سے عذاب کا خطرہ بھی لاحق نہیں ہو سکتا۔ وہ ان حقائق کا نام تاویلات ہی رکھیں گے۔ ان کو کیا اندازہ ہو سکتا ہے کہ دجالی فتنہ کتنا عظیم فتنہ ہو گا اور ابن صیاد کے عجیب و غریب حالات کتنے تردد اور کتنے غور و فکر کا سامان بن سکتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ جب دل میں ایمان ہی کمزور ہو تو ہر موقعہ پر عقائد کا پلہ اسی جانب جھکنے لگتا ہے جو دین

سے بعید تر ہوتی ہے: "وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَالَهٗ مِنْ نُّوْرٍ"

(۱۵)......... "وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ امْرَأَةً مِنَ الْيَهُوْدِ بِالْمَدِيْنَةِ وَلَدَتْ غُلَامًا مَمْسُوْحَةً عَيْنُهٗ طَالِعَةً نَابُهٗ فَاَشْفَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يَّكُوْنَ الدَّجَّالَ فَوَجَدَهٗ تَحْتَ قَطِيْفَةٍ يُهَمْهِمُ فَاٰذَنَتْهُ اُمُّهٗ فَقَالَتْ يَاعَبْدَاللّٰهِ هٰذَا اَبُوالْقَاسِمِ فَخَرَجَ مِنَ الْقَطِيْفَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَالَهَا قَاتَلَهَا اللّٰهُ لَوْتَرَكَتْهُ لَبَيَّنَ فَذَكَرَ مِثْلَ مَعْنٰى حَدِيْثِ عُمَرَ فَقَالَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ اِئْذَنْ لِّیْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَقْتُلُهٗ فَقَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنْ يَّكُنْ هُوَ فَلَسْتَ صَاحِبَهٗ اِنَّمَا صَاحِبُهٗ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَاَنْ لَّاَيَكُنْ هُوَ فَلَيْسَ لَكَ اَنْ تَقْتُلَ رَجُلًا مِنْ اَهْلِ الْعَهْدِ فَلَمْ يَزَلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مُشْفِقًا اَنَّهٗ هُوَ الدَّجَّالُ۔ رواه فی شرح السنة"

﴿جابرؓ کہتے ہیں کہ مدینہ میں ایک یہودی عورت کے لڑکا پیدا ہوا جس کی ایک آنکھ صاف تھی اور جس کا کیلہ باہر کو نکلا ہوا تھا تو رسول اللہ ﷺ کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں یہ وہی دجال نہ ہو۔ پھر ایسا ہوا کہ آپ ﷺ نے اس کو ایک چادر میں لپٹا ہوا دیکھا کہ اس میں پڑا کچھ گنگنا رہا تھا۔ اس کی ماں نے (آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر) اس کو خبردار کر دیا کہ اے عبداللہ! دیکھو یہ ابوالقاسم آگئے ہیں۔ پس وہ اپنی چادر سے باہر نکل آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ اس کا ناس کرے۔ اگر یہ اس کو اطلاع نہ دیتی تو یہ اپنا معاملہ خود ہی بیان کر دیتا۔ پھر راوی نے حضرت عمرؓ والی حدیث کا قصہ بیان کیا کہ حضرت عمرؓ نے عرض کی یارسول اللہ! مجھ کو اجازت دیجئے میں اس کو قتل کر دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا! اگر یہ وہی دجال ہے تو تم اس کے قاتل نہیں ہو۔ اس کو تو عیسیٰ بن مریم علیہما السلام قتل کریں گے اور اگر یہ وہ نہیں تو ایسے بچہ کا قتل کرنا خیر کی بات نہیں جو ہمارے عہد میں داخل ہے۔ (یعنی ہماری ذمی رعایا ہے۔) اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو اس کے متعلق یہ خطرہ لگا ہی رہا کہ کہیں وہ دجال اکبر نہ ہو۔﴾

دجال کا فتنہ چونکہ اپنی نوعیت میں سب سے بڑا فتنہ تھا۔ اس لئے قدرتی لحاظ سے اس میں راویوں کے بیان سے ایک ابہام یہ اور پیدا ہو گیا ہے کہ وہ ابن صیاد تھا یا کوئی دوسرا

شخص۔ اس کو براہ راست آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں۔ احادیث سے بعض دوسرے مقامات میں بھی ہم کو اس کی نظیر ملتی ہے۔ مثلاً شب قدر، ساعت محمودہ، صلوٰۃ وسطیٰ وغیرہ ان سب کے بارہ میں وثوق کے ساتھ تعین کا کوئی دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ان امور میں خود آنحضرت ﷺ کے علم میں بھی ابہام موجود تھا۔ بلکہ آپ ﷺ نے تو ان کو بیان فرمایا تھا پھر کسی وجہ سے راویوں کے بیان میں اختلاف ہوا اور اس طرح آخر امت کیلئے اصل معاملہ تکویناً مبہم بن گیا۔ اب جو جدوجہد کرنے والے افراد تھے انہوں نے شب قدر، ساعت محمودہ اور صلوۃ وسطیٰ کی تلاش میں اپنی مساعی تیز کر دیں اور جو جو بھی ان کا مصداق بن سکتا تھا۔ کسی تحقیق اور تفصیل کے بغیر ان سب مبہم ساعات میں وہی کوشش صرف کر ڈالی جو کسی ایک ساعت کے معین ہونے کی صورت میں کی جا سکتی تھی اور اس طرح یہ تکوینی ابہام ان کے حق میں ایک رحمت بن گیا۔ اسی طرح ابن صیاد کا معاملہ بھی روایات کے اختلافات کی وجہ سے گو مبہم رہا مگر یہ ابہام بھی سعید طبائع کے لئے رحمت بن گیا کیونکہ اس ابہام کا ثمرہ اس سے زیادہ اور کیا ہے کہ وہ دجال اکبر تھا یا نہیں۔ اس سے زیادہ اس ابہام کا دیگر تفصیلات پر کوئی اثر نہیں ہے۔ پس اگر ہم کو معین طور پر یہ معلوم نہیں ہو سکا تو اس کا اقتضا یہی ہے کہ اب ہم کو اور زیادہ احتیاط لازم ہو گئی۔ دیکھئے اگر اس روایت کی بناء پر ابن صیاد ہی دجال اکبر ہو تو اسی روایت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس کا اثر بقیہ تفصیلات پر اور کچھ نہیں ہے۔ چنانچہ جب حضرت عمرؓ نے اس کے قتل کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے صاف فرما دیا کہ دجال اکبر کے قاتل ازل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقرر ہو چکے ہیں اور جب یہ ہے تو نہ اللہ تعالیٰ کا علم بدل سکتا ہے اور نہ تم اس کو قتل کر سکتے ہو۔ لہذا اس ابہام کو لے کر بقیہ سارے معاملات کو مبہم بنا ڈالنا کج فہمی اور کج روی کے سوا کچھ نہیں۔ اس حدیث کے بقیہ مباحث کی تفصیل تقدیر کے باب میں گزر چکی ہے۔ آخر میں اتنا اور لکھ دینا کافی ہے کہ بہت سے امور مفزعہ کے پیش آنے پر آپ ﷺ کے چہرہ پر تردد اور خوف کا نمودار ہو جانا یہ کسی یقین کے مزاحم نہیں کہا جا سکتا۔ نہ ان کو کسی تردد کا باعث قرار دیا جا سکتا ہے۔ (جیسا کہ آئندہ آنے والا ہے۔)

آپ ﷺ کا وجود پاک جو عالم کے لئے رحمت ہی رحمت تھا۔ اس کے موجود ہوتے ہوئے قیامت کا قائم ہو جانا کیسے ممکن تھا: " وما كان الله ليعذبهم وانت فيهم. " لہذا اگر کوئی شخص صرف ان احادیث کو اٹھا کر قیامت کا انکار کر ڈالے یا اس کے وقوع کے تردد میں پڑ جائے تو یہ اس کی نافہمی اور قصور فہم کا سبب ہے۔ اس کو حدیثوں کے سر رکھ دینا امور بدیہیہ سے ناواقفی ہے۔ اسی طرح احادیث فتن میں اس قسم کے ابہامات پیش آ گئے ہیں کہ اپنی اپنی فہم کے مطابق علماء نے ان کی تعیین میں کسی قدر عجلت سے کام لیا ہے۔ حالانکہ جب نہ حدیث میں ان کے ظہور کا وقت متعین ہے اور نہ ان کی تعیین مذکور ہے تو پھر اپنی جانب سے اس کی تعیین میں عجلت بازی سے کام لے کر اس کو حدیث کی طرف منسوب کر ڈالنا خلاف واقع ہے۔

(۱۶)............ "عَنِ ابنِ عُمَرَ قَالَ اِنطَلَقَ النَّبِیُّ ﷺ وَاُبَیُّ بنُ کَعبٍ یَأتِیَانِ النَّخلَ الَّذِیْ فِیْهِ ابنُ صَیَّادٍ حَتّٰی اِذَا دَخَلَ النَّخلَ طَفِقَ النَّبِیُّ ﷺ یَتَّقِیْ بِجُذُوعِ النَّخلِ وَهُوَ یَختِلُ اَنْ یَّسمَعَ مِنَ ابنِ صَیَّادٍ شَیْئاً قَبلَ اَنْ یَرَاهُ وَابنُ صَیَّادٍ مُضطَجِعٌ عَلٰی فِرَاشِهٖ فِیْ قَطِیْفَةٍ لَهٗ فِیْهَا رَمْزَمَةٌ فَرَأَتْ اُمُّ ابنِ صَیَّادٍ النَّبِیَّ ﷺ وَهُوَ یَتَّقِیْ بِجُذُوعِ النَّخلِ فَقَالَتْ لِابنِ صَیَّادٍ ای صَافِ وَهُوَ اسمُهٗ فَثَارَ ابنُ صَیَّادٍ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ لَوْ تَرَکَتْهُ بَیَّنَ وَقَالَ سَالِمٌ قَالَ ابنُ عُمَرَ ثُمَّ قَامَ النَّبِیُّ ﷺ فِی النَّاسِ فَاَثْنٰی عَلَی اللّٰهِ بِمَا هُوَ اَهلُهٗ ثُمَّ ذَکَرَ الدَّجَّالَ فَقَالَ اِنِّیْ اُنذِرُکُمُوْهُ وَمَامِنْ نَبِیٍّ اِلاَّ وَقَدْ اَنذَرَهٗ قَوْمَهٗ لَقَدْ اَنذَرَهٗ نُوحٌ قَوْمَهٗ وَلٰکِنْ سَاَقُوْلُ لَکُمْ فِیْهِ قَوْلاً لَمْ یَقُلْهُ نَبِیٌّ لِقَوْمِهٖ تَعلَمُوْنَ اَنَّهٗ اَعوَرُ وَاَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِاَعوَرَ. رواه البخاری ص۴۲۹، ۴۳۰ ج۱، باب کیف یعرض الاسلام الصبی کتاب الجهاد "

ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھ ابی بن کعبؓ اس باغ کی طرف چلے جس میں ابن صیاد رہتا تھا۔ جب آپؐ باغ کے اندر تشریف لائے تو آپؐ کھجور کے درختوں کی آڑ میں چھپ چھپ کر یہ تدبیر کر رہے تھے کہ ابن صیاد کے دیکھنے سے

پہلے آپ اس کی کوئی بات سن لیں۔ ادھر ابن صیاد اپنے بچھونے پر ایک چادر میں لپٹا ہوا اندر اندر کچھ گنگنا رہا تھا۔ اس کی ماں نے آپ کو دیکھ پایا کہ آپ درخت کے تنوں کی آڑ لے رہے ہیں تو فوراً اس نے کہا۔ او صاف! (یہ اس کا نام تھا) ہوشیار۔ بس یہ سن کر ابن صیاد فوراً کھڑا ہو گیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اگر اس کی ماں اس کو ہوشیار نہ کرتی تو یہ صاف بات کہہ گزرتا۔ سالمؒ کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ نے فرمایا اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے لوگوں میں خطبہ دیا اور خدا کی شان کے مناسب حمد و ثنا کی۔ اس کے بعد دجال کا ذکر کیا اور فرمایا میں تم کو اس کے فتنے سے اسی طرح ڈراتا ہوں جیسا کہ حضرت نوح علیہ اسلام نے اپنی قوم کو ڈرایا ہے اور کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے اس سے اپنی قوم کو نہ ڈرایا ہو۔ لیکن ایک بات میں تم کو ایسی صاف بتاتا ہوں جو کسی نبی نے اپنی قوم سے نہیں کہی۔ وہ یہ کہ تم جان چکے ہو کہ وہ کانا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہر عیب سے بری ہے۔ وہ کانا نہیں ہو سکتا۔ ﴾

(١٧)......... ”عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ بَيْتِيْ فَذَكَرَ الدَّجَّالَ فَقَالَ اِنَّ بَيْنَ يَدَيْهِ ثلاث سِنِيْنَ سَنَةٌ تُمْسِكُ السَّمَاءُ فِيْهَا ثُلُثَ قَطْرِهَا وَالْاَرْضُ ثُلُثَ نَبَاتِهَا وَالثَّانِيَةُ تُمْسِكُ السَّمَاءُ ثُلُثَيْ قَطْرِهَا وَالْاَرْضُ ثُلُثَيْ نَبَاتِهَا وَالثَّالِثَةُ تُمْسِكُ السَّمَاءُ قَطْرَهَا كُلَّهٗ وَالْاَرْضُ نَبَاتَهَا كُلَّهٗ فَلاَ يَبْقٰى ذَاتُ ضِرْسٍ وَلاَذَاتُ ظِلْفٍ مِنَ الْبَهَائِمِ اِلاَّ هَلَكَ وَاِنَّ اَشَدَّ فِتْنَتِهٖ اَنَّ يَاْتِى الْاَعْرَابِىَّ فَيَقُوْلُ اَرَاَيْتَ اِنْ اَحْيَيْتُ لَكَ اِبِلَكَ اَلَسْتَ تَعْلَمُ اَنِّىْ رَبُّكَ قَالَ فَيَقُوْلُ بَلٰى فَيُمَثِّلُ لَهُ الشَّيْطَانُ نَحْوَابِلِهٖ كَاَحْسَنِ مَاتَكُوْنُ ضُرُوْعًا وَاَعْظَمِهٖ اَسْنِمَةً قَالَ وَيَاْتِى الرَّجُلَ قَدْمَاتَ اَخُوْهُ وَمَاتَ اَبُوْهُ فَيَقُوْلُ اَرَاَيْتَ اِنْ اَحْيَيْتُ لَكَ اَبَاكَ وَاَحْيَيْتُ لَكَ اَخَاكَ اَلَسْتَ تَعْلَمُ اَنِّىْ رَبُّكَ فَيَقُوْلُ بَلٰى فَيُمَثِّلُ لَهُ الشَّيْطَانُ نَحْوَاَبِيْهِ وَنَحْوَاَخِيْهِ قَالَتْ ثُمَّ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِحَاجَتِهٖ ثُمَّ رَجَعَ قَالَتْ وَالْقَوْمُ فِىْ اِهْتِمَامٍ وَغَمٍّ مِمَّا حَدَّثَهُمْ بِهٖ قَالَتْ فَاَخَذَ بِلُحْمَتَى الْبَابِ فَقَالَ مَهْيَمْ اَسْمَاءُ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لَقَدْ خَلَعَتْ اَفْئِدَتُنَا بِذِكْرِ الدَّجَّالِ قَالَ اِنْ يَخْرُجْ وَاَنَا حَىٌّ فَاَنَا حَجِيْجُهٗ وَاِلاَّ فَاِنَّ رَبِّىْ خَلِيْفَتِىْ عَلٰى كُلِّ مُؤْمِنٍ

قَالَتْ اَسْمَاءَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّاوَاللّٰهِ لَنَعْجِنُ عَجِيْنَنَا فَمَا نُخْبِزُهٗ حَتّٰى نَجُوْعَ فَكَيْفَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَئِذٍ قَالَ يُجْزِئُهُمْ مَايُجْزِئُ اَهْلَ السَّمَاءِ مِنَ التَّسْبِيْحِ وَالتَّقْدِيْسِ ۰ رواه احمد ص ٤٥٥' ٤٥٦ ج ٦'ابوداؤد والطيالسى"

﴿اسماء بنت یزیدؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے دجال کا ذکر فرمایا اور فرمایا کہ اس کے ظہور سے پہلے تین قحط پڑیں گے۔ ایک سال آسمان کی ایک تہائی بارش رک جائے گی اور زمین کی پیداوار بھی ایک تہائی کم ہو جائے گی۔ دوسرے سال آسمان کی دو حصے بارش رک جائے گی اور زمین کی پیداوار دو حصے کم ہو جائے گی اور تیسرے سال آسمان سے بارش بالکل نہ برسے گی اور زمین کی پیداوار بھی کچھ نہ ہو گی۔ حتیٰ کہ جتنے حیوانات ہیں خواہ وہ کھر والے ہوں یا ڈاڑھ سے کھانے والے سب ہلاک ہو جائیں گے اور اس کا سب سے بڑا فتنہ یہ ہو گا کہ وہ ایک گنوار آدمی کے پاس آکر کہے گا۔ اگر میں تیرے اونٹ زندہ کر دوں تو کیا اس کے بعد بھی تجھ کو یہ یقین نہ آئے گا کہ میں تیرا رب ہوں؟۔ وہ کہے گا ضرور۔ اس کے بعد شیطان اسی کے اونٹ کی سی شکل بن کر اس کے سامنے آئے گا۔ جیسے اچھے تھن اور بڑے کوہان والے اونٹ ہوا کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور شخص کے پاس آئے گا جس کا باپ اور سگا بھائی گزر چکا ہو گا اور اس سے آکر کہے گا۔ بتلا اگر میں تیرے باپ بھائی کو زندہ کر دوں تو کیا پھر بھی یہ یقین نہ آئے گا کہ میں تیرا رب ہوں؟۔ وہ کہے گا کیوں نہیں۔ بس اس کے بعد شیطان اس کے باپ بھائی کی صورت بن کر آجائے گا۔ حضرت اسماءؓ کہتی ہیں کہ یہ بیان فرما کر رسول اللہ ﷺ ضرورت سے باہر تشریف لے گئے۔ اس کے بعد لوٹ کر دیکھا تو لوگ آپ ﷺ کے اس بیان کے بعد سے بڑے فکر و غم میں پڑے ہوئے تھے۔ اسماءؓ کہتی ہیں کہ آپ ﷺ نے دروازہ کے دونوں کواڑ پکڑ کر فرمایا! اسماءؓ کہو کیا حال ہے؟۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! دجال کا ذکر سن کر ہمارے دل تو سینے سے نکلے پڑتے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا! اگر وہ میری زندگی میں ظاہر ہوا تو میں اس سے نمٹ لوں گا۔ ورنہ میرے بعد پھر ہر مومن کا نگہبان میرا رب ہے۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ ہمارا حال جب آج یہ ہے کہ ہم آٹا گوندھنا چاہتے ہیں مگر غم کے مارے اس کو اچھی

طرح گوندھ بھی نہیں سکتے۔ چہ جائیکہ روٹی پکا سکیں بھوکے ہی رہتے ہیں تو بھلا اس دن مؤمنوں کا حال کیا ہو گا جب یہ فتنہ آنکھوں کے سامنے آجائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا! اس دن ان کو وہ غذا کافی ہو گی جو آسمان کے فرشتوں کی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس۔

حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ جب اس عظیم ترین فتنے کا ظہور قریب ہو گا تو جس طرح انبیاء علیہم السلام کے ظہور سے پہلے برکات (ارہاص) کا ظہور شروع ہو جاتا ہے اسی طرح اس فتنے سے پہلے برکات کا خاتمہ ہونا شروع ہو جائے گا۔ بارش غلہ اور اسی کے ساتھ سب حیوانات ختم ہو جائیں گے۔ اس بے سروسامانی میں وہ اس سازو سامان کے ساتھ آئے گا کہ ایک برباد شدہ کسان کے حیوانات زندہ کر دے گا اور ایک شخص سے اس کے باپ اور بھائی کے دوبارہ زندہ کر دینے کا وعدہ کرے گا۔ اب سوچئے کہ ضعیف انسان کی بے علمی اور اسی کے ساتھ جب افلاس کی سختی بھی یکجا جمع ہو جائے تو اس کی آزمائش کا میدان کتنا سخت ہو جائے گا۔ مردہ کا زندہ کرنا ہی کچھ کم بات نہیں پھر ایک کسان کے لئے اس کے جانور اور ان سے بڑھ کر اس کی اولاد اور اس کے ماں باپ اس سے زیادہ پیاری چیزیں اور کیا ہو سکتی ہیں ؟۔ کون ہے جو اس فتنہ کا مقابلہ کر سکتا۔ اگر کہیں حدیث نے اس کی اعجوبہ نمائیوں کا راز فاش نہ کر دیا ہوتا تو آج بھی بہت سے ضعیف الایمان تردد میں پڑ جاتے مگر جب یہ بات صاف ہو گئی کہ یہ سب کچھ شیطانی تصرفات اور شعبدے ہوں گے تو اب کوئی اشکال نہ رہا۔ ظاہر ہے کہ دجال جب خدائی کا مدعی ہو تو اس کو خدائی کا سامان بھی دکھانا ضروری ہے۔ اس لئے اس کے ساتھ جنت دوزخ کا ہونا بھی ضروری ہے اور مردہ کو زندہ کرنے کا دعویٰ بھی ضروری ہے مگر حدیث کہتی ہے کہ یہ سب کچھ بازیگر کے تماشے سے زیادہ نہ ہو گا۔ چنانچہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لا کر اس کو قتل کر دیں گے تو اس کی خدائی کا یہ سارا ڈھونگ ایک بندہ کے ہاتھوں کھل ہی جائے گا۔

شیاطین اور ان کے تصرفات کی تفصیلات انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ آپ کے ملاحظہ سے گزریں گی۔ مگر اتنی بات اجمالاً یہاں بھی سن لیجئے کہ امور خیر کی تائید فرشتے اور شر کی شیاطین کرتے رہتے ہیں۔ پھر جو طاقت جتنی بڑی مرکزی ہوتی ہے اسی قدر اس اعانت میں

بھی قوت اور ضعف کا فرق ہو جاتا ہے۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام کی تائید میں سارا عالم ملکوت نظر آتا ہے۔ اس کے بالمقابل دجال کی تائید میں سارا عالم شیاطین ہی ہونا چاہئے۔ جن کی نظر صرف ایک عالم مادی اور اس عالم کے بھی ایک مختصر اور محدود گوشہ میں محصور ہو کر رہ جائے۔ ان بیچاروں کے لئے ان حقائق کا سمجھنا بھی مشکل ہے۔

(۱۸)............"عَنِ الْمُغِيْرَةَ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ مَاسَأَلَ اَحَدٌ النَّبِیَّ ﷺ عَنِ الدَّجَّالِ اَكْثَرَ مِمَّا سَأَلْتُهٗ وَاَنَّهٗ قَالَ لِیْ مَايَضُرُّكَ مِنْهُ قُلْتُ اِنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ مَعَهٗ جَبَلُ خُبْزٍ وَنَهْرُمَاءٍ قَالَ اَنَهٗ اَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ. بخاری ج۲ص۱۰۵۵ باب ذکر الدجال ‘مسلم ج۲ص۴۰۳ باب ذکر الدجال"

﴿حضرت مغیرۃ بن شعبہؓ کہتے ہیں کہ دجال کے متعلق جتنے سوالات میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے کئے ہیں اتنے کسی اور شخص نے نہیں کئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دجال بھلا تم کو کیا نقصان پہنچا سکے گا۔ میں نے عرض کی لوگ تو یہ بیان کرتے ہیں کہ اس کے ساتھ روٹیوں کا پہاڑ اور پانی کی نہر ہو گی۔ (یعنی قحط میں رزق کا پورا سامان ہو گا) آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ حقیر اور ذلیل تر ہے کہ اس کو یہ سازوسامان ملے (جو ہو گا اس کی حقیقت سب شعبدہ بازی اور نظر بندی سے زیادہ نہ ہو گی جیسے ساحرین فرعون کی رسیوں کی)﴾

(۱۹)............"وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِیَّ قَالَ لَقِيَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ يَعْنِیْ اِبْنَ صَيَّادٍ فِیْ بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَتَشْهَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ هُوَ اَتَشْهَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ مَاذَاتَرٰی قَالَ اَرٰی عَرْشًا عَلَى الْمَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَرٰی عَرْشَ اِبْلِيْسَ عَلَى الْبَحْرِ قَالَ وَمَاتَرٰی قَالَ اَرٰی صَادِقَيْنِ وَكَاذِبًا اَوْكَاذِبَيْنِ وَصَادِقًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لُبِسَ عَلَيْهِ فَدَعُوْهُ. رواہ مسلم ج۲ ص۳۹۷ باب ذکر ابن صیاد"

﴿ابو سعیدؓ خدری سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ اور ابو بکرؓ و عمرؓ کا اور ابن صیاد کا مدینہ کے کسی راستے میں کہیں آمنا سامنا ہو گیا، تو رسول اللہ ﷺ نے ابن صیاد سے فرمایا۔ تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ میں یقینی اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ اس پر وہ بدبخت بولا! اچھا کیا آپ ﷺ اس کی گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس کا یہ جملہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا! میں تو اللہ تعالیٰ پر اس کے فرشتوں پر اور سب کتب پر ایمان لا چکا۔ (اس کے بعد آپ ﷺ نے اس سے پوچھا) بھلا تجھے نظر کیا آتا ہے؟۔ وہ بولا مجھ کو پانی پر عرش (ایک تخت) نظر آتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو عرش ابلیس ہے جو تجھ کو سمندر پر نظر آتا ہے۔ اچھا تجھ کو اور کیا نظر آتا ہے؟ وہ بولا میرے پاس دو سچے ایک جھوٹا، یا دو جھوٹے تو ایک سچا شخص نظر آتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا چھوڑو اس کو خود ہی اپنی حقیقت کا پتہ نہیں۔﴾

آنحضرت ﷺ نے یہاں سب سے پہلے اس سے اپنی رسالت کے متعلق سوال کیا کہ مقبول یا مردود ہونے کا سب سے پہلا معیار یہی ہے مگر اس نے شروع ہی سے نامعقول بات شروع کی اور اپنے متعلق آپ ﷺ سے یہی سوال کیا۔ اس پر آپ ﷺ کا جواب کتنا بلیغ تھا کہ آپ ﷺ نے کسی بے اصل بات کو قابل تردید بھی نہیں سمجھا کیونکہ تردید بھی اسی بات کی، کی جاتی ہے جس کا کوئی امکان بھی ہو۔ لہذا آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان کا اظہار کر کے اس کو صحیح جواب بھی دے دیا اور خاص اس کے سوال کے جواب سے اعراض بھی کر لیا۔ اس کے بعد جب آپ ﷺ نے مزید تحقیق فرمائی تو اس نے ایک عرش دیکھنا بتایا۔ آپ ﷺ نے وضاحت فرمادی کہ وہ تو عرش شیطان ہے۔ اس نے بھی اپنے اعوان وانصار کے لئے ایک عرش بچھا رکھا ہے۔ اس کے بعد جب آپ ﷺ نے اس کے پاس خبریں نے والے کے متعلق سوال کیا تو بات بالکل صاف ہو گئی کیونکہ نبی کو خبر دینے والے میں کاذب ہونے کا احتمال ہی نہیں ہوتا۔ وہ صادق ہی صادق ہوتا ہے جس کو دو سچی اور ایک جھوٹی یا اس کے برعکس خبریں معلوم ہوں۔ تو یہ اس کے کاہن ہونے کی دلیل ہے۔ اس لئے اس کے بعد آپ ﷺ نے اس سے اور کوئی سوال نہیں کیا اور بات صاف ہو گئی۔ اس حدیث میں ایک قابل غور بات یہ بھی نکلتی ہے کہ ابن صیاد کی دجالیت کی علامات میں تدریج

بھی ہے جیسا کہ: " وقد نفرت عينه " کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے۔ اسی پر دوسری علامات کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔

(۲۰)............"عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ ابْنَ صَیَّادٍ سَأَلَ النَّبِیَّ ﷺ عَنْ تُرْبَةِ الْجَنَّةِ فَقَالَ دَرْمَكَةٌ بَيْضَاءُ مِسْكٌ خَالِصٌ۔ رواه مسلم ج۲ ص۳۹۸ باب ذكر ابن صياد"

﴿ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ابن صیاد نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا جنت کی مٹی کیسی ہے؟۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ میدہ کی طرح سفید اور مشک خالص کی طرح خوشبودار ہے۔﴾

(۲۱)............"عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَقِيْتُهٗ وَنَفَرَتْ عَيْنُهٗ فَقُلْتُ مَتٰى فَعَلَتْ عَيْنُكَ مَا اَرٰى قَالَ لَا اَدْرِیْ قَالَ قُلْتُ لَا تَدْرِیْ وَهِیَ فِیْ رَأْسِكَ قَالَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ خَلَقَهَا فِی عَصَاكَ قَالَ فَنَخَرَ كَاَشَدِّ نَخِيْرِ حِمَارٍ سَمِعْتُ۔ رواه مسلم ج۲ ص۳۹۹ باب ذكر ابن صياد"

﴿ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ابن صیاد کو جب میں نے دیکھا تھا تو اس وقت اس کی آنکھ خراب ہو چکی تھی۔ میں نے پوچھا تیری یہ آنکھ کب خراب ہوئی؟۔ اس نے کہا مجھے نہیں معلوم۔ میں نے کہا اچھا وہ تیرے سر میں ہے اور پھر بھی تجھ کو معلوم نہیں؟۔ اس نے کہا اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو تیری لکڑی میں اسے پیدا فرمادے۔ یہ کہہ کر اس نے ایک ایسی زور کی آواز نکالی جیسے گدھے کی زور کی چیخ ہوتی ہے۔﴾

(۲۲)............"عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ بَيْنَ اَنَا نَائِمٌ اَطُوْفُ بِالْكَعْبَةِ فَاِذَا رَجُلٌ اٰدَمُ سَبْطُ الشَّعْرِ يُهَادِیْ بَيْنَ رَجُلَيْنِ يَنْطِفُ اَوْيُهْرَاقُ رَأْسُهٗ مَاءً قُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالُوْا ابْنُ مَرْيَمَ فَذَهَبْتُ اَلْتَفِتُ فَاِذَا رَجُلٌ اَحْمَرُ جَسِيْمٌ جَعْدُ الرَّأْسِ اَعْوَرُ عَيْنُهُ الْيُمْنٰى كَاَنَّ عَيْنَهٗ عِنَبَةٌ طَافِئَةٌ فَقُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالُوْا هٰذَا الدَّجَّالُ وَاَقْرَبُ النَّاسِ بِهٖ شَبَهًا اِبْنُ قَطَنٍ قَالَ الزُّهْرِیُّ رَجُلٌ مِنْ خُزَاعَةَ۔ رواه البخاری ص۴۸۹ ج۱ با.

اذکرفی الکتاب مریم 'کتاب الانبیاء"

﴿ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں سو رہا تھا اور خواب میں طواف کر رہا تھا کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص ہیں گندم گوں رنگ، سیدھے سیدھے بال۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ ہیں حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) پھر جو میری توجہ ذرا دوسری طرف گئی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بڑا لمبا چوڑا آدمی، سرخ رنگ، سخت گھونگر والے بال، آنکھ سے کانا، ایک آنکھ ایسی تھی جیسا ابھرا ہوا انگور، لوگوں نے بتایا یہ ہے دجال ا[illegible] اور سب سے زیادہ مشابہ شخص دیکھنا چاہو تو۔ بس خزاعۃ قبیلہ کا یہ عبدالعزی بن قطن ہے وہ [illegible] اسی صورت کا تھا۔﴾

دوسری حدیثوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ عروہ بن مسعودؓ کے بہت مشابہ ہیں اس حدیث کی تشبیہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان ہر دو افراد سے مراد خاص خاص اشخاص ہیں۔ قوم انگریز یا وہ شخص مراد نہیں جو عیسیٰ ابن مریم کی صفات یا ہیئت کا حامل نہ ہو جیسا کہ یہاں بعض مدعین کا دعویٰ ہے۔

(۲۳)........."عَنْ عَائِشَةَ اَخْبَرَتْهُ قَالَتْ دَخَلَ عَلَّى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاَنَا اَبْکِی فَقَالَ لِیْ مَایُبْکِیْكَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ذَکَرْتَ الدَّجَّالَ فَبَکَیْتُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنْ یَّخْرُجَ الدَّجَّالُ وَاَنَا حَیٌّ کفیتکُمُوْهُ وَاِنْ یَّخْرُجَ الدَّجَّالُ بَعْدِیْ فَاِنَّ رَبَّکُمْ عَزَّوَجَلَّ لَیْسَ بِاَعْوَرَ اِنَّهٗ یَخْرُجُ فِیْ یَهُوْدِیَّةِ اَصْفَهَانَ حَتّٰی یَاْتِیَ الْمَدِیْنَةَ فَیَنْزِلُ نَاحِیَّتَهَا وَلَهَا یَوْمَئِذٍ سَبْعَةُ اَبْوَابٍ عَلٰی کُلِّ نَقِیْبٍ مِّنْهَا مَلَکَانِ فَیَخْرُجُ اِلَیْهَا شِرَارُ اَهْلِهَا حَتّٰی الشَّامَ مَدِیْنَةُ بِفَلَسْطِیْنَ بِبَابِ لُدِّ وَقَالَ اَبُوْدَاؤُدَ مَرَّةً حَتّٰی یَاْتِیَ فَلَسْطِیْنَ بِبَابِ لُدٍّ فَیَنْزِلُ عِیْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ فَیَقْتُلُهٗ ثُمَّ یَمْکُثُ عِیْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ فِی الْاَرْضِ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً اِمَامًا عَدْلًا وَحَکَمًا وَمُقْسِطًا۔ مسند احمد ج۶ ص ۷۵"

﴿حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر تشریف لائے

دیکھا تو میں رو رہی تھی۔ آپ ﷺ نے پوچھا کیوں رو رہی ہو؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ نے دجال کا ذکر اس طرح فرمایا کہ اس غم میں مجھ کو بیساختہ رونا آگیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا! اگر وہ نکلا اور میں اس وقت موجود ہوا تو تمہاری طرف سے میں اس سے نمٹ لوں گا۔ اگر وہ میرے بعد نکلا تو پھر یہ بات یاد رکھنا کہ تمہارا پروردگار کانا نہیں ہے۔ (وہ کانا ہوگا) جب وہ نکلے گا تو اس کے ساتھی اصفہان کے یہود ہوں گے۔ یہاں تک کہ جب مدینہ آئے گا تو یہاں ایک طرف آکر اترے گا۔ اس وقت مدینہ کے سات دروازے ہوں گے اور ہر دروازہ پر دو دو فرشتے نگران ہوں گے (جو اس کو اندر آنے سے مانع ہوں گے) مدینہ میں جو بد اعمال لوگ آباد ہیں وہ نکل کر خود اس کے پاس چلے جائیں گے۔ اس کے بعد وہ فلسطین میں باب لد پر آئے گا۔ عیسیٰ علیہ السلام نزول فرما چکے ہوں گے اور یہاں وہ اس کو قتل کریں گے۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام چالیس سال تک ایک منصف امام کی حیثیت سے زمین پر زندہ رہیں گے۔ ﴾

(۲۴)………… ”عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَنْزِلُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ وَیَمْکُثُ فِی النَّاسِ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۔ اخرجه الطبرانی واحمد ج۲ ص٤٣٧، ابن جریر ج٦ ص١٦، درمنثور ج٢ ص٢٤٢، فتح الباری ج٦ ص٣٥٧، التصریح ص١٤٠، مرقات الصعود ص١٩٨“

﴿ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے اور لوگوں میں چالیس سال تک رہیں گے۔ ﴾

(۲۵)………… ”عَنْ رِبْعِیِّ بْنِ حِرَاشٍ قَالَ قَالَ عُقْبَةُ بْنُ عَمْرٍو لِحُذَیْفَةَ اَلاَ تُحَدِّثُنَا مَاسَمِعْتَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنِّیْ سَمِعْتُهٗ یَقُوْلُ اِنَّ مَعَ الدَّجَّالِ اِذَا خَرَجَ مَاءً وَّنَارًا فَاَمَّا الَّذِیْ یَرَی النَّاسُ اَنَّهَا النَّارُ فَمَاءٌ بَارِدٌ وَاَمَّا الَّذِیْ یَرَی النَّاسُ اَنَّهٗ مَاءٌ بَارِدٌ فَنَارٌ تُحْرِقُ فَمَنْ اَدْرَکَ ذَالِکَ مِنْکُمْ فَلْیَقَعْ فِی الَّذِیْ یُرٰی اَنَّهَا نَارٌ فَاِنَّهٗ عَذْبٌ بَارِدٌ (رواه البخاری ص٤٩٠ ج١) وَزَادَ مُسْلِمٌ وَاِنَّ الدَّجَّالَ مَمْسُوْحُ الْعَیْنِ عَلَیْهَا ظَفْرَةٌ غَلِیْظَةٌ مَکْتُوْبٌ بَیْنَ عَیْنَیْهِ کَافِرٌ یَقْرَأُ کُلُّ مُؤْمِنٍ کَاتِبٌ اَوْ غَیْرُ کَاتِبٍ وَفِیْ رِوَایَةٍ بَیْنَ عَیْنَیْهِ ک،

ف'ر' وَفِیْ رِوَایَۃِ الكاف والفاء والراء۔ مسلم ج٢ص ٤٠٠ باب ذكر الدجال"

﴿ربعی بن حراشؓ سے روایت ہے کہ عقبہ بن عمروؓ نے حذیفہؓ سے کہا کہ آپ نے دجال کے متعلق جو بات آنحضرت ﷺ سے سنی تھی وہ ہم کو بھی سنا دیجئے۔ انہوں نے کہا میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ دجال جب ظاہر ہوگا تو اس کے ساتھ پانی اور آگ دونوں ہوں گے۔ مگر لوگوں کو جو آگ نظر آئے گی وہ ٹھنڈا پانی ہوگا اور جس کو لوگ ٹھنڈا پانی سمجھیں گے وہ جھلسا دینے والی آگ ہوگی۔ لہذا تم میں جس کو بھی یہ زمانہ ملے اس کو چاہئے کہ جو آگ معلوم ہو رہی ہو اسی میں داخل ہو جائے کیونکہ درحقیقت وہ آب خنک ہوگا۔ یہاں مسلم کی روایت میں اتنا اضافہ اور ہے کہ دجال کی ایک آنکھ میں موٹا سا ناخونہ ہوگا اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر کے حروف علیحدہ علیحدہ لکھے ہوئے ہوں گے۔ جس کو ہر مومن پڑھ لے گا۔ چاہے وہ خواندہ ہو یا ناخواندہ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس کی آنکھوں کے درمیان "ک'ف'ر" اور ایک روایت میں "کاف 'الف' را" ہوگا۔

دجال کا فتنہ جتنا عظیم الشان ہے قدرت کی طرف سے اس کی شناسائی کے نشان اتنے ہی زیادہ ہیں۔ الفاظ مسلم پر ایک بار پھر نظر ڈال لیجئے لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ عالم تقدیر بینا کو نابینا بنا سکتا ہے۔ جب اپنے قلب کی آنکھیں خود نابینا ہوں تو "ک'ف'ر" کے الفاظ کیا نظر آئیں۔ لفظ: "بين عينيه" تقدیری کتابت کے لئے شاید کچھ مخصوص ہے۔ اسی لئے یہی عمر وغیرہ کے لئے محل کتابت ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام کی ازلی سعادت اسی مقام پر حضرت آدم علیہ السلام کو شاید اسی لئے نظر آگئی ہو۔ پہلے یہ سب تفصیلات گزر چکی ہیں۔ عرف عام میں ہائے کہہ کر اپنی پیشانی پر ہاتھ مارنا شاید اسی لئے رواج پا گیا ہوگا۔ صحیح مسلم کی یہ صحیح حدیث ہمارے اس بیان کے لئے شاہد ہے مگر یاد رہے کہ اس میں گو پڑھے لکھے ہونے کی شرط نہ سہی مگر مومن ہونے کی قید موجود ہے۔ عجب نہیں کہ یہی مومن کے ایمان کے تحفظ اور کافر کی محرومی کا سبب ہو اور یہی ایک اور عظیم فتنہ کا باعث بن جائے۔ یہ جملہ اہم ہے اگرچہ احادیث میں گو صراحۃً مذکور نہ ہوں مگر اس کی طرف صراحۃً اشارہ کے قریب ہے۔

انہی سطور میں دجال کی حقیقت کے ساتھ ابن صیاد کی احادیث کے ذکر نہ کرنے کی طرف حافظ ابن حجرؒ کا لطیف بیان گزر چکا ہے۔ اگر آپ فتن کی حقیقت سمجھتے ہیں اور ان کی احادیث کی طرف نظر رکھتے ہیں تو ایک ثابت شدہ حقیقت کے انکار سے دوسری ایک حقیقت کے انکار کی راہ نہ لیں گے۔ یعنی فتنہ دجال کے خروج کے جتنے اسباب صراحت کے ساتھ ذکر میں آچکے ہیں وہ ایک ابن صیاد کی حقیقت کے مبہم رہنے کی وجہ سے مفت میں ان کا انکار نہ فرمائیں گے۔ اگر احادیث میں کہیں ابن صیاد کے دجال ہونے میں آپ کو شبہ گزرتا ہے تو آپ کی نظروں میں نفس دجال کی غیر مشتبہ حقیقت کو مشتبہ نہ ہونا چاہئے۔ اس جگہ کم از کم ایک منصف کے لئے حقیقت یہ ہے کہ دجال اگر قوم کا لقب ہو تو ابن صیاد کے متعلق حدیثیں اس کی تردید کے لئے کافی ہیں کسی حدیث سے ثابت نہیں ہوتا کہ ابن صیاد کسی قوم کا لقب تھا اور نہ اس کے وجود شخصی کے دیکھ لینے کے بعد اور اس کے والدین کے نام و نسب کی تحقیق کے بعد اس کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ پھر ابن صیاد کے دجال کہنے سے احادیث صحیحہ کے انکار کے سوا اور فائدہ کیا؟۔ جبکہ احادیث صحیحہ میں یہ بیان موجود ہے کہ اس کا قاتل عمرؓ جیسا شخص بھی نہیں ہو سکتا بلکہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام مقرر ہیں اور وہ بھی اس ثبوت کے لئے اپنے نیزہ میں اس کا خون دکھا دکھا کر یہ یقین دلائیں گے کہ میں جو عالم تقدیر میں اس کا قاتل مقرر ہو چکا ہوں وہ کوئی معنوی قتل نہیں ہے جو صرف کتابوں کے لکھ دینے سے پورا ہو جاتا بلکہ ایک حسی قتل ہے۔

دجالی فتنہ

یہ واضح رہنا چاہئے کہ وہ دجالی فتنہ جس کا حدیثوں میں تذکرہ آتا ہے اور جس سے تحفظ کا علاج سورہ کہف کی تلاوت کرنا قرار دیا گیا ہے۔ وہ اسی کے دور میں ظہور پذیر ہو گا۔ جبکہ ایک طرف وہ خدائی کا دعویٰ اور اس سے پہلے رسالت کا دعویٰ کرے گا اور اس کے ساتھ ایسے خارق عادات افعال بھی دکھلائے گا جو بظاہر اس کے دعوے کے مؤید نظر آئیں گے اور اس وجہ سے بہت سے لوگوں کے ایمان متزلزل ہو جائیں گے۔ ہمارے زمانے میں

مادی ترقیات خواہ کتنی بھی ہو جائیں وہ سب مادی قوانین کے تحت ہیں ان کو دجالی فتنہ سمجھنا بالکل بے محل بلکہ خلاف واقع بات ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ موجودہ زمانے میں جو جدید ایجادات سامنے آرہی ہیں وہ عجیب سے عجیب تر ہیں۔ لیکن موجودہ دنیا کی ترقی یافتہ قومیں سب ہی اس میں شریک ہیں اور اس سلسلہ میں ایک دوسرے سے مسابقت میں خوب سرگرم ہیں اور ابھی یہ فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ اس میدان کا ہیرو کون ہے؟۔ اس لئے بھی ان میں سے کسی کو دجالی فتنہ قرار دینا قبل از وقت ہے بلکہ ان کو اس کے مقدمات میں شمار کرنا بھی صحیح نہیں۔ اس کا مقدمہ دینی جہل ضعف ایمانی اور طغیانی طاقتوں کا ہمہ گیر اقتدار ہے۔

حدیثوں میں صاف طور پر مذکور ہے کہ دجال خود یہودی النسل ہوگا اور اس کے تمام متبعین بھی سب یہود ہی ہوں گے اور من حیث القوم وہی اس پر ایمان لائیں گے۔ اس لئے دجالی فتنہ کا مرکز در حقیقت یہود ہیں اور اس لئے ہمارے زمانے میں یہودی مملکت کا قیام اور ان کی متفرق طاقتوں کا ایک مرکز پر جمع ہونا اور اسی جگہ جمع ہونا جہاں عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور مقدر ہے۔ اگر اس کو دجالی فتنہ کا مقدمہ کہا جائے تو بجا ہوگا۔ اب رہے نصاریٰ تو وہ ابھی تک عیسائیت کے کم از کم دعویدار ضرور ہیں اور گو حیوانیت کے آخری نقطہ پر پہنچ چکے ہیں مگر ان کا زبانی دعویٰ اب بھی صلیب پرستی ہی کا ہے۔ ادھر روس گو مدعی الوہیت تو نہیں لیکن اس سے بڑھ کر خدائے برحق کا علی الاعلان منکر بھی کوئی نہیں۔ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کے بعد عیسائی تو ان پر ایمان لے آئیں گے۔ جیسا کہ: " وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ ۔ نساء ۱۵۹ " کی تفسیر میں آپ پہلے ملاحظہ فرما چکے ہیں اور یہودی ایک ایک کر کے قتل ہو جائے گا۔ حتی کہ اگر وہ کسی درخت کی آڑ میں چھپ کر پناہ لینا چاہے گا تو وہ درخت بول اٹھے گا۔

دیکھو میرے پیچھے یہ یہودی ہے اس کو بھی قتل کردو۔ اس سوانح حیات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دجالی فتنہ کا تمام تر تعلق یہود کے ساتھ ہوگا۔ ہمارے زمانے کی مادی ترقیات کے ساتھ اس کا تعلق کچھ نہیں ہے اور نہ ان اقوام میں سے خاص طور پر کسی ایک قوم کے ساتھ ہے جن کے ذریعہ یہ ترقیات سامنے آرہی ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ پھر سورہ کہف کے اور اس فتنہ سے تحفظ کے درمیان ربط کیا ہے؟ کہ اسی کی تلاوت کو اس سے تحفظ کا سبب قرار دیا گیا ہے تو اولاً اصولاً یہ سمجھ لیجئے کہ خوارق جس طرح خود سببیت اور مسببیت کے علاقہ سے باہر نظر آتے ہیں اسی طرح جو افعال ان کے مقابل ہیں وہ بھی سببیت کے علاقہ سے بالاتر ہوتے ہیں۔ مثلاً نظر کا لگنا سب جانتے ہیں کہ یہ صحیح حقیقت ہے اور گو علماء نے اس کی معقولیت کے اسباب بھی لکھے ہیں مگر بظاہر اس کا کوئی سبب معلوم نہیں ہوتا۔ اسی لئے بہت سے اشخاص تو اب تک اس کے قائل ہی نہیں اور اس کو صرف ایک وہم پرستی اور تخیل سمجھتے ہیں لیکن اس کے دفعیہ کے لئے جو سورتیں مجرب ہیں وہ بھی اکثر اسی طرح غیر قیاسی ہیں۔ اسی طرح سمی جانوروں کے کاٹے کے جو منتر اور افسوں ہیں وہ اکثر یا تو بے معنی ہیں اور جن کے معنی کچھ مفہوم ہیں بھی ان میں سمیت دفعہ کرنے کا کوئی سبب ظاہر نہیں ہوتا۔

حدیثوں میں بہت سی سورتوں کے خواص مذکور ہیں مثلاً سورہ فاتحہ کہ وہ بہت سے لاعلاج امراض کے لئے شفا ہے۔ اب یہاں ہر جگہ اس مرض اور اس سورت کے مضامین میں مناسبت پیدا کرنے کے لئے زمین و آسمان کے قلابے ملانا بیکار کی سعی ہے۔ پھر اسی قسم کی ذہنی مناسبات انسانی دماغ ہر جگہ نکال سکتا ہے۔ اس لئے ہمارے نزدیک اس کاوش میں پڑنا مفت کی دردسری ہے۔ لیکن بااین ہمہ اگر سورہ کہف اور دجالی فتنہ کے درمیان کوئی تناسب معلوم کرنا ہی ناگزیر ہو تو پھر بالکل صاف اور سیدھی بات یہ۔ ہے کہ اصحاب کہف بھی کفر و ارتداد کے ایک زبردست فتنہ میں مبتلا ہوئے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ان کے دل مضبوط رکھے اور اسلام پر ان کو ثابت قدم رکھا جیسا کہ اس سورت کے شروع ہی میں ارشاد ہے:

"وَرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْقَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ۔ الکہف ۱۴"

پس جس طرح صرف اللہ تعالیٰ کی مدد سے وہ محفوظ رہے تھے۔ اسی طرح جب دجال کا سب سے زبردست ارتداد کفر کا فتنہ نمودار ہوگا تو اس وقت بھی صرف امداد الٰہی ہی

سے لوگوں کے ایمان مضبوط رہیں گے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ اس سورۃ کا نزول کفار کی فرمائش پر ہوا تھا۔ اس لئے یہ قصے ان کے جواب میں ذکر کئے گئے ہیں۔ اور اس مناسبت کا یعنی فتنہ دجال اور سورہ کہف سے اس سے تحفظ کا کہیں ذکر نہیں آتا۔ صرف ایک قیاس آرائی اور قافیہ بندی ہی کہا جا سکتا ہے اور جس کو حدیث و قرآن سے کوئی مناسبت نہ ہو وہ ان بے تکی باتوں میں پڑ سکتا ہے۔ دجال سے قبل یہی چند نشانیاں نہیں بلکہ بہت سی علامات مذکور ہیں جن کے اور دجال کے درمیان جوڑ لگانا ایک بڑی دردسری ہے۔ یہاں قرآن کریم نے اپنی صفات میں سے جہاں اپنا قیم ہونا ذکر فرمایا ہے اور عیسائیت کی تردید فرمائی ہے۔ وہ قرآن کے عام مضامین میں سے ایک اہم مضمون ہے جو متعدد اسالیب سے متعدد سورتوں میں مذکور ہے۔ لیکن ان سورتوں کی تلاوت کو کہیں یاد نہیں آتا کہ دجالی فتنے کے تحفظ کے لئے شمار کیا گیا ہو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہو نہ ہو اس سورہ خاصہ میں کوئی سبب دوسرا ہوگا۔ ابھی آپ سن چکے ہیں کہ اس سورت کے اول میں چند اشخاص کے تحفظ ایمان کی ایسی عجیب صورت مذکور ہے جس کو قرآن نے اپنے الفاظ میں یوں ادا فرمایا ہے: ” وَتَحۡسَبُهُمۡ اَيۡقَاظًا وَّهُمۡ رَقُوۡدٌ . الکہف ۱۸ “

گو کہ یہ واقعہ قدرت الٰہیہ کے سامنے کچھ تعجب خیز نہ ہو۔ لیکن ایک ضعیف البنیان انسان کے لئے ایک ایسا واقعہ ہے کہ اگر وہ اس کی نظروں میں تعجب خیز نظر آئے تو کچھ تعجب نہیں۔ اس واقعہ کو ذکر فرما کر قرآن کریم نے جو نتیجہ خود اخذ کیا ہے وہ اثبات قیامت ہے۔ چنانچہ اس قصے کو پورا ذکر فرما کر ارشاد فرمایا: ” وَكَذٰلِكَ اَعۡثَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ لِيَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيۡبَ فِيۡهَا . الکہف ۲۱ “ اور دجال کی طرف کہیں اشارہ تک یاد نہیں آتا۔ ہاں حدیث میں بے شک اس سورت کے اوائل کے ساتھ اس کے اواخر کا تذکرہ ملتا ہے۔ اب اگر اوائل میں کھینچا تانی کر کے عیسائیت کو دجال کا فتنہ قرار دے ڈالا جائے تو پھر اس کے اواخر کے متعلق کیا کہا جائے گا جن میں عیسائیت کی تردید پر کوئی زور نہیں دیا گیا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دجالی فتنے سے اور عیسائیت کی تردید سے یہاں کوئی تعلق نہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اس فتنے میں روس عیسائیوں سے دو قدم آگے نظر آتا ہے تو پھر یہ

بے جوڑ بات کہنے کی ضرورت کیا؟ اور عیسائیوں کے تقدم کو اس کی انتہائی شناعت کے باوجود دجالی فتنہ قرار دے ڈالنے سے غرض کیا؟۔

اصل یہ ہے کہ بہت سی قومیں جب دجال کا ظہور نہ پا سکیں تو انہوں نے دجال کی احادیث کی پیش گوئیاں پورا کرنے کے لئے خواہ مخواہ کی یہ زحمت اٹھائی۔ یہ زحمت اس زحمت سے کم نہیں جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اپنے زمانے میں نہ دیکھ کر خود عیسیٰ ابن مریم بننے کی سعی ناتمام کی۔ اگرچہ ان کے اور عیسیٰ علیہ السلام کے مابین شہر اور نام اور کام اور محل دفن وغیرہ کا اختلاف ہی کیوں نہ ہو مگر اس پر بھی آخر کار انہوں نے ایک عیسیٰ ابن مریم تجویز ہی کر لیا اور لاکھوں انسانوں نے ان کی اس بدیہی غلطی میں تقلید ہی کر ڈالی۔ اسی طرح یہاں عیسائیوں کا جرم تو مسلم ہے مگر انہی کو دجالی فتنہ قرار دے ڈالنا پھر سورہ کہف کی تلاوت کو اس سے تحفظ کا سبب سمجھ لینا یہ علمی غلطی ہے جس کا نہ احادیث سے کوئی پتہ لگتا ہے اور نہ تاریخ سے کوئی ثبوت۔

ہاں! اگر صرف قیاس آرائی کافی ہو تو بات دوسری ہے ورنہ عیسائیوں کو تو ان پر ایمان لانا ہے۔ ہاں! یہودیوں کو ان کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر جانا ہے اور اس طرح ان دونوں قوموں کا حشر آنکھوں کو نظر آتا ہے۔ پھر دجالی فتنے کو ان پر منطبق کرنا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے؟۔ کچھ گنجائش ہے اور دجالی فتنے کو کسی فریق پر منطبق کرنا ہی ہے تو یہود کے حق میں اس کا کوئی امکان پیدا ہو سکتا ہے اور بس۔

والحمد لله اولاً وآخراً۔

وصلى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقه سيدنا محمد وآله واصحابه الذين فى اوّلهم نبيهم وآخرهم الامام المهدى عليه السلام (واما الدجال الاكبر فهومن اليهود ليس مناولسنا منه لعنه الله لعنًا كبيراً)

چہار شنبہ ۱۲ محرم الحرام ۱۳۸۵ ھ
بمطابق ۱۲ مئی ۱۹۶۵ء المدینۃ المنورہ

حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کے ارشادات

☆☆...... مرزا قادیانی سب دہریوں سے بڑھ کر اپنے دہریہ ہونے کا اعلان کرتا ہے۔

☆☆...... قادیانی کا ذبیحہ کسی حال میں بھی حلال نہیں بلکہ مردار ہے۔

☆☆...... مرزائیو میرے اس سوال کا جواب دو کہ 52 سال جھوٹ بکنے والا مسیح موعود کیسے بن گیا؟۔

☆......☆......☆

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

نور ایمان

محدث کبیر

حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی رح

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

تعارف

الحمدللہ وکفی وسلام علیٰ خاتم الانبیاء، اما بعد!

قادیانی جماعت کے لاٹ پادری مرزا غلام احمد قادیانی کے بیٹے اور قادیانی جماعت کے دوسرے گرو مرزا محمود نے ندائے ایمان نامی ایک مضمون تحریر کیا۔ جس کا محدث کبیر حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ نے ''نور ایمان'' کے نام سے جواب تحریر فرمایا۔ صدائے ایمان از شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور نور ایمان از محدث کبیر مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھیؒ ایک ساتھ پمفلٹ کی شکل میں شائع ہوئے تھے۔ ''صدائے ایمان'' آپ پڑھ چکے ہیں۔ اب ''نور ایمان'' ملاحظہ فرمائیں۔ یہ ۱۳۵۰ھ میں شائع ہوئے تھے۔ اب نایاب تھے۔ شامل کتاب کرنے کی سعادت پر رب کریم کے حضور سجدہ شکر بجالاتے ہیں۔ فلحمدللہ!

فقیر اللہ وسایا!
۷/۶/۱۴۲۲ھ
۲۷/۸/۲۰۰۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

”یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِؤُا نُوْرَاللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ۔ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْکَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ۔ الصف۸“

زمیندار کی ایک تازہ اشاعت میں مرزا محمود قادیانی کا مضمون ”ندائے ایمان“ کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ جسے دیکھ کر مجھے ان کے فلسفہ توہین و عظمت رسول پر حیرت ہوتی ہے کیونکہ ایک طرف تو وہ انتہائی جذبہ عقیدت و مؤدت میں حیات مسیح علیہ السلام جیسے مسلم و محکم عقیدہ کو خاتم الانبیاء ﷺ کی توہین اور ہتک عزت کا موجب سمجھتے ہیں اور دوسری طرف نہایت بیباکانہ وسفاکانہ لہجہ میں سرور کائنات ﷺ کے ایک مخلص اور سچے جان نثار کو کافر، جہنمی، قرار دے دیتے ہیں۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ ایسا جذبہ محبت ظاہر کرنے والا نبوت محمدی کے تسلیم کر لینے والے کو کسی جدید نبوت کے انکار سے کیسے کافر کہہ سکتا ہے حالانکہ حیات مسیح علیہ السلام کے عقیدہ کو تو نبی کریم ﷺ کی توہین سے دور کا بھی کوئی علاقہ نظر نہیں آتا۔ ہزاروں انبیاء لاکھوں صلحاء گزر گئے لیکن کیا موجودہ زندہ رہنے والے انسانوں کو ان پر اس لئے کوئی فضیلت حاصل ہو سکتی ہے کہ یہ زندہ ہیں اور وہ وفات شدہ۔ اس لئے ہم یہ رائے قائم کر لینے پر مجبور ہیں کہ آپ کے نزدیک معیار توہین و عظمت صرف یہ ہے کہ جس طریق سے مسیحیت جدیدہ کا راستہ صاف ہو وہ عظمت ہے اور جس مسئلہ سے اس راستہ میں کوئی ادنیٰ رکاوٹ پیش آئے وہ توہین اور ہتک عزت ہے۔

حیات مسیح علیہ السلام کا عقیدہ بھی چونکہ نہ صرف مرزا غلام احمد قادیانی کی مسیحیت بلکہ اس قسم کے ہر کاذب مدعی کے لئے سد راہ ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اسے آپ

بھی ایک رکاوٹ سمجھ کر موجب توہین قرار دیں اور اسی لئے ایسے مدعیوں کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ پہلے اسی مسئلہ سے لوگوں میں تنفر پیدا کریں۔ تاکہ اپنی مسیحیت کی بنیاد قائم کرنے کے لئے ان کا دوسرا قدم ناکام نہ رہے۔ اسی لئے شریعت مصطفویہ ﷺ نے پہلا بند اسی دروازہ پر قائم کیا ہے۔ جہاں سے مدعیان مسیحیت کاذبہ کی آمد کا سب سے اول خطرہ تھا اور وہ یہی مسئلہ حیات مسیح ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ حق کی ایک کڑی دوسری کڑی سے ملی ہوئی ہے اور اسی طرح ایک باطل دوسرے باطل سے وابستہ ہے:

"قال ﷺ وایاکم و محدثات الا مورفان کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة وفی حدیث انسؓ عند الترمذی ثم قال یا بنی وذلک من سنتی ومن احب سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنة."

حیات مسیح علیہ السلام کے عقیدہ کے بعد حق کی دوسری کڑی مدعیان مسیحیت کاذبہ کی تکذیب ہے۔ ختم نبوت کا اعتقاد راسخ ہے۔ نبی کریم ﷺ کی عظمت اور ان کے جلال کا تسلیم کرنا ہے۔ قرآن شریف کے آیات اور احادیث کے ایک ذخیرہ پر خدا اور اس کے رسول کی مرضی کے مطابق ایمان لانا ہے۔ لیکن اس کے برخلاف وفات مسیح کے مان لینے کے بعد دوسرا باطل جو ہمارے سامنے ہے وہ مدعیان مسیحیت و نبوت کی ایک قطار ہے۔ قصر ختم نبوت کا ہدم ہے، مسیح برحق کا انکار ہے، قرآن شریف کی نصوص صریحہ سے روگردانی ہے اور سب سے آخر میں رسول اللہ ﷺ کے اس پر عظمت جلال کا انکار ہے جو آخری زمانہ میں عالم آشکارا ہونے والا ہے اور جس کے ساتھ اتحاد ملل و مذاہب وابستہ اور وحدۃ دین موجود ہے:

"قال تعالیٰ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ. النساء ۱۵۹"

اس کے بعد آپ غالباً آسانی سمجھ سکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی صدہا پیشگوئیوں میں سے مسیح علیہ السلام کی آمد کی پیشگوئی کو تقریباً (۷۰) (بلکہ سو سے بھی زائد) احادیث میں کیوں مکرر سہ کرر بیان کیا گیا ہے حالانکہ اس کی حیثیت ایک پیشگوئی ہونے کے سوا اور کیا ہے۔ پھر پیشگوئی ایک یہی نہیں اور بھی بہت تھیں اسی کو کیا اختصاص تھا کہ اس کثرت کے

ساتھ اس کو بیان کیا گیا ؟۔ اور اس کے بالمقابل مدعیان مسیحیت کو آخر اسی مخصوص مسئلہ سے چڑ کیوں ہے ؟ اور کیوں زبردستی کبھی توہین کی دھمکی دے کر، کبھی عقل کے خلاف ٹھہرا کر، اور کبھی قرآن وحدیث کے مخالف قرار دے کر، اور کبھی عیسائیوں کی موافقت سے ڈرا کر اس مسئلہ سے متنفر بنانے کی کوشش کی جاتی ہے ؟۔

افسوس نہ تھا اگر اس اہم مسئلہ توہین وعظمت رسول میں اس "سیاسی" دلسوزی کے ساتھ علمیت کا بھی کچھ رنگ ہوتا کہ جواب دینے کے لئے ہم جیسے غلامان محمد ﷺ ابھی ہزاروں زندہ موجود ہیں۔ لیکن افسوس تو اس پر ہے کہ جن امور سے اس عقیدہ اہم ومہم کو توہین قرار دیا گیا ہے وہ ایک احمق سے احمق کے لئے بھی قابل تمسخر ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اس قدر طویل العمر اور زندہ سمجھنا نبی کریم ﷺ سے افضل ٹھہرانا ہے۔ یہ ٹھیک ایسا ہی استدلال ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے صاحبزادہ ابراہیم (علیہ السلام) کو حالت رضاعت میں وفات شدہ ماننا اور مرزا غلام احمد کے صاحبزادہ کو باایں ریش وفش جیتا جاگتا تسلیم کرنا آپ کی توہین کرنا ہے۔ کیا اگر کوئی دوسرا پولٹیکل مبلغ، سرور کائنات ﷺ کے فرزند اور آپ کی اس پیری کا مقابلہ کر کے یہ کہنے لگے کہ مسلمانو! کیا غضب ہے کہ آنحضرت ﷺ کے فرزند کو تو زمانہ طفولیت سے بھی گذرنے نہیں دیتے اور مرزا غلام احمد کے بیٹے کو زندہ مان کر بڑھاپے کی عمر تک پہنچاتے ہو، اور حضور ﷺ کی سخت توہین کرتے ہو۔ تو کیا وہ آپ کی وفات عین حالت حیات میں ثابت کرنے میں مجبور نہیں ہے ؟۔ یا صرف اتنے سے فرق سے کہ آپ سرزمین پنجاب میں زندہ ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر۔ آپ زندہ اور وہ وفات شدہ تسلیم کئے جا سکتے ہیں ؟۔ آپ کو یقین کر لینا چاہئے کہ مدنی نبی ﷺ کے ماننے والے اس کے فرمان پر چشم دید حالات سے زیادہ یقین رکھتے ہیں اور جہاں شریعت کی اطلاع پر لاتعداد لاتحصیٰ ملائکہ کو سمٰوات پر زندہ تسلیم کر چکے ہیں۔ اس کے ساتھ ایک عیسیٰ علیہ السلام کو بھی بلاشبہ وریب زندہ تسلیم کرتے ہیں۔ عجب نہیں کہ قدرت کے ہاتھ نے اسی لئے انہیں آسمانوں پر اٹھایا ہو تاکہ آسمان پر رہ کر ان کے حیات میں کوئی استبعاد نہ رہے کیونکہ جس ملک کی عمر تا نفخ صور ہو وہاں کسی کا برائے چندے زندہ رہنا کیا بعید ہے ؟۔ اگر نوح علیہ

السلام اسی زمین پر رہ کر ہزار برس زندہ رہ سکتے ہیں۔ تو حضرت مسیح علیہ السلام آسمان پر کیوں اس قدر یا اس سے زیادہ زندگی نہیں گذار سکتے؟۔ حالانکہ وہ تو ان کا مستقر ہے جنہیں قیامت سے قبل موت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان کا زمانہ وفات قریب ہوگا تو پھر اسی زمین پر آنا مقدر ہے تا معلوم ہو جائے کہ آسمانوں پر موت نہیں ہے۔ پھر کس قدر بے علمی ہے کہ جس صورت کو دست قدرت نے اس استبعاد کے دور کرنے کے لئے اختیار کیا۔ اسے ہی کم فہمیوں نے اور زیادہ استعجاب کا موجب بنالیا۔ سچ ہے:

”وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ. لَقَالُوْا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ. الحجر ١٤“

ہاں! مرزا قادیانی کو دھوکا لگ جانا اس وقت قرین قیاس تھا جبکہ نبی کریم ﷺ کو بھی آسمانوں میں مان کر وفات شدہ تسلیم کیا جاتا۔ مگر میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں کہ آسمان ہرگز نبیوں کے مستقل طور پر رہنے کا مقام نہیں ہے۔ اور نہ انبیاء کا آسمانوں پر رہنا کوئی موجب افضلیت ہے۔

رسل اور سید الرسل کے لئے زمین کیوں منتخب ہوئی؟

حق تعالیٰ کی مشیت ازلی نے جب چاہا کہ اپنا کوئی خلیفہ بنائے۔ اس وقت یہ آسمان بھی موجود تھے اور زمین بھی۔ لیکن صاف اعلان کر دیا کہ:

”وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً. البقرہ ۳۰“ یعنی فرشتے میرے آسمانوں پر ہیں لیکن میرا خلیفہ میری زمین پر ہوگا اور یہ اس لئے مقدر ہوا کہ آسمان بالاصالۃ یعنی بلاواسطہ قدرت کی کار فرمائیوں کے مظہر ہیں۔ اس لئے جہاں اصل کا ظہور ہو وہاں خلیفہ کا کیا کام؟۔ زمین ہی وہ ٹکڑا تھا جہاں ید قدرت نے آدم علیہ السلام کی طاقت ظاہر فرما کر اپنی قدرت کاملہ کو اسباب کے پردہ میں مستور کر دیا۔ لہذا ضرور ہوا کہ خلافت زمین پر ہی عیاں ہوتی۔ ورنہ جس طرح سمٰوات اسباب سے بالاتر اور بالاتر کارخانہ پر مشتمل ہیں اسی طرح یہ زمین بھی براہ راست ید قدرت کے تحت میں ہوتی اور جس طرح

آسمانوں پر خدا تعالیٰ کے نہ معصیت کرنے والے ملائکہ آباد ہیں۔ اسی طرح زمین پر وہ بندے آباد ہوتے جنہیں سوائے طاعت کے کچھ کام نہ ہوتا اور "یَفْعَلُوْنَ مَایُؤْ مَرُوْن۔" کا مصداق ہوتے اور اس طرح اسباب و مسببات کا سارا کارخانہ درہم و برہم ہو جاتا۔ جنت و دوزخ کی حاجت نہ رہتی اور عالم کی پیدائش سے جو مقصد تھا وہ فوت ہو جاتا۔ لیکن جب حکمت ایزدی اور مربی لم یزل نے غائب بن کر اپنی عبادت چاہی تو خلیفہ کے لئے اس زمین کو مخصوص کر دیا اور غائبانہ اپنے خلیفہ پر اوامر و نواہی اتارے تاکہ دیکھے کہ اگر ملائکہ مشاہدۂ عبادت کرتے ہیں تو کیا کوئی بن دیکھے بھی عبادت کر سکتا ہے:

"تَبارَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ وَھُوَ عَلیٰ کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ۔ اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً۔ الملک ۱،۲"

اسی لئے بالآخر مسجود ملائکہ کو خدا تعالیٰ کی جنت چھوڑ کر مسند خلافت پر جلوہ آرا ہونے کے لئے اسی زمین پر آنا پڑا۔ پھر بتلاؤ کہ خلیفہ کے بعد دوسرے ہادیوں کے لئے بھی خدا کی یہی زمین زیادہ موزوں تھی یا وہ آسمان جہاں ایسی مخلوق بستی ہے کہ جو بلاواسطہ احکام سنتی اور بلا فترۃ عبادت میں مشغول ہے۔ نہ وہ کسی رسول کی وحی کی محتاج ہے نہ کسی ہادی کی ہدایت کی۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر کسی مصلحت الہیہ کے ماتحت آسمانوں پر تشریف فرما ہیں تو اس وجہ سے سرور کائنات ﷺ سے افضل ہو سکتے ہیں؟۔

ملائکۃ اللہ جنہیں ابتداء خلافت کی مصلحت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے جب کچھ تردد لاحق ہوتا ہے تو اتنا ہی کہتے ہیں کہ:

"وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ۔ البقرہ ۳۰"

یعنی اے اللہ! ہم تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔ اگر آسمانوں پر رہنا بھی کسی فضل کا موجب تھا تو ان کا اولین حق تھا کہ اس کے ساتھ ہی: "وَنَسْتَقِرُّ فِیْ سَمَائِکَ۔" بھی کہتے یعنی اور ہم تیرے آسمانوں میں رہتے ہیں۔ لیکن جب خود اس مکان کے ساکن محض کسی مکان کی سکونت کو موجب فضل نہیں سمجھتے تو پھر زمین والوں کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اسے اتنا بڑھائیں جتنا کہ انہیں حق نہیں؟۔ تسبیح و تقدیس گو بظاہر ایک بڑے فضل کی شے ہے لیکن

بارگاہ صمدیت میں جسے ہر کسی کی تسبیح و تقدیس سے بے نیازی حاصل ہے۔ اس کو بھی کسی خاص فضل کا موجب نہ سمجھا گیا اور صاف جواب مل گیا کہ: " اِنِّیْ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ۔ بقرہ ۳۰" یعنی جہات فضیلت تمہاری پرواز سے باہر ہیں۔ کسی کا آسمان و زمین پر رہنا تو درکنار تسبیح و تقدیس بھی موجب افضیلت نہیں ہو سکتیں بلکہ اس کا ایک ہی سبب ہے اور وہ اس کی ذات قدسی صفات کا اصطفاء و اجتبا ہے اور یہ اسی کے ہاتھ میں ہے جسے کوئی بشر اپنی فطری یا کسبی طاقت سے حاصل نہیں کر سکتا: "اَللّٰهُ يَصْطَفِىْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ۔ الحج ۷۵" ظاہر ہے کہ ایک ویسرائے ہندوستان میں رہ کر شاہ انگلستان کے نزدیک وہ رتبہ رکھ سکتا ہے جو ایک کمشنر اس کی محفل بلکہ اس کے محل میں رہ کر بھی حاصل نہیں کر سکتا پھر یہاں اور وہاں کا فرق فضول ہے:

صدر ہر جا کہ نشیند صدر است

افضل البشر ﷺ کی عظمت میں کسی کا کیا منہ ہے کہ ہم سے گوئے سبقت لے جائے ایک وہ ہیں جن کے خیال میں حضرت مسیح علیہ السلام برائے چندے آسمان پر رہ کر افضل بن سکتے ہیں اور ہم وہ ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ واللہ وہ سرزمین جس پر سرور کائنات (ﷺ) کے قدم پڑتے ہیں اس آسمان سے ہزار درجہ افضل ہے جہاں حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ اس کے غیر متناہی فرشتے بھی آباد ہیں۔

ایک وہ ہیں جو مکین کو مکان کی وجہ سے شرف دیتے ہیں اور ہم وہ ہیں جو مکان کو مکین کی وجہ سے اشرف سمجھتے ہیں: " قال تعالیٰ لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ۔ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ۔ البلد ۲،۱" یعنی اے محمد (ﷺ) میں اس شہر مکہ کی قسم اس لئے کھاتا ہوں کہ تو اس میں رہتا ہے پھر جس کے وجود سے ام القریٰ مکہ کو شرف حاصل ہو سکتا ہے وہ آسمان پر جانے کا کیا رشک کرتا؟ بلکہ آسمان خود اس زمین پر رشک کرتا ہے جہاں اس کے قدم پڑتے ہیں:

بر زمین کہ نشان کف پائے تو بود
سجدہ صاحب نظران خواہد بود

اب تو آپ نے انصاف فرمالیا ہوگا کہ ہم غلامان محمد ﷺ اس عقیدہ کے ماتحت خاتم النبیین کی توہین کرتے ہیں (والعیاذباللہ) یا تعظیم، اور آیئے میں آپ کو بتلاؤں کہ آپ "مدنی" نبوت کے بالمقابل "قدنی" نبوت کا جھنڈا گاڑ کر ایسی کھلی توہین کر رہے ہیں جس سے قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائے اور زمین پاش پاش ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں۔

ختم نبوت کے بعد کسی نبوت جدیدہ کا تسلیم کرنا ختمیت توہین ہے

خدائے تعالیٰ نے دنیا میں بہت سے رسول بھیجے اور یقیناً ہر رسول اپنے اپنے زمانہ کے لئے ایک نور تھا اور ایک شمع تھی جس کے اجالے میں آنکھ بند کر کے خدائے قدوس تک رسائی ممکن تھی۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ آدم علیہ السلام کی نبوت کا ماننے والا اگر نوح علیہ السلام کی نبوت کو تسلیم نہیں کرتا تو اس کے لئے سوائے جہنم کے کہیں مفر نہیں۔ یہ اس لئے نہیں کہ نبوت آدم علیہ السلام میں کوئی نقصان تھا (والعیاذباللہ) بلکہ اس لئے کہ نبی وقت کی اس میں توہین ہے۔

یہی سلسلہ چل کر ابراہیم اور موسیٰ علیہم السلام تک پہنچا اور یہ ہر دو نبی بھی اپنے زمانہ میں آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے لیکن آخر کار عیسیٰ علیہ السلام کے دور نبوت میں ان پر ایمان رکھنا بھی نجات کے لئے کافی نہ ہوا اور عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا بھی ضروری ٹھہرا۔

اس سے معلوم ہوا کہ گذشتہ زمانہ میں ایک شخص اپنے نبی پر ایمان لا کر بھی خدائے تعالیٰ کے نزدیک نامقبول ٹھہر سکتا ہے اگر وہ آئندہ نبی پر ایمان نہیں لاتا اس لئے اگر ہمارے آقا و مولا سرور کائنات ﷺ بھی اسی سلسلہ کے ماتحت اول یا وسط میں مبعوث ہوتے تو ضرور آپ ﷺ پر ایمان لانا بھی کسی زمانہ میں اسی طرح ناکافی ہو جاتا۔ اور جس طرح کہ ایک شریعت موسویہ کا عامل عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے جنت اور رضائے حق سے محروم ہو کر ابد الآباد کے لئے جہنمی ہو سکتا۔ اسی طرح محمد رسول اللہ (ﷺ) پر بھی ایمان لا کر بعد کے نبی پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے جہنمی ہو سکتا تھا۔ لیکن رحمت حق نے اپنے محبوب کو ایک خاص بزرگی سے نوازا اور چاہا کہ اب آئندہ اس رحمتہ اللعالمین پر ایمان لانے والا اس

طرہ سے مامون ہو جائے اور جس طرح اس کے زمانہ میں ایمان کا مدار اس کی ذات پر تھا اسی طرح خدا تعالیٰ کی رحمت آئندہ بھی اسی کے نام سے وابستہ ہے۔ اس لئے ختم نبوت کا تاج مکمل اس کے سر پر رکھا اور دنیا کو مطمئن کر دیا کہ اس مربی اعظم ﷺ کے بعد دنیا میں کوئی نبی نہیں۔ اس کا ماننا نجات کے لئے کافی ہے۔ اسی کے ذریعہ سے رضائے حق مل سکتی ہے اور اسی کی مخالفت سے خدا کا غضب ٹوٹتا ہے۔ خدا کی جنت اسی کے نام کے ارد گرد دور (گھومتی) ہے اور جہنم اسی کے متبرک نام سے خائف ہے۔ کوئی نہیں جس پر ایمان لانا اس کے بعد درست ہو۔ اس لئے کہ اب وہ آگیا جو سارے جہان کو تسلی دینے والا ہے۔ ہر پیاسا اسی کے بحر شریعت سے سیراب ہو گا۔ ہر بھوکا اسی کے دستر خوان سے شکم سیر ہو گا' اور ہر خائف اسی کے حریم امن میں پناہ پائے گا۔ اس کا دامن خدائے تعالیٰ کے دائمی رضا کا ضامن ہے۔ کوئی نہیں جس کا نام اس کے نام سے اونچا ہو سکے۔ کوئی نہیں جو اس کی نبوت کے بعد اپنی طرف دعوت کا حق رکھتا ہو۔ اس لئے کہ اب امام آگیا۔ وہ حامل لواء ہے اور سب اس کے جھنڈے کے نیچے ہیں۔ اسی راز کو آشکارا کرنے کے لئے عیسیٰ علیہ السلام جیسا اولوالعزم نبی آئے گا اور دنیا کو دکھلائے گا کہ یہ وہ نبی ہے جس کے دور میں انبیاء امتی بن کر بسر کرتے ہیں اور دوسروں کے شفیع بن کر بھی خود اس کی شفاعت سے مستغنی نہیں ہیں۔

عقیدہ حیات مسیح کا عیسائیت پر اثر

رہا عیسائیت کی موافقت کا سوال تو آپ کو معلوم رہے کہ عیسائیت کے استیصال کے لئے اس مسئلہ سے زیادہ کوئی اسم اعظم نہیں ہے۔ بہت سی کتابیں لکھی گئیں اور آخر میں وہ بھی لکھی جا چکی جس کو لوگ براہین احمدیہ کہتے ہیں اور جس کی تصنیف کا خدا کو متکفل کہا جاتا تھا۔ لیکن کیا عیسائیت معدوم ہو گئی ؟۔

ہاں! اگر آتھم کے زمانہ کے دستور کے مطابق وفات پا جانے سے عیسائیت تباہ ہو سکتی ہے تو بے شک تباہ ہو گئی۔ لیکن حق تو یہ ہے کہ میری اور تیری صفائی سے کیا ہو گا۔ صفائی مکمل اس وقت ہو گی جبکہ عیسائیوں کا مزعوم خدا خود زمین پر اتر کر اس اتہام کو علی رؤس

الا شہاد اپنے سر سے اٹھائے گا اور رسول اللہ ﷺ کی شریعت پر عمل پیرا ہو کر اپنے تابع ہونے کا ثبوت دے گا اور آخر کار اسی زمین میں جاکر سو رہے گا۔ جہاں خدا کے سارے رسول آرام فرما ہیں۔ یہ وہ دن ہو گا جبکہ عیسائیت کا تخم دنیا سے معدوم ہو جائے گا اور اس لئے اس کے شعائر اس کی طاقت و شوکت اور اس کے خصائص سے عالم پاک ہو گا صلیب توڑ دی جائے گی کہ پھر نہ گر جا نظر آئے گا نہ اس پر صلیب لٹکے گی۔ خنزیر قتل کر دیئے جائیں گے اور دنیا بعد فساد کے پھر امن کی طرف لوٹے گی۔ لیکن اس کے بر خلاف اگر آپ کے عقیدہ کے مطابق مسیح سولی چڑھا دیا گیا اور پھر نہ معلوم کہاں چلا گیا۔ کون ہے جو عیسائیوں کو کفارہ کے عقیدہ سے روک سکے۔ کون ہے جو ان کے شعائر کو پست کر دے اور کون ہے جو عیسائیت کا بیج خدا کی زمین سے نابود کر دے۔ کیا وہ مرزا غلام احمد قادیانی یا ان کے صاحبزادہ جنہیں ہمیشہ عیسائیوں اور ان کی سلطنت کے مناقب کے سوا کچھ کام نہ تھا۔ کیا وہ جن کے نزدیک ہندوستان مکہ اور مدینہ سے زیادہ پیارا ہے۔ کیا وہ جن کا خدا خود ان سے غلط انگریزی میں باتیں کیا کرتا تھا۔

اب مرزا محمود انصاف کریں کہ ایک طرف حیات عیسیٰ علیہ السلام کے نام سے ان کا نازک دل پھٹا جاتا ہے۔ دوسری طرف وہ خدا تعالیٰ کے اس امتیاز کلی کو مٹانا چاہتا ہے کہ اب اس خاتم الرسل پر ایمان لانا نجات کے لئے کافی نہ رہے۔ جنت اور رضائے ایزدی اس کے توسط کے بجائے مرزا غلام احمد کے توسط سے ملنے لگے۔ خدا تعالیٰ کا کوئی رسول اس کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے نہ اترے اور اس کے ماء مصفی کو چھوڑ کر دنیا مرزا غلام احمد قادیانی کے گھاٹ سے سیراب ہو:

تکدر ماء السابقین وعیننا
الی آخر الایام لا تتکدر

مسئلہ ختم نبوت ایک فسانہ سمجھا جائے اور اس طرح عظمت کے دعوے میں اہانت اور ایمان کی ندا میں کفر کی دعوت دی جائے؟۔ کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ آپ ان عقائد فاسدہ سے توبہ کر لیں؟ اور ایک ایسی نبوت تامہ و عامہ کے نیچے آجائیں جس کے بعد ہر

نبوت سے بے نیازی اور ہر وحی سے استغنی ہے :

بہار عالم حسنش جہان را تازہ میدارد
برنگ اصحاب صورت راببو ارباب معنی را

معزز زمیندار کی اپیل پڑھ کر میں نے اس مضمون کو شروع کیا تھا اور اپنے ذہن میں اس کو دو حصوں پر منقسم کیا تھا جس میں سے اول حصہ مرزا محمود صاحب کے شکوک کے جواب کے متعلق تھا۔ اور دوسرا اپنے مقصد کی تقریر میں۔ لیکن جب میں اس قدر مضمون لکھ چکا تو حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی مدظلہ کا میں نے مضمون سنا جس کے بعد اپنا یہ مضمون بھی زائد از حاجت معلوم ہوا اس لئے دوسرے حصہ کو حذف کرتا ہوں کہ مولانائے موصوف کا مضمون اس باب میں بس ہے اور اسی میں کفایت ہے اسی کو بغور پڑھئے اور سنائیے۔

هوا لمسك ماكررته يتضوع

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

الجواب الفصیح
لمنکر حیات المسیحؑ

محدث کبیر

حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!

تعارف

الحمدللّٰہ وکفی وسلام علیٰ خاتم الانبیاء. اما بعد!

محدث کبیر حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی ؒ نے ”الجواب الفصیح لمنکر حیات المسیح“ تحریر فرمایا جو ۱۳۴۳ھ میں مطبع قاسمی دیوبند سے شائع ہوا تھا۔ عرصہ سے نایاب تھا۔ ۷۹ سال بعد اس کی اشاعت یہ ہمارے لئے کیا باعث سعادت نہیں؟۔ ۱۷ شعبان ۱۳۴۱ھ کو شیخ الاسلام حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ اپنے وطن کشمیر تشریف لے گئے۔ آپ کے شاگردوں کی جماعت ساتھ تھی۔ کشمیر کے اہالیان کو پتہ چلا تو کشاں کشاں چلے آئے۔ آپ نے پورے کشمیر میں فتنہ قادیانیت کے خلاف تقریریں کیں۔ قادیانیت بوکھلا اٹھی۔ قادیان سے لاہور تک کے قادیانیوں کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اپنے ہفتگی رسائل جیسے پیغام الصلح وغیرہ میں مضامین لکھے جو دلائل سے زیادہ گالیوں سے پر تھے۔ ان تمام مضامین کا جواب حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مرحوم نے تحریر فرمایا تو یہ کتاب بن گئی۔ اس میں ذیل کے مضامین ہیں: ۱...... مصباح العلیہ لمحوالنبوۃ الظلیہ۔ ۲...... الجواب الحفی فی آیۃ التوفی۔ ۳...... انجاز الوفی فی لفظ التوفی۔ ان مضامین کے مجموعہ کا نام ”الجواب الفصحیح لمنکر حیات المسیح“ ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ اکابرین کی محنت کو امت کے ہاتھوں پہنچانے کی سعادت پر رب کریم کے حضور سجدہ شکر بجالاتے ہیں۔ فلحمدللّٰہ!

فقیر اللہ وسایا

۷/۶/۱۴۲۲ھ

۲۷/۸/۲۰۰۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک ضروری گزارش

ناظرین کرام چونکہ اس رسالہ کا مقصد صرف معترض کی جوابدہی نہیں بلکہ اظہار حق اور تحقیق ہے۔ اس لئے ہر چند کہ تحریر جواب و کتابت سے فراغت حاصل ہوئی ایک عرصہ گزر چکا تھا۔ لیکن کارکنان شعبہ تبلیغ و اشاعت دارالعلوم کو کچھ ایسی مشاغل ضروریہ جو اس سے اہم تر تھے درپیش رہے جن کی وجہ سے رسالہ ہذا کے طبع میں ضرورت سے زیادہ تاخیر واقع ہو گئی اور کاپیاں بھی رکی رکی قدرے خراب ہو گئیں۔ اس لئے التماس ہے کہ اس تاخیر سے ملول نہ ہوں اور مطلب کی بات غور سے مطالعہ فرمادیں۔ انشاء اللہ! امید ہے کہ فائدہ سے خالی نہ پائیں گے۔ اور اگر کوئی بات قابل پذیرائی نظر پڑے تو احقر کو بھی کلمات خیر سے ضرور یاد کریں۔

والسلام!
بدر عالم عفی عنہ
خادم دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده ونصلی علیٰ رسوله الکریم ۔ امابعد!

ایک مدت مدید سے اپنا خیال تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے ایجادات پر کوئی مختصر سا رسالہ تحریر کیجئے اور اس مدعی نبوت کے اختراعی تصرفات کو عوام کے روبرو پیش کیجئے تاکہ امت محمدیہ اس کی تلبیس سے متنبہ اور حقیقت حال سے آگاہ ہو جائے۔ مگر اپنی بے بضاعتی نے کبھی اہل علم و فضل کے مجمع میں رہ کر قلم اٹھانے کی ہمت نہ دی۔ حتی کہ یہ خیال قریب تھا کہ کہنہ ہو کر معدوم ہو گیا ہوتا کہ سعادت ازلیہ اور تقدیر الٰہی نے دفعتہً دستگیری کی اور ایسے سامان میسر کر دیئے کہ باایں ہمہ قلم اٹھانے کی جرأت ہوئی۔ یعنی حسب الاتفاق خاتم المحدثین و آیت السالفین الصالحین سیدنا و سندنا و استاذنا حضرت مولانا مولوی الحاج سید انور شاہ صاحب مدظلہ العالی مدرس اعلیٰ مدرسہ دیوبند نے اپنے وطن مالوف کی طرف سفر کا ارادہ کیا اور مورخہ ۱۷ شعبان ۱۳۴۱ھ کو یہاں سے روانہ ہو کر بمقام بارہ مولا و سری نگر ہوتے ہوئے کشمیر کو شرف ورود بخشا۔

چونکہ نواحی کشمیر میں جناب کے تقدس و علم کا ہندوستان سے بھی زیادہ شہرہ ہے۔ اس لئے جوق در جوق مشتاقان دیدار بغرض تحصیل زیارت آتے رہے۔ اس دوران میں حضرت موصوف مسلمانوں کی مذہبی کمزوری کو برابر محسوس کرتے تھے اور اسی سبب سے صرف دو ماہ کے قیام میں مختلف مقامات پر آپ کو سترہ مرتبہ وعظ فرمانے کا اتفاق ہوا۔ جن میں بعض مسائل اجتہادیہ مختلف فیہا اور بعض میں اس فتنہ عمیاء و صماء پر خصوصیت سے بحث فرمائی۔ جوں ہی کہ حضرت موصوف کی زبان پر تاثیر سے صداقت و اخلاص سے لبریز مواعظ لوگوں کے کانوں تک پہنچے۔ اسی وقت سے عوام میں مذہبی تحریک اور مردہ ایمانوں میں تازگی پیدا ہونا شروع ہوئی۔ پھر کیا تھا اس کامیابی اور تائید حق کو دیکھ کر مرزائیوں کے پتنگے لگ گئے اور ان سے رہا نہ گیا۔ یہاں تک کہ پیغام صلح میں عبداللہ وکیل (قادیانی) کی طرف سے چند اعتراضات طبع ہوئے۔ خیر اس کا تو شکوہ نہ تھا افسوس اس پر ہے کہ ساتھ ہی ساتھ حضرت موصوف کی شان میں نہایت گستاخانہ کلمات بھی استعمال کئے گئے ہیں جسے ہم مرزائی سنت

سمجھتے ہیں۔ خوش قسمتی سے یہ پرچہ میری نظر سے بھی گزرا۔ گو اپنا ارادہ تو تھا ہی مگر اس پر حضرت موصوف کے فرمان نے جسے میں نے قابل فخر اور باعث نجات تصور کیا۔ تحریر جواب پر مجبور کر دیا اور وہ امروز فردا کا غیر متناہی سلسلہ آج منقطع ہوا اور توکلاً علی اللہ جو کچھ کہ آنجناب (شاہ صاحب) کے افادات خارج یا اوقات درس کی اپنی دماغ میں مجمع تھے۔ ان کو یکجا قلم بند کرنا شروع کیا اور جہاں ضرورت محسوس ہوئی وہاں دریافت بھی کیا۔ اس کے بعد اس منتشر اور بے ربط ذخیرہ کو بصورت رسالہ حضرت موصوف کی خدمت میں پیش کرنے کی درخواست کی۔ ہر چند کہ اپنی ہیچمدانی پر نظر کرتے ہوئے کس طرح امید نہ تھی کہ کچھ بھی قابل پذیرائی ہو مگر الحمد للہ! کہ حضرت موصوف نے اس کو قبول فرما کر اول سے آخر تک حرف بحرف سنا اور حسب ضرورت اصلاح فرمائی۔ اس کے ساتھ ہی میری گزارش پر ہر مضمون کا مناسب عنوان بھی خود ہی تجویز فرمایا۔

بدر عالم میرٹھی

نوٹ: ہر مضمون کا عنوان ابتداء صفحہ میں لکھ دیا گیا ہے۔ صفحات مضامین کے اعتبار سے لگائے گئے ہیں۔ اعتراضات بلفظہا منقول ہیں۔ اصل پیغام صلح مورخہ ۳ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ کالم ۴ پر ملاحظہ ہو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مصباح العلیہ لمحوالنبوۃ الظلیہ

(قال) "مولانا صاحب نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد ظلی بروزی مجازی نبوت کا قائل خارج از دائرہ اسلام ہے۔ اس پر گزارش ہے کہ محدثیت ہی ظلی نبوت ہے۔ لکل ان یصطلح اگر یہ نبوت بھی بکلی مسدود ہے تو ملاحظہ فرمائیے کتاب: "الیواقیت الجواہر امام شعرانی" اعلم ان النبوة لم یر تفع مطلقا بعد محمد ﷺ وانما ارتفع نبوة التشریع فقط وقد کان الشیخ عبدالقادر الجیلانی یقول اوتی الانبیاء اسم النبوة و اوتینا اللقب." کیا کوئی فاضل بتا سکتا ہے کہ امام شعرانی" یا عبدالقادر جیلانی"، شیخ ابن عربی"، مجدد الف ثانی" علماء اسلام داخل دائرہ اسلام نہیں ہیں۔ معاذاللہ!"

(اقول) "و به نستعین" قبل اس کے کہ میں اس عبارت کی شرح کروں اولاً ظلی نبی کی مختصر تحقیق کرتا ہوں کہ کیا مرزا قادیانی کے نزدیک ظلی نبوت اور محدثیت شی واحد ہیں؟ اور یہ کہ کیا ظلی نبوت کوئی قابل تسلیم اصطلاح ہو بھی سکتی ہے یا نہیں؟۔ سو سب سے اول تو بطور اصل گزارش ہے کہ اگر ظلی یا بروزی نبوت دین میں کوئی شی معتبر ہے جس کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے تو کسی ایک حدیث کو ہی مرزائی پیش کر دیں جس میں ظلی یا بروزی کا لفظ آیا ہو۔ کیونکہ جب امت محمدیہ میں بقاء محدثیت شرعاً بھی ایک مسلم امر ہے اور محدث ظلی نبی بھی ہوتا ہے (بقول مرزائیاں) تو پھر ضرور کہیں اس کا پتہ ملنا چاہئے اور اگر یہ مجرد اختراع ہی ہے جیسا کہ ولکل ان یصطلح سے متبادر ہے تو ایسی اصطلاح کے ماننے پر جس کا دین میں کہیں پتہ نہ ہو دوسروں کو کیونکر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ خصوصاً جبکہ وہ اصطلاح شریعتہ محمدیہ کے مخالف بھی ہو بلکہ ممنوع ہو۔

مثلاً اگر کوئی شخص ظلی اور بروزی طور سے خدائی کا دعویٰ شروع کر دے تو کیا اس

شخص کی تکفیر نہیں کی جائے گی اور کیا اس شخص کا یہ عذر قابل قبول ہو گا کہ میں نے حقیقتاً خدائی کا دعویٰ نہیں کیا تاکہ تعدد لازم آئے بلکہ ظلی طور سے میں نے اس میں فنا ہو کر اس کا نام پایا ہے۔ اس کا علم پایا ہے۔ اس کا حکم پایا ہے اور اس طور سے میں ظلی خدا ہوں۔ لہذا خدا کی خدائی اسی کے پاس رہی نہ کسی دوسرے کے پاس۔ لہذا مجھ کو مشرک نہ کہو۔

"اس طرح جس کو شعلۂ محبت الٰہی سر سے پیر تک اپنے اندر لیتا ہے۔ وہ مظہر تجلیات الہیہ ہو جاتا ہے۔ مگر نہیں کہہ سکتے کہ وہ خدا ہے بلکہ ایک بندہ ہے۔"

(حقیقت الوحی ص ۵ خزائن ص ۷ ج ۲۲)

بالکل اس طرح سمجھ لو کہ اگر کوئی شخص مظہر تجلیات نبویہ ہو جانے کا مدعی ہو تو اسے فقط بالکل ان یصطلح کے تحت میں نبی نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ وہ ایک امتی ہو گا۔

مرزا قادیانی کے کلام سے ثبوت کہ ظلی طور سے انبیاء علیہم السلام کے جمیع کمالات پانے والا بھی نبی نہیں کہلاتا

"جب کسی کی حالت اس نوبت تک پہنچ جائے تو اس کا معاملہ اس عالم سے وراء الوراء ہو جاتا ہے اور تمام ان ہدایتوں اور مقامات عالیہ کو ظلی طور پر پالیتا ہے جو اس سے پہلے نبیوں اور رسولوں کو ملے تھے اور انبیاء اور رسل کا وارث اور نائب ہو جاتا ہے۔ وہ حقیقت جو انبیاء میں معجزہ کے نام سے موسوم ہوتی ہے وہ اس میں کرامت کے نام سے ظاہر ہو جاتی ہے اور وہ حقیقت جو انبیاء میں عصمت کے نام سے نامزد کی جاتی ہے اس میں محفوظیت کے نام سے پکاری جاتی ہے اور وہی حقیقت جو انبیاء میں نبوت کے نام سے بولی جاتی ہے اس میں محدثیت کے پیرایہ میں ظہور پکڑتی ہے۔" (آئینہ کمالات اسلام ص ۲۳، خزائن ص ۲۳ ج ۵)

اس عبارت میں صاف طور سے بتلایا گیا ہے کہ وہ شخص جو انبیاء سابقین کے جمیع کمالات کو ظلاً حاصل کر لیتا ہے نبی نہیں کہلاتا بلکہ محدث کہلاتا ہے۔ اس سے دو نتیجہ پیدا ہوتے ہیں یا تو یہ کہ محدث ظلی نبی ہی نہیں ہوتا، یا ظلی نبی کہلا نہیں سکتا اور بہر تقدیر مرزا جی کا یہ فرمان پیغام صلح کی تردید کرتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک ظلی نبی اور محدث شی واحد ہیں لہذا

محدث کو ظلی نبی کہیں گے مگر اس عبارت میں مرزا قادیانی نے تصریح کر دی ہے کہ نبیوں کی حقیقت اور محدثون کی حقیقت واحد ہی ہے مگر باوجود اس کے پھر اس میں اختلاف ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر بالفرض کسی شخص میں نبوت کے جمیع کمالات ہوں اور پھر بھی اسے نبی نہ کہیں یہ ممکن ہے اور اگر مجازاً نبوت کا دعویٰ بھی صحیح ہو سکتا ہے تو بے شک مجازاً خدائی کا دعویٰ بھی صحیح ہو گا اور اگر نہیں تو پھر اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان کو ہر ایک اصطلاح رکھنے کا حق نہیں۔ خواہ وہ قواعد شریعت کے موافق ہو یا مخالف۔

یہ امر بھی سمجھنے کے قابل ہے کہ فقط کسی منصب کے کمالات کی تحصیل کر لینا اس اسم کے اطلاق کو جائز نہیں کرتا۔ دیکھو ایک گورنری کرنے کے قابل آدمی اپنے آپ کو گورنر نہیں کہہ سکتا باوجودیکہ وہ سارے کمالات گورنری کا جامع ہے تحدیانہ دعویٰ کرنا تو درکنار اگر یہ شخص اپنے یار دوستوں ہی میں اپنے آپ کو گورنر کہلانا چاہے تو اس کے رفقاء اس پر تمسخر کے علاوہ اور کیا کریں گے اور اگر کہیں اس عقل کے پتلے نے تحدیانہ دعویٰ بھی شروع کر دیا اور گھر بیٹھے منظور اور نامنظور بھی کہنا شروع کر دیا تو اس کا علاج سوائے آگرہ (مینٹل ہسپتال) بھیج دینے کے اور کچھ نہیں۔ اسی طرح اگر بالفرض کوئی شخص جامع کمالات نبویہ ہو بھی جائے جب بھی اسے دعویٰ نبوت کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ خدا سوائے محدث کے اب نبی کسی کو نہیں بنائے گا۔ ورنہ تو کوئی ایک آیت ہی پیش کر دو جس میں خدا نے ظلی نبی بنانے کا وعدہ کیا ہو۔

رہا محدثین کی آمد تو اس کے لئے حدیث موجود ہے۔ اس سے یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ اگر کہیں بعض کمالات نبوت فی الجملہ کا ثبوت ملتا بھی ہو جب بھی وہ اطلاق لفظ نبی کو مستلزم نہیں۔ چہ جائے کہ دعویٰ نبوت۔ جیسا کہ ہم آئندہ چل کر واضح کریں گے۔ کیونکہ کمالات نبوت اور ادعائے نبوت میں بون بعید ہے ظاہر ہے کہ ایک امتی کے سارے کمالات کا منسوب الیہ نبی کریم ﷺ ہی کی ذات مقدسہ ہے۔ لہذا جو کمال بھی ہم میں ہے اس کا مستند آپ ﷺ کی ذات ہے۔ یہ حقیقت تھی اور ہر ایک کی سمجھ میں آنے والی بات تھی مگر مرزائیوں کو مغالطہ لگا کہ انہوں نے بجائے اس کے کہ اپنے کمالات کا استناد آنحضرت ﷺ کی طرف کرتے نبی کریم ﷺ کے جمیع کمالات اپنے اندر تسلیم کر لئے۔

میرے دوستو! یہ ایک بڑی ٹھوکر ہے جو تم کو لگی۔ یاد رکھو کمال اس میں نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے سارے کمالات تم کو حاصل ہو جائیں بلکہ کمال اس میں ہے کہ جو کچھ تم میں ہو اس کا منتہی آنحضرت ﷺ کی ذات قرار پائے۔ اس میں راز یہ ہے کہ کمالات نبوت نہ تو واحد ہیں اور نہ نوع واحد سے ہیں بلکہ متعدد اور انواع مختلفہ سے ہیں۔ لہذا نبوت کو جامع ولایت بھی کہا گیا ہے۔ پس کمالات ولایت جو ایک پہلو سے کمالات نبوت بھی کہے جا سکتے ہیں قیامت تک ظلاً جاری ہیں مگر وہ کمالات نبوت جو مختصات نبوت سے ہیں بکلی مسدود ہیں یہی مطلب ہے: "لوکان بعدی نبی لکان عمرؓ." کا اور اسی وجہ سے کہ عمرؓ کے پاس کمالات ولایت تو تھے مگر جو کمالات مخصوص بالنبوت ہیں نہیں تھے۔ نبی کا لفظ ظلاً بھی ان پر نہیں بولا گیا۔ ورنہ جس کی قرب مناسبت سے نبی کریم ﷺ نے خبر دی ہو اس پر اطلاق لفظ نبی میں حجر (روک) ہی کیا تھا۔ پس اگر نبی کا اطلاق تسلیم کیا جائے .... تو پھر امر ختم نبوت ایک فسانہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب بعد خاتم الانبیاء ﷺ کے نبی بھی بنے اور نبی کہلائے بھی اور ان کے دعوؤں کی تصدیق بھی کی جائے تو اب ختم نبوت ایک امر اعتباری رہ جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ!

علاوہ ازیں چونکہ آئینہ کمالات اسلام کے مطابق اسماء منقسم ہو چکے ہیں لہذا اولیاء پر انبیاء کا اطلاق کرنا کیونکر ممکن ہے اور کیا اس سے صاف معلوم نہ ہوگا کہ کمالات مخصوص بالنبوۃ بھی باقی ہیں۔ پھر ختم نبوت کیا قابل فخر امر رہ جاتا ہے جبکہ کمالات نبوت بھی باقی ہیں۔ معجزات اور دعوئی نبوت بھی باقی ہے۔ سارے امور تو باقی تسلیم کئے جائیں صرف براہ راست اور بوساطت کا فرق باقی رہ جاتا ہے۔ سو مرزا قادیانی نے اسے بھی اٹھا دیا ہے۔

"اب میں بموجب آیت کریمہ: "وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ." اپنی نسبت بیان کرتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ نے مجھے اس تیسرے درجہ میں داخل کر کے وہ نعمت بخشی ہے کہ جو میری کوشش سے نہیں بلکہ شکم مادر میں ہی مجھے عطا کی گئی ہے۔"

(حقیقت الوحی ص ۶۷' خزائن ص ۷۰ ج ۲۲)

اب فرمائیے کہ جب نبوت شکم مادر ہی میں مل جائے تو توسط فیض و ظلیت بھی نابود

ہوا جاتا ہے۔ پھر اگر اس پر بھی تمہارا دل گوارا کرتا ہو تو بعد خاتم الانبیاء ﷺ کے جسے چاہے نبی بنا دو۔ مگر یاد رکھو اب خدا کسی کو نبی نہیں بنائے گا۔ ماسوا اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ جب ایک امر کو خود بھی مجازاً کہا جاتا ہے تو پھر اس کا دعویٰ کیوں کیا جاتا ہے۔ دعویٰ کسی امر حقیقی کا ہوا کرتا ہے نہ اس امر کا جو بطور سایہ اور لباس مجاز ہو۔ اس بیان سے میری غرض یہ ہے کہ کمالات نبوت موہبت الہیتہ میں غایۃ الغایات ہیں جس کے تحت میں جمیع کمالات مندرج ہیں۔ پس جو کمال بھی ہے کمالات نبوت سے ہی ہے۔ لہذا کمالات نبوت جن کو کمالات ولایت کہا جاتا ہے باقی ہیں اور وہ کمالات نبوت جن سے کسی کو نبی کہلانے کا استحقاق ہو سکتا ہے بکلی مسدود ہیں۔ لہذا ظلی طور سے بھی ان کمالات کا حاصل کرنا جو خصوصیات نبوت سے ہیں محض غلط ہے۔ کیا جس قدر ہم میں افعال و کمالات ہیں وہ سب خدائی کمال کے اظلال نہیں؟۔ ظاہر ہے کہ ہمارا وجود ارادہ قدرت سمع و بصر سب خدا کے یہاں سے آئے ہوئے ہیں۔ مگر باوجود اس کے کہ خدا بھی موجود ہے اور ہم بھی موجود ہیں وہ بھی سمیع و بصیر ہے ہم بھی سنتے اور دیکھتے ہیں۔ مگر نہیں کہا جا سکتا کہ ہم ظلی طور سے خدا ہیں۔ کیونکہ جس امر سے خدائیت کا اطلاق ممکن ہو اس کا حصول ظلی حقیقی ہر طور سے محال ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص جمیع کمالات الٰہیہ کو اپنے اندر تسلیم کرے۔ اگرچہ ظلاً ہی کیوں نہ سہی تو وہ کھلا مشرک ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے میں اور خدا میں صرف اعتباری فرق رکھا ہے۔ ورنہ بحقیقت مدعی مساوات ہے۔ کیونکہ اصل و تبع کا اگر فرق نکلے گا تو قبل حصول کمالات نکلے گا مگر بعد میں جبکہ تبع میں بھی اصل کے جمیع کمالات موجود ہو گئے امتیاز نہ رہے گا جیسا کہ ایک شاگرد استاذ سے اس وقت تک ناقص تسلیم کیا جا سکتا ہے جب تک کہ وہ استاذ کے کمالات سے بہرہ ور نہیں ہوا۔ مگر جب وہ استاذ کے جمیع کمالات اپنے اندر حاصل کر لے تو پھر حالت موجودہ اس میں اور اس کے استاذ میں کیا فرق ہے۔ ہاں! اگر فرق کیا جائے گا تو زمانہ ماضی کے لحاظ سے' بالکل اسی طریق پر کمالات نبوت کا باسرہا (مجموعہ) تسلیم کرنا اصل و فرع میں امتیاز اٹھا دینا ہے اور درحقیقت یہ ایک زہر ہے جو ظل کا بہانہ کر کے مسلمانوں کو پلایا جا رہا ہے۔ ورنہ ایسا شخص اصل میں حضور نبی کریم ﷺ سے مساوات کا مدعی ہے۔ الحاصل اطلاق نبوت کو مثل دیگر

اصطلاحوں کے ایک معمولی اصطلاح سمجھنا ہی سب سے اول اصولی غلطی ہے۔ گو یہ صحیح ہے کہ نبی کا لفظ لغتہً مخبر کے معنوں میں آتا ہے مگر اس معنی کے لحاظ سے تو کافر پر بھی نبی کا اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ لغتہً اس کے معنی میں قید اسلام بھی ملحوظ نہیں۔ لیکن چونکہ قرآن شریف میں رسول اللہ اور نبی اللہ کا لفظ مستقل نبیوں کے لئے مخصوص ہو چکا ہے۔ حتیٰ کہ سارے قرآن میں ایک جگہ بھی رسول اللہ اور نبی اللہ کا لفظ لغوی معنٰی پر نہیں بولا گیا بلکہ اسی اپنی مقرر اصطلاح پر بولا گیا ہے۔ لہذا ایسے لفظ کو جو شرعاً کسی معنٰی کے ساتھ مختص ہو کر مجور ہو چکا ہے۔ لغت کی رو سے بھی استعمال کرنا بے شک ممنوع کیا جائے گا۔ کیونکہ اس اختصاص کی وجہ سے ذہن اسی معنی کی طرف متبادر ہو گا۔ جو اہل اسلام میں شائع ہو چکے ہیں۔

دیکھئے مرزا غلام احمد قادیانی نے خود تسلیم کیا ہے کہ کسی لفظ کے متعلق ہم ایسی اصطلاح نہیں قائم کر سکتے جو قرآن شریف کی مقرر شدہ معنوں کے مخالف ہو اور یہ بھی کہ بعد نبی کریم ﷺ کے اب کسی پر لفظ نبی کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔ پس اگر لفظ نبی بھی مثل اور معمولی اصطلاحوں کے ہوتا تو مرزا قادیانی اس کے متعلق کیوں امتناع اطلاق کا فتویٰ دیتے اور لغوی معنی کی رو سے اطلاق کرنا کیوں ہتک قرار دیتے؟۔

مرزا قادیانی کے فتویٰ کے بموجب بھی نبی کا اطلاق مجور و ممنوع ہے

”کسی کا اختیار نہیں ہے کہ ان معنوں کو بدل ڈالے اور ہم اس بات کے مجاز نہیں کہ اپنی طرف سے کوئی ایسے معنی ایجاد کریں کہ جو قرآن شریف کے بیان کردہ معنوں سے مغائیر اور مخالف ہوں۔“ (حقیقت الوحی ص ۱۴۲، خزائن ص ۱۴۶ ج ۲۲)

اس کی مزید توضیح اس طور سے فرماتے ہیں کہ:

”ہمیں اس سے کچھ غرض نہیں کہ قرآن شریف سے پہلے عرب کے لوگ اللہ کے لفظ کو کن معنوں پر استعمال کرتے تھے۔ مگر ہمیں اس بات کی پابندی کرنی چاہیئے کہ خدائے تعالیٰ نے قرآن شریف میں اول سے آخر تک اللہ کے لفظ کو انہیں معنوں کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔“ (حقیقت الوحی ص ۱۷۱، خزائن ص ۱۷۶ ج ۲۲)

اس مقام پر ہر چند کہ ذکر خصوصاً لفظ اللہ کے ہی متعلق ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ مرزا قادیانی کا یہ قاعدہ مخصوص نہیں کیونکہ در حقیقت یہ ایک قیاس معنوی کا کبریٰ ہے جس کے لئے کلیتہً شرط انتاج ہے۔ لہذا اگر اسے مخصوص مانا جائے تو پھر لفظ اللہ کے متعلق یہی مرزا قادیانی کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔ پس اس عمومی فتویٰ کے موافق کسی اصطلاح مقررہ کرنے والے کو ضرور دیکھ لینا چاہئے کہ جس لفظ کی وہ اصطلاح مقرر کر رہا ہے۔ کہیں وہ قرآن شریف میں کسی معنی کے ساتھ مخصوص تو نہیں ہو چکا۔ کیونکہ اگر مخصوص ہو چکا ہے تو پھر اس کو قرآن شریف کے مقرر کردہ معنوں کے خلاف کسی معنی پر اطلاق کرنے کا۔ گو وہ کلام عرب کے موافق ہی کیوں نہ ہو کوئی حق نہیں پہنچتا۔ لہذا اس اصل کے ماتحت ہمیں لفظ نبی اللہ اور رسول اللہ کو بھی دیکھنا چاہئے اور قرآن کے تتبع کے بعد اس کے کوئی معنی بیان کرنے چاہئیں۔ مگر یہ امر تو بالاستقراء ثابت ہے کہ قرآن نے کسی ایک مقام پر بھی اس لفظ کو لغوی معنوں پر استعمال نہیں کیا۔ اگر کوئی دعویٰ کرے تو بار ثبوت اس کی گردن پر ہوگا۔ پس ایسی حالت میں جبکہ رسول اللہ اور نبی اللہ کا لفظ قرآن شریف میں ایک مقرر معنوں کے لئے مخصوص ہو چکا ہے۔ کسی مصطلح کا اس کو ظلی نبوت کے لئے وضع کر لینا جس کو مجازی نبوت بتلایا جاتا ہے کہاں تک درست ہو سکتا ہے۔ کیا یہ قرآن کے مقرر کردہ معنوں کی مخالفت نہیں ہے؟۔

اس کے بعد اسی اصل کے موافق مرزا قادیانی کے الہام: ”قُلْ یَاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا“ (مندرجہ تذکرہ ص ۳۵۲ طبع سوم) میں اگر رسول اللہ سے ظلی رسول مراد لیا جائے تو یہ معنی قرآن شریف کے بیان کردہ معنوں کے مخالف ہوں گے اور مجھے یقین ہے کہ وہ خدا جس نے اپنی اصطلاح کو نبی کریم ﷺ جیسے اولوالعزم کے ذریعہ سے ایک مرتبہ پختہ کر دیا ہے۔ وہ مرزا قادیانی جیسے نبی کے لئے (بزعم مرزائیان) اپنی مقرر شدہ اصطلاح کو نہیں بدلے گا اور اگر خدا نے مرزا قادیانی کے لئے اپنی اصطلاح بدل دی ہے تو پھر مرزا قادیانی فضول لفظ توفی میں جھگڑا کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے خیال کے موافق اب لفظ توفی کا کسی معنی کے لئے مخصوص بھی ہو چکا ہو۔ جب بھی خدا کو اختیار ہے کہ اس نے حق عیسیٰ علیہ السلام اپنی مقرر شدہ اصطلاح کے بر خلاف کسی اور معنی کا ارادہ کر لیا ہو۔

جبکہ آج وہ خدا، رسول اللہ سے ظلی رسول مراد لے سکتا ہے۔ حالانکہ آج سے پیشتر کہیں اس نے رسول اللہ بول کر کسی کو ظلی نبی نہیں بنایا بلکہ مستقل ہی نبی بنایا ہے۔ تو پھر وہی خدا اس پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ قرآن میں ۲۳ جگہ لفظ: "توفی." کا استعمال کرے اور ۲۲ جگہ بزعم مرزا قادیانی موت مراد لے اور ایک جگہ رفع بجسدہ مراد لے۔

مگر مرزا قادیانی نے توفی میں اسے محال سمجھا ہے۔ اور اگر اس الہام میں اپنے مقرر شدہ اصطلاح کو بدلا نہیں تو پھر مرزا قادیانی خاصے مستقل نبی بنے جاتے ہیں۔ جس کا دعویٰ بالاتفاق کفر ہے۔

اس کے بعد مرزا قادیانی تصریح ملاحظہ ہو:

"مگر اس کا کامل پیرو صرف نبی نہیں کہلا سکتا۔ کیونکہ نبوت تامہ کاملہ محمدیہ کی اس میں ہتک ہے۔" (الوصیت ص ۱۰، خزائن ص ۳۱۱ ج ۲۰)

"آنحضرت کے بعد کسی پر لفظ نبی کا اطلاق بھی جائز نہیں۔"

(حاشیہ تجلیات الٰہیہ ص ۸، ۹، خزائن ص ۴۰۱ ج ۲۰)

اول عبارت سے معلوم ہوا کہ صرف نبی کا لفظ استعمال کرنا اس لئے ممنوع ہے کیونکہ اس میں حضور ﷺ کی ہتک ہوتی ہے۔ مگر اب جس کا جی چاہے نبوت کا دعویٰ کر کے نبی کریم ﷺ کی ہتک کرے؟۔ والعیاذ باللہ!

دوسرے حوالہ میں صراحتہً اطلاق لفظ نبی کے عدم جواز کی تصریح ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ اگر کوئی شخص مجازاً یا ظلاً کسی طور سے بھی اپنی نسبت صرف نبی کے لفظ کو اطلاق کرتا ہے وہ نبی کریم ﷺ کی ہتک کرتا ہے اور جو نبی کریم ﷺ کی ہتک کرتا ہے وہ بلا ریب کافر ہے۔ لہٰذا بمقتضائے فتویٰ ہذا جو شخص بھی جس معنی کے لحاظ سے اپنی نسبت صرف لفظ نبی کا استعمال کرے گا۔ وہ کافر ہو گا خواہ وہ مرزا قادیانی ہی کیوں نہ ہوں۔ مگر ممکن ہے کہ جیسا خدا نے مرزا قادیانی کے لئے اپنی مقرر شدہ اصطلاح کو بدل دیا ہے۔ شاید ان کے لئے نبی کریم ﷺ کی ہتک بھی جائز کر دی ہو؟۔ والعیاذ باللہ!

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب ایک شخص کو خدا نے محدث بنایا ہے نبی نہیں بنایا

تو پھر وہ کیوں خواہ مخواہ اس منصب کو جو اس کے حاصل نہیں ہے مجاز اور استعارہ کی آڑ لے کر اپنے لئے ثابت کرتا ہے۔ سوائے اس کے کہ اپنے اس بے ہودہ اقوال سے عوام میں ایک تشویش پھیلانا اور سادہ لوحوں کو فریب دینا مقصود ہو اور اس میں کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔

مثال کے طور سے فرض کیجئے لفظ مجدد لغۃً تجدید کرنے والے کو کہتے ہیں۔ چاہے وہ کسی امر کی تجدید کرے۔ اس لغوی معنی کی رو سے ہر شخص مجدد بن سکتا ہے؟۔ پس اگر اس اصطلاح کے موافق میں اپنی مجددیت کا اعلان کر دوں اور جب لوگ مجھے دیوانہ قرار دیں تو جھٹ لغۃ کی آڑ لے کر کہہ دوں کہ کیا لغۃ کی رو سے میں مجدد نہیں ہوں۔ کیا ایک تھانہ دار کو حق ہے کہ وہ مجازاً اپنے آپ کو انسپکٹر کہتا پھرے اور اس پر طرہ یہ کہ اگر کوئی شخص اس کی انسپکٹری سے انکار کرے تو اس کی جان کو آجائے۔ جیسا کہ مرزا قادیانی اپنے ایک مرید کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ (ملاحظہ ہو ایک غلطی کا ازالہ) اور اس بیچارہ کو خواہ مخواہ ڈانٹ رہے ہیں۔ کیا یہ ساری باتیں کسی صحیح الحواس شخص سے سرزد ہو سکتی ہیں؟۔ ایسے شخص کا سوائے عوام کو دھوکہ دہی کے اور کوئی مقصد نہیں ہو سکتا ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی خود تحریر فرماتے ہیں کہ لفظ نبی کے مجازی اطلاق میں بھی دھوکہ کا احتمال ہے۔

مرزا قادیانی کے کلام سے ثبوت کہ لغۃً بھی لفظ نبی کا اطلاق کرنے میں دھوکہ کا احتمال ہے

”غیر حقیقی طور پر کسی لفظ کو استعمال کرنا اور لغت کے عام معنوں کے لحاظ سے اس کو بول چال میں لانا مستلزم کفر نہیں۔ مگر میں اس کو بھی پسند نہیں کرتا کہ اس میں عام مسلمانوں کو دھوکہ لگ جانے کا احتمال ہے۔“ (انجام آتھم ص ۲۷' حاشیہ خزائن ص ۲۷ ج ۱۱)

یہ لفظ بہت زیادہ قابل غور ہیں۔ کیونکہ جب فقط بول چال میں لانے سے دھوکہ کا احتمال ہے۔ پس اگر اس کے ساتھ ہی تحدیانہ دعویٰ کر دیا جائے تو پھر اس احتمال کو خوب ہی پختہ کر دیتا ہے۔ لہذا خدارا مدعین نبوت ' امتہ کے حال پر رحم کریں اور امت کو جبکہ وہ سینکڑوں مصائب میں مبتلا ہے خواہ مخواہ دھوکہ دے کر اور نئی مصیبت میں مبتلا نہ کریں۔ خواہ

وہ مرزا قادیانی ہی کیوں نہ ہوں۔ ان کی خدمت میں بھی ہماری یہی درخواست ہے۔ علاوہ ازیں ہر لفظ کو اگر مجازاً اطلاق کیا جاسکتا ہے تو پھر یہ تو شرک کا دروازہ کھول دینا ہے۔ ملائکہ کو مجازاً بنات اللہ بھی کہا جاسکے گا۔ مقربین کو استعارہ کے طور سے ابن اللہ بھی کہا جاسکے گا۔ اور صالحات کو مجازاً ازواج اللہ سے بھی موسوم کر سکیں گے۔ ظلی طور سے خدا بھی بن سکیں گے ؟۔ والعیاذ باللہ !

قرآن تو ان ساری باتوں کی جڑ نکالتا ہے۔ مگر یہی قرآن کو چھوڑ کر مجاز کی پابندی رہی تو پھر ازواج اللہ کے دعوے ہونے لگیں۔ بزرگوار نبی کا دعویٰ کریں اور ان کی اہلیہ شریف زوج اللہ ہونے کا۔ اور ان کے پسر ابن اللہ کا اور اس طور سے مدعین نبوت خوب اپنے گھر کو رونق دے سکیں گے۔

میں پھر کہتا ہوں کہ للہ ! امت کے حال پر رحم کھاؤ اور وہ راہیں مت ایجاد کرو جس سے صادق اور کاذبوں کا رہا سہا فرق بھی اٹھ جائے۔ کیونکہ اس کے بعد امت کے ہاتھ میں پھر کوئی ذریعہ صادقین کی شناخت کا نہیں۔ اس کا افسوس ہے کہ خدا کے سچے پیغمبر نے کاذبین کی ایک موٹی علامت اپنی امت کو بتلائی تھی۔ یعنی دعویٰ نبوت۔ مگر آج کوشش ہے کہ اس علامت کو ہم سے چھین کر ہم کو اندھیرے میں ہی چھوڑ دیا جائے اور اس طور سے بیچارے مظلوم جاہلوں کے لئے ہر نبی کی تصدیق کا ایک باب واسع کیا جائے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے نزدیک نبوت ظلیہ کی بنیاد شرک کی بنیاد ہے

”یہ مسلم مسئلہ ہے کہ بجز خدا تعالیٰ کے تمام انبیاء کے افعال اور صفات نظیر رکھتی ہیں تاکہ کسی نبی کی کوئی خصوصیت منجر بہ شرک نہ ہو جائے۔“

(تحفہ گولڑویہ ص ۶، خزائن ص ۹۵ ج ۱۷)

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ کسی نبی میں کوئی ایسی صفت تسلیم نہیں کی جاسکتی جس کی انبیاء سابقین میں نظیر نہ ہو اور اسی قاعدہ کے ماتحت مرزا قادیانی نے رفع عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا ہے۔ کیونکہ ان کے زعم کے موافق مخصوص عیسیٰ علیہ السلام کے لئے رفع تجویز کرنا

شرک کی بنیاد قائم کرنی ہے۔ اگر مرزا قادیانی کا یہ قاعدہ فقط رفع عیسیٰ علیہ السلام سے انکار کے لئے موضوع نہیں ہوا ہے۔ تو پھر نبوت ظلیہ کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ مرزا قادیانی کے نزدیک کسی نبی کے اتباع سے نبوت ملنا یہ فقط خاتم الانبیاء علیہم السلام کا خاصہ ہے اور اسی معنی سے انہوں نے نبی کریم ﷺ کو صاحب خاتم مانا ہے۔ جیسا کہ آئندہ حوالہ آتا ہے۔ یہی وہ نبوت ہے جس کا نام انہوں نے نبوت ظلیہ رکھا ہے۔ جیسا کہ ان کی تصانیف میں غیر محصور مقامات پر موجود ہے۔ وعلی ہذا نبوت ظلیہ اگر باتباع نبی کریم ﷺ حاصل ہو سکتی ہے تو پھر یہ آنحضرت ﷺ کی ایسی خصوصیت ہوگی جس کی کسی نبی میں نظیر نہیں ملتی۔ لہذا یہ کہنا کہ نبی کریم ﷺ کے اتباع سے نبوت ظلیہ ملتی ہے ایک مشرکانہ خیال کی بنیاد ڈالنا ہے اور اگر یہ خصوصیت آنحضرت ﷺ میں تسلیم کی جاسکتی ہے اور باوجود اس کے پھر بھی منجرالی الشرک نہیں ہوتی تو پھر رفع عیسیٰ علیہ السلام سے کیونکر انکار کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد جبکہ میں نے مرزا قادیانی کے کلام سے ہی ثابت کر دیا کہ بروزی اور ظلی نبی کوئی شے نہیں اور یہ اطلاق لفظ نبی آنحضرت ﷺ کے بعد ہر اعتبار سے ممنوع ہے۔ کیونکہ اس میں آپ ﷺ کی ہتک ہے۔ تو اب یہ بتلاتا ہوں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے نزدیک ظلی نبی کسے کہتے ہیں اور محدث کسے ؟ اور کیا ان کی عبارات کے موافق یہ دونوں شے واحد ہیں یا مغائر ؟۔

مرزا قادیانی کے نزدیک بروزی نبی کی حقیقت

”ممکن نہیں کہ اب کوئی ہندو یا یہودی یا عیسائی یا کوئی رسمی مسلمان نبی کے لفظ کو اپنی نسبت ثابت کر سکے۔ نبوت کی تمام کھڑکیاں بند کی گئیں مگر ایک کھڑکی سیرت صدیقی کی کھلی ہے۔ یعنی فناء فی الرسول کی۔ پس جو شخص اس کھڑکی کی طرف سے اس کے پاس آتا ہے اس پر ظلی طور پر وہی نبوت کی چادر پہنائی جاتی ہے جو نبوت محمدی کی چادر ہے .... اس کے یہ معنی ہیں کہ محمد کی نبوت آخر محمد ہی کو ملی گو بروزی طور پر .... “

(اشتہار ایک غلطی کا ازالہ ص ۳، خزائن ص ۲۰۷ ج ۱۸)

”اور کیونکہ میں ظلی طور پر محمد ہوں۔ پس اس طور سے خاتم النبیین کی مہر نہیں

ٹوٹی۔ کیونکہ محمد کی نبوت محمد تک ہی محدود رہی۔ یعنی بہر حال محمد ہی نبی رہا نہ اور کوئی۔ یعنی جبکہ میں بروزی طور پر آنحضرت ﷺ ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی مع نبوت محمدیہ کے میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں تو پھر کون سا الگ انسان ہوں جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعویٰ کیا............" (ایک غلطی کا ازالہ ص ۸، خزائن ص ۲۱۲ ج ۱۸)

"پس جیسا کہ ظلی طور پر اسکا نام لے گا اس کا خلق لے گا اور اسکا علم لے گا ایسا ہی اس نبی کا لقب بھی لے گا کیونکہ بروزی تصویر پوری نہیں ہو سکتی جب تک کہ یہ تصویر ہر ایک پہلو سے اپنی اصل کے کمال اپنے اندر نہ رکھتی ہو۔ پس چونکہ نبوت بھی نبی میں ایک کمال ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ تصویر بروزی میں وہ کمال بھی نمودار ہو............ پس اس صورت میں ظاہر ہے کہ جس طرح بروزی طور پر محمد اور احمد نام رکھے جانے سے دو محمد اور دو احمد نہیں ہو گئے۔ اس طرح بروزی طور پر نبی یا رسول کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ خاتم النبیین کی مہر ٹوٹ گئی۔ کیونکہ وجود بروزی کوئی الگ وجود نہیں............ تمام انبیاء علیہم السلام کا اس پر اتفاق ہے کہ بروزی میں دوئی نہیں ہوتی۔" (ایک غلطی کا ازالہ ص ۱۰، خزائن ص ۲۱۴ ج ۱۸)

یہ ایک اردو کی سادہ عبارت ہے جس میں ظلی نبی کی پوری تصویر دی گئی ہے۔ اس عبارت کی رو سے کسی شخص کے ظلی نبی ہونے سے یہ مطلب ہو گا کہ: (۱)...... تمام کمالات محمدیہ مع نبوت کے اس میں منعکس ہیں۔ (۲)...... اس نے وہی چادر پہنی ہے جو نبوت محمدیہ کی چادر ہے۔ (۳)...... وہ بعینہ خاتم الانبیاء اور آنحضرت ﷺ ہے۔ (۴)...... اس کے وجود میں اور آنحضرت ﷺ کے وجود میں دوئی نہیں۔ مسلمانو! اگر تمہارے سینے میں دل اور دل میں کوئی شمع ایمان ہے تو کیا تم کسی شخص کی نسبت گمان کر سکتے ہو کہ اس نے نبوت محمدیہ کی وہی چادر پہن لی اور پھر اس کا تحمل بھی کر لیا۔ اس میں سارے کمالات محمدی مجتمع بھی ہیں۔ وہ خاتم الانبیاء علیہم السلام کہلانے کا مستحق بھی ہو گیا۔ اگر مجھ سے فتویٰ دریافت کرو تو میں ایسے ملعون کو ایک صحیح الحواس کافر بھی تسلیم نہیں کروں گا۔ اس کے بعد میں خود مرزا غلام احمد قادیانی کے کلام سے محدث کی تفسیر پیش کرتا ہوں۔ تاکہ معلوم ہو کہ معترض کا یہ دعویٰ کہ محدثیت ہی ظلی نبوت ہے کہاں تک صحیح ہے؟۔

مرزا قادیانی کے نزدیک محدث کے معنی

"ہاں محدث آئیں گے جو اللہ جل شانہ سے ہم کلام ہوتے ہیں اور نبوت تامہ کے بعض صفات ظلی طور پر اپنے اندر رکھتے ہیں" اس عبارت میں محدث اس کو بتلایا گیا ہے جس میں نبوت تامہ کے بعض صفات ظلی طور پر ہوں اب ناظرین انصاف کریں کہ وہ محدث جو صرف بعض صفات ہی اپنے اندر رکھتا ہے کیونکر ظلی نبی ٹھہر سکتا ہے جو کہ جمیع کمالات کا جامع اور ہر ایک پہلو سے اپنی اصل کے کمالات کا مثنیٰ ہے۔ پس اگر محدثیت ہی ظلی نبوت ہے تو مرزا قادیانی کی ان دونوں عبارتوں میں سے ایک کی تکذیب لازم ہو گی (۲) اگر نبوت ظلیہ اور محدثیت شی واحد ہوں تو پھر جمیع انبیاء علیہم السلام کا صاحب خاتم ہونا لازم آتا ہے اور اس طور سے نبی کریم ﷺ کا یہ مخصوص طرہ امتیاز جمیع انبیاء علیہم السلام کے لئے عام ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ خاتم النبیین کے معنی مرزا قادیانی کے نزدیک یہ ہیں کہ اس کے اتباع سے اور اس میں فنا ہو کر نبوۃ مل سکتی ہے اسی نبوت کا نام ان کے مذہب میں ظلی نبوت ہے۔

"وہ خاتم الانبیاء بنے مگر ان معنوں سے نہیں کہ آئندہ اس سے کوئی روحانی فیض نہیں ملے گا۔ بلکہ ان معنوں سے کہ وہ صاحب خاتم ہے بجز اس کی مہر کے کوئی فیض کسی کو نہیں پہنچ سکتا............ اور بجز اس کے کوئی نبی صاحب خاتم نہیں............ سو خدا تعالیٰ نے ان معنوں سے آپ کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا............ کیونکہ مستقل نبوت آنحضرت ﷺ پر ختم ہو گئی ہے مگر ظلی نبوت جس کے معنی ہیں کہ محض فیض محمدی سے وحی پانا وہ قیامت تک باقی رہے۔" (حقیقت الوحی ص ۲۷، ۲۸ خزائن ص ۲۹، ۳۰ ج ۲۲)

یہی مضمون ضمیمہ براہین احمدیہ اور دیگر کتب میں بھی بکثرت موجود ہے۔ اس کے ساتھ دوسرا مقدمہ پیغام صلح کی عبارت ہے: "یعنی محدثیت ہی ظلی نبوت ہے........ ان دو مقدموں کے ساتھ تیسرا مقدمہ حدیث ہے: "عن عائشۃ عن النبی ﷺ انہ کان یقول قد کان یکون فی الامم قبلکم محدثون فان یکن فی امتی منہم احد فعمر بن الخطاب منہم۔" حقیقت الوحی کے حوالہ سے ظاہر ہے کہ

آنحضرت کے خاتم النبیین ہونے کا یہ مطلب ہے کہ آپ ہی صاحب خاتم ہیں اور کوئی نبی بجز آپ کے صاحب خاتم نہیں اور صاحب خاتم ہونے کا یہ مطلب ہے کہ آپ کی مہر سے نبی بنیں جو کہ ظلی نبی کہلائیں اور مقدمہ ثانیہ سے ثابت ہوا کہ محدثیت اور ظلی نبوت شی واحد ہے مقدمہ ثالثہ سے معلوم ہوا کہ پہلی امتوں میں بہت سے محدث ہوئے ہیں بلکہ اگر حدیث کے الفاظ پر غور کرو تو پہلی امتوں میں محدثوں کا ہونا بہ نسبت اس امت کے زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس امت کے حق میں یہ الفاظ ہیں :

”اگر میری امت میں سے کوئی محدث ہوگا تو عمرؓ ہوگا۔“

اس سے جس قدر تقلیل معلوم ہوتی ہے محتاج بیان نہیں۔ اب ان تینوں مقدموں کو اگر ملاؤ تو بداہتہً نتیجہ نکلتا ہے کہ ظلی نبی گزشتہ امتوں میں بہ نسبت اس امت کے بہت زیادہ ہوئے ہیں۔ کیونکہ بحکم مقدمہ ثانیہ محدثیت ہی ظلی نبوت ہے اور بحکم حدیث محدثین کی کثرت امم سابقہ میں متحقق ہے۔ لہذا لازم آتا ہے کہ پہلی امتوں میں بہت سے ظلی نبی گزر چکے ہیں۔ وعلیٰ ہذا انبیاء سابقین بھی صاحب خاتم ٹھہرے کیونکہ ان کی مہر سے بھی محدث بنے جو کہ بعینہ ظلی نبی ہیں۔ بلکہ ان کو صاحب خاتم کہنا بہ نسبت آنحضرت ﷺ کے زیادہ لائق ہونا چاہئے کہ انہوں نے بہت سے ظلی نبی بنائے اور آنحضرت ﷺ نے ۱۳۰۰ برس میں فقط ایک مرزا قادیانی کو ہی بنایا۔ وہ بھی زیر اختلاف رہے۔ نعوذ بااللہ من ھذا الخرافات اور اگر امم سابقہ میں محدثین کا وجود نہ مانا جائے تو علاوہ وہ مخالفت حدیث کے سارے ادیان سماویہ کو لعنتی قرار دینا پڑے گا۔

”وہ دین دین نہیں ہے اور نہ وہ نبی نبی ہے جس کی متابعت سے انسان خدا تعالیٰ سے اس قدر نزدیک نہیں ہو سکتا کہ مکالمات الہیہ سے مشرف ہو سکے۔ وہ دین لعنتی اور قابل نفرت ہے۔“ (ضمیمہ براہین احمدیہ ص ۱۳۸، ۱۳۹، خزائن ص ۳۰۶ ج ۲۱)

پس یا تو سارے ادیان سماویہ کو لعنتی ٹھہرایا جائے یا جمیع انبیاء علیہم السلام کو صاحب خاتم مانا جائے۔ لہذا ظلی نبی اور محدث کسی طرح واحد نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ظلی نبی وہی لوگ ہیں جن کی مرزا قادیانی نے ”اشتہار ایک غلطی کا ازالہ“ میں خود تصریح کر دی ہے اب میں مرزا

قادیانی ہی کے کلام سے بتلاتا ہوں کہ مدعی نبوت ظلیہ صادق ہو سکتا ہے یا کاذب۔ اس فیصلہ کے لئے انہی کی کتاب تحفہ گولڑویہ سے ایک معیار پیش کرتا ہوں جو انہوں نے خود اسی غرض کے لئے مقرر کیا ہے۔

مرزا قادیانی کا صدق اور کذب کے شناخت کا ایک معیار

”سچ کی یہی نشانی ہے کہ اس کی کوئی نظیر بھی ہوتی ہے اور جھوٹ کی یہ نشانی ہے کہ اس کی نظیر کوئی نہیں ہوتی۔“ (تحفہ گولڑویہ ص ۶، خزائن ص ۹۵ ج ۱۷)

اولاً میں یہ بتلانا مناسب سمجھتا ہوں کہ مرزا قادیانی سے قبل کوئی بروز عیسوی بنایا نہیں؟۔ صحابہؓ سے لے کر تاحال کسی کو فنائیت کا مرتبہ نصیب ہوا یا نہیں۔ اگر بروز عیسوی بھی بنے اور مقام فنا تک بھی پہنچے تو ان کے دعوے کی کیا یہی نوعیت رہی ہے جو مرزا قادیانی کے دعوے کی ہے۔ اگر نہیں تو پھر یہ عملی رنگ میں انقطاع نبوت کا بین ثبوت ہوگا اور بر تقدیر نظیر نہ ملنے کے کسی شخص کا ایسا دعویٰ کرنا قطعاً جھوٹ ہوگا۔

”ایسا ہی جو شخص اس پاک تعلیم کو اپنا رہبر بنائے گا وہ بھی یسوع کی مانند ہو جائے گا یہ پاک تعلیم ہزاروں کو عیسیٰ مسیح بنانے کے لئے تیار ہے اور لاکھوں کو بنا چکی ہے۔“

(سراج الدین کے چار سوالوں کا جواب ص ۲۲، خزائن ص ۳۴۸ ج ۱۲)

آنحضرت ﷺ کی جماعت نے اپنے رسول مقبول کی راہ میں ایسا اتحاد اور ایسی روحانی یگانگت پیدا کر لی تھی کہ اسلامی اخوۃ کی رو سے سچ مچ عضو واحد کی طرح ہو گئی تھی اور ان کے روزانہ برتاؤ اور زندگی اور ظاہر و باطن میں انوار نبوت ایسے رچ گئے تھے کہ گویا وہ آنحضرت ﷺ کی عکسی تصویریں تھیں۔

(فتح اسلام ص ۳۵، ۳۶، خزائن ص ۲۱ ج ۳)

”کیونکہ حضرت عمرؓ کا وجود ظلی طور پر گویا آنحضرت ﷺ کا وجود ہی تھا۔“

(ایام الصلح ص ۳۵، خزائن ص ۳۹ ج ۱۴)

اور آپ (یعنی ابوبکر صدیقؓ) کتاب نبوت کا اجمالی نسخہ تھے .... اور

ہمارے رسول اور سید ﷺ کی طرح سارے آداب میں ظل کی مانند تھے۔“

(سر الخلافۃ ص ۳۲، خزائن ص ۳۵۵ ج ۸)

ان حوالجات سے ظاہر ہے کہ اس امت میں لاکھوں عیسیٰ مسیح بن چکے ہیں اور آپ کی جماعت کی جماعت بہ باعث کمال اتباع عکسی تصویریں بھی ٹھہریں اور حضرت عمرؓ کا وجود ظلاً آنحضرت ہی کا وجود بھی قرار دیا گیا۔ اور نہ فقط اتنا ہی بلکہ حدیث میں ان کے لئے محدثیت کی بشارت بھی وارد ہو چکی بااین ہمہ نہ ان لاکھوں میں سے کوئی مدعی مسیحیت نظر آتا ہے نہ اس جماعت کی جماعت میں سے کوئی مدعی نبوت ظلیہ پایا جاتا ہے بلکہ میں دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ سے لیکر اس وقت تک جماعت حقہ میں سے ایک فرد بھی ایسا نہ ملے گا جس نے بحالت سہو نبوت یا مسیحیت کا دعویٰ کیا ہو۔ مخالفین کو مقابلہ پر بلایا ہو۔ طرح طرح سے لوگوں کو ملزم بنانے کی کوشش کی ہو اور نہ ماننے والوں سے اپنی جماعت کو ان سے علیحدگی کا حکم کیا ہو۔ بلکہ طرح طرح کے عذاب کی دھمکیاں بھی دی ہوں۔ اور بالآخر مباہلہ تک نوبت پہنچادی ہو۔

کیا کوئی مرزائی کہہ سکتا ہے کہ آج تک امت محمدیہ میں کوئی محدث نہیں گزرا حتی کہ جس کے لئے بشارت وارد ہو چکی وہ بھی محدث نہیں تھا؟ اور اگر گذرے ہیں تو برائے مہربانی ہم کو بتلا دیا جائے کہ کس محدث نے اس طرح سے اپنی محدثیت کی طرف دعوت دی ہے اور کب اس نے اپنے آپ کو ظلی نبی کہلوانے کی کوشش کی خصوصاً جبکہ مرزا قادیانی کے نزدیک یہ بھی ضروری ہے کہ محدث نبی کی طرح اپنے دعوے کا اعلان کرے۔

”اور محدث بھی ایک معنی سے نبی ہوتا ہے .... اور انبیاء کی طرح اس پر فرض ہوتا ہے کہ اپنے تئیں باآواز بلند ظاہر کرے۔“ (توضیح مرام ص ۱۸، خزائن ص ۶۰ ج ۳)

پس اگر مرزا قادیانی نے صرف محدثیت ہی کا دعویٰ کیا ہے تو امت کے سینکڑوں محدثوں میں سے کسی ایک ہی محدث کی نظیر لے آئیں جس نے ان کی مثل اپنی محدثیت اور نبوت ظلیہ کا اعلان کیا ہو اور اگر نہ لا سکیں تو سمجھ لیں کہ وہ اپنے دعوے میں بوجہ فقدان نظیر کاذب ہیں۔

عہد نبوت میں اطلاق نبوت کا انقطاع

ناظرین کرام کو مضمون بالا سے بخوبی واضح ہو گیا ہو گا کہ جبکہ صحابہؓ کے زمانہ سے لے کر اس زمانہ تک باقرار مرزا قادیانی لاکھوں عیسیٰ مسیح بھی گزرے اور محدث بھی ہوئے مگر پھر بھی کسی متنفس نے ان میں سے دعویٰ نبوت ظلیہ نہیں کیا۔ حالانکہ مرزا قادیانی کے نزدیک ان پر فرض تھا کہ وہ مثل نبی کے اپنے تیئں اعلان کرتے مگر باوجود اس کے پھر ان کا ایسے دعوے سے دست بردار ہونا یقینی طور سے اس دعویٰ کے عدم جواز پر شہادت ہے۔ اس کے بعد ذرا اور اوپر چلئے اور عہد نبوت میں دیکھئے کہ خود اس صاحب خاتم ﷺ نے جبکہ وہ ان میں موجود تھا کس قدر لوگوں کو ظلی نبوت کی ڈگری پاس کرا دی اور کس کس کو مجازی نبی کا خطاب دیا اور اگر اپنی حیات ہی میں جبکہ اس کا فیض بلاواسطہ تھا اس نے کسی ایک کو بھی ظلی نبی نہیں بنایا تو اپنے بعد جبکہ اس فیض کے لئے سیرۃ صدیقی کا ایک واسطہ اور بڑھ گیا ہے کیسے ظلی نبی بنائے گا۔ (ہذا کلہ علی زعم مرزا) حدیث میں ہے: "انت منی بمنزلة هارون من موسى الا انه لا نبی بعدی" آنحضرت ﷺ حضرت علیؓ سے فرماتے ہیں۔ اے علیؓ! تو میرے لئے ایسا ہے جیسا کہ ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے لئے تھے مگر اتنا فرق ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ دوم احادیث میں جو آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کے لئے مناسب مقرر فرمائے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

امام، خلیفہ، حکم، مجدد، محدث، ابدال۔ اگر آپ ﷺ کی امت میں نبی کا اطلاق بھی خواہ وہ کسی معنی کی رو سے ہو جائز ہوتا تو ضرور آنحضرت ﷺ اس کو بھی ذکر فرماتے۔ کیا وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی امت کو سارے القاب دیئے اور جو لقب کہ سب سے زیادہ باعث عزت تھا اس کو ایک جگہ بھی نہیں بیان کیا بلکہ: "الا انه لا نبی بعدی" کہہ کر اس کی رہی سہی طمع کو بھی منقطع کر دیا۔ حدیث: "العلماء ورثة الانبیاء" نے جس کو مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی اپنی تصانیف میں بہت جگہ لیا ہے، بالکل فیصلہ کر دیا کہ اس امت میں وارثین انبیاء کا خطاب علماء ہیں۔ پس کیا اے نبوت کے مشتاق تیرے لئے نبی کریم ﷺ کے عطا

کردہ خطاب پر قناعت نہ تھی جو تو نے اپنے لئے خود اپنے آقا ہی کا لقب تجویز کر لیا اور اتنا بھی نہ سمجھا کہ اس میں میرے آقا کی اس قدر ہتک ہے۔ اگر وئسرائے کا ملازم خواہ وہ اس کا کتنا ہی مقرب کیوں نہ ہو اپنے لئے مجازی وئسرائے کا منصب تجویز کر کے مجازی ویسرایت کا دعویٰ شروع کر دے تو کیا اس نے اپنے آقا کی ہتک نہیں کی کہ اپنے آقا کی موجودگی میں اسی لقب کو اپنے لئے تجویز کرتا ہے۔

اے میرے عزیزو! یاد رکھو کہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت تا قیامت باقی ہے اور جس طور پر کہ آنحضرت ﷺ بحالت موجودگی ہمارے لئے رسول تھے اسی طرح جبکہ ہماری آنکھوں سے پوشیدہ ہو چکے ہیں۔ ہمارے نبی اور رسول ہیں۔ ہم نہیں سمجھتے کہ رسالت نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں کون بدلگام بے ہودہ اس لقب کو اپنے لئے تجویز کر سکتا ہے۔ بلکہ احادیث پر اگر غور کرو تو تم کو معلوم ہو گا کہ مدعین نبوت کو حدیث دجال ٹھہراتی ہے۔ مگر افسوس کہ حدیث نے جس امر کو دجالیت کی علامت قرار دی تھی تم نے اس کو نبوت کی علامت سمجھی اور اتنا بھی نہ سمجھا کہ جب آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت منقطع ہو چکی تھی تو پھر مجازاً اور استعارہ کی آڑ لے کر نبوت کے اطلاق میں کیا فائدہ تھا؟۔

مرزائیو مرزا غلام احمد قادیانی کی اقتداء میں آنحضرت ﷺ کی مخالفت نہ کرو

یاد کرو جبکہ ایک شیطان نے بلی کی شکل میں آ کر نبی کریم ﷺ کے روبرو قطع صلوٰۃ کا ارادہ کیا تو خاتم الانبیاء علیہم السلام نے اس کو ساریہ مسجد سے باندھنے کا قصد کیا اور صبح کو فرمایا کہ اگر مجھے سلیمان علیہ السلام کی دعا کا خیال نہ ہوتا تو میں اس کو اسی طرح رہنے دیتا۔ یہاں تک کہ بچے اس کے ساتھ کھیلا کرتے مگر اس دعا کے خیال سے میں نے اسے نہ باندھا ظاہر ہے کہ اگر نبی کریم ﷺ ایسا کرتے بھی جب بھی سلیمان علیہ السلام کی دعا کی کوئی مخالفت لازم نہ آتی مگر یہ خاتم الانبیاء علیہم السلام ہی کا کمال تھا کہ باوجود قدرت کے پھر صوری معارضہ سے بھی احتراز کیا۔ اگر اس طرح خداوند عالم کے اس اعلان کے بعد

"وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ۔ احزاب آیت ۴۰ "کسی شخص کا اپنی نسبت نبی کا اطلاق کر کے مدعی بن بیٹھنا۔ حالانکہ وہ ایک محدث ہی ہو بفرض محال اگر حقیقی مقابلہ نہیں تو صوری ضروری ہے۔

پس کیا فناء فی الرسول کا دم بھرنے والوں کے لئے ضروری نہ تھا کہ اپنے نبی کی ہتک سے باز آتے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے علاوہ اس امت میں کسی کو نبی کا خطاب نہیں ملا

اب آخر میں خود مرزا قادیانی کے کلام سے اس امر کی شہادت پیش کی جاتی ہے کہ جمیع امت میں سے اطلاق نبی کے ساتھ وہی ایک فرد مخصوص ہیں اور ان کے خیال کے موافق کسی اور کو اطلاق نبی کا استحقاق بھی نہیں۔

"غرض اس حصہ کثیر وحی الٰہی اور امور غیبیہ میں اس امت میں سے میں ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گزر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں۔"

(حقیقت الوحی ص ۳۹۱، خزائن ص ۴۰۶ ج ۲۲)

پس اگر لاہوری جماعت کے خیال کے موافق مرزا قادیانی پر نبوت کا اطلاق بطور مجاز کے تھا تو اس عبارت کا صریح مطلب یہ ہے کہ ان کے علاوہ کسی پر نبوت کا اطلاق مجازاً بھی جائز نہیں۔ لہذا اب بحث طلب فقط مرزا قادیانی کی ذات رہ جاتی ہے جواز اطلاق نبی و عدم جواز کو اس بحث سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر نبوت مجازی آنحضرت ﷺ کے بعد مفتوح ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ مرزا قادیانی سے قبل جس قدر محدث اور اقطاب گزرے ہیں ان میں سے کسی ایک کو بھی اس نام کا استحقاق نہیں تھا۔ اگر کہا جائے کہ ان کی پیشین گوئیوں میں کثرت مفقود تھی جو کہ اس اطلاق کے لئے شرط ہے تو اولاً کثرت کا

شرط ہونا لغتہً ثابت نہیں۔ دوم یہ بھی غلط ہے کہ مرزا قادیانی سے قبل کسی کی پیشین گوئیوں میں کثرت نہیں پائی گئی۔

"حضرت خاتم الانبیاء کے ادنیٰ خادموں اور کمترین چاکروں سے ہزارہا پیشین گوئیاں ظہور میں آتی ہیں اور خوارق عجیبہ ظاہر ہوتے ہیں۔

(براہین احمدیہ چہار حصص حاشیہ نمبر ۱۱ ص ۵۴۱، خزائن ص ۶۴۷ ج ۱)

پھر کیا وجہ ہے کہ ان پر لفظ نبی کا اطلاق نہ کیا جائے اور جن عبارتوں سے آج مرزا قادیانی کے لئے استدلال کیا جاتا ہے۔ انہی عبارتوں کو میری طرف سے ان بزرگوں کے حق میں نہ سمجھا جائے۔ پس اگر ان عبارتوں کی وہی مراد ہے جو مرزائی سمجھے ہیں تو پھر انہی عبارتوں کے ماتحت ان ابدال اور اقطاب پر بھی لفظ نبی کا اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ حالانکہ مرزا قادیانی صرف یہی نہیں فرماتے کہ ان پر لفظ نبی کا اطلاق نہیں ہوا بلحہ ان کا عدم استحقاق بھی ظاہر کرتے ہیں۔ اب آخر میں ان عبارتوں کے متعلق کچھ گفتگو کی جاتی ہے جن کو معترض صاحب نے اپنے لئے نص صریح سمجھا ہے۔

عبارات اکابر پر قادیانی اعتراضات کے جوابات

سب سے اول یہ امر غور طلب ہے کہ ان عبارتوں کو اس مقصد کے مخالف سمجھ کر پیش کیا ہے۔ ملاحظہ ہو پیغام صلح زیر عنوان ہم اور ہمارے مخالفین: "مولوی مذکور نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد بروز اور ظلی نبوت کا مدعی بھی کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔"

اب اس دعوے کے مقابلہ میں ہمیں دیکھنا ہے کہ معترض صاحب جواز دعویٰ نبوت کہاں سے ثابت کرتے ہیں۔ ان دونوں عبارتوں میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے معلوم ہوتا ہو کہ دعویٰ نبوت جائز ہے۔ بلحہ میں سارے قادیانی اور لاہوری جماعت کو اپنے مقابلہ پر متحدیانہ دعوت دیتا ہوں کہ وہ کسی ایک باقاعدہ عالم یا صوفی کے کلام سے جواز دعویٰ نبوت کو ثابت کر دیں۔ ورنہ اپنے کفر کو خواہ مخواہ بزرگان دین کے سر نہ رکھیں۔ اس کے بعد پہلے میں امام شعرانیؒ کی عبارت کو لیتا ہوں: "وبہ نستعین اعلم ان النبوۃ لم تر

تفع مطلقا وانما ارتفع نبوة التشريع ۔ ”فقط اولاً تو اس عبارت میں دعویٰ نبوت کے جواز یا عدم جواز کا ایک لفظ بھی نہیں۔ دوم یہ عبارت خود معترض کی بھی مخالف ہے۔ کیونکہ اس عبارت سے فقط نبوت تشریعیہ کا انقطاع معلوم ہوتا ہے۔ اب اس کے مقابلہ میں اگر نبوت غیر تشریعیہ کا جواز نکالا جائے تو لازم آتا ہے کہ بعد آنحضرت ﷺ کے نبی غیر تشریعی کا مطلقاً مبعوث ہونا جائز ہو۔ خواہ بالواسطہ نبی بنا ہو یا بلاواسطہ جیسا کہ حضرت ہارون علیہ السلام قوم بنی اسرائیل میں تھے ظاہر ہے کہ ان پر کوئی جدید شریعت نہیں تھی مگر ان کی نبوت بلاواسطہ تھی۔

جیسا کہ مرزا قادیانی لکھتا ہے کہ :

”بنی اسرائیل میں اگرچہ بہت نبی آئے مگر ان کی نبوت موسیٰ کی پیروی کا نتیجہ نہ تھا بلکہ وہ نبوتیں براہ راست خدا کی ایک موہبت تھیں۔ حضرت موسیٰ کی پیروی کا اس میں ایک ذرہ کچھ دخل نہ تھا۔“ (حقیقت الوحی حاشیہ ص ۹۷، خزائن ص ۱۰۰ ج ۲۲)

لہذا پہلے اس عبارت میں کہیں سے بالواسطہ یا بلاواسطہ کی تفصیل پیدا کریں اسے ہمارے سامنے پیش کریں۔ ورنہ اپنے مخترعات کو بزرگوں کے سر نہ لگائیں۔ سوم لم ترتفع مطلقاً کیا ضرور ہے کہ بالنظر الی النبوة الظلیہ ہو جائز ہے کہ بالنظر الی المبشرات ہو بالخصوص جبکہ مبشرات کو حدیث میں بھی نبوت کا چالیسواں جز قرار دیا گیا ہے اور نبوت ظلیہ کا تو کہیں تذکرہ تک نہیں۔

اگر کہا جائے کہ مبشرات ہی نبوت ظلیہ ہیں تو میں کہتا ہوں کہ پھر یہ نبوت کیا ہوئی ایک مذمت ٹھہرا۔ کیونکہ اس معنی کے لحاظ سے تو ہر مومن نبی ظلی ہے مگر مرزا قادیانی کہتے ہیں کہ میرے سوا امت میں سے کسی کو بھی نبی کے اطلاق کا حق حاصل نہیں۔ اسی مضمون کو بدیگر الفاظ یونہی تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ کلام اس مقام پر باعتبار الاجزاء ہے۔ نہ بحسب الافراد اس کے بعد دوسری عبارت شیخ عبدالقادر جیلانی کی پیش کی گئی ہے: ”وقد كان الشيخ عبدالقادر الجيلى يقول أوتى الانبياء اسم النبوة واوتينا اللقب ۔“ یہ عبارت تو بجائے اس کے کہ کچھ مفید ہو مرزائی لغویات کی جڑ نکالتی ہے۔ میں پھر یہی کہوں

کہ مدعی نبوت ظلیہ کافر نہیں، دوم یہ عبارتیں خود معترض کے لئے سخت مضر ہیں، سوم یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس عبارت میں نبوت ظلیہ کا نام تک نہیں پھر بقاء نبوت ظلیہ پر اس عبارت سے کیونکر احتجاج صحیح ہے۔ یہ بات بھی عجیب ہے کہ پہلے نبوت ظلیہ اپنی طرف سے ایک حقیقت مسلمہ مان لی۔ اس کے بعد اول حضرات کے کلام سے اس کا بقاء ثابت کرنا شروع کر دیا۔ مہربان پہلے یہ بھی ثابت کریں کہ صوفیا کے نزدیک نبوت ظلیہ کا اس تفسیر کے ساتھ جو مرزا قادیانی نے کی ہے کہیں وجود بھی ہے یا نہیں؟ اور اگر اپنی اصطلاح گھڑ کر بزرگوں کے کلام میں داخل کی جا سکتی ہے تو اگر آج میں یہی ایک اصطلاح مرتب کروں اور اس کا نام نبوت الٰہیہ رکھوں تو پھر کیا اس عبارت سے اطلاق لفظ اللہ پر بھی استدلال کیا جا سکتا ہے یہ میرا دوسرا چیلنج ہے سارے مرزائی کان کھول کر سن لیں کہ جماعت متشرعین صوفیہ میں سے کسی ایک فرد نے بھی نبوت ظلیہ کی وہ ملحدانہ حقیقت تسلیم نہیں کی جو مرزا قادیانی نے اپنی کتب میں فخر کے ساتھ پیش کی ہے۔ اگر کوئی مرزائی دکھا سکتا ہے تو دکھائے۔

ہم ذیل میں اس کتاب سے جس کو معترض صاحب نے پیش کیا ہے چند عبارتیں بطور مقابلہ درج کرتے ہیں۔ ناظرین خود اندازہ کر لیں گے کہ مرزا قادیانی کے زندقہ سے صوفیاء کرام کا دامن کس قدر پاک ہے۔ جس کو آج ان کے متبعین اپنے مرزا قادیانی کی صفائی کے لئے ناپاک کرنا چاہتے ہیں ایک طرف جو عقائد کہ مرزا قادیانی کے دربارہ نبوت ان کی کتب سے معلوم ہوئے ہیں درج کئے جاتے ہیں اور دوسری طرف امام شعرانیؒ نے جو شیخ محی الدینؒ وغیرہ کے عقائد جمع کئے ہیں ان کو لکھا جاتا ہے ناظرین بغور ملاحظہ فرمائیں۔ سر دست چند ہی امور پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اگر خدا نے توفیق دی تو کسی دوسرے موقعہ پر زیادہ بسط و تفصیل کے ساتھ کلام کیا جائے گا۔

عقائد مرزا قادیانی

(الف)………… نبوت ظلیہ نبی ﷺ کے اتباع سے مل سکتی ہے:

ا…… پس کیونکہ نبوت بھی نبی میں ایک کمال ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ تصویر

بروزی میں وہ کمال بھی نمودار ہو۔ ۲...... اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی مع نبوت محمدیہ کے میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں۔ میں ظلی طور پر محمد ہوں میں بروزی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ (ایک غلطی کا ازالہ ص ۸ ‘خزائن ص ۲۱۲ ج ۱۸)

(ب)........... اور جبکہ انبیاء کے کمالات اجزاء متفرقہ کی طرح ہیں اور ہمیں حکم ہے کہ ہم سب کے سب طلب کریں اور ان تمام اجزاء کے مجموعہ کو اپنے نفوس میں جمع کریں........... الخ۔" (حمامتہ البشریٰ ص ۸۷ ‘خزائن ۲۹۵ ج ۷)

(ج)........... مگر میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس نبی کی کامل پیروی سے ایک شخص عیسیٰ سے بڑھ کر بھی ہو سکتا ہے........... خدا تمہیں یہ ترغیب دیتا ہے کہ تم اس رسول کی کامل پیروی کی برکت سے تمام رسولوں کے متفرق کمالات اپنے اندر جمع کر سکتے ہو اور تم صرف ایک نبی کے کمالات حاصل کرنا کفر جانتے ہو۔" (چشمہ مسیحی ص ۱۴ ‘خزائن ۳۵۴ ‘۳۵۵ ج ۲۰)

(د)........... یہ یاد رکھو کہ اس امت کے لئے وعدہ ہے کہ وہ ہر ایک ایسے انعام پائے گی جو پہلے نبی اور صدیق پا چکے۔ پس منجملہ ان انعامات کے وہ نبوتیں اور پیشین گوئیاں ہیں۔ جن کی رو سے انبیاء علیہم السلام نبی کہلاتے رہے۔"

(ایک غلطی کا ازالہ ص ۵ ‘حاشیہ خزائن ص ۲۰۹ ج ۱۸)

عقائد شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ

"(فان قلت) فهل النبوة مكتسبة اوموهبة فالجواب اليست النبوة مكتسبة حتى يتوصل اليها بالنسك والرياضات كما ظنه جماعته من الجمقىٰ .... وقد افتى المالكية وغيرهم بكفر من قال ان النبوة مكتسبة ص ١٤٧ ج ١ فلا تلحق نهاية الولاية بداية النبوة ابداولوان وليا تقدم الى العين التى ياخذمنها لانبياء لا حترق. وقال الشيخ اعلم ان الله تعالى قد سد باب الرسالة عن كل مخلوق بعد محمد الى يوم القيامة وانه لا مناسبة بيننا بين محمد لكونه فى مرتبة لا ينبغى ان تكون لنا وقال فى

شرحه لترجمان الاشواق اعلم ان مقام النبی ممنوع لنا دخوله وغاية معرفتنا به من طريق الارث النظراليه كماينظر من هو فی اسفل الجنة الی من هو فی اعلیٰ عليين وكما ينظر اهل الارض الی كواكب السماء۔ وقد بلغنا عن الشيخ ابی يزيد انه فتح له من مقام النبوة قدر حزم ابرة تجليالا دخولا فكادان يحترق. ص ٦٤ ج ٢"

خلاصہ ترجمہ :...... نبوت اکتساب سے حاصل نہیں ہو سکتی تاکہ کوئی شخص عبادت کر کے نبوت حاصل کر سکے بلکہ مالکیہ اور غیر مالکیہ نے ایسے شخص پر جو نبوت کو مکتسب کہتا ہو کفر کا فتوی دیا ہے ولایت کا انتہائی درجہ نبوت کے ابتدائی درجہ سے بھی کم ہے۔ اگر جس چشمہ سے انبیاء فیض لیتے ہیں۔ ولی بھی فیض لینا چاہے تو تاب نہ لا سکے اور جل جائے ...... شیخ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کا مقام اس قدر رفیع اور عالی ہے کہ ہم میں اور آنحضرت ﷺ میں کوئی مناسبت بھی نہیں کیونکہ حضور ﷺ ایسے مرتبہ میں ہیں کہ جو ہمارے لئے حاصل ہی نہیں ہو سکتا بہت سے بہت بطور وراثت اور ظل کے ہم اسے اس طرح دیکھ سکتے ہیں جیسے اہل زمین ستاروں کو دیکھتے ہیں۔ اور ہم کو شیخ ابی یزید سے یہ بات پہنچی ہے کہ ایک مرتبہ ان پر مقام نبوت کی سوئی کے ناکے' کے برابر صرف تجلی ہوئی تھی تو قریب تھا کہ جل گئے ہوتے نصیب ہونا تو در کنار۔

لیجئے وکیل صاحب! اگر آپ مصنف الیواقیت کے واقعی معتقد ہیں تو ان کے ان اقوال پر بھی غور فرمائیے اور انصاف سے کہئے کہ کیا ایسے شخص کے نزدیک نبوت ظلیہ کوئی حقیقت واقعی ہو سکتی ہے۔ جبکہ آپ کے مرزا قادیانی تو نبی کریم ﷺ کے اتباع سے حصول نبوت جائز رکھتے ہیں اور وہ ایسے شخص پر کفر کا فتوی نقل کرتے ہیں۔

مرزا قادیانی کا توزعم باطل ہے کہ وہ ظلی طور سے بعینہ حضور ﷺ بن گئے ہیں مگر صاحب الیواقیت نقل فرماتے ہیں کہ ولایت کا اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبہ نبوت کے ابتدائی مراتب سے بھی کمتر ہے اس سے یہ بات بھی حل ہو گئی کہ ولی میں چاہے کتنا ہی بزرگ کیوں نہ ہو نبوت نہیں ہوتی۔ مرزا قادیانی تو بعینہ آنحضرت ﷺ بن جانے کے مدعی ہیں۔ مگر شیخ عبدالوہاب

‘شیخ محی الدین ابن عربی سے نقل فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے مقام کو بہت سے بہت‘ ظلی طور سے دیکھ ہی سکتے ہیں اور وہ بھی قریب سے نہیں بلکہ اتنے فاصلہ سے جیسا کہ اہل زمین ستاروں کو دیکھتے ہیں۔ دوم شیخ محی الدین ابن عربی کو آپ نے اپنا موافق سمجھا تھا ان کی عبارت بھی ماقبل میں نقل ہو چکی ہے جس سے معلوم ہو گیا کہ شیخ کے نزدیک حصول نبوت تو در کنار نظر الیٰ مقام النبی بھی قریب سے دشوار ہے۔ علاوہ ازیں ہم تو خدا سے دعا کرتے ہیں کہ کہیں آپ شیخ کے معتقد بن تو جائیں۔ اگر آپ دل سے شیخ کے معتقد ہوتے تو اب تک آپ کا دامن کبھی کا مرزا قادیانی پر ایمان سے پاک ہو گیا ہوتا۔ لیجئے آپ کے مرزا قادیانی اپنے الہامات میں امر و نہی ہو تا بیان فرماتے ہیں اور شیخ ایسے شخص پر قتل کا فتویٰ دیتے ہیں۔

مرزا قادیانی کے مستحق قتل ہونے پر شیخ محی الدین ابن عربیؒ کا فتویٰ

عبارت مرزا

”اگر کہو کہ صاحب شریعت افترا کر کے ہلاک ہوتا ہے نہ ہر ایک مفتری تو اول تو یہ دعویٰ بے دلیل ہے۔ خدا نے افتراء کے ساتھ شریعت کی کوئی قید نہیں لگائی۔ ماسوا اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے۔ جس نے اپنی وحی کے ذریعے سے چند امر اور نہی بیان کئے اور اپنی امت کے لئے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب شریعت ہو گیا۔ پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں۔ کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہیں اور نہی بھی۔

مثلاً یہ الہام: ” قل للمؤمنين يغضوا من ابصارهم ويحفظوا فروجهم ذالك از كى لهم. “ یہ براہین احمدیہ میں درج ہے اور اس میں امر بھی ہے اور نہی بھی اور اس پر تیس برس مدت بھی گزر گئی اور ایسا ہی اب تک میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں اور نہی بھی۔“ (اربعین نمبر ۴ ص ۶، خزائن ص ۴۳۶، ۴۳۵ ج ۱۷)

ابن عربیؒ کا فتویٰ

”وقال الشيخ ايضافى الباب الحادے والعشرين من الفتوحات

من قال ان الله امره بشئی فلیس ذالك بصحيح انما ذالك تلبيس لان الامرمن قسم الكلام و ذالك باب مسدود دون الناس ……………

…………… فقد بان لك ان ابواب الاوامر الٰهيته والنواهي قدسدت و كل من ادعيها بعد محمد ﷺ فهو مدعی شريعة اوجی بها اليه سواء وافق شرعنا اوخالف فان كان مكلفا ضربنا عنقه والا ضربنا عنه صفحا ۰ ص ٣٤ جلد ٢”

﴿جو شخص یہ خیال کرے کہ خدا نے اسے کسی شے کا امر کیا ہے۔ تو یہ صحیح نہیں بلکہ تلبیس شیطان ہے کیونکہ امر و نہی اقسام کلام میں سے ہیں اور اسکا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ پھر اگر کوئی شخص اپنے الہام میں امر و نہی بیان کرے خواہ وہ ہماری شریعت کے موافق ہوں یا مخالف وہ دراصل نئی شریعت کا مدعی ہے۔ لہذا اگر مکلّف ہو گا تو ہم اس کو قتل کریں گے اور اگر پاگلوں جیسا ہو تو اس سے اعراض کریں گے۔﴾

اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا شیخ عبدالوہاب شعرانی اور شیخ محی الدین ابن عربی اور شیخ ابی یزید یہ سب حضرات دائرہ اسلام سے خارج ہی تھے۔ والعیاذ باللہ! ورنہ انہوں نے کیونکر اپنی کتب میں ایسے عقائد تحریر کر دیئے جن سے مرزا قادیانی کی بجائے تصدیق کے تکذیب ہی نہیں بلکہ تکفیر سے بھی بڑھ کر قابل قتل و گردن زدنی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ مرزا قادیانی کے اقوال بالا دیکھ کر کوئی شخص ان کے کفر میں تردد نہیں کر سکتا۔ اگر وقت و گنجائش مساعدت کرتی تو میں آپ کو بتلاتا کہ مرزا قادیانی کے دماغ میں نبوت ظلیہ کا مفہوم نبوت تشریعیہ سے بھی کچھ آگے ہی ہے۔ پھر کیا ایسی نبوت کو بھی کفر نہ کہا جائے تو کیا اسلام کہا جائے، جس پر طرہ یہ کہ ان بے اصل اختراعات کو بزرگان دین کے سر رکھا جاتا ہے اور ان کی غامض دقائق کو اپنے کفریات کے لئے آڑ بنایا جاتا ہے۔ اگر خدا نے مدد فرمائی تو کسی موقعہ پر انشاء اللہ! بزرگان دین کی عبارات پر مفصل کلام کیا جائے گا اور منقح کیا جائے گا کہ اس قسم کی عبارات سے ان کی کیا غرض ہے۔

نوٹ: اس باب میں ہم نے جو کچھ تحریر کیا ہے۔ یہ سب مرزا قادیانی کے مسلمات اور ان کی تحریرات سے لکھا گیا ہے۔

لہذا ہماری اس تحریر سے ہم پر کوئی الزام قائم نہ کیا جائے۔ دوم جواب میں مرزا غلام احمد قادیانی کی کسی مخالف عبارت کا نقل کر دینا نہ کافی سمجھا جائے گا۔ بلکہ اگر ایسا کیا گیا تو اس سے فقط یہ سمجھا جائے گا کہ مرزا قادیانی کے کلام خود آپس میں متناقض ہیں۔ کیونکہ اس کے متعلق ہمیں ان کی کتابوں کے مطالعہ کے بعد کافی تجربہ ہو چکا ہے۔ اگر ایسا کیا گیا تو پھر ممکن ہے کہ اس قسم کے اختلافی اقوال کی ہمیں ان ہی کی کتب سے ایک فہرست پیش کرنی پڑ جائے۔ جس کا نمونہ آپ کو ہمارے دوسرے مضمون میں ملے گا۔ واللہ اعلم!

حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کے ارشادات

☆......☆...... قادیانیوں کا حکم مرتد کا ہے۔ مرتد مرد یا عورت سے نکاح نہیں ہوتا۔ اس لئے قادیانی لڑکی سے جو اولاد ہو گی، وہ ولد الحرام ہو گی۔

☆......☆...... مرزا قادیانی کے بلند بانگ مگر بے لغو دعوے "مراق" کا کرشمہ ہے۔

☆......☆...... وہ وکلاء جنہوں نے دین محمدی ﷺ کے خلاف قادیانیوں کی وکالت کی قیامت کے دن مرزا غلام احمد قادیانی کے کیمپ میں ہوں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جواب الحفی فے آیت التوفی

”مونوی صاحب نے فرمایا کہ: ”فلما توفیتنی“ سوال کا جواب نہیں۔ لیکن صحیح بخاری کتاب التفسیر کو دیکھو: ”فاقول کما قال العبد الصالح“ مولوی صاحب کا حدیث کے خلاف کہنا خیانت ہے یا نہ۔“

اقول: ”من انداز قدت رامی شناسم“ اس مختصر نویسی کی وجہ سے خوب سمجھتا ہوں لفظ توفی پر تو آٹھ سطریں غارت کی گئیں اور جو کہ اصل بحث تھی اس پر تین سطریں بھی خدا خدا کر کے پوری ہو سکیں۔ چونکہ قصور علم وفہم کے باعث اصل تقریر سمجھ نہیں سکے۔ اس لئے ایک مبسوط کلام کے صرف ایک قطعہ کو لیکر کلام چلتا کیا گیا ہے اور یہ نہ سمجھ کر کہ کلام اس مقام پر علی التحلیل ہے یا علی المسامحۃ خیانت کا الزام لگایا گیا ہے۔ حالانکہ سب سے اول تو اسی پر غور کرنا چاہئے تھا کہ کیا اس مقام پر نبی کریم ﷺ سے بھی کوئی سوال ہوا تھا جس کے جواب میں آپ ﷺ یہ فرمائیں گے۔ ثانیاً یہ بھی قابل تأمل تھا کہ آنحضرت ﷺ نے عیسیٰ علیہ السلام کے ایک طویل کلام میں سے اسی قطعہ کو کیوں مخصوص بالذکر کیا ہے؟۔ اگر اسی امر پر تھوڑی توجہ کی جاتی تو سارے اضغاث احلام باطل ہو جاتے۔ ثالثاً یہ بھی سمجھنا چاہئے تھا کہ حدیث میں کس لفظ سے: ”فلما تو فیتنی“ کا: ”أنت قلت للناس“ کے لئے جواب ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ اہل عقل جانتے ہیں کہ اس حدیث سے: ”فلما تو فیتنی“ کا عیسیٰ علیہ السلام کا فقط مقولہ ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ اس پر فاضل معترض کی یہ دیانت ہے کہ خود تو حدیث کے الفاظ پر اضافہ کیا اور بدون کسی ایک حرف کے مقولہ مذکورہ کو جواب ٹھہرایا۔ اس پر طرہ یہ کہ دوسروں کے سر خیانت کا الزام لگایا۔ اس لئے ہمیں بھی ضروری ہوا کہ ہم بھی اس عادت کی اصل تلاش کریں اور خود مرزا قادیانی نے جو اس آیت کا مطلب سمجھا ہے ان کی دیانت کی معترض صاحب سے داد دلوائیں۔

حضرت مولانا شاہ صاحب مدظلہ العالی کی دیانت اور مرزائی نبی کی کھلی خیانت

مرزا غلام احمد قادیانی اس آیت کی یوں شرح کرتے ہیں :

”کیونکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جناب الٰہی میں عرض کرتے ہیں کہ میری امت کے لوگ میری زندگی میں نہیں بگڑے بلکہ میری موت کے بعد بگڑے ہیں .... اور اس سے زیادہ اور کوئی سخت بے ایمانی نہیں ہوگی کہ ایسی نص صریح سے انکار کیا جائے۔“ (کتاب البریہ حاشیہ ص ۱۸۶، خزائن ص ۲۱۹ ج ۱۳)

نیز اس آیت کا ترجمہ اس طور سے فرماتے ہیں :

”پھر جب کہ تو نے مجھے وفات دیدی تو پھر تو ہی ان کا نگہبان تھا۔ مجھے ان کے حال کا کیا علم تھا۔ اب ظاہر ہے کہ اگر یہ بات سچ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت سے پہلے دوبارہ دنیا میں آئیں گے .... تو وہ قیامت کو خدا تعالیٰ کی حضور مین کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ جب تو نے مجھے وفات دی تو اس کے بعد مجھے کیا علم ہے کہ عیسائیوں نے کون سی راہ اختیار کی۔ اگر وہ یہی جواب دیں گے کہ مجھے خبر نہیں تو ان سے بڑھ کر دنیا میں کوئی جھوٹا نہیں ہوگا۔“ والعیاذ باللہ ! (تذکرۃ الشہادتین ص ۱۸، خزائن ص ۲۰ ج ۲۰)

کیا یہ انصاف کا خون نہ ہوگا کہ ادھر تو ایک طویل عبارت اپنے مخترع خیال کے موافق اضافہ کرنے کے بعد بھی نص صریح ہی سے تعبیر کی جائے اور ادھر اہل اسلام سے ”رافعک الی“ میں لفظ سماء کا مطالبہ کیا جائے۔ سارے لاہوری اور قادیانی مرزائی مل کر جواب دیں کہ زیر خط جملے آیت کے کس لفظ کا ترجمہ ہیں۔ ورنہ کیوں مخترع عبارت کو نص صریح کہہ کر عوام کو دھوکہ دیا جاتا ہے۔ اسی دیانت پر دوسروں پر نکتہ چینی کا شوق پیدا ہوا ہے۔ لو! گوش ہوش کھولو اور آیت کی صحیح تفسیر سنو۔ تاکہ مرزا غلام احمد قادیانی کی خیانت اور تمہارے اوہام کا پورے طور سے انکشاف ہو جائے : ”وَمَاتَوْفِیْقِیْ اِلاَّ بِاللّٰہِ. عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ.“ یہ سمجھنے کے لئے کہ : ”فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ.“ جواب ہے یا مقولہ

اولاً سوال کو دیکھنا چاہئے کہ سوال کس امر کا ہے۔ ملاحظہ ہو سوال خداوندی: " ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ المائدہ آیت ۱۱۶ "اس مقام پر یہ سوال نہیں کہ عیسائیوں کی گمراہی کی تجھے اطلاع ہے یا نہیں۔ نہ یہ سوال ہے کہ عیسائی کب گمراہ ہوئے۔ یعنی تیرے سامنے بگڑے یا تیری موت کے بعد بگڑے۔ الغرض نہ تعیین وقت سے سوال ہے نہ علم و عدم علم سے، بلکہ سوال فقط قول کا ہے تاکہ عیسائیوں کے لئے تبکیت اور عیسیٰ علیہ السلام کے لئے تیسیر ہو جائے۔ کیونکہ اگر سوال عیسائیوں کی گمراہی سے کیا جاتا کہ وہ کیوں گمراہ ہوئے تو عیسیٰ علیہ السلام کو جواب مشکل ہو جاتا اور اگر علم یا عدم علم سے ہوتا تو علاوہ غیر مفید ہونے کے مفید تبکیت بھی نہ ہوتا، وبکذا فی الثانی! اس لئے سوال صرف قول سے کیا گیا ہے۔ یعنی تو نے یہ کہا تھا یا نہیں۔

یہ بھی واضح رہے کہ یہاں سوال فاعل سے ہے نہ نفس فعل سے جیسا کہ تقدیم مسند الیہ سے مع تقریب حرف استفہام مستفاد ہوتا ہے۔ لہذا وقوع فعل سے بھی سوال نہیں بلکہ اصل سوال فاعل سے ہے۔ یعنی کیا تو نے کہا تھا .... الخ۔ اس سے معلوم ہوا کہ شاید فی نفسہ قول ہو چکا تھا اور عجیب نہیں کہ اس کا خود عیسیٰ علیہ السلام کو بھی علم ہو۔ وعلیٰ ہذا نفس آیت میں یہ بھی نہیں کہ اتخاذ الٰہ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں نہیں ہوا۔ بلکہ سوال غالباً اسی کے موئید ہے۔ الحاصل جبکہ منقح ہو چکا کہ سوال عیسیٰ علیہ السلام سے اس قول کے سرزد ہونے یا نہ ہونے کا ہے تو اب جواب ملاحظہ فرمائیے اور اس کے جمیع اجزاء پر غور کیجئے کہ کس جز سے اصل سوال کا جواب نکلتا ہے اور کون سا جز جواب سے فاضل ہے فرماتے ہیں۔

"سُبْحٰنَكَ مَایَكُوْنُ لِیْ اَنْ اَقُوْلَ مَالَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ۔ المائدہ آیت ۱۱۶ "الی قولہ: "اَلْعَلَّامُ الْغُیُوْبِ۔ "چونکہ مقام محاسن تعبیر اور رعایت آداب کا ہے۔ لہذا سب سے اول عیسیٰ علیہ السلام نے جواب کو مصدر بالتسبیح کیا تاکہ اول شئی جو عیسیٰ علیہ السلام کے جواب میں ہو وہ خداوند عالم جل شانہ کی ایسے ناپاک خیال سے پاکیزگی اور طہارت ہو۔ پھر دوسرے مرتبہ میں خود اپنا بھی ایسے افعال سے بیزار ہونا بتلایا اور اب تک اصل جواب نہیں دیا۔ اگرچہ اظہار ناراضگی اور بیزاری سے جواب مفہوم ہو جاتا ہے

مگر صراحتہً جواب نہیں۔ کیونکہ ''ءَ اَنۡتَ قُلۡتَ'' کا جواب ''قُلۡتَ'' یا ''مَاقُلۡتَ'' ہی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ اہل عرف و محاورہ شاہد ہیں اصل جواب کو تیسرے مرتبہ میں کہا ہے: ''کما قال۔ مَاقُلۡتُ لَهُمۡ اِلاَّمَآ اَمَرۡتَنِیۡ بِہٖۤ اَنِ اعۡبُدُاللّٰہَ رَبِّیۡ وَرَبَّکُمۡ۔ المائدہ آیت ۱۱۷'' یہ صریح جواب ہے۔ سوال ایزدی کا۔ جس کو تیسرے مرتبہ میں رکھا ہے تاکہ خدائی تقدیس اور اپنے اظہار بیزاری اور عدم استحقاق کے بعد جواب اور زیادہ مؤثر ہو اور غایۃ ادب بھی ملحوظ رہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ملائکہ نے کہا تھا: ''سُبۡحٰنَکَ لاَ عِلۡمَ لَنَآ اِلاَّمَا عَلَّمۡتَنَا۔ البقرہ آیت ۳۲'' چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کا یہ جواب بحیثیت مدعی علیہ ہونے کے ہے۔ لہٰذا جو امر کہ بحیثیت شہید ہونے کے ان پر ضرور تھا اس کو بھی مقرون بالجواب کر دیا تاکہ اپنا تبریہ مکمل ہو جائے۔ کیونکہ جو شخص خدا کی طرف سے احوال امتہ پر شہید اور گواہ مقرر کیا گیا ہے۔ اس پر ضروری ہے کہ وہ خود امت کے زشت اور قبیح افعال میں شرکت نہ کرے، پس کیا جو خدا کا گواہ ہو گا وہ خود بالعکس خدا کی مخالفت کر سکتا ہے؟۔ لہٰذا مطلب یہ ہے کہ جب تک میں ان میں تھا اس وقت تک تیرا شہید اور تیری طرف سے ان کے افعال پر گواہ تھا۔ لہٰذا میں ایسی بات کیونکر کہہ سکتا تھا۔ رہا بعد کا معاملہ سو وہ میری شہادت سے خارج ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مجھے اور میری ماں کو خدا بنانا میری توفی کے بعد ہوا ہے مجھے اس کی معلومات نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ جب تک میں ان میں تھا میں نے ان کو یہ نہیں کہا۔ کیونکہ میں ان میں شہید تھا اور جب تو نے میری توفی کی تو اس کے بعد جو معاملہ ہوا وہ میری شہادت سے خارج ہے۔ اس تقدیر پر یہ ممکن ہے کہ یہ معاملہ وفات سے سابق ہی ہوا ہو اور عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت میں داخل بھی ہو۔ کیونکہ آیت سے کسی طرح یہ نہیں نکلتا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت بحق نصاریٰ اسی بات پر تھی کہ وہ نہیں بگڑے۔ اگر مزید تفصیل درکار ہو تو پڑھو قرآن شریف کی یہ آیت: ''فَکَیۡفَ اِذَا جِئۡنَا مِنۡ کُلِّ اُمَّۃٍ بِشَہِیۡدٍ وَّجِئۡنَا بِکَ عَلٰی ھٰٓؤُلَآءِ شَہِیۡدًا۔ النساء آیت ۴۱'' اس آیت شریفہ میں خداوند عالم نے جمیع امتوں کے لئے ایک شہید کا ہونا بیان فرمایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ہر نبی سے اپنی امت پر شہادت لی جائے گی۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی حیثیت مجملہ اور حیثیات کے ایک یہ

بھی ہوتی ہے کہ وہ بمنزلہ سرکاری گواہ کے ہوتے ہیں اور علیٰ ہذا اگر کسی نبی کا اپنی امت پر گواہ ہونے کا یہ مطلب ہو کہ وہ امت اس کے زمانہ میں نہیں بگڑی بلکہ بعد میں بگڑی ہے تو پھر ان نبیوں کے حق میں کیا کہو گے جن پر ایک بھی ایمان نہیں لایا۔ یا اگر بعض لائے اور بعض مرتد ہوئے تو کیا ایسے بعض مرتدین یا کفار جو اس نبی کے زمانہ میں موجود ہوں اس کی شہادت سے خارج ہوں گے یا العیاذ باللہ! انبیا علیہم السلام ان کے حق میں بھی یہی کہیں گے کہ وہ لوگ بھی ہماری حیات میں گمراہ نہیں ہوئے۔ لہذا یہ بڑی کج فہمی اور ناسمجھی کی بات ہے کہ شہادت کو مقصور علی الخیر کر دینا بلکہ شہادت جیسا کہ لغۃً و عرفاً (اصطلاحاً) عام ہے خواہ خیر پر ہو یا شر پر اس طرح اس کو یہاں بھی عام ہی رکھنا چاہئے اور کیا کہو گے: " وَاَنۡتَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ ". المائدہ آیت ۱۱۷" میں جو کہ خود اسی آیت کے اخیر میں بطور اعتراض تذییلی موجود ہے کیا اس کا مطلب بھی یہ ہے کہ وہ خدا کی شہادت تک نہیں بگڑے اس بناء پر تو سارے عالم کو صالح اور مومن کہنا پڑے گا کیونکہ سارا عالم خدا کی زیر نگہبانی ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ لہذا یہ امر سوچنے کے لائق تھا کہ ذکر شہادت سے یہاں عیسیٰ علیہ السلام کی کیا غرض ہے اور اپنی امت کے مشرکانہ افعال کی تنصیص اور تقریر سے کیا فائدہ متعلق ہے۔ ہمارے مذکورہ بالا بیان سے واضح ہو چکا کہ اگر شہادت سے کوئی اور غرض نہ بھی ہو جب بھی شہادت فی نفسہ خود ایک ایسی شئ ہے جس کا ادا کرنا ضروری تھا۔ کیونکہ آیت بالا سے معلوم ہو چکا ہے کہ ادائے شہادت فقط عیسیٰ علیہ السلام ہی کا فعل مخصوص نہیں بلکہ جمیع انبیاء سے اپنی اپنی امتوں کے حق میں شہادت لی جائے گی۔ اس کے بعد معترض صاحب جس حدیث بخاری کو اپنے لئے مفید سمجھے تھے اس کو غور سے ملاحظہ کریں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جمیع قطعات میں سے اسی کو کیوں مخصوص کیا ہے اور کیوں نہیں فرمایا کہ: " اقول کما قال الصبد الصالح. سُبۡحٰنَكَ مَا يَكُوۡنُ لِىۡۤ. " بلکہ بجائے اس کے یہ فرمایا ہے کہ: " وَكُنۡتُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا. " اگر کچھ انصاف ہے تو سمجھو کہ یہ اسی وجہ سے تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے اور اجزاء مخصوص سوال ایزدی کے جواب ہی میں وارد تھے۔ لہذا ان کو آپ ﷺ کیسے نقل فرما سکتے تھے جبکہ وہ سوال ہی آپ ﷺ سے نہیں ہوا۔ اس لئے

آپ ﷺ نے اس جزء کو لے لیا جس میں سارے انبیاء شریک ہیں۔ یعنی شہادت۔ لہذا حدیث نے نص کر دی اس بات پر کہ: " وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا . ءَ اَنتَ قُلتَ " کا جواب نہیں بلکہ وہ امر ہے جس کو عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوئی اختصاص نہیں اور سب پر ضروری ہے۔ ورنہ اگر اس کو: " ءَ اَنتَ قُلتَ " کا جواب قرار دیا جائے تو پھر بتلائیے کہ کیا یہی سوال نبی کریم ﷺ سے بھی ہوا تھا؟۔ اگر نہیں ہوا تو پھر اس کا جواب کیسا۔ اس مقام پر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ نبی کریم ﷺ کا یہ مقولہ کس وقت کا ہے۔ تو ملاحظہ ہو صحیح بخاری اسی حدیث میں موجود ہے: " فاقول اصیحابی اصیحابی فیقال لی انک لا تدری ما احدثوا بعدک . " پس جبکہ خود سیاق ہی میں نبی کریم ﷺ کا اس واقعہ سے عالم نہ ہونا اور آپ ﷺ کے اصحاب کا بعد میں بگڑنا موجود تھا تو پھر آنحضرت ﷺ نے: " وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا . " سے علی تفسیر المرزا کون سی نئی بات ذکر فرمائی۔ بزعم مرزا قادیانی جس بات کو آنحضرت ﷺ: " وَ كُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا . " سے پیش کرنا چاہتے تھے وہ تو ان کے فرمانے سے پہلے ہی ان کے سامنے پیش کی جاچکی تھی اب کیا اسی بات کو مکرر کرنا تھا؟۔ دوم میں یہ بھی سوال کروں گا کہ کیا نبی کریم ﷺ کو اپنی امت کے بگڑنے کا علم نہیں۔ کیا آپ ﷺ ہی نے قیامت تک کی امت کے سارے احوال نہیں بیان کر دیئے اور کیا قرب قیامت میں جو امت کا حال ہوگا وہ احادیث میں موجود نہیں؟۔ اگر یہ ساری باتیں موجود ہیں تو بروز حشر: " وَ كُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا . " سے کیونکر نفی علم فرمائی گئی۔ جبکہ دنیا ہی میں آپ ﷺ کو امت کا مجموعی حال روشن ہو چکا تھا۔ رہا: " انک لا تدری . " یہ افراد اور تفصیلات کے اعتبار سے ہے جو کہ علم اجمالی کے منافی نہیں۔ دوم: " انک لا تدری . " بحق جماعۃ مخصوصہ ہے نہ بحق امت اور عیسیٰ علیہ السلام سے سوال بحق امت ہے اسی لئے وہاں لفظ ابتداء الناس کا ہے۔ لہذا اس حدیث نے بالکل فیصلہ کر دیا کہ یہ آیت کسی طرح جواب سوال نہیں کیونکہ اسی آیت کے بعد عیسیٰ علیہ السلام اپنی امت کے حق میں سفارش آمیز کلمات ہی فرماتے ہیں: " اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ . المائدہ آیت ١١٨ " اب ظاہر ہے کہ یہ جملہ جواب سوال نہیں۔ حالانکہ سیاق واحد ہی ہے۔ البتہ مقولہ ضرور ہے۔ لہذا عیسیٰ علیہ

السلام کے جمیع مقولات کو جواب ہی بناڈالنا سخت نادانی ہے۔ سوم یہ کہ اگر آیت: ”فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ۔“ کے وہ معنی بیان کئے جائیں تو پھر ذکر اشراک امت بعد سفارش قطعاً خلاف مقتضے الحال ہے۔

اور اگر وکیل صاحب دیانت داری سے: ”فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ۔“ کا جواب ہی بناتے ہیں تو پھر ذرا آیت کا مطلب ہی درست کر دیجئے کیونکہ جب آپ کے نزدیک توفی بمعنے موت ہے تو عندالجواب موت کا ذکر کیسا؟۔

کیا عیسیٰ علیہ السلام سولی ہی پر فوت ہو گئے تھے۔ والعیاذباللہ! یا سولی سے نجات پاکر بزعم مرزا قادیانی ستاسی سال کشمیر میں بھی زندہ رہے ہیں۔ پس اگر سولی کے واقعہ کے بعد ستاسی سال اور بھی زندہ رہے ہیں تو پھر اہل شام کے انقطاع خبر کا ذریعہ موت کیوں بتلایا جاتا ہے۔ کیونکہ ان کی خبر تو ہجرت الی الکشمیر سے ہی منقطع ہو چکی تھی اور موت تو ستاسی سال بعد ہوئی ہے۔ لہذا جو انقطاع خبر کا اصل وقت اور سبب تھا اس کو تو ذکر نہ کرنا اور جو امر کہ ستاسی سال بعد واقع ہوا ہے اس کا تذکرہ کرنا کس قدر لغو ہے۔ لہذا جب عیسیٰ علیہ السلام سے سوال ہوگا کہ اے عیسیٰ! کیا تو نے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا بنالو۔ اس کے جواب میں مرزائی خیال کے موافق یہ جواب ہونا چاہئے کہ اے اللہ! جب تک میں ان میں تھا ان کا محافظ اور نگہبان تھا اور جب تو نے مجھے کشمیر روانہ کر دیا پھر مجھے خبر نہیں کیا ہوا۔ کیونکہ دراصل انقطاع خبر زمانہ ہجرت سے ہی مستمر ہے نہ وفات کے بعد سے۔ پس ان ستاسی سال کے استثناء کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی جبکہ ان میں بھی عیسیٰ علیہ السلام ان کے حالات سے بے خبر ہی تھے (بزعم مرزائیان) ہاں! اگر عیسیٰ علیہ السلام سولی ہی پر فوت ہو چکے ہوں۔ والعیاذباللہ! تو شاید ذکر توفی بمعنی موت مناسب ہو۔ کیونکہ اس تقدیر پر انقطاع خبر کا ذریعہ صرف موت ہی ہے۔

اب وکیل صاحب فرمائیں کہ کیا اس آیت کو جواب بنانے سے ان کا مقصد عیسیٰ علیہ السلام کا مصلوب قرار دینا ہے۔ والعیاذباللہ! یا کچھ اور؟۔ کیونکہ توفی بمعنی موت لے کر اگر: ”فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ۔“ کو جواب قرار دیا جائے تو پھ عیسیٰ علیہ السلام کا جواب اسی

صورت میں مستقیم ہو سکتا ہے۔ جبکہ وہ سولی ہی پر فوت ہوئے ہوں۔ والعیاذ باللہ! ورنہ کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی یاد رہے کہ اس آیت میں ہم نے جو کچھ تقریر توفی بمعنے موت لے کر کی ہے یہ سب علی سبیل التسلیم ہے۔ ورنہ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ توفے بمعنی موت قرآن میں ایک جگہ بھی نہیں۔ ہاں! مجامع ضرور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض ان مقامات پر بھی جہاں توفی بمعنے اخذ ہے موت کے معنی مستقیم بن جاتے ہیں۔ کیونکہ اس مقام پر مثلاً توفی مجامع موت ہی ہوتی ہے۔ پس احد المجامعین کو مجامع آخر کے موقع میں رکھ دینے سے بعض وقت مطلب تو بے شک درست ہو جاتا ہے مگر پھر سطحی نظروں کو اس مجامع کا معنی حقیقی ہونا متوہم ہونے لگتا ہے اور اسی ابہام نے مرزائی جماعت کا ستیاناس کیا ہے۔ کاش! ان کو سمجھ ہوتی۔ اس کے بعد اسی آیت میں جو کچھ مرزا غلام احمد قادیانی کی دیانتداری ہے۔ وکیل صاحب اسے بھی ملاحظہ فرمائیں:

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

مرزا غلام احمد قادیانی نے تسلیم کیا ہے کہ: ''فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِى.'' قیامت کا واقعہ ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں: ''ظاہر ہے کہ یہ سوال (یعنی ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قیامت کے دن ہوگا۔'' (حقیقت الوحی ص ۳۱، خزائن ص ۳۳ ج ۲۲)

اس طرح ہے:

''اب ظاہر ہے کہ اگر یہ بات سچ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت سے پہلے دنیا میں آئیں گے .... تو وہ قیامت کو خدائے تعالیٰ کے حضور میں کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ جب تو نے مجھے وفات دی تو اس کے بعد مجھے کیا علم ہے۔'' (تذکرۃ الشہادتین ص ۱۸، خزائن ۲۱، ۲۰ ج ۲۰) (مفصل عبارت پہلے گزر چکی ہے۔)

اس کے برخلاف ملاحظہ فرمایئے اسی آیت کی شرح میں کہتے ہیں:

''ظاہر ہے کہ قال صیغہ ماضی کا ہے اور اس کے اول ''اذ'' موجود ہے جو خاص واسطے ماضی کے آتا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ قصہ وقت نزول آیت زمانہ ماضی کا

ایک قصہ تھا نہ زمانہ استقبال کا اور پھر ایسا ہی جو جواب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے ہے یعنی : ”فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ ۔“ وہ بھی بصیغہ ماضی ہے۔“

(ازالہ اوہام ص ۲۴۸ ج ۲، خزائن ۴۲۵ ج ۳)

اب اس دیانت کو دیکھئے کہ ایک ہی آیت کو حقیقت الوحی میں قیامت کا واقعہ قرار دیا جا رہا ہے اور اسی کو ازالۃ الاوہام میں واقعہ ماضی بنایا جاتا ہے کیا ایک ہی واقعہ ماضی اور مستقبل میں ہو سکتا ہے ؟ آیئے میں آپ کو اس کا راز بتلاؤں۔

ازالۃ الاوہام میں چونکہ وفات عیسیٰ علیہ السلام پر زور دینا مد نظر تھا۔ لہذا وہاں ! اس آیت کو واقعہ ماضی ہی قرار دینا مفید سمجھا، کیونکہ اگر توفی بمعنے موت لے کر یہ قصہ گزرا ہوا قرار دیا جائے تو پھر عیسیٰ علیہ السلام کا نزول (بزعم مرزا قادیانی) پھیکا پڑ جاتا ہے۔ بر خلاف اس کے حقیقت الوحی میں جو کچھ کہا گیا ہے اس سے مقصود قائلین حیات پر رد کرنا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو :”اس جگہ اگر توفی کے معنی معہ جسم عنصری آسمان پر اٹھانا تجویز کیا جائے تو یہ معنی بدیہہ البطلان ہیں۔ کیونکہ قرآن شریف کی انہیں آیات سے ظاہر ہے کہ یہ سوال حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قیامت کے دن ہو گا۔ پس اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ وہ موت سے پہلے اس رفع جسمانی کی حالت میں خدا تعالیٰ کے سامنے پیش ہو جائیں گے اور پھر کبھی نہ مریں گے۔ کیونکہ قیامت کے بعد موت نہیں اور ایسا خیال بداہتہ باطل ہے۔“

(حقیقت الوحی ص ۳۱، خزائن ص ۳۳ ج ۲۲)

بھلا یہ بھی کوئی دیانت ہے کہ جہاں جو مناسب موقعہ معلوم ہوا ویسا ہی لکھ دیا جب اثبات کے لئے قلم اٹھایا تو آیت کو واقعہ ماضی بنایا اور جب قائلین حیات پر رد کرنا شروع کیا تو اسی واقعہ کو قیامت کا واقعہ قرار دے دیا۔ کہئے معترض صاحب اسی دیانت کو ساتھ لیکر دوسرے پر خیانت کا الزام ؟

اسی طرح مرزا قادیانی نے اس آیت کا مطلب یوں لکھا ہے :

”پھر جبکہ تو نے مجھے وفات دیدی تو پھر تو ہی ان کا نگہبان تھا مجھے ان کے حال کا کیا علم تھا۔“ (تذکرۃ الشہادتین ص ۱۸، خزائن ص ۲۰ ج ۲۰)............(مفصل حوالہ

اسی مضمون کے ابتداء میں درج ہے اس کی مراجعت کی جائے)

چونکہ تذکرۃ الشہادتین میں مرزا قادیانی نے اس قصہ کو قیامت کا واقعہ قرار دیا ہے۔ لہذا قیامت میں علم کی نفی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی امت کے بگڑنے کی قیامت تک کوئی خبر نہیں ہوئی (بزعم مرزا قادیانی) مگر اس کے برخلاف ملاحظہ ہو: "اور میرے پر کشفاً یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ زہرناک ہوا جو عیسائی قوم سے دنیا میں پھیل گئی ہے۔ حضرت عیسیٰ کو اس کی خبر دی گئی تب ان کی روح روحانی نزول کے لئے حرکت میں آئی۔" (آئینہ کمالات اسلام ص ۲۵۴ 'خزائن ص ۲۵۴ ج ۵) اور: "جیسا کہ میرے پر کشفاً کھولا گیا ہے حضرت مسیح کی روح ان افتراؤں کی وجہ سے جو ان پر اس زمانہ میں کی گئی اپنی مثالی نزول کے لئے شدت جوش میں تھی اور خدا تعالیٰ سے درخواست کرتی تھی کہ اس وقت مثالی طور پر اس کا نزول ہو۔ سو خدا تعالیٰ نے اس کے جوش کے موافق اس کی مثال کو دنیا میں بھیج دیا۔" (ایضاً ص ۲۴۱) اس طرح ملاحظہ ہو: "پھر دوسری مرتبہ مسیح کی روحانیت اس وقت جوش میں آئی کہ جب نصاریٰ میں دجالیت کی صفت اتم اور اکمل طور پر آگئی۔"

(کتاب مذکور ص ۳۴۳ خزائن ص ۳۴۳ ج ۵)

آئینہ کمالات اسلام مصنفہ مرزا قادیانی کے ان حوالجات سے ظاہر ہے کہ قیامت سے قبل عیسیٰ علیہ السلام کو ہر اس وقت جبکہ ان کی امت میں کوئی نئی گمراہی پھیلی اطلاع دی جاتی تھی اور اسی وجہ سے ان کی روح مثالی نزول کے لئے بے قرار ہوئی پھر نہیں معلوم کیونکر عیسیٰ علیہ السلام بروز قیامت اپنی لاعلمی ظاہر کر سکتے ہیں جیسا کہ مرزا قادیانی نے تذکرۃ الشہادتین میں اس آیت کی شرح میں لکھا ہے۔ اب وکیل صاحب اپنے گریبان میں منہ ڈال کر رویئے اور فرمایئے جب کہ حسب زعم مرزا قادیانی عیسیٰ علیہ السلام قبل از قیامت اپنی امت کے احوال پر مطلع ہو چکے تھے تو پھر قیامت کے دن یہ کہنا۔ مجھے ان کے حال کا کیا علم تھا۔ کیا صریح کذب نہیں۔ والعیاذ باللہ!

الحاصل مرزا قادیانی کی اعلیٰ درجہ کی دیانت صرف یہ تھی کہ جہاں جو سمجھ میں آئے اس کے موافق معنی تراش دیں تذکرۃ الشہادتین میں ابطال حیات مد نظر تھا۔ لہذا وہاں

عیسیٰ علیہ السلام کا بے خبر بتانا مفید رہا اور آئینہ کمالات اسلام میں مثیل مسیح کا دعویٰ کرنا تھا۔ اس کے لئے ضرورت تھی کہ پہلے عیسیٰ علیہ السلام کی روح مثالی نزول کے لئے بے قرار ہو۔ لہذا وہاں بدون کسی پس و پیش کے عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی امت کے احوال سے خبردار ہونے کی تصریح کر دی گئی۔ یہ ہیں آپ کے مرزا قادیانی جو ایک ہی آیت میں ایسے متناقض اقوال کہہ کر آپ کو بلا میں گرفتار کر گئے: ” ولقد صدق الله تعالى ۰ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۰ النساء آیت ۸۲“

الحاصل جبکہ مرزا قادیانی کی تفسیر کی حقیقت اور ان کی قدم قدم پر دیانت بخوبی آشکارا ہو چکی تو اب میں پھر اصل سوال کی طرف توجہ کر کے کہتا ہوں کہ شاید اب اس شخص کی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے کلام میں چند اجزاء ہیں جن کو یہ ایک سیاق میں دیکھ کر سب کو جواب بتا رہے ہیں اور دوسرے پر اعتراض کرنے کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔ پہلا جز تسبیح ہے جسے بالاتفاق جواب نہیں کہا جا سکتا، دوم اظہار بیزاری ہے جس سے جواب مفہوم تو ہو جاتا ہے مگر صریح جواب نہیں، سوم صریح جواب، چہارم ادائے شہادت، پنجم ذکر سفارش، اس اخیر جز کو بھی بالاتفاق جواب نہیں کہا جا سکتا۔ پس اگر کلام علی التحقیق والتحلیل کی جائے گی جیسا کہ حضرت موصوف مدظلہ کا منشا تھا جس کو کس قدر اپنے فہم کے موافق میں نے بھی ادا کیا تو پھر ضرور جواب اور مناسبات جواب و متعلقات جواب میں تمیز کرنی پڑے گی اور اگر کلام علی الاجمال والمسامحۃ ہے تو پھر چاہے شہادت کے ساتھ سفارش کو بھی جواب ہی قرار دو۔

والله تعالىٰ علم و علمه اتم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تحقیق عمر حضرت عیسیٰ علیہ السلام

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم امابعد

واضح رہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی عمر کے متعلق اس قدر اختلاف پیش آنے کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ ان کے حصص عمر عام ابنائے آدم کی طرح مسلسل اور مشاہد نہیں گزرے بلکہ ان کی عمر میں ایک حصہ طویل وہ بھی شامل ہے جو بحالت رفع آسمان پر گزرا ہے۔ اسی وجہ سے رواۃ کو مختلف اعتبارات سے مختلف عمریں بیان کرنے کا موقع ملتا رہا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جو زمانہ نبوت سے پیشتر کا ہے۔ اس کی تعیین کا تو احادیث میں کہیں پتہ نہیں کیونکہ وہ ایک احادی اور انفرادی حال تھا۔ دوسرا وہ زمانہ جو بعثت کے نام سے موسوم ہے۔ البتہ احادیث میں موجود ہے کیونکہ یہ زمانہ احادی نہیں بلکہ اختلاط فیما بین الناس کا زمانہ تھا۔ تیسرا وہ زمانہ ہے جو بحالت رفع آسمان پر گزرا۔ چونکہ یہ زمانہ بھی مثل اول کے احادی اور انفرادی ہی تھا بلکہ مزید برآں اس میں تباین عالم کی وجہ سے اس جہان سے غیبوبت بھی رہی۔ لہذا اس کی بھی احادیث میں تعیین نہیں کی گئی۔

چوتھا نزول من السماء کے بعد پھر اختلاط فیما بین الناس کا زمانہ ہے۔ اس سے بھی احادیث میں تعرض کیا گیا ہے۔ الغرض عمر مسیح علیہ السلام کے چار حصص میں سے چونکہ دو حصوں میں بنی آدم کے ساتھ ان کا کوئی معاملہ نہیں رہا۔ لہذا ان کا ذکر بھی احادیث میں نہیں ہے۔ برخلاف اس کے وہ دو زمانے جس میں عیسیٰ علیہ السلام بحیثیت نبوت رہے اور بحیثیت امامت رہیں گے۔ احادیث میں مختلف طور سے بیان ہو چکی ہیں جس کی تفصیل یہ ہے۔ خصائص الکبریٰ و کنز العمال ج ۱۱ ص ۴۷۸ حدیث ۳۲۲۶۰: "واخرج ابن سعد عن ابراہیم النخعی قال قال رسول اللہ ﷺ یعیش کل نبی نصف عمر

الذی قبله وان عیسی ابن مریم مکث قومه اربعین عاما۔ "

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنی قوم میں چالیس برس رہے مگر اس کے بر خلاف کنز العمال ج ۱۱ ص ۴۷۹ حدیث ۳۲۲۶۲ میں ہے: " انه لم یکن نبی کان بعده نبی الا عاش نصف عمر عم الذی کان قبله وان عیسیٰ ابن مریم عاش عشرین ومائة وانی لاارانی الاذاهبا علی رأس الستین۔ "اس سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنی قوم میں چالیس سال نہیں بلکہ ایک سو بیس سال رہے۔ ان دونوں کے سوا تینتیس سال کا بھی ایک قول ہے۔

الحاصل عیسیٰ علیہ السلام کی عمر قبل الرفع میں تین طور سے اختلاف پایا جاتا ہے اس طرح بعد النزول من السماء کے زمانہ میں چند اختلافات ہیں۔ چنانچہ ابوداؤد ج ۲ ص ۱۳۵ میں ہے: " عن ابی ہریرۃ مرفوعا ینزل عیسیٰ علیه السلام الی ان قال فیمکث فی الارض اربعین سنة۔ "اور مسلم شریف میں" "عن ابن عمر وانه یمکث فی الارض بعد نزوله سبع سنین۔ "اب ملاحظہ کیجئے کہ اول روایت سے بعد النزول من السماء کی مدت اقامت چالیس سال اور دوسری روایت سے سات ہی سال معلوم ہوتی ہے۔ انہیں انتشارات کو علماء نے دیکھ کر تطبیق کے لئے (نہ انکار رفع عیسیٰ علیہ السلام کیلئے) مختلف صورتیں اختیار کی ہیں۔ پس کسی نے تو اول کے تینتیس سال اور بعد کے سات سال لے کر مجموع عمر چالیس قرار دی اور کسی نے ایک سو بیس ہی کو زمانہ رفع سے قبل کی عمر قرار دے ڈالی اور بعد کے چالیس سال چونکہ بحیثیت امامت گزریں گے۔ لہذا ان کو نظر انداز کیا لیکن آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ تقدیر اول پر ایک سو بیس والی روایت متروک ہوئی جاتی ہے اور تقدیر ثانی پر سات اور چالیس والی روایتوں کا کوئی محمل نہیں رہتا۔ لہذا ان جمیع احادیث کو جمع کرنے سے اولاً بغرض تنقیح روایات اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ تینتیس سال کی روایت تو مرفوعاً کہیں ثابت نہیں بلکہ علماء نے شدو مد سے اسے نصاریٰ کا قول قرار دیا ہے۔ چنانچہ شرح مواہب جلد اول وخامس وزاد المعاد وجمل میں مشرح مذکور ہے بلکہ شیخ جلال الدین سیوطیؒ جنہوں نے کہ جلالین شریف میں اس قول

کو اختیار کیا تھا مرقاۃ الصعود میں اپنا رجوع نقل کرتے ہیں۔ لہذا اسے تو ساقط ہی سمجھئے۔ اس کے بعد یہ غور کیجئے کہ ایک سو بیس والی روایت میں کون سی عمر مذکور ہے تو وہ اسی حدیث سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ایک سو بیس وہ عمر نہیں جس پر عیسیٰ علیہ السلام مرفوع ہوئے بلکہ قبل الرفع اور بعد النزول ملا کر مجموعی عمر ہے۔ کیونکہ اسی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اپنی عمر بعد حذف کسور ساٹھ سال بیان فرمائی ہے اور یہ آپ ﷺ کی جمیع عمر ہے۔ پس جبکہ معلوم ہو گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی عمر مجموعی ایک سو بیس سال ہے تو اب یہ معلوم کیجئے کہ بعد النزول عیسیٰ علیہ السلام کتنے دن وجہ ارض پر اور حیات رہیں گے۔ تا کہ بقاعد حساب عمر قبل الرفع خود متعین ہو جائے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام زمین پر رہنے کے متعرض فیہ صرف دو ہی زمانے ہیں۔ یا قبل الرفع حال النبوۃ یا بعد النزول حال الامۃ پھر جب مجموع عمر بھی معلوم ہے اور ما بعد النزول بھی معلوم ہو جائے تو ما بعد النزول کو مجموع سے تفریق کر دیجئے تا کہ بقاعدہ حساب حاصل تفریق عیسیٰ علیہ السلام کی قبل الرفع عمر نکل آئے۔ لہذا اس سے پہلے میں اس اختلاف کو رفع کرنا چاہتا ہوں جو ما بعد النزول میں ہے تا کہ عند الحساب مفرق یعنی عدد اقل متعین ہو جائے۔

آپ کو معلوم ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد النزول عمر میں روایات دو طرح پر ہیں۔ بعض میں سات سال اور بعض میں چالیس سال ہے۔ ان ہر دو روایات میں صورت تطبیق یہ ہے کہ مجموع زمانہ بعد النزول چالیس سال قرار دیا جائے اور سات سال وہ رہیں جو امام مہدی بمعیۃ عیسیٰ علیہ السلام گزاریں گے جیسا کہ روایت ابو داؤد سے امام مہدی کا بعد نزول عیسیٰ علیہ السلام ۷ یا ۹ سال تک علی شک الراوی حیات رہنا معلوم ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ در حقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مدت اقامت زمانہ نزول کے بعد چالیس سال ہے۔ پھر رواۃ نے مختلف اعتبارات سے متعدد عمریں ذکر کی ہیں۔ ان چالیس کو اگر مجموع عمر ایک سو بیس میں سے تفریق کر دیا جائے تو حاصل تفریق اسی سال ہوتے ہیں جو کہ بمقتضی حدیث کنز العمال عیسیٰ علیہ السلام کی عند الرفع عمر ہے۔ اس کے بعد جو اختلافات کہ عمر عند الرفع میں ہیں۔ ان کو دیکھئے۔

تینتیس سال والے قول کا تو مہجور ہونا معلوم ہو چکا رہی ایک سو بیس والی روایت تو اس میں خود حدیث سے قرینہ پیش کر چکا ہوں کہ یہ مجموع عمر ہے۔ نہ وہ عمر جو عند الرفع تھی۔ رہی چالیس والی روایت تو اس میں صرف زمانہ نبوت کو لیا گیا ہے۔ زمانہ نبوت سے جو پہلی عمر ہے وہ اس میں محسوب نہیں۔ جیسا کہ کنز العمال ج ۱۱ ص ۴۷۸ حدیث نمبر ۳۲۲۵۹ ہی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے: ” یافاطمة انه لم یبعث نبی الاعمرا لذی بعده نصف عمره وان عیسیٰ ابن مریم بعث رسولا لاربعین وانی بعثت لعشرین۔“

دیکھئے اس روایت میں حضور ﷺ نے اربعین کو مدت بعثت قرار دیا ہے اور اسی وجہ سے اپنی بعثت کا زمانہ عشرین فرمایا کیونکہ چالیس سال پر آپ ﷺ کو نبوت ملی اور بیس برس بحذف کسور آپ ﷺ نے تبلیغ نبوت فرمائی جس کا مجموع وہی ساٹھ سال ہوتے ہیں جو ایک سو بیس والی روایت میں مذکور تھے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ احادیث میں تنصیف مجموع عمر و عمر نبوت ہر دو کے اعتبار سے وارد ہے اور یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام چالیس سال بعد النبوۃ رہے اور چالیس ہی سال امام رہیں گے۔ لہذا ان دونوں کو اگر مجموع عمر میں سے گھٹا دیجئے تو عیسیٰ علیہ السلام کی عمر عند البعثۃ چالیس سال قرار پاتی ہے جو کہ انبیاء و رسل کی بعثت کی عمر ہے۔ جیسا کہ شرح مواہب ص ۶۴ ج ۱ پر مذکور ہے۔

الحاصل انہیں روایات سے بخوبی معلوم ہو گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا رفع اسی سال کی عمر میں ہوا۔ چنانچہ اصابہ میں سعید بن المسیب سے اسی طرح مذکور ہے۔ ہاں! اس تقدیر پر فقط ایک عاش کا لفظ بظاہر غیر مربوط معلوم ہوتا ہے مگر اگر ذرا تامل کیجئے تو اس میں بھی کوئی ضیق نہیں کیونکہ اگر تناسب سیاق و سباق کی رعایت کیجئے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس مقام پر یہی لفظ مناسب تھا۔ کیونکہ اولاً دیگر انبیاء علیہم السلام کے حق میں عاش بصیغہ ماضی صادق تھا ہی۔ پھر بحق عیسیٰ علیہ السلام بھی اپنے حصص عمر میں سے دو حصوں کے اعتبار سے صادق تھا۔ اس کے ساتھ ہی آپ کو تنصیف عمر ذکر کرنی مد نظر تھی۔ لہذا اگر سلسلہ نقض کرتے تو علاوہ نقض نظم کے بیان تنصیف میں تطویل الا طائل اختیار کرنی پڑتی۔

لہذا حصہ ثالث کو بھی جو بہ حقیقت مستقبلہ ہے صیغہ ماضی ہی میں لپیٹ دیا۔ تا کہ تنصیف جمیع عمر اور عمر نبوت ہر دو اعتبار سے معہ رعایت اختصار مستقیم ہو جائے اور سلسلہ نظم بھی بحال رہے۔

چنانچہ اس کے نظائر قرآن شریف میں بھی ہیں: ”کما قال ان ارادا ان یھلک المسیح ابن مریم وامه۔“ حالانکہ صیغہ استقبال بحق ام کسی طرح درست نہیں ہو سکتا مگر فصحاء کا طریق ہے کہ جہاں قحط کلام بین ہو وہاں پھر غیر متعلق امور میں تطویل پسندیدہ نہیں سمجھتے۔

رہی میلاد عیسیٰ والی حدیث جو تفسیر ابن کثیر میں موجود ہے اس کی مراد تشبیہ ہے بحسب عدم التغیر ورنہ تو عمر مذکور بحق اہل جنت بھی درست نہیں کیونکہ جو ابدی ہے اس کی عمر کا حساب ہی کیا؟۔

یہ امر بھی قابل یاداشت ہے کہ تنصیف عمر امم و مشاہیر انبیاء علیہم السلام جن کے اعتبار سے زمانہ کی تاریخ بیان کی جاتی ہے سلسلہ طولی اور تناسب قرون کے اعتبار سے ہے۔ یہ تو تطبیق روایات کی نسبت عرض کیا گیا۔ رہا مرزائیوں کی جو ابد ہی تو اس میں سہولت ہے کیونکہ اس جماعت کے پاس سوائے زندقہ اور الحاد کے کچھ نہیں۔

بھلا ان سے دریافت کیجئے کہ جبکہ بحکم حدیث ہر نبی کی عمر نصف عما قبلہ ہوتی ہے تو مرزا قادیانی کدھر سے نبی ہو گیا۔ کیونکہ اس کی عمر تو نبی کریم ﷺ سے بجائے نصف کے جمیع عمر سے بھی زیادہ ہے۔ لہذا جس حدیث کو وہ پیش کرتے ہیں وہ بالعکس ان ہی کی روسیاہی اور غوایت پر برہان ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

نوٹ: یہ ٹکڑا فقط تحقیق عمر عیسیٰ علیہ السلام کے لئے بغرض نفع خلائق ملحق کر دیا گیا ورنہ سوال سے اسے کوئی تعلق نہیں۔

حررہ العبد
بدر عالم میرٹھی عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انجاز الوفی فی لفظ التوفے

’’ہمارا دعویٰ ہے کہ اہل لغت نے ’’توفاه اللّٰه‘‘ کا محاورہ خاص طور پر الگ لکھا ہے۔ تاج العروس اور لسان العرب، صحاح میں۔ ’’قبص نفسه وروحه‘‘ لکھے ہیں۔ اس محاورہ کو لغت دانوں نے مادہ کے دیگر مشتقات سے الگ کیا ہے………… تمام علماء دیوبند وغیرہ زور لگاؤ۔ یہی ثابت ہوگا کہ جہاں فاعل اللہ اور مفعول ذی روح اور فعل توفی ہو وہاں بجز قبض روح اور: ’’کوئی معنی ہرگز ہرگز نہیں۔‘‘

اس قاعدہ کے سب سے اول موجد مرزا غلام احمد قادیانی ہیں اور اس کے بعد ان کے معتقدین نے اس پر بہت کچھ شور شغب مچایا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آج اس کی پوری حقیقت ناظرین کرام کے روبرو پیش کردوں تاکہ ایک قدیم دعویٰ کی حقیقت سے پردہ اٹھ جائے اور اس قاعدہ کی اصلی تصویر جناب ملاحظہ فرما سکیں۔ میں مرزائی صاحبان سے بھی درخواست کرتا ہوں کہ وہ بھی اس مضمون کو اول سے آخر تک تعصب سے برطرف ہوکر نہایت انصاف اور بلا رورعایت ملاحظہ فرمائیں۔ عجب نہیں کہ ان کی ہدایت اور میری بخشش کا یہی ایک بہانہ ہو جائے۔

ملاحظہ ہو ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۲۰۶ تا ۲۰۸، خزائن ص ۳۷۸ تا ۳۸۰ ج۲۱:

’’اس بات پر تمام ائمہ لغت عرب اتفاق رکھتے ہیں کہ جب ایک علم پر یعنی کسی شخص کا نام لیکر توفی کا لفظ اس پر استعمال کیا جائے۔ مثلاً کہا جائے کہ: ’’توفى الله زيدا‘‘ تو اس کے یہی معنی ہوں گے کہ خدا نے زید کو مار دیا………… اور میں نے جہاں تک ممکن تھا صحاح ستہ اور دوسری احادیث نبوی پر نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے کلام اور صحابہ کے کلام اور تابعین اور تبع تابعین کے کلام میں ایک نظیر بھی ایسی نہیں پائی جاتی جس سے

یہ ثابت ہو کہ کسی علم پر توفی کا لفظ آیا ہو۔ یعنی کسی شخص کا نام لے کر توفی کا لفظ اس کی نسبت استعمال کیا گیا ہو اور خدا فاعل اور وہ شخص مفعول بہ ٹھہرایا گیا ہو اور ایسی صورت میں اس فقرہ کے معنی بجز وفات دینے کے کوئی اور کئے گئے ہوں۔ بلکہ ہر ایک مقام پر جب نام لے کر کسی شخص کی نسبت توفی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور اس جگہ خدا فاعل اور وہ شخص مفعول بہ ہے جس کا نام لیا گیا تو اس سے یہی معنی مراد لئے گئے ہیں کہ وہ فوت ہو گیا ہے۔ چنانچہ ایسی نظیریں مجھے تین سو سے بھی زیادہ احادیث میں سے ملیں جن سے ثابت ہوا کہ جہاں کہیں توفی کے لفظ کا خدا فاعل ہو اور وہ شخص مفعول بہ ہو جس کا نام لیا گیا ہے تو اس جگہ صرف مار دینے کے معنی ہیں نہ اور کچھ۔ مگر باوجود تمام تر تلاش کے ایک بھی حدیث مجھے نہ ملی جس میں توفی کے فعل کا خدا فاعل ہو اور مفعل بہ علم ہو۔ یعنی نام لے کر کسی شخص کو مفعول بہ ٹھہرایا گیا ہو اور اس جگہ بجز مارنے کے کوئی اور معنی ہوں۔ اس طرح جب قرآن شریف پر اول سے آخر تک نظر ڈالی گئی تو اس سے بھی یہی ثابت ہوا.......... اور پھر میں نے عرب کے دیوانوں کی صرف اسی غرض سے سیر کی اور جاہلیت اور اسلامی زمانہ کے اشعار بڑے غور سے دیکھے اور بہت سا وقت ان کے دیکھنے میں خرچ ہوا مگر میں نے ان میں بھی ایک نظیر ایسی نہ پائی کہ جب خدا توفی کے لفظ کا فاعل ہو اور ایک علم مفعول بہ ہو۔ یعنی کوئی شخص اس کا نام لے کر مفعول بہ ٹھہرایا گیا ہو تو ایسی صورت میں بجز مار دینے کے کوئی اور معنی ہوں۔ بعد اس کے میں نے اکثر عرب کے اہل علم اور اہل فضل و کمال سے دریافت کیا تو ان کی زبانی بھی یہی معلوم ہوا کہ آج کے دنوں تک تمام عرب کی سر زمین میں یہی محاورہ جاری و ساری ہے کہ جب ایک شخص دوسرے شخص کی نسبت بیان کرتا ہے کہ توفی اللہ فلاناً تو اس کے معنی قطعی اور یقینی طور پر یہی سمجھے جاتے ہیں کہ فلاں شخص کو خدا تعالیٰ نے مار دیا اور جب ایک عرب کو دوسرے عرب کی طرف سے ایک خط آتا ہے اور اس میں مثلاً یہ لکھا ہوا ہوتا ہے کہ: ”توفی اللّٰہ زیداً۔“ تو اس کا یہی مطلب سمجھا جاتا ہے کہ خدا نے زید کو مار دیا۔ بس اس قدر تحقیق کے بعد جو حق الیقین تک پہنچ گئی ہے یہ امر فیصلہ ہو گیا ہے اور امور مشہودہ محسوسہ کے درجہ تک پہنچ گیا ہے کہ ایک شخص جس کی نسبت اس طور سے لفظ توفی استعمال کیا جائے تو اس کے یہی

معنی ہوں گے کہ وہ شخص وفات پا گیا۔ نہ اور کچھ۔ “

اس ایک مسلسل مضمون میں مرزا قادیانی نے نو مرتبہ اس قاعدہ کو مکرر کیا ہے۔ اسی طرح مرزا قادیانی کی دیگر کتب میں بھی یہ قاعدہ بکثرت موجود ہے مگر میرے خیال میں یہ ایک حوالہ نو حوالجات کے قائمقام ہے۔ لہذا میں اسی پر اکتفاء کرتے ہوئے جواب کی طرف تعرض کرتا ہوں۔

تنقیح دعویٰ

چونکہ کسی لفظ کے معنی معلوم کرنے کے لئے اس کے مادہ اشتقاق کو دیکھنا ضروری ہے۔ اس لئے لفظ : ”توفی“ کے معنی متعین کرنے سے پہلے ہم کو اس کے مادہ کی تفتیش کی حاجت ہو گی۔ لغت میں بیشتر توفی کو وفی کے تحت میں لکھتے ہیں۔ ”وفی“ کے معنی پورا کرنا یا پورا لینے کے ہیں۔ اس مادہ سے عموماً چار باب ملتے ہیں :

۱۔۔۔۔۔ ”وفی الشی ای(تم)“ ۲۔۔۔۔۔ ”واوفی فلان حقه. اذا اعطاه وافیا“ ۳۔۔۔۔۔ ”واستو فاه اذالم یدع منه شیئا“ ۴۔۔۔۔۔ ”وتوفاه الله“

پیغام صلح کی تخصیص بالذکر کا بین طور سے یہی مفہوم ہے کہ اول کے تین ابواب میں ان کو ہم سے کوئی اختلاف نہیں بلکہ ہم دونوں فریق ان ابواب کو اپنے مادہ کے ماتحت ہی تسلیم کرتے ہیں۔ اس طرح چوتھے باب میں بھی اگر اس کا فاعل اللہ یا مفعول ذی روح نہ ہو فریقین کا کوئی اختلاف ظاہر نہیں ہوتا۔ کیونکہ جس صورت میں دعویٰ پیش کیا گیا ہے۔ اس میں دو قیدیں ملحوظ ہیں۔

(۱)۔۔۔۔۔۔۔۔ باب تفعل ہو (۲)۔۔۔۔۔۔۔۔۔ فاعل اللہ اور مفعول ذی روح ہو۔

میں جہاں تک سمجھتا ہوں اگر یہ دونوں قیدیں منتفی ہو جائیں یا احد ہما، تو پھر شاید قادیانی جماعت یا لاہوری پارٹی اس کے متعلق ایسے موٹے لفظوں میں دعوے نہ کرے گی۔ پس اگر ان دونوں قیدوں کا کوئی مفہوم معتبر ہے تو ان کی انتفاء سے مندرجہ ذیل صورتیں پیدا ہوں گی۔ اول شرط کے انتفاء کی تین صورتیں ہیں۔ باب ضرب ہو یا افعال ہو یا

استفعال۔ دوسری شرط کے منتفی ہونے کی بہت سی شکلیں ہیں۔

(۱)...... فاعل اللہ ہو مگر مفعول ذی روح نہ ہو۔ (۲)...... مفعول ذی روح ہو مگر فاعل اللہ نہ ہو۔ (۳)...... نہ اللہ فاعل ہو اور نہ مفعول ذی روح ہو۔ یہ تیسری صورت بے شمار صورتوں پر مشتمل ہے۔ کیونکہ غیر اللہ کے افراد اس قدر ہیں ان جملہ صورتوں میں ہمارا اور مرزائیوں کا کوئی نزاع نہیں۔ اب مابہ النزاع باب تفعل میں یہی فقط وہ صورت ہے۔ جبکہ فاعل اللہ اور مفعول ذی روح ہو اس کا بدیہی نتیجہ یہ ہے کہ توفی کے وہ معنی جو مرزائی صاحبان بیان کرتے ہیں اختلاف باب کا ثمرہ نہیں ہو سکتے اور نہ اس سبب سے اس لفظ کو اپنے مادہ سے جدا مانا گیا ہے۔ کیونکہ اگر اس باب سے فعل توفی بدون شرائط بالا کے مستعمل ہو تو پھر مرزائی جماعت اس کے متعلق یہ دعویٰ نہیں رکھتی جیسا کہ اوپر کی تشریح سے واضح ہو چکا اور جیسا کہ پیغام صلح کی صریح عبارت کا مفہوم ہے۔ لہذا اب مرزائیوں کا دعویٰ ان الفاظ میں منقح ہونا چاہئے کہ وفی کے جمیع ابواب میں سے فقط ایک باب تفعل اور پھر باب تفعل کی بے شمار صورتوں میں سے فقط ایک صورت جس میں فاعل علے التعین اللہ ہو اور مفعول ذی روح ہو ایسی ہے جس میں اس کے مادہ کا کچھ پتہ نہیں بلکہ وہ اپنے مادہ سے بالکل علیحدہ ہے۔ برخلاف اس کے وفی کے جمیع ابواب کے جمیع استعمالات اپنی اصل اور مادہ ہی کے ماتحت ہیں۔ اس کے مقابلہ میں ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ جس طرح تم بقیہ ساری صورتوں میں اس لفظ کو اپنے مادہ کے ماتحت ہی تسلیم کرتے ہو اس طرح ہم صورت بالا کو بھی اپنے مادہ کے ماتحت ہی سمجھتے ہیں۔ اب منصف انصاف کرے کہ ایک لفظ کے جمیع مشتقات کو اپنے مادہ کے ماتحت رکھنے والا حق پر ہو سکتا ہے یا وہ جس نے بلاوجہ فقط ایک صورت کو مستثنیٰ کیا ہو۔ حالانکہ بقیہ اور ساری صورتوں میں وہ بھی ہماری موافقت کرتا ہو۔

اب تفتیش طلب امر یہ ہے کہ آخر فقط ایک صورت میں اس لفظ کو اپنے بقیہ مشتقات سے کیوں جدا کیا گیا؟۔ اختلاف باب کی وجہ سے تو نہیں جیسا کہ ابھی معلوم ہو چکا۔ ہاں! شاید اللہ فاعل اور مفعول ذی روح ہونے کی وجہ سے مگر یہ بھی باطل ہے۔ کیونکہ کسی ایک لغوی نے بھی یہ قاعدہ نہیں لکھا کہ اللہ کے فاعل اور مفعول ذی روح ہونے سے لفظ

اپنے مادہ سے اس قدر دور جا پڑتا ہے۔ گویا کہ پھر اسے اپنی اصل سے کوئی علاقہ ہی باقی نہیں رہتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ (مات زید) کے معنی بھی موت کے ہیں اور (اماتہ اللہ) میں بھی وہی معنی بحال ہیں۔ لہذا یہ وجہ بھی اس مخترع استثناء کی قرار نہیں پا سکتی۔ اب ہمیں نہیں معلوم کہ اس لفظ نے مرزائیوں کا کیا قصور کیا ہے جو وہ اس کے معنی سارے استعمالات کے برخلاف بیان کرتے ہیں۔ مجھے بعض اوقات تحیر ہوتا ہے کہ اس جماعت نے خود تو اس قدر بعید از عقل اور نقل دعویٰ کیا ہے۔ اس پر اہل اسلام سے مطالبات کا ارادہ ہے۔ اگر ہم اس کے جواب میں فقط اسی پر اکتفا کریں کہ ہم اس مقام پر بھی وہی معنی مراد لیتے ہیں جو اس کے دیگر بے شمار استعمالات میں تمہارے نزدیک بھی مراد ہیں تو بالکل بجا اور کافی ہو گا۔ خصوصاً جبکہ مرزا قادیانی کا ہمارے سر پر الزام یہ ہو۔

"یہ دعویٰ بھی عجیب دعویٰ ہے گویا تمام دنیا کے لئے تو توفی کے لفظ کے یہ معنی ہیں کہ "قبض روح کرنا" نہ قبض جسم، مگر حضرت عیسیٰ کے لئے خاص طور پر یہ معنی ہیں کہ مع جسم آسمان پر اٹھالینا۔"
(حقیت الوحی ص ۳۲، خزائن ص ۳۴ ج ۲۲)

میں کہتا ہوں کہ اگر یہ دعویٰ تعجب خیز ہے تو یہ دعویٰ بھی تعجب خیز ہے کہ لفظ توفی کے جمیع استعمالات میں تو اس کے مادہ کا اثر ظاہر ہو اور جب اللہ فاعل اور مفعول ذی روح ہو۔ جب اس کے معنی اپنے مادہ سے بالکل علیحدہ جا پڑیں اور سوائے موت کے ہرگز ہرگز کوئی اور معنی نہ ہو سکیں۔ گویا کہ سارے استعمالات میں سے ایک صورت کو جدید معنی کے لئے مخصوص کر لینا تو کوئی تعجب خیز دعویٰ نہ ہو، اور مرزا قادیانی کا اختراعی الزام تعجب خیز ٹھہرے اور اگر بالفرض فاعل یا مفعول کی تبدیلی سے معنی میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ اللہ کے فاعل اور غیر اللہ کے فاعل ہونے سے مرزائی خیال کے موافق لفظ توفی کے معنی میں فرق پڑتا ہے تو پھر اس میں کیوں استعباد ہے کہ اگر مفعول عیسیٰ علیہ السلام ہوں تو معنی رفع جسمانی کے ہوں اور جب کوئی دوسرا مفعول ہو تو تغیر مفعول کی وجہ سے موت کے معنی مراد ہو جائیں۔

مرزا قادیانی کا الزام بالکل غلط ہے

علاوہ ازیں حقیقت الوحی میں مرزا قادیانی کا تعجب اور ہمارے سر پر الزام ہمارا دعویٰ نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ لہذا میں مکرر دعویٰ کا اعلان کرتا ہوں اگر مرزا قادیانی زندہ ہوں: ”لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰی۔“ تو وہ سن لیں ورنہ ان کے معتقدین گوش ہوش کھول کر سن لیں۔ ہم توفی کے معنی بحق حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی وہی لیتے ہیں جو ساری دنیا کے لئے لیتے ہیں۔ ہمارے نزدیک توفی کے معنی پورا لے لینے کے ہیں (جس کو حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نے بلفظ ”بھر لینا“ ادا کیا ہے) اور اسی معنی کے لحاظ سے ساری دنیا کی توفی ہوتی ہے۔ ہمارے نزدیک نہ فقط قرآن شریف میں بلکہ سارے لغت عرب میں اس لفظ کا مدلول اور معنی یہی ہیں۔ مگر ہاں کہیں تھوڑا سا فرق بھی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ تغیر لفظ کی وجہ سے ہونا قرین قیاس ہے مگر نہ اتنا کہ وہ لفظ اپنے مادہ ہی سے جدا جا پڑے۔ وعلیٰ ھذا! حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا نے لیا ہی ہے۔ مگر اس طور سے کہ روح مع الجسد اور سارے عالم کو بھی خدا لیتا ہی ہے مگر اس طور سے کہ فقط روح اب ان دونوں مقام پر لفظ لے لینا موجود ہے جو کہ توفی کا مدلول ہے۔ البتہ کہیں رفع جسمی کے ساتھ مجامع ہے اور کہیں موت کے ساتھ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توفی مجامع مع الرفع ہے اور دیگر بنی آدم کی قبض روح کے ساتھ فقط، جس کا بالآخر حاصل موت ہی ہے۔

یہ امر ابھی میں قرآن سے ثابت کروں گا کہ موت میں بھی لے لینا ہے مثال کے طور سے دیکھئے ”ید“ اور ”وجہ“ کا لفظ خداوند عالم اور عباد دونوں میں مستعمل ہے۔ مگر ”ید“ کا مصداق عباد میں شکل مخصوص ہے اور خداوند عالم میں جو اس کی شان کے مناسب ہے۔ اسی طرح ”عین“ اور ”اصابع“ اور ”رجل“ اور ”ساق“ اور ”ازار“ اور ”رداء“ ان سب کا استعمال جناب باری عزاسمہ میں بھی احادیث صحیحہ اور قرآن عزیز میں موجود ہے۔ بایں ہمہ مصداق کا فرق بھی ضرور ہے۔

اب کیا کوئی احمق جاہل کہہ سکتا ہے کہ عجیب بات ہے کہ ”ید“ کا لفظ جب ساری

دنیا کے لئے مستعمل ہو جب تو اس سے ایسا ”ید“ مراد ہو جس میں ”اصابع“ اور اعصاب لحم و شحم ہیں اور جب خدا کی جناب میں مستعمل ہو تو اس کو ایک بے کیف اور مجہول الحال شی قرار دے دیا جائے الحاصل توفی بمعنے موت کبھی مرتبہ مدلول میں مستعمل نہیں ہوا۔ یعنی اس طور سے کہ موت لفظ توفی کا موضوع لہ ہو ہاں کبھی لے لینا اور پورا کرنا موت کی طرف منتہی ضرور ہو جاتا ہے۔ یعنی خدا کسی کی عمر پوری کرے گا تو اس کی عمر کی انتہا موت ہی سے تو ہوگی یا بدوں موت .... کے بھی عمر منتہی ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب تک موت نہیں آتی، کہا جاتا ہے کہ ابھی اس شخص کی عمر پوری نہیں ہوئی اور جب موت آجاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ اب اس کی عمر پوری ہوگئی۔ پس عمر کے پورے ہونے کی انتہا چونکہ موت پر ہی ہے۔

کتب لغت میں توفی بمعنے موت ہونے کا راز

اسی لئے لغویین نے توفاہ اللہ کے معنے مات کے بھی لکھ دیئے ہیں۔ نہ اس لئے کہ ان کے نزدیک توفی بمعنی موت حقیقی ہے۔ دیکھو لسان العرب ج۱۵ ص۳۵۹: ” توفی المیت استیفاء مدتہ التی وفیت لہ وعدد ایامہ وشہورہ و اعوامہ فی الدنیا انتہی۔ “

اس معنی کو خود مرزا قادیانی نے بھی تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ ضمیمہ براہین احمدیہ ص۲۰۵ حاشیہ خزائن ۳۷۷ ج۲۱ پر تحریر فرماتے ہیں: ”معلوم رہے کہ زبان عرب میں لفظ توفی صرف موت دینے کو نہیں کہتے بلکہ طبعی موت دینے کو کہتے ہیں......... اسی بناء پر لسان العرب اور تاج العروس میں لکھا ہے: ” توفی المیت استیفاء مدتہ التی وفیت لہ وعدد ایامہ و شہورہ واعوامہ فی الدنیاء۔ “یعنی مرنے والے کی توفی سے مراد یہ ہے کہ اس کی طبعی زندگی کے تمام دن اور مہینے اور برس پورے کئے جائیں۔“

اب معترض صاحب ملاحظہ کریں کہ خود مرزا قادیانی ہی اپنی آخری تصنیف میں کس قدر صراحت کے ساتھ توفی کو پورا کئے جانے کے معنی میں تسلیم کرتے ہیں: ”وماذا بعد الحق الا الضلال۔ “الغرض چونکہ عمر کا پورا کرنا اور موت دینا مصداق میں مجامع

ہیں۔ اس لئے توفی کے معنی موت کے ہی لکھ دیئے جاتے ہیں اردو میں مثال ملاحظہ فرمایئے۔ جب کبھی کسی بڑے شخص کا انتقال ہوتا ہے تو یہ کوئی نہیں کہتا کہ فلاں بزرگ مر گیا۔ بلکہ یوں کہا جاتا ہے کہ ان کا وصال ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ وصال اور وصل کے لغوی معنی ملنے کے ہیں۔ اس طرح انتقال نقل سے مشتق ہے، جس کے معنی ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف حرکت کرنے کے ہیں مگر جب کسی بزرگ کی نسبت وصال یا انتقال کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے موت ہی کے معنی سمجھے جاتے ہیں اور اب کیا کوئی جاہل کہے گا کہ چونکہ دنیا کے سارے بزرگوں کے حق میں وصال بمعنی موت استعمال ہوا ہے۔ لہذا وصال کا موضوع لہ موت ہے اور اس بناء پر شاعر کے قول مثلاً: ''وصال یار مشکل ہے'' میں شاعر کی تمنا یار کی موت کی ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ یہی کہا جائے گا کہ وصال کے لغوی معنی ملنے کے ہیں مگر چونکہ بزرگوں کی نگاہ میں فقط ایک خدا سے ملنا ہوتا ہے جو بدوں موت متصور نہیں۔ لہذا یہ کہنا کہ فلاں بزرگ کو بارگاہ ایزدی میں وصول میسر ہوا۔ بالآخر اس کے مرادف ہو جاتا ہے کہ وہ مر گئے۔ اس لئے وصال بمراد موت بولنے لگے ہیں۔ اس طرح لفظ انتقال ہے چونکہ بزرگان دین کی نسبت موت کا لفظ معمولی سمجھا گیا ہے۔ لہذا ان کی موت کو ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف منتقل ہونے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

یہی حال لفظ توفی کا ہے کہ اس میں بھی فی الجملہ تشریف ہے خصوصاً جبکہ اللہ فاعل ہو۔ پس اگر کہیں یہ لفظ موت کی مراد میں نظر آتا ہو تو یہ نظراًالی التشریف ہے۔ لالکونہ موضوعاًلہ، جیسا کہ بیت اللہ اور روح اللہ اور اناا جزی بہ میں تقریر کی گئی ہے۔

الحاصل جس طرح عرفاً فلاں حضرت کا وصال ہو گیا یا فلاں صاحب کا انتقال ہو گیا سے سوائے موت کے اور کچھ نہیں سمجھا جاتا۔ باوجود یہ کہ پھر بھی یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ موت ان الفاظ کے معنی حقیقی ہیں نہ یہ بے ہودہ تاویل کی جا سکتی ہے کہ یہ الفاظ اپنے دیگر استعمالات مثلاً وصول اور ایصال سے بدون کسی قاعدہ کے بالکل جدا ہیں۔ اس طرح لفظ توفی کو بھی سمجھئے۔ چونکہ عام طور پر عمر کا پورا ہونا موت ہی پر ظاہر ہوتا ہے۔ اس لئے توفی کے معنی موت کے بھی لکھ دیئے گئے ہیں مگر اس سے لفظ کا اپنے موضوع لہ سے نہ خروج لازم آتا ہے

اور نہ اس معنی کا حقیقی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ حقیقی معنی کا تحقق چونکہ عموماً موت کے مجامع ہو رہا ہے۔ لہذا عوام جو کہ مجامع للموت یا بمعنے موت ہونے میں کوئی تفریق نہیں کر سکتے توفی مجامع للموت کو بمعنی موت ہی قرار دے دیتے ہیں۔ لہذا توفی بمعنی موت اس سرسری اور عامیانہ استعمال کے لحاظ سے ہے۔ رہے خواص اور اہل علم سو وہ چونکہ تنقیحات علمیہ سے بخوبی مرتاض ہوتے ہیں۔ لہذا ان کے نزدیک توفی مجامع للموت ہونے سے بمعنی موت نہیں بن جاتا بلکہ وہ موت کو مرتبہ مصداق یا جزء اخیری کے مرتبہ میں رکھ کر لفظ کو اپنے مدلول سے خارج نہیں کرتے۔ چنانچہ اس مضمون کی شہادت کلیات ابوالبقاء سے بخوبی ہو جاتی ہے: "(التوفی) الاماته و قبض الروح وعلیه استعمال العامته اوالا ستیفاء واخذ الحق وعلیه استعمال البلغاء۔"

اگر کسی کو عبارت فہمی کا سلیقہ ہو تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ اس عبارت کی مراد یہ نہیں ہے کہ بلغاء کے یہاں توفی کسی ایک مقام پر بھی موت کے مجامع نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ بلغاء کے نزدیک اس لفظ کے معنی استیفاء اور اخذ حق کے ہی ہوتے ہیں۔ اگرچہ مراد اس سے موت ہی کیوں نہ ہو۔ پس حق لفظ اور اشتقاق بھی ہے کہ اس میں اخذ اور استیفاء کے معنی ہر حال مرعی رہیں گو بظاہر کہیں سطحی نظریں بمعنی موت سمجھیں۔ وعلیٰ ھذا!! اس عبارت میں توفی کے محل موت میں مستعمل ہونے سے انکار نہیں مگر وجہ تخریج میں نظروں کا تفاوت ضرور ہے، عام آدمی سمجھتا ہے کہ توفی مصداق میں موت کے ساتھ جمع ہوا تو اس کے معنی ہی موت کے کرنے لگتا ہے۔ مگر بلیغ موت کو انحاء استیفاء میں سمجھ کر استیفاء مرتبہ مدلول میں اور موت کو مرتبہ مصداق میں رکھتا ہے۔

واضح رہے کہ لغویین کافۃً اس امر میں متفق ہیں کہ موت توفی کے معنے حقیقی نہیں مگر پھر وجہ تخریج میں مختلف ہیں بعض کہتے ہیں کہ توفی المیت بمعنی استیفاء ہے۔ یعنی عمر پورا کرنا اور پورا لینا اور .... بعض فرماتے ہیں کہ بمعنی اخذ ہے۔ یعنی کون فیھم کا مقابل جیسا کہ اردو میں کہا جاتا ہے کہ فلاں نے اپنا حق وصول کر لیا۔ اس لئے کلیات کی عبارت میں دو لفظ آئے ہیں اوالاستیفاء واخذ الحق۔ پس یہ دونوں شی واحد نہیں ہیں مگر

موت کے مرادف بھی نہیں ہیں یہ بھی یاد رہے کہ استیفاء کی دلالت اس معنی پر اولیٰ ہے اور جزاخیری پر ثانوی اور توفی کی دلالت علی العکس ہے۔ یعنی استیفاء میں حرکت مبدء سے مقطع کی طرف ہے اور توفی میں مقطع سے مبدء کی طرف۔ لہذا جب توفی سند الی الرب العزت ہوتا ہے تو اس مقام پر مراد جز ثانی ہوتا ہے۔ بلحاظ جز اول اور جب مسند الی العبد یعنی الی المفعول ہوتا ہے تو مراد جزء اول ہوتا ہے بلحاظ جزء ثانی۔

اس تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ لفظ توفی کسی ایک مقام پر بھی بمعنی موت حقیقتاً مستعمل نہیں۔ ہاں مجامع ضرور ہے۔ لہذا: " اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ ۔ آل عمران آیت ۵۵ " میں یہ وعدہ کہ اے عیسیٰ میں تیری عمر پوری کروں گا۔ الیٰ حین الوفاۃ مستنبط ہے اور جب تک کہ ان کی زندگی کے لمحات پورے ہوتے رہیں گے۔ کہا جائے گا کہ ان کی عمر پوری کی جارہی ہے۔ وعلی ہذا توفی مقدم ہی ہونا چاہئے تھی کیونکہ یہ بمنزلہ مزید علیہ کے ہے اور مجامع ہے رفع کے ساتھ۔ نہ یہ کہ رفع بعد التوفی ہے۔ یعنی انقطاع توفی کے بعد رفع نہیں ہے بلکہ توفی جو ایک امر ممتد اور مستمر ہے اس مستمر زمانہ میں رفع بھی ہوا ہے۔ لہذا وہ امر مستمر اس رفع کے ساتھ مجامع ہو گیا؟۔ پس رفع کے زمانہ میں یہی توفی چل رہی ہے۔ یہاں تک کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے اور جو اجل خدا کے علم میں مقدر ہے اسے ختم فرما چکیں گے اور وفات پائیں گے تو کہا جائے گا کہ عمر پوری ہو چکی۔ اسی مقام سے تفسیر ابن عباسؓ کی مراد بھی حل ہو گئی کیونکہ "انی ممیتك" کے یہ معنی تو کوئی بھی نہیں کر سکتا کہ میں تیری موت سے پہلے تجھے موت دیدوں گا........ بلکہ توفی ایک انتہائی وعدہ ہے جس کی ابتداء تعلیم ہے کیونکہ اگر توفی کو ذکر ہی نہ کیا جاتا تو کلام منتظر باقی رہ جاتا اور یہ نہ معلوم ہوتا کہ: " جاعل الذین " کے بعد کیا ہوگا اور اگر بعد میں ذکر فرماتے تو چنداں لطیف نہ رہتا کیونکہ معلوم ہے کہ انسان کے لئے بالآخر فنا ہی ہے۔ لہذا انتہائے ارادہ کی اولاً تعلیم فرما کر بقیہ مواعید کو ذکر فرمایا۔ یہ یاد رہے کہ اس تفسیر کو ترتیب کے خلاف سمجھنا سخت نادانی ہے کیونکہ ترتیب فقط واقع کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ ترتیب جیسا کہ بحسب الوقوع ہوتی ہے۔ اس طرح بحسب الذکر اور بحسب العرف بھی ہوتی ہے۔ پس کسی کلام کے مطابق ترتیب

ہونے کے یہ معنے نہیں ہوتے کہ ساری ترتیبیں اس میں مجتمع ہو جائیں کیونکہ بعض اوقات بعض ترتیب بعض ترتیب کے مناقض ہوتی ہیں۔ لہذا مطابقت ترتیب اسی لحاظ سے لی جائے گی جس اعتبار سے متکلم نے اپنے کلام میں ارادہ کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر متکلم کو چند امور کی فقط تعدید مطلوب ہو تو اس مقام پر وہ واقع کا لحاظ نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہ اس کے مقصود سے خارج ہے۔ جیسا کہ علماء معانی نے جاء زید و عمر اور جاء زید فعمر میں لکھا ہے۔ بناءً علیہ میں کہتا ہوں کہ اس آیت میں بھی ان مواعید کی ترتیب بتلانا مد نظر نہیں اگر ترتیب بتلانی مد نظر ہوتی تو بجائے واو کے ف یا ثم حرف عطف لائے جاتے۔ حالانکہ ان حروف میں سے کوئی بھی اس مقام پر موجود نہیں ہیں۔ پس مقصود آیت میں صرف ان مواعید کا افادہ ہے۔ بدون التعرض الی الترتیب الوقوعی۔ لہذا آیت بیان ترتیب سے ساکت ہے اور ترتیب وقوعی خارج کے سپرد ہے۔ ہاں اس قسم کے مقامات پر جو عرفی ترتیب ہے وہ آیت میں موجود ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر متوفیک کو مؤخر کر دیا جاتا تو خلاف ترتیب عرفی ہو جاتا اگرچہ ترتیب وقوعی کی مطابقت حاصل ہو جاتی مگر وہ غیر مقصود تھی جیسا کہ معلوم ہوا۔ لہذا توفی بمعنی موت لے کر اور یہ مان کر کہ عیسیٰ علیہ السلام بعد النزول من السماء وفات فرمائیں گے۔ پھر بھی ترتیب یہی تھی جو آیت میں موجود ہے فافہم۔ اور یہ بھی عقلاً معلوم ہے کہ موت سب مرحلوں کے بعد میں ہوا کرتی ہے۔

(۲)………… مغالطہ سے بچانے کے لئے یہ امر بھی ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ ہمارا نزاع اس میں نہیں ہے کہ بعض لغت کی کتب میں توفاہ اللہ کے معنی مات یا ادرکتہ الوفاۃ کے لکھے ہیں بلکہ میری طرف سے اس کا اقرار بھی گزر چکا ہے۔ اور نہ فقط اتنی بات ہمارے مخالف ہے۔ مابہ النزاع یہ ہے کہ آیا معنی مذکور حقیقی ہیں یا مجازی۔

مرزائی مدعی ہیں کہ موت معنی حقیقی ہیں اور ہماری طرف سے یہ اصرار ہے کہ یہ معنی ہرگز ہرگز حقیقی نہیں چونکہ یہ دعویٰ لغت کے متعلق ہے۔ لہذا کوئی مرزائی کسی ایک معتبر لغت کی کتاب سے دکھلا دے جس نے صاف طور پر لکھ دیا ہو کہ توفاہ اللہ بمعنی مات حقیقی ہے اور جب تک یہ تصریح پیش نہ کی جائے اس وقت تک لغویین کی کتابیں کھول کھول کر

فقط مات کا لفظ دکھا دینا ہمارے لئے کوئی مضر نہیں ہے کیونکہ ہم بھی اس معنی کو ایک سرسری اور عامیانہ استعمال تسلیم کرتے ہیں۔ اگر کہا جائے کہ جب تک کوئی نقل اس کے خلاف نہ پیش کی جائے اس وقت تک لغویین کی تحریر سے متبادر یہی ہے کہ مات معنی حقیقی ہیں تو میں نہایت فراخ دلی سے ایسی نقل پیش کرنے کے لئے تیار ہوں۔ ملاحظہ ہو اساس البلاغۃ ص ۳۹۴ ج ۱۰ مصنفہ علامہ زمخشری جو مرزا قادیانی کے نزدیک بھی بہت بڑے شخص ہیں۔ جیسا کہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۲۰۸، خزائن ص ۳۸۰ ج ۲۱ میں ہے۔

”اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ زبان عرب کا ایک بے مثل امام جس کے مقابل پر کسی کو چوں و چرا کی گنجائش نہیں یعنی علامہ زمخشری۔“

اس عبارت میں مرزا قادیانی نے فتویٰ دے دیا ہے کہ علامہ زمخشری کے بالمقابل کسی کو چوں و چرا کی گنجائش ہی نہیں ہو سکتی۔ لہذا میں دیکھوں گا کہ مرزائی صاحبان کہاں تک مرزا قادیانی کے اس حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔

اساس البلاغۃ ص ۳۰۴ ج ۲ ” ومن المجاز توفی وتوفاه الله ادرکته الوفاة “ یعنی توفاہ اللہ کے معنی ادرکتہ الوفات کے مجازی ہیں۔ ہماری خوش قسمتی اور مرزائیوں کی بدقسمتی سے حسب الاتفاق علامہ کی اس عبارت میں فاعل اللہ اور مفعول ذی روح اور فعل توفی بھی ہے مگر پھر تصریح فرما رہے ہیں کہ توفاہ اللہ کے معنی موت کے مجازی ہیں۔ مرزائیو! خدارا اپنے نبی کے قول کی تو لاج رکھو اور اب تو شائع کر دو کہ توفاہ اللہ کے معنی مات کے مجازی ہیں تا کہ کسی کے تو مقتدی کہلاؤ۔

ایک مشہور مرزائی مصنف کی قابل ذکر ایمان داری

اس مقام پر مجھے بہت تأسف کے ساتھ میاں خدا بخش مرزائی مصنف عسل مصفٰی کی ایمانداری کا حال بھی تحریر کرنا پڑتا ہے۔ ان حضرت نے جب اپنی کتاب میں اس عبارت کو درج کیا ہے تو شاید انہیں مرزا قادیانی کا فتویٰ بھی یاد آگیا ہے۔ لہذا اگر پوری عبارت نقل کر دیتے تو توفی کا معنے موت مجازی ہونا ثابت ہو جاتا جس کے مقابل پر حسب فتویٰ مذکور کچھ

چوں وچرا کی گنجائش نہ رہتی تو اب سہل صورت یہ ایجاد کی کہ علامہ کی اس عبارت کو کاٹ تراش کر و من المجاز کا لفظ ہی حذف کر دیا اور مابعد کی عبارت نقل کر دی جس میں یہ تھا کہ توفی بمعنے موت ہے اور جس جملہ میں اس معنی کا مجازی ہونا مصرح تھا اسے شاید غایت دیانت کے باعث نقل نہیں کیا۔ شاباش مرداں چنیں کنند۔ مرزائیو! اپنے دیانت داروں کا حال دیکھو اور اب بھی راہ راست پر آجاؤ اور خوب سمجھو کہ اگر تم میں حق پر پردہ ڈالنے والے زندہ ہیں تو اسلام میں اس پردے کو ہٹا کر مرزائی ایمان کی ننگی تصویر بھی پیش کر دینے والے موجود ہیں اگر کوئی قادیانی یا لاہوری اس مشہور مرزائی مصنف کی اس بد دیانتی کو غلط ثابت کر دے تو اسے ایک سو روپے انعام ملے گا: " فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّار. "

الحاصل جبکہ ہم نے توفی بمعنی موت ہونے پر علامہ زمخشری جیسے شخص سے مجاز ہونے کی تصریح پیش کر دی ہے۔ اس لئے اس کے مقابلہ میں تاوقتیکہ کسی ایسے ہی شخص کی عبارت پیش نہ کی جائے جس نے ان معنوں کا حقیقی ہونا تسلیم کیا ہو اثبات مدعی خواب وخیال سمجھنا چاہئے۔

(۳)......... یہ بات مسلم ہے کہ اضداد کا تمایز تقابل سے بہت نمایاں طور پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ مثلاً خوبصورتی کو بدصورتی کے مقابلہ میں رکھو تو کماحقہ امتیاز ہو جائے گا کہ یہ شے اور ہے اور یہ اور۔ اس طرح ظلمۃ اور نور الم و سرور انس و نفور خاکساری و غرور کے معانی کا تمایز عند التقابل علیٰ وجه الکمال ظاہر ہو جاتا ہے۔ اسی بناء پر متنبی کہتا ہے: " بضدها تتبین الاشیاء. " وعلیٰ ہذا اگر توفی بمعنی موت حقیقت ہے تو ہمیں قرآن کی تتبع سے معلوم کرنا چاہئے کہ کیا قرآن نے کہیں حیات اور توفی کو مقابل ٹھہرایا ہے۔ پس اگر عرف قرآن سے ثابت ہو جائے کہ اکثر مقامات حیات کے مقابلہ میں توفی کو رکھا گیا ہے تو پھر توفی کا بمعنی موت ہونا بے شک قابل غور ہوگا۔ کیونکہ حیات کا مقابل نام موت ہی ہے اور اگر توفی کو بیشتر مقامات پر حیات کا مقابل نہ ٹھہرایا گیا ہو بلکہ بجائے توفی کے موت کو حیات کے بالمقابل رکھا گیا ہو تو یہ امر بداہتہ واضح ہو جائے گا کہ توفی بمعنی موت نہیں ہے۔ اب میں ذیل میں ان آیات کو نقل کرتا ہوں جس میں توفی اور موت کے متقابلات کو ذکر کیا گیا ہے۔

(۱)...... :"یُحۡیِ الۡاَ رۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ۔ الحدید آیت۱۷"

(۲)...... :" هُوَالَّذِیۡ یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ۔ المومن آیت ٦٨"

(۳)...... :" کِفَاتًا ۔اَحۡیَآءً وَّاَمۡوَاتًا۔ المرسلات آیت٢٦"

(۴)...... :" یُحۡیِیۡکُمۡ ثُمَّ یُمِیۡتُکُمۡ۔ الجادثیه آیت ٢٦"

(۵)...... :" هُوَاَمَاتَ وَاَحۡیَا۔ النجم آیت ٤٤"

(٦)...... :" لاَیَمُوۡتُ فِیۡهَا وَلاَ یَحۡیٰی۔ الاعلی آیت ١٣"

(۷)...... " یُخۡرِجُ الۡحَیَّ مِنَ الۡمَیِّتِ۔ الروم آیت ١٩"

(۸)...... :" وَیُخۡرِجُ الۡمَیِّتَ مِنَ الۡحَیِّ۔ الروم آیت ١٩"

(۹)...... :"وَلاَ تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ یُّقۡتَلُ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتٌ' بَلۡ اَحۡیَآءٌ'۔

البقرہ آیت ١٥٤"

(۱۰)............ :"اَمۡوَاتٌ' غَیۡرُ اَحۡیَآءٍ۔ النحل آیت٢١"وغیرہ

اب دیکھئے کہ ان جمیع آیات میں جن کو میں نے صرف بغرض تمثیل نقل کیا ہے۔ حیات کا مقابل موت اور موت کا مقابل حیات کو ٹھہرایا گیا ہے جس سے معلوم ہو گیا کہ حیات کوئی ایسی شے ہے جو موت نہیں ہے اور موت کوئی ایسا امر ہے جو حیات نہیں۔ اس کے بعد اب توفی کے متقابلات پر نظر فرمائیے۔

(۱)...... :" وَکُنۡتُ عَلَیۡهِمۡ شَهِیۡدًا مَّادُمۡتُ فِیۡهِمۡ فَلَمَّا تَوَفَّیۡتَنِیۡ ۔مائدہ آیت١١٧"(۲)...... :" اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الۡاَ نۡفُسَ حِیۡنَ مَوۡتِهَا وَالَّتِیۡ لَمۡ تَمُتۡ فِیۡ مَنَامِهَا۔ زمر آیت٤٢"(۳)...... :" وَمِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّتَوَفّٰی وَمِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّرَدُّاِلٰی اَرۡذَلِ الۡعُمُرِ۔حج آیت٥" (۴)...... :"وَهُوَ الَّذِیۡ یَتَوَفّٰکُمۡ بِالَّیۡلِ وَیَعۡلَمُ مَاجَرَحۡتُمۡ بِالنَّهَارِ۔انعام آیت٦٠" (۵)...... :" فَاِمَّا نُرِیَنَّكَ بَعۡضَ الَّذِیۡ نَعِدُهُمۡ اَوۡنَتَوَ فَّیَنَّكَ .... الخ ۔ مومن آیت٧٧ ' یونس آیت٤٦' رعد آیت ٤٠"(٦)...... :" حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الۡمَوۡتُ اَوۡ یَجۡعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیۡلاً ۔نساء١٥"

اب ملاحظہ فرمائیے کہ سورۃ مائدہ میں توفی کو کونہ فیہم کے بالمقابل وزمر میں موت

وحیات کے مجامع اور حج میں ردالی ارذل عمر کے مقابل اور انعام میں جرح کے مقابل اور مومن، یونس و رعد میں اراۃ کے مقابل اور نساء میں جعل سبیل کے مقابل قرار دیا گیا۔ ان جمیع مقامات میں کسی ایک مقام پر بھی توفے کو حیات کا مقابل قرار نہیں دیا گیا۔ اب ذرا قرآن عزیز کی اس بلیغ تنسیم پر غور فرمایئے کہ ادھر تو حیات کے مقابل موت کو رکھا گیا اور توفی کو مقابل نہ بنایا اور ادھر توفی کا مقابل حیات نہ رکھا بلکہ ان اشیاء کو، اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ عرف قرآن میں نہ توفی حیات کا پورا مقابل ہے اور نہ حیات توفی کا، بلکہ حیات اور موت متقابل ہیں توفی اور کونہ فہیم وغیرہ مقابل ہیں۔ اب اگر کہا جائے کہ قرآن شریف میں توفے کا مقابل امور عدیدۃ کو کیوں قرار دیا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مفہوم مقابل للتوفی فی نفسہ اس قدر عام ہے کہ جس کے افراد کثیرہ ہیں۔ مثلاً انسان کی نقیض لاانسان ہے۔ اب حجر بھی لاانسان ہے اور شجر بھی لاانسان ہے الی غیر ذالک اور یہ سب انسان کے مقابل ہی ہیں اس طرح توفی کے معنی جبکہ پورا لئے جانے یا حق وصول کرنے کے تھے۔ لہذا اب اگر کسی شی کو پورا نہ لیا گیا ہو تو اس کی متعدد صور ہیں جیسا کہ مائدہ میں توفی کا مقابل مادمت فہیم قرار دیا گیا ہے کیونکہ دوامہ فہیم کے زمانہ میں عیسیٰ علیہ السلام اس معنی کے لحاظ سے غیر متوفی تھے اور زمر میں تو صراحتہً توفی کو موت اور حیات یعنی عدم موت دونوں کے مجامع قرار دے دیا گیا ہے۔ جس نے فیصلہ ہی کر دیا کہ توفی نہ موت کا پورا مقابل ہے نہ حیات کا۔ لہذا توفی اموات اور احیاء دونوں کی بن سکی کما سیجیئ تفصیلہ عنقریب اس طرح حج میں "ردالیٰ ارذل العمر" کا مقابل بنایا گیا ہے کیونکہ "من یردالیٰ ارذل العمر" ظاہر ہے کہ اس معنی سے غیر متوفی ہے۔ ایسا ہی انعام میں جرح غیر توفی ہے کیونکہ حالت جرح میں بھی انسان پورا نہیں لیا جاتا جیسا کہ ظاہر ہے۔ اس طرح سورہ مومن و یونس و رعد میں بھی اراۃ کو توفی کا مقابل اسی لحاظ سے قرار دیا گیا ہے کیونکہ بحالت توفی اراۃ بعض الذی وعد غیر متصور ہے۔ ایسا ہی نساء میں جعل سبیل بحالت توفی نہیں ہے بلکہ جعل سبیل عدم توفی کی صورت میں ہی ہے۔ الحاصل تعدد متقابلات توفی مفہوم مقابل کی فی نفسہ کلیۃ کی جہت سے ہے نہ کسی اور جہت سے۔ اس بیان سے ایک حق کے طالب کے لئے یہ امر بداہت کی حد تک پہنچ چکا ہے کہ

عرف قرآن میں ہر گز توفی بمعنے موت نہیں خصوصاً جبکہ ان آیات مندرجہ بالا میں فعل توفی اور اللہ فاعل اور مفعول ذی روح بھی ہے۔ لہذا اب اس بہانہ کی بھی گنجائش نہیں رہتی کہ ان جمیع آیات میں توفی شرائط بالا کے بر خلاف واقع ہے۔

(۴)............ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ قرآن عزیز میں اماتۃ کی اسناد علی سبیل الحقیقت سوائے خداوند عالم کے اور کسی غیر کی طرف نہیں کی گئی بلکہ احیاء اور اماتۃ کو بطور حصر اپنی صفت قرار دیا ہے: "کما قال ھو یحی ویمیت" اس وجہ سے محیی اور ممیت خداوند عالم کے اسماء مختصہ میں سے قرار دیئے گئے ہیں۔ بر خلاف اس کے توفی کا فاعل غیر اللہ کو بھی قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ آیات مندرجہ ذیل ملاحظہ ہوں :

(۱)......: " حَتّٰی یَتَوَفّٰھُنَّ الْمَوْتُ۔ نساء آیت ۱۵" (۲)......: "قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَّلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ۔ سجدہ آیت ۱۱" (۳)......: " اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ الْمَلآئِکَۃُ ظَالِمِیْ اَنْفُسِھِمْ۔ النساء آیت ۹۷ " (۴)......: "تَتَوَفّٰھُمُ الْمَلآئِکَۃُ ظَالِمِیْ اَنْفُسِھِمْ۔ نحل آیت ۲۸" (۵)......: "تَتَوَفّٰھُمُ الْمَلآئِکَۃُ طَیِّبِیْنَ ۔ نحل آیت ۳۲" (۶)......: "تَوَفَّتْہُ رُسُلُنَا ۔ انعام آیت ۶۱" (۷)......: "رُسُلُنَا یَتَوَفَّوْنَھُمْ ۔ اعراف آیت ۳۷" (۸)......: "فَکَیْفَ اِذَا تَوَفَّتْھُمُ الْمَلآئِکَۃُ ۔ محمد آیت ۲۷"

ان جمیع آیات میں توفی کا فاعل موت اور ملک الموت اور ملائکہ کو قرار دیا ہے۔ پس موت کا فاعل سوائے اپنی ذات کے کسی غیر کو قرار نہ دینا اور توفی کا فاعل غیر اللہ کو بھی بنا دینا ضرور اپنے اندر کوئی مخفی راز رکھتا ہے۔ مرزائی معنے کے مطابق یہ تقسیم اس معجز کلام میں محض اتفاقی اور بے سود ہے اور ہمارے بیان کی رو سے اس میں یہی قرآن شریف کی ایک معجز نما صداقت کا جلوہ نظر آتا ہے۔ کیونکہ توفی کے معنے ہمارے نزدیک لے لینے کے ہیں اور موت فقط توفی کا نام نہیں بلکہ بعد التوفی امساک خداوندی کا نام ہے۔ پس توفی کی جس قدر مراد ہے اس کا فاعل ملک (فرشتہ) بھی حقیقتاً بن سکتا ہے کیونکہ توفی کے معنی لے لینا ہے اور فرشتہ

روح کو حقیقتاً لے سکتا ہے مگر اس کے بعد امساک یہ فعل مختص بالباری تعالیٰ ہے اور اس میں فرشتہ کو حقیقتاً کوئی دخل نہیں اور موت چونکہ اسی جزء اخیر کا نام ہے۔ لہذا موت سوائے خدا کے کسی غیر کی طرف حقیقتاً سند نہیں ہو سکتی بخلاف التوفی۔ الحاصل قرآن شریف میں لفظ توفی اور موت میں یہ دوسرا امتیاز ہے۔ اول امتیاز تو تعین متقابلات سے واضح ہو چکا اور دوسرا امتیاز تقسیم فاعل سے بین ہو گیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ توفی اور موت شے واحد نہیں ورنہ قرآن شریف کے یہ بلیغ فروق محض لغو ہوئے جاتے ہیں۔ والعیاذ باللہ!

مرزا قادیانی کے کلام سے ثبوت کہ توفی بمعنی موت حقیقت نہیں

(۵)........... الاستفتاء ص ۴۳ خزائن ۶۶۵ ج ۲۲ پر مرزا قادیانی حقیقی اور مجازی معنے کیلئے ایک معیار نقل فرماتے ہیں:

" ثم اعلموان حق اللفظ الموضوع لمعنی ان یوجد المعنی الموضوع له فی جمیع افراده من غیر تخصیص و تعیین "

﴿پھر تم جانو کہ جو لفظ کسی معنے کے لئے موضوع ہو۔ اس کا حق یہ ہے کہ وہ معنی موضوع لہ اس لفظ کے جمیع افراد میں بدون کسی تخصیص اور تعیین کے پائے جائیں۔﴾

اس عبارت میں مرزا قادیانی نے کسی معنی کے موضوع لہ ہونے کے دو حق بیان فرمائے ہیں اول تو یہ کہ وہ معنی موضوع لہ اس لفظ کے جمیع افراد میں پائے جائیں دوم یہ کہ وہ معنے بدون تخصیص اور تعیین کے مفہوم ہوں۔ آپ اسی معیار کے لحاظ سے لفظ توفی کو بھی دیکھئے ہم دیکھتے ہیں کہ مرزائی "موت" توفی کے معنی موضوع لہ قرار دیتے ہیں حالانکہ یہاں دونوں شرط منتفی ہیں کیونکہ توفی کے جمیع افراد میں موت کے معنی نہیں پائے جاتے۔ مثلاً اگر توفی کا فاعل غیر اللہ ہو تو مرزائیوں کے نزدیک توفی کے معنی موت کے نہ ہوں گے۔ اس طرح دوسری شرط بھی منتفی ہے کیونکہ مرزا قادیانی نے اس معنے کا بدون تخصیص و تعیین مفہوم ہونا لازم کر دیا ہے۔ حالانکہ اس مقام پر نہ ایک تخصیص بلکہ دو تخصیصیں

ہیں۔ ادھر تو فاعل کی جانب اور ادھر مفعول کی جانب۔ اب بتلائیے کہ جو معنے لفظ کے جمیع افراد میں نہ پائے جاتے ہوں اور بدون تخصیص و تعین کے مفہوم بھی نہ ہوں۔ وہ کیونکر معنی موضوع لہ ہو سکتے ہیں۔ برخلاف اس کے ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ ہمارے نزدیک بدون کسی تخصیص و تعیین کے توفی کے جمیع افراد میں ایک ہی معنے ہیں جو کہ لے لینا ہیں۔ لہذا اس معیار کے لحاظ سے بھی موت حقیقی معنے نہیں بنتے اور لے لینا ہی حقیقی معنے قرار پاتے ہیں :

"لَوْكَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ."

مرزا قادیانی کے کلام سے ثبوت کہ توفی بمعنے لے لینا ہے

(۶)......... اب ہم صراحۃً مرزا قادیانی کی کتاب سے ہی ثابت کئے دیتے ہیں کہ جس جگہ فعل توفی اور فاعل اللہ اور مفعول ذی روح بھی ہے وہاں بھی مرزا قادیانی نے موت کے معنے نہیں کئے......... شاید معترض حق کی طرف رجوع کرے۔

ملاحظہ ہو براہین احمدیہ ص ۵۱۹، خزائن ص ۶۲۰ ج ۱ :

"انی متوفیك و رافعك الی .... الخ" ﴿میں تجھ کو پوری نعمت دوں گا اور اپنی طرف اٹھاؤں گا......... الخ۔﴾

اب ناظرین انصاف کریں کہ کیا بعد از صریح عبارت کے بھی توفی کے حقیقی اور موضوع معنی میں کوئی شک باقی رہ گیا ہے۔ حالانکہ اس مقام پر خدا فاعل بھی ہے اور مفعول ذی روح بھی اگر کہا جائے کہ مرزا قادیانی نے بھی غلطی کی ہے تو ہمیں ایسے نبی کی دعوت سے معذور سمجھا جائے جسے عربی کے ایک موٹے لفظ کے معنی سمجھنے کی لیاقت تک نہ ہو اور اس میں بھی وہ چالیس برس سے زیادہ مدت تک گمراہ رہے اور نہ قرآن کی تیس آیتوں کی طرف غور کرے اور نہ مرزائیوں کے موہوم اجماع کی طرف نظر ڈالے حالانکہ بارہ برس تک دعویٰ وحی بھی کرتا ہو اور خدا اس کی غلطی پر اسے متنبہ بھی کرتا ہے مگر وہ فقط (بزعم خود) گمراہ عوام کے اتباع میں وحی خداوندی کی بھی تاویل کرے احادیث اور محاورہ قرآن کو بھی پس پشت ڈال دے۔ اجماع کی بھی کوئی پرواہ نہ کرے اور ان سارے دلائل قاطعہ کے روبرو

گمراہ عوام کے اتباع میں بہبودی تصور کرے بلکہ اسی کو طریق انبیاء قرار دے۔

ونعوذ بالله من خرافات هذا الدجال و متبعيه فانهم فى كل وادیهیمون ويقولون مالا يفعلون والله اعلم!

قرآن شریف سے توفی کا موت سے مغائیر ہونے کا ثبوت اور مرزائی چیلنج کا جواب

”قال الله تعالیٰ! اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِىْ لَمْ تَمُتْ فِىْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِىْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى……… الخ ۔ الزمر آیت نمبر ٤٢“

اے میرے بھٹکے ہوئے دوستو! اور اے سراب خادع کو ماء مصفے خیال کرنے والو! آؤ اور قرآنی آیت: ”فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَىْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۔ النساء آیت ٥٩“ کے تحت قرآن سے ہی فیصلہ کرلو۔ میں نے تم کو تحقیق لغت اور تنقیح محاورات و تصرفات قرآن اور بالآخر خود مرزا قادیانی کی تصانیف تک سے سمجھادیا کہ توفی بمعنی موت ہرگز نہیں اور جس شخص نے ایسا کہا اس نے غور کلام کو چھوڑ کر اطراف میں اپنا وقت عزیز ضائع کیا۔ مگر تمہارے نزدیک اگر زمخشری کی تصریح اور ابو البقاء کی تفصیل بھی قابل اعتبار نہیں تو آؤ قرآن ہی کو اپنے سامنے رکھو اور اپنی قسمت کا آخری فیصلہ کرلو پھر یا مؤمن صادق بن جاؤ یا کافر مجاہر رہو۔ لیکن خدارا قرآن کو اپنے تخیل اور اباطیل پر حمل نہ کرو بلکہ اپنے اباطیل کی قرآن سے اصلاح کرو۔ کیونکہ بہت مرتبہ انسان کو باطل کی محبت نصوص کی تحریف اور صرائح کی تاویل پر مجبور کردیتی ہے۔ پرنیک وہ ہے جس نے قرآن کو اپنے عقائد سے نہیں بلکہ اپنے عقائد کو قرآن سے سیکھا اور سنوارا۔ وبه نستعين!

یہ امر تو واضح ہے کہ اس آیت شریفہ میں توفی کی دو نوعیں ذکر کی گئی ہیں۔ ایک ان لوگوں کی توفی جو علیٰ شرف الرحیل ہیں اور دوم: ” والتى لم تمت“ یعنی احیاء کی توفی جس سے کم از کم یہ تو معلوم ہوگیا کہ توفی کوئی ایسا امر نہیں جو مخصوص بالاموات ہو جیسا کہ

اموات کے متعلق ہوتی ہے۔ اس طرح احیاء کے بھی متعلق ہوتی ہے۔ لہذا مرزا قادیانی کا یہ سمجھ لینا کہ سارے قرآن میں توفی موت ہی کے معنی میں منحصر ہے محض غلطی اور فاحش غلطی ہے۔ کیونکہ اس آیت میں صاف طور سے: " والتی لم تمت " کی بھی توفی موجود ہے۔

نیز آیت سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ نوم اور موت میں کیا فرق ہے یعنی .... دونوں حالتوں میں جسم انسانی سے کچھ لے لیا جاتا ہے پھر یا وہ مر جاتا ہے یا اپنی خواہش ظاہرہ سے تھوڑے عرصہ کیلئے معطل ہو جاتا ہے۔ انہیں دو حالتوں کا آئندہ ذکر فرماتے ہیں: " فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْهَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰی اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی .... الخ الزمر آیت ٤٢ " یعنی جو بدن انسانی سے کچھ لے لیتے ہیں اگر اسے لیکر نہ چھوڑا تو موت ہے اور اگر اجل مسمی تک پھر چھوڑ دیا تو نوم ہے۔

الغرض صدر آیت میں احیاء و اموات ہر دو کو خدائی توفی کے ماتحت رکھ کر ذیل میں ان کا فرق ذکر کیا گیا ہے تو لاچار ماننا پڑتا ہے کہ بے شک توفی مرتبہ لا بشرط شئ میں حیات اور موت دونوں سے مغائیر بھی ہے اور مجامع بھی ورنہ آیت میں توفی کو منقسم الی التوفی مع الامساک اور مع الارسال بنانا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر توفی کو ہر دو اقسام کے مغائر اور مجامع نہ لیا جائے بلکہ موت کا عین کر لیا جائے جیسا کہ مرزائی مدعی ہیں تو پھر تقسیم الشئ الی نفسہ والی غیرہ کا استحالہ لازم آئے گا اور یہ مستلزم ہو گا کہ: " قسم الشئ قسیما له " اور: " قسیم الشئ قسما منه " کو " کما لا یخفی " پس ضرور ہوا کہ مقام تقسیم میں توفی کو عام ہی لیا جائے تا کہ اس کا مقسم بننا درست ہو سکے۔ نیز اگر توفی کو بمعنی موت لیا جائے تو علاوہ استحالات عدیدة کے فی نفسہ آیت کا حسن محو ہوا جاتا ہے۔ کیونکہ اس تقدیر پر آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ اللہ مارتا ہے۔ روحوں کو ان کی موت کے وقت اور اللہ مارتا ہے جو روحیں ابھی نہیں مریں اور نوم کے وقت .... اب اس مضمون کی رکت اور سخافت ملاحظہ فرمائیے کہ اولاً تو موت کے وقت مارے گا کیا مطلب ہے کیا کفار نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ خدا موت سے پہلے ہی مار دیتا ہے۔؟ جس کے جواب میں خدا کہتا ہے کہ خدا مارتا ہے

موت کے وقت ...... ناظرین انصاف کریں کہ : " حین موتھا " کو موت کا ظرف قرار دینا کس قدر لغو ہے۔ دوم صدر آیت میں موت مراد لے کر پھر امساک اور ارسال بالکل غیر مربوط ہوا جاتا ہے کیونکہ امساک وارسال ماقبل میں ذکر اخذ کو متقاضی ہیں اور اس تقدیر پر اخذ کا کہیں تذکرہ نہیں ...... سوم لفظ موت جو مرنے والے ہیں اور جو زندہ رہنے والے ہیں دونوں پر اطلاق نہیں کیا جاسکتا حالانکہ لفظ : " توفی حین موتھا " اور : " والتی لم تمت " دونوں پر اطلاق کیا گیا ہے۔ چہارم موت کی تقسیم الی الامساک والارسال باطل ہے۔ کیونکہ موت توفی مع الامساک کے مساوی ہے جو کہ توفی مع الارسال کا قسیم ہے۔ لہذا مقسم نہیں بن سکتی۔ پنجم موت چونکہ توفی مع الامساک کا نام ہے۔ لہذا موت کے بعد نہ امساک تصور ہے نہ ارسال حالانکہ فیمسک میں اسی غرض سے لائی گئی ہے تاکہ امساک اور ارسال کی بعدیۃ اور ترتیب بالنسبۃ الی التوفی ظاہر ہو جائے۔ ششم اگر بعد الموت بھی امساک یا ارسال متصور ہو تو لازم آتا ہے کہ ہر ایک شخص پر موت کے بعد ایک اور موت طاری ہو یا موت کے بعد پھر حیات اسی عالم میں نصیب ہو۔ ہفتم اس تقدیر پر لازم آتا ہے کہ موت ارواح پر طاری ہوتی ہو کیونکہ آیت میں توفی انفس کا ذکر ہے۔ پس اگر توفی بمعنی موت ہے تو لامحالہ انفس کی موت تسلیم کرنا پڑے گی۔ حالانکہ مرزا قادیانی کے نزدیک بھی ارواح پر الی یوم الحشر فناء نہیں برخلاف اس کے اگر توفی بمعنی اخذ ہو تو پھر کوئی استحالہ نہیں۔ کیونکہ اخذ انفس سے ان کی موت ثابت نہیں ہوتی بلکہ موت بعد الامساک ہوتی ہے۔ رہا یہ کہ پھر موتہا میں موت کی اضافت انفس کی طرف کیونکر صحیح ہے۔ تو جواباً گزارش ہے کہ اس کی جواب دہی ہم دونوں فریق پر مساوی ہے کیونکہ مرزا قادیانی کے نزدیک بھی موت کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ روح انسانی بھی معدوم ہو جائے مگر بطور تبرع وامید نفع خلائق ذکر کرتا ہوں۔ لیکن اس سے قبل ایک مقدمہ عرض کر دینا ضروری ہے اور وہ یہ کہ انفس کا اجساد کے ساتھ اور اجساد کا جو انفس کے ساتھ جو حال و محل کا علاقہ ہے وہ سب کو مسلم ہے۔ پھر یہ بھی معلوم ہے کہ جس طرح انفس صعود وارتقاء میں محتاج الی الاجساد ہیں اس طرح اجساد نقل و حرکت میں محتاج الی الانفس ہیں۔

الغرض جو نفس اور بدن کے علائق ہیں وہ سب پر روشن ہیں اگر مقام میں گنجائش ہوتی تو میں کچھ زیادہ تفصیل سے عرض کرتا مگر سردست اس کو اہل عقل و فہم کے حوالہ کر کے عرض کرتا ہوں کہ یہ باہمی ارتباط و احتیاج اس نوبت کو پہنچ چکا ہے کہ افعال جوارح کا اثر روح پر اور افعال روح کا اثر جوارح پر بیّن طور سے ظاہر ہوتا ہے۔ لہذا جسم کے افعال پر روح کو سزا اور روح کے افعال سے جسم پر مواخذہ ہے۔

پس جبکہ افعال جسم مسند الی الروح اور افعال روح مسند الی الجسم بن سکے تو موت کے جو بحقیقت جسم کے لواحق اور متعلقات میں سے ہے۔ مضاف الی الروح ہونے میں کیا نقص ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اضافہ موتہا میں بادنیٰ ملابست ہے اور یہ تاویل نہیں بلکہ امر حق ہے۔

اگر کوئی اعتراض کرے کہ توفی انفس کے بھی معنے کر لینے چاہئیں تو یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ صدر آیت میں احوال ارواح کا ذکر مقصود بالذات ہے۔ نہ فقط جسم کا اور نہ جسم مع الروح کا۔ اور دلیل اس کی یہ ہے کہ ذیل آیت میں امساک اور ارسال کا ذکر بھی موجود ہے اور یہ علی الاطلاق روح کے ہی حال بن سکتے ہیں نہ فقط جسم کے اور نہ جسم مع الروح کے۔
الحاصل ان سات وجوہ .... سے ظاہر ہو گیا کہ آیت میں توفی سے مراد اخذ ہے نہ موت اس کی تائید میں ایک حدیث بھی تحریر کرتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ آیت میں کسی طرح توفی سے موت مراد نہیں بلکہ اخذ اور قبض ہی مراد ہے۔

صحیح بخاری ج ا ص ۸۳ باب الاذان بعد ذہاب الوقت :

" عن عبدالله بن ابی قتادة عن ابیه قال سرنا مع النبی ﷺ ليلة فقال بعض القوم لوعرست بنأيا رسول الله قال اخاف ان تناموا عن الصلوة قال بلال انا اوقظكم فاضطجعوا واسند بلال ظهره الى راحلته فغلبته عيناه فنام فاستيقظا النبى ﷺ وقد طلع حاجب الشمس فقال يا بلال اين ما قلت قال ماالقيت على نومة مثلها قط قال ان الله قبض ارواحكم حين شاء وردها عليكم حين شاء. الحديث"

اب ملاحظہ فرمایئے کہ ان اللہ قبض ارواحکم میں وہی امر بیان کیا گیا ہے جو اللہ یتوفی الانفس میں مذکور ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ خود آنحضرت نے بھی آیت اللہ یتوفی الانفس میں توفی النفس کو قبض روح سمجھا ہے نہ موت کما قالوا۔

الحاصل جبکہ یہ امر بخوبی منقح ہو چکا کہ توفی سے مراد موت نہیں ہے تو پیغام صلح کے چیلنج کا بھی شافی جواب ہو گیا۔ کیونکہ اس مقام پر فعل توفی ہے اور اللہ فاعل بھی ہے اور مفعول ذی روح ہے باوجود اجتماع ان جمیع شرائط کے پھر معنی موت منتفی ہیں۔

(فائدہ جلیلہ) شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے عوارف میں نفس کے متعلق کچھ کلام کیا ہے جس سے موتہا کی اضافت میں ایک لطیف توجیہ نکل آئی۔ اور ادنیٰ ملابستہ کہنے کی بھی حاجت نہ رہی۔ وہ فرماتے ہیں کہ موت سے جیسا کہ جسم متاثر ہوتا ہے اسی طرح نفس بھی متالم ہوتا ہے۔ وعلیٰ ہذا الاضافۃ علیٰ ظاہرہا ہے۔

آیت دوم: ”وَهُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ. انعام آیت ٦٠“

یہ اقسام توفی میں سے قسم ثانی ہے جس کو اس مقام پر جرح کے مقابل رکھا گیا ہے۔ یہاں بھی موت مراد نہیں۔ باوجودیکہ جمیع شرائط پائے جاتے ہیں کیونکہ اس مقام پر توفی مع الارسال مراد ہے اور یہ توفی مع الامساک کا مقابل اور قسیم ہے: ”کمامر فناھیك آیتین من آیات اللہ“

اس کے بعد میں اس جواب کو نقل کرتا ہوں جو خود مرزا قادیانی کے قلم کا نوشتہ ہے۔ مرزائیوں کو لازم ہے کہ کسی اور جواب کے نقل کرنے سے پیشتر مرزا قادیانی کے اس جواب کو صحیح بنائیں پھر کوئی نیا جواب اپنی طرف سے تراشیں، کیونکہ اپنے نبی سے زیادہ نہ ان کا علم ہے نہ فہم۔ لہذا اگر کوئی بہترین جواب ممکن ہوگا تو یہی ممکن ہوگا جو مرزا قادیانی نے پیش کیا ہے۔

”دو موخر الذکر آیتیں اگرچہ بظاہر نیند سے متعلق ہیں مگر در حقیقت ان دونوں آیتوں میں بھی نیند نہیں مراد لی گئی بلکہ اس جگہ بھی اصل مقصد اور مدعا موت ہے اور یہ ظاہر

کرنا منظور ہے کہ نیند بھی ایک قسم کی موت ہی ہے ...... سوان دونوں مقامات میں نیند پر توفی کے لفظ کا اطلاق کرنا ایک استعارہ ہے۔ جو بہ نصب قرینہ نوم استعمال کیا گیا ہے یعنی صاف لفظوں میں نیند کا ذکر کیا گیا ہے تا ہر ایک شخص سمجھ لے کہ اس جگہ توفی سے مراد حقیقی موت نہیں ہے بلکہ مجازی موت مراد ہے جو نیند ہے۔" (ازالہ اوہام ص ۳۳۲، خزائن ص ۲۶۹ ج ۳)

اس عبارت میں مرزا غلام احمد قادیانی نے تسلیم کر لیا ہے کہ ان ہر دو مذکورہ بالا آیتوں میں ظاہراً توفی سے موت مراد نہیں بلکہ نیند مراد ہے۔ ہاں قاعدہ کے مطرد اور منعکس بنانے کے لئے بالآخر نیند کو بھی موت ہی کی طرف راجع کر دیا گیا ہے تا کہ یہ قاعدہ کلیہ کہ: "جہاں فعل توفی اور اللہ فاعل اور مفعول ذی روح ہے وہاں بجز موت کے اور کوئی معنے نہیں۔" صحیح بن جائے۔

مگر ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے جو ہم ظاہر معنی کو چھوڑ کر فقط قاعدہ کے ٹھکانے لگانے کے واسطے موت مراد لیں ہر چند کہ ہمارے نزدیک جو آیت کے صحیح معنی تھے وہ گزر چکے مگر اس مقام پر بحیثیت منکر ہونے کے میرے لئے گنجائش ہے کہ آیت کے تاویلی معنے تسلیم نہ کروں اور بطور احتمال تھوڑی دیر کے لئے جس کو مرزا قادیانی نے ظاہری معنے ٹھہرا لیا ہے تسلیم کر لوں۔ دوم اس عبارت میں ایک اور معمہ بھی قابل حل ہے اور وہ یہ کہ ابتداء کلام میں تو نیند مراد ہونے کی نفی کی گئی ہے پھر چار ہی سطر پر فرماتے ہیں:

"اس جگہ توفی سے مراد حقیقی موت نہیں ہے۔ بلکہ مجازی موت مراد ہے۔ جو نیند ہے۔"

کس قدر تعجب ہے کہ ابھی چند سطروں کا ہی فصل ہونے پایا تھا۔ جو خود اپنے کلام سے رجوع کر لیا گیا۔ میں نے مانا کہ نیند کو مجازی موت مان کر مراد لیا گیا مگر جب نیند اور مجازی موت شئ واحد ہی ہیں تو پھر مجازی موت مراد ہوتے ہوئے نیند کی نفی کیونکر صحیح ہے۔

سوم اس تقدیر پر توفی بمعنی موت ہو اور موت بمعنی نوم لیا گیا تو اب سوچنا چاہئے کہ کیا آیات قرآنیہ ایسی تاویلات کی متحمل ہیں۔ چہارم اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ توفی آیت مذکور میں بطور استعارہ نوم میں مستعمل ہے تو یہ معنی آیت کے جزء ثانی میں بن سکیں گے نہ جزء

اول میں۔ کیونکہ حین موتہا کے ساتھ توفی بمعنی نوم کسی طرح درست نہیں۔ کیونکہ اس تقدیر پر جزء اول میں موت حقیقی کا بیان ہے اور جزء ثانی میں موت مجازی کا۔ پس اگر توفی کو بمعنی نوم لیا جائے تو لازم آتا ہے کہ حقیقی موت کے وقت بھی آدمی سویا کرتا ہو۔ پنجم جس قدر اعتراضات کہ توفی بمعنی موت لے کر وارد کئے گئے ہیں۔ ان میں سے اکثر توفی بمعنے نوم لے کر بھی وارد ہیں۔ کیونکہ اگر توفی بمعنے موت لے کر توفی مع الامساک کی مساوی بن جاتا ہے تو بمعنی نام لے کر توفی مع الارسال کی مساوی ہو جاتا ہے۔ لہذا اس تقدیر پر بھی بقیہ اکثر استحالات لازم ہوں گے۔

ایک وہم کا ازالہ

شاید کوئی کہے کہ پیغام صلح میں توفی کے معنے قبض روح کے لئے گئے ہیں نہ موت کے اور قبض روح موت اور نوم دونوں سے عام ہے تو جواباً گزارش ہے کہ یہ محض ایک وہم ہے۔ ظاہر ہے کہ مرزائی جماعت اپنے نبی کا خلاف نہیں کر سکتی۔ اور میں پہلے مرزا قادیانی کی نو عبارتیں نقل کر چکا ہوں جس میں انہوں نے تصریح کی ہے کہ توفی سوائے موت کے اور کسی معنے میں مستعمل نہیں۔ اس مقام پر ایک حوالہ اور درج کرتا ہوں۔

"بلا شبہ قطعی اور یقینی طور پر اول سے آخر تک قرآنی محاورہ یہی ثابت ہے کہ ہر جگہ در حقیقت توفی کے لفظ سے موت ہی مراد ہے۔" (ازالہ اوہام ص ۳۳۵ 'خزائن ص ۲۷۰ ج ۳)

بے شک مرزا جی کے کلام میں قبض روح کا لفظ بھی آیا ہے مگر اس سے مراد موت ہی ہے۔ کیونکہ اگر ان کے نزدیک قبض روح کے وہ عام معنے مراد ہوتے تو پھر ہر دو مذکورہ بالا آیتوں میں صاف صورت یہ تھی کہ توفی سے قبض روح مراد لے لیتے۔ اگرچہ یہ بھی صحیح نہ تھا مگر تاہم ان رکیک تاویلات سے بسا غنیمت ہوتا۔ جو مرزا قادیانی نے جواب میں کیں ہیں۔ علاوہ ازیں مرزا قادیانی کے کلام میں خود تصریح بھی موجود ہے کہ موت اور قبض روح ایک ہی معنی ہیں۔

"جب عرب کے قدیم و جدید اشعار و قصائد نظم و نثر کا جہاں تک ممکن تھا تتبع کیا

گیا اور عمیق تحقیقات سے دیکھا گیا تو یہ ثابت ہوا کہ جہاں جہاں توفی کے لفظ کا ذی روح سے یعنی انسانوں سے علاقہ ہے اور فاعل اللہ جل شانہ کو ٹھہرایا گیا ہے۔ ان تمام مقامات میں توفی کے معنی موت اور قبض روح کئے گئے ہیں۔" (ازالہ اوہام ص ۸۸۶، خزائن ص ۵۸۳ ج ۳)

اس عبارت میں مرزا قادیانی نے موت اور قبض روح کو مرادف مانا ہے۔ کیونکہ اگر قبض روح سے مراد عام معنے ہوتے تو ذکر موت محض لغو ہے۔ کیونکہ اس تقدیر پر موت بھی قبض روح کے افراد میں سے ہے جیسا کہ نوم۔ دوم عبارت یوں ہونی چاہئے تھی کہ: "بعض مقامات میں توفی کے معنے موت کے کئے گئے ہیں اور بعض مقامات میں قبض روح کے۔" مگر عبارت میں تو یہ ہے کہ: "ان تمام مقامات میں توفی کے معنی موت اور قبض روح کے کئے گئے ہیں۔"

اب ظاہر ہے کہ قبض روح سے موت کے علاوہ کسی اور معنی کا ارادہ کیا گیا ہوتا تو تمام مقامات میں موت اور قبض روح مراد ہونا محض باطل ہے کیونکہ جہاں موت ہے وہاں پھر دوسرے معنی جو موت کے مغائر ہوں مراد نہیں ہو سکتے۔

نیز ملاحظہ ہو ازالہ ص ۸۸ اس عاجز نے حدیثوں کی طرف رجوع کیا تا معلوم ہو …… آیا یہ لفظ اس وقت ان کے روزمرہ محاورات میں کئی معنوں پر مستعمل ہوتا تھا یا صرف ایک ہی معنے قبض روح اور موت کے لئے مستعمل تھا۔ اب انصاف کیجئے کہ اس عبارت میں کس قدر صاف اور صریح طریق سے مرزا قادیانی نے قبض روح اور موت کو ایک ہی معنی تسلیم کیا ہے جیسا کہ "کئی معنوں کا" مقابلہ بتلا رہا ہے۔ اس لئے میں نے بھی پیغام صلح میں قبض روح سے موت مراد لے کر جواب کی بنا رکھی ہے۔

تا مریدین اور مرشد کے کلام میں اختلاف نہ پیدا ہو۔ اس کے بعد یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اگر قبض روح اپنے عام معنوں کے لحاظ سے لیا جائے تو پھر اس کی نسبت موت اور نوم کی طرف مساوی ہو گی۔ کیونکہ موت اور نوم دونوں میں قبض روح موجود ہے پھر یہ کہنا محض غلط ہو گا کہ موت توفی کے معنی حقیقی ہیں اور نوم غیر حقیقی۔ حالانکہ مرزائی موت کو بمعنی حقیقی اور نوم کو معنی مجازی قرار دیتے ہیں اور اس تقدیر پر یہ کس طرح درست نہیں

کیونکہ قبض روح کی نسبت ...... جیسا کہ موت کی طرف ہے۔ اسی طرح نوم کی طرف ہے یعنی اگر موت میں قبض الروح مع الامساک ہے تو نوم میں مع الارسال۔ بہر حال نفس قبض روح دونوں کے ساتھ مقید نہیں پھر کیونکر نوم اور موت میں فرق کیا جا سکتا ہے۔ لہذا ان مذکورہ بالا وجوہات سے یہ امر محقق ہو گیا کہ مرزا قادیانی کی نیت میں قبض روح اور موت میں سوائے اجمال اور تفصیل کے کوئی فرق نہیں اور نہ مرزا قادیانی کے کلام میں قبض روح کو موت سے عام لیا جا سکتا ہے۔ اسی وجہ سے میں نے بھی پیغام صلح کی عبارت میں قبض روح سے موت مراد لے کر جواب دہی شروع کر دی ہے۔

میرا خیال ہے کہ شاید مرزائی جماعت بھی میرے اس خیال کی تردید نہ کرے گی۔ ورنہ اگر اس نے اس طرف اس خیال کی تغلیط کی تو دوسری طرف اس پر واجب ہو گا کہ مرزا جی کی ان جمیع تحریرات کو پہلے ٹھکرا دے جن میں انہوں نے بمعنی موت کی تصریح کی ہے اور اسی معنے کے لحاظ سے اپنے قاعدہ کی کلیۃ کو بحال رکھا ہے۔ اگر کہا جائے کہ گو مرزا قادیانی کی عبارات میں موت ہی مراد ہے مگر ہم نے جن الفاظ میں دعویٰ پیش کیا ہے کہ اس پر تو اعتراض وارد نہیں ہوتا تو میں عرض کروں گا کہ ایسے مہمل اور ضال و مضل کو پہلے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے نبی یا مجدد کے سر سے تو اعتراضوں کا انبار اٹھائے۔ اس کے بعد اپنے اختراعی قواعد پیش کر لئے ورنہ اس میں کیا کمال ہے کہ اپنے نبی کو تو مجرم و ملزم ٹھہرایا جائے اور اپنی برأت ثابت کی جائے۔

علاوہ ازیں میں سوال کرتا ہوں کہ جن الفاظ میں براہین احمدیہ حصہ پنجم سے دعویٰ نقل کیا گیا ہے وہ تمہارے نزدیک بھی صحیح ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو تم نے آپ ہی اپنے نبی کی تغلیط کر دی۔ اور اگر صحیح ہے تو پھر اعتراضات کی ذمہ داری آپ پر جس حیثیت سے بھی عائد ہو جاتی ہے۔ اگرچہ محض اتباع میں بھی قاعدہ مذکورہ .... سے بحیثیت ایک امتی ہونے کے [illegible] مدافعت ضروری تھی۔ لہذا قبل اس کے آپ اپنے نبی کو اصلاح دیں۔ ان کے اس ت[illegible] اصلاح کی صورت نکالیئے۔ اس کے بعد آخر میں نفس معنے قبض روح پر بھی تھوڑا سا کلا[illegible]تا ہوں۔

واضح رہے کہ جس شخص نے توفی بمعنے قبض روح لیا ہے۔ اسے اولاً ثابت کرنا پڑے گا کہ روح توفی کے معنے میں داخل ہے۔ آیت مذکورہ: " اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ...... الخ. الزمر آیت ٤٢ " میں چونکہ خود آگے انفس کا لفظ موجود ہے۔ لہذا اس سے کوئی احتجاج نہیں ہو سکتا۔ رہا تاج العروس وغیرہ میں توفی الله زیداً کے معنی قبض روحہ کے لکھ دینا۔ سو اس سے بھی استدلال کرنا غایت حماقت کی دلیل ہے۔ کیونکہ لغویین کی مراد اس مقام پر قبض روح سے موت ہی ہے۔ نہ وہ قبض روح جو موت اور نوم دونوں سے عام ہے۔ کیا آپ کے نزدیک توفی الله زیداً بدون قیام قرینہ موت اور نوم دونوں سے ساکت ہے۔ پس لغویین نے روح کا لفظ اس لئے اضافہ نہیں کیا کہ یہ مفہوم لفظ کا جزء ہے بلکہ تبعیة مفعول میں ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ آگے چل کر خود ذکر کروں گا کہ عامۂ ناس کی توفی بصورت موت ہی ہوتی ہے۔ لہذا اسی توفی کو قبض روح سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ نیز اس میں بیان ماخذ معنے عام کا بھی مرعی ہے بخلاف موت کے یہی مراد ہے: " فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ. الكهف آيت ٢٩ " سوم قبض روح اشتقاق لغوی کے لحاظ سے اگرچہ عام ہی ہے مگر عرفاً نائم کی روح کو مقبوض نہیں کہا جا سکتا۔ اور جب عام لوگ اپنے محاورہ میں بولتے ہیں کہ فلاں شخص کی روح قبض ہو گئی تو بیشتر اس سے مراد موت ہی ہوتی ہے۔ حقیقتاً یا تنزیلاً۔ نیز یہ بھی واضح رہے کہ توفی بمعنے قبض روح لے کر پھر آیت آل عمران سے وفات عیسیٰ علیہ السلام پر استدلال کرنا غایۃ ضعیف ہو جاتا ہے۔ ہر چند کہ موت کے معنی لے کر بھی تحریف سے کم نہیں مگر میں مرزا قادیانی کی اس تقریر کے لحاظ سے عرض کرتا ہوں جو انہوں نے براہین احمدیہ میں کی ہے۔

" سو یاد رہے کہ قرآن شریف صاف لفظوں میں بلند آواز سے فرما رہا ہے کہ عیسیٰ اپنی طبعی موت سے فوت ہو گیا ہے جیسا کہ ایک جگہ تو اللہ تعالیٰ بطور وعدہ فرماتا ہے: " يا عيسى انى متوفيك ورافعك الى (حاشيه) "" معلوم رہے کہ زبان عرب میں لفظ توفی صرف موت دینے کو نہیں کہتے بلکہ طبعی موت دینے کو کہتے ہیں جو بذریعہ قتل و صلیب یا دیگر خارجی عوارض سے نہ ہو " (ملاحظہ ہو براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۲۰۵، خزائن ص ۳۷۷ ج ۲۱)

’’اب ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ جبکہ آیت: ’’وَمَاقَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ‘‘اور: ’’وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ ‘‘صرف توفی کے لفظ کی توضیح کے لئے بیان فرمائی گئی ہے کوئی نیا مضمون نہیں ہے۔ بلکہ صرف یہ تشریح مطلوب ہے کہ جیسا لفظ متوفیک میں یہ وعدہ تھا کہ عیسیٰ کو اس کی طبعی موت سے مارا جائے گا۔ ایسا ہی وہ طبعی موت سے مر گیا نہ کسی نے قتل کیا اور نہ کسی نے صلیب دیا۔‘‘

حاشیہ: ’’چونکہ یہودیوں کے عقیدہ کے موافق کسی نبی کا رفع روحانی طبعی موت پر موقوف ہے اور قتل اور صلیب رفع روحانی کا مانع ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے اول یہود کے رد کے لئے یہ ذکر فرمایا کہ عیسیٰ کے لئے طبعی موت ہو گی۔ پھر چونکہ رفع روحانی طبعی موت کا ایک نتیجہ ہے۔ اس لئے لفظ متوفیک کے بعد ورافعک الی لکھ دیا۔‘‘

(ضمیمہ براہین احمدیہ پنجم ص ۲۰۹ ’خزائن ص ۳۸۲ ج ۲۱)

ان عبارات مذکورہ بالا سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ آیت نساء اور آل عموان سے آپ لوگوں کی تلبیس جب ہی چل سکتی ہے جبکہ توفی کو طبعی موت کے معنے میں لیں تا کہ آل عمران میں وعدہ توفی یہودیوں کے بالمقابل بن سکے۔ پس اگر آپ کے نزدیک توفی کے معنی قبض روح ہیں عام اس سے کہ بصورت نوم ہو یا بصورت موت تو پھر انی متوفیک میں موت کہاں سے متعین ہے جائز ہے کہ نوم مراد ہو جیسا کہ مفسرین نے ایک قول یہ بھی لکھا ہے۔ دوم قبض روح میں یہودیوں کا کوئی رد نہیں نکلتا کیونکہ قتل اور صلیب میں بھی قبض روح موجود ہے۔ وعلیٰ ہذا آیت النساء اس کی تشریح بھی نہیں بن سکتی۔ سوم جبکہ مرزا قادیانی نے تصریح کر دی ہے کہ زبان عرب میں توفی طبعی موت کو کہتے ہیں۔

ملاحظہ ہو حاشیہ براہین احمدیہ پنجم ص ۲۰۵ تو پھر قبض روح کے معنی مراد لینا مرزا قادیانی کی صریح مخالفت کرتا ہے۔ چہارم مرزا قادیانی نے جو بڑی سعی و کوشش کے بعد توفی بمعنی موت ہونے کا تبادر پیدا کیا تھا وہ سب کھویا جاتا ہے۔ کیونکہ قبض روح .... موت سے عام ہے۔ پس توفی کو بمعنی قبض روح لے کر تو آپ کی اصل بنیاد یعنی وفات عیسیٰ علیہ السلام ہی کو سخت مضرت پہنچتی ہے۔ الحاصل توفی بمعنی قبض روح اولاً تو مرزا جی

کے بر خلاف دعویٰ ہے۔ دوم اس تقدیر پر علاوہ ان گزشتہ استحالات کے اور چند استحالات ایسے لازم آتے ہیں جن سے ضروری طور پر مرزا قادیانی اور وفات مسیح علیہ السلام کی تکذیب کرنی پڑتی ہے۔ لہذا میں اس معنی کو وہم سے تعبیر کرتا ہوں اور نہیں خیال کرتا کہ کوئی مرزائی ایسے معنی سے اتفاق کر سکے۔

لیجئے آخر میں ہم آپ کو یہ بھی قرآن شریف سے بتلا دیتے ہیں کہ توفی بمعنے قبض روح کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔

توفی بمعنے قبض روح نہ ہونے کا قرآن شریف سے ثبوت

(۱)......... "قال تعالیٰ! وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا .... الخ۔ البقرہ آیت ۲۳٤" اس آیت میں ایک قراۃ حضرت علیؓ کی یتوفون معروفاً بھی ہے۔ اگر توفی بمعنے قبض روح ہو تو پھر آیت کا ترجمہ یوں ہو گا: "اور وہ لوگ جو تم میں سے قبض روح کرتے ہیں۔" حالانکہ یہ بداہت باطل ہے کیونکہ معلوم ہے کہ دنیا میں خدا نے ہم کو قابض ارواح نہیں بنایا۔ بر خلاف اس کے اگر ہمارے بیان کردہ معنے مراد لئے جائیں تو آیت کا مطلب بالکل صاف ہے۔ کیونکہ اس تقدیر پر ترجمہ یہ ہو گا: "اور وہ لوگ جو تم میں سے ہیں۔ چنانچہ اپنی عمر پوری کرتے ہیں .... الخ۔"

چنانچہ تفسیر کبیر جز ٦ ص ۱۳۴ میں اسی آیت کی شرح میں ہے:

" المسئلة اولیٰ "یتوفون معناه یموتون ویقبضون قال الله تعالیٰ (الله یتوفی الانفس حین موتها) واصل التوفی اخذ الشئ وافیًا کاملا' ویقال: توفی فلان' اذا مات فمن قال توفی کان معناه قبض واخذ ومن قال توفی کان معناه توفی اجله استوفی اکله وعمره وعلیه قراءة علی علیه السلام یتوفون بفتح الیاء"

دیکھئے امام نے کس قدر صاف اور صریح طور سے حضرت علیؓ کی قراۃ نقل فرما کر اس کے معنے استیفاء عمر واکل کے لئے ہیں۔ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں۔ بھلا کوئی

مرزائی قبض روح کے معنے لے کر حضرت علیؓ کی قراءۃ کا مطلب بیان تو کر دے ؟ اور اگر نہ بیان کر سکے اور سمجھ لے کہ بے شک توفی بمعنے قبض روح لے کر آیت کا مطلب خبط ہوا جاتا ہے تو وہ جان لے کہ حضرت علیؓ بڑے فصحاء و بلغاء میں سے ہیں۔ بایں ہمہ ان کی قرأت معروفا ہی ہے۔ پھر کیا اس سے صاف نتیجہ نہیں نکلتا کہ قرآن عزیز میں توفی بمعنے قبض روح کا کلیتہ دعویٰ کرنا سر تاپا غلط ہے۔

”قال تعالی! حَتّٰی اِذَا جَآءَ تْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ.“ تفسیر خازن ص ۱۰۲ ج ۲ میں ہے: ”وقیل ان ھذا یکون فی الآخرۃ“ والمعنٰی ” حَتّٰی اِذَا جَآءَ تْهُمْ رُسُلُنَا“ یعنے: ” ملائکة العذاب یتوفو نھم“ یعنی: ” یستوفون عددھم عند حشرھم الی النار“ تاج العروس شرح قاموس میں ہے کہ اسکا قائل زجاج ہے۔ اب آپ ذرا انصاف فرمائیے کہ زجاج جیسا امام لغت اس آیت کو محشر میں تسلیم کرتا ہے۔ اگر توفی بمعنی قبض روح ہے تو پھر کیا محشر میں دوبارہ روحیں قبض کی جائیں گی اور کیا زجاج جیسا لغت دان ایسی فاحش غلطی کر سکتا ہے۔ اس طرح تفسیر کبیر میں اس قول کو سلف میں سے حسن کی طرف منسوب کیا ہے۔ الحاصل یہ امر قرآن شریف سے بھی ثابت ہو گیا کہ توفی بمعنے قبض روح محض غلط ہے ورنہ حضرت علیؓ اور حسن اور زجاج جیسے حضرات پر لغت عرب سے ناواقفیت کا سخت دھبہ لگتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ بلکہ معنی حقیقی مطلقاً قبض واحد میں ہے۔

اب اس کے بعد میں مرزائی قاعدہ کا اصل راز بتلانا چاہتا ہوں تاکہ بیچارہ سادہ مسلمان سمجھ لے کہ اس قاعدہ میں نہ کوئی نور ہے نہ صداقت کی کوئی جھلک۔ فقط عوام پر تلبیس ہے اور کچھ نہیں۔

مرزائی قاعدہ کا راز طشت ازبام ہو گیا

اس پر تو قدرے کافی بحث ہو چکی ہے کہ توفی کے لغوی معنی کیا ہیں اور قرآنی کیا۔ لہذا اب میں چاہتا ہوں کہ عیسیٰ علیہ السلام کی توفی کیوں مجامع مع الرفع ہے اور عوام کی کیوں مجامع مع الموت تاکہ مرزائی قاعدہ کا راز طشت ازبام اور اس کی چھپی ہوئی حقیقت منکشف ہو

جائے۔ اور بشرط انصاف آپ کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ بے شک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توفی عامۃ الناس کی توفی سے مغائر ہی ہونا چاہئے۔ جس سے صاف طور پر آپ پر منکشف ہو جائے گا کہ مرزائیوں کا ایک امر مسلم پر نظیر طلب کرنا اور انعامی اشتہار دینا محض خداع اور ضلالت ہے۔ واللہ الموافق!!!

واضح ہو کہ آیت: "اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ" میں ان دو توفیوں کا ذکر ہے جو بطور عادت ہر بشر سے متعلق ہیں۔ یعنی اخذ مع الارسال اور اخذ مع الامساک اور اس وجہ سے ان دونوں کو ایک ہی آیت میں جمع فرما کر نفس دون نفس کے ساتھ مخصوص نہیں فرمایا۔ بلکہ لفظ انفس مفعول بنا کر تعمیم کی طرف اشارہ فرمایا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ہر انسان کو ان دو توفیوں کے ماتحت آنا ہے بالفعل یا بالقوۃ' بر خلاف اس کے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخصوص توفی کا تذکرہ فرمایا تو پھر خطاب بھی مخصوص کر دیا گیا اور اس تیسری مخصوص توفی کو اپنے اخوین سے منفصل قرار دیا ہے: "کما قال! يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ ۔" پس اولاً مصدر بالعلم فرما کر آگے خطاب غیر مشترک ہی رکھا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وعدہ خداوند عالم کا محض عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا ہے۔ نہ کسی اور کے ساتھ۔ پس جبکہ یہ وعدہ عیسیٰ علیہ السلام ہی کے ساتھ مخصوص طور سے ہے تو اب اس کے لئے کسی نظیر کی تلاش کس قدر لغو ہے۔ کیا اگر زید نے صرف عمر سے ہی کوئی وعدہ کیا ہو تو بکر کو اس امر موعود کے طلب کا حق پہنچ سکتا ہے؟۔ ہرگز نہیں ظاہر ہے کہ جس کے ساتھ وعدہ ہے اس کے ساتھ ایفاء ہونا چاہئے یہ کیا مہمل بات ہے کہ وعدہ تو فقط عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہو اور اس کا ایفاء عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے اور نبیوں کے ساتھ ڈھونڈا جائے جن سے اس امر موعود کا وعدہ بھی نہیں کیا گیا نہ ان سے اس کا کوئی تعلق ہے۔

چنانچہ آیت: "اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ" میں غور فرمائیے کہ کس طرح انفس کی توفی بصورت فعل رکھی ہے جو کہ مفید تجدد ہے اور آیت: "يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ ۔" میں کس طرح صیغہ اسم فاعل ہے جو کہ مفید وعدہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی تو چونکہ ان ہر دو عام توفیوں سے ایک مغائر توفی تھی۔ لہذا علاوہ تغیر سیاق کے لفظ رافعک کا او

اضافہ فرمایا تاکہ بالتصریح معلوم ہو جائے کہ یہ توفی مجامع مع الامساک یا مع الارسال نہیں بلکہ مجامع مع الرفع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سارے قرآن میں بزعم مرزا قادیانی ۲۳ مقامات پر لفظ توفی کا مستعمل ہوا ہے۔ مگر کسی ایک مقام میں بھی توفی کو مجامع مع الرفع نہیں رکھا گیا۔ سوائے حضرت عیسیٰ علیہ لسلام کے، حتیٰ کہ جب نبی کریم کے حق میں اس لفظ کا استعمال ہوا ہے۔ وہاں بھی صرف توفی کا ذکر ہے مگر رفع کا ذکر نہیں: ”کما قال! وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ. یونس آیت ٤٦“ اور یہ نہیں فرمایا کہ: ” نتوفینك ونرفعك“ تاکہ معلوم ہو جائے کہ اطلاق سے غرض یہی ہے کہ آپ کی توفی کسی نئی شان کی نہیں بلکہ اسی قسم کی توفی ہے جو: ” اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ . “میں بیان فرمائی گئی۔

پس خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن عزیز میں تین قسم کی توفیوں کا ذکر ہے:

(۱)...... توفی مع الارسال۔(۲)...... توفی مع الامساک۔(۳)...... توفی مع الرفع، اول کی۔ دو توفیاں آیت: ” اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ . “میں مذکور ہیں جیسا کہ گزرا۔ اور تیسری توفی کا آل عمران میں ذکر ہے جیسا کہ معلوم ہوا۔ چونکہ اول دونوں نوعوں کا جمیع انفس سے تعلق بیان فرمایا گیا ہے۔ لہذا ہم نے اسے غیر منقطع اور سنت دائمی تصور کیا اور تیسری نوع کا مخصوص طور پر عیسیٰ علیہ السلام ہی سے وعدہ کیا گیا ہے نہ سارے جہان سے۔ لہذا ہم نے ان ہی پر مختتم مانا۔ پس کیا ہی بدقسمت ہے وہ شخص جس نے خدا کے خوارق کو عادات اور انعام کو اوہام بنایا اور کیا ہی خوش نصیب ہے وہ جماعت جس نے اس کے احکامات کو اپنے اپنے مقام پر بدوں کج بحثیوں کے تسلیم کیا اور شتان بین مشرق و مغرب۔

جب آپ نے یہ سمجھ لیا تو اب سنئے کہ چونکہ مرزا قادیانی بھی اس امر کو جانتے ہیں کہ اہل اسلام کے نزدیک یہ توفی مخصوص طور سے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہوئی ہے اور کسی کی توفی اس طور سے نہیں واقع ہوئی بلکہ یا نوم کی صورت میں یا موت کی شکل میں ہوئی ہے۔ لہذا قاعدہ بنایا کہ جہاں کہیں اللہ فاعل ہو اور مفعول ذی روح وہاں ہر جگہ موت ہی کے معنی ہوں گے اور ہزار روپے کا اس پر اشتہار شائع کر دیا۔

”اگر کوئی شخص قرآن کریم سے یا حدیث رسول اللہ ﷺ سے یا اشعار قصائد نظم و

نثر قدیم وجدید عرب سے یہ ثبوت پیش کرے کہ کسی جگہ توفی کا لفظ خدا تعالیٰ کا فعل ہونے کی حالت میں جو ذوی الروح کی نسبت استعمال کیا گیا ہو وہ بجز قبض روح اور وفات دینے کے کسی اور معنی پر پایا گیا ہے۔ یعنی قبض جسم کے معنوں میں بھی مستعمل ہوا ہے تو میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر اقرار صحیح کرتا ہوں کہ ایسے شخص کو اپنا کوئی حصہ ملکیت کا فروخت کر کے مبلغ ہزار روپے نقد دوں گا۔“ (ازالہ ص ۹۱۹ حصہ دوم، خزائن ص ۶۰۳ ج ۳)

سادے اور بھولے مسلمان اس دعوے اور اعلان کو دیکھ کر فوراً گردن تسلیم خم کر بیٹھے۔ حالانکہ اس عبارت میں جو کچھ بھی مرزا قادیانی نے ہوشیاری کی ہے وہی ان کے کشف حقیقت کے لئے کافی ہے۔ چنانچہ ملاحظہ فرمایئے اولاً سوائے وفات کے کسی اور معنی پر ہزار روپے کا وعدہ تھا مگر جانتے تھے کہ موت کے علاوہ تو دسیوں جگہ یہ لفظ مستعمل ہوا ہے۔ لہٰذا کسی اور معنی کی تشریح یوں فرماتے ہیں یعنی قبض جسم .... الخ۔ پس ہزار روپے کا وعدہ اس تقدیر پر ہے۔ جبکہ لفظ توفی کا خدا فاعل ہو اور مفعول ذی روح اور پھر وہاں قبض جسم یعنی رفع مع الجسد کے معنی ہوں۔

اے میرے عزیزو! ذرا غور کرو کیا اہل اسلام کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور بھی آسمان پر گیا ہے؟۔ اگر نہیں گیا تو کسی ذی روح کی توفی حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی کیسے ممکن ہے۔ جب خدا نے کسی کو رفع مع الجسد کا وعدہ ہی نہیں دیا سوائے ایک عیسیٰ علیہ السلام کے تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ کسی ذی روح کی توفی اسی طور سے ہو سکے؟۔ جاؤ اور سارے مرزائی زور لگاؤ اور بتلا دو کہ سارے قرآن میں یا کسی حدیث میں کہیں خدا نے سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے کسی اور کو بھی رفع مع الجسد کا وعدہ دیا ہے اور پھر وہاں لفظ توفی کا بھی استعمال فرمایا ہے۔ اگر کوئی مرزائی ایسا دکھا دے تو پھر اسی وقت ہم سے توفی مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ قبض جسم کے معنی میں لے لے مگر اس کی بدقسمتی سے اگر سارے قرآن میں سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے کسی ایک سے بھی یہ وعدہ نہ کیا گیا ہو تو پھر اسے شرم کرنا چاہئے کہ جس کو خدا نے قبض جسم کا وعدہ ہی نہیں دیا وہ کیونکر آسمان پر جا سکتا ہے؟۔

چنانچہ پڑھو قرآن کی آیت: ”وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَلَنَا مِنَ

الْاَرْضِ يَنْبُوْعًا۔ نبی اسرائیل آیت ۹۰"(۲)...... :"اَوْتَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَا لْاَنهارَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا۔ بنی اسرائیل آیت۹۱" (۳)...... :"اَوْتُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَازَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا۔ بنی اسرائیل آیت۹۲" (۴)...... :" اَوْتَاْتِیَ بِااللّٰهِ وَالْمَلآئِكَةِ قَبِيْلاً ۔ ایضاً"(۵)...... :" اَوْيَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ ۔ بنی اسرائیل آیت۹۳"(۶)...... :" اَوْتَرْقٰى فِی السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى ۔ بنی اسرائیل آیت ۹۳"(۷)...... :"تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتاباً نَّقْرَؤُهٗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلاَّ بَشَرًا رَّسُوْلاً۔ بنی اسرائیل آیت۹۳"

یعنی کفار کہتے تھے کہ ہم تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ حتیٰ کہ تو ہمارے لئے زمین سے چشمہ جاری کردے یا تیرے پاس کھجور اور انگور کے باغ ہوں۔ اس کے نیچے نہریں جاری ہوں یا تو آسمانوں کا کوئی ٹکڑا ہم پر ساوے جیسا کہ تو کہا کرتا ہے۔ یا اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو ضامن لے آوے یا تیرے لئے کوئی گھر سونے کا بنایا ہو یا تو آسمان پر چڑھ جائے اور اس پر بھی ہم تیرے چڑھنے کو نہیں مانیں گے جب تک کہ وہاں سے کوئی ایسی کتاب نہ نازل کرے جسے ہم خود پڑھ لیں۔ اے پیغمبر ﷺ ان کو ان سوالات کے جواب میں یہی کہہ دو کہ میرا رب پاک ہے (کہ کوئی اس پر زور و تحکم کر سکے) میں تو صرف ایک (فرمانبردار) بندہ اور رسول ہوں۔"

اس آیت نے ساری بحثوں کا فیصلہ ہی کر دیا۔ اگر لوگ سمجھیں ظاہر ہے کہ کفار نے اس آیت میں محالات سے سوال نہیں کیا بلکہ ان ہی امور سے سوال کیا ہے جو ان کے زعم میں واقع ہو چکی تھی یا نبی کریم ﷺ نے اس کا وعدہ دیا تھا۔ چنانچہ زمین سے چشموں کا پھوٹنا: "فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا۔ البقرہ آیت ٦٠" سے ثابت ہے اور باغوں کا ہونا: "تَبارَكَ الَّذِیْ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهارُ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا۔ الفرقان آیت ١٠" سے ظاہر ہے اور بیت زخرف کا امکان قول خداوند: " وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ وَلِبُيُوْتِهِمْ

اَبْوَابًا وَّ سُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِئُوْنَ ۰ وَزُخْرُفًا ۰ الزحرف آیت ۳۳" سے ظاہر ہے اسی طرح سقوط سماء کا حال اس طرح ارشاد ہوتا ہے :" اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْنُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ۰ سباء آیت ۹" اور اتیان خداوند عالم کا بالملائکہ آیت :"هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلاَّ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰئِكَةُ...... الخ ۔ البقرۃ آیت ۲۱۰" میں مذکور ہے اور صعود والی السماء بحق عیسیٰ علیہ السلام ثابت ہے :"کما قال! وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۰ النساء آیت ۱۵۷، ۱۵۸" رہا نزول کتاب سو وہ تورات موسیٰ علیہ السلام کے نزول سے ظاہر ہے۔ الحاصل ان کے سوالات میں کوئی امر مستعبد اور محال نہ تھا۔ صرف سقوط سماء ایک امر اجنبی معلوم ہوتا تھا۔ لہذا اسی کے ساتھ کما زعمت لگادیا۔ ورنہ جمیع اشیاء ان کے نزدیک ناممکن نہیں تھیں۔ بلکہ واقع تھیں اس وجہ سے ان کا سوال کیا گیا تھا۔ یعنی اگر تو رسول ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ جیسا پہلے رسولوں نے معجزہ دکھلائے ہیں تو نہیں دکھلاتا (افسوس کہ آج مرزائی ان امور کو بھی محال سمجھ رہے ہیں جن کو کفار مکہ تک نے باوجود اس جحود و عناد کے ناممکن نہیں سمجھا) ان سب کے جواب میں آپ ﷺ کو ایک ہی امر کی تعلیم ہوئی۔ یعنی اے محمد ﷺ فرما دیجئے کہ میں تو بشر اور رسول ہوں میرے قبضہ میں کچھ نہیں۔ اگر موسیٰ علیہ السلام نے چشمے جاری کئے یا عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر تشریف لے گئے وغیرہ تو نہ اس وجہ سے کہ ان میں طاقت تھی یا اپنے طوع و اختیار سے ایسا کیا بلکہ خدا نے ان کے ساتھ وعدہ کیا تھا۔ لہذا اس نے پورا کیا مگر میرے ساتھ ان امور کا وعدہ ہی نہیں میں کس طور سے آسمان پر جا سکتا ہوں کیونکہ آسمان پر جانا قوت بشری اور رسل سے خارج امر ہے صرف ایک خدا کے قبضہ میں ہے جسے چاہے لے جائے۔ الحاصل جبکہ سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے کسی اور شخص سے رفع کا وعدہ ہی نہیں ہوا تو پھر کیونکر ہم توفی بمعنے قبض جسم دکھلائیں اور کیوں مرزا قادیانی ہم کو ایسے امر پر ہزار روپے کا اعلان دیں جو ہمارے مسلمات میں سے ہے .... میں پھر مکرر با آواز بلند کہتا ہوں کہ ہمارے نزدیک کسی شخص کی توفی مجامع الرفع نہیں ہوئی۔ ہاں ایک عیسیٰ علیہ السلام کی اگر خداوند عالم قرآن عزیز میں کسی اور کی توفی بھی مجامع مع الرفع قرار دیتا تو ہم اسے بھی تسلیم کر لیتے مگر ہماری نظر

سے نہ کوئی ایک آیت گزری ہے نہ کوئی حدیث۔ اگر مرزائی بتلا سکیں کہ سوائے عیسیٰ علیہ السلام کی کسی اور شخص کی توفی بھی مجامع مع الرفع ہوئی ہو تو ہم ان کے بہت مشکور ہوں گے۔

پس اب ایسے امر پر ہزار روپے کا انعام مقرر کرنا جسے بعض لحاظ سے ہم بھی تسلیم کرتے ہوں بالکل ایسا ہے جیسا کوئی شخص کہے کہ اگر مجھے کوئی دوسرا آفتاب دکھلا دے تو میں اسے دو ہزار روپے انعام دوں گا۔ ظاہر ہے کہ نہ دو آفتاب موجود ہوں گے نہ وہ دکھلا سکے گا۔ اس طرح سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نہ کسی سے خدا نے رفع مع الجسد کا وعدہ کیا ہے نہ توفی قبض جسم کے معنے سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے ملے گی اور وہی زیر بحث ہے۔

ایک ہزار روپے کا چیلنج

لیجئے مرزا کے قاعدہ کے بالمقابل میں بھی ایک قاعدہ پیش کرتا ہوں وہ یہ کہ اگر فعل توفی رفع کے ساتھ مستعمل ہو اور فاعل دونوں کا اللہ اور مفعول ذی روح ذات واحد ہو تو وہاں صرف اخذ مع الرفع ہی کے معنی ہوں گے نہ کوئی اور معنے۔ اگر کوئی مرزائی سارے قرآن میں ایک مقام پر بھی اس کے خلاف دکھلا دے تو اس کو مبلغ ایک ہزار روپے انعام ملے گا۔

میرے دوستو! اگر قواعد بنانے سے ہی نبوت ملتی ہے تو آؤ میں تمہیں اور چند مطرد اور منعکس قاعدہ بتلاؤں پھر کیا تم مجھے بھی نبی بنا کر پوجا کرو گے۔ والعیاذ باللہ!

اگر مرزائی اعتراض کریں کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ خداوند عالم نے عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی ایسا وعدہ کیا ہو جو کسی سے نہیں کیا بلکہ ضروری ہے کہ ان سے قبل بھی کسی سے ایسا وعدہ نہ ہوا ہو تو پھر عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر جانا بھی مسلم نہیں۔

ہر چند کہ یہ اعتراض محض مہمل ہے مگر چونکہ اکثر ان حضرات کی جانب سے یہ سوال اٹھایا جاتا ہے۔ لہذا ایک مقدمہ کی شکل میں اس کا جواب بھی تحریر کرتا ہوں جس کے مطالعہ کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ جمیع شکوک کافور ہو جائیں گے۔ وبہ التکلان

ایک ضروری مقدمہ

یہ مقدمہ ہر ذی فہم کے نزدیک قابل تسلیم ہے کہ جو ذات خالق السموات

والارضین ہے نہ اس کے افعال کی کنہ ہم دریافت کر سکتے ہیں اور نہ ان پر کوئی حق اعتراض رکھتے ہیں۔ چنانچہ قرآن پر نظر ڈالیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ سب سے پہلا سوال آدم علیہ السلام کے خلاف پر ملائکہ کی جانب سے کیا گیا تھا۔ ہر چند کہ یہ سوال معترضانہ نظر سے نہیں بلکہ طالبانہ وسائلانہ طریق پر تھا مگر باایں ہمہ ملائکہ کو پشیمانی اور معذرت سے چارہ نہ لگا اور بالآخر: "سُبۡحٰنَكَ لاَ عِلۡمَ لَنَآ............ الخ۔ البقرہ آیت ۳۲" کہنا پڑا حتی کہ شیطان جو اس معاملہ کو معترضانہ نظر سے دیکھ کر: " خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍ وَّ خَلَقۡتَهٗ مِنۡ طِیۡنٍ۔ الاعراف آیت ۱۲" پکار اٹھا تھا۔ ابد الآباد کے لئے حطب جہنم بن گیا۔ اس ایک ہی واقعہ میں اہل بصیرت اور اصحاب فہم کے واسطے ایک بڑا سبق ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق کو خالق کے ساتھ کیا معاملہ چاہئے۔ عجب نہیں کہ سوال ملائکہ سے بھی مقصود ہو جیسا کہ: "خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ فِیۡ سِتَّةِ اَیَّامٍ ۔ الاعراف آیت ۵۴" میں تعلیم کا راز مضمر تھا۔

الغرض عقل سلیم تسلیم کرتی ہے کہ خدا کی شان بے شک: " لاَ یُسۡئَلُ عَمَّا یَفۡعَلُ" اور ہماری حالت: "وَهُمۡ یُسۡئَلُوۡنَ" ہونی چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان بشر کو ایمان ملائکہ پر ایک نوع کی فضیلت ہے کیونکہ ان کا ایمان مبنی علی الشہادۃ ہے اور ہمارا علی الغیب اس وجہ سے قرآن عزیز میں خصوصیات کے ساتھ مومنین کے اس وصف کو ذکر کیا گیا ہے: " هُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ۔ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ" پس خدائی افعال پر معترضانہ نظر شیطانی خصلت اور گردن تسلیم کرنا سنت انبیاء علیہم السلام اور شعار مؤمنین ہے۔ یہی حنیفیت ہے۔

حنیفیت کیا شئے ہے

حنیفیت مقابل کفر نہیں بلکہ نفس اسلام کی ایک خصوصیت ہے جس سے یہ مراد ہے کہ غیر اللہ کو چھوڑ کر ایک خدا کی طرف متوجہ رہنا کہ پھر یمین و یسار کی طرف میلا
نہ ہو............ چونکہ سب سے اول یہ کلمہ انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت ابراھیم عل

السلام ہی کی زبان سے ادا ہوا ہے اسی لئے ان کو حنیف کہا گیا: ”کما قال! اِنِیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَالسَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۔ انعام آیت ٧٩“ پس حنیفیت دراصل وصف تھا پھر ملت ابراہیم کا لقب بن گیا ہے۔ جیسا کہ شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اسلام کی نسبت دعویٰ کیا ہے۔ الحاصل حنیفیت اسلام میں ایک خصوصیت ہے جیسا کہ: ” وَلٰکِنْ کَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا ۔ آل عمران آیت٦٧“ سے ظاہر ہے۔

رہی تقدیم حنیفیت تو شاید وصف مختص ہونے کے لحاظ سے ہو غالباً اسی وجہ سے حنیفیت کو یہودیت و نصرانیت کا مقابل قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں قومیں اپنے اپنے وقتوں میں: ” اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۔ “ میں سے تھیں۔ مگر حنیف نہ ہونے کے باعث ضَآلِّیْنَ اور مَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ سے بن گئیں ولہذا قرآن مجید میں: ” اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۔ “ کے بعد: ” غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَاالضَّآلِّیْنَ ۔ “ فرمایا تاکہ ان سے احتراز ہو جائے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ ہم مومن اور متبع ملت ابراہیمی جب ہی کہلا سکتے ہیں جبکہ ہمارا غیوب پر ایمان ہو اور فضول تشویشیں بے جا سوال و جواب کے بدوں خدائی قصص و احکام کی تسلیم ہو۔

اس کے بعد قرآن عزیز میں خدائی افعال پر اعتراض کفار کی جانب سے بھی منقول ہے: ”وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْآنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ ۔ الزخرف آیت ٣١“ یعنی کفار مکہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن مکہ و طائف کے کسی بڑے رئیس پر کیوں نہ اترا ایک یتیم پر کیوں نازل ہوا ہے۔

مرزائیوں کے نزدیک تو اس سائل کا سوال جس میں سراسر مرزا قادیانی کی روح ہو گی بہت عمدہ اور موزوں ہونا چاہئے کیونکہ ظاہر ہے کہ قرآن ایک بڑی نعمت ہے وہ تو کسی بڑے شخص ہی کے مناسب ہے۔ جیسا کہ بزعم مرزا قادیانی امت محمدیہ ﷺ میں سوائے ان کے …… کسی کو نبوت نہ مل سکی مگر بارگاہ ایزدی میں اس اعتراض کی جو وقعت ہوئی وہ آئندہ فرمان عالی سے ظاہر ہے: ”(فقال) اَهُمْ یَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۔ (بل) نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَهُمْ مَّعِیْشَتَهُمْ …… الخ ۔ الزخرف آیت ٣٢“ یعنی کیا تیرے پروردگار

کی رحمت وہ تقسیم کرتے ہیں ؟۔ ہرگز نہیں بلکہ اپنی رحمت کے ہم تقسیم کرنے والے ہیں۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے :" اَللّٰہُ اَعۡلَمُ حَیۡثُ یَجۡعَلُ رِسَالَتَہٗ. الانعام آیت ١٢٤ " یعنی خدا ہی خوب جانتا ہے جس جگہ وہ اپنی رسالت کو رکھتا ہے۔ پس جو تقسیم کرنے والا ہے وہ تم سے زیادہ عالم ہے۔ یہ بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ ملائکہ کے مقابلہ میں کہا تھا کہ :" اِنِّیۡ اَعۡلَمُ مَالاَ تَعۡلَمُوۡنَ. البقرہ آیت ٣٠ " آئندہ ارشاد فرماتے ہیں : "(بل) نَحۡنُ قَسَمۡنَا...... الخ. الزخرف آیت ٣٢ " یعنی نبوت اور رسالت تو ایک بڑا امر ہے زندگی کے سامان جیسے معمولی شے کے بھی ہم ہی تقسیم کرنے والے ہیں تو جیسا کہ تم یہ سوال نہیں کرسکتے کہ فلاں کو رئیس کیوں بنایا اور فلاں کو غریب کیوں ؟ اسی طرح تمہیں اس سوال کا بھی حق نہیں کہ فلاں کو کیوں نبی بنایا اور فلاں کو کیوں نہ بنایا یہ سب اس وجہ سے ہی کہ خدا میں صفت علم سب سے اعلی ہے اور اس کی شان وہی ہے جو خود اس نے قرآن عزیز میں بیان فرمائی یعنی :" لاَیُسۡئَلُ عَمَّا یَفۡعَلُ وَھُمۡ یُسۡئَلُوۡنَ. الانبیاء آیت ٢٣ " یعنی خدا کے افعال پر خدا سے کوئی بازپرس کوئی سوال نہیں کیا جاسکتا۔

اس مقام پر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ معیشت کو بینھم رکھا ہے مگر نبوت کو نہیں رکھا۔ اس کے بعد تقسیم دونوں کی اپنے ہاتھ میں لی ہے۔ یعنی یوں نہیں فرمایا کہ :" اَھُمۡ یَقۡسِمُوۡنَ رَحۡمَتَ رَبِّكَ . الزخرف آیت ٣٢ " برخلاف اس کے دوسرے جملہ میں : "(بل) نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَیۡنَھُمۡ مَّعِیۡشَتَھُمۡ ." پس اول تو تقسیم رحمت یعنی نبوت سے اطلاع دی ثانیاً :" اَللّٰہُ اَعۡلَمُ حَیۡثُ یَجۡعَلُ رِسَالَتَہٗ. الانعام آیت ١٢٤ " میں مخصوص افراد کو بخشنا بیان فرمایا گیا ہے ثالثاً :" اَللّٰہُ یَصۡطَفِیۡ مِنَ الۡمَلآئِکَۃِ رُسُلاً وَّمِنَ النَّاسِ. الحج آیت ٧٥ " میں نبوت کا اصطفاء پر مبنی ہونا مذکور ہوا۔ اس سے مستفاد ہوا کہ نبوت امت محمدیہ میں بطور فیضان جاری نہیں ہوسکتی۔ اولاً تو اس وجہ سے کہ نبوت بینھم رکھی ہی نہیں گئی بلکہ جس امر کی تقسیم بینھم ہے۔ وہ معیشت ہے۔ ثانیاً اس وجہ سے کہ نبوت ان افراد کو جو خدا کے علم میں ہیں مل چکی ہے۔ بطور اصطفاء نہ بطور کسب لہذا کسب بے کار۔ ثالثاً اس وجہ سے کہ خود قرآن عزیز نے بتلادیا ہے کہ تقسیم تام ہوگئی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا

ہے کہ :" اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ ....الخ ۔
المائدہ آیت ۳" لہٰذا کسی جدید قسم کی گنجائش نہیں۔

اس آیت میں اولاً چند امور قابل غور ہیں پہلے تو یہ کہ دین کا اکمال ذکر فرمایا اور نعمت کا اتمام پھر یہ کہ تکمیل دین میں لکم فرمایا اور اتمام نعمت میں علیکم نہ فیکم' پہلے سوال کی نسبت گزارش ہے کہ لغویین نے تصریح کی ہے کہ کمال بحسب الاوصاف ہوتا ہے اور تمام بحسب الاجزاء خصوصاً جبکہ یہ دونوں لفظ ایک ہی آیت میں مجتمع ہیں تو پھر تفریق ضروری ہے۔ جیسا کہ شیخ سید محمد آلوسیؒ نے تفسیر روح المعانی میں فرمایا ہے کہ :"اذا اجتمعا افترقاو اذا افترقا اجتمعاو علیٰ ہذا" دین کے ساتھ اکمال ہی مناسب تھا کیونکہ اصول دین جمیع شرائع میں واحد ہی رہے ہیں۔ لہٰذا دین محمدی میں تکمیل اوصاف کے ہی لحاظ سے رہی مگر نبوت فقط اوصاف کے لحاظ سے کامل نہیں ہوئی بلکہ بلحاظ اجزاء بھی مکمل ہو چکی ہے جو اس مقام پر افراد نبوت سے عبارت ہیں وعلیٰ ہذا خاتم النبیین کی فقط یہ مراد لینا کہ آپ ﷺ جیسا کامل نبی اب کوئی نہ ہوگا اور امتی نبی برابر ہوتے رہیں گے محض غلط ہے۔ کیونکہ ختم نبوت فرع ہے اتمام نعمت کی اور جبکہ اتمام نعمت بحسب الاجزاء ہے تو لامحالا خاتم النبیین باعتبار الافراد ہوگا نہ بحسب الوصف جیسا کہ حدیث :" وانا اللبنۃ میں اقامۃ الافراد" مقام الاجزاء ہی ہے۔

مجھے حیرت ہے کہ جملہ اولیٰ میں باوجود یہ کہ دین کی تکمیل مذکور ہے۔ مگر باایں ہمہ کوئی مرزائی قرآن عزیز کے بعد کسی نئی شریعت کا قائل نہیں ہوا۔ اور جملہ ثانیہ میں حالانکہ تتمیم نعمت مصرح ہے مگر پھر بھی نبوت کو جاری ہی مانا جاتا ہے۔ پس اگر اتمام نعمت کسی جدید نبی کی بعثت کے منافی نہیں ہے تو پھر تکمیل دین کسی جدید دین کے لئے کیونکر مانع ہو سکتی ہے؟۔ رہا:" اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ" فرمانا نہ " فیکم" یہ اسی بناء پر ہے کہ نظر شریعت میں نبوت جاری نہیں بلکہ مسدود ہے۔ لہٰذا عند البیان تمامیۃ علینا ہی انسب ہے نہ فینا الحاصل ایک طرف تو تقسیم نبوت کا تذکرہ' دوسری طرف اتمام نعمت کا اعلان۔ اس کے بعد خاتم النبیین کی خبر یہ سارے اجزاء بداہتہً دلالت کرتے ہیں کہ اب آئندہ نبوت جاری نہیں۔

کیونکہ جب تقسیم تام ہو گئی تو اب نہ ظلی کی گنجائش ہے نہ بروزی کی۔ یہ سارے اقسام خدائی تقسیم کی تمامیت کے بعد حادث ہوئے ہیں۔ لہذا محض دجل ہیں۔ یہ ایک بحث درمیان میں آگئی جس کی اس مقام پر تفصیل مد نظر نہیں۔ لہذا میں اپنے اصل بیان کی طرف رجوع کر کے کہتا ہوں کہ جب مقدمہ بالا سے یہ امر واضح ہو گیا کہ معیشت جیسی معمولی شی پر بھی ہمیں بارگاہ خداوندی میں سوال کا کوئی حق نہیں ہے تو نبوت یا خصائص نبوت یا کسی اور شے اہم کی نسبت کیا حق ہو سکتا ہے۔

پس اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع اور حیات میں نیچریانہ سوالات اور فلسفانہ اوہام پیدا کرنا قطعاً شیطان لعین اور کفار مکہ کی اقتداء کرنا ہے۔ مرزا قادیانی اور ان کے متبعین کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کے بارے میں ایک بڑا اشکال یہ بھی ہے کہ جب ان سے قبل کوئی نبی آسمان پر نہیں گیا تو عیسیٰ علیہ السلام کیسے جا سکتے ہیں ؟۔

معزز حضرات! یہ محض ایک مہمل اور احمقانہ سوال ہے کیونکہ اسکا لازم یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خاتمیت کا بھی انکار کر دیا جائے کیونکہ آپ ﷺ سے پیشتر کوئی خاتم نہیں گزرا۔ قرآن شریف کے معجز ہونے کا بھی انکار کیا جائے کیونکہ قرآن سے قبل کوئی کلام معجز نازل نہیں ہوا۔ شق القمر بھی غیر مسلم ٹھہرے کیونکہ پہلے کسی نے قمر کو شق نہیں کیا۔ معراج بھی ایک فسانہ ہو جائے کیونکہ کبھی کسی کو معراج نہیں ہوئی۔ اسی طرح کوہ طور' ناقہ صالح علیہ السلام یہ سب امور محض حکایات ہوں کیونکہ نہ کسی نبی کے لئے سوائے موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور ہوا نہ کسی کے لئے سوائے صالح علیہ السلام کے ناقہ' دوم اس اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ کوئی صفت کسی نبی میں جب پائی جا سکتی ہے۔ جب اس کا تحقق نہ صرف ایک نبی میں بلکہ جمیع انبیاء علیہم السلام میں پہلے ہو گیا ہو کیونکہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کے رفع و حیات سے اس لئے انکار ہے کہ ان سے پیشتر کوئی ایسا نبی نہیں گزرا جو مرفوع الی السماء ہو تو میں عرض کروں گا کہ اگر بالفرض آپ ﷺ سے پیشتر کوئی ایسا نبی گزر بھی جاتا جب بھی عیسیٰ علیہ السلام کا رفع مرزا قادیانی کے اصول پر قابل تسلیم نہ ہوتا کیونکہ پھر اس نبی میں کلام جاری ہوگا اور اس کا رفع جب قابل تسلیم ہے جب اس سے پیشتر کوئی نبی آسمان پر جا چکا ہو وہکذا۔

پس ایسے مہمل اعتراض کرنا آدمی کی نبوت پر ہی نہیں بلکہ ایمان و عقل پر سخت بد نما داغ کا باعث ہیں۔

دیکھو قرآن عزیز تصریح کرتا ہے کہ :" تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ . البقره آيت ٢٥٣" یعنی یہ رسول ہیں جن میں ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ پس بعض ان میں سے وہ ہیں جن سے خدا نے کلام کیا ہے اور وہ یہی ہیں جن کے مرتبہ بلند کئے تو خود قرآن ہی نے تصریح کر دی کہ فضیلت من کل وجہ کسی کو نہیں سوائے ایک ذات واحد عزاسمہ کے ہاں۔ بعض کو فضیلت کلیہ ضرور ہے مگر فضیلت کلیہ من کل وجہ میں فرق ہے۔ کون نہیں جانتا کہ موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے افضل تھے مگر پھر بھی خضر علیہ السلام میں ایک وہ علم تھا جس سے موسیٰ علیہ السلام بے خبر تھے اور کیا قرآن میں نہیں ہے کہ :" وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ . يوسف آيت٧٦" وعلیٰ ہذا لباب مفاضلۃ مخلوق سے چل کر خالق تک پہنچتا ہے اور ایک خدا ہی کی ذات پر منتہی ہے جسے ہر جہت سے جمیع ماسوا پر ایسی فضیلت ہے کہ اس کا افضل کہنا بھی بے ادبی میں داخل ہے کیونکہ مفاضلۃ متماثلین میں ہوتا ہے۔"نه من له مثل و من ليس له مثل" میں الحاصل رفع درجات اور فضیلت اور شے ہے اور کسی خصوصیت جزئیہ میں کسی نبی کا کسی سے متفرد ہو جانا امر دیگر بلکہ منطوق قرآن عزیز ہے۔

جیسا کہ :"مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَات . البقره آيت ٢٥٣" سے واضح ہے۔

پس کیا اگر نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں کوئی کوہ طور نہ تھا۔ آپ ﷺ کے پاس صالح علیہ السلام جیسی ناقہ نہ تھی یا موسیٰ علیہ السلام جیسا عصاء نہ تھا تو آپ ﷺ اس وجہ سے العیاذباللہ !مفضول ہو گئے۔

ہرگز نہیں۔ کیونکہ دارومدار فضیلت کلیۃ کا تقرب پر ہے نہ عصاء پر نہ کوہ طور پر اور نہ رفع الی السماء پر کیونکہ معجزات ہر زمانہ میں احوال کے لحاظ سے مختلف رہے ہیں۔ لہذا معجزات سے اگر فضیلت نکالنی ہے تو پھر مرزائی جواب دیں کہ کیا مرزا قادیانی نے اپنے

معجزات نبی کریم ﷺ کے معجزات سے سینکڑوں درجہ زیادہ بیان نہیں کئے۔ اگر آنحضرت کے معجزات کی تعداد چند ہزار لکھی ہے تو اپنے معجزات کی تعداد تین لاکھ اور براہین احمدیہ میں ایک کروڑ سے زیادہ بیان کی ہے تو کیا یہ صریح مقابلہ اور دعویٰ افضلیت نہیں ہے۔

پس اے میرے دوستو! دہریوں کا راستہ چھوڑو اور اہل ایمان کی راہ لو۔ اگر سلامتی درکار ہے۔ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات سے اس لئے انکار ہے کہ ان سے قبل کوئی نبی ایسا نہیں گزرا تھا تو پھر قرآن کے معجز ہونے کا بھی انکار کرو گے یا اس جیسا کلام معجز بھی کوئی اور دوسرا بتلاؤ گے۔ اگر نہیں تو کیوں خدائی افعال پر اعتراض کرتے ہو اور کیوں انہیں اپنے عقلی اعتراضات کی بناء پر رد کرنے کھڑے ہو جاتے ہو۔ اگر خدا نے اپنی قدرت کاملہ کے اظہار کیلئے کبھی کوئی امر ظاہر کر دیا تو کیا ضروری ہے کہ ہمیشہ ویسا ہی ہوا کرے۔ یاد کرو جبکہ بنی اسرائیل نے خدا کے بہت سے نبیوں کو قتل کیا۔ پس اگر خدا نے بنی اسرائیل کے آخری نبی کو اپنی اظہار قدرت کی غرض سے مع الجسد اٹھا لیا تاکہ دنیا دیکھ لے کہ اگر خدا چاہے تو ایسا بھی کر سکتا ہے تو اس میں کیا استحالہ ہے؟۔ کیونکہ اب معاملہ قتل کا ختم کرنا تھا۔ لہذا ایک نبی کو اٹھا بھی لیا۔ چنانچہ ان کے بعد پھر قتل کی سنت معدوم ہو گئی۔ لہذا اب عیسیٰ علیہ السلام کا مخصوص رفع تسلیم کر لیا جائے جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے۔

یاد رکھو کہ ہر ما بالعرض ما بالذات کی طرف منتہی ہوتا ہے۔ پس حکمت کے باب میں ما بالذات صرف ایک خدا کی ذات ہے۔ لہذا ہم سے یا کسی سے کیوں ایسے سوالات کئے جاتے ہیں۔ ہماری کیا قدرت ہے کہ ہم جمیع اشیاء کی حکم بیان کر سکیں؟۔ ہمیں تو ایک گھاس کے تنکے کی حکمت بھی معلوم نہیں۔ اتنا سمجھ لینے کے بعد میں امید کرتا ہوں کہ انشاء اللہ! جمیع اوہام مندفع ہو گئے ہوں گے اور آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ توفی کا لفظ جس میں مرزا جی نے ساری عمر صرف کی اور پھر بھی حق تک ان کی رسائی نہ ہوئی آج اس کو اسلام کے ایک ادنیٰ غلام نے کماحقہ واضح کر دکھایا۔ اور بتلا دیا کہ مدعی نبوت کی ساری کائنات۔ از قبیل اضغاث احلام تھیں۔

ہر چند کہ میرے ذہن میں اس لفظ کے متعلق ابھی کچھ اور بھی فوائد ہیں جن کو

بوجہ طوالت ذکر کرنا پسند نہیں کرتا کیونکہ ایک ہدایت کے طالب کے لئے اس اختصار ہی میں کفایت دیکھتا ہوں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

از ریختہ قلم استاذ الاساتذہ انور الشموس المستنیرہ
حضرت مولانا الحاج المولوی السید محمد انور شاہ صاحب کشمیری
صدر نشین مسند تدریس دار العلوم دیوبند

متعنا الله بعموم فيوضه وطول حيوته

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العلمين والعاقبة للمتقين والصلوة والسلام علىٰ رسوله محمد وعلىٰ اله واصحابه اجمعين . اما بعد !

احقر محمد انور شاہ کشمیری عفاء اللہ عنہ اہل اسلام و اہل حق کی عالی خدمت میں عرض گزار ہے کہ احقر رمضان سال گزشتہ ۱۳۴۱ھ میں بغرض زیارت والد ماجد کشمیر گیا تھا۔ وہاں بضرورت شرعی ومذہبی قادیانی فرقہ کے متعلق متعدد تقریروں کا اتفاق ہوا اور اس کا بھی اعلان کیا کہ جو کوئی بعد خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کے دعوائے نبوت اور تحدی اور اپنے منکرین کی تکفیر کرے وہ باجماع امت محمدیہ کافر ہے اور جو کوئی ایسے مدعی کے کفر میں تردد کرے وہ بھی قطعاً کافر ہے۔

چنانچہ قادیانی اور لاہوری جماعت نے اپنے اخباروں میں حقیر کی نسبت طعن و تشنیع بھی کی جس کی کوئی پرواہ نہیں۔ احقر جب واپس دار العلوم دیوبند میں حاضر ہوا تو فارغ التحصیل طلبہ اور بعض حضرات مدرسین کو اس جانب توجہ دلائی کہ اس فتنہ عظیم میں اپنا فرض ادا کریں۔

چنانچہ بحمد اللہ وتوفیقہ ان چند مہینوں میں آٹھ دس رسالے تالیف ہو چکے ہیں۔ جو انشاء اللہ تعالیٰ طبع ہوتے رہیں گے۔

سر دست جناب مستطاب مولوی بدر عالم صاحب مدرس دار العلوم کا رسالہ متعلق مسئلہ حیات عیسیٰ علیہ السلام پیش کیا جاتا ہے۔ مولوی صاحب موصوف و ممدوح نے احقر کی استدعا پر یہ رسالہ تالیف کیا ہے۔ امید غالب ہے کہ اہل حق و اہل دین و اہل علم ان صحیح اور لطیف مضامین کو دیکھ کر جناب مؤلف او صلہ اللہ الیٰ غایۃ مایتمناہ کے لئے ترقی مراتب دینیہ و دنیویہ دیں گے۔

والسلام!

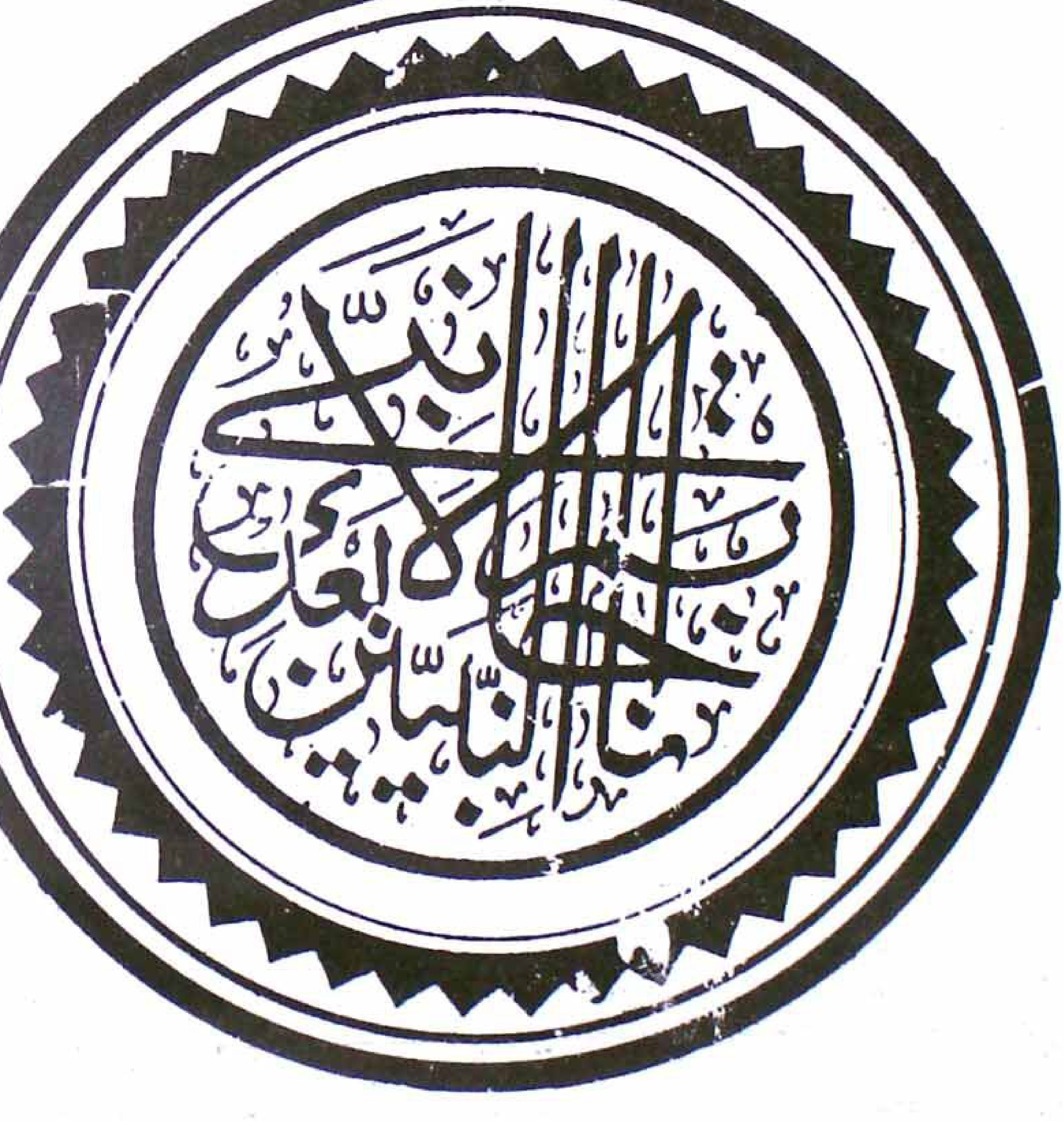
انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

احتساب قادیانیت جلد پنجم

☆...... بحمدہ تعالیٰ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے ''احتسابِ قادیانیت'' کے نام سے چار جلدوں میں مولانا لال حسین اخترؒ ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا حبیب اللہ امرتسریؒ، حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ کے ردِ قادیانیت کے مجموعہ رسائل کو جمع کیا تین جلدیں شائع ہوگئی ہیں چوتھی جلد عنقریب شائع ہو رہی ہے انشاء اللہ

☆...... اس وقت پانچویں جلد کی تیاری کا کام شروع ہے حجۃ اللہ علی الارض شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد علی مونگیرویؒ کی خانقاہ مونگیر شریف سے صحیفہ رحمانیہ کے نام پر چوبیس رسائل شائع ہوئے تھے پانچویں جلد ان ''صحائف رحمانیہ'' کے مجموعہ پر مشتمل ہوگی۔

☆...... قارئین سے درخواست ہے کہ ''احتسابِ قادیانیت'' کے نام سے شائع ہونے والی اس کتاب کی تمام جلدوں کو خرید کر اپنی اپنی لائبریریوں کی زینت بنائیں اس سے انشاء اللہ امت مرحومہ کے تمام اکابرین کے رشحات قلم کا خزینہ آپ کے پاس جمع ہو جائے گا۔

☆...... اللہ تعالیٰ نے توفیق عنایت فرمائی تو امید ہے کہ یہ سلسلہ بیسوں جلدوں پر محیط ہوگا صدیوں پہلے کا خزانہ نئے انداز میں مرتب ہو کر آپ کے قلوب وجگر کو جلاء بخشے گا۔

☆...... یہ کام تحریکی انداز میں آگے بڑھانے کا ہے تمام رفقاء اس کی طرف توجہ فرمائیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق بخشیں۔

نوٹ احتساب جلد اول قیمت 100 روپے جلد دوم 100 روپے جلد سوم 100 روپے جلد چہارم زیر طبع ہے۔

رابطہ کے لئے دفتر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ ملتان فون 514122

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

آواز حق

محدث کبیر

حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی رح

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

تعارف

الحمدللہ وکفی وسلام علیٰ خاتم الانبیاء۰ اما بعد!

محدث کبیر مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھیؒ کے رسائل کو جمع کرنے کے لئے تگ ودو شروع کی تو الحمدللہ! تمام رسائل عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی کتب خانہ میں موجود پائے۔ البتہ ایک رسالہ ”آواز حق“ کے متعلق ترجمان السنۃ کے مقدمہ میں مولانا آفتاب عالم مدنی نے تذکرہ کیا تھا وہ نہ مل سکا۔ ہفت روزہ ختم نبوت کراچی، ماہنامہ لولاک ملتان، ماہنامہ الجمعیت اسلام آباد میں مخدوم العلماء حضرت مولانا عزیز الرحمن جالندھری دامت برکاتہم نے اعلانات شائع کرائے لیکن کہیں سے جواب نہ آیا۔ دار العلوم دیوبند کے نائب مہتمم اور کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کے ناظم عمومی، یادگار اسلاف حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری دامت برکاتہم کو دار العلوم دیوبند عریضہ تحریر کیا۔ آپ نے دار العلوم دیوبند کے کتب خانہ کی فہرست نمبر ۹۴۷۴۴ سے اس کی فوٹو کاپی بھیج دی۔ رب کریم کے فضل سے یوں حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھیؒ کے رد قادیانیت پر جملہ رشحات قلم میسر آگئے۔ حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم کے انتہائی شکر گزار ہیں۔ وہ ہمیشہ ایسے مواقع پر علمی تعاون فرماکر ممنون احسان فرماتے ہیں۔ اس رسالہ کی اشاعت کا باعث کیا تھا اس کی تفصیل رسالہ کے مقدمہ میں موجود ہے۔ احتساب قادیانیت جلد چہارم کا یہ آخری رسالہ ہے جو حضرت قاری محمد عثمان منصور پوری مدظلہ کے شکریہ کے ساتھ شامل اشاعت ہے۔

فقیر اللہ وسایا

۷/۶/۱۴۲۲ھ

۲۷/۸/۲۰۰۱ء

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

مقدمہ

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

الحمد لله رب العالمين، الصلوٰة والسلام علىٰ سيدالمرسلين، خاتم النبيين، رحمة للعالمين صل الله عليه وآله واصحابه وسلم. كنتم خيرامة اخرجت للناس. اليوم اكملت لكم دينكم و اتممت عليكم نعمتی ورضيت لكم الاسلام دينا.

امابعد۔ لاکھ لاکھ شکر ادا کیجئے اس خلاق لم یزل کا جس نے ہمیں دین اسلام سے مالا مال کیا اور ہم کو بہترین امت بنایا۔ اسی پیارے اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لیے فخر موجودات سرور کونین کو مبعوث فرمایا جس کے وسیلہ سے ہم کو اس خالق کا پیارا کلام پہنچا جو بہرصورت ہمارا دستور العمل، ہمارا دین اور ہمارا قانون ہے۔ افسوس ہزار افسوس کہ آپ محمد رسول اللہؐ کے امتی اس پیارے کلام الٰہی سے جس میں ہماری بہبودی کے سینکڑوں نسخے موجود ہیں۔ ناواقف ہیں اور ہوتے جارہے ہیں۔ دیکھئے اور غور کیجئے مسلمانوں کی بے بسی اور بے کسی پر آنسو بہایئے۔ چاروں طرف سے اسلام نرغے میں ہے اور مذاہب باطلہ برابر اپنی تبلیغ واشاعت میں مصروف ہیں۔ مگر مسلمان اور صرف مسلمان اپنے اس اہم فرض سے غافل ہی نہیں بلکہ لاپرواہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ باطل پرستوں کے حوصلے بڑھ رہے ہیں اور وہ برابر اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ غداری پر آمادہ

ہیں اور عقائد اسلام کی اعلانیہ تخریب و تضحیک میں مصروف اور اسلام کی مقدس روایات کا انتہائی جسارت کے ساتھ استخفاف کر رہے ہیں۔ اٹھئے اور کمر بستہ ہو جایئے۔ باطل کا ڈٹ کر مقابلہ کیجئے۔ جان و مال‘ عزت و آبرو اللہ اور اللہ کے حبیب اکرم خاتم النبیین ؐ کی رضا مندی کے لیے وقف فرما دیجئے۔ اسلام خالق دو جہاں کا پسندیدہ مذہب ہے۔ دیکھئے کہیں باطل پرستوں کے ہتھکنڈوں سے اسے ضرر نہ پہنچے۔ تاریخ اسلام کا مطالعہ فرمایئے اور غور فرمایئے سلف کے مسلمان کیسے سرفروش اور جانباز تھے۔ رسول اکرم ؐ نے تبلیغ دین کے لیے کیا حکم نافذ فرمایا اور آنحضرت ؐ نے کیسی کیسی صعوبتیں برداشت کیں۔ خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسلام کو کیسے فروغ دیا اور کس طرح مقابلہ کیا۔ ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ علیہم اجمعین حامی دین متین نے حفاظت اسلام کے لیے کیسی کیسی تکالیف کا سامنا کیا۔ مذاہب باطلہ کی کیسی درگت بنائی اور کیسا ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام مٹ نہیں سکتا۔ قرآن محرف ہو نہیں سکتا۔ مگر یہ سمجھتے ہوئے باوجود عقل و خرد رکھنے کے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھنے اور دنیا ہی کے طالب و سرشار رہنے سے کوئی فائدہ نہیں۔

ناظرین کرام: یاد ہو گا ۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۲ھ کو بتقریب جلسۂ میلاد النبی ؐ اندرون بادشاہی عاشور خانہ جس کو تاجران اہل سنت والجماعت سالار جنگ بلڈنگ نے منعقد کیا تھا۔ مولانا الیاس صاحب برنی پروفیسر معاشیات جامعہ عثمانیہ نے بعنوان ختم نبوت ایک مبسوط تقریر فرمائی تھی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد انجمن احمدیہ حیدر آباد کی جانب سے مولانا موصوف کی تقریر پر چند بے معنی اور لغو اعتراضات ایک پمفلٹ کی صورت میں شائع کئے گئے۔ جس کو راقم نے جناب مولوی دلدار علی صاحب الفت حیدر آبادی متعلم جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی خدمت میں روانہ کیا اور استدعا کی کہ یہ تردید جو انجمن احمدیہ کی جانب سے شائع ہوئی ہے اس کا مدلل جواب جامعہ کے کسی استاذ سے مرتب کروا کر فوراً روانہ کیا جائے تا کہ جلد شائع کیا جا سکے۔ مولوی دلدار علی صاحب الفت حیدر آبادی جو جامعہ کے ایک قابل اور سرفروش طالب علم ہیں۔ اس تردید کو حضرت العلامہ مولانا محمد بدر عالم صاحب میرٹھی استاذ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی خدمت میں پیش فرمایا۔ مولانا موصوف جیسے جلیل القدر عالم اور جیسے مناظر ہیں غالباً تمام ہندوستان میں کوئی شخص آپ کی ذات ستودہ صفات سے ناواقف نہیں۔ حضرت مولانا نے بکمال خلوص و بخیال تحفظ اسلام احمدیوں کی اس تردید کا مکمل جواب بذریعہ مولوی دلدار علی صاحب روانہ فرمایا اور اس کی اشاعت کے لیے اظہار خوشنودی

فرمایا۔ جس کے لیے ہم خلوص دل سے حضرت مولانا موصوف اور مولوی دلدار علی صاحب الفت کی خدمت میں تمام مسلمانان حیدر آباد کی جانب سے ہدیہ ممنونیت پیش کرتے ہیں اور آپ کی اسلام دوستی پر بجان سپاس گزار ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ اس کی طباعت میں زیادہ تاخیر سے کام لیا گیا اور اس عرصہ میں ہمارے یہاں سے بہت جوابات شائع ہو چکے ہیں جس کے لیے ہم ان اصحاب کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے اس فرض دینی کو ادا کیا ہے اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ رب العزت ان کو اس سے زیادہ مقابلہ کی قوت عطا کرے۔ درآنحالیکہ مسلمانوں کو ہمیشہ ہر وقت مقابلہ کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

چونکہ یہ مضمون مولانا کے قلم باطل شکن کا نتیجہ ہے اس لیے ہم اس کے شائع کرنے کی عزت حاصل کرتے ہیں۔ یہ مضمون جہاں مرزائی ہفوات کا مدلل جواب ہے وہاں مولانا نے اس کا خیال بھی رکھا ہے کہ مرزائیت کے خلاف ہمیشہ کام آنے والا مجموعہ ثابت ہو اور امید کرتے ہیں کہ اہل بصیرت اس مدلل جواب کو ملاحظہ کرنے کے بعد حق و باطل کو اچھی طرح پرکھ لیں گے۔ اور رہزن و رہبر میں تمیز کرنے کے بعد قادیانیت کے ہمرنگ زمین جال سے اچھی طرح واقف ہو جائیں گے۔ اللہ جل جلالہ مسلمانوں کو گمراہی سے بچاوے اور باطل کے مقابلہ کی جرأت و قوت عطا فرماوے اور ہم ان اصحاب کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں اور بدل و جان ممنون ہیں کہ جنہوں نے رسالہ ہذا کی اشاعت کے لیے نہایت فیاضی سے کام لیکر ایک اہم دینی خدمت انجام دی۔ ہماری صرف ایک آرزو ہے اور اسی میں کامیابی کے لیے ہم خداوند قدوس سے ملتجی ہیں کہ اے رب العزت مسلمانوں کو گمراہی سے بچا اور پھر ان کے دلوں میں وہی جذبہ ایمان پیدا کر اور باطل کے مقابلہ کی جرأت عطا فرما اور تمام مسلمانان عالم کو سچا مسلمان اور تیرے حبیب اکرم خاتم النبیینؐ کا سچا پیرو بنا آمین ثم آمین۔

نصیحت: آخر میں ہم جہاں اللہ کے لیے سچی شہادتیں دے کر سرخرو ہوتے ہیں وہاں مرزائیوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ اس قسم کی حرکات سے جو ملک میں فتنہ پیدا کرتی ہیں اور مسلمانوں کے دل کو چوٹ لگتی ہے باز آ جائیں اور بچے رہیں۔ جس کو درحقیقت مرزائی حضرات ہی نے شروع کیا ہے ورنہ ہم حفاظت اسلام کی خاطر ممکنہ کوشش عمل میں لانے کے لیے مجبور ہوں گے۔

ان مسلسل جوابات کی اشاعت کے بعد مرزائی حضرات نے احساس کرلیا ہوگا کہ حیدر آبادی مسلمان رسول اللہ ﷺ کی ختم المرسلینی کے بعد کسی ایرے غیرے کو نبی نہیں مان سکتے۔

ضروری گزارش: رسالہ ہذا مندرجہ ذیل پتہ سے مفت حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اور ہم ناظرین کی خدمت میں ادباً گزارش کرتے ہیں کہ وہ اس مختصر مفید رسالہ کو ردی یا تھیٹر کا اشتہار نہ سمجھیں بلکہ پڑھیں اور سمجھیں اوروں کو سمجھائیں تا کہ اس کی اشاعت کا مقصد بھی پورا ہو اور خود بھی ماجور و مثاب ہوں۔

خاکسار
محمد فخر الدین رازی
براق پنچی حیدر آباد دکن

نوٹ:۔ مسودہ کاتب کے پاس جا چکا تھا کہ ہمیں جماعت مرزائیہ کے دو پمفلٹ بعنوان ''دعوت قادیانیت پر ہمارے استفسارات کا جواب'' اور ''ختم نبوت'' ملے۔ ناظرین کرام مذکورہ بالا پمفلٹوں کا جواب ہمارے اسی رسالہ میں تلاش کرلیں۔ باقی جو امور تشنہ ہیں ان کا جواب انشاء اللہ بشرط فرصت دیں گے۔ فقط

حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کے ارشادات

☆☆ .... قادیانی زندیق ہیں جو اسلام کو کفر اور کفر کو اسلام کہتے ہیں اور شریعت کے مطابق زندیق واجب القتل ہوتا ہے۔

☆☆ .... یہ مرزا غلام احمد قادیانی کی مراقی مسیحیت کے کرشمے ہیں کہ وہ خود سے خود پیدا ہو کر مسیح ابن مریم بن گیا۔

☆ ...... ☆ ...... ☆

۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ٥

مسک الختام فی ختم النبوۃ خیر الانام

ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین

لمثل ھذا یذوب القلب من کمد
ان کان فی القلب اسلام و ایمان

"اگر قلب میں ذرہ بھر بھی ایمان واسلام ہے تو اس قسم کی باتوں سے قلب مارے غم کے پگھلا جاتا ہے۔" اس وقت میرے ہاتھ میں جماعت مرزائیہ حیدر آباد کا شائع کردہ ایک مختصر سا ٹریکٹ ہے۔ جس کا عنوان "ختم نبوت اور جناب پروفیسر الیاس برنی" ہے۔ اس ٹریکٹ میں اس جماعت نے اپنی قدیم عادت کے موافق سلف صالحین اور مشائخ کرام کی عبارات نقل کر کے ان کے اغراض ومقاصد کے قطعاً برخلاف زہر پھیلایا ہے اور اپنے نزدیک گویا یہ ثابت کر دیا ہے کہ ختم نبوت کا عقیدہ ہمیشہ اسی طریق پر مسلم بین المسلمین رہا ہے جیسا کہ اس جماعت نے اپنے زعم فاسد میں سمجھ رکھا ہے۔ اس وقت ہم اس مختصر تحریر میں کسی طویل یا مختصر بحث کرنے سے پہلے یہ ظاہر کر دینا چاہتے ہیں کہ جب مرزائی مذہب میں خاتم المرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے بعد بھی رسولوں کی آمد جائز ہے تو پھر ختم نبوت کا عنوان ٹھیک اسی طرح بے معنی رہ جاتا ہے جیسا کہ عیسائیوں اور آریوں کا دعویٰ توحید۔ یعنی جس طرح اقانیم ثلثہ مان کر، مادہ اور روح کو قدیم کہہ کر توحید کا دعویٰ محض لفظی ہے۔ اسی طرح رسولوں کی آمد تسلیم کر کے ختم نبوت کا لفظ بھی صرف مسلمانوں کی دلفریبی کا ایک آلہ ہے اور بس۔ قرآن کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی شان میں خاتم النبیین کا لفظ اسی درجہ میں اہم اور قابل ایمان ہے جیسا کہ رسول اللہ کا۔ اسی لیے ایک ہی

آیت میں ان دونوں عقیدوں کو بایں طور جمع کر دیا گیا ہے "وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ" (احزاب ۴۰) یعنی بیک وقت آپ اللہ تعالیٰ کے رسول بھی ہیں اور خاتم النبیین بھی۔ بلکہ غور کرنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ خاتم النبیین کا ذکر بعض وجوہ سے زیادہ مہتم بالشان ہے۔ کیونکہ مضمون یہ بیان کرنا ہے کہ نبی عربیؐ گو تم میں سے کسی مرد کا باپ نہ سہی مگر اس کے بجائے اللہ کا رسول اور نبیوں کا ختم کرنے والا ہے۔ اہل علم اتنا سمجھ سکتے ہیں کہ جب انبیاء سابقین مردوں کے باپ ہو کر پھر رسول اللہ بھی ہوتے رہے تو معلوم ہوا کہ ان دو باتوں میں تو کوئی تنافی اور عدم ملائمت نہیں ہے۔ لہٰذا اگر آپ بھی رسول اللہ ہو کر مردوں میں سے کسی کے باپ ہو جاتے تو کیا مضائقہ تھا۔ اس لیے قرآن نے رسول اللہ کے ساتھ خاتم النبیین کا اور اضافہ کر کے بتلا دیا کہ آپ صرف رسول اللہ نہیں ہیں بلکہ اس کے ساتھ خاتم النبیین بھی ہیں۔ اس لیے اگر آپ کے بھی پسری اولاد ہوتی تو جس طرح اسرائیلی سلسلہ میں انبیاء کی ذریت میں نبوت جاری رہی اسی طرح اسماعیلی سلسلہ میں بھی بقائے نبوت مناسب ہوتا۔ حالانکہ آپ کو خاتم النبیین بنا کر بھیجا گیا تھا۔ نفی ابوت اور اثبات خاتمیت کے اسی ارتباط کو دیکھ کر صحابہ صحیح بخاری میں فرماتے ہیں کہ رسول مقبول ﷺ کے فرزند اس لیے زندہ نہ رہے کہ آپ خاتم النبیین تھے۔ اگر آپ کے بعد کوئی نبی مقدر ہوتا تو آپ کے فرزند حضرت ابراہیم ضرور زندہ رہتے اور نبی ہوتے لیکن عالم تقدیر میں چونکہ تناقض نہیں ہے اس لیے اگر ایک طرف ختم نبوت مقدر رہا تو دوسری طرف آپ کے لیے پسری اولاد کا سلسلہ منقطع ہو جانا بھی مقدر رہا اور اعلان کر دیا گیا کہ انبیاء سابقین کی طرح آپ صرف رسول اللہ نہیں ہیں بلکہ آپ پر نبوت کا ختم کرنا بھی مقصود ہے۔ انبیاء سابقین چونکہ صرف رسول اللہ تھے مگر خاتم النبیین نہ تھے اس لیے پسری اولاد میں ان کے لیے مضائقہ بھی نہ تھا۔ لیکن اس اولوالعزم نبی کے اگر کوئی پسری اولاد بلوغت کو پہنچتی تو اس کی عظمت کے شایان شان یہی تھا کہ سب سے اوّل اسی کو منصب نبوت سے نوازا جاتا اور یہ نامناسب تھا کہ بنی اسرائیل میں تو انبیاء کی ذریت میں نبوت رہے اور اسماعیلی سلسلہ میں اس افضل ترین رسول کے پسری اولاد رجولیت کی حد کو پہنچے اور پھر نبی نہ ہو۔ یہی باعث تھا کہ انبیاء سابقین نے اپنی ذریت میں بقاء نبوت کی دعائیں مانگی ہیں اور حق تعالیٰ نے بھی انہیں "وجعلنا فی ذریتهما" کی بشارتیں سنائی ہیں مگر اس نے جس کے حق میں قرآن نے "حریص علیکم" الخ فرمایا ہے۔ اپنی امت میں ایک نبی کے لیے بھی دعا نہیں کی اور نہ خود حق تعالیٰ نے پہلوؤں کی طرح اس کو انبیاء کی آمد کی کوئی بشارت دی۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ دیگر

انبیاء فقط رسول اللہ تھے اور محمد عربی (ﷺ) رسول اللہ کے ساتھ خاتم النبیین بھی تھے۔ پھر جس کو خدا نے آخری نبی بنایا تھا وہ کیسے اپنی امت یا ذریت کے حق میں نبوت کی دعا کرتا اور کیسے مناسب تھا کہ اس کی ذریت میں کوئی بلوغت کی حد کو پہنچتا اور وہ ان کا باپ کہلاتا۔ "**ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین**" (احزاب ۴۰)

محمد ﷺ کے لیے یہ مناسب ہی نہ تھا کہ وہ تم میں سے کسی مرد کا باپ ہوتا لیکن وہ تو اللہ کا رسول اور انبیاء میں سب سے آخر آنے والا ہے۔

"**عن عامر الشعبی فی قول اللہ ما کان محمد ابا احد من رجالکم قال ما کان لیعیش له فیکم ولد ذکر**" (رواہ الترمذی ج ۲ ص ۱۵۶ ابواب التفسیر)

عامر شعبیؒ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "**ما کان محمد ابا احد من رجالکم**" کا یہ مطلب ہے کہ تم میں اے لوگو ان کی کسی نرینہ اولاد کا زندہ رہنا مناسب ہی نہ تھا۔

ہمارے اس بیان سے دو امر اور ظاہر ہو گئے۔ اوّل یہ کہ صحابہؓ کے نزدیک بھی ختم نبوت کے یہ معنی تھے کہ اب آئندہ کوئی رسول نہ ہوگا۔ اسی وجہ سے وفات ابراہیمؑ کا انہوں نے یہ نکتہ بیان کیا۔ دوم یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر نبوت جاری ہوتی تو اس کے اوّلین مستحق صحابہؓ کے نزدیک بھی آپ کے فرزند حضرت ابراہیم ہی تھے۔ اسی کو حدیث میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ "**لوعاش ابراهیم لکان صدیقا نبیا**" (کنز العمال ج ۱۱ ص ۴۶۹ حدیث نمبر ۳۲۲۰۴)

(اگر حضور کے صاحبزادے ابراہیم زندہ رہتے تو وہ صدیق اور نبی ہوتے)۔ میرا بیٹا ابراہیمؑ اگر زندہ رہتا تو ضرور نبی ہوتا۔ اس لیے کہ جب بنی اسرائیل میں انبیاء کی ذریت میں نبوت رہی تو یہ نامناسب تھا کہ آپ کے فرزند کو نبوت نہ ملتی، یا ملتی مگر کسی بعید پشت میں ظاہر ہوتی اور یہ تو کیسا ہی نامناسب تھا کہ ذریت محمد (ﷺ) سے نکل کر مثلاً مرزائیوں کے خاندان میں جا گھستی۔

اس جگہ اتنا بیان کر دینا اور ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ختم نبوت کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ سرور کائنات کے وجود نے دیگر انبیاء کی آمد کو روک دیا ہے بلکہ یہ معنی ہیں کہ علم ازلی میں جتنے رسول مقدر تھے وہ ایک ایک کر کے سب آ چکے۔ اب ایک دن آخر اس عالم کو ختم کرنا تھا اس لیے آخری دنیا کے لیے وہ رسول جو سب کے آخر میں رکھا گیا تھا بھیج دیا گیا تا کہ اس کی آمد جس طرح رسولوں کی مردم شماری کے خاتمے کی دلیل ہے اسی طرح قیامت کے قرب پر بھی برہان قاطع ہو جائے۔ یہی مطلب ہے "**انا والساعة کھاتین**" میں اور قیامت ان دو وسطی اور شہادت کی انگلیوں کی

طرح متصل ہیں۔

(اشارہ کرنا کہ حالانکہ معلوم ہے کہ قیامت آج تک نہیں آئی مگر چونکہ دنیا کی مجموعہ عمر کے مقابلہ میں آپ کی بعثت قیامت سے انتہائی قرب رکھتی تھی اس لیے اس کو کھا تین سے ادا کیا اور اسی لیے اس آخری رسول کے منہ میں (کتب سابقہ میں ایک پیشینگوئی ہے اس کی طرف اشارہ ہے) وہ کلام ڈالا جو موسیٰ علیہ السلام کے کانوں میں پڑا تھا۔ کیونکہ مدارج کلام میں یہ بھی ایک آخری مرتبہ ہے اور اس طور پر رسولوں کا آخر آخری کلام لیکر دنیا کے آخر میں آخرالامم کے لیے مقدر ہوا تا کہ اوّل کا کمال آخر میں دوبالا ہو جائے۔ اور صباحت یوسف علیہ السلام کے ساتھ ملاحت محمد ﷺ بھی جلوہ گر ہو۔ اسی مضمون کو صحیح بخاری و مسلم کی روایت میں ایک نہایت خوبصورت اور واضح مثال میں بیان کیا گیا ہے۔

عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ان مثلی و مثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بیتا فاحسنه واجمله الاموضع لبنة من زاویة فجعل الناس یطوفون به ویعجبون له ویقولون هلا وضعت هذه اللبنة وانا خاتم النبیین (رواه البخاری فی کتاب الانبیاء ج۱ ص۵۰۱ باب خاتم النبیین و مسلم فی الفضائل ج۲ ص۲۴۸ باب ذکر کونه خاتم النبیین و احمد فی مسنده ج۵ ص۱۳۷ والنسائی و الترمذی ج۲ ص۱۱۳ باب ماجاء مثل النبی والانبیاء و فی بعض الفاظه فکنت اناسددت موضع اللبنة و ختم بی البنیات و ختم بی الرسل هکذا فی الکنز عن ابن عساکر ج۱۱ ص۴۵۳ حدیث نمبر ۳۲۱۲۷۔)

ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک شخص نے ایک مکان بنایا اور اس میں ہر طرح سے حسن اور خوبی پیدا کی مگر ایک اینٹ کی جگہ اس کے ایک گوشہ میں چھوڑ دی۔ لوگ اس کے گرد پھرتے رہے اور تعجب کرتے رہے کہ یہ ایک اینٹ کیوں نہ لگا دی گئی۔ اب میں وہ اینٹ ہوں اور آخری نبی ہوں۔ بخاری نے کتاب الانبیاء میں اس کو بیان کیا ہے اور مسلم نے اس کو فضائل میں اور احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے اور نسائی اور ترمذی نے بھی روایت کیا ہے اور ترمذی کے بعض الفاظ میں یہ بھی ہے کہ میں نے اس اینٹ کی جگہ کو پر کیا اور مجھ سے تعمیر کی تکمیل اور اختتام ہوا اور مجھ سے تمام رسل کا اختتام ہوا۔ کنز العمال میں ابن عساکر سے بھی ایسی ہی روایت ہے۔

اس تمثیل میں ایک طرف انبیاء سابقین کو رکھا ہے اور دوسری طرف اپنی ذات کو اور

انبیاء لاحقین کا کوئی ذکر نہیں۔ اور اس کے بعد قصر نبوت کی تکمیل کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ حضورؐ کے نزدیک بعد میں کوئی رسول آنے والا نہیں ہے۔ کیونکہ آپ نے ”**مثلی و مثل الانبیاء من قبلی**“ فرما کر گویا تفریح کر دی کہ **من بعدی** کوئی رسول نہیں۔ یہ نکتہ ہمیں انہیں شیخ محی الدین عربی سے ہاتھ لگا ہے جن کا ذکر خیر سے سیکرٹری صاحب نے کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ ”**واعلم ان لنا من اللہ الھام لا الوحی فان سبیل الوحی قدانقطع بموت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد کان الوحی قبلہ ولم یجی خبر الٰھی ان بعدہ (ﷺ) و حیا کما قال اللہ تعالیٰ و لقد اوحی الیک و الی الذین من قبلک و لم یذکر و حیا بعدہ**“ (فتوحات مکیہ ج ۲ ص ۲۳۸ باب ۳۵۲)

(ترجمہ) یاد رہے کہ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اب الہام کا سلسلہ باقی ہے نہ کہ وحی کا۔ کیونکہ وحی کا سلسلہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے ساتھ منقطع ہو گیا۔ ہاں۔ پہلے وحی تھی اور اللہ تعالیٰ کے کلام میں یہ کہیں نہیں آیا کہ آپ کے بعد وحی ہے۔ جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ ”آپ کی طرف اے رسول وحی بھیجی گئی اور آپ سے پہلے انبیاء کی طرف اور آپ کے بعد وحی کا ذکر نہیں کیا۔“ حدیث مذکور ادھر بھی اشارہ کرتی ہے کہ آپ کا آخر میں آنا اس لیے مقدر ہوا کہ جو بے رونقی ایک اینٹ کی جگہ خالی ہونے کی وجہ سے اس قصر میں ہویدا تھی وہ اس آخری نبی کی وجہ سے پوری ہو جائے۔

یاد رکھو اب خدائی عزت کسی کو موقعہ نہیں دے گی جو لبنہ محمدیؐ کے بعد اس قصر کا مکمل کہلائے۔ تکمیل کے بعد تخریب تو ممکن ہے لیکن تکمیل ممکن نہیں۔ خط پر مہر لگا کر اس کا توڑنا تو ممکن ہے مگر اس کا کھولنا ممکن نہیں۔ پھر کون ہے جو ختم محمدی ﷺ کو توڑ کر قصر نبوت میں آ سکتا ہو اور کون ہے جو قصر نبوت کی تکمیل کے بعد اس کی تنقیص کا مدعی ہو۔ واللہ ثم باللہ جس کو خدا تعالیٰ نے آخری نبی کہا ہے وہی آخری نبی ہے۔ پھر کون ہے جو بعد میں نبوت کا دعویٰ کر کے آخری نبی بننے کا ارادہ رکھتا ہو۔ امم سابقہ کے پاس بہت سے رسول بھیجے گئے۔ پر وہ جس نے قصر نبوت کی تکمیل کی اسی امت مرحومہ کو نصیب ہوا۔ پھر کیا وہ امت جس کا رسول خاتم الانبیاء جیسا رسول ہو نبوت کی نعمت سے محروم کہی جا سکتی ہے۔ کیا وہ امت جس میں شرکت کی تمنا انبیاء رکھتے ہوں بدقسمت ٹھہر سکتی ہے۔ محروم وہ ہیں جنہیں ایسی رسالت عامہ تامہ کے بعد رسالت کی تمنا ہے۔ بدقسمت وہ ہیں جنہیں اپنے آقا کی ہمسری کا ولولہ ہے۔ کنز العمال ج ۱۱ ص ۴۰۴ حدیث نمبر ۳۱۸۸۵ میں

ہے۔ ’’عن الحسن مرسلاً قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا رسول من ادرکنا حیا و من یولد بعدی رواہ ابن سعد‘‘ میں موجودین اور بعد میں آنے والوں کا سب کا رسول ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک سلسلہ رسالت جاری تھا اس وقت تک رسولوں کو مخصوص قوم اور مخصوص زمانہ کے لیے بھیجا جاتا تھا۔ لیکن جب نبیوں کا ختم کرنے والا آیا تو پھر اس کی نبوت کو نہ کسی قوم سے مخصوص کیا گیا نہ کسی زمانہ سے بلکہ قیامت تک کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا تاکہ جس طرح وہ ان موجودین کا رسول کہلائے اسی طرح بعد میں آنے والوں کا بھی رسول ٹھہرے اور کسی چھوٹے منہ سے یہ نہ نکل سکے کہ وہ نبوت سے محروم ہے۔ مگر مرزائی کب باز آنے والے تھے آخرکار قادیان میں ایک اشتہاری نبی بلا ہی لیا۔ یہ سچ ہے کہ نبوت کوئی زلزلہ نہیں ہے کہ لوگ اس سے گھبرائیں لیکن یہ بھی سچ ہے کہ جب تک زلزلہ آ کر یہ قصر نبوت گر نہ جائے اس وقت تک کسی نبوت کے لیے جگہ بھی خالی نہیں اور اگر یہی دلیل اجراء نبوت کی ہے تو پھر نبوت تشریعیہ بھی کوئی زلزلہ نہیں ہے۔ لہٰذا قادیان کے سجادہ نشین کو چاہیے کہ وہ شریعت جدیدہ کا بھی دعویٰ کر دے۔ آخر جب نبوت کی ہوس ہے تو وحی جدید سے کیوں بیزاری ہے۔ اور اگر کامل دین کے بعد کوئی دین نہیں ہے تو کامل نبی کے بعد کوئی نبی کیوں ہو۔ خدا ان خلوتوں میں تشتت اور اس جماعت میں تمزق اور ان دیار کی تدمیر کرے جن میں خدا کے رسول کے خلاف یہ نجویٰ اور سرگوشیاں ہوتی ہیں اور توہین نبی پر تعظیم نبی کا لفظی ملمع چڑھا کر مسلمانوں کی فریب دہی کے منصوبے گانٹھے جاتے ہیں۔

قرآن عزیز کے اس معجز بیان پر سو مرتبہ قربان ہو جایئے جس نے اس امت کو ’’خیر امۃ‘‘ کہا۔ مگر اس لیے نہیں کہ اس میں بہت سے نبی ہوں گے۔ اگر اس لیے یہ امت خیر امت ہوتی تو بنی اسرائیل اس سے پہلے اس لقب کے مستحق تھے کہ جتنے رسول ان میں ہوئے اگر قادیان کا سجادہ نشین ’’اھدنا الصراط المستقیم‘‘ کی دعا مانگ کر فنا بھی ہو جائے پھر بھی اتنے تو کیا ایک بھی پیدا نہ ہوگا۔

ہاں۔ اتنی دعاؤں کے بعد جبکہ خیر القرون گزر گیا۔ شیدائی محمدیؐ اپنی جانیں قربان کر کے جام شہادت نوش کر گئے۔ اولیاء اللہ ایک سے ایک ریاضت کرنے والے اپنی عمر میں فنا کر گئے کہ دفعۃً مختاری کے امتحان سے ایک فیلر نبوت کے امتحان میں جا پاس ہوا۔ ہر چند کہ اس کے مریدین میں ابھی اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ محض مجدد تھا۔ کوئی کہتا ہے سچ مچ نبی تھا۔ لیجیے اس

کے آتے ہی یہ امت خیرامت بن گئی اور بدقسمت خوش قسمت ہوگئی۔ ارے۔ اگر اتباع شریعت سے کوئی نبی ہو جایا کرتا تو اے عقل و دین کے دشمنو! سب سے اوّل ابوبکرؓ ہوتا۔ عمرؓ ہوتا۔ عثمانؓ ہوتا، علیؓ ہوتا، مگر سرکار دو جہاں نے کیسے پیار کے وقت کیسی محبت کے وقت حضرت علیؓ سے فرمادیا کہ

”انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لانبی بعدی“

(مشکوٰۃ ص ۵۶۳ باب مناقب علی بن ابی طالبؓ)

اے علیؓ تو میرا ایسا ہی نائب ہے جیسے کہ ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے لیے تھے۔ مگر میرے بعد کسی کو نبوت نہیں مل سکتی۔ اس لیے ہارون علیہ السلام تو نبی تھے لیکن تو نبی نہیں ہے۔ اور صاف فرمادیا کہ ”**الا انه لا نبی بعدی**“ خیال فرمایئے کہ صرف اس تشبیہ سے حضرت علیؓ کی نبوت کہاں ثابت ہوتی تھی لیکن سرکار دو جہاں نے اس وہم کا بھی ازالہ کر دیا اور فرمادیا ”**الا انه لانبی بعدی**“ اس پر بھی ایسے اغبیاء کی جماعت موجود ہے جس کی سمجھ میں ہنوز کچھ نہیں آیا۔ الغرض جبکہ قرآن اس امت کو دوسری امتوں پر فضیلت دے رہا تھا تو اس نے یہ نہیں کہا کہ اے امت محمدیہ تو اس لیے خیرامت ہے کہ پہلی امتوں میں ہم نے اگر سو نبی بنائے ہیں تو تجھ میں دو سو بنائیں گے۔ بلکہ یوں فرمایا۔

كنتم خير امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنهون عن المنكر و تومنون بالله (آل عمران ۱۱۰)

تم تمام امتوں میں سب سے بہتر امت ہو تمہیں اس لیے بنایا گیا ہے کہ لوگوں کو اچھی باتوں کے کرنے کا حکم دو اور بری باتوں سے منع کرو۔ اور اللہ پر ایمان رکھو۔

یعنی تیری خیریت امر بالمعروف، نہی عن المنکر، اور ایمان باللہ کی وجہ سے ہے اس لیے اب تو میں یوں کہتا ہوں کہ اس آیت سے تو بجائے فتح باب نبوت کے ختم نبوت ثابت ہوتی ہے کیونکہ اگر اس امت میں نبوت جاری ہوتی تو اس کی خیریت بیان کرنے میں سب سے پہلا نمبر اس امت کی نبوتوں کا ذکر ہونا چاہیے تھا۔ اس کے بعد میں دوسرے اوصاف کا ذکر مناسب تھا۔ حالانکہ یہاں صرف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور ایمان باللہ کا ذکر ہے کیونکہ جو توحید اس امت کو نصیب ہے ان سے بقیہ امم محروم ہیں جیسا کہ عندالتقابل ظاہر ہو جائے گا۔ اس تقریر سے ثابت ہو گیا کہ ”**اهدنا الصراط المستقيم**“ کی دعا بھی اس لیے ہرگز تعلیم نہیں دے گئی کہ لوگ اس کے ذریعہ سے نبی بنا کریں ورنہ تو بقول سیکرٹری صاحب ذات باری پر شدید الزام آئے

گا کہ دعا کا نتیجہ وثمرہ نہیں عطا فرمایا جاتا تھا تو دعا کے سکھلانے کا فعل عبث کیوں کیا گیا۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر اس دعا کا مقصد عطاء نبوت ہوتا تو جس طرح اس امت میں لاکھوں صدیق اور کروڑوں شہداء وصالحین پیدا ہوئے اسی طرح کم از کم ایک ہزار تو نبی بن جاتے۔ مگر یہاں تو اس فہرست میں صرف ایک ہی نام بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔ اور افسوس یہ ہے کہ وہ بھی زیر اختلاف ہے۔

اب مرزائی بتائیں کہ جب تیرہ سو سال کی دعا کا نتیجہ یہ نکلا تو یہ امت خیر امت رہی یا شر امت۔

علاوہ ازیں اگر اس آیت میں نبوت ہی کی دعا ہے تو پھر خود سردار دو جہاں کیوں اس دعا کو نمازوں میں پڑھا کرتے تھے۔ العیاذ باللہ کیا آپ کو بھی نبوت حاصل نہ تھی۔ اگر حاصل تھی اور سب سے افضل حاصل تھی تو دعا کس امر کی مانگتے تھے۔ یہ بھی عجیب دعا ہوئی کہ جو تیرہ سو سال سے چیخ چیخ کر مانگ رہے ہوں ان کی تو قبول نہ ہو اور جس کی بلا مانگے قبول ہو چکی ہو وہ اس کے بعد بھی مانگتا ہی رہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ کسی کو حکومت برطانیہ وائسرائے بنا دے مگر اس کی درخواست یہی باقی رہے کہ مجھے وائسرائے بنا دیجئے۔ سوچو کہ ایسے شخص کو کیا کہو گے۔ لہٰذا اگر اس آیت میں نبوت حاصل ہونے کی دعا ہے تو آپ کی شان والا پر بہت بڑا الزام عائد ہوتا ہے۔ کسی کے دل میں کوئی ذرہ ایمان کا باقی ہے کہ ایسی خود ساختہ تفاسیر سے توبہ کرے؟ اس مقام پر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جب منعم علیہم کے قرآن نے چار گروہ بیان کیے ہیں یعنی نبیین، شہداء، صدیقین اور صالحین تو پھر آپ کو صرف خاتم النبیین کیوں کہا گیا۔ خاتم الشہداء یا خاتم الصدیقین، خاتم الصالحین کیوں نہیں کہا گیا۔ مرزائی لٹریچر میں تو ختم نبوت نبی بنانے کے لیے ہی ہے تو کیا شہادت اور صلاح اور صدیقیت بلا آپ کی مہر کے ممکن ہے؟ اس لیے ضرور تھا کہ جس طرح آپ کو خاتم النبیین کہا گیا تھا اسی طور پر خاتم الصالحین بھی کہا جاتا۔ تا صاف معلوم ہو جاتا کہ ہر نعمت آپ ہی کے دامن کے نیچے مستور ہے۔ اس امر کو حل کرنے کے لیے کہ آپ کو خاتم علی الاطلاق کیوں نہ کہا گیا اور آپ کی خاتمیت کو صرف انبیاء کے ساتھ مقید کیوں کیا گیا ہے۔ پہلے ہمیں لفظ ''خاتم'' پر بحث کرنا ضروری ہے۔

آیت مذکور میں دو قرائتیں ہیں۔ اول بکسر تا، دوم بفتح تاء۔ جمہور کی قرائت بکسر تا ہے جیسا کہ شیخ سید محمد آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''**وقرأ الجمهور خاتم بكسر التاء علی انه اسم فاعل ای الذی ختم النبيين والمراد به آخرهم**'' (جمہور کی قرائت خاتم اسم فاعل تا کے زیر سے ہے یعنی جو ختم کرنے والا ہے انبیاء کا مراد یہ کہ آخری نبی ہے)۔

(روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۲ زیر آیت **ما کان محمد ابا احد من رجالکم**)

اسی طرح علامہ جریر الطبری لکھتے ہیں کہ حسن اور عاصم کے علاوہ تمام قراءٔ خاتم بکسر تا پڑھتے تھے۔ (ج ۲۲ ص ۱۶)

یہ امر یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اختلاف قراأت کی وجہ کسی مسئلہ یا عقیدے کا اختلاف نہیں ہوتا بلکہ قرآن چونکہ اپنے الفاظ کے لحاظ سے بھی ایسا ہی محفوظ ہے جیسا کہ معنی کے اعتبار سے۔ اس لیے جس صحابی نے جو قراأت اختیار کی وہ محض اس بنا پر کی کہ اس کو یہی قراأت پہنچی تھی لہٰذا انہی الفاظ کو محفوظ رکھنا اس نے اپنا فرض منصبی سمجھا۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے۔

”عن علقمة قال قدمنا الشام فاتانا ابو الدرداء فقال افيكم احديقراء على قرأة عبدالله فقلت نعم أنا‘ قال فكيف سمعت عبدالله يقراء هذه الآية ”والليل اذا يغشى“ قال سمعته ”والليل اذا يغشى والذكر والانثى“ قال وانا والله هكذا سمعتا رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرء ها. ولكن هؤلاء يريدون ان اقراء ”وماخلق“ فلا اتابعهم.“

حضرت علقمہؓ سے مروی ہے کہ ہم ملک شام آئے تو ہمارے پاس حضرت ابولدرداءؓ تشریف لائے۔ پوچھا کہ کیا تم میں کوئی حضرت عبداللہ کی قرأت کے موافق قراأت کرنے والا ہے میں نے کہا۔ ہاں میں ہوں۔ انہوں نے کہا بولو تم نے عبداللہ کو یہ آیت ”والليل اذا يغشى“ کس طرح پڑھتے ہوئے سنا۔ کہا میں نے اس طرح سنا ہے کہ ”والليل اذا يغشى‘ والذكر والانثى“ انہوں نے کہا کہ قسم خدا کی میں نے بھی رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ لیکن یہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ میں اس طرح پڑھوں کہ ”وماخلق الذكر والانثى“ پس میں ان کی اتباع نہیں کروں گا۔

دیکھئے ”والذكر والانثى“ اور ”وماخلق الذكر والانثى“ میں اختلاف کسی عقیدے یا مسئلہ کی بناء پر نہ تھا۔ کیونکہ مراد دونوں کی ایک ہی ہے بلکہ وجہ وہی تھی کہ جسے جو لفظ پہنچتا وہ اسے ہی محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ خواہ وہ جمہور کے موافق رہے یا مخالف۔ اور آج بھی آپ کی قراأت بجائے ”والذكر والانثى“ کے ”وماخلق الذكر والانثى“ ہی ہے اسی طرح حضرت ابوالدرداءؓ نے جو قراأت حضورؐ سے سن لی تھی اور اسے ترک کرنا کسی طرح پسند نہ کیا۔ ٹھیک اسی طرح اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خاتم بالفتح کی قراأت اختیار کی۔ تو اس کی وجہ کسی مسئلہ کا اختلاف نہیں بلکہ وہی تحفظ لفظی جو قرآن کریم کا طغرۂ امتیاز ہے مدنظر تھا اور یہ کیسے ممکن تھا جبکہ خود

حضورؐ ان سے فرما چکے تھے کہ "ان تکون منی بمنزلة هرون من موسیٰ الا انه لانبی بعدی" (تم میرے لیے ایسے ہو کہ جیسے موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہارونؑ تھے مگر وہ نبی تھے اور تم نبی نہیں۔ کیونکہ میرے بعد کوئی کسی قسم کا نبی نہیں ہو سکتا)۔ اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی روایت کرتے ہیں۔

عن علی قال وجعت وجعافاتیت النبی صلی الله علیه وسلم فاقامنی فی مکانه و قام یصلی و القی علی طرف ثوبه ثم قال برئت یا ابن ابی طالب فلاباس علیک، ماسالت الله لی شیئًا الا سالت لک مثله ولاسالت الله شیئًا الا اعطانیه غیر انه قیل لی لانبی بعدک فقمت فکانی مااشتکیت.

(کذافی الکنز ص ۱۷۰ ج ۱۳ حدیث نمبر ۳۶۵۱۳)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں بڑا سخت بیمار ہوا اور حضورؐ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے اپنے پاس مجھے جگہ دی اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے اور اپنے کپڑے کا ایک پلہ مجھ پر ڈالا۔ پھر فرمانے لگے لو ابن ابی طالب تم اچھے ہو گئے۔ اب کچھ فکر مت کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ سے میں نے کوئی چیز ایسی نہیں مانگی کہ اس کے مثل تمہارے لیے نہ مانگی ہو۔ اور کوئی چیز ایسی نہیں رہی کہ میں نے اللہ سے مانگی ہو وہ مجھے نہ ملی ہو۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ مجھے کہا گیا ہے۔ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں فوراً ایسا کھڑا ہو گیا گویا بیمار ہی نہیں ہوا تھا اس حدیث نے خوب تشریح کر دی کہ خاتم النبیین کے معنی کیا ہیں۔ اور چلیے قرأت خاتم بفتح التاء ہی سہی۔ لیکن کس محبت و پیار کے وقت یہاں بھی صاف کہہ دیا گیا کہ "**انه لانبی بعدی**" (میرے بعد کوئی نبی نہیں) جس سے یہ امر تو متیقن ہو گیا کہ نبوت کے بارے میں حضور سرور کائناتؐ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ تو یہی تھا۔ لیکن ہم تبرعاً لغت سے بھی ثابت کرتے ہیں کہ یہ دونوں لفظ ہم معنی مستعمل ہوتے ہیں۔ لسان العرب اور قاموس میں مصرحاً موجود ہے کہ خاتم بالفتح بھی خاتم بالکسر کے معنی میں آتا ہے۔ اور چونکہ مرجع قرأتیں واحد ہونا چاہیں اس لیے ائمہ لغت اور مفسرین نے بالاتفاق خاتم بالفتح کو خاتم بالکسر کی طرف راجع کیا ہے چنانچہ لسان العرب ج ۴ ص ۲۵ میں ہے۔

الخاتم والخاتم من اسماء النبی صلی الله علیه وسلم و فی التنزیل العزیز ماکان محمد الخ ای آخرهم ویقال فیه خاتمهم وخاتمهم آخرهم وایضاً

فی القاموس و تاج العروس و الخاتم آخر القوم کالخاتم و منه قوله تعالیٰ و خاتم النبیین ای آخرهم.

خاتم اور خاتم دونوں نبی اکرم ﷺ کے اسماء مبارک سے ہیں۔ اور قرآن عزیز میں آیت **ماکان محمد ابا احد الخ** میں خاتم النبیین کے معنی آخرالانبیاء کے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ لوگوں میں خاتم یا خاتم ہے یعنی آخری ہے۔ اور قاموس اور تاج العروس میں ہے کہ خاتم کے معنی آخر شخص کے ہیں اور خاتم بھی ایسی ہی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول خاتم النبیین ہے یعنی آخری نبی۔ اتنی تحقیق کے بعد حاجت نہ تھی کہ ہم آنحضرت ﷺ کی کچھ اور احادیث پیش کرتے۔ مگر صرف اطمینان خاطر کے لیے ایک حدیث صریح اور پیش کیے دیتے ہیں۔

عن ثوبان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان سيكون في امتي كذابون ثلاثون كلهم يزعم انه نبي و انا خاتم النبيين لانبي بعدي.

(ابوداؤد ج ۲ ص ۱۲۷ کتاب الفتن و اللفظ له، ترمذی ج ۲ ص ۴۵ باب ماجاء لاتقومه الساعة)

"ثوبانؓ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ میری امت میں تیس کذاب ہوں گے ہر ایک یہی کہے گا کہ میں نبی ہوں حالانکہ میں آخرالانبیاء ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔"

اس حدیث میں چند امور غور طلب ہیں۔ اولاً یہ کہ نبی کریم ﷺ نے جب تیس مدعیان کاذب کی خبر دی تھی تو اگر اس مدت میں باب نبوت صادقہ بھی کھلا ہوا ہوتا تو کیا آپ انبیاء صادقین کی بشارت نہ دیتے۔ لیکن جبکہ قرآن و حدیث نے بالاتفاق کہیں ایک رسول کے آنے کی بھی خبر نہیں دی بلکہ اس کے بالکل برخلاف قرآن نے ختم نبوت کا اعلان کیا اور حدیث نے مدعیان نبوت کو دجال اور کذاب ٹھہرایا تو نتیجہ واضح ہے کہ خدا اور اس کے رسول کے علم میں نبوت ختم ہو چکی ہے۔ اسی لیے حدیث میں ان مدعیان نبوت کے کاذب ہونے کی علامت صرف اس امر کو قرار دیا ہے کہ وہ اپنے متعلق نبوت کا گمان رکھتے ہوں گے۔ حالانکہ اگر نبوت باقی ہوتی تو نبوت کا گمان رکھنا بقول سیکرٹری صاحب کوئی زلزلہ یا طاعون تو تھا نہیں پھر اس نعمت کے گمان اور تخیل کو حضور اکرمؐ نے دجالیت کی علامت کیوں قرار دیا اور اسی پر بس نہیں بلکہ آگے بطور دلیل بیان فرمایا کہ میں چونکہ (بحکم قرآنی) خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں اس لیے نبوت کا خیال میرے بعد کیونکر درست ہو سکتا ہے۔

خاتم الانبیاء فداہ ابی وامی تو ختم نبوت کی بحث کو دو لفظوں میں ختم کر گئے تھے اور خوب کھول کھول کر سمجھا گئے تھے کہ میرے بعد ہر مدعی نبوت کو دجال سمجھنا کیونکہ میں خاتم النبیین ہوں۔ میرے بعد نبی کیا ؟ اور اسی پر اسلامی حکومتوں میں عملدرآمد بھی رہا ہے۔ چنانچہ تاریخ اسلامی میں ایک واقعہ بھی نہیں دکھلایا جا سکتا کہ کسی زمانے میں کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہو۔ پھر اس سے ختم نبوت کے مسئلہ پر بحثیں کی گئی ہوں اور اس کے صدق کے دلائل طلب کیے گئے ہوں۔ بلکہ ہر ایک کو بموجب دعویٰ نبوت جہنم رسید کر دیا گیا ہے۔

مگر آہ! یہ کیسی بے کسی کا زمانہ ہے کہ آج سرور کائناتؐ کے بعد خائب و خاسر چہرے سر بزم ''نبوت نبوت'' پکارتے پھر رہے ہیں اور ہم سے اتنا بھی نہیں ہو سکتا کہ ہم اپنے کانوں کو اس کی خرافات سے محفوظ ہی کر لیں۔ صد افسوس۔

كبرت كلمة تخرج من افواههم ان يقولون الا كذبا. (الکہف ۵)

کیسا بڑا بول ان کے منہ سے نکلتا ہے جو از سر تا پا کذب محض ہے۔

اس مضمون کی اگر جملہ احادیث جمع کی جائیں تو یقیناً اس کے لیے ایک طویل فرصت درکار ہے۔ کیونکہ اس باب میں ایک سو بارہ احادیث آ چکی ہیں جن میں علی الاعلان بیان کر دیا گیا ہے کہ خاتم الانبیاء کے بعد نبوت کا سلسلہ کلیۃً مسدود ہے۔ جس کے کان ہوں وہ سن لے اور جس کے دل میں ایمان ہو وہ سمجھ لے۔ البتہ جن صحابہ سے یہ احادیث مروی ہیں ان کے اسماء ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ تفصیل کے لیے مولانا محترم محمد شفیع صاحب مفتی دارالعلوم کے رسائل کی طرف مراجعت کی جائے۔

(۱) قتادہؓ (۲) عبداللہ بن مسعودؓ (۳) حسنؓ (۴) مغیرۃ بن شعبۃؓ (۵) عائشہؓ (۶) جابر بن عبداللہؓ (۷) ابوسعید الخذریؓ (۸) ابوالطفیلؓ (۹) ابوھریرۃؓ (۱۰) انسؓ (۱۱) عفان بن مسلمؓ (۱۲) ابومعاویہؓ (۱۳) جبیر بن مطعمؓ (۱۴) عبداللہ بن عمرؓ (۱۵) ابی بن کعبؓ (۱۶) حذیفۃؓ (۱۷) ثوبانؓ (۱۸) عبادۃ بن الصامتؓ (۱۹) عبداللہ بن عباسؓ (۲۰) عطاء بن یسارؓ (۲۱) سعد بن ابی وقاصؓ (۲۲) عرباض بن ساریۃؓ (۲۳) عقبۃ بن عامرؓ (۲۴) ابوموسی الاشعریؓ (۲۵) ام کرز (۲۶) عمر الفاروقؓ (۲۷) ابوحازمؓ (۲۸) ابوامامۃ الباھلیؓ (۲۹) سفینۃؓ (۳۰) تمیم الداریؓ (۳۱) نعیم بن مسعودؓ (۳۲) عبیداللہ بن عمرو اللیثیؓ (۳۳) نعمان بن بشیرؓ (۳۴) ابن زمل الجھنیؓ (۳۵) ضحاک بن نوفلؓ (۳۶) علیؓ (۳۷) ابوذر الغفاریؓ (۳۸) معاذؓ (۳۹) سھل بن سعدؓ (۴۰) حبشی

بن ضادۃ رضی (۴۱) اسماء بنت عمیس رضی (۴۲) زید بن ابی اوفیٰ رضی (۴۳) ابو قبیلۃ رضی (۴۴) عقیل بن ابی طالب رضی (۴۵) ابو الفضل رضی (۴۶) نافع رضی (۴۷) عوف بن مالک رضی (۴۸) ابو بکرۃ رضی (۴۹) ابو مالک الاشعری رضی (۵۰) ابو عبیدۃ رضی (۵۱) عصمۃ بن مالک رضی (۵۲) عمرو بن قیس رضی (۵۳) سلمان الفارسی رضی (۵۴) محمد بن حزم الانصاری رضی (۵۵) بھز بن حکیم رضی (۵۶) عبدالرحمٰن بن سمرۃ رضی (۵۷) عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی (۵۸) ابو قتادۃ رضی (۵۹) قتادۃ رضی (۶۰) عبداللہ بن ثابت رضی۔

جب لغت اور احادیث صحیحہ سے یہ امر واضح ہو چکا کہ ”خاتم“ بمعنی ”آخر“ ہے تو آپ کی خاتمیت کو صرف انبیاء کے ساتھ مخصوص کرنے کی وجہ بھی ظاہر ہوگئی۔ کیونکہ اس تقدیر پر اگر آپ کو خاتم الصلحاء اور خاتم الصدیقین والشہداء کہہ دیا جاتا تو جس طرح آپ کا ظہور انبیاء علیہم السلام کے آخر ہونے کی دلیل ٹھہرا۔ اسی طرح لازم آتا کہ اب آپ کے بعد کوئی صالح اور صدیق بھی نہ ہوگا۔ حالانکہ آپ کی امت میں تمام امم سے بڑھ کر اولیاء و اقطاب مقدر ہو چکے تھے۔ اگر اس امت کے اولیاء کا دیگر امتوں سے مقابلہ کیا جائے تو میں نہیں سمجھتا کہ کوئی امت اس امت مرحومہ کے برابر اولیاء صدیقین کی فہرست پیش کر سکتی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ سمجھ دیتا تو معلوم ہوتا کہ اس امت کے خیر الامم ہونے کی اس سے بڑھ کر دلیل اور کیا ہوگی کہ مجموعی حیثیت سے خدا تعالیٰ کے برگزیدہ جس قدر اس امت میں گذرے کسی دوسری امت میں نہیں گزرے اور جیسا افضل رسول اس امت کو ملا کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ دیکھو نبی کریم ﷺ اپنی امت کے متعلق کیا ارشاد فرماتے ہیں۔

”عن بریدۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل الجنۃ عشرون ومائۃ صف ثمانون منہا من ہذہ الامۃ واربعون من سائر الامم۔ ہذا حدیث حسن (رواہ الترمذی ج ۲ ص ۱۸۱ ابواب اہل الجنۃ مشکوۃ ص ۴۹۸)

”بریدہ رضی سے روایت ہے۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ اہل جنت کی کل ایک سو بیس صفوف ہونگی جس میں اسی میری امت کی اور بقیہ چالیس دیگر امم کی ہوں گی۔“ (ترمذی اس کو روایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے)۔

اس حدیث نے کسی قدر وضاحت کے ساتھ آپ کی امت کی کرامت اور اس کے اولیاء مقربین کی کثرت کو ظاہر کیا ہے۔ رہا یہ سوال کہ جب صدیقیت وغیرہ سب جاری ہیں تو نبوت کس لیے مسدود ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت پر چل کر اور کسی نبی کی تصدیق کر کے

جو انعامات مل سکتے ہیں وہ صرف یہی ہیں۔ نبوت کسب و اتباع کا ثمرہ نہیں ہے۔ قرآن عزیز نے کسی ایک جگہ بھی نبوت کو کسب کا ثمرہ نہیں بتایا بلکہ صرف اپنے اجتباء و اصطفاء پر موقوف رکھا ہے۔ ''اللہ یصطفی من الملئکۃ رسلا و من الناس۔'' (الحج ۷۵) انسانوں اور فرشتوں میں سے کسی کو اپنا پیغامبر بنانا صرف خدا تعالیٰ کے اصطفاء سے ہی ہوا کرتا ہے۔

قرآن عزیز فرضیت صوم بیان کرنے کے بعد فرماتا ہے۔ ''لعلکم تتقون'' (بقرہ ۱۸۳) یعنی اگر تم پابندی کے ساتھ روزہ رکھتے رہو تو شاید متقی ہو جاؤ لیکن ایک آیت بھی پیش نہیں کی جا سکتی جس میں یہ فرمایا کہ اگر تم اس نبی کا اتباع کرو تو شاید نبی بن جاؤ۔

لہٰذا خوب واضح ہو گیا کہ اگر اس امت میں نبی نہ بنے تو اس سے آپ کی قوت قدسیہ کا کوئی نقصان ظاہر نہیں ہوتا۔ اگر آپ کی قوت قدسیہ کا اندازہ لگانا ہو تو خود آپ کے فرمان سے اندازہ کرو کہ جنت کی ۱۲۰ صفوں میں سے ۸۰ صفوف جنت میں داخل ہونے والی آپ ہی کی قوت قدسیہ کا ثمرہ نہیں تو اور کیا ہے۔ بلکہ آپ کی قوت قدسیہ کو اگر دیکھنا ہے تو آپ کے امتیوں کو دیکھو جو صرف آپ کے طفیل میں انبیاء علیہم السلام کے لیے قابل غبطہ بنے ہوئے ہیں۔ ترمذی شریف ج ۲ ص ۶۴ ابواب الذھد میں روایت ہے۔

یقول قال اللہ تعالیٰ المتحابون فی جلالی لھم منابر من نور یغبطھم النبیون و الشھداء۔

''جو میرے جلال کا لحاظ کر کے آپس میں محبت رکھنے والے ہیں قیامت میں ان کے لیے ''نور'' کے منبر رکھے جائیں گے جن پر انبیاء اور شہداء بھی غبط کریں گے۔''

وجہ یہ ہے کہ ہر عمل کی ایک خصوصیت ہے جو محشر میں ظاہر ہو گی۔ خدا کی راہ میں موت کی یہ خصوصیت ہے کہ اس موت کو حیوٰۃ کے احکام دیئے جاتے ہیں۔ ''ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء'' (البقرہ ۱۵۴) (اللہ کی راہ میں جو لوگ قتل ہوتے ہیں ان کو مردہ مت کہو وہ تو زندہ ہیں) اسی طرح حق تعالیٰ جس کو اپنا رسول و نبی بنائے اس کے بھی خصائص ہیں۔ ایسے ہی خدا تعالیٰ کے جلال و بزرگی کو نظر رکھتے ہوئے باہم محبت و آشتی رکھنا اور کوئی دوسری غرض نہ رکھنا بھی محشر میں ایک خاص امتیازی شکل میں ظاہر ہو گا۔ اور ظاہر ہے کہ آخرت کی ہر خصوصیت قابل غبطہ ہے پس جبکہ یہ امت محض آپ کی قوت قدسیہ کے طفیل میں انبیاء علیہم السلام کے لیے قابل غبطہ بن گئی۔ تو اب اس سے زیادہ اور کیا درکار ہے۔

یہ بات یادرکھنے کے لائق ہے کہ حدیث اس جماعت کو جو خدا تعالیٰ کے لیے محبت رکھتی ہو۔ انبیاء علیہم السلام کے لیے قابل غبط تو کہتی ہے مگر نبی نہیں کہتی۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۶ باب الحب فی اللہ ومن اللہ میں مصرعاً موجود ہے۔

عن عمرؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان من عباد الله لاناساً ماهم بانبياء ولا شهداء يغبطهم الانبياء والشهداء يوم القيامة بمكانهم من الله. قالوا يارسول الله تخبرنامن هم. قال هم قوم تحابوا بروح الله على غير ارحام بينهم الخ.

عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ بعض اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جو نبی ہیں نہ شہید، لیکن چونکہ ان کا تعلق محض لوجہ اللہ تھا۔ اس لیے حق تعالیٰ محشر میں انہیں ایک ایسا مرتبہ عطا فرمائیں گے جس پر انبیاء و شہداء کو بھی غبطہ ہوگا۔ صحابہؓ نے سوال کیا یارسول اللہ وہ لوگ کون ہوں گے۔ کہا جو صرف میری وجہ سے محبت رکھتے ہیں۔ (الخ)

اس سے ظاہر ہے کہ اس امت میں نبوت تو نہیں ہے لیکن ایسے عمل ضرور ہیں جن سے ایک امتی انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی قابل غبطہ ہوسکتا ہے۔

الحاصل جب نبوت خدائی اصطفاء پر موقوف ہے نہ کہ انبیاء علیہم السلام کے کمال پر تو خاتم النبیین کی آمد سے صرف اتنا ثابت ہوا کہ حق تعالیٰ کو جتنے رسول بنانے تھے وہ بنا چکا اور اس محدود عالم کے واسطے جتنے اعداد رسل مقدر تھے ختم ہولیے اور اس لیے اس نے اس دروازے کو جسے آدم علیہ السلام سے شروع کیا تھا۔ نبی کریم ﷺ کے ذریعہ سے بند کردیا اور ضرور تھا کہ ایسا ہوتا کیونکہ جس طرح تعمیر عالم کے وقت اجراء نبوت و رسالت کا اعلان ہوا تھا۔ اسی طرح تخریب عالم یعنی قرب قیامت میں اس کے ختم کا اعلان بھی از بس ضروری تھا۔ قال تعالی "امایاتینکم رسل منکم" (الزمر ۷۱) سورۂ بقرہ میں تفصیل سے موجود ہے کہ جب حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا تو اس کا بھی اعلان کردیا کہ اے آدمؑ کی ذریت تمہارے پاس ہمارے رسول آئیں گے۔ تم ان پر ایمان لانا۔ جب تک خود خدا تعالیٰ ہی نبوت کے ختم کا اعلان نہ کرتا ابناء آدمؑ پر واجب تھا کہ وہ قیامت تک اس حکم کے ماتحت ہر زمانہ میں رسول کا انتظار کیا کرتے۔ لہٰذا جب دنیا کو ختم کرنا منظور ہوا تو اس کے ساتھ ہی آخری رسول بھیج کر اعلان کردیا کہ اب رسول ختم ہوئے۔ دنیا بھی ختم ہے۔ لہٰذا اب رسولوں کا انتظار نہ کرنا کیونکہ خاتم الانبیاء آچکا۔ اس کے بعد

اب نبی نہیں آ سکتا اور اس کے ساتھ میرا کلام اتر چکا جس کے بعد کوئی شریعت نہیں۔ لہٰذا اب نہ شریعت کا انتظار کرو نہ نبی کا۔ کیونکہ اب یہی تمہارا نبی ہوگا اور یہی تمہاری شریعت رہے گی۔ اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے ''الیوم اکملت لکم دینکم الخ'' (میں نے آج تمہارے لیے دین کی تکمیل کر دی) مفسرین نے اس آیت کی شرح میں بہت کچھ لکھا ہے مگر مجھے سب سے پیارے وہ جملے معلوم ہوتے ہیں جو درمنثور میں غالباً ابن عباسؓ سے منقول ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ''اب ہم نے تمہارے دین کو کامل کر دیا ہے تو اب کبھی ناقص نہ ہوگا اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا ہے تو کبھی مسلوب نہ ہوگی۔ اور دین اسلام تمہارے لیے پسند کر لیا ہے کہ پھر کبھی ناپسند نہ ہوگا۔''

الحاصل جب شریعت اس معنی سے آخر ہے کہ اس کے بعد میں کوئی شریعت نہیں تو رسول بھی ''آخر'' اس معنی سے ہے کہ اس کے بعد کوئی رسول نہیں اور اسی لیے حق تبارک وتعالیٰ نے اسے خاتم النبیین فرمایا مگر خاتم الصالحین، خاتم الشہداء اور خاتم الصدیقین کہیں نہ فرمایا۔ کیونکہ سب نعمتیں جو کسی کامل کے اتباع سے مل سکتی ہیں۔ جاری ہیں بلکہ اس امت میں سب سے زیادہ جاری ہیں لیکن نبوت! تو اگر خدا تعالیٰ کو جہان رکھنا ہوتا تو شاید وہ خاتم الانبیاء کو ابھی اور نہ بھیجتا۔ لیکن جب جہان ہی ختم کرنا ہے تو نبوت باقی رہے تو کس کے واسطے؟ سیکرٹری صاحب تو نبوت کو رو رہے ہیں اور پیغمبر خدا علم کے خاتمہ کا اعلان کر چکے ہیں۔ احادیث میں مصرح موجود ہے کہ قرب قیامت میں صحیح علم بھی اٹھا لیا جائے گا۔ کیونکہ جب تک علم نبوت کا ابقاء منظور ہے علماء کو باقی رکھنا ضروری ہے لیکن جب عالم کو سمیٹنا مقدر ہوگا تو علم نبوت رہے گا نہ اس کے حاملین بلکہ شرور الناس باقی رہ جائیں گے اور انہی پر قیامت قائم ہوگی۔

کہئے سیکرٹری صاحب! آپ تو نبوت کے خواب دیکھ رہے تھے اور حدیثیں تو آخر زمانے میں علم کو بھی رخصت کرتی ہیں۔ یہ ایک نہایت موٹی بات تھی کہ جب جہان ہی ختم ہونا ہے تو نبوت کا ختم ہونا بھی ایک ضروری امر ہے۔ لیکن کیا کریں کہ محض ایک مراقی شخص کے دعویٰ پر ایمان لا کر اس موٹی بات کے سمجھنے کی بھی اہلیت باقی نہیں رہی۔ قرآن سے آنکھیں بند ہوئیں۔ احادیث سے لاپرواہی برتی گئی اور تنکوں کا سہارا نکالا گیا ہے۔ حتیٰ کہ کسی نے یہ بھی کہہ دیا کہ خاتم النبیین کا لفظ ایسا ہے جیسا کہ خاتم المفسرین کا۔ حالانکہ اس قائل کو یہ خبر نہیں کہ آپ کے لیے صرف یہی ایک لفظ نہیں بلکہ اس کے ہم معنی اور بھی بہت سے الفاظ وارد ہیں۔

حضرت عبیداللہ بن مسعودؓ کی قرأت میں بجائے خاتم النبیین کے ختم النبیین ہے اور

احادیث میں **ختم بی النبیون** (مسلم ج ۱ ص ۱۹۹) آخر النبیین. **وانا العاقب والعاقب الذی لیس بعدہ نبی** (مسلم ج ۲ ص ۲۶۱) (میں سب سے بعد آنے والا ہوں وہ وہی ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد کوئی نبی نہ ہو) بھی آئے ہیں۔ اب سوچو کہ بھلا یہ سب الفاظ صرف مدحی کہے جا سکتے ہیں؟ صفتی صیغہ میں تو یہ دجل چل سکتا ہے مگر کیا کوئی مدحا یہ بھی کہتا ہے کہ ''**فلان ختم بہ المفسرون**'' اس کے علاوہ القاب مدحیہ جس کے لیے بولے جاتے ہیں وہ خود اس کا مدعی نہیں ہوا کرتا جیسا کہ اگر کسی خاتم المفسرین سے آپ دریافت کریں کہ کیا آپ خاتم المفسرین ہیں تو وہ اگر آدمی ہے تو یہی جواب دے گا کہ میں ہرگز اس قابل نہیں۔ ہاں یہ دوسرے لوگ البتہ اس کے اعزاز میں اس لقب کو استعمال کریں گے............ لیکن احادیث کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لقب کو آپ نے خود ہی اپنے حق میں استعمال کیا ہے اور جس نے بھی بعد میں استعمال کیا آپ ہی کی تعلیم سے استعمال کیا۔

علاوہ ازیں یہ بھی تو سمجھو کہ ایک متکلم خاتم المفسرین تعدد اشخاص اور تعدد زمان کے اعتبار سے متعدد اشخاص کو کہہ سکا ہے۔ اس لیے اس سے خود ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ لقب محض مدحی طور پر ہے۔ لیکن ازل سے آج تک نہ وحی سماوی نے کسی کو خاتم النبیین کا لقب دیا اور نہ خود رسولوں میں سے کسی نے اس لقب کو اپنے متعلق استعمال کیا اور نہ آنحضرتؐ نے اس لقب سے کسی نبی کو یاد کیا۔

پس اگر یہ لقب خاتم المفسرین کی طرح تھا تو جیسے آج تک ہزاروں خاتم المفسرین گزر گئے۔ دو چار خاتم الانبیاء بھی تو گزر جاتے۔ مگر کون ہے جو ان موٹی اور بدیہی باتوں کو سمجھے۔ ''**ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فما لھم من نور**'' (اللہ نے جس کو نور کا حصہ نہیں دیا تو اس کے پاس نور کہاں سے آئے)۔

اب انصاف ناظرین پر ہے کہ جو مسئلہ قرآن کریم میں اس شد و مد سے مدلل و مبرہن موجود ہو۔ ساٹھ صحابہؓ سے ایک سو بارہ احادیث میں مفصلاً روایت کیا جا چکا ہو اس کی تردید کے لیے دور کے استنباطات، ناتمام تشبیہات، رکیک شبہات اور بے سند احادیث بھلا کیا کفایت کر سکتی ہیں۔ غور کیجئے کہ آیہ ''**کنتم خیر امۃ اخرجت للناس** (العمران ۱۱۰) اور **اھدنا الصراط المستقیم**'' کو مسئلہ اجراء نبوت سے کیا علاقہ ہے۔ پہلی آیت میں تو اس امت کی فضیلت بیان ہو رہی ہے اور دوسری میں ایک عام دعا۔ اب خواہ مخواہ ایک مقدمہ کا اور اضافہ کر کے ثابت کیا جاتا ہے کہ نبوت جاری ہے۔ یعنی یہ کہ جب یہ امت خیر امت ہے تو ضرور اس کو نبوت ملنی چاہیے ورنہ

یہ امت خیر امت نہ رہی۔ بھلا پوچھئے تو سہی کہ خیر امت ہونا نبوت ملنے پر کس طرح موقوف ہے۔ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ یہ امت خیر امت اس لیے ہے کہ اس کا نبی خیر الانبیاء اور افضل الرسل ہے۔ لیکن یہ کہیں تو کس منہ سے کہیں۔ اس سے تو مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت میں آگ لگ جاتی ہے۔

اب اگر سوال کیا جائے کہ یہ امت اگر اسی لیے خیر امت تھی تو بتلاؤ کہ اس امت میں کتنے ہزار نبی ہوئے۔ تو جواب میں ایک خاص نبی ''میڈان قادیان'' **(Made in Khadiyan)** کا نام پیش کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح اگر دوسری آیت میں دعاء نبوت کی تعلیم کی گئی تھی تو بتاؤ کہ اس صراط مستقیم پر چل کر آخر کتنے نبی بن چکے۔ لوٹ پلٹ کر پھر اسی ''متنبی'' کا نام سامنے آتا ہے۔ گویا مرزائیوں کے نزدیک نبوت کوئی زلزلہ تو نہیں ہے لیکن تر حلوہ ضرور ہے کہ ہر موقعہ پر اسی پر ہاتھ پڑتا ہے۔ تو حضرت حلوہ خوردن را روئے باید۔ **''اللھم اعلم حیث یجعل رسالته.''** یہ تو قرآن دانی تھی۔ اب حدیث دانی ملاحظہ ہو۔ نبی کریم ﷺ حضرت عباسؓ سے فرماتے ہیں۔ **''اطمئن یاعم فانک خاتم المهاجرین فی الهجرة کما انا خاتم النبیین فی النبوة''** (کنز العمال ج۱۱ ص۶۹۹ حدیث نمبر ۳۳۳۸۷)

یہاں بھی ایک جاہلانہ مقدمہ اور بڑھایا جاتا ہے وہ یہ کہ حضرت عباسؓ کے بعد اور بہت سے مہاجر ہوئے۔ لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ کے بعد نبی بھی ہوں گے۔

اوّل تو میں کہہ چکا ہوں کہ ایک سو بارہ احادیث کے مقابلہ میں صرف تشبیہات کے پردے میں کام نکالنا صریح بد دیانتی ہے دوسرے یہ کہ اس حدیث میں مقصود بالذات یہ ہے کہ محض لفظی مشارکت بیان کر کے حضرت عباسؓ کو تسلی دی جائے۔ نہ یہ کہ مسئلہ نبوت کی تشریح کی جائے۔ اگر مسئلہ نبوت کی تشریح منظور ہوتی تو یوں فرمانا اولیٰ تھا **''یاعم انا خاتم النبیین فی النبوة کما انت خاتم المهاجرین فی الهجرة''** اس فرق کو علماء سمجھیں گے۔ اس لیے اس کی تفصیل کو ہم چھوڑتے ہیں۔

تیسرے یہ کہ سیکرٹری صاحب کو یہ بھی خبر نہیں کہ مہاجر کا لقب اسلام میں کب سے شروع ہوا ہے اور کب ختم ہوا۔ دنیا جانتی ہے کہ سرور کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہجرت مکہ سے ہجرت کی ابتدا ہوئی ہے۔ اس سے پہلے جس نے بھی اپنا وطن چھوڑا ہو اور جس سمت بھی گیا ہو ہجرت سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔ اس کے بعد ہجرتیں ہوتی رہی ہیں۔ لیکن جس طرح کہ یہ ہجرت

مکہ مکرمہ سے شروع ہوئی تھی اسی طرح جب مکہ مکرمہ فتح ہو کر دارالاسلام بن گیا۔ اس کے ساتھ ہی آپ کا اعلان بھی ہو گیا کہ **"لاھجرة بعدالفتح"** (کنزالعمال ج۱۶ ص۶۶۰ حدیث نمبر ۴۶۲۷۸) یعنی جو ہجرت فرض کی گئی تھی اب وہ ختم ہو گئی۔ اور اسی درمیان میں مکہ مکرمہ چھوڑنے والے صحابہؓ مہاجر کہلائے۔ اس کے بعد وہ ہجرت رہی نہ وہ مہاجر۔

حضرت عباسؓ نے چونکہ سب سے آخر میں ہجرت کی تھی اور روایات سے کوئی ایسا شخص معلوم نہیں ہوتا۔ جس نے ان کے بعد ہجرت کی ہو اس لیے بھی "آخرالمہاجرین" کہلائے۔

نہیں معلوم "آخر" ہونا کوئی زلزلہ یا طاعون ہے کہ مرزائی اس سے بہت ہی گھبراتے ہیں۔ کسی نبی کا آخر میں ہونا تسلیم کرتے ہیں نہ کسی مہاجر کا۔

اب تو غالباً سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ یہ بھی اجرائے نبوت کے بجائے ختم نبوت ہی کی دلیل ہے۔ کیونکہ جس طرح ہجرت ختم ہونے کی وجہ سے حضرت عباسؓ کے بعد کوئی مہاجر نہیں۔ اسی طرح نبوت ختم ہو جانے کی وجہ سے محمد عربی ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور جیسے کہ مکہ مکرمہ کے دارالاسلام ہو جانے کے بعد ہجرت ختم ہو گئی۔ اسی طرح قصر نبوت مکمل ہو جانے کے بعد نبوت پر مہر لگ گئی۔ پھر معلوم نہیں کہ اس حدیث سے الٹا مطلب کیسے نکال لیا گیا۔ رہا خاتم الاولیاء کا لفظ۔ اس میں تو خیر سے تشبیہ بھی نہیں ہے۔ پہلی حدیث میں تو صرف تشبیہات سے استدلال تھا۔ یہاں اور بے معنی۔ اس سے بڑھ کر ایک دلیل اور سنئے۔ **"قولوا انه خاتم الانبياء ولاتقولوا انه لا نبی بعده"** (تکملہ مجمع البحار ج۵ ص۵۰۲) یہاں بھی ایک جاہلانہ مقدمہ اور لگایا گیا ہے اور وہ یہ کہ جب **"لاتقولوا لا نبی بعده"** کہا تو معلوم ہوا کہ نبوت جاری ہے اوّل تو یہ قول بلاسند ہے۔ ذرا اس کی سند دکھائیے۔ دوسرے صحیح بخاری میں خود آنحضرت ﷺ سے **لا نبی بعدی** موجود ہے۔ اب سیکرٹری صاحب فرمائیں کہ کس پر عمل کیا جائے۔ صحیح بخاری میں نقل شدہ آنحضرت ﷺ کے قول پر یا مجمع البحار پر کہئے کیا ارشاد ہے۔

سوم آپ صفحہ ۶ پر خود ایک صحابی کی شہادت نقل کرتے ہیں جس کے بعد اس قول کی مراد بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ **"قال رجل عندالمتيرة حسبک اذا قلت خاتم الانبياء فاناکذا نحدث ان عيسىٰ عليه السلام خارج فان هو خارج فقد کان قبله و بعده"** (ترجمہ) مغیرۃ بن شعبہ کے سامنے ایک شخص نے کہا کہ **صلى الله على محمد خاتم الانبياء لا نبی بعده.** اس پر مغیرہؓ نے فرمایا کہ تجھے کافی تھا کہ کہہ دیا "خاتم الانبیاء" کیونکہ ہم

لوگ یعنی صحابہؓ باتیں کیا کرتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام ظاہر ہونے والے ہیں۔ پس اگر وہ ظاہر ہوئے تو عیسیٰ ہی آپ سے پہلے ہوئے اور عیسیٰ ہی آپ کے بعد ہوئے (یہ ترجمہ خود مرزائی سیکرٹری صاحب نے کیا ہے)۔ یہاں بھی جہالت ظاہر ہو رہی ہے یعنی اس کو بھی اجراء نبوت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ چونکہ عیسیٰ علیہ السلام تشریف لانے والے ہیں اور وہ بالاجماع نبی ہیں تو کوئی **لانبی بعدہ** کا مطلب یہ نہ سمجھے کہ آپ کے بعد وہ بھی تشریف نہ لائیں گے۔ لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ یہ تو کہو کہ آپ سب نبیوں میں آخری نبی ہیں لیکن یہ مت کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔ کیونکہ ایک پہلا نبی آنے والا ہے۔ لہٰذا آپ آخر بھی رہے اور پھر عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اس کے مخالف نہ ہوا۔ کیونکہ آخر میں تو وہی ہوگا جو دنیا میں آخر میں پیدا ہوا اور جو پہلے پیدا ہوا تھا مگر اس کی عمر دراز ہوئی اسے آخر کون کہہ دے گا۔ ظاہر ہے کہ زید کا آخری بیٹا وہی کہلائے گا جو سب سے آخر میں پیدا ہوا ہو۔ اب اگر بالفرض اس سے پہلے بیٹے کی عمر طویل ہو جائے اور وہ اس آخری لڑکے کے بعد تک زندہ رہے تو اس وجہ سے وہ آخری نہیں ہو سکتا۔

ایسے ہی چونکہ عیسیٰ علیہ السلام پہلے پیدا ہوئے تھے اس لیے بعد میں آنے سے آخر نہیں کہے جا سکتے۔ اب بتلائیے کہ اس خاص صحابی کی شہادت آپ کے مخالف ثابت ہوئی یا موافق۔ بلکہ اس نے تو حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب شدہ قول کی بھی تشریح کر دی۔

اگر یہ بے سند قول تسلیم کر بھی لیا جائے تو اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ خاتم الانبیاء تو کہو مگر یہ نہ کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔ حتیٰ کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی، چونکہ **لانبی بعدہ** سے کسی بیوقوف شخص کو یہ احتمال پیدا ہو سکتا تھا۔ لہٰذا اس کو بھی رفع فرما دیا اور نزول مسیح علیہ السلام کو اور مؤکد فرما دیا۔ ہاں۔ خوب موقعہ پر یاد آیا کہ مغیرہؓ کی اس عبارت میں سیکرٹری صاحب کے ترجمہ کردہ یہ الفاظ بھی ہیں۔ ”اگر وہ ظاہر ہوئے تو عیسیٰ ہی آپ سے پہلے ہوئے اور عیسیٰ ہی آپ کے بعد ہوئے۔“ اس خاص شہادت سے اولاً تو یہ ثابت ہوا کہ جو عیسیٰ ہیں وہ ظاہر ہونے والے ہیں نہ کہ پیدا ہونے والے۔ دوسرے یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ وہی عیسیٰ ہوں گے جو آپ سے پہلے آ چکے ہیں۔ پھر مرزائی سیکرٹری سوچے کہ قادیان میں جنے ہوئے شخص کو مسیح کیسے مانا جا سکتا ہے۔ کیا یہ وہی عیسیٰ تھے جو آپ سے قبل آ چکے ہیں۔ اس عبارت میں صاف مذکور ہے کہ مسیح علیہ السلام کی دو آمد ہیں۔ ایک آپ سے پیشتر اور ایک آپ کے بعد، یہی اہل اسلام کا عقیدہ ہے جو حضرت مغیرہؓ صحابی کا تھا۔ اور اسی وجہ سے وہ لوگوں کو منع کرتے تھے کہ یہ مت سمجھ لینا کہ اب آپ کے بعد کوئی

نبی نہ آئے گا۔ کہیں لا نبی بعدی اسے نزول مسیح علیہ السلام کی بھی نفی سمجھ لو۔ یعنی حدیث کے الفاظ اجراء نبوت کے منافی ہیں نہ کہ نزول نبی کے۔

اب اگر دل میں ایمان کا کوئی ذرہ ہے تو مرزا غلام احمد قادیانی کی مسیحیت سے مصدق دل توبہ کرنی چاہیے کیونکہ نبی کریم ﷺ کے ایک خاص صحابی کی شہادت سے ثابت ہو گیا کہ آنے والا مسیح وہی ہے جو ایک مرتبہ آ چکا ہے۔ کیا مرزا جی آواگون کے چکر میں پھنس کر کسی جون میں پہلے بھی آ چکے ہیں؟ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنے مضمون کے آخر میں ان علماء امت کی شہادتیں بھی نقل کر دیں جن کو سیکرٹری صاحب جماعت مرزائیہ نے اپنے موافق سمجھا ہے اور اگر درحقیقت ان کو یقین ہے کہ وہ علماء اسی کے موافق ہیں تو ان کو چاہیے کہ ایک مرتبہ بحلف تحریر شائع کر دیں۔ تا کہ خدا تعالیٰ کی حجت ان پر پوری ہو۔ مگر نہیں کر سکتے کیونکہ وہ خود جانتے ہیں کہ یہ جملہ علماء نہ وفات مسیح علیہ السلام کے قائل تھے اور نہ اجراء نبوت کے۔ ہمیں حیرت ہے کہ جن علماء کی کتابیں ہر خاص و عام کے ہاتھوں میں موجود ہوں کس ایمان کے ساتھ ان پر افتراء کر دیا جا سکتا ہے۔

حضرت ملا علی قاریؒ کی شہادت

ودعوی النبوة بعد نبینا صلی اللہ علیہ وسلم کفر بالاجماع (شرح فقہ اکبر ص ۲۰۲) (ہمارے نبی کریم ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ بالاجماع کفر ہے)۔

حضرت محی الدین ابن عربیؒ کی پہلی شہادت

"وقال الشیخ (اے محی الدین ابن العربی) اعلم ان مقام النبی ممنوع لنادخوله و غاية معرفتنابه من طريق الارث النظر اليه كماينظرمن هو فی اسفل الجنة الی من هو فی اعلیٰ علیین، و كما ينظر اهل الارض الی كو اكب السماء. وقد بلغنا عن الشيخ ابی يزيد انه فتح له من مقام النبوة قدر حزم ابرة تجليا لادخولاً فكادان يحترق (الیواقیت والجواہر ص ۲۷ جلد ۲)

شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے فرمایا۔ خوب جان لو نبوت کے مقام میں داخل ہونا ہمارے لیے بالکل ممنوع ہے اور اس مقام کی انتہائی معرفت بطریق ارث کے یہ ہو سکتی ہے کہ ہم اس مقام کی طرف محض نظر کر سکتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے جنت کے تحتانی حصہ والا شخص اعلیٰ علیین والوں کو دیکھتا ہے اور جیسا زمین والے آسمان کے ستاروں کو دیکھتے ہیں۔ اور ہمیں

شیخ ابی یزید سے یہ تحقیقی بات پہنچی ہے کہ درحقیقت نبوت کا مقام سوئی کے ناکے کے برابر (محض) تجلی کی حد تک کھولا گیا ہے۔ داخل ہونے کی حد تک نہیں۔ (اس پر بھی) انسان جل جانے کے قریب ہو جاتا ہے۔ (الیواقیت والجواہر ص ۲۵ جلد ۲)۔

حضرت محی الدین ابن عربیؒ کی دوسری شہادت

"وقال الشیخ (اے محی الدین العربیؒ) من قال ان اللہ تعالیٰ امرہ بشئی فلیس ذلک بصحیح انما ذلک تلبیس لان الامر من قسم الکلام وصفتہ وذلک باب مسدود دون الناس......فقد بان لک ان ابواب الامر الالھیہ والنواھی قد سدت وکل من ادعاھا بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم فھو مدعی شریعۃ اوحی بھا الیہ سواء وافق شرعنا اوخالف فان کان مکلفا ضربنا عنقہ والاضربنا عنہ صفحاً. (الیواقیت ص ۳۸ جلد ۲)۔

شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فلاں چیز کا حکم کیا ہے۔ یہ صحیح نہیں۔ یہ سراسر تلبیس اور فریب ہے کیونکہ حکم دینا کلام کی ایک قسم ہے اور یہ دروازہ لوگوں پر بند ہو چکا ہے۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ اوامر ونواہی خداوندی کے دروازے اب بند ہو چکے ہیں۔ اب رسول اللہ ﷺ کے بعد جو شخص اس قسم کا دعویٰ کرے تو وہ ایک شریعت کا جو اس کے پاس وحی کے ذریعہ پہنچی دعویدار ہے چاہے وہ ہماری شریعت کے بالکل موافق ہو یا مخالف اور اس قسم کا شخص اگر مکلف ہو گا تو ہم اس کی گردن ماردیں گے ورنہ ہم اس سے اعراض کریں گے اور اس کو پس پشت ڈال دیں گے۔

حضرت امام عبدالوہاب شعرانیؒ کی شہادت

(فان قلت) فھل النبوۃ مکتسبۃ اوموھوبۃ (فالجواب) لیست النبوۃ مکتسبۃ حتی یتوصل الیھا بالنسک والریاضات کماظنہ جماعۃ من الحمقاء.

وقد افتی المالکیۃ وغیرھم بکفر من قال ان النبوۃ مکتسبۃ.

(الیواقیت ص ۱۶۴۔۱۶۵ جلد ۱)۔

(اگر تو یہ کہے) کہ کیا نبوت اکتسابی شے ہے یا وہبی اور عطائی تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبوت حاصل کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتی یہاں تک مجاہدوں سے اور کثرت عبادات وریاضات

سے حاصل ہو جایا کرے جیسا بعض احمقوں کا خیال ہے۔ بلکہ وہ وہبی شے ہے۔ اور مالکیہ وغیرہ کا فتویٰ ہے کہ جو شخص نبوت کو مکتسبات سے کہے وہ کافر ہے۔

مگر مرزائی یوں کہتے ہیں کہ اھدنا الصراط المستقیم کی دعا کرو اور نبی بن جاؤ۔

وفیه فلا تلحق نهاية الولاية بداية النبوه (الیواقیت ج ۲ ص ۷۱) انتہائی درجہ ولایت کا نبوت کے ادنیٰ مقام تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔

اس کے بعد شیخ عبدالوہاب نے وہ عبارت نقل کی ہے جو اوپر مسطور ہو چکی۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی شہادت

لہٰذا آں سرورؐ............ در شان حضرت فاروقؓ فرمودہ است علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام " **لو كان بعدی نبی لكان عمرؓ** "، یعنی لوازم وکمالاتیکہ در نبوت درکار است ہمہ را عمر دارد۔ اما چوں منصب نبوت بخاتم الرسل ختم شدہ است علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام بدولت منصب نبوت مشرف نگشت۔ (مکتوبات امام ربانی مکتوب نمبر ۲۴ دفتر دوم حصہ ہشتم ص ۳۲۷)

لہٰذا سرور کائنات ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شان میں فرمایا ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہو سکتا ہے تو عمرؓ ہوتا۔ یعنی نبوت کے لیے جن کمالات اور خوبیوں کی ضرورت ہے وہ سب عمرؓ میں موجود ہیں۔ لیکن منصب نبوت چونکہ خاتم الرسل علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام پر ختم ہو چکا ہے اس لیے مرتبہ نبوت سے مشرف نہیں ہوئے۔ (مکتوب شریف ص ۲۴ جلد ۳)

اس مکتوب میں حضرت مجدد صاحبؒ نے منصب نبوت اور کمالات نبوت کا فرق خوب واضح فرما دیا ہے۔ کمالات دوسری شے ہیں اور منصب امر دیگر۔

جیسا کہ ایک شخص میں وائسرائے بننے کی لیاقت موجود ہو مگر ہر لیاقت والا "وائسرائے" نہیں بنا دیا جاتا۔ علاوہ لیاقت کے وہ کمال جو منصب وائسرائیت کے شرائط میں ہیں ان کا متحقق ہونا بھی ضروری ہے۔ مثلاً ایک ہندوستانی اگرچہ علیٰ وجہ الاتم وائسرائے بننے کی لیاقت رکھتا ہو مگر اسے وائسرائے نہیں بنایا جا سکتا۔ یا جب تک ایک وائسرائے موجود ہے اور اس کے زمانہ ملازمت کی مدت باقی ہے دوسرا شخص کتنا ہی قابل کیوں نہ ہو وائسرائے نہیں ہو سکتا۔

اس طرح جب تک نبی کریم ﷺ کا وہ دور نبوت باقی ہے خواہ کوئی کتنا ہی کامل کیوں نہ ہو۔ نبی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر بالفرض آپ کی امت میں کوئی نبی اپنی لیاقت کی وجہ سے ممکن ہوتا تو عمرؓ

ہوتے۔ لیکن جب بحکم پیغمبر علیہ التحیۃ والتسلیم منصب نبوت انہی کو نہ ملا تو مرزا قادیانی کو کہاں سے مل جاتا۔ مگر بغاوت کا کیا چارہ۔ اگر کوئی بغاوت کر کے بادشاہی کا دعویٰ کرے اور اپنی لیاقت کو پیش کر کے یوں کہنے لگے کہ جب موجودہ بادشاہ کے کمالات سے زیادہ کمالات مجھ میں موجود ہیں تو پھر میں بادشاہ کیوں نہیں۔ تو جو جواب ایسے شخص کو دیا جائے گا اس سے زیادہ سخت جواب اس نابکار کا ہے جو بادشاہ دوجہاں کی مملکت میں اپنی بادشاہی کا اعلان کرتا ہے۔

اسی کو حضرت مرزا شہید جان جاناںؒ نے فرمایا ہے اور اسی لیے غیر از نبوت بالاصالۃ کی قید لگائی ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی شہادت

خاتمیت زمانی اپنا دین وایمان ہے۔ ناحق کی تہمت کا البتہ کچھ علاج نہیں۔ سو اگر ایسی باتیں جائز ہوں تو ہمارے منہ میں بھی زبان ہے۔ (مناظرہ عجیبہ ص ۳۹)۔

اب ذرا حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی عبارت کا مطلب نہ سمجھنے والے اور دوسروں کو غلط طور پر گمراہ کرنے والے خود مولاناؒ کی اس عبارت کو بھی دیکھ لیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ بوقت فرصتھم ان سب حضرات کی عبارت کا مفصل مطلب بیان کر کے واضح کر دیں گے کہ یہ حضرات درحقیقت ختم نبوت کے اوّلین علم بردار ہیں۔ علماء امت کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود مرزا غلام احمد قادیانی مدعی نبوت کی شہادت بھی پیش کر دی جائے۔

ختم نبوت پر مرزا غلام احمد قادیانی کی شہادت

پہلی شہادت: اور اصل حقیقت جس کی میں علی رؤس الاشہاد گواہی دیتا ہوں یہی ہے جو ہمارے نبی ﷺ خاتم الانبیاء ہیں۔ اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نہ کوئی پرانا نہ کوئی نیا۔ (انجام آتھم ص ۲۷ خزائن ج ۱۱ ص ۲۷ حاشیہ)

دوسری شہادت: میں نبوت کا مدعی نہیں ہوں بلکہ ایسے مدعی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔ (آسمانی فیصلہ ص ۳ خزائن ج ۴)

'قرآن کریم بعد خاتم النبیین کے کسی رسول کا آنا جائز نہیں رکھتا خواہ وہ نیا رسول ہو یا پرانا۔ (ازالہ اوہام حصہ دوم ص ۷۶۱ خزائن ج ۳ ص ۵۱۱۔ ۳۱۳)

تیسری شہادت: ''کیا ایسا بدبخت مفتری جو خود رسالت اور نبوت کا دعویٰ کرتا ہے

قرآن شریف پر ایمان رکھ سکتا ہے اور کیا ایسا وہ شخص جو قرآن شریف پر ایمان رکھتا ہے اور آیت ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین کو خدا کا کلام یقین رکھتا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ میں بھی آنحضرت ﷺ کے بعد رسول اور نبی ہوں۔ (انجام آتھم ص ۲۷ خزائن ج ۱۱ ص ۲۷ حاشیہ)

آنحضرتؐ کے بعد کسی پر لفظ نبی کا اطلاق بھی جائز نہیں۔

(حاشیہ تجلیات الہیہ ص ۹ خزائن ج ۲۰ ص ۴۰۱)

اب مرزائی سیکرٹری صاحب کو چاہیے کہ سر پکڑ کر روئے کیونکہ خود ان کے میڈان قادیان نبی نے بھی خاتم النبیین کے بعد رسولوں کی آمد ناجائز قرار دی ہے۔ بلکہ لفظ نبی کا اطلاق بھی ناجائز رکھا ہے۔

نوٹ:۔ ہم ناظرین کو متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ میڈان قادیان نبی کی ان عبارات کو دیکھ کر وہ یہ نہ سمجھیں کہ مرزا قادیانی سچ مچ نبوت کے مدعی نہ تھے بلکہ ان کی عادت تھی کہ موقعہ پر ہر قسم کی بات لکھ جاتے تھے۔ کبھی نبوت سے انکار کیا گیا تو اس طرح جیسا کہ آپ نے عبارت بالا میں ملاحظہ فرمایا۔ اور کبھی دل میں آ گئی تو زور و شور سے رسالت کا دعویٰ کر ڈالا۔

"ملاحظہ ہو اربعین نمبر ۳ ص ۳۶ خزائن ج ۱۷ ص ۴۲۶"

۱.......... خدا وہ خدا ہے جس نے اپنے رسول کو یعنی اس عاجز کو ہدایت اور دین حق اور تہذیب اخلاق کے ساتھ بھیجا۔

۲.......... مجھے بتلایا گیا تھا کہ تیری خبر قرآن اور حدیث میں موجود ہے اور تو ہی اس آیت کا مصداق ہے "ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ" الخ (اعجاز احمدی ص ۷ خزائن ج ۱۹ ص ۱۱۳)

۳.......... پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں۔ (حقیقۃ الوحی ص ۳۹۱ خزائن ج ۲۲ ص ۴۰۶۔ ۴۰۷)

۴.......... میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان الہامات پر (یعنی اپنے الہامات پر) اسی طرح ایمان لاتا ہوں جیسا کہ قرآن شریف پر اور خدا کی دوسری کتابوں پر۔ اور جس طرح میں قرآن شریف کو یقینی اور قطعی طور پر خدا کا کلام جانتا ہوں اسی طرح اس کلام کو بھی جو میرے پر نازل ہوتا ہے۔ خدا کا کلام یقین کرتا ہوں۔ (حقیقۃ الوحی ص ۲۱۱ خزائن ج ۲۲ ص ۲۲۰)

یہاں طبعاً ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ جب مرزا غلام احمد قادیانی اپنی نبوت سے منکر ہیں تو پھر کیونکر اپنی تصانیف میں نبوت کا دعویٰ کر سکتے ہیں تو اس کا جواب ہم خود مرزا غلام

احمد قادیانی کی شہادت سے پیش کرنا چاہتے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی لکھتے ہیں کہ مجھے مراق یعنی مالیخولیا کا مرض تھا اور ظاہر ہے کہ جو شخص مراقی ہو اور صحیح الدماغ نہ ہو اس سے اس قسم کے بے معنی دعاوی کچھ مستبعد نہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی شہادت اپنے مراق اور کثرت بول وغیرہ پر

پہلی شہادت: دیکھو میری بیماری کی نسبت بھی آنحضرتؐ نے پیشینگوئی کی تھی جو اسی طرح وقوع میں آئی۔ آپ نے فرمایا تھا کہ مسیح آسمان پر سے جب اترے گا تو دو زرد چادریں اس نے پہنی ہوئی ہوں گی تو اسی طرح مجھ کو دو بیماریاں ہیں۔ ایک اوپر کے دھڑ کی اور ایک نیچے کے دھڑ کی۔ یعنی مراق اور کثرت بول۔

(اخبار بدر قادیان ۷ جون ۱۹۰۶ء ملفوظات ج ۸ ص ۴۴۵ تشحیذ الاذہان ماہ جون ۱۹۰۶ء)

مراقی مرزا قادیانی کا یہ فقرہ بڑا مزے دار ہے۔ اپنے مراق میں کچھ خبر نہ رہی کہ یہاں مسیح علیہ السلام کے آسمان سے اترنے کا اقرار ہو گیا جب مسیح علیہ السلام بقول مراقی مرزا قادیانی فوت ہو چکے تو پھر آسمان سے کیونکر اتریں گے۔ ان کے خیال کے موافق تو یوں ہونا چاہیے تھا کہ جب مسیح قادیان میں پیدا ہو گا۔ مگر جادو وہ جو سر پر چڑھ کے بولے۔ ”**والفضل ماشهدت به الاعداء**“

دوسری شہادت: میرا تو یہ حال ہے کہ باوجود اس کے کہ دو بیماریوں میں ہمیشہ سے مبتلا رہتا ہوں۔ تاہم آج کل کی مصروفیت کا یہ حال ہے کہ رات کو مکان کے دروازے بند کر کے بڑی بڑی رات تک بیٹھا اس کام کو کرتا رہتا ہوں حالانکہ زیادہ جاگنے سے مراق کی بیماری ترقی کرتی ہے۔

(کتاب منظور الٰہی ص ۳۴۸۔ ملفوظات ج ۲ ص ۳۷۶)

تیسری شہادت: ہمیشہ سر درد اور دوران سر اور کمی خواب اور تشنج، دل کی بیماری دورے کے ساتھ آتی ہے اور دوسری چادر جو میرے نیچے کے حصہ بدن میں ہے وہ بیماری ذیابیطس کی ہے کہ ایک مدت سے دامن گیر ہے۔ بسا اوقات سو سو مرتبہ رات کو یا دن کو پیشاب آتا ہے۔

(ضمیمہ اربعین ۳، ۴ ص ۴ خزائن ج ۱۷ ص ۴۷۱)

مرزا غلام احمد قادیانی کی ان تین ذاتی شہادات سے ثابت ہے کہ انہیں مراق تھا اور دراصل یہی باعث ادعاء نبوت ہوا۔ کتب طب میں تصریح ہے کہ مراق کی علامات میں سے ایک یہ

بھی ہے کہ کبھی مراق کا مریض دعویٰ نبوت بھی کرنے لگتا ہے۔ چنانچہ اکسیر اعظم ج ا ص ۱۸۸ میں لکھا ہے اگر مریض دانشمند بودہ باشد دعویٰ پیغمبری و معجزات و کرامات کنند و سخن از خدا گوید و خلق را دعوت کند۔

اسی طرح شرح اسباب ۶۹ جلد ا میں ہے۔ ”وقد يبلغ الفساد في بعضهم الى حديظن انه يعلم الغيب و كثيرا مايخبر بماسيكون قبل كونه و فيه قد يبلغ الفساد في بعضهم الى حديظن انه صار ملكاً.“ (الخ) (بعض لوگوں میں فساد یہاں تک بڑھ جاتا ہے کہ اس کو یہ خیال ہونے لگتا ہے کہ وہ غیب کا علم رکھتا ہے اور اکثر آئندہ آنے والے امور کی خبر دینے لگتا ہے اور بعضوں میں فساد یہاں تک ترقی کر جاتا ہے کہ اس کو اپنے متعلق یہ خیال ہوتا ہے کہ میں فرشتہ ہوں)

اسی مراق کی وجہ سے مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب اربعین نمبر ۳ حاشیہ ص ۲۵ خزائن ج ۷ا ص ۴۱۳ میں لکھا ہے کہ ”دانیال نبی نے اپنی کتاب میں میرا نام میکائیل لکھا ہے۔“

اس کے ساتھ ہی ہم ان خطوط کو نقل کر دینا بھی خالی از دلچسپی نہیں سمجھتے جو خود اس میڈان قادیان نبی کے ایک خاص عقیدت مند نے شائع کیے ہیں۔ ان خطوط کو دیکھ کر مراق کے سوا مرزا قادیانی کے دیگر پوشیدہ امراض کا عقدہ بھی کھلتا ہے۔ معلوم نہیں کہ مراق ان امراض کا باعث تھا یا ان امراض کی وجہ سے مراق ہو گیا تھا۔

مکتوب اول: مولوی حکیم نور الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ...... مجھے یہ دوا بہت ہی فائدہ مند معلوم ہوئی......

ایک مرض مجھے نہایت خوفناک تھا کہ صحبت کے وقت لیٹنے کی حالت میں نعوذ بکلی جاتا رہتا تھا............ وہ عارضہ بالکل جاتا رہا............ یہ منی کو بھی غلیظ کرتی ہے............ آپ اسے دودھ اور ملائی کے ساتھ زیادہ قدر شربت کر کے استعمال کریں تو میں خواہشمند ہوں کہ آپ کے بدن میں ان فوائد کی بشارت سنوں............ چونکہ دوا ختم ہو چکی ہے اور میں نے زیادہ زیادہ کھالی ہے اس لیے ارادہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ چاہے تو دوبارہ تیار کی جائے۔ لیکن چونکہ گھر میں ایام امید ہونے کا کچھ گمان ہے جس کا میں نے ذکر بھی کیا تھا۔ اس جہت سے جلد تیار کرنے کی چنداں ضرورت میں نہیں دیکھتا فقط۔ (مکتوبات احمدیہ ج ۵ حصہ ۲ ص ۳، ۱۴ مکتوب نمبر ۱۰)

دوا کے جلد تیار کرنے کی ضرورت نہ ہونے کی وجہ تو آپ نے اسی مکتوب میں بیان کر

دی ہے لیکن ’’زیادہ زیادہ کھا لینے کا سبب جاننے کے لیے آپ کا دوسرا مکتوب ملاحظہ فرمائیے۔

مکتوب دوم: اخویم مخدوم ومکرم مولوی نور الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ عنایت نامہ پہنچا............جس قدر ضعف دماغ کے عارضہ میں یہ عاجز مبتلا ہے۔ مجھے یقین نہیں کہ آپ کو ایسا ہی عارضہ ہو۔ جب میں نے نئی شادی کی تھی تو مدت تک مجھے یقین رہا کہ میں نامرد ہوں فقط۔

(مکتوبات احمدیہ ج ۵ حصہ ۲ ص ۲۰۔ ۲۱ مکتوب نمبر ۱۴)

میں ان بااخلاق قارئین سے معافی چاہتا ہوں جو اس قسم کے بداخلاقی اور حیا سوز مضامین کو مطالعہ کرتے ہوئے ان افعال شنیعہ کے مرتکب سے تو اغماض کر لیتے ہیں اور ناقل کو کسی طرح معاف نہیں کر سکتے اس مراقی نبی کی حالت زبوں نقل کرنے کے لیے آج بہ مجبوری ہمیں انہی کے الفاظ کو نقل کرنا پڑا ہے تاکہ مسلمان خواب غفلت میں نہ رہیں اور حیوٰۃ وفات کے مسئلہ میں پڑ کر ختم نبوت جیسے بدیہی مسئلہ میں شور وشغب سے متاثر ہو کر مفت ایمان نہ بیچ دیں۔ اگر کسی بے ایمان کے ساتھ ایمان جیسی شے فروخت کی جائے تو بہرحال کچھ تو کمال درکار ہے۔ مگر محض ایک مراقی آدمی پر ایمان لے آنا میں تو نہیں سمجھتا کہ سوائے مراقی کے کوئی دوسرا شخص بھی کر سکتا ہے۔ اس وقت میرا یہ فقرہ اس فقرہ سے بدرجہا مہذب اور نازل تر ہے جو مراقی نبی نے اپنے نہ ماننے والوں کے متعلق لکھا ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کہتا ہے کہ

’’جو ان پر ایمان نہ لائے وہ حرام زادہ ہے‘‘

”یقبلنی و یصدق دعوتی الاذریة البغایا“

(آئینہ کمالات اسلام خزائن ج ۵ ص ۵۴۷۔ ۵۴۸)

’’حرامزداہ کے سوا ہر شخص مجھے قبول کرے گا اور میری دعوت کی تصدیق کرے گا۔‘‘

”ان العدا صاروا خنازیر الفلا ونساء ھم من دونھن الا کلب“

’’دشمن ہمارے بیابانوں کے خنزیر ہوگئے اور ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئی ہیں۔‘‘

(نجم الہدیٰ ص ۱۰ خزائن ج ۱۴ ص ۵۳)

اپنے مضمون کے خاتمہ پر مراقی مرزا قادیانی کے چند عقائد بھی ہم قارئین کرام کے سامنے پیش کر دینا چاہتے ہیں جن سے اندازہ ہوگا کہ یہ جماعت کس درجہ اسلام اور مسلمانوں کی دشمن ہے۔ صرف مسلمانوں کے بہکانے کے لیے دوسرے دانت دکھلا دیتے ہیں جو صرف دکھانے کے ہیں۔ کھانے کے نہیں ”وما تخفی صدورھم اکبر.“

آنحضرتؐ کے معراج مبارک کے متعلق مراقی نبی کا عقیدہ

سیر معراج اس جسیم کثیف کے ساتھ نہیں تھا بلکہ وہ نہایت اعلیٰ درجہ کا کشف تھا جس کو درحقیقت بیداری کہنا چاہیے.......... اس قسم کے کشفوں میں خود مؤلف (یعنی مرزا قادیانی) کا تجربہ ہے۔ (ازالۃ الاوہام حصہ اول صحاشیہ ۴۷ خزائن ج ۳ ص ۱۲۶)

اس مختصر عبارت میں آپ کے جسم مبارک کو کثیف کہنا اور معراج کو کشف قرار دینا اور اسی پر بس نہیں بلکہ جو فخر انبیاء علیہم السلام میں سے کسی کو نصیب نہ تھا اس میں اپنے آپ کو صاحب تجربہ قرار دینا جیسی گستاخی بارگاہ رسالتؐ میں ہے اس کا اندازہ آپ کا ایمان کر رہا ہوگا۔

آنحضرتؐ کے معجزات کے متعلق مراقی نبی کا عقیدہ

’’آنحضرت ﷺ کے معجزات.......... جو صحابہؓ کی شہادتوں سے ثابت ہیں وہ تین ہزار معجزے ہیں۔ (مکتوبات احمدیہ ج ۳ ص ۴۹)

میری تائید میں اس (اللہ تعالیٰ) نے وہ نشان ظاہر فرمائے ہیں.......... اگر میں ان کو فرداً فرداً شمار کروں تو میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ وہ تین لاکھ سے بھی زیادہ ہیں۔

(حقیقۃ الوحی ص ۶۷ خزائن ج ۲۲ ص ۷۰)

معجزہ شق القمر کے متعلق میڈان قادیان نبی کی بڑ

لاخسف القمر المیزوان لی غسا القمران المشرقان اتنکر (قصیدۂ اعجازیہ)

ترجمہ:۔(اس کے لیے آنحضرت ﷺ) کے لیے تو چاند کا خسوف ظاہر ہوا اور میرے لیے چاند اور سورج دونوں کا تو کیا اب بھی تم میرا انکار کرو گے۔

(اعجاز احمدی ص ۷۱ خزائن ج ۱۹ ص ۱۸۳)

اس ناپاک شعر میں معجزۂ شق القمر کو چاند گہن سے تعبیر کیا ہے اور پھر اس میں بھی اپنی ہی فضیلت بتلائی ہے۔ کیونکہ اس مراقی کے لیے چاند اور سورج دونوں کا خسوف ہوا۔ ’’والعیاذ باللہ عن ھذہ الخرافات‘‘

خطبہ الہامیہ مرزا غلام احمد قادیانی کی ایک کتاب ہے جو عربی میں ہے اور درمیان میں اس کا ترجمہ فارسی اور اردو میں ہے۔ اس کتاب میں لکھتے ہیں۔ میں اس کی عربی عبارت اور اردو

ترجمہ نقل کرتا ہوں۔

وقد مضی وقت فتح مبین فی زمن نبینا المصطفی و بقی فتح آخر و هو اعظم واکبر واظهر من غلبة اولی و قدر ان وقته وقت السمیح الموعود من الله الرؤف الودودو الیه اشارا فی قوله تعالی سبحان الذی اسری الخ.

ترجمہ:۔ اور ظاہر ہے کہ فتح مبین کا وقت ہمارے نبی کریمؐ کے زمانہ میں گزر گیا اور دوسری فتح باقی رہی کہ پہلے غلبہ سے بہت بڑی اور زیادہ ظاہر ہے اور مقدر تھا کہ اس کا وقت مسیح موعود کا وقت ہو اور اسی کی طرف خدا تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ ہے۔ "**سبحان الذی**" **الخ**

(خطبہ الہامیہ ص۲۸۸ خزائن ج۱۶ ص۲۸۸)

اس عبارت میں مراقی نبی نے دعویٰ کیا ہے کہ جو فتح ان کے زمانہ میں ظاہر ہوئی وہ آنحضرتؐ کے زمانہ سے بہت بڑی ہے اور زیادہ ظاہر ہے۔ **نعوذ باللہ من ذالک.**

دعویٰ فضیلت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر

خدا نے اس امت میں سے مسیح موعود بھیجا جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر مسیح ابن مریم میرے زمانہ میں ہوتا تو وہ کلام جو میں کرسکتا ہوں وہ ہرگز نہ کرسکتا اور وہ نشان جو مجھ سے ظاہر ہو رہے ہیں وہ ہرگز نہ دکھلا سکتا (حقیقۃ الوحی ص۱۴۸ خزائن ج۲۲ ص۱۵۲)

دیکھئے! ذرا مراقی مرزا قادیانی کو کیسے اپنے جامہ سے باہر ہو رہے ہیں۔ کیا کوئی ذی روح ان کی ان قسموں کی تصدیق کرے گا **الا من سفہ نفسہ.** معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبارت غالباً عین دورے کے حال میں لکھی گئی ہے۔

جگر گوشۂ آنحضرتؐ کے متعلق مرزائے قادیان کے اشعار

کربلائے است سیر ہر آنم　　صد حسین است در گریبانم
ہر آن میرے لیے ایک نئی کربلا ہے　　ایسے حسین تو سینکڑوں میرے گریبان میں ہیں
(نزول المسیح ص۹۹ خزائن ج۱۸ ص۴۷۷)

وقالوا علی الحسنین فضل نفسه　　اقول نعم والله ربی سیظهر
لوگ کہتے ہیں کہ حسنین (علیہما السلام) پر اپنے کو فضیلت دیتا ہے میں کہتا ہوں ہاں ایسا ہی ہے اور میرا پروردگار اس

کوظاہر کرے گا۔

وشتان ما بینی و بین حسینکم   فانی اؤید کل ان وانصر

مجھے ہر آن مدد پہنچتی اور تائید غیبی میرا ساتھ دیتی ہے۔ تو بولو میرے اور تمہارے حسین کے درمیان کتنا فرق ہے۔

واما حسین فاذکروادشت کربلا   الی ھذہ الایام تبکون فانظروا
واللہ لیست فیہ منی زیادۃ   وعندی شھادات من اللہ فانظروا

حسین (علیہ السلام) جس کی وجہ سے تم آج تک کربلا کو چیختے پھرتے ہو اور اس پر روتے رہتے ہو۔ قسم خدا کی اس میں میرے سے زیادہ ایک بھی فضیلت نہیں تھی اور مجھ میں ایک چھوڑ بہت سی شہادتیں ہیں اللہ کی جانب سے۔

وانی قتیل الحب لکن حسینکم   قتیل العدا فالضرق اجلی واظھر

میں عشق و محبت سے منقول ہوں اور تمہارا حسین بر بنائے عداوت مقتول ہے تو کتنا ظاہر اور کھلا ہوا فرق ہے۔

(اعجاز احمدی ص ۵۲، ۶۹، ۸۱ خزائن ج۱۹ ص۱۶۴، ۱۸۱-۱۹۳)

آٹھ کروڑ اہل اسلام کے حق میں مراقی نبی کا حکم

میری نسبت بار بار بیان کیا گیا ہے کہ یہ خدا کا فرستادہ، خدا کا مامور.......... ہے اس پر ایمان لاؤ اور اس کا دشمن جہنمی ہے۔ (انجام آتھم ص۶۲ خزائن ج۱۱ ص۶۲)

خدا نے مجھے اطلاع دی ہے کہ تمہارے پر حرام اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکفر یا مکذب یا متردد کے پیچھے نماز پڑھو۔ بلکہ چاہیے کہ تمہارا وہ امام ہو جو تم میں سے ہو۔

(اربعین نمبر۳ حاشیہ ص۲۸ خزائن ج۱۷ حاشیہ ص۴۱۷ تذکرہ ص۳۸۹ طبع سوم)

احادیث مبارکہ کے متعلق مرزا غلام احمد قادیانی کا عقیدہ

ہم اس کے جواب میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر بیان کرتے ہیں کہ میرے اس دعویٰ کی حدیث بنیاد نہیں بلکہ قرآن اور وہ وحی ہے جو میرے پر نازل ہوئی۔ ہاں تائیدی طور پر ہم وہ حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں جو قرآن شریف کے مطابق ہیں اور میری وحی کے معارض نہیں۔ اور دوسری حدیثوں کو ہم ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔ اگر حدیثوں کا دنیا میں وجود بھی نہ ہوتا تب بھی میرے اس دعویٰ کو کچھ حرج نہ پہنچتا تھا (اعجاز احمدی ص۳۰ خزائن ج۱۹ ص۱۴۰)

"اقول اخسأفلن تعدو قدرک" مرزا قادیانی کے مراقی ہونے کے لیے ان کی یہ بیبا کانہ تعلیاں کیا کم ہیں۔ فاعتبروایا اولی الابصار۔

قارئین کرام! یہ اردو کی چند عبارتیں ہیں۔ آپ خود ان عبارات کو پڑھ کر اس جماعت کا عقیدہ معلوم کر سکتے ہیں۔ تاویلات کا دروازہ کب بند ہوا۔ اور کسی کی زبان یا قلم کا پکڑ لینا کب اختیار ہے۔ لیکن ایک سنجیدہ شخص غور کرے کہ اگر نبوت کا دروازہ درحقیقت کشادہ ہے اور فی الواقعہ اس امت کی خیریت نبی بننے میں ہی مضمر ہے۔ تو آخر اس ۱۳۰۰ سال کے عرصہ میں کتنے نبی بن چکے۔ مرزائیوں سے دریافت کیجئے وہ بھی سوائے اس مراقی نبی کے کسی ایک کا نام نہیں لیں گے۔ تو کیا آپ کا دل گوارا کرتا ہے کہ اپنے نبی کریم کی خاتم المرسلینی چھوڑ کر اجراء نبوت کے قائل ہوں اور وہ بھی ایسے شخص کی خاطر جو بہ اقرار خود اس قسم کے ناپاک امراض کا شکار ہو۔ ایسے فاسد عقیدہ کا حامل ہو اور دنیائے اسلام کو سوائے ضرر رسانی کے اس کا کوئی اور کام نہ ہو۔

میں اس وقت عدیم الفرصت ہوں اس لیے بالاختصار آپ کے سامنے یہ چند اوراق پیش کر کے اس فتنۂ عظیم کے استیصال کی آپ حضرات سے پرزور درخواست کرتا ہوں۔ اگر آپ حضرات خاموش رہے اور یہ فتنہ ترقی کرتا گیا تو اس کی جوابدہی روز محشر آپ ہی حضرات کو کرنی ہے۔ دین متین کی تائید کے لیے تیار ہو جایئے اور یقین کیجئے کہ آپ کی خیریت صرف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور ایمان باللہ کے بدولت ہے۔ اگر آپ اپنے اس اہم فریضہ سے غافل ہیں تو پھر آپ کو اپنے لیے خیرامت کہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ اس مقدس ریاست میں آنحضرتؐ کے ختم المرسلینی کے برخلاف یہ کیسی اشاعت ہو رہی ہے۔ جس کی دینی فداء کاری حمیت اور غیرت اور رسول عربی کے ساتھ والہانہ جذبہ زبان زد خاص و عام ہو چکا ہے۔ اسلام صرف مصلے پر کھڑے ہو کر دو رکعت ادا کر لینے کا نام نہیں ہے۔ ”**لاحتی تاطروھم علی الحق اطرا**“ جب تک تم لوگوں کو کمان کی طرح حق تسلیم کرنے پر جھکا نہ دو گے اس وقت تک اسلام کا صرف دعویٰ ہے۔ اگر اس راستہ میں تم اپنے وطنوں سے باہر کر دیئے جاؤ۔ اہل و عیال سے جدا کر دیئے جاؤ۔ حرمت و عزت سے محروم ہو جاؤ۔ ناعاقبت اندیش اور دین کا درد نہ رکھنے والے مسلمانوں کے ہدف ملامت بن جاؤ۔ تو تمہارے لیے یہ وہی مبارک سنت ہوگی۔ جو تم سے پیشتر دین کے حامیوں کی رہی ہیں۔ خداتعالیٰ اپنے ذاتی مفاد کی حفاظت کے پردہ میں دین کی بے حرمتی ہمارے ہاتھوں نہ کرائے اور حمایت دین کا وہ جذبہ دے کہ ایک مرتبہ پھر عہد سلف تازہ ہو آمین یارب العالمین۔

ولک الحمد اولا واخرا والصلوٰۃ والسلام علی خیر الرسل خاتم النبیین و علی آلہ و اصحابہ اجمعین الیٰ یوم الدین.

نوٹ :۔ مرزائی جماعت اکثر بہکانے کے واسطے کہہ دیا کرتی ہے کہ حوالہ جات غلط ہیں۔ احقر ان جملہ امور کو جن کا تحریر مذکور میں دعویٰ کیا گیا ہے۔ ہر وقت مرزا قادیانی کی کتب سے ثابت کرنے کے لیے موجود ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ کوئی حوالہ غلط نہ نکل سکے گا۔ اگر کسی صاحب کو شبہ ہو تو وہ احقر سے تصحیح فرما سکتے ہیں فقط۔

عاجز ناکارہ
بندہ محمد بدر عالم عفی اللہ عنہ
ڈابھیل ضلع سورت

نوٹ: ٹریکٹ ہذا کی کتابت ہو چکی تھی کہ ہمیں ۲۴ جنوری ۱۹۳۴ء کے زمیندار میں مصر کی جماعت احمدیہ کا حسب ذیل مترجمہ بیان ملا جس کو زمیندار نے ''الفتح'' قاہرہ سے منقول کیا ہے۔ ہم بجنسہ نقل کرنے کے بعد ارباب بصیرت سے ملتمس ہیں کہ وہ اسے غور سے پڑھیں۔

غلام احمد قادیانی کی بیعت جہنم کی خریداری ہے

مصر میں فتنہ قادیانیت کی ناکامی و نامرادی

جماعت احمدیہ مصریہ کا بیان

ذیل کا اعلان مصر کی جماعت قادیانیہ کی طرف سے قاہرہ کے اخبار ''الفتح'' مورخہ ۲۷ رجب ۱۳۵۲ھ میں شائع ہوا ہے یہ جماعت قادیانیوں کے دام فریب میں پھنس کر مرزا غلام احمد کی بیعت کر چکی تھی۔ لیکن مرزا اور اس کی جماعت کے متعلق مفصل حالات معلوم ہو جانے پر انہوں نے اس دین باطلہ سے توبہ کر لی ہے۔ (مدیر و معاون)۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

الحمد لله رب العلمين و صلى الله على سيدنا محمد خاتم النبيين

ہم مسلمانان نوجوانوں کی آرزو تھی کہ ہم دین حق کی نشر و اشاعت کریں اور علم اسلامی

کو سرفراز کرنے کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیں۔ لیکن ہم فرقہ قادیانیہ کی حقیقت سے خالی الذہن تھے۔ ہم اس فرقہ کے بعض دعوے سن چکے تھے۔ اور ہمیں کہا گیا تھا کہ فرقہ قادیانیہ خدمت اسلام کے لیے قائم کیا گیا ہے اور یہ ایک ہی جماعت ہے جو منظم صورت میں دعوت اسلام دیتی ہے۔ ہم اس زمرہ میں داخل ہو گئے۔ تا کہ ان کے ساتھ مل کر خدمت اسلام کریں۔ اور ہمارا یہ اقدام خلوص نیت پر مبنی تھا۔ ہم نے قطر مصری میں مصری جماعت قادیانیہ کی جس کے صدر احمد حمدی آفندی مقرر ہوئے۔ ہم اس فرقہ میں داخل تو ہو گئے۔ لیکن ہمیں اس کے اندرونی حالات کا علم نہ تھا اور نہ ہمیں غلام احمد قادیانی کی سیرت سے واقفیت تھی۔ کیونکہ یہ قوم اس کے حالات کو چھپانے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ اور نہیں چاہتی کہ لوگ غلام احمد کی تصنیفات سے بخوبی مطلع ہوں۔ کیونکہ یہ کتابیں ہر مسلم کو قادیانیت سے توبہ کرانے کے لیے کافی ہیں۔

اب ہمیں اس شخص کے حالات اور اس کی تالیفات سے آگاہی ہو گئی ہے۔ جسے یہ لوگ صیغۂ راز میں رکھنا چاہتے ہیں اور یہاں غلام احمد کی خطبۂ الہامیہ کا ایک ہی قول درج کرنا کافی معلوم ہوتا ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ بعثت ثانیہ (مرزا کی بعثت) بعثت الاولیٰ (بعثت محمدیہ) سے افضل ہے اور مرزا کی سیرت کے متعلق صرف یہ بات جان لینا کافی ہے کہ وہ محمدی بیگم سے شادی کرنے کی ہوس میں مٹا جاتا تھا۔

ہمیں جب یہ امور اور فرقہ قادیانیہ کے دیگر اندرونی حالات معلوم ہوئے تو ہم پر ظاہر ہو گیا کہ ہم نے غلام احمد کی بیعت کرنے میں کس قدر غلطی کا ارتکاب کیا اور ہمیں یقین ہو گیا کہ غلام احمد قادیانی اور ہر ایسی چیز سے جو اس سے متعلق ہے حتمی طور پر توبہ کرنا حسنات سے ہے اور قادیانی لوگ مسلمانوں کو استعمار اجنبی کے جوے کے نیچے آنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اور ہم نے دیکھا کہ غلام احمد کا دعویٰ ہے کہ اس کا کلام اس کی اپنی نظر میں قرآن کریم سے بڑا اعجاز ہے اور شمس قادیانی کا جلال تمام انبیاء سے افضل ہے۔

جب معاملہ یہاں تک پہنچا اور ہم پر واضح ہو گیا کہ ہم نے مرزائے قادیانی کی بیعت کر کے جہنم خرید لی ہے۔ تو ہم نے ضروری سمجھا کہ ہم مشرق و مغرب کے برادران اسلام کی اطلاع

کے لیے شائع کر دیں۔ کہ ہم اس فرقہ سے تائب ہو کر خدا اور رسول کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

احمد حمدی	علی فاضل	عبدالحمید اسید	حسن احمد عبدالسلام
رئیس جماعت احمدیہ مصریہ	کاتب محکمہ الاستئناف الاھلیہ	سیکرٹری دعوت وتبشیر جماعت احمدیہ مصریہ	طالب ثانوی
احمد عبدالسلام	عبدالسلام احمد	عبدالحمید اسید	
میکینکل انجینئر	رئیس مطبع جریدہ المطرقہ	جریدہ المطرقہ	

حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کے ارشادات

☆......☆...... کسی مرزائی کو داماد بنانا ایسا ہے جیسے کسی ہندو، سکھ، چوہڑے کو داماد بنالیا جائے۔

☆......☆...... جس شخص نے کہا کہ قادیانی مسلمانوں سے اچھے ہیں وہ خود قادیانیوں سے بدتر کافر ہو گیا۔

☆......☆...... مرزائیوں کی حیثیت ذمیوں کی نہیں بلکہ محارب کافروں کی ہے اور محاربین سے کسی قسم کا تعلق رکھنا شرعاً جائز نہیں۔

☆......☆......☆

فہرست کتب مطبوعہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	رعایتی قیمت
۱	الخلیفۃ المہدی	شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ	20/=
۲	تحفۂ قادیانیت جلد اول	حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ	100/=
۳	تحفۂ قادیانیت جلد دوم	// // //	100/=
۴	تحفۂ قادیانیت جلد سوم	// // //	100/=
۵	تحفۂ قادیانیت جلد چہارم	// // //	زیر طبع
۶	خاتم النبیین	// // //	100/=
۷	رئیس قادیان	مولانا محمد رفیق دلاوریؒ	100/=
۸	قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ	پروفیسر محمد الیاس برنیؒ	150/=
۹	مقدمہ قادیانی مذہب و قادیانی قول و فعل اول دوم	// // // // // //	زیر طبع
۱۰	احتساب قادیانیت جلد اول	مولانا لال حسین اخترؒ	100/=
۱۱	احتساب قادیانیت جلد دوم	مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ	100/=
۱۲	احتساب قادیانیت جلد سوم	مولانا حبیب اللہ امرتسریؒ	100/=
۱۳	احتساب قادیانیت جلد چہارم	حضرت کشمیریؒ، حضرت تھانویؒ، حضرت عثمانیؒ، حضرت میرٹھیؒ	زیر طبع
۱۴	سوانح مولانا تاج محمودؒ	صاحبزادہ طارق محمود صاحب	100/=
۱۵	رفع و نزول عیسیٰ	مولانا عبداللطیف مسعود	100/=
۱۶	تحریف بائبل	// // //	80/=
۱۷	قومی تاریخی دستاویز	مولانا اللہ وسایا صاحب	100/=
۱۸	قادیانی شبہات کے جوابات	// // //	100/=
۱۹	سوانح حضرت قاضی احسان احمدؒ	مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی	100/=

ملنے کا پتہ: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ ملتان پاکستان فون نمبر: 514122

احتسابِ قادیانیت

جلد پنجم

بحمدہ تعالیٰ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے ''احتساب قادیانیت'' کے نام سے چار جلدوں میں مولانا لال حسین اخترؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا حبیب اللہ امرتسریؒ، حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ کے ردِ قادیانیت کے مجموعہ رسائل کو جمع کیا چار جلدیں شائع ہو چکی ہیں ،

پانچویں جلد عنقریب شائع ہوگی

اس وقت پانچویں جلد کی تیاری کا کام مکمل ہو چکا ہے حجۃ اللہ علی الارض شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کی خانقاہ مونگیر شریف سے صحیفہ رحمانیہ کے نام پر چوبیس رسائل شائع ہوئے تھے پانچویں جلد ان ''صحائف رحمانیہ'' کے مجموعہ پر مشتمل ہوگی۔

قارئین سے درخواست ہے کہ ''احتساب قادیانیت'' کے نام سے شائع ہونے والی اس کتاب کی تمام جلدوں کو خرید کر اپنی لائبریریوں کی زینت بنائیں اس سے انشاء اللہ امت مرحومہ کے **تمام اکابرین کے رشحات قلم کا خزینہ آپ کے پاس جمع ہو جائے گا۔**

اللہ تعالیٰ نے توفیق عنایت فرمائی تو امید ہے کہ یہ سلسلہ بیسوں جلدوں پر محیط ہوگا صدیوں پہلے کا خزانہ نئے انداز میں مرتب ہو کر آپ کے قلوب وجگر کو جلاء بخشے گا۔

یہ کام تحریکی انداز میں آگے بڑھانے کا ہے تمام رفقاء اس کی طرف توجہ فرمائیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق بخشیں۔

نوٹ : احتساب قادیانیت جلد اول قیمت 100 روپے جلد دوم 100 روپے جلد سوم 100 روپے جلد چہارم زیر طبع ہے۔

رابطہ کے لیے دفتر مرکز

297.87 2073
94119-U-67

عالمی مجلس تحفظ خ